بسم اللہ الرحمن الرحیم

علمی و تحقیقی رسائل

جلد هفتم

متبرک مقامات و آثار کے فضائل و احکام سے متعلق
13 علمی، فقہی و تحقیقی رسائل کا مجموعہ

مصنف
مُفتی محمد رضوان

ادارۂ غفران
راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد 7

علمی و تحقیقی رسائل

متبرک مقامات و آثار کے فضائل و احکام سے متعلق
13 علمی، فقہی و تحقیقی رسائل کا مجموعہ

مصنّف
مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

نام کتاب: علمی وتحقیقی رسائل (جلد7)

مصنّف: مفتی محمد رضوان خان

طباعتِ اوّل: صفرالمظفر 1440 ہجری-اکتوبر 2018 عیسوی

صفحات: 892

ملنے کے پتے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیشِ لفظ

’’مجلسِ فقہی‘‘ ادارہ غفران، راولپنڈی

مولانا مفتی محمد رضوان خان صاحب حفظہ اللہ (مدیر: ادارہ غفران، راولپنڈی) کے علمی وتحقیقی رسائل کی ساتویں جلد بحمد اللہ تیار ہوکر، تدوین، تحقیق، مراجعت، کتابت وغیرہ کے جملہ متعلقہ مراحل سے گزر کر اشاعت کے مرحلہ میں داخل ہورہی ہے۔

علمی وتحقیقی رسائل کی اشاعت کا یہ سلسلہ پہلی جلد سے شروع ہوکر الحمد للہ تعالیٰ، بتوفیقِ الٰہی ساتویں جلد کی اشاعت تک پہنچ چکا ہے۔

ساتویں جلد میں ’’متبرک مقامات وآثار کے فضائل واحکام‘‘ سے متعلق 13 علمی، فقہی وتحقیقی رسائل شامل ہیں۔

اور یہ موضوع، موجودہ دور کا اہم موضوع ہے، جس کی توضیح خود مؤلف نے اپنی تمہید میں کردی ہے۔

مزید کئی جلدوں کے رسائل پر بھی بحمد اللہ تعالیٰ مختلف جہات سے کام جاری ہے، اور بحمد اللہ تعالیٰ کئی رسائل پر بڑی حد تک کام ہوچکا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بعافیت واستقامت اس سلسلہ کو حسبِ مراد انجام دینے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

ادارہ غفران کے اراکینِ مجلسِ فقہی نے حسبِ سابق اس جلد کے رسائل ومقالات کا بھی بالاستیعاب مطالعہ کیا، اور مفید مشورے اور قابلِ اصلاح امور کی نشاندہی کی، اس طرح اراکینِ مجلس کی نظرِ ثانی اور جزوی اصلاح وترمیم کے بعد اس جلد کے مقالات

بھی الحمدللہ تعالیٰ حتمی شکل میں منقّح ہوئے۔

دعاء ہے کہ یہ مجموعہ، اللہ کی بارگاہ میں قبول ومنظور ہو، اور امتِ مسلمہ کی دنیا وآخرت کی صلاح وفلاح اور افراط وتفریط سے حفاظت اور اعتدال کے قائم ہونے کا باعث ہو۔آمین۔

اسمائے گرامی: اراکینِ مجلسِ فقہی، ادارہ غفران

(1)......مفتی محمد رضوان صاحب (صدر مجلس)

(2)......مفتی محمد یونس صاحب (نائب صدر)

(3)......مفتی محمد امجد حسین صاحب (رکن)

(4)......مولانا محمد ناصر صاحب (رکن)

(5)......مولانا طارق محمود صاحب (رکن)

(6)......مولانا عبدالسلام صاحب (رکن)

(7)......مولانا غلام بلال صاحب (رکن)

(8)......مولانا طلحہ مدثر صاحب (رکن)

(9)......مولانا عبدالوہاب صاحب (رکن)

(10)......مولانا محمد ریحان صاحب (رکن)

(11)......مولانا شعیب احمد صاحب (رکن)

18/ ذوالقعدۃ/1439ھ 01/ اگست/2018ء بروز بدھ

ادارہ غفران، چاہ سلطان، راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی وتحقیقی سلسلہ

متبرک مقامات وآ ثار

کے

فضائل واحکام

متبرک مقامات واشیاء اور متبرک شخصیات کے آ ثار کی برکت وفضیلت کا ثبوت
متبرک مقامات وآ ثار سے تبرک حاصل کرنے کی جائز وناجائز صورتیں
مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی، بیت المقدس، دیگر مقامات وزیارتِ قبور کے لیے شدِّ رحال کی تحقیق
قبرنبوی کی زیارت سے متعلق احادیث وروایات کی اسناد پر کلام اور اس سلسلہ میں فقہی اقوال
متعلقہ مسائل پر تحقیقی فقہی کلام

مؤلف
مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

www.idaraghufran.org

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر
تمہید (من جانبِ مؤلف)	33
(مقدمہ) برکت وتبرک کی حقیقت	37
تبرک اور برکت کے معنیٰ	〃
انبیاء وصلحاء کے آثار سے تبرک کے متعلق فقہاء کے اقوال	40
(الرسالۃُ الاولیٰ) قرآن وسنت سے برکت کا ثبوت	45
اللہ کی ذات وصفات اور اسمائے حسنیٰ میں برکت	〃
آسمان اور زمین میں برکت	48
بارش کے پانی میں برکت	49
قرآن مجید میں برکت	〃
سورہ بقرہ وسورہ آلِ عمران میں برکت	50
قرآن مجید کے نزول والی رات میں برکت	52

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(من جانبِ مؤلف)

مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ کے علاوہ کسی اور مقام کی طرف شدِ رِحال یعنی مستقل سفر کرنے کی بعض احادیث میں ممانعت آئی ہے، جس کے پیشِ نظر بعض اہلِ علم حضرات مثلاً علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اوران کے ہم خیال متعدد اہلِ علم حضرات کی رائے یہ ہے کہ مذکورہ مساجد کے علاوہ کسی اور مقام کی طرف شدِ رحال یا مستقل سفر کرنا جائز نہیں، اسی بنیاد پر ان کے نزدیک زیارتِ قبور اور قبرِ نبوی کی زیارت کرنے کے لیے بھی باقاعدہ سفر کرنا جس کو ''شدِ رحال'' کہا جاتا ہے، جائز نہیں، اور دوسری قبروں کی زیارت کے لیے بھی سفر کرنا جائز نہیں، اور نبی یا ولی کے دوسرے آثار کی زیارت کے لیے بھی سفر کرنا بدرجۂ اولیٰ جائز نہیں۔

جبکہ علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اوران کے ہم خیال متعدد علماء کے علاوہ امتِ مسلمہ کے اکثر اہلِ علم حضرات کی رائے اس کے برعکس ہے کہ وہ زیارتِ قبور کے لیے حصولِ برکت کی خاطر ''شدِ رِحال'' یعنی سفر کرنے کو جائز اور بطورِ خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کی زیارت کے لیے ''شدِ رِحال'' یعنی اس مقصد کے لیے سفر کرنے کو نہ صرف یہ کہ جائز، بلکہ باعثِ ثواب قرار دیتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کی زیارت کے سلسلہ میں وارِد شدہ احادیث وروایات کی اسناد پر محدثین نے کلام کیا ہے، بعض کو ضعیف اور بعض کو غیر معمولی ضعیف وغیرہ قرار دیا ہے۔

اس لیے مساجدِ ثلاثہ کے علاوہ کی طرف شدِّ رحال کی ممانعت والی احادیث کی صحت اوران کے عموم کو بنیاد بنا کر اور زیارتِ قبرِ نبوی سے متعلق احادیث کی اسناد پر ضعف یا شدید ضعف کا حکم لگا کر، علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ نے زیارتِ قبرِ نبوی کے لیے باقاعدہ سفر یعنی ''شدِ رِحال'' کی ممانعت کا حکم لگایا ہے۔

لیکن دیگر اہلِ علم حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ مساجدِ ثلاثہ کے علاوہ کی طرف شدِّ رحال کی ممانعت کی احادیث کا حکم خاص ہے، اور ان سے زیارتِ قبور بالخصوص قبرِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور متبرک آثار ومشاہدات کے لیے شدِ رحال کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت سے متعلق متعدد ضعیف احادیث باہم مل کر قوت حاصل کر لیتی ہیں، اور ان سے زیارتِ قبرِ نبوی کی فضیلت ثابت ہو جاتی ہے، جبکہ اس سلسلہ میں بعض شدید ضعیف احادیث میں قوت حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں پائی جاتی، مگر ان کے شدتِ ضعف سے اس مسئلہ پر فرق نہیں پڑتا۔

اس ضمن میں تبرکات وآثار النبیین والصالحین سے برکت حاصل کرنے کا مسئلہ بھی زیرِ بحث آتا ہے، بعض علماء، انبیاء کے علاوہ صلحاء واولیاء کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کی نفی کرتے ہیں، جبکہ دیگر علماء، حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے انبیاء وصلحاء دونوں کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں، اور بعض اس میں دوسری تفصیل کے قائل ہیں۔

اس قسم کے مسائل میں بعض اوقات طرفین سے بہت شدت والا طرزِ عمل اور ردِ عمل سامنے آتا ہے، جس کی وجہ سے ظنی اجتہادی مسائل میں ایک دوسرے پر نکیر کر کے تشدد کیا جاتا، اور ایک دوسرے پر ضلالت وگمراہی کا حکم لگایا جاتا ہے۔ خاص طور پر اولیائے کرام اور صالحینِ عظام کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر کرنے بلکہ ان کی قبور پر حاضری دینے کے سلسلہ میں بعض اہلِ علم اور عوام کی طرف سے بڑی افراط وتفریط سامنے آتی ہے۔

چنانچہ ایک فریق نے تو اس سلسلہ میں تمام شرعی حدود کو پامال کر کے اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کی قبروں پر حاضری کو ہی اصل دین سمجھ لیا ہے، جس کے لیے عرس، میلے اور نذر ونیاز، یہاں تک کہ قوالیوں وغیرہ کو بزرگوں کی قبروں پر انجام دینا اور اس کے لیے ہر طرح کی تبلیغ وترغیب دینا باعثِ ثواب قرار دے دیا گیا ہے، یہاں تک کہ بعض لوگوں کی طرف سے بزرگوں اور ولیوں کی قبروں پر مختلف قسم کی شرک وبدعات پر مشتمل سرگرمیوں کا علی الاعلان ارتکاب اور حاضرین ومنتظمین کی طرف سے ان کو ٹھنڈے پیٹوں ہضم اور گوارا کیا جانا ایک

مشغلہ بلکہ پیشہ بنالیا گیا ہے۔

دوسری طرف اس کے مدِ مقابل ایک فریق نے اس سلسلہ میں اتنی سختی وتشدد اختیار کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام، تابعینِ عظام، اولیائے امت اور جلیل القدر فقہاء ومحدثین کی قبروں پر نفسِ حاضری کو بھی قابلِ ذکر اہمیت نہیں دی، بلکہ ممانعت یا کراہت والا طرزِ عمل اپنایا، بعض حضرات کی طرف سے اس سلسلہ میں کچھ عوام کے طرزِ عمل کو دیکھتے ہوئے سدِ باب کی خاطر صحابۂ کرام اور اولیائے عظام کی قبروں کے نام ونشان تک ختم کر دینے کو ضروری سمجھا گیا، اور اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین رضی اللہ عنہما کی مبارک قبروں پر موجود عمارات کے انہدام واختتام پر بھی گزشتہ صدی (1926ء) میں دیار وجوارِ حرمین پر غلبہ پانے والی مقتدرہ جماعت نے غور کرنا شروع کر دیا، جس کے نتیجہ میں دنیا بھر کے مسلمانوں میں تشویش واضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ اس کے بعد اس موضوع پر دونوں قسم کے فریقوں میں سے جس موقف کی طرف کسی علمی شخصیت کا رجحان ہوا، اس کو قطعی صحیح سمجھتے ہوئے اختیار کر لیا، اور دوسرے موقف کو بالکلیہ غلط سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دیا۔

اس قسم کے حالات کو دیکھتے ہوئے بندہ نے افراط وتفریط سے بچتے ہوئے شدِ رِحال، متبرک مقامات وآثار اور متعلقہ مسائل پر نصوص اور مختلف فقہاء، محدثین اور اہلِ علم حضرات کی عبارات کی روشنی میں مفصل ومعتدل کلام کرنے کی کوشش کی ہے، تاکہ طرفین کے معتدل ومتوسط طرزِ عمل کی طرف توجہ ہو، اور افراط وتفریط سے بچنے بچانے کی فکر پیدا ہو، اور اس سلسلہ میں عرب وعجم کے مختلف مکاتبِ فکر کے درمیان جو باہم غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، ان کو دور کرنے کا موقع حاصل ہو، جس کو آنے والے صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے، اگرچہ شروع میں اس موضوع کو مختصر انداز میں مرتب کرنے کا ارادہ تھا، لیکن تحقیق کے دوران یہ مضمون مفصل ہو گیا، اور اس کے بعد بعض اہلِ علم حضرات کی طرف سے نشاندہی پر بعض مزید مسائل کی تحقیق کی گئی، جس کی وجہ سے مزید طوالت ہو گئی، اور پھر اس مضمون کو مختلف رسائل

وابواب اور فصلوں کے انداز میں مرتب کیا گیا، اوران کے ضمن میں قابلِ ذکر مسائل کو بھی شامل کیا گیا۔ پہلے اس مجموعہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر کے ساتھ متصل بقعۂ مبارکہ کے بیتُ اللہ اور عرش سے افضل ہونے نہ ہونے پر بھی قدرے تفصیل کے ساتھ کلام کیا گیا تھا، لیکن اس مضمون کے مفصل ہونے کی وجہ سے اس کو الگ رسالہ کی شکل میں طبع کرنے کا فیصلہ کیا گیا، جو''علمی وتحقیقی رسائل'' کی پانچویں جلد میں''خیر بقاع الارض کی تحقیق'' کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔

آنے والے رسائل میں ہر موضوع اور مسئلہ کے متعلق وسیع تر فقہی وعلمی اقوال کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، اس لیے ممکن ہے کہ بعض مسائل میں کسی ایک جہت سے یکطرفہ موقف رکھنے والے حضرات کو اس طرزِ عمل سے اتفاق نہ ہو، اور وہ اس کے مقابلہ میں اپنے بیان واختیار کردہ یکطرفہ موقف کو ہی صحیح قرار دینے پر اصرار کریں، جو ایک فطری تقاضا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ان کا یہ طرزِ عمل یا موقف دوسرے اصحابِ علم پر حجت نہیں، وہ بے شک اپنے موقف پر قائم رہیں، لیکن ان کی وجہ سے وسیع تر تحقیق کے میدان کا سدِّ باب یا خاتمہ نہیں ہو جاتا، اور نہ ہی اسلام میں تعصب وتحزّب کی گنجائش ہے، ان کو یہ پہلو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے، جس کی مزید توضیح وتفصیل بندہ نے اپنے بعض دیگر رسائل میں مدلل طریقہ پر ذکر کر دی ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی عرض ہے کہ بندہ ذاتی طور پر کسی مسئلہ میں اپنی رائے کی کمزوری واضح ہونے کے بعد اس سے رجوع کرنے میں بحمداللہ تعالیٰ کوئی عار محسوس نہیں کرتا، اور نہ ہی اپنے متعلق علم کی برتری کا دعویٰ کرتا ہے۔

لقولہٖ تعالیٰ: وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ (سورة يوسف، رقم الآية ٧٦)

اللہ تعالیٰ اعتدال کو ملحوظ رکھنے اور افراط وتفریط سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد رضوان خان

21 / ربیع الآخر / 1439ھ 09 / جنوری / 2018ء بروز منگل

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

(مقدمہ)

برکت وتبرک کی حقیقت

متبرک مقامات واشیاء اور انبیاء وصلحاء کے آثار ومآثر سے تبرک حاصل کرنے کے مسئلہ کو سمجھنے کے لیے پہلے چند اہم الفاظ کے معانی کا سمجھ لینا ضروری ہے۔

تبرک اور برکت کے معنیٰ

''تبرک'' کا لفظ''برکت'' سے نکلا ہے،اور''برکت'' کے معنیٰ''خیر کی کثرت'' کے ہیں۔ [1]

اور''خیر'' سے وہ''خیر'' مراد ہے، جو اللہ تعالیٰ نے کسی چیز میں رکھی ہو، جو بعض اوقات ظاہر میں محسوس ہوتی ہے، اور بعض اوقات ظاہر میں محسوس نہیں ہوتی، یعنی حسی ومادی بڑھوتری یا

---

[1] وأصل البركة كثرة الخير وثبوته(شرح صحيح مسلم ،للنووی، ج ۱،ص ۲۲۵، كتاب الايمان،باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعا)

البركة كثيرة الخير(عمدة القارى للعينى، ج۳ص ۲۳۲ ،كتاب الغسل، باب من اغتسل عريانا وحده فى الخلوة)

البركة :كثرة الخير(عمدة القارى للعينى، ج۴ص ۴، كتاب التيمم)

قوله "وبركاته "جمع بركة وهو الخير الكثير من كل شىء واشتقاقه من البرك وهو صدر البعير وبرك البعير ألقى بركه واعتبر منه معنى اللزوم وسمى محبس الماء بركة للزوم الماء فيها وقال الطيبى البركة ثبوت الخير الإلهى فى الشىء سمى بذلك لثبوت الخير فيه ثبوت الماء فى البركة والمبارك ما فيه ذلك الخير وقال تعالى(وهذا ذكر مبارك)تنبيها على ما تفيض منه الخيرات الإلهية ولما كان الخير الإلهى يصدر من حيث لا يحس وعلى وجه لا يحصى قيل لكل ما يشاهد فيه زيادة غير محسوسة هو مبارك أو فيه بركة(عمدة القارى للعينى، ج٦ص ۱۱۲ ، كتاب مواقيت الصلاة، باب التشهد فى الآخرة)

("وبارك ") ، أى :زد البركة وهو الخير الكثير(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج ۲،ص ۷۴۲،باب الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم وفضلها)

(اللهم بارك) من البركة وهى الزيادة من الخير(إرشاد السارى لشرح صحيح البخارى، ج۷،ص ۳۰٦،باب قوله :إن الله وملائكته يصلون على النبى)

اضافہ وہاں نہیں پایا جاتا، مگر مختلف شکلوں میں وہ کارفرما ہوتی ہے۔ [1]
اور ''تبرک'' بابِ ''تفعل'' سے ہے، جس کے معنیٰ ہیں ''اللہ کی طرف سے کسی چیز میں عطا کی گئی برکت اور خیرِ کثیر کو حاصل وطلب کرنا'' [2]

---

[1] برک: أصل البرک صدر البعير وإن استعمل فى غيره، ويقال له بركة وبرک البعير ألقى ركبه واعتبر منه معنى الملزوم فقيل ابتركوا فى الحرب أى ثبتوا ولا زموا موضع الحرب وبراكاء الحرب وبروكاؤها للمكان الذى يلزمه الابطال، وابتركت الدابة وقفت وقوفا كالبروک، وسمى محبس الماء بركة والبركة ثبوت الخير الالهى فى الشىء، قال تعالى: (لفتحنا عليهم بركات من السماء والارض) وسمى بذلک لثبوت الخير فيه ثبوت الماء فى البركة، والمبارک ما فيه ذلک الخير، على ذلک (هذا ذكر مبارک أنزلناه) تنبيها على ما يفيض عليه من الخيرات الالهية.
وقال (كتاب أنزلناه إليک مبارک) وقوله تعالى: (وجعلنى مباركا) أى موضع الخيرات الالهية، وقوله تعالى: (إنا أنزلناه فى ليلة مباركة – رب أنزلنى منزلا مباركا) أى حيث يوجد الخير الالهى، وقوله تعالى: (ونزلنا من السماء ماء مباركا) فبركة ماء السماء هى ما نبه عليه بقوله: (ألم تر أن الله أنزل من السماء ماء فسلكه ينابيع فى الارض ثم يخرج به زرعا مختلفا ألوانه).
وبقوله تعالى: (وأنزلنا من السماء ماء بقدر فأسكناه فى الارض) ولما كان الخير الالهى يصدر من حيث لا يحس وعلى وجه لا يحصى ولا يحصر قيل لكل ما يشاهد منه زيادة غير محسوسة هو مبارک وفيه بركة، وإلى هذه الزيادة أشير بما روى أنه لا ينقص مال من صدقة لا إلى النقصان المحسوس حسب ما قال بعض الخاسرين حيث قيل له ذلک فقال بينى وبينک الميزان.
وقوله تعالى: (تبارک الذى جعل فى السماء بروجا) فتنبيه على ما يفيضه علينا من نعمه بواسطة هذه البروج والنيرات المذكورة فى هذه الآية.
وقوله تعالى: (فتبارک الله أحسن الخالقين – تبارک الذى نزل الفرقان – تبارک الذى إن شاء جعل لک خيرا من ذلک جنات – فتبارک الله رب العالمين – تبارک الذى بيده الملک) كل ذلک تنبيه على اختصاصه تعالى بالخيرات المذكورة مع ذكر تبارک (المفردات فى غريب القرآن للاصفهانى، ص ۱۲۰، كتاب الباء، مادة "برک")

[2] - التبرک :طلب ثبوت الخير الإلهى فى الشىء .سميت بركة لثبوت الخير فيه، كما يثبت الماء فى البركة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۳، ص۷۷،مادة "تفاؤل")
التبرک لغة :طلب البركة، والبركة هى :النماء والزيادة، والتبريک :الدعاء للإنسان بالبركة . وبارک الله الشىء وبارک فيه وعليه :وضع فيه البركة، وفى التنزيل :(وهذا كتاب أنزلناه مبارک) وتبركت به :تيمنت به .قال الراغب الأصفهانى :البركة ثبوت الخير الإلهى فى الشىء . قال تعالى :(ولو أن أهل القرى آمنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركات من السماء والأرض) (وهذا ذكر مبارک أنزلناه) تنبيها على ما يفيض به من الخيرات الإلهية.
وعلى هذا فالمعنى الاصطلاحى للتبرک هو :طلب ثبوت الخير الإلهى فى الشىء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۰، ص۶۹،مادة "تبرک")

''آثار'' ''اثر'' کی جمع ہے، جس سے یہاں مراد انبیاء وصلحاء کی باقیات وعلامات وغیرہ ہیں۔ [1]

---

[1] أثر :أثر الشيء :حصول ما يدل على وجوده، يقال :أثر وأثر، والجمع :الآثار .قال الله تعالى : ثم قفينا على آثارهم برسلنا ، وآثارا في الأرض ، وقوله :فانظر إلى آثار رحمت الله .
ومن هذا يقال للطريق المستدل به على من تقدم :آثار، نحو قوله تعالى :فهم على آثارهم يهرعون ، وقوله :هم أولاء على أثرى .
ومنه :سمنت الإبل على أثارة ، أى :على أثر من شحم، وأثرت البعير :جعلت على خفه أثرة، أى : علامة تؤثر في الأرض ليستدل بها على أثره، وتسمى الحديدة التي يعمل بها ذلك المئثرة.
وأثر السيف :جوهره وأثر جودته، وهو الفرند، وسيف مأثور .وأثرت العلم :رويته ، آثره أثرا وأثارة وأثرة، وأصله :تتبعت أثره.
أو أثارة من علم ، وقرء :(أثرة) وهو ما يروى أو يكتب فيبقى له أثر.
والمآثر :ما يروى من مكارم الإنسان، ويستعار الأثر للفضل، والإيثار للتفضل ومنه:
آثرته، وقوله تعالى :ويؤثرون على أنفسهم وقال :تالله لقد آثرك الله علينا وبل تؤثرون الحياة الدنيا.
وفي الحديث :سيكون بعدى أثرة أى:يستأثر بعضكم على بعض(المفردات في غريب القرآن،للأصفهاني،ص ٦٢، مادة "اثر" كتاب الألف)
والأثر :بقية ما ترى من كل شيء .
وأثر السيف :ضربته .وأثره :فرنده ووشيه، والسيف مأثور، ويجوز أن يكون الذى يأثره قرن عن قرن.
وأثر الحديث :أن يأثره قوم عن قوم؛ أى يحدث به في آثارهم أى من بعدهم .والمصدر :الأثارة.
والأثر :الحاكي للحديث.
ومررت بالأرنب فاستثرتها، وكذلك الصيد.
والإثر :الاستقفاء والاتباع، والأثر أيضا، ذهبت في إثره، وهذا أثره.
وأغضبني على أثارة غضب :أى على أثر غضب:ان.
وسمنت الإبل على أثارة .ومنه قوله عز وجل " :أو أثارة من علم "أى بقية منه، وجمعها أثارات.
والأثار :الأثر بوزن فلاح وفلح .والإثار :جمع أثر.
والمأثرة :المكرمة التي يأثرها قوم عن آبائهم ويتوارثونها، والجميع المآثر، وهي المأثرة أيضا(المحيط في اللغة، ج٢، ص٤١٧، باب الثلاثي المعتل الثاء والراء)
(أو لم يسيروا في الأرض فينظروا كيف كان عاقبة الذين كانوا من قبلهم كانوا هم أشد منهم) وفي قراء ة منكم (قوة وآثارا في الأرض) من مصانع وقصور (فأخذهم الله) أهلكهم (بذنوبهم وما كان لهم من الله من واق) عذابه(تفسير الجلالين، ٦٢٠ ،سورة غافر)
(أفلم يسيروا في الأرض فينظروا كيف كان عاقبة الذين من قبلهم كانوا أكثر منهم وأشد قوة وآثارا في الأرض)من مصانع وقصور (فما أغنى عنهم ما كانوا يكسبون(تفسير الجلالين، ٦٢٩ ،سورة غافر)

انبیاء وصلحاء کے آثار سے تبرک کے متعلق فقہاء کے اقوال

متبرک مقامات اور انبیاء وصلحاء کے آثار سے تبرک حاصل کرنا فی الجملہ جائز ہے، جبکہ شرعی حدود کا لحاظ کیا جائے، اوراس میں غلو ومبالغہ سے کام نہ لیا جائے۔ [1]

البتہ اس میں کچھ فقہی اختلاف بھی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے تبرک حاصل کرنا تو جائز ہے، اوراس میں کوئی قابلِ ذکر اختلاف نہیں پایا جاتا، بشرطیکہ شرعی حدود اور اعتدال کے دائرہ میں ہو، البتہ علامہ ابنِ تیمیہ اور بعض دیگر اہلِ علم حضرات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار میں قصد وعدمِ قصد اور اہتمام وعدمِ اہتمام کی قید لگا کر تقسیم کرتے ہیں۔

اور صلحاء ونیک لوگوں کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کے جائز ومشروع ہونے میں بعض اہلِ علم حضرات کا اختلاف ہے، چنانچہ علامہ ابنِ رجب حنبلی وغیرہ اس کا انکار کرتے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار پر غیر نبی کے آثار کو قیاس کرنے سے اختلاف کرتے ہیں۔

عرب کے متعدد اہلِ علم حضرات اسی فکر کے قائل ہیں، بلکہ بعض حضرات اس پر شرک کا بھی حکم لگاتے ہیں، جبکہ امام نووی، علامہ ابنِ حجر اور بیشتر علماء اس کے جائز ومشروع ہونے کے قائل ہیں، جن کی ایک دلیل تو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کے دلائل ہیں، جن پر وہ صلحاء کے آثار کو قیاس کرتے ہیں، جبکہ صلحاء کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کے بعض مستقل دلائل بھی ہیں۔ [2]

---

[1] التبرك مشروع فى الجملة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٠، ص٧٠، مادة "تبرك")

[2] اتفق العلماء على مشروعية التبرك بالنبى صلى الله عليه وسلم وبآثاره، وأورد علماء السيرة والشمائل والحديث أخبارا كثيرة تمثل تبرك الصحابة رضى الله عنهم بصور متعددة بالنبى صلى الله عليه وسلم وآثاره .

قال ابن رجب: والتبرك بالآثار إنما كان يفعله الصحابة رضى الله عنهم مع النبى صلى الله عليه وسلم ولم يكونوا يفعلونه مع بعضهم بعضا ولا يفعله التابعون مع الصحابة مع علو قدرهم فدل على

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اس سلسلہ میں دلائلِ شرعیہ کے پیشِ نظر ہمارا رجحان علامہ ابنِ رجب کے بجائے امام نووی، علامہ ابنِ حجر اور بیشتر علمائے امت کے قول کی طرف ہے کہ انبیاء وصلحاء کے آ ثار سے حدودِ شریعت واعتدال میں رہتے ہوئے برکت کا حاصل کرنا جائز ہے، وہ الگ بات ہے کہ انبیائے کرام، بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آ ثار سے برکت حاصل کرنے کا درجہ وتاثیر دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ ہے، ایک تو خود نبیوں اور خاص کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کے دوسروں پر زیادہ ہونے کی وجہ سے، دوسرے متعدد اور کثیر وصریح نصوص سے اس کا ثبوت ہونے کی وجہ سے۔

جہاں تک انبیائے کرام کے آ ثار کے متبرک ہونے پر صلحائے کرام کے آ ثار کے متبرک ہونے کو قیاس کرنے کا تعلق ہے، تو اس کو قیاس مع الفارق یا قیاسِ فاسد یا قیاسِ غیر صحیح قرار دینے کی طرف ہمارا رجحان نہیں ہوسکا، بلکہ اس قیاس کے معتبر ہونے کی طرف رجحان ہوا۔

کیونکہ اولاً تو اس سلسلہ میں وارد نصوص میں انبیائے کرام یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے ساتھ خصوصیت کی کوئی مستند دلیل نہیں پائی جاتی۔

دوسرے اس طرح کے اور بھی بے شمار اعمال واحکام ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أن هذا لا يفعل إلا مع الرسول صلى الله عليه وسلم مثل التبرك بالوضوء وغيره.

وقال ابن حجر والنووي: يقاس عليه غيره في ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰ ص ۵۹، ۶۰، مادة "نبي")

وكذلك التبرك بالآثار فإنما كان يفعله الصحابة رضى الله عنهم مع النبى صلى الله عليه وسلم ولم يكونوا يفعلونه مع بعضهم ببعض ولا يفعله التابعون مع الصحابة، مع علو قدرهم.

فدل على أن هذا لا يفعل إلا مع النبى صلى الله عليه وسلم مثل التبرك بوضوئه وفضلاته وشعره وشرب فضل شرابه وطعامه.

وفى الجملة فهذه الأشياء فتنة للمعظّم وللمعظّم لما يخشى عليه من الغلو المدخل فى البدعة، وربما يترقى إلى نوع من الشرك .كل هذا إنما جاء من التشبه بأهل الكتاب والمشركين الذى نهيت عنه هذه الأمة(الحكم الجديرة بالإذاعة ،لابنِ رجب الحنبلى،ص ۴۶،قوله صلى الله عليه وسلم " :وجعل رزقى تحت ظل رمحى)

کے ساتھ ان کا ثبوت پایا جاتا ہے، لیکن حکم ان کا عام ہی ہونا بیان کیا اور سمجھا جاتا ہے، مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص مواقع پر بچوں کی تحنیک کرنا اور دوسروں کو تبریک پیش کرنا ثابت ہے، لیکن اس قسم کے اعمال کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص قرار نہیں دیا جاتا، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کا بھی حکم ہونا چاہئے۔

رہا بعض حضرات کا یہ فرمانا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرام وتابعینِ عظام وغیرہ کا غیر نبی کے آثار سے تبرک حاصل کرنا ثابت نہیں۔

تو اس سے بھی آثار الصالحین سے برکت حاصل کرنے کا انکار لازم نہیں آتا، کیونکہ اولاً تو جب کسی عمل کا شارع علیہ الصلاۃ والسلام سے ثبوت ہوجائے، تو اس کے مشروع ہونے کے لیے کسی دوسرے سے ثبوت ضروری نہیں ہوتا، خود حضرت شارع علیہ السلام کا عمل اس کے مشروع ہونے کے لیے کافی ہوتا ہے، دوسرے بعض نصوص سے اس کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

اور یہ بات پہلے ذکر کی جاچکی ہے کہ انبیائے کرام اور بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کا جو مقام ودرجہ ہے، وہ غیر نبی کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کا نہیں ہے، اسی لیے امت کا عمومی میلان ورجحان بھی انبیائے کرام اور خاص طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کی طرف زیادہ ہے، اور اس طرح کا اہتمام غیر نبی کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کا نہیں پایا جاتا، لیکن اس کا بالکلیہ عدمِ اہتمام بھی نہیں پایا جاتا۔

چنانچہ مختلف شکلوں میں غیر نبی کے آثار سے تبرک حاصل کرنا خیر القرون کے دور سے آج تک معمول بہا ہے، مثلاً نیک صالح لوگوں سے بچوں کی ''تحنیک'' کروانا، بچوں کے سر پر ہاتھ پھروانا وغیرہ وغیرہ۔

جہاں تک بعض اہلِ علم حضرات کے صلحائے کرام کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کو شرک قرار دینے کا تعلق ہے، تو ہمیں اس رائے سے اتفاق نہ ہوسکا، اور ہمیں یہ رائے تشدد پر مبنی اور

دلائلِ شرعیہ کے خلاف معلوم ہوئی، کیونکہ اولاً تو اگر کوئی عمل کسی ولی کی نسبت سے شرک کہلائے جانے کا مستحق ہے، تو وہ عمل نبی کی نسبت سے بھی شرک کہلائے جانے کا مستحق ہے۔

شرک کی تعریف وحقیقت میں اللہ کی ذات وصفات میں اللہ کے علاوہ نبی یا ولی کسی کو بھی شریک کرنا مساوی حکم رکھتا ہے، اوراس سلسلہ میں نبی اور غیر نبی کی شرکت میں فرق نہیں کیا جاتا، پھر کیا وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے تبرک حاصل کرنے پر تو شرک کا حکم نہ لگایا جائے، اور غیر نبی کے آثار سے تبرک حاصل کرنے پر شرک کا حکم لگادیا جائے؟ [1]

دوسرے تبرک کی حقیقت ''اللہ کی طرف سے کسی چیز میں عطا کی گئی برکت اور خیر کو حاصل و طلب کرنا'' ہے۔

---

[1] مندرجہ بالاتحریر کے بعد ہمیں شیخ الحدیث مولانا محمد زاہد صاحب زیدمجدہٗ (نائب صدر: جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد، پاکستان) کی ''اشرف التوضیح'' سے بھی اس کی تائید ہوئی، جس کی عبارت درجِ ذیل ہے:

جیسے حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تبرک کا جواز ثابت ہورہا ہے، اسی طرح دوسرے صالحین سے بھی جوازِ تبرک ثابت ہورہا ہے، اس لیے کہ علت میں فی الجملہ اشتراک ہے، وہ یہ کہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق والی چیز بابرکت ہوگئی، اس لیے کہ آپ مقبول عنداللہ ہیں، تو دوسرے صالحین بھی فی الجملہ مقبول عنداللہ ہیں، اگرچہ قبولیت کے درجے میں زمین وآسمان کا فرق ہے، بلکہ زمین وآسمان سے پتہ نہیں کتنا گنا زیادہ فرق ہوگا، لیکن بہر حال فی الجملہ قبولیت ضرور ہے، اور یہ فرق بھی ہے کہ وہاں مقبول عنداللہ ہونا یقینی ہے، یہاں یقینی نہیں ہے، اس لیے وہاں برکت یقینی ہے، اور یہاں برکت کا ظنِ غالب ہوگا، لیکن علت بہر حال فی الجملہ پائی گئی ہے، اس لیے جس طرح حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کا جواز ثابت ہوتا ہے، اسی طرح دوسرے صالحین کے کے تبرکات کا بھی جواز ثابت ہوتا ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ غیر نبی سے تعلق رکھنے والی چیزوں کو برکت والا سمجھنا اور بطورِ تبرک کے استعال کرنا درست نہیں ہے، لیکن یہ بات ٹھیک نہیں ہے، اوراس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ ذریعۂ شرک بن سکتا ہے، لیکن شرک یا ذرائعِ شرک میں نبی اور غیر نبی کا فرق نہیں ہوتا، کیونکہ یہ تو نہیں کہ غیر نبی کو تو خدا کے مقام پر نہیں پہنچایا جاسکتا، لیکن نبی کو پہنچایا جاسکتا ہے۔

ظاہر ہے یہ بات نہیں ہے، شرک کے معاملہ میں نبی اور غیر نبی میں کوئی فرق نہیں ہوتا، بلکہ جتنا مقبول عنداللہ ہوگا، اور جس کی عقیدت زیادہ ہوگی، اتنا ہی اس میں ذریعہ شرک ہونے کا امکان زیادہ ہوگا، توجب اس میں تبرک جائز ہے، تو دوسروں میں بطریقِ اولیٰ جائز ہوگا (اشرف التوضیح، ج ۳ ص ۳۳۳، ۳۳۴، کتاب اللباس، الفصل الاول، طبع اول: ذوالقعدۃ ۱۴۲۵ ہجری، مطبوعہ: مکتبۃُ العارفی، فیصل آباد)

اور انبیاء وصلحاء کے آثار میں اس طرح کی خیر و برکت کا قائل ہونا کہ ان کے اعمالِ صالحہ کی برکت ان کے آثار میں بھی منتقل ہوتی ہے، جس سے دوسرے تبرک حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس میں فی نفسہٖ شرک کی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی، تا آنکہ کوئی دوسرا شرکیہ عقیدہ وعمل اس کے ساتھ شامل نہ ہو، نجد کے بعض علماء کسی چیز پر بدعت وشرک کا حکم لگانے میں جلد بازی اور تشدد اختیار کرتے ہیں، اور ان کے مقابلہ میں اہلِ وجد یعنی اہلِ بدعت حضرات بہت تساہل اختیار کرتے ہیں، کہ جس کی وجہ سے شرک و بدعات کو بھی سندِ جواز حاصل ہونے لگتی ہے۔[1]

ہمارے نزدیک اس سلسلہ میں راہِ اعتدال یہ ہے کہ مبارک مقامات اور انبیاء وصلحاء کے آثار میں برکت کے وجود وثبوت کو تسلیم کیا جائے، اور اس برکت کے جائز طریقہ پر حصول وطلب کا انکار نہ کیا جائے، البتہ اس سلسلہ میں غلو ومبالغہ اور حدود سے تجاوز کا انکار کیا جائے، اور اگر عوام کو کسی جگہ منکرات کی وجہ سے منع کیا جائے، تو وہ بھی سداً للباب ہوگا۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ

---

[1] حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ:

”شرک کی دو قسمیں ہیں ایک شرکِ اصغر، دوسری شرکِ اکبر، ان دونوں میں فرق ہے، بس یہ سمجھ لیجئے کہ شرکِ اصغر مزیلِ ایمان نہیں، البتہ مزیلِ واجباتِ ایمان ہے، ہمارے اور نجدیوں کے درمیان یہی تو فرق ہے، وہ یہ دو درجے نہیں نکالتے، ان کے یہاں بس ایک ہی حقیقت ہے یعنی شرکِ اصغر کوئی نہیں...... ہمارے اور نجدیوں کے درمیان یہی فرق ہے کہ ہم شرکِ اصغر کے مرتکب کو مشرک اور کافر نہیں سمجھتے، بلکہ فاسق و بدعتی سمجھتے ہیں اور نجدی ایسے شخص کو بھی کافر ومشرک سمجھتے ہیں“ (القول الجلیل حصہ اوّل صفحہ ۸ تا ۱۱ ملخصاً)

(الرسالۃُ الاولیٰ)

قرآن وسنت سے برکت کا ثبوت

برکت کا اصل مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، ہر چیز میں برکت اس کی وجہ سے آتی ہے، اللہ کے علاوہ جس چیز میں برکت ہوتی ہے، وہ اللہ کے حکم اوراس کے تعلق وتجلّی وغیرہ کی وجہ سے ہوتی ہے۔

قرآن وسنت میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے ساتھ ساتھ مختلف زمانوں، مقاموں، اشیاء، انبیاء اور نیک لوگوں کے آثار میں برکت کا ثبوت ملتا ہے، اور برکت کے حصول و طلب یعنی تبرک کی مختلف عملی صورتوں کا بھی ذکر پایا جاتا ہے، لیکن یہ بات ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ برکت کا خالق اور حقیقی موجِد اللہ ہے، اوراصل برکت اسی کی ذات اور صفات سے ہے، دوسری کسی چیز میں برکت اسی کی طرف سے اوراسی کے حکم سے منتقل ہوتی ہے۔

ہم یہاں صرف چند نصوص کا ذکر کرتے ہیں، جس میں برکت کی صراحت پائی جاتی ہے، اور جن نصوص سے معنوی طور پر برکت کا ثبوت پایا جاتا ہے، وہ بے شمار ہیں۔

اللہ کی ذات وصفات اوراسمائے حسنٰی میں برکت

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی برکات میں شبہ نہیں۔

قرآن وسنت میں جابجا، اللہ کی ذات اوراس کی صفات کی برکات کا ذکر ہے، چند آیات بطورِ نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

تَبَارَکَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ (سورۃ الاعراف، رقم الآیۃ ۵۴)

ترجمہ: بابرکت ہے اللہ، جو تمام جہانوں کا رب ہے (سورہ اعراف)

سورہ فرقان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ (سورة الفرقان، رقم الآية ۱)

ترجمہ: بابرکت ہے وہ ذات، جس نے نازل کیا فرقان (یعنی قرآن) کو اپنے بندہ پر (سورہ فرقان)

سورہ فرقان ہی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

تَبٰرَکَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَاءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرَاجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا (سورة الفرقان، رقم الآية ٦١)

ترجمہ: بابرکت ہے وہ ذات جس نے بنایا آسمان میں بروج کو، اور بنایا اس (آسمان) میں چراغ (یعنی سورج) کو، اور چمکتے ہوئے چاند کو (سورہ فرقان)

سورہ رحمٰن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ (سورة الرحمان، رقم الآية ۷۸)

ترجمہ: بابرکت ہے آپ کے رب کا نام، جو جلال واکرام والا ہے (سورہ رحمٰن)

سورہ ملک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ . اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاةَ (سورة الملک، رقم الآيات ۱، ۲)

ترجمہ: بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں (حقیقی) بادشاہی ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، جس نے پیدا کیا موت اور حیات کو (سورہ ملک)

مذکورہ آیات سے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے اسمائے حسنیٰ میں برکت ہونے کا ثبوت ہوا۔

نماز شروع کرتے وقت جو ثناء پڑھی جاتی ہے، اس کے الفاظ درجِ ذیل ہیں:

سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ، وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ، وَلَا اِلٰهَ غَیْرُکَ.

ترجمہ: پاکی ہے اے اللہ آپ کے لئے، اور آپ کی تعریف کے ساتھ، اور آپ کا نام بابرکت ہے، اور آپ کی عظمت بلند ہے، اور نہیں ہے کوئی الٰہ آپ کے علاوہ (ابوداؤد) [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کا سلام پھیرنے کے بعد یہ الفاظ پڑھنا بھی ثابت ہے:

اَللّٰھُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ، تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِکْرَامِ.

ترجمہ: اے اللہ! آپ سلامتی والے ہیں، اور آپ ہی سے سلامتی مل سکتی ہے، آپ بابرکت ہیں، اے بزرگی اور عزت واکرام والے (مسلم، ترمذی) [2]

مذکورہ آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ ربُّ العالمین کی ذات اور تمام صفات ہی

---

[1] عن عائشة قالت :كان رسولُ الله -صلى الله عليه وسلم -إذا استفتَحَ الصلاةَ قال ":سُبحانک اللهم، وبحمدِکَ، وتبارک اسمُک، وتعالى جَدک، ولا إله غيرُک(سنن ابى داؤد، رقم الحديث ٧٧٦)

قال شعيب الارنؤوط:صحيح لغيره(حاشية ابى داؤد)

عن أبي سعيد قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا افتتح الصلاة قال : سبحانک اللهم وبحمدک، وتبارک اسمک وتعالى جدک ولا إله غيرک(سنن النسائى، رقم الحديث ٩٠٠)

عن أنس بن مالک، رضي الله عنه قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا استفتح الصلاة قال :سبحانک اللهم وبحمدک، وتبارک اسمک، وتعالى جدک، ولا إله غيرک(الدعاء للطبرانى، رقم الحديث ٥٠٦)

قال الالبانى: "كان إذا استفتح الصلاة قال :سبحانک اللهم وبحمدک، وتبارک اسمک، وتعالى جدک، ولا إله غيرک ."

أخرجه الطبرانى فى "الدعاء "(2/ 1034 /506) : حدثنا محمود بن محمد الواسطى :حدثنا زكريا بن يحيى، زحمويه :حدثنا الفضل بن موسى السينانى، عن حميد الطويل عن أنس بن مالک رضى الله عنه قال :فذكره .قلت :وهذا إسناد صحيح، رجاله كلهم ثقات معروفون غير محمود بن محمد الواسطى، وهو (ابن منويه -بنون-) الحافظ المفيد العالم، كما فى "سير الذهبى "(14/ 242) وهو من شيوخ الطبرانى المعروفين(سلسلة الاحاديث الصحيحة، رقم الحديث ٢٩٩٦)

[2] عن ثوبان، قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم، إذا انصرف من صلاته استغفر ثلاثا وقال :اللهم أنت السلام ومنک السلام، تباركت ذا الجلال والإكرام قال

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

درحقیقت ہر طرح کی برکات کا منبع ہیں۔

اور جس مخلوق (زمانہ، مقام یا کسی دوسری شے) میں بھی برکت آتی ہے، وہ اسی خالق کے حکم، اور اس کی توجہ وتجلی سے آتی ہے۔

قرآن وسنت میں جابجا مختلف طریقوں سے بابرکت چیزوں کا ذکر آیا ہے۔

آسمان اور زمین میں برکت

سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرٰى آمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ (سورة الاعراف، رقم الآية ۹۶)

ترجمہ: اور اگر یقیناً بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے، تو کھول دیتے ہم ان پر برکات آسمان سے اور زمین سے (سورہ اعراف)

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی برکات کو آسمان اور زمین سے کھولنے کا ذکر فرمایا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ آسمان وزمین میں اللہ تعالیٰ نے مختلف برکات رکھی ہیں، جن کا افراد واشخاص کی طرح پورے پورے معاشروں کے لیے بھی مخصوص اعمال واخلاق اور طرزِ زندگی اختیار کرنے کی صورت میں ظہور ہوتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الوليد :فقلت للأوزاعي " :كيف الاستغفار؟ قال :تقول: أستغفر الله، أستغفر الله (مسلم، رقم الحديث ۵۹۱ "۱۳۵")

ثوبان، مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أراد أن ينصرف من صلاته استغفر ثلاث مرات، ثم قال :اللهم أنت السلام، ومنك السلام، تباركت يا ذا الجلال والإكرام (سنن الترمذى، رقم الحديث ۳۰۰)

قال الترمذى: هذا حديث حسن صحيح.

[1] وبركات السماء المطر وبركات الأرض النبات والثمار وجميع ما فيها من الخيرات والأنعام والأرزاق والأمن والسلامة من الآفات وكل ذلك من فضل الله تعالى وإحسانه على عباده .وأصل البركة ثبوت الخير الإلهى فى الشيء وسمى المطر بركة السماء لثبوت البركة فيه وكذا ثبوت البركة فى نابت الأرض لأنه نشأ عن بركات السماء وهى المطر(تفسير الخازن، ج۲، ص ۲۳۱، سورة الاعراف)

بارش کے پانی میں برکت

سورہ قٓ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ (سورہ قٓ رقم الآیات ۹،۱۰)

ترجمہ: اور نازل کیا ہم نے آسمان سے برکت والا پانی، پھر اُگا دیئے ہم نے اس کے ذریعہ سے باغ اور فَصل کے غلّے اور بلند وبالا کھجور کے درخت، جن پر پھلوں سے لدے ہوئے خوشے تہہ بہ تہہ لگتے ہیں، (یہ سب) بندوں کو رزق دینے کے لئے (ہے) اور ہم نے اس (بارش) کے ذریعے سے مُردہ زمین کو زندہ کیا (پس) اسی طرح (زمین سے) نکلنا ہوگا (سورہ ق)

مذکورہ آیات سے بارش کے پانی کا باعثِ خیر وبرکت ہونا معلوم ہوا۔

اور بارش کا پانی مختلف شکلوں میں خیر وبرکت کا باعث ہوتا ہے، جس کا ظہور فصلوں اور باغوں وغیرہ کی صورتوں میں ہوتا ہے۔ [1]

قرآن مجید میں برکت

سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَهٰذَا كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ (سورۃ الانعام، رقم الآیۃ ۱۵۵)

ترجمہ: اور یہ کتاب ہے، جس کو نازل کیا ہم نے، بابرکت ہے، پس تم اس کی

---

[1] ونزلنا من السماء ماء مباركا) كثير البركة (فأنبتنا به جنات) بساتين (وحب) الزرع (الحصيد) المحصود (تفسير الجلالين، ص ٦٨٩، سوره قٓ)

ونزلنا من السماء ماء مباركا أى كثير الخير والبركة فيه حياة كل شىء وهو المطر (لباب التأويل فى معانى التنزيل، المعروف بالخازن، ج۴، ص۱۸۷، سوره قٓ)

اتباع کرو (سورہ انعام)

مذکورہ آیت سے قرآن مجید کا باعثِ برکت ہونا، اور قرآن مجید کی اتباع کر کے اس کی برکت کا حاصل کرنا معلوم ہوا، اور اتباع میں اس کی تلاوت کرنا، اور اس پر عمل کرنا اور تلاوت کر کے دم کرنا وغیرہ سب داخل ہے۔ [1]

سورہ بقرہ وسورہ آلِ عمران میں برکت

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ: اِقْرَءُ وْا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعًا لِأَصْحَابِهٖ، اِقْرَءُ وْا الزَّهْرَاوَيْنِ الْبَقَرَةَ، وَسُوْرَةَ آلِ عِمْرَانَ، فَإِنَّهُمَا تَأْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ، أَوْ كَأَنَّهُمَا غَيَايَتَانِ، أَوْ كَأَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ، تُحَاجَّانِ عَنْ أَصْحَابِهِمَا، اقْرَءُ وْا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ، فَإِنَّ أَخْذَهَا بَرَكَةٌ، وَتَرْكَهَا حَسْرَةٌ، وَلَا تَسْتَطِيْعُهَا الْبَطَلَةُ، قَالَ مُعَاوِيَةُ: بَلَغَنِيْ أَنَّ الْبَطَلَةَ: السَّحَرَةُ

(صحیح مسلم) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قرآن کو پڑھا کرو، کیونکہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لئے سفارشی بن کر آئے گا اور دو روشن سورتوں کو پڑھا کرو سورہ بقرہ اور سورہ آلِ عمران کو، کیونکہ یہ قیامت

---

[1] قوله تعالى: وهذا كتاب أنزلناه مبارك يعني: وهـذا القرآن كتاب أنزلناه من عندنا عليك يا محمد كثير الخير والبركة دائم النفع يبشر المؤمنين بالثواب والمغفرة ويزجر عن القبيح والمعصية .وأصل البركة: النماء والزيادة وثبوت الخير (تفسير الخازن، ج٢،ص ١٣٥، سورة الانعام)

[2] رقم الحديث ٨٠٤"٢٥٢" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل قراءة القرآن، وسورة البقرة.

کے دن اس طرح آئیں گی جیسے کہ دو بادل ہوں یا دو سائبان ہوں یا قطار باندھے ہوئے پرندوں کے دوغول ہوں، اور وہ اپنے پڑھنے والوں کے بارے میں جھگڑا کریں گی، سورہ بقرہ پڑھا کرو کیونکہ اس کا پڑھنا باعثِ برکت ہے اور اس کا چھوڑنا باعثِ حسرت ہے اور اہلِ باطل اس تک رسائی نہیں پا سکتے (ان کا جادو اس کے آگے بے اثر ہو جاتا ہے)

حضرت معاویہ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ (یہاں) اہلِ باطل سے مراد جادوگر ہیں (مسلم)

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اِقْرَءُ وْا الْقُرْآنَ؛ فَإِنَّهُ شَافِعٌ لِأَصْحَابِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِقْرَءُ وْا الزَّهْرَاوَيْنِ: الْبَقَرَةَ، وَآلَ عِمْرَانَ؛ فَإِنَّهُمَا يَأْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ، أَوْ كَأَنَّهُمَا غَيَايَتَانِ، أَوْ كَأَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ يُحَاجَّانِ عَنْ أَهْلِهِمَا، ثُمَّ قَالَ: اِقْرَءُ وْا الْبَقَرَةَ؛ فَإِنَّ أَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَتَرْكَهَا حَسْرَةٌ وَلَا يَسْتَطِيْعُهَا الْبَطَلَةُ (مسند أحمد، رقم الحديث ٢٢١٤٦) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قرآن کی تلاوت کیا کرو، کیونکہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کرے گا، دو روشن سورتیں یعنی سورہ بقرہ اور آلِ عمران کی تلاوت کیا کرو، کیونکہ یہ دونوں سورتیں قیامت کے دن دو بادلوں کی شکل میں یا دو سائبانوں کی شکل یا پرندوں کی دو صف بستہ ٹولیوں کی شکل میں آئیں گی اور اپنے پڑھنے والوں کا دفاع کریں گی پھر فرمایا کہ سورہ بقرہ کی تلاوت کیا کرو، کیونکہ اس کا حاصل کرنا برکت اور چھوڑنا

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية مسند احمد)

حسرت کا باعث ہے اور باطل والے (یعنی جادوگر) اس (سورہ بقرہ کے توڑ) کی طاقت نہیں رکھتے (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید اور اس کی سورتیں وآیتیں باعثِ برکت ہیں، اور ان سے برکت حاصل کرنے کا ایک طریقہ ان کی تلاوت کرنا اور تلاوت کر کے دَم وغیرہ کرنا ہے۔[1]

قرآن مجید کے نزول والی رات میں برکت

سورہ دخان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰـهُ فِىۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (سورۃ الدخان، رقم الآیۃ ۳)

ترجمہ: بے شک نازل کیا ہم نے اس (کتاب) کو برکت والی رات میں (سورہ دخان)

برکت والی رات سے مراد شبِ قدر ہے، جس کا سورہ قدر میں درجِ ذیل الفاظ کے ساتھ ذکر آیا ہے کہ:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ (سورۃ القدر، رقم الآیۃ ۱)

ترجمہ: بے شک نازل کیا ہم نے اس (کتاب) کو لیلۃُ القدر میں (سورہ قدر)

مبارک رات سے مراد ''لیلۃ القدر'' ہے، جس کی برکت کو حاصل کرنے کے لیے اس رات میں عبادت کی بڑی فضیلت ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض زمانوں میں بھی برکت رکھی ہے، جس طرح کہ بعض مقامات وشخصیات اور اشیاء میں برکت رکھی ہے۔

بیتُ اللہ وکعبہ میں برکت

سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

---

[1] (فإن أخذها) ، أی المواظبة علی تلاوتها والتدبر فی معانیها والعمل بما فیها (برکة) ، أی منفعة عظیمة (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج۴، ص ۱۴۶۰، کتاب فضائل القرآن)

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ .فِيْهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا (سورة آل عمران، رقم الآيات ٩٦، ٩٧)

ترجمہ: بے شک سب سے پہلا گھر جو مقرر کیا گیا، لوگوں کے لئے، یقیناً وہ ہے جو مکہ میں ہے، جو کہ مبارک ہے، اور ہدایت ہے عالَم والوں کے لئے، اس میں نشانیاں ہیں واضح، مقامِ ابراہیم بھی ہے، اور جو اس میں داخل ہو گیا، تو وہ امن والا ہے (سورہ آلِ عمران)

مذکورہ آیات سے مکہ مکرمہ وحرم شریف کا باعثِ خیر و برکت ہونا معلوم ہوا، اور بیت اللہ کا باعثِ برکت ہونا بالکل ظاہر و باہر ہے، جس کی وجہ سے مکہ مکرمہ اور جملہ حدودِ حرم کو باعثِ برکت ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ [1]

مسجدِ اقصیٰ میں برکت

سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ

(سورة بنی اسرائیل آیت ۱)

ترجمہ: پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک، جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے، تاکہ دکھائیں اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے، بے شک وہی ہے سننے والا دیکھنے والا (سورہ بنی اسرائیل)

---

[1] وقوله مباركا يعنى ذا بركة وأصل البركة النمو والزيادة، وقيل هو ثبوت الخير الإلهى فيه وقيل هو أول بيت خص بالبركة وزيادة الخير وقيل لأن الطاعات وسائر العبادات تتضاعف ويزداد ثوابها عنده(تفسير الخازن، ج ١، ص ٢٧٢، سورة آل عمران)

اس آیت میں مسجدِ اقصیٰ کو اللہ کی برکت کے گھیرنے کا ذکر کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ بعض مقامات باعثِ برکت ہوتے ہیں۔ [1]

وادیِ طور میں برکت

سورہ قصص میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يَّامُوْسٰى إِنِّيْ أَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ (سورة القصص، رقم الآية ٣٠)

ترجمہ: پھر جب آئے (موسیٰ) وہاں، تو ندا دی گئی، وادی کے دائیں کنارے واقع مبارک جگہ کے ایک درخت سے کہ اے موسیٰ بے شک میں ہی اللہ ربُّ العالمین ہوں (سورہ قصص)

مذکورہ آیت سے کوہِ طور کا باعثِ برکت مقام ہونا معلوم ہوا، کیونکہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا، اور اللہ تعالیٰ کے انوار وتجلیات کا نزول ہوا تھا۔ [2]

قرآن مجید کی سورہ نمل میں ارشاد ہے کہ:

فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (سورة النمل، رقم الآية ٨)

ترجمہ: پھر جب آئے وہ (یعنی موسیٰ) وہاں (یعنی کوہِ طور پر) تو آواز دی گئی کہ

---

[1] وقوله سبحانه: الذی بارکنا حوله صفة مدح وفیها إزالة اشتراک عارض، وبرکته بما خص به من کونه متعبد الأنبیاء علیهم السلام وقبلة لهم وکثرة الأنهار والأشجار حوله (تفسیر روح المعانی، ج٨، ص ١٣، سورة بنی اسرائیل، تحت رقم الآیة ١)

[2] البقعة المبارکة جعلها الله مبارکة لأن الله تعالی کلم موسی هناک وبعثه نبیا وقیل یرید البقعة المقدسة من الشجرة یعنی من ناحیة الشجرة (تفسیر الخازن، ج٣، ص ٣٦٤، سورة القصص)
ووصفت البقعة بالبرکة، لما خصت به من آیات الله وأنواره وتکلیمه لموسی علیه السلام، أو لما حوت من الأرزاق والثمار الطیبة (البحر المحیط فی التفسیر، ج٨، ص ٣٠١، سورة القصص)

بابرکت ہے، وہ جو آگ (یعنی روشنی) میں ہے، اور جو اس کے آس پاس ہے،

اور پاک ہے اللہ، جو عالمین کا رب ہے (سورہ نمل)

اس سے پہلے سورہ قصص کی آیت میں کوہِ طور کے متعلق ''بقعۂ مبارکہ'' ہونا گزر چکا ہے، اور مذکورہ آیت میں اسی مقام کا باعثِ برکت ہونا بتایا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ بعض مقامات باعثِ برکت ہوتے ہیں، اور اس برکت سے وہاں جانے والا بھی مستفید ہوتا ہے، جو کہ متبرک مقامات سے برکت کے حصول کی دلیل ہے۔ [1]

حضرت نوح اور آپ کے رفقاء میں برکت

سورہ ھود میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قِيْلَ يٰـنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰى أُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ (سورة هود، رقم الآية ٤٨)

ترجمہ: کہا گیا کہ اے نوح! اتر جایئے آپ، سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے

---

[1] (فلما جاء ها نودى) أى بأن (بورك) أى بارك الله (من فى النار) أى موسى (ومن حولها) أى الملائكة أو العكس وبارك يتعدى بنفسه وبالحرف ويقدر بعد فى مكان (وسبحان الله رب العالمين) من جملة ما نودى ومعناه تنزيه الله من السوء (تفسير الجلالين،ص ٤٩٥، سورة النمل)

(من فى النار ومن حولها) أى من فى مكان النار وهى البقعة المباركة المذكورة فى قوله سبحانه نودى من سورة النمل شاطء الوادى الأيمن فى البقعة المباركة ومن حول مكانها وقرء تباركت الأرض ومن حولها والظاهر عمومه لكل من فى ذلك الوادى وحواليه من أرض الشام الموسومة بالبركات لكونها مبعث الأنبياء عليهم الصلاة والسلام وكفاتهم أحياء وأمواتا ولا سيما تلك البقعة التى كلم الله تعالى فيها موسى وقيل المراد موسى والملائكة الحاضرون(تفسير أبى السعود، ج٦،ص ٢٧٣،سورة النمل)

من فى النار ومن حولها من فى مكان النار وهو البقعة المباركة المذكورة فى قوله تعالى :نودى من شاطء الواد الأيمن فى البقعة المباركة ومن حول مكانها والظاهر أنه عام فى كل من فى تلك الأرض، وفى ذلك الوادى وحواليها من أرض الشام الموسومة بالبركات لكونها مبعث الأنبياء وكفاتهم أحياء وأمواتا وخصوصا تلك البقعة التى كلم الله فيها موسى .وقيل المراد موسى والملائكة الحاضرون، وتصدير الخطاب بذلك بشارة بأنه قد قضى له أمر عظيم تنتشر بركته فى أقطار الشأم(أنوار التنزيل وأسرار التأويل،للبيضاوى، ج٤،ص ١٥٥ ،سورة النمل)

اور برکتیں ہوں آپ پر، اور ان لوگوں پر جو آپ کے ساتھ ہیں (سورہ ھود)

مذکورہ آیت میں حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے ہمراہیوں پر اللہ نے اپنی برکات ہونے کا ذکر فرمایا ہے، جس سے نبیوں اور ان کے متبعین میں اللہ کی طرف سے خیر و برکت کا ثبوت ہوتا ہے۔ [1]

حضرت عیسیٰ میں برکت

سورہ مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق ارشاد ہے کہ:

وَجَعَلَنِیْ مُبَارَكًا أَیْنَ مَا كُنْتُ (سورۃ مریم، رقم الآیۃ ۳۱)

ترجمہ: اور بنایا ہے مجھے مبارک، جہاں کہیں میں ہوں (سورہ مریم)

اس آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا باعثِ برکت ہونا معلوم ہوا، اور باعثِ برکت ہونے سے مراد خیر و نفع کا باعث ہونا ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ہمارے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ایک مستقل نبی ہیں، جس سے دوسرے نبیوں کا بھی باعثِ برکت ہونا اور وہ جہاں کہیں بھی ہوں، اس مقام کا باعثِ برکت ہونا معلوم ہوا۔

اور اس میں نبی کی وفات کے بعد اس کا مدفن بھی داخل ہے، حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا آسمان سے نزول قیامت سے قبل ہوگا، یہ سب ''مبارکا'' اور ''این ما کنت'' کا مصداق ہیں۔ [2]

---

[1] وبرکات علیک البرکۃ الخیر النامی -والمراد بالبرکات مراتب قرب اللہ تعالی ورحمتہ وفضلہ وکثرۃ ذریتہ وبقاؤھم الی یوم القیامۃ وکون الأنبیاء منھم والصالحین وعلی أمم ممن معک من للبیان والمراد بالأمم الذین کانوا معہ فی السفینۃ لانھم کانوا جماعات او لتشعب الأمم منھم- او لابتداء الغایۃ ای علی امم ناشیۃ من معک(التفسیر المظھری، ج۵،ص ۹۲،سورۃ ھود)

[2] (وجعلنی مبارکا) أی ذا برکات ومنافع فی الدین والدعاء إلیہ ومعلما لہ(تفسیر القرطبی، ج ۱۱، ص۱۰۳، سورۃ مریم)

حضرت ابراہیم کے اہلِ خانہ میں برکت

قرآن مجید کی سورہ ہود میں ہے کہ:

قَالَتْ يَاوَيْلَتَا أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهٰذَا بَعْلِي شَيْخًا إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ .قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ(سورة هود، رقم الآيات ٧٢، ٧٣)

ترجمہ: کہا اس (یعنی حضرت ابراہیم کی بیوی) نے کہ کیا میرے اولاد ہوگی، حالانکہ میں بوڑھی ہوں، اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں، یہ تو یقیناً عجیب چیز ہوگی، انہوں نے (یعنی فرشتوں نے) کہا کہ کیا تم تعجب کرتی ہو، اللہ کے حکم سے، اللہ کی رحمت اور اس کی برکات تم گھر والوں پر ہیں (سورہ ہود)

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پورے گھرانہ پر اپنی برکات کے ہونے کا ذکر فرمایا ہے، جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ غیر نبی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ بھی داخل ہیں، جس سے انبیاء وصلحاء میں اللہ کی طرف سے برکت کا موجود ہونا معلوم ہوا۔[1]

تشہد اور درود میں برکت کا ذکر

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد ایسے اہتمام کے ساتھ سکھلایا، جیسا کہ قرآن کی کوئی سورت سکھلاتے تھے، اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح تشہد سکھلایا:

---

[1] (أهل البيت) على الاختصاص، وهذا مذهب سيبويه .وقيل :على النداء .الثالثة -هذه الآية تعطى أن زوجة الرجل من أهل البيت، فدل هذا على أن أزواج الأنبياء من أهل البيت، فعائشة رضى الله عنها وغيرها من جملة أهل بيت النبى صلى الله عليه وسلم، ممن قال الله فيهم ":ويطهركم تطهيرا(تفسير القرطبى، ج٩،ص ٧١،تفسير سورة هود)

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ أَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰہُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

ترجمہ: ساری قولی، بدنی اور اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں آپ پر نازل ہوں، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں (بخاری) [1]

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے قعدہ میں اس تشہد کے پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔ [2]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تشہد اس طرح اہتمام کے ساتھ سکھلاتے تھے، جس طرح قرآن کی کوئی سورت سکھلایا کرتے تھے، اور تشہد اس طرح سکھلاتے تھے:

---

[1] حدثنی عبد الله بن سخبرة أبو معمر قال :سمعت ابن مسعود، يقول :علمنی رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكفى بين كفيه، التشهد، كما يعلمنى السورة من القرآن :التحيات لله، والصلوات والطيبات، السلام عليك أيها النبى ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، أشهد أن لا إله إلا الله، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله(بخاری ،رقم الحديث ٦٢٦٥ ،باب الاخذ باليدين)

[2] عن عبد الله، قال :كنا نقول فى الصلاة خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم : السلام على الله السلام على فلان .فقال لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم : "إن الله هو السلام، فإذا قعد أحدكم فى الصلاة فليقل :التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك أيها النبى ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، فإذا قالها أصابت كل عبد لله صالح فى السماء والأرض، أشهد أن لا إله إلا الله، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله، ثم يتخير من المسألة ما شاء (مسلم، رقم الحديث ٤٠٢ "٥٥")

اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ.

ترجمہ: ساری بابرکت قولی اور بدنی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، سلام ہوا ے نبی آپ پر اور اللہ کی رحمت ہو اور برکتیں، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں (مسلم) [1]

مذکورہ احادیث سے اللہ کی برکات کے حصول کی دعاء کا کرنا معلوم ہوا۔

نماز میں پڑھے جانے والے مشہور درودِ ابراہیمی کے الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ.

ترجمہ: اے اللہ! رحمتِ خاص نازل فرما محمد پر اور محمد کی آل پر جیسا کہ آپ نے رحمت نازل فرمائی حضرت ابراہیم پر اور ابراہیم کی آل پر، بے شک آپ تعریف کے لائق اور بزرگ وبرتر ہیں، اے اللہ! برکت نازل فرما محمد پر اور محمد کی آل پر جیسا کہ آپ نے برکت نازل فرمائی ابراہیم پر اور ابراہیم کی آل پر، بے شک

---

[1] عن ابن عباس، أنه قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمنا التشهد كما يعلمنا السورة من القرآن فكان يقول :التحيات المباركات، الصلوات الطيبات لله، السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، أشهد أن لا إله إلا الله، وأشهد أن محمدا رسول الله(مسلم، رقم الحديث ۴۰۳"۶۰"كتاب الصلاة، باب التشهدفى الصلاة)

آپ ہی در حقیقت تعریف کے لائق اور بزرگ وبرتر ہیں (بخاری)[1]

اس درود میں محمد اور آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی طرح ابراہیم اور آلِ ابراہیم پر برکت کا ذکر ہے، اور آل میں غیر نبی (متبعین ومتعلقین نبی کے) داخل ہیں، جس سے انبیاء وصلحاء دونوں میں اللہ کی برکت کا ہونا معلوم ہوا۔[2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ میں برکت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ بَيْتَ أُمِّ سُلَيْمٍ فَيَنَامُ عَلٰى فِرَاشِهَا، وَلَيْسَتْ فِيْهِ، قَالَ: فَجَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ فَنَامَ عَلٰى فِرَاشِهَا، فَأُتِيَتْ فَقِيْلَ لَهَا: هٰذَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ فِيْ بَيْتِكِ، عَلٰى فِرَاشِكِ، قَالَ فَجَاءَتْ وَقَدْ عَرِقَ، وَاسْتَنْقَعَ عَرَقُهٗ عَلٰى قِطْعَةِ أَدِيْمٍ، عَلَى الْفِرَاشِ، فَفَتَحَتْ عَتِيْدَتَهَا فَجَعَلَتْ تُنَشِّفُ ذٰلِكَ الْعَرَقَ فَتَعْصِرُهٗ فِيْ قَوَارِيْرِهَا، فَفَزِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَا

---

[1] حدثنی عبد الله بن عيسى، سمع عبد الرحمن بن أبی ليلى، قال :لقينی كعب بن عجرة، فقال :ألا أهدى لک هدية سمعتها من النبی صلى الله عليه وسلم؟ فقلت :بلى، فأهدها لی، فقال :سألنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلنا :يا رسول الله، كيف الصلاة عليكم أهل البيت، فإن الله قد علمنا كيف نسلم عليكم؟ قال " :قولوا :اللهم صل على محمد وعلى آل محمد، كما صليت على إبراهيم، وعلى آل إبراهيم، إنک حميد مجيد، اللهم بارک على محمد وعلى آل محمد، كما باركت على إبراهيم، وعلى آل إبراهيم إنک حميد مجيد "(بخاری، رقم الحديث ۳۳۷۰، كتاب احاديث الانبياء، باب قول الله تعالى واتخذ الله إبراهيم خليلا)

[2] ("وبارک ") ، أی :زد البركة وهو الخير الكثير ")على محمد وأزواجه وذريته، كما باركت على آل إبراهيم ") : وفی نسخة :على إبراهيم، وفی رواية أحمد ذكر إبراهيم فی الصلاة وذكر آله فی البركة، وفيها مناسبة لقوله تعالى :(رحمة الله وبركاته عليكم أهل البيت(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۲،ص ۷۴۲،باب الصلاة على النبی صلى الله عليه وسلم وفضلها)

تَصۡنَعِيۡنَ؟ يَا أُمَّ سُلَيۡمٍ فَقَالَتۡ: يَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ نَرۡجُوۡ بَرَكَتَهٗ لِصِبۡيَانِنَا، قَالَ: أَصَبۡتِ (صحیح مسلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُمِ سُلیم (جو حضرت انس کی والدہ تھیں) کے گھر میں تشریف لاتے تھے، پھر ان کے بستر پر سو جاتے تھے، اور اُمِ سلیم اس وقت بستر پر نہیں ہوتی تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف لائے، پھر (حسبِ عادت) ان کے بستر پر سو گئے، پھر اُمِ سلیم آئیں، ان سے کہا گیا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جو آپ کے بستر پر سو گئے ہیں، تو وہ ایک شیشی لائیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پسینہ آیا ہوا تھا، اور آپ کا پسینہ بستر پر (بچھے) چمڑے کی شیٹ پر جمع تھا، تو اُمِ سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنا سنگھار دان کھولا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک پونچھ پونچھ کر شیشی میں ڈالنے لگیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کی اچانک آنکھ کھلی، یہ منظر دیکھا تو) گھبرا گئے اور فرمانے لگے، اے اُمِ سلیم! یہ کیا کر رہی ہو، اُمِ سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم اپنے بچوں کے لئے اس پسینے سے برکت کی امید رکھتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو صحیح (کر رہی) ہے (مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ برکت کا باعث ہے، اور یہ نبی کے آثار سے برکت کے حصول کی دلیل ہے، جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تردید نہیں فرمائی، بلکہ ''أصبت'' فرما کر اس پر مہرِ تصدیق ثبت فرما دی۔

اکابر کی معیت میں برکت

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحدیث ۲۳۳۱ ''۸۴'' کتاب الفضائل، باب طیب عرق النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتبرک بہ.

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْبَرَكَةُ مَعَ أَكَابِرِكُمْ (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۵۵۹، كتاب البر والاحسان، باب الصحبة والمجالسة) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برکت تمہارے بڑوں کے ساتھ ہے (ابنِ حبان)

اس حدیث میں بزرگوں کے ساتھ برکت ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، جس سے آثارُالصلحاء کی برکت کا ثبوت ہوتا ہے۔

زیتون میں برکت

سورہ نور میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ (سورة النور، رقم الآية ۳۵)

ترجمہ: مبارک درخت سے جو کہ زیتون کا ہے (سورہ نور)

اس آیت میں زیتون کے درخت کو مبارک قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اس میں خیرِ کثیر ہے۔ [2]

اور احادیث میں زیتون کی برکت وخیر کو حاصل کرنے کا ایک طریقہ، اس کو کھانا اور اس کے تیل کو استعمال کرنا بتلایا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت اسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كُلُوْا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوْا بِهٖ، فَإِنَّهٗ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ (مستدرک حاكم) [3]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية صحيح ابنِ حبان)

[2] ثم وصفها بقوله مباركة ثم أبدلها وبينها بقوله زيتونة تعظيما لشأنها وتفخيما لامرها لانها كثيرة البركة وفيها منافع كثيرة (التفسير المظهرى، ج۶، ص ۵۲۴، سورة النور)

[3] رقم الحديث ۳۵۰۴، كتاب التفسير، تفسير سورة النور.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه وله شاهد آخر بإسناد صحيح ".

و قال الذهبي في التلخيص: صحيح.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم زیتون کو کھاؤ، اوراس کے تیل کی مالش کرو، کیونکہ یہ مبارک درخت سے تعلق رکھتا ہے (حاکم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِئْتَدِمُوْا بِالزَّیْتِ وَادَّھِنُوْا بِہٖ فَإِنَّہٗ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبَارَکَۃٍ (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۷۱۴۲) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم زیتون کو (بطور سالن کے) کھاؤ، اوراس کے تیل کو استعمال کرو، کیونکہ یہ مبارک درخت سے تعلق رکھتا ہے (حاکم)

معلوم ہوا کہ بعض اشیاء میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے، اوراس برکت کو حاصل کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔

گھوڑوں کی پیشانیوں میں برکت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلْبَرَکَۃُ فِیْ نَوَاصِی الْخَیْلِ (صحیح البخاری) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برکت، گھوڑوں کی پیشانیوں میں ہے (مسلم)

اس حدیث میں گھوڑے کی پیشانی میں برکت کا ذکر کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ بعض اعضا باعثِ برکت ہوتے ہیں۔

---

[1] قال الحاکم: ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ ".
و قال الذھبی فی التلخیص: علی شرط البخاری ومسلم.

[2] رقم الحدیث ۲۸۵۱، کتاب الجھاد والسیر، باب: الخیل معقود فی نواصیھا الخیر إلی یوم القیامۃ، مسلم، رقم الحدیث ۱۸۷۴ "۱۰۰"

سلام اوراس کا جواب برکت والی دعاء

سورہ نور میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً (سورة النور، رقم الآية ٦١)

ترجمہ: پھر جب داخل ہوتم گھروں میں، تو سلام کرواپنے (لوگوں) پر، جو دعا ہے اللہ کی طرف سے، مبارک ہے پاکیزہ ہے (سورہ نور)

اس آیت سے گھر میں داخل ہونے، اور دوسرے مسلمان سے ملاقات ہونے کے وقت سلام کرنے کا اللہ کی طرف سے دعاء اور باعثِ برکت ہونا معلوم ہوا۔

استخارہ میں برکت کی دعاء کا ذکر

استخارہ کی مسنون دعاء میں بھی اللہ تعالیٰ سے خیر کے کام میں برکت کی دعا کا ذکر ہے، چنانچہ مسنون استخارہ کی دعاء کے الفاظ یہ ہیں کہ:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِيْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ، وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِيْمِ ،فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَااَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَااَعْلَمُ ،وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ،اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَاالْاَمْرَ خَيْرٌلِّیْ فِیْ دِيْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ وَ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَآجِلِهٖ فَاقْدِرْهُ لِیْ،وَيَسِّرْهُ لِیْ،ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِيْهِ ، وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَاالْاَمْرَ شَرٌّلِّیْ فِیْ دِيْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ،وَعَاجِلِ اَمْرِیْ،وَآجِلِهٖ،فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدِرْلِیَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ"

ترجمہ: ''یا اللہ! میں آپ کے علم کے واسطہ اورذریعہ سے آپ سے خیر چاہتا

ہوں، اور میں آپ کی قدرت کے واسطہ اور ذریعہ سے آپ سے قدرت وطاقت چاہتا ہوں، اور میں آپ سے آپ کے عظیم فضل کا سوال کرتا ہوں ، کیونکہ آپ قادر ہیں اور میں قادر نہیں (بلکہ محتاج ہوں) اور آپ علم رکھتے ہیں اور میں علم نہیں رکھتا اور آپ ''عَلَّامُ الْغُيُوْب '' (یعنی غیب کا کُلّی اور پوری طرح علم رکھنے والے) ہیں (کہ کس چیز میں خیر ہے اور کس چیز میں شر ہے) یا اللہ اگر آپ کے علم میں یہ کام (جس کو اس وقت میں کرنے، نہ کرنے کے متعلق درخواست ودعا کر رہا ہوں) میرے حق میں خیر اور بھلائی والا ہے، میرے دین کے لیے بھی خیر اور بھلائی والا ہے، میری معاش اور دنیا کے لئے بھی خیر اور بھلائی والا ہے اور میرے انجام کار کے لئے بھی خیر اور بھلائی والا ہے، میرے لئے فی الحال بھی خیر اور بھلائی والا ہے، اور بالمآل (آئندہ) کے لئے بھی خیر اور بھلائی والا ہے، تو اس کو میرے لئے مقدَّر اور تجویز فرما دیجئے، اور اس کو میرے لیے آسان بھی فرما دیجئے، اور پھر اس میں میرے لیے برکت بھی پیدا فرما دیجئے، اور اگر آپ کے علم میں یہ کام (جس کو اس وقت میں کرنے، نہ کرنے کے متعلق درخواست ودعا کر رہا ہوں) میرے حق میں شر اور برائی والا ہے، میرے دین کے لئے بھی شر اور برائی والا ہے، میری معاش اور دنیا کے لئے بھی شر اور برائی والا ہے، اور میرے انجام کار کے لئے بھی شر اور برائی والا ہے، میرے لئے فی الحال بھی شر اور برائی والا ہے اور بالمآل (آئندہ) کے لئے بھی شر اور برائی والا ہے، تو ہٹا دیجئے (اور دور کر دیجئے) اس کو مجھ سے، اور ہٹا دیجئے (اور دور کر دیجئے) مجھے اس سے، اور (اس کے بدلے) مقدَّر (اور نصیب وتجویز) کر دیجئے میرے لئے خیر اور بھلائی، جہاں کہیں بھی ہو اور پھر مجھے اس پر راضی (اور مطمئن) بھی کر دیجئے (بخاری) [1]

---

[1] عن جابر رضی الله عنه، قال: كان النبی صلى الله عليه وسلم يعلمنا الاستخارة فی الأمور كلها، كالسورة من القرآن " :إذا هم بالأمر فليركع ركعتين ثم يقول :اللهم إنی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ بعض کام اور بعض چیزیں باعثِ برکت ہوتی ہیں، نیز کاموں اور چیزوں میں اللہ کے حکم سے برکت آتی ہے، اس لیے اللہ سے برکت کے حصول کی دعا کا ذکر کیا گیا۔

رزق کے اندر برکت کی دعاء

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس کو اللہ کھانا کھلائے، تو اسے چاہیے کہ یہ دعاء پڑھے کہ:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْهِ وَأَطْعِمْنَا خَیْرًا مِّنْهُ

اے اللہ! ہمیں اس میں برکت عطا فرمایئے، اور ہمیں اس سے بہتر کھلایئے

(ترمذی) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أستخيرک بعلمک، وأستقدرک بقدرتک، وأسألک من فضلک العظيم، فإنک تقدر ولا أقدر، وتعلم ولا أعلم، وأنت علام الغيوب، اللهم إن كنت تعلم أن هذا الأمر خير لی فی دينی ومعاشی وعاقبة أمری -أو قال :فی عاجل أمری وآجله -فاقدره لی، وإن كنت تعلم أن هذا الأمر شر لی فی دينی ومعاشی وعاقبة أمری -أو قال :فی عاجل أمری وآجله -فاصرفه عنی واصرفنی عنه، واقدر لی الخير حيث كان، ثم رضنی به، ويسمی حاجته "(بخاری، رقم الحديث ٦٣٨٢)

عن جابر بن عبد الله، قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمنا الاستخارة فی الأمور كلها كما يعلمنا السورة من القرآن، يقول " :إذا هم أحدكم بالأمر فليركع ركعتين من غير الفريضة، ثم ليقل :اللهم إنی أستخيرک بعلمک، وأستقدرک بقدرتک، وأسألک من فضلک العظيم، فإنک تقدر ولا أقدر، وتعلم ولا أعلم، وأنت علام الغيوب، اللهم إن كنت تعلم أن هذا الأمر خير لی فی دينی ومعيشتی وعاقبة أمری -أو قال :فی عاجل أمری وآجله -فيسره لی، ثم بارک لی فيه، وإن كنت تعلم أن هذا الأمر شر لی فی دينی ومعيشتی وعاقبة أمری -أو قال :فی عاجل أمری وآجله -فاصرفه عنی، واصرفنی عنه، واقدر لی الخير حيث كان، ثم أرضنی به، قال :ويسمی حاجته "(سنن الترمذی، رقم الحديث ٤٨٠)

[1] عن ابن عباس، قال :دخلت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم أنا وخالد بن الوليد على ميمونة فجاء تنا بإناء من لبن فشرب رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنا على يمينه وخالد على شماله، فقال لی :الشربة لک، فإن شئت آثرت بها خالدا،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پینے کے بعد یہ دعاء پڑھنے کی تعلیم فرمائی کہ:

"اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَافِیْهِ وَزِدْنَامِنْهُ"

یا اللہ! اس میں ہمارے لئے برکت عطافرمایئے، اور ہمیں اس سے زیادہ عطافرمایئے (ابنِ ماجہ) [1]

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کے بعد دسترخوان اٹھایا جاتا، تو یہ دعاء پڑھتے تھے کہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ، غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلاَ مُوَدَّعٍ وَلاَ مُسْتَغْنًى عَنْهُ، رَبَّنَا.

''سب تعریف اللہ کے لئے ہے ایسی تعریف جو بہت زیادہ اور پاکیزہ ہے، جس میں برکت ہے، ایسی جو کبھی ختم اور رخصت نہ ہو، اور نہ اس کے بارے میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فقلت :ما كنت أوثر على سؤرك أحدا، ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من أطعمه الله الطعام فليقل :اللهم بارك لنا فيه وأطعمنا خيرا منه، ومن سقاه الله لبنا فليقل :اللهم بارك لنا فيه وزدنا منه ."وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ليس شیء يجزی مكان الطعام والشراب غير اللبن(سنن الترمذی،رقم الحديث ۳۴۵۵، ابواب الدعوات، باب ما يقول إذا أكل طعاما، ابوداؤد، رقم الحديث ۳۷۳۰، مسند احمد، رقم الحديث ۱۹۷۸)

قال الترمذی:هذا حديث حسن وقد روى بعضهم هذا الحديث عن علی بن زيد، فقال :عن عمر بن حرملة، وقال بعضهم :عمرو بن حرملة، ولا يصح.

وقال شعيب الارنؤوط:حديث حسن(حاشية مسند احمد)

[1] عن ابن عباس، قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-من أطعمه الله طعاما، فليقل :اللهم بارك لنا فيه، وارزقنا خيرا منه، ومن سقاه الله لبنا، فليقل :اللهم بارك لنا فيه، وزدنا منه، فإني لا أعلم ما يجزء من الطعام والشراب إلا اللبن"(ابنِ ماجه، رقم الحديث ۳۳۲۲، باب الزيت؛ سنن الترمذی، رقم الحديث ۳۴۵۵؛ابوداؤد، رقم الحديث ۳۷۳۰)

قال شعيب الارنؤوط:حديث حسن إن شاء الله(سنن ابن ماجه)

(ہماری طرف سے) بے پروائی ہو، اے ہمارے رب (بخاری) [1]

دوسرے کا کھانا کھانے کے بعد بعض احادیث میں درجِ ذیل دعاء کا ذکر آیا ہے:

اَللّٰھُمَّ، بَارِکْ لَھُمْ فِیْ مَا رَزَقْتَھُمْ، وَاغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ.

اے اللہ! ان کو ان کے رزق میں برکت عطا فرمایئے، اور ان کی مغفرت فرمایئے، اور ان پر رحم فرمایئے (صحیح مسلم) [2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موسم کا پہلا پھل آنے کے بعد اس کو ہاتھ میں لے کر یہ دعاء کرتے تھے کہ:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ ثَمَرِنَا وَبَارِکْ لَنَا فِیْ مَدِیْنَتِنَا وَبَارِکْ لَنَا فِیْ صَاعِنَا وَبَارِکْ لَنَا فِیْ مُدِّنَا.

اے اللہ ہمارے پھل میں برکت عطا فرما اور ہمارے شہر میں برکت عطا فرما اور ہمارے صاع (تولنے کے پیمانے) میں برکت عطا فرما اور ہمارے مد (ناپنے کے پیمانے) میں برکت عطا فرما (صحیح مسلم) [3]

---

[1] عن أبی أمامة :أن النبی صلی الله علیه وسلم کان إذا رفع مائدته قال :الحمد لله کثیرا طیبا مبارکا فیه، غیر مکفی ولا مودع ولا مستغنی عنه، ربنا(بخاری، رقم الحدیث ۵۴۵۸، کتاب الاطعمة، باب ما یقول إذا فرغ من طعامه)

[2] عن عبد الله بن بسر، قال :نزل رسول الله صلی الله علیه وسلم علی أبی، قال: فقربنا إلیه طعاما ووطبة، فأکل منها، ثم أتی بتمر فکان یأکله ویلقی النوی بین إصبعیه، ویجمع السبابة والوسطی -قال شعبة :هو ظنی وهو فیه إن شاء الله إلقاء النوی بین الإصبعین -ثم أتی بشراب فشربه، ثم ناوله الذی عن یمینه، قال :فقال أبی :وأخذ بلجام دابته، ادع الله لنا، فقال :اللهم، بارک لهم فی ما رزقتهم، واغفر لهم وارحمهم(مسلم، رقم الحدیث ۲۰۴۲ ”۱۴۶“ کتاب الاشربة، باب استحباب وضع النوی خارج التمر الخ؛ سنن الترمذی، رقم الحدیث ۳۵۷۶، باب فی دعاء الضیف)

[3] عن أبی هریرة، أنه قال: کان الناس إذا رأوا أول الثمر جاء وا به إلی النبی صلی الله علیه وسلم، فإذا أخذه رسول الله صلی الله علیه وسلم، قال: اللهم بارک لنا فی ثمرنا، وبارک لنا فی مدینتنا، وبارک لنا فی صاعنا، وبارک لنا فی مدنا، اللهم إن إبراهیم عبدک وخلیلک ونبیک، وإنی عبدک ونبیک، وإنه دعاک لمکة، وإنی أدعوک للمدینة بمثل ما دعاک لمکة، ومثله معه، قال: ثم یدعو أصغر ولید له فیعطیه ذلک الثمر(مسلم، رقم الحدیث ۱۳۷۳ ”۴۷۳“، باب فضل المدینة)

مذکورہ احادیث سے اپنے اور دوسرے کے کھانے اور بطورِ خاص اہم رزق میں برکت کی دعاء کا کرنا معلوم ہوا، اور برکت کی دعاء دراصل حصولِ برکت کا ایک ذریعہ ہے، جس طرح حصولِ برکت کے دوسرے ذرائع بھی ممکن ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کرتے وقت یہ دعاء پڑھنا بھی مروی ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ، وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ، وَبَارِکْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ.

اے اللہ! میرے گناہ کو معاف فرمادیجیے، اور میرے گھر میں وسعت عطاء فرمادیجیے، اور میرے رزق میں برکت عطا فرمادیجیے" (ابویعلیٰ) [1]

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض مواقع پر یہ دعاء کرنا بھی مروی ہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ، وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ ذَاتِیْ، وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا رَزَقْتَنِیْ.

اے اللہ! میرے گناہ کو معاف فرمادیجیے، اور میری ذات میں وسعت عطاء فرمادیجیے، اور میرے رزق میں برکت عطا فرمادیجیے" (مسند احمد) [2]

برکت کی دعاء کرنا دراصل دعاء کو برکت کے حصول کا ذریعہ بنانا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

اللہ کی نعمتوں میں حصولِ برکت کی دعاء

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَلَّمَنِیْ رَسُوْلُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَلِمَاتٍ أَقُوْلُهُنَّ فِی الْوِتْرِ، قَالَ

---

[1] عن أبی موسی قال: أتینا رسول الله صلی الله علیه وسلم بوضوء , فتوضأ، قال: اللهم اغفر لی ذنبی، ووسع لی فی داری، وبارک لی فی رزقی(مسند ابی یعلیٰ، رقم الحدیث ۷۲۷۳)

قال حسین سلیم أسد الدارانی:إسناده صحیح(حاشیة مسند ابی یعلیٰ)

[2] عن رجل، جعل یرصد نبی الله صلی الله علیه وسلم فکان یقول فی دعائه: " اللهم اغفر لی ذنبی، ووسع لی فی ذاتی، وبارک لی فیما رزقتنی "، ثم رصده الثانیة فکان یقول: مثل ذلک (مسند احمد، رقم الحدیث ۲۳۱۱۴)

قال شعیب الارنؤوط:حسن لغیره، وهذا إسناد ضعیف(حاشیة مسند احمد)

ابْنُ جَوَّاسٍ: فِیْ قُنُوْتِ الْوِتْرِ: اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ فِیْمَنْ هَدَیْتَ، وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ، وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ، وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا أَعْطَیْتَ، وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ، إِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ، وَإِنَّهٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ، وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ، تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ (سنن ابی داؤد)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کچھ کلمات سکھائے تھے، جنہیں میں وتر میں پڑھتا ہوں، ابنِ جواس (راوی) کہتے ہیں کہ وتر کے قنوت میں:

"اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ فِیْمَنْ هَدَیْتَ، وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ، وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ، وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا أَعْطَیْتَ، وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ، إِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ، وَإِنَّهٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ، تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ"

"اے اللہ! مجھے ہدایت دیجیے اُن لوگوں میں جن کو آپ نے ہدایت عطا فرمائی، اور عافیت دیجیے مجھے ان لوگوں میں جن لوگوں کو آپ نے عافیت عطا فرمائی، اور کارسازی فرمایئے، میری اُن لوگوں میں جن کی آپ نے کارسازی فرمائی، اور برکت عطا فرمایئے مجھے اُن چیزوں میں جو آپ نے مجھے عطا فرمائیں، اور حفاظت فرمایئے میری اُن چیزوں کے شَر سے جن کا آپ نے فیصلہ فرمایا، بے شک آپ ہی فیصلہ کرنے والے ہیں، اور آپ کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، بے شک جس کی آپ مدد فرمائیں، وہ ذلیل نہیں ہوسکتا، آپ بابرکت ہیں اے ہمارے رب، اور بلند و بالا ہیں" (ابوداؤد، مسند احمد)

---

[1] رقم الحدیث ۱۴۲۵، کتاب الصلاۃ، باب القنوت فی الوتر، مسنداحمد، رقم الحدیث ۱۷۱۸.

قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحیح (حاشیة ابی داؤد، وحاشیة مسند احمد)

مذکورہ دعاء میں اللہ تعالیٰ سے برکت کے حصول کی بھی دعاء شامل ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے یہ دعاء فرمائی کہ:

اَللّٰھُمَّ أَکْثِرْ مَالَہٗ وَوَلَدَہٗ، وَبَارِکْ لَہٗ فِیْمَا أَعْطَیْتَہٗ.

ترجمہ: اے اللہ! اس کے مال اور اولاد میں کثرت فرمادیجئے، اور اس کو اپنی عطا کردہ نعمتوں میں برکت عطا فرمادیجئے (مسلم) [1]

اس دعاء کی وجہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اولاد اور مال میں بہت زیادہ برکت ہوگئی۔ [2]

اس سے معلوم ہوا کہ دعاء برکت کے حصول کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

اللہ کی نعمتوں میں برکت سے محروم نہ ہونے کی دعاء

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: أَلَا أُعَلِّمُکَ مَا عَلَّمَنِیْ جِبْرِیْلُ

---

[1] عن أنس، عن أم سليم، أنها قالت :يا رسول الله خادمک أنس، ادع الله له، فقال: اللهم أكثر ماله وولده، وبارک له فيما أعطيته (مسلم، رقم الحديث ۲۴۸۰ "۱۴۱")

[2] أنس، قال :جاء ت بی أمی أم أنس إلی رسول الله صلی الله عليه وسلم، وقد أزرتنی بنصف خمارها، وردتنی بنصفه، فقالت :يا رسول الله، هذا أنيس ابنی، أتيتک به يخدمک فادع الله له، فقال :اللهم أكثر ماله وولده قال أنس :فوالله إن مالی لكثير، وإن ولدی وولد ولدی ليتعادون علی نحو المائة، اليوم (مسلم، رقم الحديث ۲۴۸۱ "۱۴۳")

عن أنس بن مالک قال :انطلقت بی أمی إلی رسول الله صلی الله عليه وسلم، فقالت: يا رسول الله، خويدمک فادع الله له، فقال :اللهم أكثر ماله وولده، وأطل عمره، واغفر له، قال :فكثر مالی حتی صار يطعم فی السنة مرتين، وكثر ولدی حتی قد دفنت من صلبی أكثر من مائة، وطال عمری حتی قد استحييت من أهلی، واشتقت لقاء ربی، وأما الرابعة، يعنی المغفرة(مسند أبی يعلی، رقم الحديث ۴۲۳۶)

قال حسين سليم أسد: إسناده حسن (حاشية مسند ابی يعلیٰ)

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قُلْتُ: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: قُلْ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ خَطَئِيْ، وَعَمْدِيْ، وَهَزْلِيْ، وَجِدِّيْ، وَلَا تَحْرِمْنِيْ بَرَكَةَ مَا أَعْطَيْتَنِيْ، وَلَا تَفْتِنِّيْ فِيْمَا حَرَمْتَنِيْ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ۷۱۱۰) ؎

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں آپ کو اس دعاء کی تعلیم نہ دے دوں، جس کی مجھے جبریل علیہ السلام نے تعلیم دی ہے، میں نے عرض کیا کہ جی ہاں اے اللہ کے رسول! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دعاء کرو: اے اللہ! میری مغفرت فرما دیجئے، میری خطاؤں کی بھی، اور میرے جان بوجھ کر اور مذاق کے اور حقیقت کے گناہوں کی بھی، اور مجھے ان نعمتوں کی برکت سے محروم نہ فرمایئے، جو آپ نے مجھے عطا کی ہیں، اور مجھے ان چیزوں کے متعلق فتنہ میں مبتلا نہ کیجئے، جن سے آپ نے مجھے محروم رکھا ہے (طبرانی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ مختلف قسم کی خیر و برکات سے نوازتا ہے۔

جسم کے اعضاء اور اہل وعیال میں حصولِ برکت کی دعاء

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا كَلِمَاتٍ، كَمَا يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ: اَللّٰهُمَّ أَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِنَا، وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا، وَاهْدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ، وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ، وَجَنِّبْنَا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا، وَمَا بَطَنَ، وَبَارِكْ لَنَا فِيْ أَسْمَاعِنَا، وَأَبْصَارِنَا، وَقُلُوْبِنَا، وَأَزْوَاجِنَا، وَذُرِّيَّاتِنَا، وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ،

؎ قال الهيثمي: رواه الطبراني في الأوسط، ورجاله رجال الصحيح غير عصمة أبي حكيمة، وهو ثقة (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۷۳۵۹)

وَاجۡعَلۡنَا شَاكِرِيۡنَ لِنِعۡمِكَ، مُثۡنِيۡنَ بِهَا عَلَيۡكَ، قَابِلِيۡنَ لَهَا وَأَتِمَّهَا عَلَيۡنَا (مستدرک حاکم)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چند کلمات کی اس طرح تعلیم دیتے تھے، جس طرح ہمیں تشہد کی تعلیم دیتے تھے، وہ کلمات یہ ہیں:

اے اللہ! ہمارے دِلوں میں اُلفت ڈال دیجیے، اور ہمارے باہمی تعلقات کی اصلاح فرمایئے، اور ہمیں سلامتی کے راستے دکھایئے، اور ہمیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالئے، اور ہمیں ظاہری اور باطنی بے حیائیوں سے علیحدہ رکھیے، اور ہمارے سُننے میں اور ہمارے دیکھنے میں اور ہمارے دِلوں میں اور ہماری بیویوں میں، اور ہماری اولاد میں برکت دیجیے، اور ہماری توبہ قبول فرمایئے، اس لئے کہ آپ ہی توبہ قبول کرنے والے، مہربان ہیں، اور ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر گزار اور ثناء خواں، اور نعمتوں کے قابل بنایئے، اور ہم پر اپنی نعمتوں کو پورا فرما دیجئے (حاکم، ابنِ حبان)

اس حدیث میں مختلف جسمانی اعضاء اور ان کے افعال میں برکت کی دعاء کرنے کا ذکر ہے، جس سے معلوم ہوا کہ بعض اعضائے انسانی اور افعالِ انسانی میں بھی خیر و برکت ہوتی ہے، جس کا ظہور وحصول مختلف شکلوں میں ہوتا ہے، اور اسی کے نتیجہ میں انبیاء وصلحاء کے آثار سے برکت حاصل کرنا بھی ثابت ہوتا ہے۔

شادی کے بعد زوجین کے لیے برکت کی دعاء

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحدیث۹۷۷، کتاب الطهارة ،موارد الظمآن الی زوائد ابنِ حبان، رقم الحدیث ۲۴۲۹، کتاب الادعیة.

قال الحاکم: هذا حدیث صحیح علی شرط مسلم، ولم یخرجاه، وله شاهد من حدیث ابن جریج، عن جامع.

وقال حسین سلیم اسد الدارانی:إسناده حسن(حاشیة مواردالظمآن)

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَفَّأَ الْإِنْسَانَ إِذَا تَزَوَّجَ، قَالَ: بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ، وَبَارَكَ عَلَيْكَ، وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي الْخَيْرِ

(سنن الترمذی، رقم الحدیث ١٠٩١، ابواب النکاح، باب ما جاء فیما یقال للمتزوج) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نکاح کے بعد کسی انسان کو مبارک باد دیتے، تو یہ الفاظ فرماتے:

"بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ، وَبَارَكَ عَلَيْكَ، وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي الْخَيْرِ"

اللہ آپ کے لئے مبارک فرمائے، اور آپ پر مبارک فرمائے، اور تم دونوں کے درمیان خیر کے ساتھ جمع فرمائے (ترمذی)

اس حدیث سے زوجین کے درمیان خیر وبرکت کی دعاء کرنا معلوم ہوا، اور دعاء کی قبولیت کے نتیجہ میں زوجین کے حق میں خیر وبرکت کا حصول بھی ثابت ہوا۔

بچہ کی ولادت پر برکت کی دعاء

حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بچہ کی ولادت کے بعد اس کے لیے مندرجہ ذیل اس دعاء کے کرنے کا ذکر آیا ہے:

" بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْهِ ، وَجَعَلَهُ بَرًّا تَقِيًّا "

اللہ آپ کے لئے اس بچے میں برکت فرمائے، اور اس کو فرمانبردار اور متقی بنائے

(بزار) [2]

---

[1] قال الترمذی: وفی الباب عن عقیل بن أبی طالب :.حدیث أبی هریرة حدیث حسن صحیح .

[2] (فی حدیث طویل عن انس)فقال(رسول الله صلی الله علیه وسلم)اذهب إلی أمک، فقل :بارک الله لک فیه، وجعله برا تقیا(مسند البزار، رقم الحدیث ٧٣١٠)

قال الهیثمی:

رواه البزار، ورجاله رجال الصحیح غیر أحمد بن منصور الرمادی، وهو ثقة(مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ١٥٤٢١)

اس سے معلوم ہوا کہ بچہ کے لیے برکت کی دعاء کرنا سنت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صحابی کے لیے برکت کی دعاء

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهُ دِيْنَارًا يَشْتَرِيْ لَهُ بِهٖ شَاةً، فَاشْتَرٰى لَهُ بِهٖ شَاتَيْنِ، فَبَاعَ إِحْدَاهُمَا بِدِيْنَارٍ، وَجَاءَهُ بِدِيْنَارٍ وَشَاةٍ، فَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ فِيْ بَيْعِهٖ، وَكَانَ لَوِ اشْتَرَى التُّرَابَ لَرَبِحَ فِيْهِ (بخاری، رقم الحدیث ۳۶۴۲، کتاب المناقب)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک دینار دیا، تا کہ وہ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک بکری خریدیں، تو انہوں نے اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دو بکریاں خرید لیں، پھر ان میں سے ایک کو ایک دینار میں فروخت کر دیا، اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دینار اور بکری لے کر واپس لوٹے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے خرید وفروخت میں برکت کی دعاء فرمائی، اس دعاء کی برکت سے وہ (یعنی حضرت عروہ رضی اللہ عنہ) اگر مٹی بھی خریدتے تھے، تو اس میں بھی نفع پاتے تھے (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی اور صالح کی دعاء برکت کے حصول کا ذریعہ ہے، اور یہ نبی وصالح کے آثار سے برکت حاصل ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ دعاء کا داعی کا اثر ہونا ظاہر ہے، وہ الگ بات ہے کہ عام حالات میں نبی کی دعاء کی تاثیر غیر نبی کی دعاء سے زیادہ ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ سے دعاء کرانے کا حکم فرمایا تھا، جس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے دعاء کرائی تھی، اور اس کا ذکر صحیح احادیث میں آیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

نبی ﷺ کے ایک معجزہ سے پانی میں برکت کا ظہور

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَدْ رَأَيْتُنِيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ حَضَرَتِ الْعَصْرُ، وَلَيْسَ مَعَنَا مَاءٌ غَيْرَ فَضْلَةٍ، فَجُعِلَ فِيْ إِنَاءٍ فَأُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٖ، فَأَدْخَلَ يَدَهٗ فِيْهِ وَفَرَّجَ أَصَابِعَهٗ، ثُمَّ قَالَ: حَيَّ عَلٰى أَهْلِ الْوُضُوْءِ، اَلْبَرَكَةِ مِنَ اللّٰهِ فَلَقَدْ رَأَيْتُ الْمَاءَ يَتَفَجَّرُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهٖ، فَتَوَضَّأَ النَّاسُ وَشَرِبُوْا، فَجَعَلْتُ لَا آلُوْ مَا جَعَلْتُ فِيْ بَطْنِيْ مِنْهُ، فَعَلِمْتُ أَنَّهٗ بَرَكَةٌ، قُلْتُ لِجَابِرٍ: كَمْ كُنْتُمْ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ: أَلْفًا وَّأَرْبَعَ مِائَةٍ(صحيح البخاری) [1]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے آپ کو اس حالت میں پایا کہ عصر کا وقت ہو چکا تھا، اور ہمارے پاس صرف تھوڑا سا بچا ہوا پانی ہی تھا، پھر اس پانی کو ایک برتن میں رکھا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا ہاتھ مبارک داخل فرمایا، اور اپنی انگلیوں کو کشادہ فرمایا، پھر فرمایا کہ وضو کرنے والو! آ جاؤ! اللہ کی طرف سے برکت کی طرف، چنانچہ میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان سے پانی نکل رہا ہے، پھر لوگوں نے وضو کیا اور پانی پیا، اور میرے پیٹ میں جتنا پانی سما سکتا تھا، میں نے اتنا پانی پینے میں کوتاہی نہیں کی، جس سے مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ درحقیقت برکت ہے، راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر سے معلوم کیا کہ آپ اس دن کتنے افراد تھے، تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم چودہ سو افراد تھے (بخاری)

---

[1] رقم الحديث ٥٦٣٩، كتاب الاشربة، باب شرب البركة والماء المبارك.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کے ذریعہ سے جاری ہونے والے پانی کو اللہ کی برکت سے تعبیر فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ کسی مخلوق کے ذریعہ سے برکت ظاہر ہونا اس لیے ہے کہ وہ اللہ کی برکت کا مظہر ہے، نہ اس لیے کہ وہ برکت کا موجد ہے۔

اور اسی لیے نبی یا ولی میں برکت کا قائل ہونا شرک نہیں، جس طرح بیتُ اللہ اور مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ وغیرہ مقامات میں برکت کا قائل ہونا اور وہاں پہنچ کر برکت کا حاصل کرنا شرک نہیں۔ [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء سے کھانے میں برکت کا ظہور

حضرت ابو ہریرہ یا حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے (جس میں اعمش راوی کو شک ہے) روایت ہے کہ:

لَمَّا كَانَ غَزْوَةُ تَبُوْكَ أَصَابَ النَّاسَ مَجَاعَةٌ، قَالُوْا:يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، لَوْ أَذِنْتَ لَنَا فَنَحَرْنَا نَوَاضِحَنَا، فَأَكَلْنَا وَادَّهَنَّا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:اِفْعَلُوْا، قَالَ:فَجَاءَ عُمَرُ، فَقَالَ:يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنْ فَعَلْتَ قَلَّ الظَّهْرُ، وَلٰكِنْ ادْعُهُمْ بِفَضْلِ أَزْوَادِهِمْ، ثُمَّ ادْعُ اللّٰهَ لَهُمْ عَلَيْهَا بِالْبَرَكَةِ، لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يَّجْعَلَ فِيْ ذٰلِكَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

---

[1] قوله والبركة من الله البركة مبتدأ والخبر من الله وهو إشارة إلى أن الإيجاد من الله ووقع فى حديث عمار بن زريق عن إبراهيم فى هذا الحديث فجعلت أبا درهم إلى الماء أدخله فى جوفى لقوله البركة من الله وفى حديث بن عباس فبسط كفه فيه فنبعت تحت يده عين فجعل بن مسعود يشرب ويكثر والحكمة فى طلبه صلى الله عليه وسلم فى هذه المواطن فضلة الماء لئلا يظن أنه الموجد للماء ويحتمل أن يكون إشارة إلى أن الله أجرى العادة فى الدنيا غالبا بالتوالد وأن بعض الأشياء يقع بينها التوالد وبعضها لا يقع ومن جملة ذلك ما نشاهده من فوران بعض المائعات إذا خمرت وتركت زمانا ولم تجر العادة فى الماء الصرف بذلك فكانت المعجزة بذلك ظاهرة جدا(فتح البارى شرح صحيح البخارى،لا بن حجرالعسقلانى،ج٦،ص ٥٩٢،قوله باب علامات النبوة فى الإسلام، الحديث السادس حديث أنس فى تكثير الطعام القليل)

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: نَعَمْ، قَالَ: فَدَعَا بِنِطَعٍ، فَبَسَطَہُ، ثُمَّ دَعَا بِفَضْلِ أَزْوَادِھِمْ، قَالَ: فَجَعَلَ الرَّجُلُ یَجِیْءُ بِکَفِّ ذُرَۃٍ، قَالَ: وَیَجِیْءُ الْآخَرُ بِکَفِّ تَمْرٍ، قَالَ: وَیَجِیْءُ الْآخَرُ بِکَسْرَۃٍ حَتّٰی اجْتَمَعَ عَلَی النِّطَعِ مِنْ ذٰلِکَ شَیْءٌ یَسِیْرٌ، قَالَ: فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَیْہِ بِالْبَرَکَۃِ، ثُمَّ قَالَ: خُذُوْا فِیْ أَوْعِیَتِکُمْ، قَالَ: فَأَخَذُوْا فِیْ أَوْعِیَتِھِمْ، حَتّٰی مَا تَرَکُوْا فِی الْعَسْکَرِ وِعَاءً إِلَّا مَلَئُوْہُ، قَالَ: فَأَکَلُوْا حَتّٰی شَبِعُوْا، وَفَضَلَتْ فَضْلَۃٌ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: أَشْھَدُ أَنْ لَّا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ، وَأَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ، لَا یَلْقَی اللّٰہَ بِھِمَا عَبْدٌ غَیْرَ شَاکٍّ، فَیُحْجَبَ عَنِ الْجَنَّۃِ (صحیح مسلم)[1]

ترجمہ: جب غزوہ تبوک کا موقع تھا، تو لوگوں کو سخت فاقہ پہنچ گیا، لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر آپ ہمیں اجازت دیں، تو ہم اپنے ان اونٹوں کو جن پر پانی لاتے ہیں، ذبح کر کے گوشت کھالیں اور (ان کے گوشت سے نکلی ہوئی) چربی کا تیل بنالیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، تم ایسا کرلو، اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ گئے اور انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ایسا کرنے سے تو سواریاں کم ہو جائیں گی، اس کے بجائے آپ لوگوں کے بچے ہوئے کھانے پینے کا سامان منگوائیں، پھر ان کے لیے اس کھانے پر اللہ سے برکت کی دعاء کریں، اس سے امید ہے کہ اللہ اس میں برکت عطا فرمائے گا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کی یہ بات ٹھیک ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کا دسترخوان منگوا کر بچھا دیا، اور لوگوں کے پاس جو کچھ کھانے پینے کا سامان بچ گیا تھا، اس کو طلب فرمایا، پس کوئی آدمی مٹھی

---

[1] رقم الحدیث ۲۷ ”۴۵“ کتاب الایمان، باب من لقی اللہ بالإیمان وھو غیر شاک فیہ دخل الجنۃ وحرم علی النار.

بھر جو اور کوئی آدمی مٹھی بھر چھوہارے اور کوئی آدمی روٹی کا ٹکڑا لایا، اور اس طرح دستر خوان پر کچھ تھوڑی سی چیزیں جمع ہوگئیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر برکت کی دعاء فرمائی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے برتنوں میں کھانے کا سامان لے لو، تو لوگوں نے اپنے اپنے برتنوں میں کھانے کا سامان لے لیا، یہاں تک کہ لشکر میں لوگوں نے (اس دستر خوان کے کھانے سے) کوئی برتن بھرے بغیر نہیں چھوڑا، اور کھا پی کر بھی پیٹ بھر لیا، اور پھر بھی کھانا بچ گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں، جو بندہ بھی ان دونوں شہادتوں پر شک کے بغیر اللہ سے ملاقات کرے گا، تو وہ جنت سے محروم نہیں کیا جائے گا (مسلم)

اس حدیث سے بھی دعاء کا باعثِ برکت ہونا معلوم ہوا، اور دعاء میں، داعی کے نیک وصالح ہونے کا اثر ہونا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کھجور میں برکت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمَرَاتٍ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ فِيْهِنَّ بِالْبَرَكَةِ فَضَمَّهُنَّ ثُمَّ دَعَا لِيْ فِيْهِنَّ بِالْبَرَكَةِ، فَقَالَ لِيْ: خُذْهُنَّ وَاجْعَلْهُنَّ فِيْ مِزْوَدِكَ هٰذَا، أَوْ فِيْ هٰذَا الْمِزْوَدِ، كُلَّمَا أَرَدْتَ أَنْ تَأْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا فَأَدْخِلْ يَدَكَ فِيْهِ فَخُذْهُ وَلَا تَنْثُرْهُ نَثْرًا، فَقَدْ حَمَلْتُ مِنْ ذٰلِكَ التَّمْرِ كَذَا وَكَذَا مِنْ وَسْقٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَكُنَّا نَأْكُلُ مِنْهُ وَنُطْعِمُ، وَكَانَ لَا يُفَارِقُ حِقْوِيْ حَتّٰى كَانَ يَوْمُ قَتْلِ

عُثْمَانَ فَإِنَّهُ انْقَطَعَ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند کھجوریں لے کر حاضر ہوا، اور میں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! ان میں برکت کی دعاء فرما دیجیے، تو ان کھجوروں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں میں بھینچا، پھر میرے لیے ان میں برکت کی دعاء کی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ ان کو لے جاؤ، اور اپنے اس توشہ دان میں بھر دو، اور جب آپ اس میں سے کچھ لینا چاہیں، تو اس میں اپنا ہاتھ ڈال کر لے لینا، لیکن اس (توشہ دان) کو جھاڑنا نہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کھجوروں میں سے کتنے ہی منوں کی مقدار میں اللہ کے راستہ میں خرچ کر دی ہیں، اور ہم اس میں سے خود بھی کھاتے ہیں، اور دوسروں کو بھی کھلاتے ہیں، وہ توشہ دان میری کمر سے جدا نہیں ہوا، یہاں تک کہ جس دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی، اس دن وہ توشہ دان گر گیا (یا گم ہو گیا) (ترمذی)

یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر جب بلوائیوں نے فتنہ وفساد مچایا، تو کھجوروں کا وہ توشہ دان ضائع ہو گیا، جس سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو رنج ہوا۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۳۸۳۹، ابواب المناقب، باب مناقب أبی هريرة رضی الله عنه.
قال الترمذی: هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه وقد روى هذا الحديث من غير هذا الوجه عن أبی هريرة.

[2] فقد حملت من ذلک التمر كذا وكذا من وسق :"وهو ستون صاعا "فی سبيل الله تعالى، فكنا نأكل منه ونطعم، وكان لا يفارق حقوى"؛ أی: معقد إزاری، "حتى كان يوم قتل عثمان، فإنه"؛ أی: المزود "انقطع منی"؛ أی: سقط وضاع، وفيه إشارة إلى أن الفساد إذا شاع وكثر بين الناس ارتفعت البركة، كما أن بالصلاح تنزل البركة، فبالفساد تزول وترتفع.
وكان أبو هريرة – رضی الله عنه – يقول:
للناس هم ولی همان بينهم . . . هم الجراب وهم الشيخ عثمانا (شرح المصابيح لابن الملک، ج٦ ص ٣٦٦، ٣٦٧، كتاب الفتن، فصل فی المعجزات)

اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعاء کرنے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کھجوروں کو ہاتھ لگانے کے نتیجہ میں برکت کا ہونا معلوم ہوا، اور جس طرح دعاء میں اللہ سے سوال کیا جاتا ہے، اور اس دعاء کے ذریعہ سے برکت حاصل ہوتی ہے، اسی طریقہ سے بعض اشیاء واشخاص میں نیک اعمال کی برکت سے اللہ تعالیٰ برکت ڈال دیتا ہے، اس لیے جس طرح اللہ سے دعاء کرنے اور کرانے میں کوئی شرک نہیں پایا جاتا، اسی طرح آ ثار النبیین والصالحین سے دعاء کے علاوہ کسی دوسرے جائز طریقہ سے برکت حاصل کرنے میں بھی کوئی شرک نہیں پایا جاتا، جب تک کہ کوئی شرک والی بات شامل نہ ہو۔

مدینہ کے ناپ تول اور اشیاء میں برکت کی دعاء

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِيْنَةِ ضِعْفَيْ مَا جَعَلْتَ بِمَكَّةَ مِنَ الْبَرَكَةِ (صحیح البخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! مدینہ میں اس سے دوگنی برکتیں عطا فرما، جتنی برکتیں تو نے مکہ میں عطا فرمائیں (بخاری، مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْ مِكْيَالِهِمْ، وَبَارِكْ لَهُمْ فِيْ صَاعِهِمْ وَمُدِّهِمْ ،يَعْنِيْ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ

(صحیح ابن حبان، رقم الحدیث ۳۷۴۵، کتاب الحج، باب فضل المدینۃ) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! اہلِ مدینہ کے ناپنے

---

[1] رقم الحدیث ۱۸۸۵، کتاب فضائل المدینۃ، باب: المدینۃ تنفی الخبث، مسلم، رقم الحدیث ۱۳۶۹ "۴۶۶"

[2] قال شعیب الارنؤوط: إسنادہ صحیح علی شرط الشیخین (حاشیۃ صحیح ابن حبان)

کے پیمانوں میں برکت عطا فرمائیے، اور تولنے کے پیمانوں میں برکت عطا فرمائیے (ابن حبان)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْتَى بِأَوَّلِ الثَّمَرِ، فَيَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ مَدِيْنَتِنَا، وَفِيْ ثِمَارِنَا، وَفِيْ مُدِّنَا، وَفِيْ صَاعِنَا بَرَكَةً مَعَ بَرَكَةٍ، ثُمَّ يُعْطِيْهِ أَصْغَرَ مَنْ يَّحْضُرُهُ مِنَ الْوِلْدَانِ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب پہلا پھل لایا جاتا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ اے اللہ! ہمارے لئے ہمارے شہر (یعنی مدینہ منورہ) میں اور ہمارے (یعنی مدینہ منورہ کے) پھلوں میں اور ہمارے مُد میں اور ہمارے صاع (یعنی ناپنے اور تولنے کے پیمانوں) میں برکت در برکت عطا فرما، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ نیا پھل اپنے پاس موجود بچوں میں سے سب سے چھوٹے کو عطا فرماتے (مسلم)

مذکورہ احادیث میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اور ان کی اشیاء میں برکت کا ذکر کیا گیا ہے، جن سے مقاماتِ متبرکہ کا ثبوت ہوتا ہے، اور پھر اس پر مقاماتِ متبرکہ سے برکت کے حصول کا مسئلہ بھی متفرع ہوتا ہے۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُوْ: اَللّٰهُمَّ ضَعْ فِيْ أَرْضِنَا بَرَكَتَهَا، وَزِيْنَتَهَا، وَسَكَنَهَا (المعجم الاوسط للطبرانی) [2]

---

[1] رقم الحديث ١٣٧٣ "٤٧٤" كتاب الحج، باب فضل المدينة، ودعاء النبى صلى الله عليه وسلم فيها بالبركة، وبيان تحريمها، وتحريم صيدها وشجرها، وبيان حدود حرمها.

[2] رقم الحديث ٤٦٩٢، ج٥ص٦٨، فوائد تمام الرازى، رقم الحديث ٨٠.

قال الهيثمى: رواه الطبرانى فى الأوسط، وإسناده جيد (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٧٤٢٥)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعاء کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! ہماری زمین میں اس کی برکت کو، اور اس کی زینت اور اس کے رہنے والوں کی رونق کو رکھ دیجئے (طبرانی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض مقامات، باعثِ برکت ہوتے ہیں، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں برکت کی دعاء کی، اور آپ کی دعاء قبول بھی کر لی گئی، جو مدینہ منورہ سے آثارُ النبی کے وابستہ ہونے اور اس سے حصولِ برکت کی دلیل ہے۔

مختلف علاقوں میں برکت کی دعاء

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ شَأْمِنَا، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ يَمَنِنَا قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَفِيْ نَجْدِنَا؟ قَالَ: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ شَأْمِنَا، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ يَمَنِنَا قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَفِيْ نَجْدِنَا؟ فَأَظُنُّهُ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ، وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ (صحيح البخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! ہمارے شام کے علاقہ میں برکت عطا فرمایئے، اے اللہ! ہمارے یمن کے علاقہ میں برکت عطا فرمایئے، لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! اور ہمارے نجد کے علاقہ میں بھی برکت عطا فرمایئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی دعاء کی کہ اے اللہ! ہمارے شام کے علاقہ میں برکت عطا فرمایئے، اے اللہ! ہمارے یمن کے علاقہ میں برکت عطا فرمایئے، لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! اور ہمارے نجد کے علاقہ میں بھی

---

[1] رقم الحديث ۷۰۹۴، كتاب الفتن، باب قول النبی صلی الله عليه وسلم: الفتنة من قبل المشرق.

برکت عطا فرمائیے (لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کے علاقہ میں برکت کی دعاء نہیں فرمائی) راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ تیسری مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ نجد کے علاقہ میں زلزلے اور فتنے ہوں گے، اور وہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا (بخاری)

مذکورہ حدیث میں شام اور یمن کے علاقوں میں برکت ہونے کا ذکر ہے، اور شام اور یمن کا تعلق مقامات سے ہے، جس سے مختلف مقامات میں برکت کا ثبوت ہوتا ہے۔

پسندیدہ چیز دیکھنے پر برکت کی دعاء کا حکم

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِذَا رَأٰی أَحَدُکُمْ مِنْ نَّفْسِہٖ وَأَخِیْہِ مَا یُعْجِبُہٗ فَلْیَدْعُ بِالْبَرَکَۃِ فَإِنَّ الْعَیْنَ حَقٌّ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے آپ میں اور اپنے بھائی میں پسندیدہ چیز دیکھے، تو برکت کی دعاء کر دے، کیونکہ نظر لگنا برحق ہے (حاکم)

اور حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ:

فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِذَا رَأٰی أَحَدُکُمْ مِنْ نَّفْسِہٖ أَوْ مَالِہٖ أَوْ أَخِیْہِ مَا یُحِبُّ فَلْیُبَرِّکْ فَإِنَّ الْعَیْنَ حَقٌّ (مستدرک حاکم) [2]

---

[1] رقم الحدیث ۷۴۹۹، کتاب الطب.
قال الحاکم: ھذا حدیث صحیح الإسناد ولم یخرجاہ بذکر البرکۃ"
وقال الذھبی فی التلخیص: صحیح.

[2] رقم الحدیث ۷۵۰۰، کتاب الطب، مسند ابی یعلیٰ، رقم الحدیث ۷۱۹۵.
قال الحاکم: ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ.
وقال الذھبی فی التلخیص: صحیح.
وقال حسین سلیم أسد: إسنادہ جید (حاشیۃ ابی یعلیٰ)

ترجمہ: پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے اندر یا اپنے مال میں یا اپنے بھائی میں کوئی ایسی چیز دیکھے، جو اسے پسند آئے، تو برکت کی دعاء دے، کیونکہ نظر لگنا برحق ہے (حاکم، ابویعلیٰ)

مذکورہ حدیث میں اپنے اندر کسی پسندیدہ چیز کے دیکھنے پر اور پھر اپنے بھائی میں پسندیدہ چیز دیکھنے پر برکت کی دعاء کرنے کا ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ برکت کی دعاء کرنے سے نظر لگنے سے حفاظت ہو جاتی ہے۔

مذکورہ احادیث میں اپنے آپ یا دوسرے کو نظر لگنے سے بچانے کا یہ طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی چیز پسند آئے اور اچھی لگے، تو برکت کی دعاء دے، مثلاً اگر کوئی اپنی چیز پسند آئے، تو یہ دعاء کرے کہ:

"بَارَکَ اللّٰہُ لِیْ"

"اللہ مجھے برکت عطا فرمائے"

اور اگر دوسرے کی کوئی چیز پسند آئے، تو یہ دعاء کرے کہ:

"بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ فِیْ نَفْسِکَ وَأَهْلِکَ وَمَالِکَ"

"اللہ تجھ کو تیری جان میں اور گھر والوں میں اور مال میں برکت عطا فرمائے" [1]

کھانے کے بعد انگلیوں اور برتن کا چاٹنا، برکت کا باعث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِلَعْقِ الْأَصَابِعِ وَالصَّحْفَةِ، وَقَالَ:

---

[1] (إذا رأى أحدكم من نفسه أو أهله أو ماله أو من أخيه ما يعجبه) ما يستحسنه ويرضاه (فليدع له بالبركة) وذلک؛ لأن الإعجاب قد تتولد عنه العين فيجب عليه دفع ضررها بأن يقول بارک الله لی أو لک فی نفسک وأهلک ومالک فإن العين حق سيأتی الكلام عليها من حرف العين وفيه: أن الإنسان قد يعين نفسه أو أهله أو ماله وأن الدعاء بالبركة يدفع ضررها (التنوير شرح الجامع الصغير للصنعانی، تحت رقم الحديث ٦١٨)

إِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ فِيْ أَيِّهِ الْبَرَكَةُ (صحيح مسلم)[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (کھانا کھانے کے بعد) انگلیوں اور برتن کے چاٹنے کا حکم فرمایا، اور فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ کھانے کے کس حصہ (وجزو) میں برکت ہے (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا وَقَعَتْ لُقْمَةُ أَحَدِكُمْ فَلْيَأْخُذْهَا، فَلْيُمِطْ مَا كَانَ بِهَا مِنْ أَذًى وَلْيَأْكُلْهَا، وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ، وَلَا يَمْسَحْ يَدَهُ بِالْمِنْدِيْلِ حَتّٰى يَلْعَقَ أَصَابِعَهُ، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِيْ فِيْ أَيِّ طَعَامِهِ الْبَرَكَةُ (صحيح مسلم)[2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے، تو اسے چاہیے کہ اس کو اٹھالے، اور اس پر جو تکلیف دہ چیز (یعنی گندگی وغیرہ) ہے، اس کو صاف کرلے، پھر اس کو کھالے، اور اس کو شیطان کے لیے نہ چھوڑے، اور اپنے ہاتھ کو تولیہ (یا ٹشو پیپر وغیرہ) سے نہ صاف کرے، یہاں تک کہ اپنی انگلیوں کو چاٹ لے، کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ اس کے کون سے کھانے میں برکت ہے (مسلم)

اس حدیث میں کھانے کے بعض اجزاء میں برکت کا ذکر کیا گیا ہے، اور اس برکت کے حصول کا طریقہ، اس کو ضائع ہونے سے بچا کر کھانے کی صورت میں بتلایا گیا ہے، جس سے مختلف اشیاء میں برکت اور ان کے مختلف شکلوں میں حصولِ برکت کا ثبوت ہوتا ہے۔

---

[1] رقم الحديث ۲۰۳۳ "۱۳۳" كتاب الاشربة، باب استحباب لعق الأصابع والقصعة، وأكل اللقمة الساقطة بعد مسح ما يصيبها من أذى، وكراهة مسح اليد قبل لعقها.

[2] رقم الحديث ۲۰۳۳ "۱۳۴" كتاب الاشربة، باب استحباب لعق الأصابع والقصعة، وأكل اللقمة الساقطة بعد مسح ما يصيبها من أذى، وكراهة مسح اليد قبل لعقها.

کھانے کے کنارے سے کھانا، برکت کا باعث

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْبَرَكَةُ تَنْزِلُ وَسَطَ الطَّعَامِ، فَكُلُوْا مِنْ حَافَتَيْهِ، وَلَا تَأْكُلُوْا مِنْ وَسَطِهِ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برکت، کھانے کے درمیان والے حصہ میں نازل ہوتی ہے، تو تم کھانے کے کناروں سے کھاؤ، اور اس کے درمیان سے مت کھاؤ (ترمذی)

اس حدیث میں کھانے کے مخصوص حصہ میں برکت کے نزول کا ذکر کیا گیا ہے، اور ساتھ ہی اس برکت کے حصول کا طریقہ بھی بیان کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف اشیاء میں برکت رکھی جاتی ہے، اور برکت کا حصول محمود ومطلوب ہے۔

مل کر کھانا، برکت کا باعث

حضرت حرب اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا نَأْكُلُ وَلَا نَشْبَعُ، قَالَ: فَلَعَلَّكُمْ تَفْتَرِقُوْنَ؟ قَالُوْا: نَعَمْ، قَالَ: فَاجْتَمِعُوْا عَلٰى طَعَامِكُمْ، وَاذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيْهِ (سنن ابی داؤد) [2]

---

[1] رقم الحديث ۱۸۰۵، ابواب الاطعمة، باب ما جاء فی كراهية الأكل من وسط الطعام.
قال الترمذی:
هذا حديث حسن صحيح إنما يعرف من حديث عطاء بن السائب وقد رواه شعبة، والثوری، عن عطاء بن السائب وفی الباب عن ابن عمر.

[2] رقم الحديث ۳۷۶۴، كتاب الاطعمة، باب فی الاجتماع علی الطعام.
قال شعيب الارنؤوط: حسن لغيره (حاشية سنن ابی داؤد)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم کھانا کھاتے ہیں، مگر ہمارا پیٹ نہیں بھرتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید تم متفرق (یعنی الگ الگ) ہوکر کھانا کھاتے ہو، انہوں نے جواب میں کہا کہ جی ہاں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنا کھانا اکٹھے ہوکر کھایا کرو، اور کھانے پر اللہ کا نام لیا کرو، جس کی وجہ سے تمہارے کھانے میں برکت عطاء کی جائے گی (ابوداؤد)

اس حدیث میں اجتماعیت اور اللہ کے نام لینے کے عمل کو برکت کے حصول کا ذریعہ بتایا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ بعض اعمال میں برکت کے حصول کی تاثیر پائی جاتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُوْا جَمِيْعًا، وَلَا تَفَرَّقُوْا، فَإِنَّ الْبَرَكَةَ مَعَ الْجَمَاعَةِ (سنن ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اکٹھے ہوکر کھانا کھاؤ، متفرق (اور الگ الگ) ہوکر مت کھاؤ، کیونکہ برکت جماعت (واجتماعیت) کے ساتھ ہوتی ہے (ابنِ ماجہ)

مذکورہ حدیث میں بھی اجتماعیت کو برکت کے حصول کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

کھانے کی گرمی کی شدت کو دور کرنا، برکت کا باعث

حضرت عروہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، أَنَّهَا كَانَتْ إِذَا ثَرَدَتْ، غَطَّتْهُ شَيْئًا حَتّٰى

---

[1] رقم الحديث ٣٢٨٧، كتاب الاطعمة، باب الاجتماع على الطعام.

قال شعيب الارنؤوط:

حسن بسابقه وشواهده، وهذا إسناد ضعيف لضعف عمرو بن دينار قهرمان آل الزبير.

وهذا الحديث انفرد به ابن ماجه (حاشية سنن ابنِ ماجه)

يَذْهَبَ فَوْرُهُ، ثُمَّ تَقُوْلُ: إِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْبَرَكَةِ (مسند احمد، رقم الحديث ٢٦٩٥٨) [1]

ترجمہ: حضرت اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا جب ثرید (یعنی عرب کا مخصوص کھانا) پکا کر تیار کرتیں، تو اس کو کسی چیز سے ڈھانک دیتیں، یہاں تک کہ اس کا جوش ٹھنڈا ہوجاتا، پھر فرماتیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ (یعنی کھانے کی گرمائش کو ٹھنڈا کرنا) عظیم برکت (کے حاصل ہونے) کا باعث ہے (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ کھانے کی گرمائش کو ختم کرنا، کھانے میں خیر وبرکت کا ذریعہ ہے، اور یہ بعض اشیاء اور افعال میں برکت ہونے اور مختلف طریقوں سے برکت کے حصول کی دلیل ہے، جس کا عموماً تجربہ بھی ہے کہ کھانے کی جتنی مقدار سے عام طور پر پیٹ بھر جاتا ہے، گرم کھانے کی اتنی مقدار سے پیٹ نہیں بھرتا، البتہ کھانا معمولی مقدار میں گرم ہو، زیادہ گرم نہ ہو، تو اس میں حرج نہیں۔

صبح کے وقت کام کاج کرنا، برکت کا باعث

حضرت صخر غامدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِىْ فِىْ بُكُوْرِهَا، قَالَ: وَكَانَ إِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً، أَوْ جَيْشًا، بَعَثَهُمْ أَوَّلَ النَّهَارِ، وَكَانَ صَخْرٌ رَجُلًا تَاجِرًا، وَكَانَ إِذَا بَعَثَ تِجَارَةً بَعَثَهُمْ أَوَّلَ النَّهَارِ، فَأَثْرٰى وَكَثُرَ مَالُهُ (سنن الترمذى) [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:
حديث حسن (حاشية مسند احمد)

[2] رقم الحديث ١٢١٢، ابواب البيوع، باب ما جاء فى التبكير بالتجارة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء کی کہ اے اللہ! میری امت کے لئے اُن کی صبح میں برکت عطا فرمایئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی کوئی چھوٹا یا بڑا لشکر روانہ کرتے تو انہیں صبح کے وقت میں ہی بھیجتے، اور حضرت صخر ایک تاجر آدمی تھے، اور وہ بھی جب مالِ تجارت کو بھیجتے تو شروع دن میں ہی بھیجا کرتے تھے، پس وہ (اس عمل کی برکت سے) مالدار ہوگئے اور ان کے پاس مال کی کثرت ہوگئی (ترمذی)

اس حدیث سے صبح کے وقت میں برکت کا ہونا معلوم ہوا، اور صبح کے وقت عمل کر کے اس کے ذریعہ برکت کا حاصل کرنا بھی معلوم ہوا۔

نبی اور صالحین کی دی ہوئی چیز، برکت کا باعث

حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ، ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنِّیْ أَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْتُہٗ فَأَعْطَانِیْ، وَأَتَیْتُ أَبَا بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَسَأَلْتُہٗ فَأَعْطَانِیْ،وَأَتَیْتُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَسَأَلْتُہٗ فَأَعْطَانِیْ، وَأَتَیْتُ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَسَأَلْتُہٗ فَأَعْطَانِیْ، قَالَ: فَأَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، اُدْعُ اللّٰہَ أَنْ یُّبَارِکَ لِیْ، فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: کَیْفَ لَا یُبَارَکُ لَکَ وَأَعْطَاکَ نَبِیٌّ وَصِدِّیْقٌ وَشَہِیْدَانِ، وَأَعْطَاکَ نَبِیٌّ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قال الترمذی:

وفی الباب عن علی، وابن مسعود، وبریدة، وأنس، وابن عمر، وابن عباس، وجابر ۔ حدیث صخر الغامدی حدیث حسن، ولا نعرف لصخر الغامدی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر هذا الحدیث، وقد روی سفیان الثوری، عن شعبة، عن یعلی بن عطاء هذا الحدیث.

وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ، وَأَعْطَاكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ؟ (مسند ابی یعلیٰ الموصلی، رقم الحدیث ۱۶۰۱، ج۳ص ۱۷۶) [1]

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور میں نے (تنگ دستی کی حالت میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، تو آپ نے مجھے دے دیا، اور میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اور ان سے بھی سوال کیا، تو انہوں نے بھی مجھے دے دیا، اور میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اور ان سے بھی سوال کیا، تو انہوں نے بھی مجھے دے دیا، اور میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اور ان سے بھی سوال کیا، تو انہوں نے بھی مجھے دے دیا، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے لیے دعاء فرما دیجیے کہ اللہ مجھے برکت عطا فرمائے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ آپ کو کیسے برکت عطا نہیں فرمائے گا، جبکہ آپ کو نبی نے اور صدیق نے اور دو شہیدوں (یعنی حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما) نے دیا ہے، جبکہ آپ کو نبی نے اور صدیق نے اور دو شہیدوں نے دیا ہے، جبکہ آپ کو نبی نے اور صدیق نے اور دو شہیدوں نے دیا ہے (ابو یعلیٰ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری جملہ کو بار بار دہرایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی یا صالح شخص کے ذریعہ جائز طریقہ پر حاصل شدہ مال برکت کا باعث ہوتا ہے، اور یہ حدیث نبی اور صالح کے آثار سے تبرک حاصل ہونے کی دلیل ہے۔

طیبِ نفس کے ساتھ حاصل شدہ مال، برکت کا باعث

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] قال حسين سليم أسد الداراني:
إسناده صحيح (حاشية مسند ابی یعلیٰ)

سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَانِيْ، ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِيْ، ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِيْ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، فَمَنْ أَخَذَهُ بِطِيْبِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهُ فِيْهِ، وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيْهِ، وَكَانَ كَالَّذِيْ يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى (صحيح مسلم) [1]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (کسی چیز کے متعلق) سوال کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطا کیا، میں نے پھر سوال کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پھر عطا کیا، میں نے پھر سوال کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پھر عطا کیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک یہ مال سرسبز وشاداب اور میٹھا ہے، پس جو اِس کو پاکیزہ نفس سے لیتا ہے، تو اس کے لیے اس میں برکت دی جاتی ہے اور جو اس کو اشرافِ نفس (یعنی حرص وطمع یا لالچ) سے لیتا ہے، تو اس کے لیے برکت نہیں دی جاتی اور وہ ایسے شخص کی طرح ہو جاتا ہے، جو کھاتا ہے لیکن سیر نہیں ہوتا اور اوپر (یعنی دینے) والا ہاتھ نیچے (یعنی لینے) والے ہاتھ سے بہتر ہے (مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حرص وطمع کے بغیر پاکیزہ نفس سے ملنے والے مال میں برکت ہوتی ہے، اس حدیث سے بھی مختلف اعمال کے ذریعہ سے برکت کا حصول معلوم ہوا۔

اللہ کی تقسیم پر راضی ہونا، برکت کا باعث

بنی سلیم کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ يَبْتَلِيْ عَبْدَهُ بِمَا أَعْطَاهُ، فَمَنْ رَضِيَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَهُ بَارَكَ لَهُ فِيْهِ وَوَسَّعَهُ، وَمَنْ لَّمْ

---

[1] رقم الحديث ١٠٣٥ "٩٦" كتاب الزكاة، باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلى، وأن اليد العليا هي المنفقة وأن السفلى هي الآخذة.

يَرْضَ لَمْ يُبَارِكْ لَهُ فِيْهِ(شعب الايمان للبيهقي) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ اپنے بندے کا اس چیز سے امتحان لیتا ہے، جو اسے عطاء کیا ہوتا ہے، پس جو شخص اپنے حق میں اللہ کی تقسیم پر راضی ہوجاتا ہے، تو اللہ اس کو عطاء کی ہوئی چیز میں برکت عطا فرماتا ہے، اور وسعت عطاء فرماتا ہے، اور جو اس پر راضی نہیں ہوتا، تو اللہ اس کے لیے اس میں برکت عطاء نہیں فرماتا (بیہقی، مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی تقسیم وعطاء پر راضی ہونا برکت حاصل ہونے کا ذریعہ ہے، اور یہ حدیث بھی مختلف اعمال کے ذریعہ، برکتِ الٰہی کے حصول کے ثبوت کی دلیل ہے۔

سچ بولنا اور حقیقت کا اظہار تجارت میں، برکت کا باعث

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا، فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِيْ بَيْعِهِمَا، وَإِنْ كَذَبَا وَكَتَمَا مُحِقَ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا(صحيح مسلم) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خرید وفروخت کرنے والوں کو جدا ہونے

---

[1] رقم الحديث ٩٢٧٤، باب في الصبر على المصائب، وعما تنزع اليه النفس من لذة وشهوة، مسند أحمد، رقم الحديث ٢٠٢٧٩.

قال شعيب الارنؤوط:

إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غير صحابيه، وجهالته لا تضر. إسماعيل: هو ابن عُليَّة، ويونس: هو ابن عبيد البصرى، وأبو العلاء بن الشّخّير: هو يزيد بن عبد الله بن الشّخّير.

وأخرجه ابن قانع فى "معجم الصحابة 288 -1/287 "و288، والبيهقى فى "شعب الإيمان (9725) "من طرق عن يونس بن عبيد، بهذا الإسناد(حاشية مسند احمد)

[2] رقم الحديث ١٥٣٢ "٤٧" كتاب البيوع، باب الصدق فى البيع والبيان، بخارى، رقم الحديث ٢٠٧٩.

سے پہلے (معاملہ ختم کرنے کا) اختیار ہوتا ہے، اگر یہ لوگ سچ بولیں، اور واضح بات کردیں، تو ان کی خرید وفروخت میں برکت عطاء کی جاتی ہے، اور اگر جھوٹ بولیں، اور حق بات چھپالیں، تو ان کی خرید وفروخت کی برکت کو مٹا دیا جاتا ہے

(مسلم، بخاری)

اس حدیث میں سچ کے عمل میں برکت کا ذکر کیا گیا ہے، اور جھوٹ کے عمل سے برکت کے چلے جانے کا ذکر کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ بعض اچھے اعمال، برکت کے حصول اور بعض برے اعمال برکت سے محرومی کا ذریعہ ہیں۔

’’عقار‘‘ کی قیمت دوسری چیز میں لگانا، برکت نہ ہونے کا باعث

حضرت سعید بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ بَاعَ عَقَارًا كَانَ قَمِنًا أَنْ لَّا يُبَارَكَ لَهُ، إِلَّا أَنْ يَّجْعَلَهُ فِيْ مِثْلِهِ أَوْ غَيْرِهِ (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ۱۵۸۴۲) [1]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:
حديث حسن بمتابعاته وشواهده، وهذا إسناد ضعيف لضعف إسماعيل ابن إبراهيم بن مهاجر، وباقي رجال الإسناد ثقات رجال الشيخين، غير أن صحابيه سعيد بن حريث ليس له في الكتب الستة سوى هذا الحديث عند ابن ماجه كما قال البوصيري .ابن نمير :هو عبد الله.
وأخرجه ابن ماجه بإثر الحديث (2490) ، والدارمي 2/273، وأبو يعلى (1458) ، والطحاوي في "شرح مشكل الآثار "(3949) ، والطبراني في "الكبير "(5526) ، والبيهقي في "السنن 6/34 "من طرق عن إسماعيل بن إبراهيم بن مهاجر، بهذا الإسناد.
قال البوصيري في "زوائد ابن ماجه :"إسماعيل بن إبراهيم ضعفه البخاري وأبو داود وغيرهما
قلنا :قد تابعه أبو حمزة محمد بن ميمون السكري -وهو ثقة من رجال الشيخين -عن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کوئی جائیداد (زمین یا مکان وغیرہ) فروخت کردے، تو وہ اس کے لائق ہے کہ اس میں برکت نہ کی جائے، مگر یہ کہ وہ اس (کی قیمت) کو اُس جیسی چیز میں خرچ کرے (مسند احمد)

مطلب یہ ہے کہ کسی غیر منقولہ چیز مثلاً زمین، گھر وغیرہ کو بیچ کر اس کی قیمت کو اُسی جیسی چیز یعنی کسی دوسری غیر منقولہ چیز مثلاً زمین، گھر وغیرہ میں خرچ کرنا بہتر ومستحب اور برکت کو باقی رکھنے کا ذریعہ ہے، اور کسی دوسری غیر منقولہ چیز میں خرچ کرنا بے برکتی کا ذریعہ ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عبد الملک بن عمیر، به .عند البیهقی 6/34، غیر أنه من طریق محمد بن موسی بن حاتم، وهو متکلم فیه، فقد نقل الحافظ فی "اللسان "عن القاسم السیاری قوله :أنا بریء من عهدته، وقول ابن أبی سعد :إن کان محمد بن علی الحافظ سیء الرأی فیه.

وتابعه أیضاً قیس بن الربیع عن عبد الملک بن عمیر، به، فیما سلف برقم (1650) لکن جعله من مسند سعید بن زید، وقیس بن الربیع قال فیه الحافظ فی "التقریب :" صدوق تغیر لما کبر، أدخل علیه ابنه ما لیس من حدیثه، فحدث به.

وسیأتی 4/307دون ذکر عمرو بن حریث فی الإسناد.

وله شاهد من حدیث حذیفة عند الطیالسی (422) و (423) ، والبخاری فی "التاریخ الکبیر 328-8/327 "، وابن ماجه (2491) ، وابن عدی 7/2623، والبیهقی 6/33-34.ولفظه عند الطیالسی " :من باع داراً ثم لم یجعل ثمنها فی دارٍ لم یبارک له"، وقد روی مرفوعاً وموقوفاً، والموقوف أصح.

وآخر من حدیث أبی ذر :عند الطبرانی فی "الأوسط "(7104) ، بلفظ" :من باع داراً لم یستخلف لم یبارک له فی ثمنها "، وأورده الهیثمی فی "المجمع4/111 "، وقال: وفیه جماعة لم أعرفهم.

قال السندی :قوله" :کان قمناً "بفتحٍ فکسر، أو بفتحتین، أی :لائقاً حقیقاً(حاشیة مسند احمد)

[1] قال -صلی الله علیه وسلم " -من باع منکم دارا أو عقارا قمن أن لا یبارک له إلا أن یجعله فی مثله."

قوله" :من باع منکم دارا أو عقارا قمن أن لا یبارک له إلا أن یجعله فی مثله "، (قمن)؛ أی :حقیق وجدیر؛ یعنی :بیع الأرض والدور وصرف ثمنها إلی المنقولات غیر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس سے معلوم ہوا کہ جس طرح بعض اعمال وافعال برکت کا باعث ہیں، اسی طرح بعض اعمال وافعال بے برکتی کا بھی باعث ہیں۔

غلہ کی ناپ تول، برکت کا باعث

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: كِيْلُوْا طَعَامَكُمْ يُبَارَكْ لَكُمْ (بخاری، رقم الحدیث ۲۱۲۸، کتاب البیوع، باب ما یستحب من الکیل)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے کھانے (یعنی غلہ وغیرہ) کی ناپ تول کرلیا کرو، جس کی وجہ سے تمہیں برکت عطاء کی جائے گی (بخاری)

مطلب یہ ہے کہ لین دین اور کھانا تیار کرنے کے وقت غلہ وغیرہ کی ناپ تول کرنا برکت اور نزاع کے خاتمہ اور بدنظمی سے حفاظت کا باعث ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مستحب؛ لأن الأرض والدور كثيرة المنافع مديدة النبات قليلة الآفة، لا يسرقها سارق، ولا تلحقها غارة، بخلاف المنقولات، فالأولى أن لا تباع الأرض والدور، فإن باعها فالأولى صرف ثمنها إلى أرض أو دار (المفاتيح في شرح المصابيح، للحسين بن محمود الشِّيرازيُّ الحَنَفيُّ المشهورُ بالمُظْهِري، ج۳، ص۴۹۳، كتاب البيوع، باب الشفعة)

[1] (كيلوا طعامكم يبارك لكم) : بصيغة المفعول، وفي رواية الجامع بزيادة "فيه". "قال المظهر: الغرض من كيل الطعام معرفة مقدار ما يستقرض الرجل ويبيع ويشترى، فإنه لو لم يكل لكان ما يبيعه ويشتريه مجهولا، ولا يجوز ذلك، وكذلك لو لم يكل ما ينفق على عياله ربما يكون ناقصا عن قدر كفايتهم، فيكون النقصان ضررا عليهم، وقد يكون زائدا على قدر كفايتهم، ولم يعرف ما يدخر لتمام السنة، فأمر رسول الله – صلى الله عليه وسلم – بالكيل ليكونوا على علم ويقين فيما يعملون، فمن راعى سنة رسول الله – صلى الله عليه وسلم – يجد بركة عظيمة في الدنيا وأجرا عظيما في الآخرة، فإن قلت: كيف التوفيق بين هذا وما روى عن عائشة – رضى الله عنها – أنها قالت: توفى رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وما لى شيء يأكله ذو كبد إلا شطر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ بعض اعمال وافعال برکت کے حصول کا ذریعہ ہوتے ہیں۔
اس طرح کی بے شمار احادیث ہیں، جن سے مختلف امکنہ وازمنہ اورافراد وشخصیات اوراشیاء و کلمات میں خیر وبرکت کا ثبوت ہوتا ہے، اور ساتھ ہی اس خیر وبرکت کے حصول کے لیے مختلف اسباب واعمال کا بھی متفرق طریقوں سے ثبوت ہوتا ہے۔
لہٰذا بابرکت مقامات اور متبرک شخصیات کے آثار سے برکت کے حصول کا علی الاطلاق انکار کرنا اوراس سے بڑھ کراس کو بدعت وشرک قرار دینا، راجح معلوم نہیں ہوتا۔
آگے مختلف مقامات وآثاراوران سے متفرق طریقوں پر برکت کے حصول وثبوت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔
اللہ تعالیٰ اعتدال کواختیار کرنے اورافراط وتفریط سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائے۔آمین۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

شعير فى رف، وكنت آكل منه مدة، فكلته فذهبت بركته؟ ، قلت: الكيل عند البيع والشراء مأمور به لإقامة القسط والعدل، وفيه البركة والخير، وعند الإنفاق إحصاؤه وضبطه، وهو منهى عنه، قال – صلى الله عليه وسلم: " أنفق بلالا ولا تخش من ذى العرش إقلالا) ."رواه البخارى) : وكذا أحمد، ورواه البخارى فى تاريخه، وابن ماجه عن عبيد الله بن بسر، وأحمد وابن ماجه عن أبى أيوب، والطبرانى عن أبى الدرداء. ورواه ابن النجار عن على – رضى الله عنه – ولفظه: " كيلوا طعامكم، فإن البركة فى الطعام المكيل(مرقاة المفاتيح، ج۷ص۲۷۰۸، كتاب الاطعمة)

(الرسالةُ الثانية)

مساجد کی فضیلت

سب سے پہلے مساجد کی فضیلت و برکت کا ذکر کیا جاتا ہے، کیونکہ مساجد دراصل اللہ کا گھر ہوتی ہیں، اور احادیث میں ان کی بڑی فضیلت و برکت اوران کے ''خیرُ البقاع'' ہونے کا ذکر آیا ہے۔

احادیث وروایات

اس سلسلہ میں چند احادیث ضروری تشریح کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا، وَأَبْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللّٰهِ أَسْوَاقُهَا (صحيح مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک زمین پر سب سے زیادہ پسندیدہ مقام مساجد ہیں، اور سب سے زیادہ ناپسند مقام بازار ہیں (مسلم)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحديث ٦٧١ "٢٨٨" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب أحب البلاد إلى الله مساجدها.

أَنَّ رَجُـلًا سَـأَلَ الـنَّبِـيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ الْبِقَاعِ خَيْرٌ؟ وَأَيُّ الْبِـقَـاعِ شَـرٌّ؟ قَـالَ: خَيْـرُ الْبِـقَـاعِ اَلْـمَسَـاجِـدُ، وشَـرُّ الْبِـقَـاعِ اَلْأَسْوَاقُ (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ١٣٧٩٨، ج١٣ص١٢٩) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ زمین کے ''بقاع'' (یعنی حصوں) میں سے کون سا سب سے بہتر ہے، اور زمین کے ''بقاع'' (یعنی حصوں) میں سے کون سا بدتر ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بہترین ''بقاع'' (یعنی زمین کے حصے) مساجد ہیں، اور بدترین ''بقاع'' (یعنی زمین کے حصے) بازار ہیں (طبرانی)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی ایک اور حدیث

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے:

أَنَّ رَجُـلًا سَـأَلَ الـنَّبِـيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْبِقَاعِ شَرٌّ قَالَ: لَا أَدْرِيْ حَتّٰى أَسْأَلَ جِبْرِيْلَ، فَسَـأَلَ جِبْـرِيْلَ فَقَالَ لَا أَدْرِيْ حَتّٰى أَسْأَلَ مِيْـكَائِيْلَ فَجَاءَ فَقَالَ: خَيْرُ الْبِقَاعِ اَلْمَسَاجِدُ وَشَرُّهَا اَلْأَسْوَاقُ (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ١٥٩٩، كتاب الصلاة، باب المساجد) [2]

---

[1] قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الكبير، وفيه عطاء بن السائب وهو ثقة، ولكنه اختلط فی آخر عمره، وبقية رجاله موثقون (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٩٢٧، باب فضل المساجد ومواضع الذكر والسجود)

[2] قال شعيب الارنؤوط:

حديث حسن، رجاله ثقات، إلا أن عطاء بن السائب رمی بالاختلاط، وجرير بن عبد الحميد: ممن روى عنه بعد الاختلاط، لكن يشهد له حديث أبی هريرة الآتی، فيتقوى به (حاشية ابنِ حبان)

وقال الدكتور سعد بن ناصر بن عبد العزيز الشّثری:

وصححه الحاكم، ووافقه الذهبی. وهذا من أوهامهما لأن جريرا وإنما سمع من عطاء فی حال اختلاطه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ زمین کے ''بقاع'' (یعنی حصوں) میں سے کون سا بدتر ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں، میں جبریل سے سوال کروں گا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے سوال کیا، تو انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں، میں میکائیل سے سوال کروں گا، پھر حضرت جبریل نے آکر بتایا کہ سب سے بہترین ''بقاع'' (یعنی زمین کے حصے) مساجد، اور بدترین ''بقاع'' (یعنی زمین کے حصے) بازار ہیں (ابنِ حبان)

یہ روایت اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ورواه الحافظ فى موافقة الخبر الخبر (ص 6، 3 :7)، من طريق جرير، عن عطاء، به، مختصرا .وقال: هذا حديث حسن .اهـ.

قلت: تحسين الحافظ لهذا الحديث من هذه الطريق فيه تساهل، لكن لعله إنما حسنه بالنظر إلى شواهده...... فالحديث بهذا الإسناد ضعيف.ولهذا الحديث شواهد يرتقى بها إلى الحسن لغيره(تعليق المطالب العالية محققا، ج۳ص ۴۷۰، ۴۷۱، ملخصاً، تحت رقم الحديث ۳۵۰، كتاب الصلاة، باب بناء المساجد وتوسيعها)

[1] حدثناه أبو حفص عمر بن محمد التجيبى، بمكة، فى دار أبى بكر الصديق، ثنا على بن عبد العزيز، ثنا إسحاق بن إسماعيل، ثنا جرير، عن عطاء بن السائب، عن محارب بن دثار، عن ابن عمر، قال: جاء رجل إلى النبى صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله أى البقاع خير؟ فقال: لا أدرى فقال: أى البقاع شر؟ فقال: لا أدرى فقال: سل ربك، قال: فلما نزل جبريل، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " إنى سئلت أى البقاع خير وأى البقاع شر؟ فقلت: لا أدرى "فقال: جبريل: وأنا لا أدرى حتى أسأل ربى، قال: فانتفض جبريل انتفاضة كاد أن يصعق منها محمد صلى الله عليه وسلم، فقال الله: يا جبريل يسألك محمد أى البقاع خير؟ فقلت: لا أدرى، فسألك أى البقاع شر فقلت: لا أدرى، وإن خير البقاع المساجد، وشر البقاع الأسواق " (مستدرك حاكم، رقم الحديث ۳۰۶)

حدثناه عبد الله بن محمد بن موسى العدل، حدثنا محمد بن أيوب، أنبأ على بن الحسن الهسنجانى، ويحيى بن المغيرة السعدى، قالا: حدثنا جرير، عن عطاء بن السائب، عن محارب بن دثار، عن عبد الله بن عمر، قال: جاء رجل إلى النبى صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله، أى البقاع خير؟ فقال: لا أدرى قال: فأى البقاع شر؟ فقال: لا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَيُّ الْبُلْدَانِ شَرٌّ؟ فَقَالَ: لَا أَدْرِيْ فَلَمَّا جَاءَهُ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: جِبْرِيْلُ أَيُّ الْبُلْدَانِ شَرٌّ، قَالَ: لَا أَدْرِيْ حَتّٰى أَسْأَلَ رَبِّيْ عَزَّ وَجَلَّ، فَانْطَلَقَ جِبْرِيْلُ، فَمَكَثَ مَا شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ جَاءَ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ إِنَّكَ سَأَلْتَنِيْ: أَيُّ الْبُلْدَانِ شَرٌّ؟ فَقُلْتُ: لَا أَدْرِيْ، وَإِنِّيْ سَأَلْتُ رَبِّيْ عَزَّ وَجَلَّ: أَيُّ الْبُلْدَانِ شَرٌّ؟ فَقَالَ: أَسْوَاقُهَا (مسند ابی یعلیٰ الموصلی، رقم الحدیث ۷۴۰۳، ج۱۳ ص ۴۰۰، مسند احمد، رقم الحدیث ۱۶۷۴۴)

ترجمہ: ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کون سی جگہ بدترین ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں، پھر جبریل علیہ السلام تشریف لائے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اے جبریل! کون سی جگہ بدترین ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں، میں اپنے رب عزوجل سے اس کے متعلق سوال کروں گا، پھر حضرت جبریل تشریف لے گئے، پھر جتنا اللہ نے چاہا، ٹھہرے رہے، پھر حضرت جبریل تشریف لائے، اور فرمایا کہ اے محمد! آپ نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا کہ کون سی جگہ بدترین ہے، تو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أدری فأتاه جبريل فقال: سل ربک فقال جبريل: ما نسأله عن شیء فانتفض انتفاضة، كاد أن يصعق منهما محمد صلى الله عليه وسلم، فلما صعد جبريل قال الله تعالى: سألک محمد أی البقاع خير؟ فقلت: لا أدری .وسألک: أی البقاع شر؟ فقلت: لا أدری .قال: فقال: نعم .قال: فحدثه أن خير البقاع المساجد، وأن شر البقاع الأسواق (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۲۱۴۹)

قال الذهبی فی التلخیص: صحيح.

میں نے کہا تھا کہ مجھے علم نہیں، اور میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا ہے؟

تو جواب میں فرمایا کہ بدترین جگہ بازار ہے (ابویعلیٰ، مسند احمد)

بعض حضرات نے اس حدیث کو سند کے اعتبار سے ضعیف قرار دیا ہے۔ [1]

لیکن بعض حضرات نے مذکورہ حدیث کو ''حسن'' قرار دیا ہے۔ [2]

ہمارے نزدیک مذکورہ حدیث کا ''حسن لغیرہٖ'' ہونا راجح ہے، اور جن حضرات نے اس کو

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده ضعيف، لضعف عبد الله بن محمد بن عقيل: وهو ابن أبى طالب الهاشمى، فقد ضعفه مالک بن أنس، ويحيى بن سعيد القطان، ويحيى ابن معين وعلى ابن المدينى، وأحمد بن حنبل، ويعقوب بن شيبة، وسفيان بن عيينة، وابن سعد، والجوزجانى، وأبو زرعة وأبو حاتم الرازيان، والنسائى، وابن خزيمة، وأبو داود، وابن حبان، والدارقطنى، وما حسن الرأى فيه سوى الترمذى وشيخه البخارى، فقال الأول: صدوق؟ وقال الثانى: مقارب الحديث، وقد خالف هنا فى لفظ الحديث كما سيأتى فى التخريج .وزهير بن محمد: هو التميمى؟ له مناكير، وعد الإمام الذهبى فى تلخيصه "للمستدرک 2/7 "هذا الحديث منها، وبقية رجاله ثقات رجال الشيخين .أبو عامر: هو عبد الملک بن عمرو العقدى(حاشية مسند احمد، تحت رقم الحديث ١٦٧٤٤)

[2] قال حسين سليم أسد الدارانى:

إسناده حسن، عبدالله بن محمد بن عقيل بينا انه حسن الحديث عند الرقم (٧١٠٣) وزهير بن محمد التميمى ، قال البخارى:"ما روى عنه اهل الشام فانه مناكير، وماروى عنه اهل البصرة فانه صحيح" وابوعامر العقدى بصرى. وليس هذا الحديث ايضاً من الاحاديث التى ذكرها ابن عدى فى كامله وفيها بعض النكرة. واخرجه احمد ٤/ ٨١ من طريق ابى عامر العقدى، بهذا الاسناد، وصححه الحاكم ٢/٧ وتعقبه الذهبى بقوله: " زهير ذو مناكير، هذا منها، وابن عقيل فيه لين.

نقول : زهير ذومناكير، نعم، ولكن ليس هذا منها (حاشية مسند ابى يعلىٰ، تحت رقم الحديث٧٤٠٣)

وقال الهيثمى:

رواه البزار، وفيه عبد الله بن محمد بن عقيل وهو مختلف فى الاحتجاج به، وله طريق من غير ذكر المساجد عند أحمد وأبى يعلى تأتى فى البيع إن شاء الله(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٩٢٩ ،باب فضل المساجد ومواضع الذكر والسجود)

وقال ايضاً:

ورجال أحمد، وأبى يعلى، والبزار رجال الصحيح خلا عبد الله بن محمد بن عقيل، وهو حسن الحديث، وفيه كلام(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٦٣٢٦، باب ماجاء فى الاسواق)

ضعیف قرار دیا، ان کی مراد فی نفسہٖ ضعیف ہونا ہے، اور جن حضرات نے ''حسن'' قرار دیا، ان کی مراد ''حسن لغیرہٖ'' ہونا ہے، کیونکہ اس کی تائید ''صحیح وحسن اور ضعیف'' درجہ کی دیگر کئی روایات سے ہوتی ہے، لہٰذا دونوں میں درحقیقت کوئی تعارض وٹکراؤ نہیں۔

چند دیگر حضراتِ گرامی کی احادیث

اس طرح کی احادیث دوسری سندوں سے بھی مروی ہیں۔ [1]

---

[1] حدثنا محمد بن نوح، ثنا محمد بن خالد بن خداش، ثنا عبيد بن واقد القيسى، عن عمار بن عمارة الأزدى، حدثنى محمد بن عبد الله، عن أنس بن مالک قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لجبريل: أى البقاع خير؟ قال: لا أدرى قال: فسل عن ذلک ربک قال: فبکى جبريل صلى الله عليه وسلم، ثم قال: يا محمد، ولنا أن نسأله؟ هو الذى يخبرنا بما شاء، فعرج إلى السماء، ثم أتاه، فقال له: خير البقاع المساجد، بيوت الله فى الأرض قال: فأى البقاع شر؟، فعرج إلى السماء، ثم أتاه، فقال: شر البقاع الأسواق. لم يرو هذا الحديث عن عمار بن عمارة، وهو أبو هاشم صاحب الزعفران، إلا عبيد بن واقد (المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ۷۱۴۰)

قال الهيثمى:

رواه الطبرانى فى الأوسط وفيه عبيد بن واقد القيسى وهو ضعيف (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۹۲۶، باب فضل المساجد ومواضع الذكر والسجود)

وقال الالبانى:

أخرجه الطبرانى فى "المعجم الأوسط (2/148/1/7282) "وقال: "لم يروه عن عمار بن عمارة – وهو: أبو هاشم صاحب الزعفران – إلا عبيد بن واقد."

قلت: وهو ضعيف، قال أبو حاتم: "ضعيف الحديث." وساق له ابن عدى عدة أحاديث ثم قال: "وله غير ما ذكرت، وعامة ما يرويه لا يتابع عليه."

وبه أعله الهيثمى فى "المجمع (2/6) "فقال: "وهو ضعيف."

ولذلک أشار المنذرى فى "الترغيب (1/131) "إلى تضعيف الحديث.

وإنما صح من الحديث جملة المساجد والأسواق بلفظ: "أحب البلاد إلى الله مساجدها، وأبغض البلاد إلى الله اسواقها." أخرجها مسلم (سلسلة الاحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ٦٥٠٠)

حدثنا منصور بن محمد الزاهد، ثنا محمد بن الصباح قال: أخبرتنا أم عمر بنت حسان، عن سعيد، عن أبيه، أن إنسانا قال لرسول الله صلى الله عليه وسلم: انسب لى ربک

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جن کی بعض اسناد کو شدید ضعیف بھی قرار دیا گیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فسكت رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى نزل جبريل فأخبره، فقال: أين السائل عن نسب الله عز وجل؟ قال أنا هو ذا قال: } قل هو الله أحد الله الصمد إلى آخر السورة، قال: وقال له آخر: أخبرني عن أى البقاع خير وأيها شر، قال: خير البقاع المساجد وشرها الأسواق(الفوائد الشهير بالغيلانيات لابى بكر الشافعي، رقم الحديث ٦٩٤)

[1] حدثنا الوليد بن حماد، ثنا سليمان بن عبد الرحمن، ثنا بشر بن عون، ثنا بكار بن تميم، عن مكحول، عن واثلة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :شر المجالس الأسواق والطرق، وخير المجالس المساجد، فإن لم تجلس فى المسجد، فالزم بيتك(المعجم الكبير للطبراني،رقم الحديث ١٤٢)

قال الهيثمي:

رواه الطبراني فى الكبير وفيه بكار بن تميم قال فى الميزان: مجهول(مجمع الزوائد، رقم الحديث ١٩٢٨ ،باب فضل المساجد ومواضع الذكر والسجود)

وقال الدكتورسعد بن ناصر بن عبد العزيز الشّثرى:

من طريق أيوب بن مدرك، ثنا مكحول، به.

قال الهيثمي (المجمع 6 /2): رواه الطبراني فى الكبير، وفيه بكار بن تميم، قال فى الميزان: مجهول .اهـ.

قلت: قال الذهبى فى الميزان :(340 /1)بكار بن تميم عن مكحول، وعنه: بشر بن عون، مجهول، وذا سند نسخة باطلة .اهـ.

وبشر بن عون القرشي الشامي، قال ابن حبان: يروى عن بكار بن تميم، عن مكحول، عن واثلة نسخة فيها ستمائة حديث كلها موضوعة، لا يجوز الاحتجاج به بحال .اهـ. (المجروحين 190 /1؛ الميزان 321 /1).

وأيوب بن مدرك الحنفي، سكن دمشق، عداده فى أهل الشام، يروى المناكير عن المشاهير، ويدعي شيوخا لم يرهم ويزعم أنه سمع منهم، روى عن مكحول نسخة موضوعة، ولم يره .

قاله ابن حبان فى المجروحين (168 /1)، وانظر: الميزان (293 /1).

ومكحون الشامي، إمام أهل الشام وفقيههم، لم يسمع من واثلة، قاله أبو مسهر، وأبو حاتم، وأبو زرعة، وقال ابن معين: سمع منه .والراجح عدم سماعه منه، وهو كثير الإرسال جدا .انظر: جامع التحصيل (ص 285).

وقال الألباني فى ضعيف الجامع :(3392 :247 /3)موضوع .اهـ(تعليق المطالب العالية محققا، ج٣ص ٤٧٣،تحت رقم الحديث ٣٥٠، كتاب الصلاة، باب بناء المساجد وتوسيعها)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہرحال متعدد معتبر احادیث سے معلوم ہوا کہ مساجد روئے زمین پر افضل ترین مقامات شمار ہوتے ہیں، جن سے شرعی طریقہ پر تبرک حاصل کرنا جائز ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حدثنا الوليد، حدثنا إبراهيم بن أحمد بن المنخل، حدثنا عثمان بن عبد الله، حدثنا مبشر بن إسماعيل الحلبى، حدثنا جعفر بن برقان، عن ميمون بن مهران، عن ابن عباس، رضى الله عنهما، قال: وقف جبريل على رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: " يا جبريل سل ربك أى البقاع خير؟ وأى البقاع شر؟ فاضطرب جبريل تلقائه، فقال له عندما أفاق: يا محمد، هل يسأل الرب؟ الرب أجل وأعظم من ذلك، ثم غاب عنه جبريل، ثم أتاه، ثم قال له: يا محمد، لقد وقفت اليوم موقفا لم يقفه ملك قبلى ولا يقفه ملك بعدى، كان بينى وبين الجبار تبارك وتعالى سبعون ألف حجاب من نور، الحجاب يعدل العرش والكرسى والسماوات والأرض بكذا وكذا ألف عام، فقال: أخبر محمدا صلى الله عليه وسلم أن خير البقاع المساجد، وخير أهلها أولهم دخولا، وآخرهم خروجا، وشر البقاع الأسواق، وشر أهلها أولهم دخولا، وآخرهم خروجا "(العظمة لابى الشيخ الاصبهانى، ج۲ص ۶۷۴، ۶۷۵، باب الأمر بالتفكر فى آيات الله عز وجل وقدرته وملكه وسلطانه وعظمته ووحدانيته،ذكر حجب ربنا تبارك وتعالى)

قال الالبانى:

قلت: وهذا موضوع؛ آفته عثمان بن عبد اله – وهو: الأموى الشامى –:قال ابن حبان فى "الضعفاء": (2/102) "روى عن الليث بن سعد ومالك، ويضع عليهم الأحاديث ثم ساق له بعض الموضوعات، وقد خرجنا شيئا منها فيما تقدم؛ فراجع فهرس الرواة. وساق له الكثير منها ابن عدى وختمها بقوله: "وله غير ما ذكرت من الأحاديث الموضوعة."

وذكره السيوطى فى "اللآلى (1/17) "شاهدا من رواية أبى الشيخ هذه، وتكلم فى بعض رواته بالتوثيق، ثم قال: "وعثمان بن عبد الله – إن كان هو الأموى الشامى –؛ فهو (الأصل: فمتهم) ممن يروى الموضوعات عن الثقات ."

قلت: لا مسوغ للتردد المذكور، فهو هو، ولا يوجد غيره فى هذه الطبقة ممن يليق به مثل هذا الحديث، وقد ذكره الحافظ المزى فى الرواة عن (مبشر بن إسماعيل الحلبى)(سلسلة الاحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ۶۵۰۰)

[1] (خير البقاع المساجد) لأنها محل فيوض الرحمة وإدرار النعمة (وشر البقاع الأسواق) قرن المساجد بالأسواق مع أن غيرها قد يكون شرا منها ليبين أن الدينى يدفعه الأمر الدنيوى فكأنه قيل خير البقاع مخلصة لذكر الله مسلمة من الشوائب الدنيوية فالجواب من أسلوب الحكيم فإنه سئل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بھی کئی مواقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ''لا ادری'' فرمانا ثابت ہے، جو صحیح اور مستند احادیث میں مذکور ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أى البقاع خير فأجاب به وبضده وسبق أن هذا من وصف المحل بما يقع فيه >تنبيه <هذا الحديث فيه قصة عند الطبرانى فى الأوسط عن أنس مرفوعا ولفظه قال النبى صلى الله عليه وسلم لجبريل: أى البقاع خير لک قال: لا أدرى قال: فسل ربک عز وجل فبكى جبريل وقال: أولنا أن نشاء إلا إذا شاء ثم عرج إلى السماء ثم أتى فقال: خير البقاع بيوت الله قال: فأى البقاع أشر فعرج إلى السماء ثم أتاه فقال: شر البقاع الأسواق تفرد به عبيد بن واقد فى إحدى الطريقين عن عمارة وعبيد ضعيف وفى رجال الطريق الأخرى زياد النميرى وهو ضعيف لكن للحديث شواهد يتقوى بها كما أفاده الحافظ ابن حجر فى تخريج المختصر(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۴۰۰۲)

[1] حدثنى عروة بن الزبير، أن مروان بن الحكم، والمسور بن مخرمة، أخبراه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال حين أذن لهم المسلمون فى عتق سبى هوازن :إنى لا أدرى من أذن منكم ممن لم يأذن، فارجعوا حتى يرفع إلينا عرفاؤكم أمركم، فرجع الناس فكلمهم عرفاؤهم، فرجعوا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأخبروه أن الناس قد طيبوا وأذنوا(صحيح البخارى ،رقم الحديث ۷۱۷۶)

عن أبى هريرة رضى الله عنه، قال :استب رجلان رجل من المسلمين ورجل من اليهود، قال المسلم :والذى اصطفى محمدا على العالمين، فقال اليهودى :والذى اصطفى موسى على العالمين، فرفع المسلم يده عند ذلک، فلطم وجه اليهودى، فذهب اليهودى إلى النبى صلى الله عليه وسلم، فأخبره بما كان من أمره ،وأمر المسلم، فدعا النبى صلى الله عليه وسلم المسلم، فسأله عن ذلک، فأخبره، فقال النبى صلى الله عليه وسلم :لا تخيرونى على موسى، فإن الناس يصعقون يوم القيامة، فأصعق معهم، فأكون أول من يفيق، فإذا موسى باطش جانب العرش، فلا أدرى أكان فيمن صعق، فأفاق قبلى أو كان ممن استثنى الله(صحيح البخارى ،رقم الحديث ۲۴۱۱)

عن أبى سعيد رضى الله عنه، عن النبى صلى الله عليه وسلم، قال :الناس يصعقون يوم القيامة، فأكون أول من يفيق، فإذا أنا بموسى آخذ بقائمة من قوائم العرش، فلا أدرى أفاق قبلى أم جوزى بصعقة الطور(صحيح البخارى ،رقم الحديث ۳۳۹۸)

عن أبى هريرة رضى الله عنه :أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يوما بارزا للناس، إذ أتاه رجل يمشى، فقال :يا رسول الله ما الإيمان؟ قال :الإيمان أن تؤمن بالله وملائكته، وكتبه، ورسله، ولقائه، وتؤمن بالبعث الآخر قال :يا رسول الله ما الإسلام؟ قال :الإسلام أن تعبد الله ولا تشرك به شيئا، وتقيم الصلاة، وتؤتى الزكاة المفروضة، وتصوم رمضان، قال :يا رسول الله ما الإحسان؟ قال :الإحسان أن تعبد الله كأنک

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا بعض لوگوں کی طرف سے اس پر شبہ کرنا درست نہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراک، قال :يا رسول الله متى الساعة؟ قال " :ما المسئول عنها بأعلم من السائل، ولكن سأحدثک عن أشراطها :إذا ولدت المرأة ربتها، فذاک من أشراطها، وإذا كان الحفاة العراة رء وس الناس، فذاک من أشراطها، في خمس لا يعلمهن إلا الله :(إن الله عنده علم الساعة وينزل الغيث ويعلم ما في الأرحام) ثم انصرف الرجل، فقال :ردوا على فأخذوا ليردوا فلم يروا شيئا، فقال :هذا جبريل جاء ليعلم الناس دينهم(صحيح البخاری ،رقم الحديث ۴۷۷۷)

عن ابن عباس رضى الله عنهما، قال :خطب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال :يا أيها الناس، إنكم محشورون إلى الله حفاة عراة غرلا، ثم قال :(كما بدأنا أول خلق نعيده، وعدا علينا إنا كنا فاعلين) إلى آخر الآية، ثم قال " :ألا وإن أول الخلائق يكسى يوم القيامة إبراهيم، ألا وإنه يجاء برجال من أمتی فيؤخذ بهم ذات الشمال، فأقول :يا رب أصيحابی، فيقال :إنک لا تدری ما أحدثوا بعدک، فأقول كما قال العبد الصالح : (وكنت عليهم شهيدا ما دمت فيهم، فلما توفيتنی كنت أنت الرقيب عليهم وأنت على كل شیء شهيد) فيقال :إن هؤلاء لم يزالوا مرتدين على أعقابهم منذ فارقتهم (صحيح البخاری ،رقم الحديث ۴۶۲۵)

حدثنا إسحاق بن إبراهيم، وعلى بن خشرم، جميعا عن عيسى بن يونس، قال ابن خشرم :أخبرنا عيسى، عن ابن جريج، أخبرنی أبو الزبير، أنه سمع جابرا، يقول ": رأيت النبی صلى الله عليه وسلم يرمی على راحلته يوم النحر، ويقول :لتأخذوا مناسككم، فإنی لا أدری لعلی لا أحج بعد حجتی هذه(مسلم ،رقم الحديث ۱۲۹۷"۳۱۰")

حدثنا إسحاق بن إبراهيم، وعبد بن حميد، قالا :أخبرنا عبد الرزاق، عن ابن جريج، أخبرنی أبو الزبير، أنه سمع جابر بن عبد الله، يقول :أتی رسول الله صلى الله عليه وسلم بضب، فأبى أن يأكل منه، وقال :لا أدری لعله من القرون التی مسخت(مسلم، رقم الحديث ۱۹۴۹"۴۸")

حدثنا عبيد الله بن معاذ العنبری، حدثنا أبی، حدثنا شعبة، عن النعمان بن سالم، قال: سمعت يعقوب بن عاصم بن عروة بن مسعود الثقفی، يقول: سمعت عبد الله بن عمرو، وجائه رجل، فقال: ما هذا الحديث الذی تحدث به؟ تقول: إن الساعة تقوم إلى كذا وكذا، فقال: سبحان الله أو لا إله إلا الله – أو كلمة نحوهما – لقد هممت أن لا أحدث أحدا شيئا أبدا، إنما قلت: إنكم سترون بعد قليل أمرا عظيما، يحرق البيت، ويكون ويكون، ثم قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " يخرج الدجال فی أمتی فيمكث أربعين – لا أدری: أربعين يوما، أو أربعين شهرا، أو أربعين عاما فيبعث

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قرآن وسنت میں کئی مواقع پر ''لا أدری'' کا لفظ علم نہ ہونے کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ [1]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث

خلیفۂ راشد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الله عيسى ابن مريم (صحيح مسلم، رقم الحديث ٢٩٤٠ "١١٦")

عن حذيفة، قال: كنا جلوسا عند النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: إني لا أدري ما قدر بقائي فيكم فاقتدوا باللذين من بعدي -وأشار إلى أبي بكر وعمر- واهتدوا بهدي عمار، وما حدثكم ابن مسعود فصدقوه هذا حديث حسن(سنن الترمذي، رقم الحديث ٣٧٩٩)

[1] وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ(سورة الشورى،رقم الآية ٥٢)

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (سورة لقمان، رقم الآية ٣٤)

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ(سورة الأحقاف،رقم الآية ٩)

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا(سورة الطلاق،رقم الآية ١)

درى: درى الشيء دريا ودريا؛ عن اللحياني، ودرية ودريانا ودراية: علمه .قال سيبويه: الدرية كالدرية لا يذهب به إلى المرة الواحدة ولكنه على معنى الحال .ويقال: أتى هذا الأمر من غير درية [درية] أي من غير علم .ويقال: دريت الشيء أدريه عرفته، وأدريته غيري إذا أعلمته .الجوهري: دريته ودريت به دريا ودرية ودرية ودراية أي علمت به(لسان العرب ،ج١٤ ص ٢٥٤، فصل الدال المهملة)

د ر ي:دري/ درى بـ يدري، ادر، دراية ودريا ودريانا، فهو دار، والمفعول مدري

درى فلان الشيء/ درى فلان بالشيء: علمه وخبره "أهل مكة أدرى بشعابها– من قال: لا أدري فقد أفتي– إن كنت لا تدري فتلك مصيبة ...أو كنت تدري فالمصيبة أعظم– (وما تدري نفس ماذا تكسب غدا وما تدري نفس بأي أرض تموت)(معجم اللغة المعاصرة ج ١ ص ٧٤٢، مادة "درى")

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا يُذْكَرُ فِيْهِ اسْمُ اللّٰهِ، بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ (سنن ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے مسجد بنائی، جس میں اللہ کا نام لیا جائے، تو اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا (ابنِ ماجہ)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی حدیث

خلیفۂ راشد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا لِلّٰهِ بَنَى اللّٰهُ لَهٗ فِي الْجَنَّةِ مِثْلَهٗ (صحيح مسلم) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اللہ کے لیے مسجد بنائی، تو اللہ اس کے لیے جنت میں اسی طرح کا گھر بنا دے گا (مسلم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث

خلیفۂ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا مِنْ مَّالِهٖ لِلّٰهِ، بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ (سنن ابنِ ماجه) [3]

---

[1] رقم الحديث ٧٣٥، كتاب المساجد والجماعات، باب من بنى لله مسجدا.
قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية سنن ابنِ ماجه)

[2] رقم الحديث ٥٣٣ "٢٥" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل بناء المساجد والحث عليها.

[3] رقم الحديث ٧٣٧، أبواب المساجد والجماعات، باب ومن بنى لله مسجدا.
قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره، وهذا إسناد ضعيف (حاشية سنن ابنِ ماجه)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے مال سے اللہ کے لیے مسجد بنائی، تو اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنادے گا (ابنِ ماجہ)

مذکورہ احادیث سے مسجد بنانے کی شکل میں تبرک وفضیلت حاصل کرنے کا علم ہوا۔

حضرت جابر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی احادیث

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا لِلّٰهِ كَمَفْحَصِ قَطَاةٍ، أَوْ أَصْغَرَ، بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ (سنن ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کی رضا کے لیے مسجد بنائی، اگرچہ قطاء (یعنی کبوتری) کے انڈے دینے کے گڑھے کے برابر یا اس سے چھوٹی کیوں نہ ہو، تو اللہ اُس کے لیے جنت میں گھر بنادے گا (ابنِ ماجہ)

معلوم ہوا کہ چھوٹی سے چھوٹی مسجد بنانے کی بھی بڑی عظیم فضیلت ہے، اور اگر کوئی بڑی مسجد بنائی جائے، اور ایک سے زیادہ افراد اس میں تھوڑی تھوڑی جگہ دے کر یا تھوڑی تھوڑی جگہ خرید کر یا خریداری میں رقم فراہم کر کے شریک ہوں، تو بھی یہ فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَلَاةُ الرَّجُلِ فِيْ جَمَاعَةٍ تَزِيْدُ عَلٰى صَلَاتِهٖ فِيْ بَيْتِهٖ، وَصَلَاتِهٖ فِيْ سُوْقِهٖ، بِضْعًا وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً، وَذٰلِكَ أَنَّ أَحَدَهُمْ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ، ثُمَّ أَتَى الْمَسْجِدَ لَا يَنْهَزُهٗ إِلَّا الصَّلَاةُ، لَا يُرِيْدُ إِلَّا الصَّلَاةَ، فَلَمْ يَخْطُ خَطْوَةً إِلَّا رُفِعَ لَهٗ بِهَا دَرَجَةٌ، وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةٌ، حَتّٰى يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ،

---

[1] رقم الحديث ٧٣٧، أبواب المساجد والجماعات، باب ومن بنى لله مسجدا.
قال شعيب الارنؤوط: اسناده صحيح (حاشية سنن ابنِ ماجه)

فَإِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَ فِي الصَّلَاةِ مَا كَانَتِ الصَّلَاةُ هِيَ تَحْبِسُهُ، وَالْمَلَائِكَةُ يُصَلُّونَ عَلٰى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِيْ مَجْلِسِهِ الَّذِيْ صَلّٰى فِيْهِ، يَقُوْلُوْنَ : اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ، مَا لَمْ يُؤْذِ فِيْهِ، مَا لَمْ يُحْدِثْ فِيْهِ (صحیح مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا، اپنے گھر کی نماز پر، اور اپنے بازار (یعنی دوکان وغیرہ) کی نماز پر بیس سے زیادہ (یعنی پچیس یا ستائیس) درجہ کی فضیلت رکھتا ہے، اور بے شک تم میں سے کوئی جب وضو کرتا ہے، اور اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر مسجد میں آتا ہے، جس کا ارادہ صرف نماز پڑھنے کا ہوتا ہے، تو وہ جو قدم بھی اٹھاتا ہے، تو اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے، اور اس کی وجہ سے اس کی ایک خطاء کو معاف کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ مسجد میں داخل ہو جائے، پھر جب مسجد میں داخل ہو جاتا ہے، تو وہ نماز میں (شمار) ہوتا ہے، جب تک کہ وہ نماز کی وجہ سے (وہاں) رُکا رہے، اور اس کے لئے فرشتے دعا کرتے رہتے ہیں، جب تک وہ اسی مجلس میں رُکا رہتا ہے، جس میں اس نے نماز پڑھی، وہ کہتے ہیں کہ یا اللہ اس پر رحم فرما، اس کی مغفرت فرما، اس کی توبہ قبول فرما، جب تک کہ وہ مسجد میں ایذاء نہ پہنچائے، جب تک کہ وہ وضو نہ توڑ دے (اس وقت تک وہ نماز کے ثواب اور فرشتوں کی اس دعا کا مستحق رہتا ہے) (مسلم، بخاری)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحدیث ٦٤٩ "٢٧٢" کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب فضل صلاۃ الجماعۃ وانتظار الصلاۃ، بخاری، رقم الحدیث ٢١١٩، باب ما ذکر فی الأسواق.

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ تَوَضَّأَ فِيْ بَيْتِهٖ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ، ثُمَّ أَتَى الْمَسْجِدَ، فَهُوَ زَائِرُ اللّٰهِ، وَحَقٌّ عَلَى الْمَزُوْرِ أَنْ يُكْرِمَ الزَّائِرَ (المعجم الكبير للطبراني)[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے گھر میں وضو کیا، اور اچھی طرح وضو کیا، پھر وہ مسجد میں آیا، تو وہ اللہ تعالیٰ کا زائر ومہمان ہے، اور میزبان کا یہ حق ہے کہ وہ زائر ومہمان کا اکرام کرے (طبرانی)

حضرت کعب احبار اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات

حضرت عبداللہ بن رباح سے روایت ہے کہ:

أَنَّ كَعْبًا، قَالَ: إِنِّيْ لَأَجِدُ فِي التَّوْرَاةِ يَقُوْلُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: إِنَّ بُيُوْتِيْ فِي الْأَرْضِ الْمَسَاجِدُ، وَإِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ، ثُمَّ أَتَى الْمَسْجِدَ فَهُوَ زَائِرُ اللّٰهِ، وَحَقٌّ عَلَى الْمَزُوْرِ أَنْ يُكْرِمَ زَائِرَهٗ، ثُمَّ قَرَأْتُ الْقُرْآنَ فَوَجَدْتُ فِيْهِ فِيْ بُيُوْتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ إلى آخر الآية (الزهد لأبي داود)[2]

ترجمہ: حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ نے (جو کہ پہلے اہلِ کتاب تھے، اور بعد میں مسلمان ہوئے، اور صحابیت کے شرف سے مستفید ہوئے) فرمایا کہ میں نے

---

[1] رقم الحديث ٦١٣٩، ج٦ ص ٢٥٣، اخبارِ اصبهان، رقم الحديث ١٥٠٤، معجم الشيوخ لابن جميع الصيداوى، رقم الحديث ٢٩٠.

قال الهيثمي: رواه الطبراني في الكبير وأحد إسناديه رجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٢٠٨٧)

وقال المنذرى: رواه الطبرانى فى الكبير بإسنادين أحدهما جيد وروى البيهقى نحوه موقوفا على أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم بإسناد صحيح (الترغيب والترهيب، ج ١ ص ١٣٥، تحت رقم الحديث ٤٨٧، الترغيب فى المشى إلى المساجد سيما فى الظلم وما جاء فى فضلها)

[2] رقم الحديث ٤٦٥، ج ١ ص ٣٧٨، الناشر: دار المشكاة للنشر والتوزيع، حلوان.

توراۃ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد پایا ہے کہ زمین میں میرے گھر، مساجد ہیں، اور مسلمان جب وضو کرتا ہے، اور اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر وہ مسجد میں آتا ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کا زائر ومہمان ہوتا ہے، اور میزبان کا یہ حق ہے کہ وہ اپنے زائر ومہمان کا اکرام کرے، پھر میں نے قرآن مجید کو پڑھا، تو اس میں یہ پایا کہ ''فِـیْ بُیُوْتٍ أَذِنَ اللّٰـهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ'' کہ گھروں (یعنی مساجد) کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا ہے کہ ان کو (اللہ کے نام وعبادت سے) بلند کیا جائے، اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے، آخر آیت تک (الزہد لابی داؤد)

اس قسم کا مضمون اور سندوں سے اور بعض دیگر صحابۂ کرام سے بھی مروی ہے۔ [1]

---

[1] حدثنا العباس بن حمدان الأصبهانی، ثنا عبد الله بن أبی یعقوب الکرمانی، ثنا عبد الله بن یزید المقرء، ثنا المسعودی، عن أبی إسحاق، عن عمرو بن میمون، عن عبد الله قال :قال رسول الله صلى الله علیه وسلم :إن بیوت الله فی الأرض المساجد، وإن حقا على الله أن یکرم من زاره فیها(المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۱۰۳۲۴)

قال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الکبیر وفیه عبدالله بن یعقوب الکرمانی وهو ضعیف ، قلت ویأتی حدیث سلمان فی المشی إلى المساجد(مجمع الزوائد، ج۲ص ۲۲، تحت رقم الحدیث ۲۰۲۸ ،باب لزوم المساجد)

أخبرنا عبد الرزاق عن معمر عن أبی إسحاق عن عمرو بن میمون الأودی قال أخبرنا رسول الله صلى الله علیه و سلم أن المساجد بیوت الله فی الأرض وأنه لحق على الله أن یکرم من زاره فیها(مصنف عبدالرزاق"جامع معمر بن راشد" رقم الحدیث ۲۰۵۸۴)

أخبرنا یونس بن أبی إسحاق ، وعبد الرحمن المسعودی ، عن أبی إسحاق ، عن عمرو بن میمون قال :کان أصحاب رسول الله صلى الله علیه وسلم یقولون : إن بیوت الله فی الأرض المساجد ، وإن حقا على الله أن یکرم من زاره فیها(الزهد والرقائق، لابن المبارک، رقم الحدیث ۱۶۱۱)

حدثنا أبو أسامة ، عن مسعر ، عن الولید بن العیزار ، عن عمرو بن میمون ، عن عمر ، قال :المساجد بیوت الله فی الأرض ، وحق على المزور أن یکرم زائره(مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۳۵۷۵۸)

جعفر بن غیاث، عن عاصم، عن أبی عثمان، عن سلمان، قال: من توضأ فأحسن الوضوء، ثم أتى المسجد لیصلی فیه کان زائر الله، وحق على المزور أن یکرم زائره(مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۳۴۶۱۷)

مذکورہ احادیث وروایات سے مساجد میں حاضر ہونے اور وہاں عبادت کرنے کی فضیلت معلوم ہوئی، ساتھ ہی زیارت کے الفاظ سے مساجد کی زیارت کرنے کی بھی ضمناً فضیلت معلوم ہوئی۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ احادیث میں مساجد کو ''خیرُ بِقاعِ الأرض'' قرار دیا گیا ہے، اوران کی تعمیر وبناء اوران کو آباد کرنے اوران سے شرعی طریقہ پر مستفید ہونے کے بڑے فضائل آئے ہیں۔

لہٰذا مساجد کی فضیلت سے مستفید ہونا چاہئے، اوران سے برکت حاصل کرنا چاہئے، جس کی مختلف شکلیں ہیں، مثلاً مساجد کی جگہ کا وقف کرنا، ان کو تعمیر وآباد کرنا، ان میں نماز پڑھنا، اعتکاف کرنا وغیرہ وغیرہ۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ

(فصل نمبر 1)

مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں نماز کی خاص فضیلت

مختلف احادیث وروایات میں مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے، اور مسجدِ اقصیٰ کی فضیلت کا بھی ذکر آیا ہے۔

مسجدِ حرام تو مسجدِ بیتُ اللہ ہے، یہ سب سے پہلی مسجد ہے، جو زمین پر قائم کی گئی ہے۔

اور مسجدِ نبوی، مدینہ منورہ میں واقع ہے، جس کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔[1]

اور مسجدِ اقصیٰ جس کو بیت المقدس بھی کہا جاتا ہے، یہ مسلمانوں کا پہلا قبلہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات میں مسجدِ اقصیٰ تشریف لے گئے، جس کا ذکر قرآن وسنت میں آیا ہے۔[2]

---

[1] أ -المسجد النبوی:

المسجد النبوی هو المسجد الذی أسسه رسول الله صلى الله عليه وسلم فی المدينة المنورة، وهو ثانی الحرمين الشريفين، وثواب الصلاة فيه يربو على الصلاة فی غيره بألف صلاة إلا المسجد الحرام، والصلة بينهما أن كلا من المسجد الأقصى والمسجد النبوی من المساجد الثلاثة التی لا تشد الرحال إلا إليها .

ب -المسجد الحرام:

المسجد الحرام هو بيت الله الحرام بمكة المكرمة، وهو أول مسجد وضع على الأرض، كما جاء فی قوله تعالى :(إن أول بيت وضع للناس للذی ببكة مباركا وهدى للعالمين)

وهو أول الحرمين وثانی القبلتين، وفضل الصلاة فيه بمائة ألف صلاة عما سواه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٧،ص ٢٣٢ ،مادة "المسجد الأقصى")

[2] فضائل المسجد الأقصى ومكانته فی الإسلام وخصائصه.

للمسجد الأقصى فضائل أهمها:

أنه القبلة الأولى للمسلمين:

من الفضائل التی اختص بها المسجد الأقصى، أن جعله الله تعالى أولى القبلتين، فإليه كان المسلمون يتوجهون فی صلاتهم قبل أن تحول القبلة إلى الكعبة المشرفة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کئی صحیح ومعتبر احادیث وروایات میں مذکورہ تینوں مساجد میں نماز کی خاص فضیلت بیان کی گئی ہے۔

صحیح احادیث کی رو سے مسجدِ نبوی میں ایک نماز کا ثواب دوسری مساجد کے مقابلہ میں ہزار نمازوں کے ثواب کے برابر ہے۔

جبکہ مسجدِ حرام یا مسجدِ بیت اللہ میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، اور مسجدِ نبوی کے ثواب کے بعد مسجدِ اقصیٰ میں ثواب کا درجہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلَاةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ، إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (صحيح البخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اس مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) میں نماز پڑھنا اس کے علاوہ دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ہزار درجہ بہتر ہے، سوائے مسجدِ حرام کے (کہ مسجدِ حرام میں ایک نماز کا ثواب دوسری عام مسجدوں

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وفی ذلک دلالة علی أن هذا البيت شرفه الله وكرمه، فوجه أنظار المسلمين إليه فترة من الزمن .

ب -الإسراء إليه والمعراج منه:

إلى المسجد الأقصى كان إسراء النبی صلى الله عليه وسلم قبل الهجرة، ونزل فی ذلک قوله تعالى :(سبحان الذی أسرى بعبده ليلا من المسجد الحرام إلى المسجد الأقصى الذی باركنا حوله)

وهذه الآية هی المعظمة لقدره بإسراء سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم إليه قبل عروجه إلى السماء ودخل النبی صلى الله عليه وسلم ومعه جبريل بيت المقدس فصلى فيه ركعتين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٧، ص ٢٣٣، مادة"المسجد الأقصى")

[1] رقم الحديث ١١٩٠، كتاب فضل الصلاة فی مسجد مكة والمدينة،باب فضل الصلاة فی مسجد مكة والمدينة، مسلم، رقم الحديث ١٣٩٤"٥٠٨"

کے مقابلہ میں ایک لاکھ درجہ بہتر ہے) (بخاری، مسلم)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلَاةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ، إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (مسلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اس مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) میں نماز پڑھنا اس کے علاوہ دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ہزار درجہ افضل ہے، سوائے مسجدِ حرام کے (کہ مسجدِ حرام میں ایک نماز کا ثواب دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں ایک لاکھ درجہ بہتر ہے) (مسلم)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث

امُّ المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: صَلَاةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا، أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَسَاجِدِ، إِلَّا الْمَسْجِدَ الْكَعْبَةَ (سنن النسائی) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ میری اس مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) میں نماز پڑھنا، اس کے علاوہ دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ہزار درجہ بہتر ہے، سوائے مسجدِ کعبہ (یعنی مسجدِ حرام) کے (کیونکہ اس

---

[1] رقم الحدیث ۱۳۹۵ "۵۰۹" کتاب الحج، باب فضل الصلاۃ بمسجدی مکۃ والمدینۃ.

[2] رقم الحدیث ۲۸۹۸، کتاب مناسک الحج، فضل الصلاۃ فی المسجد الحرام، مسلم، رقم الحدیث ۱۳۹۶ "۵۱۰".

میں ایک نماز کا ثواب دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں ایک لاکھ درجہ بہتر ہے)(مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلَاةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَصَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَفْضَلُ مِنْ مِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ (سنن ابن ماجه) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اس مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) میں نماز پڑھنا اس کے علاوہ دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ہزار درجہ افضل ہے، سوائے مسجدِ حرام کے، اور مسجدِ حرام میں نماز پڑھنا اس کے علاوہ (دوسری مسجد میں نماز پڑھنے سے) ایک لاکھ درجہ افضل ہے (ابنِ ماجہ، مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَلَاةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَصَلَاةٌ فِيْ

---

[1] رقم الحديث ١٤٠٦، أبواب إقامة الصلوات والسنة فيها، باب ما جاء فى فضل الصلاة فى المسجد الحرام ومسجد النبى صلى الله عليه وسلم، مسنداحمد، رقم الحديث ١٥٢٧١.

قال شعيب الارنؤوط:

إسناده صحيح على شرط البخارى (حاشية مسند احمد)

وقال ايضاً:

اسناده صحيح (حاشية سنن ابنِ ماجه)

ذَاکَ أَفْضَلُ مِنْ مِائَةِ صَلَاةٍ فِیْ هٰذَا یَعْنِیْ فِیْ مَسْجِدِ الْمَدِیْنَةَ (صحیح ابن حبان) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اس مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) میں نماز پڑھنا اس کے علاوہ دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ہزار درجہ افضل ہے، سوائے مسجدِ حرام کے، اور مسجدِ حرام میں نماز پڑھنا میری اس مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے سے سو درجہ (اور دوسری عام مسجدوں کے مقابلہ میں ایک لاکھ درجہ) افضل ہے (ابنِ حبان، مسند احمد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

وَدَّعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا فَقَالَ لَهٗ: أَیْنَ تُرِیْدُ؟ قَالَ: أُرِیْدُ بَیْتَ الْمَقْدِسِ، فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَصَلَاةٌ فِیْ هٰذَا الْمَسْجِدِ أَفْضَلُ، یَعْنِیْ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِیْ غَیْرِهٖ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحدیث ۱۱۷۳۴) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو رخصت کیا، اور فرمایا کہ آپ کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ اس نے جواب میں عرض کیا کہ میں بیت المقدس جانا چاہتا ہوں، تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس مسجد (یعنی

---

[1] رقم الحدیث ۱۶۲۰، کتاب الصلاۃ، باب المساجد، ذکر فضل الصلاۃ فی المسجد الحرام علی الصلاۃ فی مسجد المدینۃ بمئۃ صلاۃ، مسنداحمد، رقم الحدیث ۱۶۱۱۷.
قال شعیب الارنؤوط:
إسنادہ صحیح علی شرط مسلم (حاشیۃ ابنِ حبان ومسند احمد)

[2] قال شعیب الارنؤوط:
إسنادہ صحیح علی شرط مسلم إسناد سابقہ (حاشیۃ مسند احمد)

مسجدِ نبوی) میں نماز پڑھنا، دوسری مسجدوں میں ہزار نماز پڑھنے سے افضل ہے، سوائے مسجدِ حرام کے (مسند احمد)

چند دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی احادیث

اس طرح کی احادیث حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت جبیر بن مطعم، حضرت علی رضی اللہ عنہم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سندوں سے بھی مروی ہیں۔ [1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] عن سعد بن أبى وقاص، أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول " :صلاة فى مسجدى هذا خير من ألف صلاة فيما سواه، إلا المسجد الحرام (مسنداحمد،رقم الحديث ١٦٠٥)

قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن من أجل عبد الرحمن بن أبى الزناد(حاشية مسنداحمد)

عن جبير بن مطعم، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صلاة فى مسجدى هذا أفضل من ألف صلاة فيما سواه إلا المسجد الحرام (مسنداحمد، رقم الحديث ١٦٧٣١)

قال شعيب الارنؤوط:حديث صحيح لغيره(حاشية مسنداحمد)

عن عائشة قالت :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :صلاة فى مسجدى خير من ألف صلاة فيما سواه (مسند أبى يعلى، رقم الحديث ٤٦٩١)

عن عائشة، قالت :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :أنا خاتم الأنبياء ومسجدى خاتم مساجد الأنبياء ، أحق المساجد أن يزار، ويشد إليه الرواحل المسجد الحرام، ومسجدى، صلاة فى مسجدى أفضل من ألف صلاة فيما سواه من المساجد إلا المسجد الحرام (كشف الأستار عن زوائد البزار، رقم الحديث١١٩٣، باب فى مسجد النبى صلى الله عليه وسلم)

حدثنا محمد بن عمر ثنا سلمة بن وردا قال سمعت أبا سعيد بن المعلى قال سمعت عليا يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة فى مسجدى خير من ألف صلاة فيما سواه من المساجد الا المسجد الحرام (بغية الحارث، رقم الحديث ٣٩٤، باب الصلاة فى مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَلَاةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ، إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (المعجم الأوسط للطبرانی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اس مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) میں نماز پڑھنا، اس کے علاوہ دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ہزار درجہ افضل ہے، سوائے مسجدِ حرام کے (کہ اس میں ایک نماز کا ثواب دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں ایک لاکھ درجہ افضل ہے) (طبرانی، بزار)

یہ حدیث گزشتہ احادیث کے ساتھ مل کر سند کے لحاظ سے حسن درجہ میں داخل ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۳۹۰۸، ج۴ص۱۷۷، مسند البزار، رقم الحدیث ۶۴۶۱.

[2] چنانچہ طبرانی کی سند درجِ ذیل ہے:

حدثنا علی بن سعید الرازی قال :نا أبو كامل الجحدری قال :نا عبد الرحمن بن عثمان أبو بحر البكراوی قال :نا عبيد الله بن أبی زياد القداح قال :حدثنی حفص بن عبيد الله بن أنس قال :حدثنی أنس بن مالک قال:

اور بزار کی سند درجِ ذیل ہے:

حدثنا عثمان بن حفص ,عن عمرو الدوری، حدثنا عبد الرحمن بن عثمان أبو بحر البكراوی، حدثنا عبيد الله بن أبی زياد ,عن حفص، عن أنس، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :صلاة فی مسجدی هذا أفضل من ألف صلاة فيما سواه إلا المسجد الحرام.

طبرانی کی سند کے راویوں کا حال بالترتیب درجِ ذیل ہے:

(۱)...... علی بن سعيد بن بشير الرازی حافظ رحال جوال قال الدارقطنی ليس بذاک تفرد بأشياء قلت سمع جبارة بن المغلس وعبد الأعلى بن حماد روى عنه الطبرانی والحسن بن ريق والناس قال بن يونس كان يفهم ويحفظ مات سنة تسع وتسعين ومائتين انتهى وقال بن يونس تكلموا فيه قلت لعل كلامهم فيه من جهة دخوله فی أعمال السلطان وحكى حمزة بن محمد الكتانی أن عبدان بن أحمد الجواليقی كان يعظمه وقال مسلمة بن قاسم بعرف ببعلبک وكان ثقة عالما بالحديث حدثنی عنه غير واحد وقال أبو أحمد بن عيد قال لی الهيثم الدوری كان يسمع الحديث مع رجاء غلام المتوكل وكان من أراد أن يأذن له أذن له ومن أراد أن يمنعه منعه قال وسمعت أحمد بن نصر يقول سألت عنه أبا عبيد الله بن أبی خيثمة فقال عشت إلى زمان اسئل عن مثله وقال عبد الغنی بن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ مسجدِ نبوی میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نمازوں کے ثواب کے برابر ہے، جبکہ مسجدِ حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے ثواب کے برابر ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سعيد كان أبو نصر الباوردى يدلسه فيقول حدثنا عبيد بن سعيد وهو إنما سماه عبد الرحمن بن أبى على وقال حمزة بن يوسف سألت الدارقطنى عنه فقال ليس فى حديثه بذاک وسمعت بمصر أنه كان والى قرية وكان يطالبهم بالخراج فما يعطونه فيجمع الخنازير فى المسجد فقتل كيف هو فى الحديث قال حدث بأحاديث لم يتابع عليها ثم قال نفسى منه وقد تكلم فيه أصحابنا بمصر وأشار بيده وقال هو كذا وكذا ونفض بيده يقول ليس بثقة وقال بن يونس فى تاريخه تكلموا فيه وكان من المحدثين الإجلاد وكان يصحب السلطان ويلى بعض العمالات (لسان الميزان، ج۴، ص ۲۳۱، تحت رقم الترجمة ۶۱۵، من اسمه علوان وعلى)

(۲)...... فضيل ابن حسين ابن طلحة الجحدرى أبو كامل ثقة حافظ من العاشرة مات سنة سبع وثلاثين وله أكثر من ثمانين سنة وهو أوثق من عمه كامل ابن طلحة خت م د س (تقريب التهذيب، ج ۱، ص ۴۴۷، ذكر من اسمه فضيل بالتصغير إلى آخر حرف الفاء)

(۳)...... أبو بحر البكراوى البصرى اسمه عبد الرحمن بن عثمان بن أمية بن عبد الرحمن بن أبى بكرة :عن حميد وسليمان التيمى وعنه أبو بكر بن أبى شيبة وأحمد بن عبدة.

أبو البخترى الطائى مولاهم الكوفى اسمه سعيد بن فيروز بن أبى عمران تابعى جليل :عن عمر وعلى مرسلاً وعن ابن عباس وابن عمر فرد حديث فى الجامع وعنه عمرو بن مرة ومسلم البطين وثقه أبو زرعة وابن معين (لسان الميزان، ج ۷، ص ۴۵۲، تحت رقم الترجمة ۵۳۸۴، ۵۳۸۶، حرف الباء الموحدة، من كنيته أبو بحر وأبو البخترى)

وقال أبو عبيد الآجرى :سئل أبو داود عن أبى بحر البكراوى، فقال :سمعت أحمد بن حنبل يقول: لا بأس به .وقال فى موضع آخر :سألت أبا داود عن أبى بحر البكراوى، فقال :صالح .قال لى عباس :كان على لا يحدث عنه :سألت أحمد عنه، فقال :ما أسوأ رأى البصريين فيه، قال أبو داود: سألنى أحمد، قال:

من حدث عنه؟ قلت :حدثنا عنه ، وغيره .فقال :على يحدث عنه؟ قلت :لا أدرى، ولم يكن عندى علم .قال :وسمعت أبا داود يقول :تركوا حديثه، يعنى :أبا بحر.

وقال أبو حاتم :ليس بقوى، يكتب حديثه ولا يحتج به.وقال النسائى :ضعيف.

وقال أبو أحمد بن عدى :وأبو بحر البكراوى مشهور معروف من أهل البصرة من ولد أبى بكرة، له أحاديث غرائب عن شعبة وعن غيره من البصريين، وهو ممن يكتب حديثه (تهذيب الكمال فى اسماء الرجال، ج۱۷، ص ۲۷۳، و۲۷۴،تحت رقم الترجمة ۳۸۹۷)

قلت :لكن البكراوى ضعيف؛ إلا أنه يقويه رواية حرب بن شداد من الطريقين عنه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چند متعلقہ مسائل

اب احادیث وروایات کے بعد اس سلسلہ میں چند متعلقہ مسائل ملاحظہ فرمایئے۔

مسئلہ نمبر 1...... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ایک حدیث میں مسجدِ نبوی میں ایک نماز کا ثواب دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں پچاس ہزار نمازوں کے برابر ذکر کیا گیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ویزداد قوة برواية عبد الرزاق فی "المصنف(۵۲۵) " وعنه أحمد(۴۴۹/۶) عن معمر عن يحيى بن أبی كثير ...به؛ إلا أنه لم يذكر الأوزاعی فی إسناده ! والصواب إثباته، كما فی الطرق المتقدمة، وبها يزول الاضطراب، ويصح الحديث .والحمد لله (صحيح ابی داؤد للالبانی، تحت رقم الحديث ۲۰۶۰)

(۴)...... عبد الرحمن قال سألت أبی عن عبيد الله ابن أبی زياد القداح.
فقال :ليس بالقوی ولا بالمتين، وهو صالح الحديث، يكتب حديثه ومحمد بن عمرو بن علقمة أحب إلی منه، يحول اسمه من كتاب الضعفاء الذی صنفه البخاری (الجرح والتعديل لابن ابی حاتم، ج۵، ص۳۱۶، تحت رقم الترجمة ۱۵۰۰)

(۵)...... حفص ابن عبيد الله ابن أنس ابن مالك ويقال فيه عبيد الله ابن حفص ولا يصح وهو صدوق من الثالثة خ م ت س ق(تقريب التهذيب، ص۱۷۲، تحت رقم الترجمة ۱۴۱۱)
حفص بن عبيد الله بن أنس بن مالك الأنصاری البصری:روى عن :جده أنس بن مالك ....
قال أبو حاتم :لا يثبت له السماع إلا من جده.
وذكره ابن حبان فی "الثقات. روى له الجماعة سوى أبی داود (تهذيب الكمال فی اسماء الرجال، ج۷، ص ۲۵، وص۲۶، ملخصاً، تحت رقم الترجمة ۱۳۹۶)

اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ حدیث کے بعض راویوں میں کچھ ضعف پایا جاتا ہے، جو گزشتہ کثیر اور صحیح احادیث سے تائید حاصل کرنے سے دُور ہو جاتا ہے، اور مذکورہ حدیث حسن لغیرہ میں داخل ہو جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

[1] حدثنا هشام بن عمار قال :حدثنا أبو الخطاب الدمشقی قال :حدثنا رزيق أبو عبد الله الألهانی، عن أنس بن مالك، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :صلاة الرجل فی بيته بصلاة، وصلاته فی مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة، وصلاته فی المسجد الذی يجمع فيه بخمس مائة صلاة، وصلاته فی المسجد الأقصى بخمسين ألف صلاة، وصلاته فی مسجدی بخمسين ألف صلاة، وصلاة فی المسجد الحرام بمائة ألف صلاة (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۱۴۱۳)

لیکن اولاً تو اس حدیث کی سند میں ضعف پایا جاتا ہے، پھر بعض حضرات نے اس حدیث کو شدید منکَر تک بھی قرار دیا ہے۔ [1]

اور اس روایت کی کسی دوسری روایت سے تائید بھی نہیں ہوتی، بلکہ دوسری کثیر اور صحیح احادیث اس کے خلاف ہیں، اور ان میں یعنی مسجدِ نبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار کے بجائے ایک ہزار نمازوں کے برابر ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا۔ [2]

---

[1] قال شعيب الأرنؤوط:
إسناده ضعيف جدًا لجهالة أبى الخطاب الدمشقى، ورُزيق أبو عبد الله الألهانى قال عنه ابن حبان :لا يجوز الاحتجاج به إلا عند الوفاق، وقال الذهبى عن هذا الحديث فى "الميزان "عندما ترجم لأبى الخطاب الدمشقى :هذا منكر جدًا(حاشية سنن ابن ماجه)

[2] عن أنس بن مالک قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة الرجل فى بيته بصلاة وصلاته فى مسجد القبائل بخمسة وعشرين صلاة وصلاته فى المسجد الذى يجمع فيه بخمسماية وصلاته فى المسجد الأقصى بخمسين ألفا وصلاته فى مسجدى هذا بخمسين الفا وصلاته فى المسجد الحرام بماية ألف ومعروف الخياط هذا عامة ما يرويه وما ذكرته أحاديث لا يتابع عليه(الكامل فى ضعفاء الرجال، ج ٨،ص ٣٥، ٣٦، تحت ترجمة معروف بن عبد الله الخياط الدمشقى، رقم الترجمة ١٨٠٧)

حديث :صلاة الرجل فى بيته بصلاة ، وصلاته فى مسجد القبائل بخمسة وعشرين صلاة ، وصلاته فى مسجدى بخمسين ألفاً ، وصلاته فى المسجد الحرام بمئة ألف .رواه معروف بن عبد الله الخياط :عن رزيق أبى عبد الله ، عن أنس .ومعروف هذا منكر الحديث (ذخيرة الحفاظ لمحمد بن طاهر المقدسى، ج٣،ص ١٥٣٢ ، تحت رقم الرواية ٣٣٩٨)

أبو الخطاب الدمشقى (ق).اسمه حماد.عن رزيق الالهانى.وعنه هشام بن عمار، ومسلمة الخشنى.ليس بالمشهور .قال هشام :حدثنا أبو الخطاب الدمشقى، حدثنا زريق الالهانى، عن أنس -مرفوعا :صلاة الرجل فى المسجد الاقصى بخمسين ألف صلاة.هذا منكر جدا (ميزان الاعتدال فى نقد الرجال للذهبى، ج٤ص ٥٢٠، تحت رقم الترجمة ١٠١٥٣)

وفى إسناده رزيق -بتقديم الراء المهملة -الألهانى .قال أبو زرعة :فلا بأس به .نقله عنه الحافظ جمال الدين المزى مقتصرا، وقال ابن حبان فيما نقله عنه ابن الجوزى فى الضعفاء :ينفرد بالأشياء التى لا تشبه حديث الأثبات لا يجوز الاحتجاج به إلا عند الوفاق.وقال ابن الجوزى فى علله :إنه حديث لا يصح .وقال الخطيب :رزيق هذا فى عداد المجهولين. قلت :ورأيت ابن حبان ذكره فى ثقاته والراوى عن رزيق لا يعرف، وهو أبو الخطاب حماد .قال الذهبى فى ميزانه :ليس بالمشهور(البدر المنير ،لابن الملقن، ج٩،ص ٥١٤،كتاب النذر ،الحديث الثامن عشر)

عن أنس بن مالک قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم" :صلاة الرجل فى بيته بصلاة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس لئے اس ضعیف اور بعض حضرات کے بقول شدید ضعیف ومنکر روایت کو دوسری صحیح اور کثیر روایات کے خلاف ہونے کی وجہ سے قبول کرنا مشکل ہے، اگرچہ موجودہ دور کے بہت سے اہلِ علم حضرات بالخصوص اردو دان اصحابِ قلم نے اس حدیث کو اپنی کتب میں نقل کیا ہے، اوراسی وجہ سے عوام میں بھی مسجدِ نبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وصلاته فی مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة وصلاته فی المسجد الذی يجمع فيه بخمس مائة صلاة وصلاته فی المسجد الأقصى بخمسين ألف صلاة وصلاته فی مسجدی بخمسين ألف صلاة وصلاته فی المسجد الحرام بمائة ألف صلاة."

قال المؤلف" :هذا حديث لا يصح."

قال أبو حاتم " :ابن حبان رزيق ينفرد بالأشياء التی لا تشبه حديث الأثبات لا يحتج بما ينفرد به"(العلل المتناهية فی الأحاديث الواهية،لجمال الدين أبی الفرج الجوزی، ج٢،ص٨٦،كتاب الحج، حديث فی الصلاة فی الحرم)

هذا إسناد ضعيف أبو الخطاب الدمشقی لا نعرف حاله ورزيق أبو عبد الله الألهانی فيه مقال حكی عن أبی زرعة أنه قال لا بأس به وذكره ابن حبان فی الثقات وفی الضعفاء

وقال ينفرد بالأشياء التی لا تشبه حديث الثقات لا يجوز الاحتجاج به إلا عند الوفاق انتهى.

وأورده ابن الجوزی فی العلل المتناهية بسند ابن ماجة وضعفه برزيق(مصباح الزجاجة فی زوائد ابن ماجه، ج٢ص١٥، تحت رقم الحديث ٥٠٣،كتاب إقامة الصلاة والسنن فيها،باب الصلاة فی المساجد ومسجد الجامع)

(صلاة الرجل فی بيته بصلاة وصلاته فی مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة وصلاته فی المسجد الذی يجمع فيه بخمسمائة صلاة وصلاته فی المسجد الأقصى بخمسين ألف صلاة وصلاته فی مسجدی بخمسين ألف صلاة وصلاته فی المسجد الحرام بمائة ألف صلاة، أخرجه ابن ماجه(١ / ٤٣١ ـ ٤٣٢)من طريق أبی الخطاب الدمشقی :ثنا زريق أبو عبد الله الألهانی عنه .قال فی (الزوائد)إسناده ضعيف لأن أبا الخطاب الدمشقی لا يعرف حاله وزريق فيه مقال حكی عن أبی زرعة أنه قال :لا بأس به وذكره ابن حبان فی (الثقات) وفی (الضعفاء) وقال :ينفرد بالأشياء لا يشبه حديث الأثبات لا يجوز الاحتجاج به إلا عند الوفاق.

وقال الحافظ فی (التقريب) إنه:(صدوق له أوهام) قلت :وهذا الحديث من أوهامه إن كان أبو الخطاب قد حفظه منه وإلا فأبو الخطاب لا يعرف كما سبق وقال الحافظ : (إنه مجهول) .وقال الذهبی فی (الميزان): (ليس بالمشهور) ثم ساق له هذا الحديث ثم قال : (هذا منكر جدا) ونعم ما قال وقد أخرج الحديث ابن عساكر أيضا فی ترجمة مسجد دمشق من طرق عن أبی الخطاب به (الثمر المستطاب فی فقه السنة والكتاب للالبانی، ج٢،ص ٥٨٠، ٥٨١، كتاب المساجد، وأفضل المساجد وأعظمها حرمة أربعة)

برابر حاصل ہونا مشہور ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر 2...... مذکورہ مساجد میں ثواب کی زیادتی اور فضیلت کا جو ذکر کیا گیا، وہ اضافہ اور زیادتی اجزا کے اعتبار سے نہیں ہوتی کہ مثلاً ایک نماز کا عدد ایک لاکھ نمازوں کی تعداد کے برابر ہو جائے، یا مثلاً ایک نماز کا عدد ایک ہزار نمازوں کی تعداد کے برابر ہو جائے، بلکہ اس نماز کے ثواب میں ہی زیادتی واضافہ کیا جاتا ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر 3...... مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں ایک نماز کی فضیلت جو ہزار نمازوں کی فضیلت کے برابر حاصل ہوتی ہے، اس فضیلت کے فرض نماز سے متعلق ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں۔

اور جہاں تک نفل اور سنت نماز کی فضیلت کا تعلق ہے، تو اس سلسلہ میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، بعض فقہائے کرام اس بات کے قائل ہیں کہ جس طرح مذکورہ فضیلت فرض نمازیں پڑھ کر حاصل ہوتی ہے، اسی طرح سنت اور نفل نمازیں پڑھ کر بھی حاصل ہوتی ہے، کیونکہ احادیث میں فرض نمازوں کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی۔

جبکہ بعض فقہائے کرام اس بات کے قائل ہیں کہ مذکورہ فضیلت صرف فرض نمازیں پڑھ کر حاصل ہوتی ہے، سنت اور نفل نمازیں پڑھ کر حاصل نہیں ہوتی، کیونکہ صحیح احادیث کی رُو سے

---

[1] والذی یظهر بعد التامل الصادق، هو قبول الضعیف فی ثبوت الاستحسان وجوازه، فاذا دل حدیث ضعیف علی استحباب شیئ او جوازه، ولم یدل دلیل آخر صحیح علیه، ولیس هناک مایعارضه ورجح علیه، قبل ذلک الحدیث وجاز العمل بما افاده واقول باستحباب مادل علیه او جوازه(ظفر الأمانی فی مختصر الجرجانی فی مصطلح الحدیث، ص۱۹۸، لمولانا عبدالحیی اللکنوی رحمه الله)

[2] فضل الصلاة فی المسجد الحرام:إن صلاة فی المسجد الحرام أفضل من مائة ألف صلاة فیما سواه من المساجد، روی جابر بن عبد الله رضی الله عنهما قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :صلاة فی مسجدی أفضل من ألف صلاة فیما سواه إلا المسجد الحرام، وصلاة فی المسجد الحرام أفضل من مائة ألف صلاة فیما سواه. ثم إن التضعیف المذکور یرجع إلی الثواب ولا یتعدی إلی الإجزاء باتفاق العلماء کما نقله النووی وغیره فلو کان علیه صلاتان فصلی فی أحد المسجدین (المسجد الحرام أو المسجد النبوی) صلاة لم تجزء إلا عن واحدة(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۳۷، ص۲۳۸، مادة "المسجدالحرام")

سنت اور نفل نمازوں کا گھروں اور رہائش گاہوں میں پڑھنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔ [1]

[1] اور مالکیہ نے اہلِ مدینہ اور غیر اہلِ مدینہ کے اعتبار سے مسجدِ نبوی میں نماز کی فضیلت کا فرق کیا ہے، چنانچہ جو اہلِ مدینہ یعنی مدینہ کے باشندے ہیں، ان کو تو اپنے گھروں میں سنت و نفل نمازوں کے پڑھنے کی زیادہ فضیلت ہے، البتہ سنتِ مؤکدہ اور ایسی نمازیں کہ جن میں جماعت کرنا مسنون ومشروع ہے، ان کے مسجدِ نبوی میں ادا کرنے کی زیادہ فضیلت ہے۔

اور جو مدینہ منورہ سے باہر کے اجنبی اور مسافر لوگ ہیں، ان کے لئے عام سنت اور نفل نمازوں کا مسجدِ نبوی میں ہی پڑھنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔

والفقهاء متفقون على فضيلة الفرض فى المسجد الحرام على الفرض فى غيره وإنما اختلفوا فى شمول هذا الفضل الفرض والنفل.

قال الفاسي المالكى :إن الفضل يختص بالفرض وهو مشهور مذهبنا ومذهب أبى حنيفة ، ونقل ابن عابدين قول الفاسي من غير أن يعقب عليه، ونسب العينى هذا القول إلى الطحاوى أيضا

وذهب الشافعية فى المذهب والحنابلة إلى أن المضاعفة لا تختص بالفريضة بل تعم النفل والفرض، قال الزركشى بعد أن ذكر مذهب الشافعية فى المسألة :وهو لازم للأصحاب من استثنائهم النفل بمكة من الوقت المكروه لأجل زيادة الفضيلة .

وقال الشيخ مجد الدين الحنبلى :ظاهر الأخبار أن النفل فى البيت أفضل، قال عليه الصلاة والسلام :أفضل الصلاة صلاة المرء فى بيته إلا المكتوبة، قال :وينبغى أن يكون مرادهم إلا النساء لأن صلاتهن فى بيوتهن أفضل، والأخبار مشهورة فى ذلك وهو ظاهر كلام أصحابنا وغيرهم

(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۷،ص ۲۳۸، ۲۳۹،مادة"المسجد الحرام")

ثواب الصلاة فى المسجد النبوى فرضا ونفلا:

عن أبى هريرة رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :صلاة فى مسجدى هذا خير من ألف صلاة فيما سواه من المساجد إلا المسجد الحرام .

ولا خلاف بين العلماء فى حصول هذه الأفضلية ومضاعفة الثواب الواردة فى الحديث -لصلاة الفرض.

أما فى صلاة النفل فيرى الحنفية والمالكية -على الصحيح -والحنابلة :أن الأفضلية ومضاعفة الثواب الواردة فى الحديث خاصة بالفرائض دون النوافل، لأن صلاة النافلة فى البيت أفضل وأقرب إلى الإخلاص وأبعد عن الرياء ، لقوله صلى الله عليه وسلم :صلاة المرء فى بيته أفضل من صلاته فى مسجدى هذا إلا المكتوبة، وقوله صلى الله عليه وسلم :إذا قضى أحدكم الصلاة فى مسجده فليجعل لبيته نصيبا من صلاته فإن الله جاعل فى بيته من صلاته خيرا.

لكن المالكية فرقوا بين من كان من أهل المدينة وبين من كان من الغرباء عنها، فقالوا إن صلاة أهل المدينة النفل المطلق فى بيوتهم أفضل من فعلها فى المسجد بخلاف الرواتب وما تسن له الجماعة فإن فعلها فى المسجد أفضل.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر 4...... بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک خواتین کو خاص نماز پڑھنے کے لئے مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں جانے کا اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ اُن کے لیے وہاں اپنے گھروں اور رہائش گاہوں میں باپردہ طریقہ پر رہتے ہوئے نماز پڑھنے کی فضیلت زیادہ ہے۔

البتہ بعض اہلِ علم حضرات نے مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں خواتین کی حاضری کو دوسری مساجد کے حکم سے مستثنیٰ کیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أما الغرباء عن المدينة فإن صلاتهم النافلة فى مسجده صلى الله عليه وسلم أفضل من صلاتهم لها فى بيوتهم وسواء أكانت النافلة من الرواتب أم كانت نفلا مطلقا . وقالوا :إن المراد بالغريب عن المدينة وهو من لا يعرف فيها، وإن المجاور بها حكمه حكم أهلها حيث كان يعرف. ويرى الشافعية -ومطرف من المالكية -أن التفضيل الوارد بالحديث يعم صلاة الفرض وصلاة النفل. قال النووى :واعلم أن مذهبنا أنه لا يختص هذا التفضيل بالصلاة فى هذين المسجدين -أى المسجد الحرام والمسجد النبوى -بالفريضة بل يعم الفرض والنفل جميعا، وبه قال مطرف من أصحاب مالك، وقال الزركشى :ذكر فى شرح المهذب أن التحقيق :أن صلاة النفل فى بيته أفضل من المسجد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٧،ص ٢٥٠، ٢٥١،مادة " المسجد النبوى")

[1] صلاة النساء فى المساجد: ذهب الفقهاء إلى أنه يستحب للنساء أن تكون صلاتهن فى بيوتهن، فذلك لهن أفضل من صلاتهن فى المسجد فعن ابن عمر رضى الله عنهما قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :لا تمنعوا نساء كم المساجد وبيوتهن خير لهن ، فإن أرادت المرأة حضور المسجد مع الرجال :فإن كانت شابة أو كبيرة يشتهى مثلها كره لها الحضور وإن كانت عجوزا لا تشتهى لم يكره لها، لما روى عن ابن مسعود رضى الله عنه قال :والذى لا إله غيره ما صلت امرأة صلاة قط خير لها من صلاة تصليها فى بيتها، إلا أن يكون المسجد الحرام أو مسجد الرسول صلى الله عليه وسلم إلا عجوزا فى منقلها ، وذلك حيث تقل الرغبة فيها، ولذا يجوز لها حضور المساجد كما فى العيد.

وإن كانت شابة غير فارهة فى الجمال والشباب جاز لها الخروج لتصلى فى المسجد، بشرط عدم الطيب، وأن لا يخشى منها الفتنة، وأن تخرج فى ردىء ثيابها، وأن لا تزاحم الرجال، وأن تكون الطريق مأمونة من توقع المفسدة، فإن لم تتحقق فيها تلك الشروط كره لها الصلاة فيه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٧، ص٢١٧، مادة " مسجد")

استثنى بعضهم من الكراهة مسجدى مكة والمدينة لما رواه البيهقى عن عبد الله بن مسعود أنه قال: والذى لا إله غيره ما صلت امرأة صلاة خيرا لها من صلاة تصليها فى بيتها إلا أن يكون المسجد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر 5...... ہر مسجد میں اور بالخصوص مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ بیت المقدس میں داخل ہونے والے کے لئے اعتکاف کی نیت کرلینا بہتر ہے، کیونکہ ان تینوں مساجد میں اعتکاف کی فضیلت بالترتیب دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے، جیسا کہ ان تینوں مساجد میں بالترتیب نمازوں کی فضیلت بھی دوسری مساجد سے زیادہ ہے۔ [1]

وَاللّٰہُ سُبُحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعُلَمُ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحرام أو مسجد الرسول -صلى الله عليه وسلم -إلا عجوز فى منقليها وفى إسناده المسعودى تكلم فى حفظه والمنقلان الخفان وقيل الخفان الخلقان ضبطه الأزهرى والهروى بفتح الميم وضبطه الجوهرى بالكسر وذكره ابن مالك فى المثلث وقال هو بالكسر والفتح الخف وبالضم الخف المصلح (طرح التثريب فى شرح التقريب لزين الدين العراقى، ج۲، ص ۳۱۷، كتاب الصلاة، باب صلاة الجماعة والمشى إليها)

[1] وأفضل الاعتكاف فى المسجد الحرام لأنه مأمن الخلق ومهبط الوحى ومنزل الرحمة ثم فى مسجد رسول الله -صلى الله عليه وسلم -لأنه أفضل المساجد بعد المسجد الحرام ثم فى مسجد بيت المقدس ثم فى المساجد التى كثر جماعتها فكل مسجد كثرت جماعته فهو أفضل(الجوهرة النيرة، ج ۱ ص ۱۴۶، كتاب الصوم،باب الاعتكاف)

ومنها مسجد الجماعة فيصح فى كل مسجد له أذان، وإقامة هو الصحيح كذا فى الخلاصة، وأفضل الاعتكاف ما كان فى المسجد الحرام ثم فى مسجد النبى -عليه الصلاة والسلام -ثم فى بيت المقدس ثم فى الجامع ثم فيما كان أهله أكثر، وأوفر كذا فى التبيين(الفتاوىٰ الهندية، ج ۱، ص ۲۱۱، كتاب الصوم، الباب السابع)

(فصل نمبر 2)

مسجدِ نبوی میں واقع روضۃُ الجنۃ کی فضیلت

مسجدِ نبوی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور حجرے (یا آپ کی قبر مبارک) کے درمیان والی جگہ بڑی بابرکت اور باعثِ فضیلت ہے، جس کو احادیث میں ''رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ'' یعنی جنت کے باغوں میں سے ایک باغ قرار دیا گیا ہے۔

اس لیے مسجدِ نبوی کی فضیلت کے ساتھ اس مقام کی فضیلت کا بھی ذکر کرنا مناسب ہے، احادیث وروایات کی روشنی میں اس کی تفصیل بھی ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عبداللہ بن زید مازنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ (بخاری)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر اور میری مسجد کے منبر کے درمیان جو جگہ ہے، وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے (بخاری)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا بَيْنَ قَبْرِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ

---

[1] رقم الحدیث ۱۱۹۵، کتاب فضل الصلاۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ، باب فضل ما بین القبر والمنبر.

مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١١٦١٠) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری قبر اور میرے منبر کا جو درمیانی حصہ ہے، وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے (مسند احمد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک، آپ کے بیت مبارک میں ہی واقع ہے، اس لیے قبر اور بیت والی روایات میں کوئی تعارض نہیں۔

پھر یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دنیا کی زندگی میں بیان فرمائی، جبکہ اس وقت آپ کی قبر مبارک بھی، اس حجرہ مبارکہ میں نہیں بنی تھی، جس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ یہ بتلایا گیا تھا کہ آپ کی قبر مبارک اس حجرۂ شریفہ میں واقع ہوگی۔ [2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، وَمِنْبَرِي عَلٰى حَوْضِي (صحيح البخاري) [3]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر اور منبر کے درمیان (والا حصہ) جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، اور میرا (مسجد کا) منبر میرے

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث حسن (حاشية مسند احمد)

[2] (ما بين بيتي ومنبري) : المراد بالبيت بيت سكناه، وقيل :قبره لما جاء في حديث آخر :(ما بين قبري ومنبري) : ولا منافاة بينهما ;لأن قبره في بيته، قيل :أراد بما بينهما المحراب لأنه بين المنبر وبين بيته، لأن باب حجرته كان مفتوحا إلى المسجد .وفي رواية عند الطبراني :ما بين حجرتي ومصلاي .(روضة من رياض الجنة) : قيل :معناه أن الصلاة والذكر فيما بينهما يؤديان إلى روضة من رياض الجنة(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٢،ص ٥٨٩، كتاب الصلاة،باب المساجد ومواضع الصلاة)

[3] رقم الحديث ١١٩٦، كتاب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة،باب فضل ما بين القبر والمنبر.

حوض (کوثر) پر ہے (بخاری)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ مَا بَيْنَ مِنْبَرِیْ إِلٰى حُجْرَتِیْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ مِنْبَرِیْ عَلٰى تُرْعَةٍ مِّنْ تُرَعِ الْجَنَّةِ (مسنداحمد، رقم الحديث ١٥١٨٧) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے منبر اور حجرے کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا (مسجدِ نبوی کا) منبر جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر واقع ہے (مسنداحمد)

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ قَوَائِمَ مِنْبَرِیْ هٰذَا رَوَاتِبُ فِی الْجَنَّةِ (سنن النسائی) [3]

---

[1] عن أبی هريرة، وأبی سعيد :أن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال " :ما بين بيتی ومنبری روضة من رياض الجنة، ومنبری علی حوضی (مسنداحمد، رقم الحديث ١١٠٠٣)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح على شرط الشيخين(حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط:صحيح لغيره(حاشية مسند احمد)

[3] رقم الحديث ٦٩٦، كتاب الصلاة،فضل مسجد النبی صلی الله عليه وسلم والصلاة فيه، مسنداحمد، رقم الحديث ٢٦٤٧٦.

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح(حاشية مسند احمد)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اس (مسجدِ نبوی کے) منبر کے پائے جنت (میں گڑے ہوئے) ہیں (نسائی، مسند احمد)

حضرت ابوواقد لیثی کی حدیث

اس طرح کی حدیث حضرت ابوواقد لیثی کی سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

"روضۃٌ من ریاض الجنۃ" کا مطلب

مذکورہ مقام کے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہونے یا منبر کے پائے جنت میں ہونے کا مطلب بعض حضرات نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ مقام بعینہٖ جنت میں منتقل کردیا جائے گا، اور بعض حضرات کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ اس مقام میں عبادت کرنا جنت کی طرف پہنچانے والا ہے۔ [2]

امام نووی وغیرہ نے فرمایا کہ محدثین نے "روضة من ریاض الجنة" کے یہی دو مطلب بیان فرمائے ہیں، ایک یہ کہ یہ موضع بعینہٖ جنت میں منتقل کردیا جائے، دوسرے یہ کہ اس میں عبادت کرنا جنت میں پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ [3]

---

[1] عن سعید بن المسیب، أنه سمع أبا واقد اللیثی یقول :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :إن قوائم منبری رواتب فی الجنة (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ٦٢٦٨)

[2] إن قوائم منبری رواتب فی الجنة وقیل معناه أن قصد منبره والحضور عنده لملازمة الأعمال الصالحة یورد صاحبه إلی الحوض ویقتضی شربه منه والله أعلم (فتح الباری لابن حجر، ج۴، ص ۱۰۰، قوله باب کراهیة النبی صلی الله علیه وسلم أن تعری المدینة)

رواتب فی الجنة جمع راتبة من رتب إذا انتصب قائما أی ان الأرض التی هو فیها من الجنة فصارت القوائم مقرها الجنة أو أنه سینقل إلی الجنة والله تعالی أعلم (حاشیة السندی علی سنن النسائی، ج۲، ص ۳٦، کتاب المساجد)

[3] قوله صلی الله علیه وسلم (ما بین بیتی ومنبری روضة من ریاض الجنة) ذکروا فی معناه قولین أحدهما أن ذلک الموضع بعینه ینقل إلی الجنة والثانی أن العبادة فیه تؤدی إلی الجنة قال

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جن حضرات نے دوسرا مطلب بیان کیا ہے، ان کا استدلال یہ ہے کہ متعدد نصوص میں اس طرح کی فضیلت کا ذکر ملتا ہے، جس سے مراد مخصوص اعمال اور ان کی فضیلت ہے۔ [1]

چنانچہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ قَالَ: إِذَا عَادَ الرَّجُلُ أَخَاهُ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الطبری فی المراد ببیتی هنا قولان أحدهما القبر قاله زید بن أسلم کما روی مفسرا بین قبری ومنبری والثانی المراد بیت سکناه علی ظاهره وروی ما بین حجرتی ومنبری قال الطبری والقولان متفقان لأن قبره فی حجرته وهی بیته(شرح النووی علیٰ مسلم، ج۹ص ۱۶۱، کتاب الحج،باب فضل ما بین قبره صلی الله علیه وسلم وفضل موضع منبره)

[1] عن أبی هریرة رضی الله عنه :قوله :(ما بین بیتی ومنبری)(حس) :قیل :معنی الحدیث أن الصلاة فی ذلک الموضع والذکر فیه یؤدی إلی روضة من ریاض الجنة، ومن لزم العبادة عن المنبر یسقی یوم القیامة من لحوض، وهذا کما قال :(عائد المریض علی مخارف الجنة) یعنی عیادة المریض تؤدیه إلیها، وکما جاء فی الحدیث :(الجنة تحت ظلال السیوف) یرید أن الجهاد یؤدیه إلی الجنة.

(تو :إنما سمی تلک البقعة المبارکة روضة لأن زوار قبره وعمار مسجده من الملائکة والجن والإنس لم یزالوا مکبین فیها علی ذکر الله وعبادته، إذا صدر منها فریق وردها آخرون، کما جاء : (إذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا) قیل :یا رسول الله !وما ریاض الجنة؟ قال :(حلق الذکر) وقال: (منبری علی حوضی) أی علی حافته وعقره، فمن شهده مستمعا إلی أو متبرکا بذلک الأثر شهد الحوض(شرح الطیبی علی مشکاة المصابیح، ج۳،ص ۹۲۹، کتاب الصلاة ،باب المساجد ومواضع الصلاة)

والروضة فی کلام العرب المکان المطمئن من الأرض فیه النبت والعشب .وإنما عنی (صلی الله علیه وسلم) أن ذلک الموضع للمصلی فیه، والذاکر الله عنده والعامل بطاعته کالعامل فی روضة من ریاض الجنة، وأن ذلک یقود إلی الجنة، وکذلک ما کان یسمع فیه من النبی، (صلی الله علیه وسلم) ، من الإیمان والدین یقود إلیها أیضا، کما قال (صلی الله علیه وسلم) : (ارتعوا فی ریاض الجنة) ، قیل :ما ریاض الجنة؟ قال :(مجالس الذکر) . فجعل مجالس الذکر فی شرفها وفضلها بمنزلة ریاض الجنة، وجعل ذاکر الله فیها کالراتع فی ریاض الجنة .وکما قال (صلی الله علیه وسلم) : (الجنة تحت ظلال السیوف) یعنی أنه عمل یوصل به إلی الجنة، وکما قال :(الأم باب من أبواب الجنة) ، یرید أن بره بها ودعاء ها له یوصله إلی الجنة، وهذا معلوم فی لسان العرب؛ تسمیة الشیء بما یئول إلیه ویتولد عنه(شرح صحیح البخاری لابن بطال، ج۳،ص ۱۸۴ ،کتاب فضل الصلاة فی مسجد مکة والمدینة،باب فضل ما بین القبر والمنبر)

فَإِنَّهُ فِیُ أَخْرَافِ الْجَنَّةِ حَتّٰی یَرُجِعَ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ٢٢٣٧٥) ل

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی اپنے (مومن) بھائی کی عیادت کرتا ہے، تو وہ جنت کے باغات میں ہوتا ہے، تاآنکہ لوٹ کر نہ آجائے (مسند احمد)

مطلب یہ ہے کہ اس عمل کا ثواب جنت کے باغات کی شکل میں عطا کیا جاتا ہے۔ ٢

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوُلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَاعُلَمُوُا أَنَّ الُجَنَّةَ تَحُتَ ظِلَالِ السُّيُوُفِ (صحيح البخارى) ٣

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جان لو کہ بیشک جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے (بخاری)

مطلب یہ ہے کہ شرعی اصول وقواعد کے مطابق جہاد وقتال کے لیے آلات استعمال کرنے کا ثواب جنت کی شکل میں حاصل ہوتا ہے۔ ٤

ل قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد رجاله ثقات رجال الصحيح (حاشية مسند احمد)

٢ (عائد المريض على مخارف الجنة حتى يرجع) والمخارف: جمع مخرف بالفتح، وهو الحائط من النخيل، يعنى أن العائد فيما يحرزه من الثواب كأنه على نخيل الجنة يخرف ثمارها .قال القاضى: الخرفة ما يجتنى من الثمار، وقد تجوز بها البستان من حيث إنه محلها وهو المعنى بها بدليل ما روى على مخارف الجنة أو على تقدير المضاف أى: فى مواضع خرفتها .(حتى يرجع) :" قال ابن الملك: شبه ما يحوزه عائد المريض من الثواب بما يحوز المخترف من الثمار، أو المراد أنه بسعيه إليه يستوجب الجنة ومخارفها بإطلاق اسم المسبب على السبب (مرقاة المفاتيح، ج٣، ص ١١٢٢، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض وثواب المرض)

٣ رقم الحديث ٢٨١٨، كتاب الجهاد والسير، باب: الجنة تحت بارقة السيوف.

٤ (واعلموا أن الجنة تحت ظلال السيوف) : أى: كون المجاهد بحيث تعلوه سيوف الأعداء سبب للجنة، أو المراد سيوف المجاهدين، وإنما ذكر السيوف ;لأنها أكثر آلات

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت معاویہ بن جاہمہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ جَاهِمَةَ، أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنِّيْ أَرَدْتُّ أَنْ أَغْزُوَ وَجِئْتُ أَسْتَشِيْرُكَ فَقَالَ: أَلَكَ وَالِدَةٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: اِذْهَبْ فَالْزَمْهَا فَإِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلَيْهَا (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ میں غزوہ (وجہاد) کا ارادہ رکھتا ہوں، اور میں آپ کی خدمت میں مشورہ کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا آپ کی والدہ حیات ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ بے شک، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ تشریف لے جائیں، اور والدہ کے ساتھ چمٹ جائیں، کیونکہ جنت آپ کی والدہ کے پیروں کے پاس ہے (حاکم)

اس طرح کی حدیث حضرت طلحہ بن معاویہ سُلمی رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الحروب .وفى النهاية :وهو كناية عن الدنو من الضرب فى الجهاد، حتى يعلوه السيف ويصير ظله عليه، والظل الفيء الحاصل من الحاجز بينك وبين الشمس ;أى شيء كان، وقيل :هو مخصوص بما كان منه إلى زوال الشمس، وما كان بعده فهو الفيء، وقال النووى :معناه ثواب الله، والسبب الموصل إلى الجنة عند الضرب بالسيوف، ومشى المجاهدين فى سبيل الله فاحضروا فيه بصدق النية واثبتوا(مرقاة المفاتيح، ج٦، ص ٢٥٣٠، كتاب الجهاد، باب الكتاب إلى الكفار ودعائهم إلى الإسلام)

[1] رقم الحديث ٧٢٤٨، كتاب البر والصلة.
قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه.
وقال الذهبى فى التلخيص: صحيح.

[2] عن محمد بن طلحة بن معاوية السلمى، عن أبيه قال: أتيت النبى صلى الله عليه وسلم، فقلت: يا رسول الله، إنى أريد الجهاد فى سبيل الله، قال: أمك حية؟ فقلت: نعم .فقال النبى صلى الله عليه وسلم: الزم رجلها فثم الجنة(المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ٨١٦٢، ج٨ص ٣١١)

قال الهيثمى:رواه الطبرانى عن ابن إسحاق وهو مدلس، عن محمد بن طلحة ولم أعرفه، وبقية رجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، رقم الحديث ١٣٤٠١)

اور بعض روایات میں ''الـجنة تحت أقدام الأمهات'' کے الفاظ ہیں، مگر وہ روایات سند کے اعتبار سے قابلِ اعتبار معلوم نہیں ہوتیں۔ [1]

بہرحال والدہ کے پیروں کے ساتھ چمٹ جانے اور والدہ کے پیروں کے پاس جنت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ شرعی حدود کی پاسداری کرتے ہوئے والدہ کی خدمت واطاعت اوران کے ساتھ حسنِ سلوک وصلہ رحمی کرنے کولازم پکڑ لیجئے، اوران کے ساتھ عاجزی وانکساری کے ساتھ پیش آیئے، جوکہ جنت کے حاصل ہونے کا مؤثر اورقریبی ذریعہ ہے۔ [2]

---

[1] قال الالبانی:
الجنة تحت أقدام الأمهات، من شئن أدخلن، ومن شئن أخرجن ."
موضوع.رواه ابن عدى (1 / 325)والعقيلى فى "الضعفاء "عن موسى بن محمد بن عطاء: حدثنا أبو المليح حدثنا ميمون عن ابن عباس مرفوعا .وقال العقيلى: " هذا منكر ."نقله الحافظ فى ترجمة "موسى بن عطاء "وهو كذاب كما سبق بيانه فى الذى قبله .
والشطر الأول من الحديث له طريق آخر، رواه أبو بكر الشافعى فى "الرباعيات " (1 / 25 / 2) وأبو الشيخ فى "الفوائد "وفى "التاريخ "(ص 253) والثعلبى فى " تفسيره (1 / 53 / 3) "والقضاعى (1 / 2 / 2)والدولابى (138 / 2)عن منصور بن المهاجر عن أبى النضر الأبار عن أنس مرفوعا به .ومن هذا الوجه رواه الخطيب فى "الجامع "كما فى "فيض القدير "للمناوى وقال: " قال ابن طاهر: ومنصور وأبو النضر لا يعرفان، والحديث منكر، انتهى .
فقول العامرى فى شرحه: " حسن "غير حسن ."ويغنى عن هذا حديث معاوية بن جاهمة أنه جاء النبى صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله أردت أن أغزووقد جئت أستشيرك؟ فقال: هل لك أم؟ قال: نعم .قال: فالزمها فإن الجنة تحت رجليها .رواه النسائى (54 / 2)، وغيره كالطبرانى . (2 / 225 / 1)وسنده حسن إن شاء الله، وصححه الحاكم (151 / 4)، ووافقه الذهبى، وأقره المنذرى . (214 / 3)(سلسلة الاحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ۵۹۳)

[2] قوله (فبرها) صيغة أمر من بر بتشديد الراء على حد سمع، قوله (الزم رجلها فثم الجنة) قال الدميرى هو بالحاء المهملة يعنى دارها ومسكنها ومنه حديث إذا ابتلت النعال فالصلاة فى الرحال أى الدور والمساكن والمنازل ويقال لمنزل الإنسان ومسكنه رحله ا ه قلت المشهور أنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اَلْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، فَإِنْ شِئْتَ فَأَضِعْ ذٰلِكَ الْبَابَ أَوْ اِحْفَظْهُ(سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ والد جنت کے دروازوں میں سے بیچ (یعنی درمیان) کا دروازہ ہے، پس اگر چاہو تو اس دروازہ کو ضائع کرو، یا اس کی حفاظت کرو (ترمذی)

والد کے جنت کے بیچ یعنی درمیان کا دروازہ ہونے کا مطلب محدثین نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جنت میں داخل ہونے کا بڑا اور اچھا دروازہ ہے، جس طرح محل وغیرہ کے درمیان کا دروازہ بڑا دروازہ شمار ہوتا ہے، اور والد کے ساتھ صلہ رحمی اور حسنِ سلوک جنت میں داخلے کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بالجيم بمعنى القدم وهو الموافق لرواية النسائي وغيره وعليه مشى السخاوى فى المقاصد الحسنة فقد أورد الحديث بلفظ الجنة تحت أقدام الأمهات قال رواه أحمد والنسائي وابن ماجه والحاكم ثم ذكر ابن ماجه هذه الرواية قال السخاوى إن التواضع للأمهات سبب لدخول الجنة قلت ويحتمل أن المعنى أن الجنة أى نصيبك منها لا يصل إليك إلا برضاها بحيث كأنه لها وهى قاعدة عليه فلا يصل إليك إلا من جهتها فإن الشىء إذا صار تحت رجلى أحد فقد تمكن منه واستولى عليه بحيث لا يصل إلى آخر من جهته (حاشية السندى على سنن ابن ماجه، ج٢ص ١٨٠، كتاب الجهاد، باب الرجل يغزو وله ابوان)

والمعنى أن التواضع للأمهات وإطاعتهن فى خدمتهن وعدم مخالفتهن إلا فيما حظره الشرع سبب لدخول الجنة(كشف الخفاء للعجلونى، تحت رقم الحديث ١٠٧٨)

[1] رقم الحديث ١٩٠٠، ابواب البر والصلة، باب ما جاء من الفضل فى رضا الوالدين، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر، سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ٢٠٨٩، كتاب الطلاق، باب الرجل يأمره أبوه بطلاق امرأته، مسند احمد، رقم الحديث ٢٧٥٥٢؛ مستدرك حاكم، رقم الحديث ٢٧٩٩، كتاب الطلاق.

قال الحاكم:

هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه.

وقال الذهبى: صحيح.

وقال شعيب الارنؤوط:

اسناده حسن(حاشية مسند احمد)

بہترین ذریعہ ہے۔ [1]

مذکورہ مقام کے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہونے کی اس تفصیل وتشریح سے جمہور کے مقابلہ میں مالکیہ کی اس دلیل کا جواب بھی ہوگیا، جو مدینہ منورہ کے مکہ مکرمہ پر اور مسجدِ نبوی کے مسجدِ حرام پر افضل ہونے کی مذکورہ حدیث سے یہ کہہ کر دلیل پکڑتے ہیں کہ مذکورہ مقام، حقیقت میں جنت کا باغ ہے، یعنی جنت سے منتقل ہوکر آیا ہے، اور دنیا میں جنت کا اس کے علاوہ کوئی اور بقعہ نہیں، جس سے اس بقعہ کا بیتُ اللہ وغیرہ سے بھی افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

حالانکہ جس طریقہ سے اس طرح کے مضمون کی دوسری احادیث میں جنت کا حقیقی حصہ مراد لینا راجح نہیں، اسی طرح یہاں پر بھی راجح نہیں، جس کے دلائل ذکر کیے جاچکے ہیں۔

اور اگر ایسا ہوتا تو احادیث میں مسجدِ حرام میں نماز پڑھنے کی فضیلت کو مسجدِ نبوی اور اس مقام

---

[1] (الوالد أوسط أبواب الجنة) قال القاضي أى :خير الأبواب وأعلاها، والمعنى : أن أحسن ما يتوسل به إلى دخول الجنة، ويتوصل به إلى وصول درجتها العالية مطاوعة الوالد ومراعاة جانبه .وقال غيره :إن للجنة أبوابا وأحسنها دخولا أوسطها، وإن سبب دخول ذلك الباب الأوسط هو محافظة حقوق الوالد .اهـ .فالمراد بالوالد الجنس، أو إذا كان حكم الوالد هذا فحكم الوالدة أقوى وبالاعتبار أولى .(فإن شئت فحافظ على الباب) أى :داوم على تحصيله (أو ضيع) : حصول الباب بترك المحافظة عليه، وهذا كلام أبي الدرداء ، والمعنى :فاختر خيرهما (رواه الترمذى، وابن ماجه) ، وكذا ابن حبان فى صحيحه، وأبو داود الطيالسى والحاكم فى مستدركه وصححه وأقره الذهبى والبيهقى فى شعبه وصححه الترمذى، نقله ميرك عن التصحيح، وقال المنذرى :رواه الترمذى وغيره واللفظ له وقال :ربما قال سفيان أن أمى، أو ربما قال أبى قال :وهذا حديث صحيح رواه ابن حبان فى صحيحه، ولفظه :أن رجلا أتى أبا الدرداء فقال :إن أبى لم يزل حتى زوجنى وإنه الآن يأمرنى بطلاقها .قال :ما أنا بالذى آمرك أن تعق والدك، ولا بالذى آمرك أن تطلق امرأتك، غير أنك إن شئت حدثتك ما سمعت من رسول الله -صلى الله عليه وسلم -سمعته يقول " :الوالد أوسط أبواب الجنة فحافظ على ذلك إن شئت أو دع .قال فأحسب عطاء قال فطلقها .قلت :وسيأتى فى الفصل الثالث أنهصلى الله عليه وسلم قال لابن عمر ": طلقها ; "لأن عمر كان يكرهها .وفى الجامع الصغير " :الوالد أوسط أبواب الجنة " رواه أحمد والترمذى وابن ماجه والحاكم عن أبى الدرداء (مرقاة المفاتيح، ج٧ص ٣٠٨٩، كتاب الآداب، باب البر والصلة)

کی نماز سے زیادہ فضیلت کا باعث قرار نہ دیا جاتا؟ [1]

مسئلہ...... احادیث کے پیشِ نظر فقہائے کرام نے فرمایا کہ جس شخص کا مسجدِ نبوی میں جانے

---

[1] ومن ذلک أیضا قوله – صلی الله علیه وسلم –: ما بین قبری ومنبری روضة من ریاض الجنة، ولا دلیل فی ذلک؛ لأن المعنی فیه الإعلام بفضل ذلک الموضع فترفع درجات المصلی فیه ویسمع دعاؤه فیه فیصل بذلک إلی روضة من ریاض الجنة .
فالکلام لیس بحقیقة وإنما هو من المجاز الذی جاء به القرآن ویعرفه العرب، مثل قوله – صلی الله علیه وسلم –: الجنة تحت ظلال السیوف، ولیس فی إعلامه – صلی الله علیه وسلم – بفضل ذلک الموضع ما یدل علی أن المدینة أفضل من مکة .
ومما استدل به أیضا علی أن المدینة أفضل من مکة أن رسول الله -صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ -مخلوق منها، فتربته أفضل الترب .وهذا لا حجة فیه أیضا؛ لأنا قد بینا أن البقاع لم یفضل بعضها علی بعض بمعنی موجود فیها من خاصیة تختص بها، وإنما فضلت علیها لتفضیل الله لها برفع درجات العاملین فیها(المقدمات الممهدات، ج۳،ص ۴۸۰، کتاب الجامع،فصل فی فضل مکة والمدینة والتفضیل بینهما)
قال أبو عمر فی تأویل قول النبی صلی الله علیه وسلم ما بین بیتی ومنبری وروی ما بین قبری ومنبری روضة من ریاض الجنة فقال قوم معناه أن البقعة ترفع یوم القیامة فتجعل روضة فی الجنة وقال آخرون هذا علی المجاز قال أبو عمر کأنهم یعنون أنه لما کان جلوسه وجلوس الناس إلیه یتعلمون القرآن والإیمان والدین هناک شبه ذلک الموضع بالروضة لکرم ما یجتنی فیها وأضافها إلی الجنة لأنها تقود إلی الجنة کما قال صلی الله علیه وسلم الجنة تحت ظلال السیوف یعنی أنه عمل یوصل به إلی الجنة وکما یقال الأم باب من أبواب الجنة یریدون أن برها یوصل المسلم إلی الجنة مع أداء فرائضه وهذا جائز سائغ مستعمل فی لسان العرب والله أعلم بما أراد من ذلک.
وقد استدل أصحابنا علی أن المدینة أفضل من مکة بهذا الحدیث ورکبوا علیه قوله صلی الله علیه وسلم موضع سوط فی الجنة خیر من الدنیا وما فیها وهذا لادلیل فیه علی شیء مما ذهبوا إلیه لأن قوله هذا إنما أراد به ذم الدنیا والزهد فیها والترغیب فی الآخرة فأخبر أن الیسیر من الجنة خیر من الدنیا کلها وأراد بذکر السوط والله أعلم التقلیل......(و بعد اسطر)......علی أن قوله صلی الله علیه وسلم روضة من ریاض الجنة محتمل ما قال العلماء فیه مما قد ذکرناه فلا حجة لهم فی شیء مما ذهبوا إلیه.
والمواضع کلها والبقاع أرض الله فلا یجوز أن یفضل منها شیء علی شیء إلا بخبر یجب التسلیم له وإنی لأعجب ممن یترک قول رسول الله صلی الله علیه وسلم إذ وقف بمکة علی الحزورة وقیل علی الحجون وقال والله إنی أعلم أنک خیر أرض الله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کا ارادہ ہو، تو اس کے لئے مستحب ہے کہ ریاض الجنۃ میں حاضر ہونے کے ارادہ سے مسجدِ نبوی میں داخل ہو، جس کا مقام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے درمیان ہے، اور اگر بآسانی ممکن ہو تو منبر کے قریب دو رکعتیں تحیۃ المسجد کی ادا کرے۔ [۱]

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأحبها إلى الله ولولا أن أهلك أخرجونى منك ما خرجت وهذا حديث صحيح رواه أبو سلمة بن عبد الرحمان عن أبى هريرة وعن عبد الله بن عدى بن الحمراء جميعا عن النبى صلى الله عليه وسلم فكيف يترك مثل هذا النص الثابت ويمال إلى تأويل لا يجامع متأوله عليه (التمهيد لما فى الموطأ من المعانى والأسانيد، ج۲ص۲۸۷،۲۸۸، ملخصاً،باب الخاء، خبيب بن عبد الرحمان ،الحديث الثانى)

[۱] و تحية المسجد النبوى:

اتفق الفقهاء على أن من دخل المسجد النبوى يستحب له أن يقصد الروضة إن تيسر له -وهى ما بين القبر والمنبر -ويصلى ركعتين تحية المسجد بجنب المنبر، لحديث جابر قال :جاء سليك . . .ثم يأتى قبر النبى صلى الله عليه وسلم ويقول :السلام عليك يا رسول الله ثم يسلم على أبى بكر رضى الله عنه، ثم على عمر رضى الله عنه(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۱۰،ص۳۰۶،مادة " تحية ")

(فصل نمبر 3)

مسجدِ نبوی میں باجماعت چالیس نمازوں کی حیثیت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں مسجدِ نبوی کے اندر چالیس نمازیں پڑھنے کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اس کی وجہ سے آگ اور نفاق سے براءت اور عذاب سے نجات لکھ دی جاتی ہے، اور یہ حدیث اور اس میں مذکور فضیلت عوام وخواص میں بہت مشہور ہے، جس کی خاطر حج وعمرہ کے لیے جانے والے حضرات مدینہ منوہ میں کم از کم آٹھ دن ٹھہرنے کا اہتمام وانتظام کرتے ہیں، تاکہ وہ وہاں اتنے دن ٹھہر کر اور مسجدِ نبوی میں نماز پڑھ کر مذکورہ فضیلت کو پاسکیں، اور اگر اس کا انتظام یا اہتمام نہ ہوسکے، تو بہت پریشان ہوتے ہیں، اور اس عرصہ سے کم مدینہ منورہ قیام کرنے والے کو دوسرے لوگوں میں مطعون کرتے ہیں۔

آگے اس حدیث اور اس میں مذکورہ فضیلت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

مسجدِ نبوی میں چالیس نمازوں کی فضیلت والی حدیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ:

مَنْ صَلّٰی فِیْ مَسْجِدِیْ أَرْبَعِیْنَ صَلَاۃً، لَا یَفُوْتُہٗ صَلَاۃٌ، کُتِبَتْ لَہٗ بَرَاءَ ۃٌ مِّنَ النَّارِ، وَنَجَاۃٌ مِّنَ الْعَذَابِ، وَبَرِءَ مِنَ النِّفَاقِ (مسنداحمد، رقم الحدیث ۱۲۵۸۳)

ترجمہ: جس نے میری مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) میں چالیس نمازیں اس طرح پڑھیں کہ اس کی کوئی نماز بھی فوت نہیں ہوئی، تو اس کے لئے آگ سے براءت

لکھ دی جائے گی، اور عذاب سے نجات لکھ دی جائے گی، اور وہ نفاق سے بری ہوجائے گا (مسند احمد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ حدیث کی سند کو بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔[1]

---

[1] قال شعیب الارنؤوط:

إسناده ضعيف لجهالة نبيط بن عمر، فقد تفرد بالرواية عنه عبد الرحمن بن أبى الرجال، وتساهل ابن حبان فأورده فى ثقاته ۵/۴۸۳ ،وأخرجه الطبرانى فى "الأوسط ۵۴۴۰ عن محمد بن على المدينى، عن الحكم بن موسى، بهذا الإسناد.

قلنا :ورواه من غير هذا الطريق الترمذى ۲۴۱ عن أنس مرفوعاً وموقوفاً بلفظ :من صلَّى لله أربعين يوما فى جماعة يُدرِک التكبيرة الأولى، كُتِبت له براء تان :براءةٌ من النار، وبراءةٌ من النفاق .ورجح الموقوف(حاشية مسند احمد)

وقال الالبانى:

"من صلى فى مسجدى أربعين صلاة لا يفوته صلاة كتبت له براءة من النار، ونجاة من العذاب، وبرء من النفاق ."

منكر.أخرجه أحمد ۱۵۵/۳ ، والطبرانى فى "المعجم الأوسط ۲/۳۲/۲/۵۵۷۶، من طريق عبد الرحمن بن أبى الرجال عن نبيط بن عمر عن أنس بن مالک مرفوعا .وقال الطبرانى :لم يروه عن أنس إلا نبيط تفرد به ابن أبى الرجال .قلت :وهذا سند ضعيف، نبيط هذا لا يعرف فى هذا الحديث، وقد ذكره ابن حبان فى الثقات ۴۸۳/۵، على قاعدته فى توثيق المجهولين، وهو عمدة الهيثمى فى قوله فى المجمع ۸/۴، رواه أحمد والطبرانى فى "الأوسط "ورجاله ثقات .وأما قول المنذرى فى الترغيب ۱۳۶/۲ ، رواه أحمد ورواته رواة الصحيح، والطبرانى فى "الأوسط ."فوهم واضح لأن نبيطا هذا ليس من رواة الصحيح، بل ولا روى له أحد من بقية الستة !ومما يضعف هذا الحديث أنه ورد من طريقين يقوى أحدهما الآخر عن أنس مرفوعا وموقوفا بلفظ ":من صلى لله أربعين يوما فى جماعة يدرک التكبير الأولى كتبت له براء تان، براءة من النار، وبراءة من النفاق ."أخرجه الترمذى ۱/۷ (طبع أحمد شاكر) ثم وجدت له طريقا ثالثا عنه مرفوعا أخرجه بحشل فى "تاريخ واسط "(ص ۳۶) وله شاهد من حديث عمر بن الخطاب مرفوعا .أخرجه ابن ماجه ۱/ ۲۶، بسند ضعيف ومنقطع، ثم استوعبت طرقه وبينت ما لها وما عليها فى الصحيحة برقم ۲۶۵۲/۲، وهذا اللفظ يغاير لفظ حديث الترجمة كل المغايرة، وهو أقوى منه فتأكد ضعفه ونكارته فمن قواه من المعاصرين فقد جانبه الصواب ولربما الإنصاف أيضا ! (سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة،تحت رقم الحديث ۳۶۴)

لیکن اس کے برعکس کئی محدثین نے اس حدیث کو سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیا ہے۔

اگر اس کی سند کو ضعیف بھی مانا جائے، تب بھی چالیس نمازوں کی فضیلت کی حد تک اس حدیث کو قبول کیا جاسکتا ہے۔

اور چالیس فرض نمازوں کے آٹھ دن بنتے ہیں، یعنی چالیس فرض نمازوں کی تعداد آٹھ دنوں میں مکمل ہو جاتی ہے۔ [1]

چالیس دن تک باجماعت تکبیرِ اولیٰ کی فضیلت والی حدیث

لیکن حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ایک روایت میں مسجد نبوی کی تخصیص کے بغیر کسی بھی جگہ چالیس دن تک باجماعت تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ نماز پڑھنے کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اس کی وجہ سے دو برائتیں لکھ دی جاتی ہیں:

---

[1] قال المنذری:

رواه أحمد ورواته رواة الصحيح والطبرانی فی الأوسط وهو عند الترمذی بغير هذا اللفظ (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۱۸۳۲، كتاب الحج الترغيب فی الحج والعمرة وما جاء فيمن خرج يقصدهما فمات)

وقال الهيثمی:

قلت :روى الترمذی بعضه . رواه أحمد، والطبرانی فی الأوسط، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۸۷۸، باب فيمن صلى بالمدينة أربعين صلاة)

وقال محمد الأمين بن محمد المختار بن عبد القادر الجكنی الشنقيطی (المتوفی :1393 هـ):

قال الحافظ ابن حجر فی تعجيل المنفعة فی زوائد الأربعة :نبيط بن عمر ، ذكره ابن حبان فی الثقات ، فاجتمع على توثيق نبيط كل من ابن حبان والمنذری والبيهقی وابن حجر ، ولم يجرحه أحد من أئمة هذا الشأن .فمن ثم لا يجوز لأحد أن يطعن ولا أن يضعف من وثقه أئمة معتبرون ، ولم يخالفهم إمام من أئمة الجرح والتعديل ، وكفى من ذكروا من أئمة هذا الشأن قدوة.

ذلک ولو فرض وقدر جدلاً أنه فی السند مقالاً ، فإن أئمة الحديث لا يمنعون إذا لم يكن فی الحديث حلال أو حرام أو عقيدة ، بل كان باب فضائل الأعمال لا يمنعون العمل به ، لأن باب الفضائل لا يشدد فيه هذا التشديد .

ونقل السيوطی مثل ذلک عن أحمد وابن المبارک (اضواء البيان للشنقيطی، ج۸، ص ۳۳۶،۳۳۷، تحت سورة الجن)

ایک جہنم سے برائت اور دوسری نفاق سے برائت۔

چنانچہ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلَّى لِلّٰهِ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فِيْ جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْأُوْلٰى كُتِبَ لَهُ بَرَاءَ تَانِ: بَرَاءَ ةٌ مِّنَ النَّارِ، وَبَرَاءَ ةٌ مِّنَ النِّفَاقِ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کے لئے چالیس دن تک جماعت کے ساتھ تکبیرِ اولیٰ کو پا کر نماز پڑھی، تو اس کے لئے دو برائتیں لکھی جائیں گی، ایک تو آگ (یعنی جہنم) سے برائت، اور ایک نفاق سے برائت (ترمذی)

اور مسجدِ نبوی میں پڑھی جانے والی نماز کی فضیلت زیادہ ہے، اس لئے مذکورہ فضیلت مسجدِ نبوی میں چالیس دن تک باجماعت تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ نماز پڑھنے سے بھی حاصل ہوگی۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٢٤١، ابواب الصلاة، باب فى فضل التكبيرة الأولى.

[2] اور پہلی فصل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک خواتین کو خاص نماز پڑھنے کے لئے مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں جانے کا اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ اُن کے لیے وہاں اپنے گھروں اور رہائش گاہوں میں باپردہ طریقہ پر رہتے ہوئے نماز پڑھنے کی فضیلت زیادہ ہے۔

البتہ بعض اہلِ علم حضرات نے خواتین کے لیے مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں نماز کی فضیلت کو مرد حضرات کی طرح کا درجہ دیا ہے۔

استثنى بعضهم من الكراهة مسجدى مكة والمدينة لما رواه البيهقى عن عبد الله بن مسعود أنه قال: والذى لا إله غيره ما صلت امرأة صلاة خيرا لها من صلاة تصليها فى بيتها إلا أن يكون المسجد الحرام أو مسجد الرسول -صلى الله عليه وسلم- إلا عجوز فى منقليها وفى إسناده المسعودى تكلم فى حفظه والمنقلان الخفان وقيل الخفان الخلقان ضبطه الأزهرى والهروى بفتح الميم وضبطه الجوهرى بالكسر وذكره ابن مالك فى المثلث وقال هو بالكسر والفتح الخف وبالضم الخف المصلح (طرح التثريب فى شرح التقريب لزين الدين العراقى، ج٢، ص ٣١٧، كتاب الصلاة، باب صلاة الجماعة والمشى إليها)

ترمذی کی اس مذکورہ حدیث کو بھی بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [1]
جبکہ بعض حضرات نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] قال الترمذی: وقد روی هذا الحديث عن أنس موقوفا، ولا أعلم أحدا رفعه إلا ما روى سلم بن قتيبة، عن طعمة بن عمرو "وإنما يروى هذا عن حبيب بن أبى حبيب البجلى، عن أنس بن مالك قوله .حدثنا بذلك هناد قال :حدثنا وكيع، عن خالد بن طهمان، عن حبيب بن أبى حبيب البجلى، عن أنس قوله ولم يرفعه .وروى إسماعيل بن عياش هذا الحديث، عن عمارة بن غزية، عن أنس بن مالك، عن عمر بن الخطاب، عن النبى صلى الله عليه وسلم نحو هذا. وهذا حديث غير محفوظ، وهو حديث مرسل .عمارة بن غزية لم يدرك أنس بن مالك قال محمد بن إسماعيل : حبيب بن أبى حبيب يكنى أبا الكشوثا، ويقال أبو عميرة (سنن الترمذى، رقم الحديث ٢٤١، ابواب الصلاة ، باب فى فضل التكبيرة الأولى)

[2] من صلى لله أربعين يوما فى جماعة يدرك التكبيرة الأولى، كتب له براء تان، براء ة من النار وبراء ة من النفاق "

هو من رواية أنس بن مالك رضى الله عنه، وله عنه طرق.

الأولى :سلم بن قتيبة عن طعمة بن عمرو عن حبيب بن أبى ثابت عنه به .أخرجه الترمذى (١/ ٢٠١ تحفة) وأسلم الواسطى فى "تاريخ واسط "(ص ٤٠) ، وقال الترمذى " :قد روى هذا الحديث عن أنس موقوفا، ولا أعلم أحدا رفعه إلا ما روى سلم بن قتيبة عن طعمة بن عمرو، وإنما يروى هذا عن حبيب بن أبى حبيب البجلى عن أنس بن مالك قوله "

. قلت :قد روى مرفوعا من طريق أخرى لم يقف عليها الترمذى، وهى: الثانية :منصور بن مهاجر أبو الحسن حدثنا أبو حمزة الواسطى عن أنس بن مالك قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :فذكره .

أخرجه أسلم الواسطى فى "تاريخ واسط "(ص ٣٦) : حدثنا أحمد بن إسماعيل قال :حدثنا إسماعيل بن مرزوق قال: حدثنا منصور بن مهاجر ...وقال " :هذا (يعنى أبا حمزة الواسطى) اسمه جبير ابن ميمون ."كذا قال، ولم أره لغيره ولا وجدت فى الرواة من يسمى جبير بن ميمون بل الظاهر أن أبا حمزة هذا هو عمران بن أبى عطاء القصاب، قال الدولابى فى الكنى ١/ ١٥٦، واسطى، روى عنه شعبة وهشيم ."قلت :وهو من رجال مسلم، روى عن أبيه وابن عباس وأنس وغيرهم وقد وثقه جمع وضعفه بعضهم فهو حسن الحديث، لاسيما عند المتابعة .ومنصور بن مهاجر، روى عنه جمع من الثقات منهم يعقوب بن شيبة، ولم يذكروا فيه توثيقا، ولذلك قال الحافظ فى "التقريب :" "مستور ." قلت :فمثله لا يستشهد به على أقل الدرجات .وإسماعيل بن مرزوق هو المرادى الكعبى المصرى، ذكره ابن حبان فى "الثقات "وتكلم فيه الطحاوى، لكن استنظف الحافظ إسناد حديث آخر من طريقه .وأما أحمد بن إسماعيل، فلم أعرفه الآن وفى "تاريخ بغداد "جمع من الرواة بهذا الاسم. الثالثة :عن أبى العلاء الخفاف عن حبيب بن أبى حبيب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بالخصوص اس صورت میں جبکہ اس کی تائید دیگر روایات سے بھی ہوتی ہے۔ [1]

بہرحال صحیح اور کثیر احادیث سے مسجدِ نبوی میں پڑھی جانے والی ایک نماز کا ثواب ہزار گنا زیادہ ہونا ثابت ہے، جس کی رُو سے مسجدِ نبوی میں کم از کم دو رکعتیں پڑھنا بھی انتہائی عظیم فضیلت واہمیت سے خالی نہیں۔

اسی لئے بعض روایات میں مدینہ منورہ میں داخل ہونے والے کو وہاں سے باہر نکلنے سے پہلے مسجدِ نبوی میں کم از کم دو رکعت پڑھنے کا حکم آیا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن أنس بن مالک قال :فذكره نحوه موقوفا عليه .وهو الذى أشار إليه الترمذى فيما سبق .أخرجه الواسطى أيضا فى تاريخه (ص ۴۰) من طريقين عنه .وحبيب هذا هو ابن أبى حبيب البجلى البصرى نزيل الكوفة روى عنه أيضا طعمة بن عمرو الجعفرى وعمر بن محمد العنقزى، وذكره ابن حبان فى "الثقات "وقال الحافظ " :مقبول "يعنى المتابعة، وقد توبع كما تقدم .وأما أبو العلاء الخفاف واسمه خالد بن طهمان فهو صدوق، لكنه كان اختلط .ثم رواه الواسطى من طريق مؤمل بن إسماعيل عن سفيان عن خالد عن أبى عميرة عن أنس بن مالک بمثله .وأبو عميرة هذا ثقة، وهو ابن أنس بن مالک .وخالد هو ابن طهمان المتقدم، فكأنه اضطرب فى إسناده، فرواه تارة عن أبى عميرة عن أنس، وتارة عن أنس مباشرة لم يذكر أبا عميرة، ولعل ذلک من اختلاطه.

قلت :وبالجملة، فهذه الطرق وإن كانت مفرداتها لا تخلو من علة، فمجموعها يدل على أن له أصلا، والأخير منها وإن كان موقوفا، فمثله لا يقال من قبل الرأى كما لا يخفى .وللحديث طريق رابع عن أنس مرفوعا، ولكن بلفظ " :من صلى فى مسجدى أربعين صلاة لا يفوته صلاة كتبت له براءة من النار، ونجاة من العذاب وبرىء من النفاق ."ولكنه منكر بهذا اللفظ لمخالفته للفظه فى الطرق المتقدمة مع جهالة فى إسناده، ولذلک أوردته فى الكتاب الآخر (۳۶۴)(سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۱۹۷۹)

[1] والخلاصة: فالحديث بمجموع طرقه الأربعة عن أنس حسن على أقل الأحوال، وبقية الطرق إن لم تزده قوة .فلن تؤثر فيه ضعفا .والله تعالى أعلم .ثم رأيت البيهقى رحمه الله جزم بأن حبيبا فى الطريق الأولى هو حبيب ابن أبى حبيب البجلى أبو عمير، وأن من قال فى السند: " حبيب بن أبى ثابت فقد أخطأ ."ثم ساقه من طريق طعمة، ومن طريق خالد بن طهمان على الصواب .فأحدهما يقوى الآخر كما سبق .والله تعالى أعلم(سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۲۶۵۲)

[2] عن مسلم بن أسلم بن بجرة، أخى الحارث بن الخزرج، وكان شيخا كبيرا قد حدث نفسه قال :إن كان ليدخل المدينة فيقضى حاجته بالسوق ثم يرجع إلى أهله، فإذا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن چالیس نمازیں مسجدِ نبوی میں پڑھنے کی جو فضیلت مذکورہ حدیث میں بیان کی گئی ہے، اس کو مسجدِ نبوی کی نمازوں کی فضیلت کی حد تک تو تسلیم کیا جاسکتا ہے، مگر اس سلسلہ میں یہ عقیدہ رکھنا مناسب نہیں کہ وہاں چالیس نمازیں پڑھنے سے بہرحال جہنم اور نفاق سے برائت اور عذاب سے نجات حاصل ہوجاتی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وضع رداء ہ ذکر أنه لم يصل فی مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فيقول :والله ما صليت فی مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فإنه قد قال لنا :من هبط منكم إلى هذه القرية فلا يرجعن إلى أهله حتى يركع ركعتين فی هذا المسجد ثم يرجع إلى أهله (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ١٠٥٥)

قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الكبير، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٥٨٧٩، باب فيمن ورد المدينة ولم يصل فی المسجد)

[1] والذی يظهر بعد التامل الصادق، هو قبول الضعيف فی ثبوت الاستحسان وجوازه، فاذا دل حديث ضعيف على استحباب شیء او جوازه، ولم يدل دليل آخر صحيح عليه، وليس هناک مايعارضه ورجح عليه، قبل ذلک الحديث وجاز العمل بما افاده واقول باستحباب مادل عليه او جوازه.

غاية مافی الباب ان يكون مثل هذا الاستحباب والجواز ادون رتبة من الاستحباب والجواز الثابت بالاحاديث الصحيحة والحسنة ويشترط قبوله بشروط:

احدها: ما اشرنا اليه من فقدان دليل آخر اقوى منه معارضا له، فان دل حديث صحيح او حسن، على كراهة عمل او حرمته، والضعيف على استحبابه وجوازه ، فالعمل يكون بالاقوى ، والقول بمفاده احرى.

وثانيها: ان لايكون الحديث شديد الضعف ، بان تفرد بروايته شديد الضعف ، كالكذاب، وفاحش الغلط، والمغفل، وغير ذلک، او كثرت طرقه، لكن لم يخل طريق من طرقه عن شدة الضعف، وذلک لان كون السند شديد الضعف، مع عدم مايجبر به نقصانه ، يجعله فی حكم العدم ، ويقربه الى الموضوع والمخترع، الذی لايجوز العمل به بحال .

وثالثها: ان يكون ماثبت به داخلا تحت اصل كلی من الاصول الشرعية غير مخالف للقواعد الدينية، لئلا يلزم اثبات مالم يثبت شرعا به، فانه اذا كان مادل عليه داخلا فی الاصول الشرعية، غير مناقض لها، فنفس جوازه ثابت بها.

والحديث الضعيف الدال عليه يكون مؤكدا عله، كذا الاستحباب، فان الجائزات تصير بحسن النية عبادة، فكيف اذا وجدمافيه شبهة ثبوت الاستحباب.

ورابعها: ان لايعتقد العامل به ثبوته بل الخروج عن العهدة بيقين، فانه ان كان صحيحا فی نفس

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی طرح خاص مسجدِ نبوی میں چالیس نمازیں پڑھنے میں زیادہ غلو کرنا اور کسی عذر سے نہ پڑھ سکنے والے افراد پر تنقید کرنا بھی ٹھیک نہیں، البتہ آسانی سے اس پر عمل میسر ہو، تو اچھی بات ہے۔

تکبیرِ اولیٰ کی فضیلت کب تک حاصل ہوجاتی ہے؟

اب یہاں یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ نماز پڑھنے کی مذکورہ فضیلت کس وقت تک حاصل ہوتی ہے؟

تو بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام کے ساتھ پہلی رکعت کو پالینے سے تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ شامل ہونے کی مذکورہ فضیلت حاصل ہوجاتی ہے۔

چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں حضرت عاصم سے روایت ہے:

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: مَنْ لَّمْ تَفُتْهُ الرَّكْعَةُ الْأُوْلٰى مِنَ الصَّلَاةِ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا، كُتِبَتْ لَهٗ بَرَائَتَانِ، بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ، وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ (مصنف عبدالرزاق رقم الحديث ٢٠١٩، كتاب الصلاة، باب فضل الصلاة فى جماعة)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الامر فذاک ، والا لم يترتب على العمل به فساد شرعي.

وقس عليه اذا دليل الحديث الضعيف على كراهة عمل، لم يدل على استحبابه دليل آخر، فيؤخذ به ويعمل بمفاده احتياطا ، فان ترك المكروه مسحتب ، وترك المباح لابأس فيه شرعا.

وبهذا كله يظهر لك دفع الاشكال الذى تصدى للجواب عنه الدوانى والخفاجي، وسلك كل منهما مسلكا مغايرا لمسلك الآخر.

وخلاصة الكلام، الرافع للاوهام ، هو ان ثبوت الاستحباب ، او الكرهة التى هى فى قوة الاستحباب ، او الجواز بالحديث الضعيف مع الشروط المتقدمة : لاينافى قولهم: انه لايثبت الاحكام الشرعية، فان الحكم باستحباب شيئ دل عليه الضعيف او كراهته: احتياطى ، والحكم بجواز شيئ دل عليه تاكيد لما ثبت بدلائل اخر، فلا يلزم منه ثبوت شيئ من الاحكام فى نفس الامر، ومن حيث الاعتقاد.

نعم لو لم تلاحظ الشروط المتقدمة ، لزم الاشكال البتة (ظفر الأمانى فى مختصر الجرجانى فى مصطلح الحديث، ص١٩٨ تا ٢٠٠، لمولانا عبدالحيى اللكنوى رحمه الله)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کی چالیس دن تک کسی نماز کی بھی پہلی رکعت فوت نہیں ہوئی تو اس کے لئے دو برائتیں لکھ دی جاتی ہیں، ایک برأت آگ سے اور دوسری برأت نفاق سے (عبدالرزاق)

یہ مضمون مرفوع سند سے بھی مروی ہے، اور اس طرح کا مضمون موقوف سند سے بھی مرفوع کا درجہ رکھتا ہے۔ [1]

علاوہ ازیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بھی ایک حدیث میں مذکورہ فضیلت پہلی رکعت میں شامل ہونے کی صورت میں بیان کی گئی ہے۔ [2]

مگر اس کی سند کو اہلِ علم حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [3]

اسی وجہ سے بعض فقہائے کرام کے نزدیک امام کے ساتھ پہلی رکعت کو پالینے والا تکبیر اولیٰ کی

---

[1] قال الالبانی:

(زاد الترمذی: البجلی) عن أنس نحوه موقوفا علیه لم یرفعه .قلت: وهذا لیس بعلة قادحة لأنه لا یقال بمجرد الرأی، فهو فی حکم المرفوع، لاسیما وقد رفعه عبد الرحمن بن عفراء الدوسی(سلسلة الاحادیث الصحیحة، تحت رقم الحدیث ۲۶۵۲)

[2] حدثنا عثمان بن أبی شیبة، حدثنا إسماعیل بن عیاش، عن عمارة ابن غزیة، عن أنس بن مالک،عن عمر بن الخطاب، عن النبی – صلی الله علیه وسلم – أنه کان یقول: " من صلی فی مسجد جماعة أربعین لیلة، لا تفوته الرکعة الأولی من صلاة العشاء، کتب الله له بها عتقا من النار"(سنن ابنِ ماجه، رقم الحدیث ۷۹۸)

[3] قال شعیب الارنؤوط:

إسناده ضعیف، إسماعیل بن عیاش ضعیف فی روایته عن غیر أهل بلده، وهذا منها، ثم إن عمارة بن غزیة لم یسمع من أنس فیما قاله الترمذی والدارقطنی .وقد رجح الترمذی الموقوف عند الحدیث رقم .(238)

وأخرجه أبو یعلی فی "المسند الکبیر "کما فی "مسند الفاروق "لابن کثیر 197 /1، والبیهقی فی "شعب الإیمان(2876) "، وابن عساکر فی "تاریخ دمشق /12 "ورقة 475من طریق إسماعیل بن عیاش، بهذا الإسناد.

وذکر الدارقطنی فی "العلل 118 /2 "أن محمد بن إسحاق قد رواه کإسماعیل ابن عیاش، یعنی أنه تابعه.

ورواه یحیی بن أیوب، عن عمارة بن غزیة، عن رجل، عن أنس، عن عمر فیما قاله الدارقطنی فی "العلل .118 /2 "(حاشیة سنن ابنِ ماجه، تحت رقم الحدیث ۷۹۸)

فضیلت کو پانے والا شمار ہوتا ہے، وہ الگ بات ہے کہ امام کے ساتھ شروع سے شامل ہونے والے کی فضیلت اس سے زیادہ ہے۔ [1]

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

---

[1] (وعن أنس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " من صلى لله) أى: خالصا (أربعين يوما) أى: وليلة (فى جماعة): متعلق بصلى (يدرک): حال (التكبيرة الأولى): ظاهرها التكبيرة التحريمية مع الإمام، فاحتمل أن تشمل التكبيرة التحريمية للمقتدى عند لحوق الركوع، فيكون المراد إدراک الصلاة بكمالها مع الجماعة، وهو يتم بإدراک الركعة الأولى(مرقاة المفاتيح، ج٣ص٨٨٠، كتاب الصلاة، باب ما على المأموم من المتابعة وحكم المسبوق)

ويستنبط من هذا أن من أدرک الركعة الأولى مع الامام فقد أدرک تكبيرة الافتتاح لأن ما فى الرواية الأخرى يدل على ذلک واردها صاحب المشكاة وقد اختلفوا فى تكبيرة الافتتاح فمنهم من يقول من أدرک تكبيرة مع تكبيرة الامام ومنهم من يقول من أدرک الامام قبل شروع القرائة ومنهم من يقول ما قلنا انفا الأول مشدود الثالث فيه تخفيف ومع ذلک يؤيده الحديث والله أعلم (إنجاح الحاجة شرح سنن ابنِ ماجه،لعبد الغنى المجددى، ص٥٨، تحت رقم الحديث ٧٩٨)

عند أبى حنيفة واجد الركعة الأولى واجد فضل التحريمة ، أى فضل التحريمة ممتد إلى الركوع ، وقال علماء المذاهب الأربعة :من أدرک الركوع أدرک الركعة ، خلاف الضُّبعى تلميذ ابن خزيمة ، وتقى الدين السبكى ، وقال الحافظ :ما نسب إلى ابن خزيمة ما وجدته فى صحيحه ، أقول :إنه كان منسوباً إلى تلميذه فاختلط على البعض ، ونسبوه إلى ابن خزيمة أيضاً ، وكان يقول الشوكانى أولاً مثل قول الضُّبعى ، ثم رجع عنه فى فتاواه .قوله :(من صلى أربعين يوماً) اشتهر بين العوام :من صلى أربعين يوماً بالجماعة يعتاد الصلاة ، لعلهم أخذوا من هذا الحديث ولكنه ضعيف.

قوله :(عن أنس موقوفاً) أقول :لا مدخل للعقل فى ذكر البراء تين ، فلا بد من كونه مرفوعاً حكماً (العرف الشذى ج ١ ص ٢٧٢ ، ابواب الصلاة ،باب ما جاء فى فضل التكبيرة الأولى)

(فصل نمبر 4)

مسجدِ بیتُ المقدس میں نماز کی فضیلت

قرآن وسنت سے بیت المقدس اور اس میں نماز کی فضیلت واہمیت بھی معلوم ہوتی ہے۔

قرآن کی رُو سے مسجدِ اقصٰی کے اردگرد کی فضیلت

سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ

(سورة بنی اسرائیل، رقم الآیة ۱)

ترجمہ: پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصٰی تک جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے تاکہ دکھائیں اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے، وہی ہے سننے والا دیکھنے والا (سورہ بنی اسرائیل)

مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ مسجدِ اقصٰی اور اس کے اردگرد کی جگہ بابرکت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَمَّا فَرَغَ سُلَیۡمَانُ ابۡنُ دَاوُدَ عَلَیۡہِمَا السَّلَامُ مِنۡ بِنَاءِ بَیۡتِ الۡمَقۡدِسِ سَأَلَ اللّٰہَ ثَلَاثًا: حُکۡمًا یُصَادِفُ حُکۡمَہٗ، وَمُلۡکًا لَّا یَنۡبَغِیۡ لِأَحَدٍ مِّنۡ بَعۡدِہٖ، وَأَلَّا یَأۡتِیَ ہٰذَا الۡمَسۡجِدَ أَحَدٌ لَا یُرِیۡدُ إِلَّا الصَّلَاۃَ فِیۡہِ إِلَّا خَرَجَ مِنۡ ذُنُوۡبِہٖ کَیَوۡمِ

وَلَدَتْهُ أُمُّهُ ،فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:أَمَّا اِثْنَتَانِ فَقَدْ أُعْطِيَهُمَا وَأَرْجُوْ أَنْ يَّكُوْنَ قَدْ أُعْطِيَ الثَّالِثَةَ (سنن ابن ماجه) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب سلیمان بن داؤد علیہما السلام بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے، تو انہوں نے اللہ سے تین چیزوں کا سوال کیا، ایک تو ایسے فیصلے کا جو اللہ کے فیصلہ (اور حکم) کے مطابق ہو، اور دوسرے ایسی بادشاہت کا جو اِن کے بعد کسی کو حاصل نہ ہو، اور تیسرے یہ کہ اس مسجد (یعنی بیت المقدس) میں جو بھی صرف نماز کے ارادے سے آئے، تو وہ اس مسجد سے اس طرح گناہوں سے پاک ہو کر نکلے، جس طرح پیدائش کے دن تھا۔

نبی نے فرمایا کہ (پہلی) دو تو ان کو مل گئیں، اور مجھے امید ہے کہ تیسری (یعنی بیت المقدس میں نماز کی مذکورہ فضیلت) بھی مل جائے (سنن ابن ماجہ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

تَذَاكَرْنَا وَنَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّهُمَا أَفْضَلُ:

---

[1] رقم الحديث ١٤٠٨ ،ابواب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فى الصلاة فى مسجد بيت المقدس،صحيح ابن حبان، رقم الحديث ١٦٣٣ .

قال شعيب الارنؤوط:

إسناده صحيح (حاشية صحيح ابن حبان)

و قال ايضاً:

حديث صحيح، وهذا إسناد ضعيف لضعف أيوب بن سويد الرّملي، ولكنه متابع .عبد الله بن الدّيلمي :هو ابن فيروز. وأخرجه النسائي 34 /2من طريق ربيعة بن يزيد، عن أبي إدريس الخولاني، عن ابن الديلمي، به وهو في "مسند أحمد "(6644) و"صحيح ابن حبان "(1633) من طريق ربيعة ابن يزيد، عن ابن الديلمي، به .وهذا لا يضر ولا يُعَلُّ به الحديث، ويكون ربيعة سمعه من الاثنين، فالإسناد صحيح (حاشية سنن ابن ماجه)

مَسْجِدُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، أَوْ مَسْجِدُ بَیْتِ الْمَقْدِسِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: صَلَاۃٌ فِیْ مَسْجِدِیْ ھٰذَا أَفْضَلُ مِنْ أَرْبَعِ صَلَوَاتٍ فِیْہِ، وَلَنِعْمَ الْمُصَلّٰی، وَلَیُوشِکَنَّ أَنْ لَّا یَکُوْنَ لِلرَّجُلِ مِثْلُ شَطَنِ فَرَسِہٖ مِنَ الْأَرْضِ حَیْثُ یَرٰی مِنْہُ بَیْتَ الْمَقْدِسِ خَیْرٌ لَّہُ مِنَ الدُّنْیَا جَمِیْعًا ،أَوْ قَالَ: خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۸۵۵۳، کتاب الفتن والملاحم، المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۶۹۸۳) [1]

ترجمہ: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) اور بیتُ المقدس کی مسجد میں سے کون سی مسجد افضل ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اس مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) میں نماز پڑھنا، بیتُ المقدس کی مسجد میں چار نمازوں سے افضل ہے، اور وہ (یعنی بیتُ المقدس) بہت ہی عمدہ نماز کی جگہ ہے، اور قریب ہے کہ (ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ) آدمی کے پاس اپنے گھوڑے کی رسی کے برابر بھی زمین کا کوئی حصہ نہیں ہوگا، جہاں سے بیت المقدس دیکھا جاسکے، وہ (یعنی وہ حصہ جہاں سے بیتُ المقدس کو دیکھا جاسکے) تمام دنیا سے بہتر ہوگا، یا یہ فرمایا کہ دنیا و ما فیھا سے بہتر ہوگا (حاکم، طبرانی)

---

[1] قال الحاکم: ھذا حدیث صحیح الاسناد، ولم یخرجاہ.
و قال الذھبی فی التلخیص: صحیح.
و قال الھیثمی: رواہ الطبرانی فی الأوسط، ورجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۵۸۷۴)
و قال الالبانی:
قال الحاکم عقبہ " :صحیح الإسناد ."ووافقہ الذھبی.
وھو کما قالا .وقال الھیثمی فی "المجمع "(7/4) " : رواہ الطبرانی فی "الأوسط "، ورجالہ رجال الصحیح (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، تحت رقم الحدیث ۲۹۰۲)

اس طرح کا مضمون ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ بیتُ المقدس میں ایک نماز کا ثواب، مسجدِ نبوی کے چوتھائی ثواب کے برابر ہے، اور صحیح احادیث کی رُو سے مسجدِ نبوی میں ایک نماز کا ثواب، ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے، تو اس کے چوتھائی کے حساب سے بیت المقدس میں ایک نماز کا ثواب اڑھائی سو (250) نمازوں کے برابر ہوا۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث

مگر حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں بیت المقدس کی ایک نماز کا ثواب، پانچ سو (500) نمازوں کے برابر بتایا گیا ہے، اور یہ ثواب مسجدِ نبوی کے مقابلہ میں چوتھائی کے بجائے ''نصف'' یعنی آدھا بنتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيه وَسَلَّمَ: فَضُلُ الصَّلَاةِ فِي الْمَسْجِدِ

---

[1] حدثنا أحمد بن المعلى الدمشقي، ثنا هشام بن عمار، ثنا الوليد بن مسلم، ثنا سعيد بن بشير، (عن قتادة) ، عن عبد الله بن الصامت، عن أبي ذر، قال :قلت :يا رسول الله الصلاة في مسجدك هذا أفضل من صلاة في بيت المقدس؟ فقال :صلاة في مسجدي هذا أفضل من أربع صلوات فيه، ولنعم المصلي، هي أرض المحشر والمنشر (مسند الشاميين للطبراني، رقم الحديث ٢٧١٤)

قال المنذري:

وعن أبي ذر رضي الله عنه أنه سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصلاة في بيت المقدس أفضل أو في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال صلاة في مسجدي هذا أفضل من أربع صلوات فيه ولنعم المصلي هو أرض المحشر والمنشر وليأتين على الناس زمان ولقيد سوط أو قال قوس الرجل حيث يرى منه بيت المقدس خير له أو أحب إليه من الدنيا جميعا.

رواه البيهقي بإسناد لا بأس به وفي متنه غرابة(الترغيب والترهيب من الحديث الشريف،للمنذري، رقم الحديث ١٨٤٠ ، كتاب الحج،الترغيب في الصلاة في المسجد الحرام ومسجد المدينة وبيت المقدس وقباء)

الْحَرَامِ عَلٰى غَيْرِهٖ مِئَةَ أَلْفِ صَلَاةٍ وَفِيْ مَسْجِدِيْ أَلْفُ صَلَاةٍ وَفِيْ مَسْجِدِ بَيْتِ الْمَقْدَسِ خَمْسَمِئَةِ صَلَاةٍ (مسند البزار، رقم الحديث ۴۱۴۲)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجدِ حرام میں ایک نماز کا ثواب، دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، اور میری مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) میں ایک نماز کا ثواب، ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے، اور بیتُ المقدس کی مسجد میں ایک نماز کا ثواب، پانچ سو نمازوں کے برابر ہے (بزار)

امام بزار اور ابنِ عدی نے اس حدیث کو سند کے اعتبار سے حسن قرار دیا ہے۔ [1]

جبکہ بعض حضرات نے اس حدیث کو سند کے اعتبار سے ضعیف قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] قال البزار: وهذا الحديث لا نعلمه يروى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من وجه من الوجوه بهذا اللفظ الا من هذا الوجه بهذا الاسناد، واسناده حسن (مسند البزار)

حدثنا محمد بن هارون بن حميد، حدثنا محمد بن يزيد الأدمي، حدثنا سعيد بن سالم القداح عن سعيد بن بشير عن إسماعيل بن عبيد الله عن أم الدرداء، عن أبى الدرداء عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :فضل الصلاة فى المسجد الحرام على غيره مئة ألف صلاة وفى مسجدى ألف صلاة وفى مسجد بيت المقدس خمسمئة صلاة.

.......قال الشيخ :ولسعيد بن سالم له غير ما ذكرت من الحديث، وهو حسن الحديث وأحاديثه مستقيمة ورأيت الشافعي كثير الرواية عنه كتب عنه بمكة، عن ابن جريج والقاسم بن معن وغيرهما، وهو عندى صدوق لا بأس به مقبول الحديث (الكامل فى ضعفاء الرجال، ج۴،ص ۴۵۳، تحت الترجمة: سعيد بن سالم القداح)

[2] الصلاة فى المسجد الحرام بمائة ألف صلاة، والصلاة فى مسجدى بألف صلاة، والصلاة فى بيت المقدس بخمسمائة صلاة"

قال الحافظ :وروى البزار والطبرانى من حديث أبى الدرداء رفعه :فذكره، قال البزار :إسناده حسن"ضعيف. أخرجه البزار (كشف 422) والطحاوى فى "المشكل "(609) وابن عدى (3/ 1234) وابن عبد البر فى "التمهيد "(30 /6) من طريق سعيد بن سالم القداح ثنا سعيد بن بشير عن إسماعيل بن عبيد الله عن أم الدرداء عن أبى الدرداء مرفوعاً "فضل الصلاة فى المسجد الحرام على غيره مائة ألف صلاة، وفى مسجدى ألف صلاة، وفى مسجد بيت المقدس خمسمائة صلاة " قال البزار :لا نعلمه يُروى بهذا اللفظ مرفوعاً إلا بهذا الإسناد " وقال الهيثمى :رواه الطبرانى فى "الكبير "ورجاله ثقات وفى بعضهم كلام وهو حديث حسن "المجمع 7 /4 قلت :سعيد بن بشير ضعفه أحمد وابن معين وابن المدينى وأبو مسهر وأبو داود والنسائى وابن حبان وابن نمير

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس طرح کا مضمون حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے، مگر اس کی سند میں بھی ضعف پایا جاتا ہے۔[1]

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث

مذکورہ احادیث کے برعکس ایک حدیث میں بیت المقدس کی ایک نماز کا ثواب، ایک ہزار نمازوں کے برابر بتایا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَفْتِنَا فِيْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، قَالَ: أَرْضُ الْمَحْشَرِ وَالْمَنْشَرِ، اِئْتُوْهُ فَصَلُّوْا فِيْهِ، فَإِنَّ صَلَاةً فِيْهِ كَأَلْفِ صَلَاةٍ فِيْ غَيْرِهٖ، قُلْتُ: أَرَأَيْتَ إِنْ لَّمْ أَسْتَطِعْ أَنْ أَتَحَمَّلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: فَتُهْدِيْ لَهٗ زَيْتًا يُسْرَجُ فِيْهِ، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَهُوَ كَمَنْ أَتَاهُ (سنن ابن ماجه)[2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والدارقطنی وغيرهم، وقواه بعضهم. وتابعه سعيد بن عبد العزيز الدمشقي عن إسماعيل بن عبيد الله بن أبي المهاجر الدمشقي به، لكنه قال "وصلاة في بيت المقدس أفضل من ألف صلاة فيما سواه" ولم يذكر الصلاة في المسجد النبوی. أخرجه الفاكهي في "أخبار مكة "(1186) عن محمد بن أبي مقاتل البلخي ثنا المسيب بن واضح ثنا سليم بن مسلم المكي عن سعيد به. وإسناده ضعيف لضعف المسيب وسليم(أَنِيسُ السَّارى فى تخريج وَتحقيق الأحاديث التى ذكرها الحَافظ ابن حَجر العسقلانى فى فَتح البَارى، ج۵، ص ۳۴۸۰، حرف الصاد)

[1] يحيى بن أبي حية أبو جناب الكلبي كوفي واسم أبي حية حي..... حدثنا عمرو بن حفص بن عمر بن الخيار وأحمد بن علي، قالا: حدثنا عبد الله بن أحمد بن أبي ميسرة، حدثني أبي، حدثني يحيى بن أبي حية عن عثمان بن الأسود عن مجاهد عن جابر، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم الصلاة فى المسجد الحرام مئة ألف صلاة والصلاة فى مسجدى ألف صلاة والصلاة فى مسجد بيت المقدس خمسمئة صلاة....وأبو جناب له غير ما ذكرت، وهو من جملة المتشيعين بالكوفة(الكامل فى ضعفاء الرجال، ج۹، ص۵۲، تحت الترجمة: سعيد بن سالم القداح)

[2] رقم الحديث ۱۴۰۷، ابواب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فى الصلاة فى مسجد بيت المقدس.

ترجمہ: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہمیں بیتُ المقدس کے متعلق فتویٰ دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ حشر نشر (قبروں سے اٹھ کر آنے اور جمع ہونے) کی زمین ہے، وہاں جا کر نماز پڑھو، کیونکہ وہاں کی نماز باقی جگہوں کی ہزار نمازوں کے برابر ہے، میں نے عرض کیا کہ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے کہ اگر میں وہاں جانے کی استطاعت نہ رکھوں، تو پھر کیا کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہاں کے لئے تیل بھیج دو، جس سے وہاں روشنی کا انتظام ہوجائے، پس جس نے یہ عمل کیا، وہ ایسا ہے، جیسا کہ وہاں پہنچ گیا (اور وہاں پہنچ کر نماز پڑھ لی) (سنن ابن ماجہ)

بعض حضرات نے اس حدیث کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔ [1]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده ضعيف، زياد بن أبى سودة وإن روى عنه جمع، ووثقه مروان بن محمَّد الدمشقى فيما نقله عنه أبو زرعة فى "تاريخه338 /1 "، وذكره ابن حبان فى "الثقات"، إلا أن الذهبى رحمه الله قال فى "الميزان :"فى النفس شىء من الاحتجاج به، وأورد له هذا الحديث وقال :هذا حديث منكر جدًا، ثم نقل عن عبد الحق فى "الأحكام الوسطى 298 /1 "قوله فيه: ليس هذا الحديث بقوى، وقول ابن القطان فى "الوهم والإيهام :535 /5 "زياد وعثمان ممن يجب التوقفُ فى روايتهما، وقال الحافظ فى "الإصابة 130 /8 "فى ترجمة ميمونة بنت سعد عن حديثها هذا :فيه نظر.

وأخرجه أحمد (27626) و (27627)، وأبو يعلى (7088)، والطحاوى فى "شرح مشكل الآثار "(610)، والطبرانى فى "الكبير"(25\55)، وفى "مسند الشاميين "(471)، والضياء المقدسى فى "فضائل بيت المقدس "(17)، والمزى فى "تهذيب الكمال "فى ترجمة زياد بن أبى سودة 482 - 481 /9من طريق عيسى بن يوش، وابن أبى عاصم فى "الآحاد والمثانى " (3448)، والطبرانى فى "الكبير"(25\56)من طريق صدقة بن صدقة، كلاهما عن ثور بن يزيد الحمصى، بهذا الإسناد .ووهم أبو يعلى فجعله من مسند ميمونة زوج النبى -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وأخرجه الطبرانى فى "مسند الشاميين "(472) من طريق أصبغ بن يزيد، عن ثور بن يزيد، عن زياد بن أبى سودة، عن ميمونة، لم يذكر أخا زياد.

وأخرجه الضياء فى "فضائل بيت المقدس "(16) من طريق عمرو بن الحصين، عن يحيى بن العلاء ،عن ثور، عن زياد، عن أبى أمامة، عن ميمونة بنت الحارث زوج النبى -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -. قال الضياء :كذا روى هذا الحديث عمرو بن الحصين عن يحيى بن العلاء ، وكلاهما لا يحتج به،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ مذکورحدیث کوبعض حضرات نے صحیح یا کم ازکم حسن قرار دیا ہے۔ [1]

چنانچہ علامہ بوصیری نے اس حدیث کوصحیح قرار دیا ہے۔ [2]

اور امام عجلونی نے اس حدیث کوحسن قرار دیا ہے۔ [3]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والمعروف حديث ميمونة مولاة رسول الله -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-، وليست بابنة الحارث.
وأخرجه أبو داود (457)، والطبرانى فى "مسند الشاميين "(344)، والبيهقى 441 /2، والبغوى فى "شرح السنة "(456)، والمزى فى ترجمة زياد بن أبى سودة من "تهذيب الكمال 481 /9" من طريق سعيد بن عبد العزيز، والطحاوى فى "شرح المشكل "(611) و (612)، والطبرانى فى "الكبير"(54\25)، وفى "مسند الشاميين"(1947)، والمزى 482 /9من طريق معاوية بن صالح، كلاهما عن زياد ابن أبى سودة، عن ميمونة .لم يذكرا أخا زياد (حاشية سنن ابن ماجه)

[1] حدثنا أبو موسى إسحاق بن إبراهيم الهروى حدثنا عيسى بن يونس، حدثنا ثور بن يزيد، عن زياد بن أبى سودة، عن أخيه، عن ميمونة قالت: يا رسول الله، أفتنا فى بيت المقدس قال: هو أرض المحشر وأرض المنشر ائتوه فصلوا فيه، فإن صلاة فيه كألف صلاة، قلنا: يا رسول الله فمن لم يستطع أن يتحمل إليه؟ قال: من لم يستطع أن يأتيه فليهد إليه زيتا يسرج فيه، فإن من أهدى إليه زيتا كان كمن قد أتاه (مسند ابى يعلىٰ، رقم الحديث ٧٠٨٨)

قال حسين سليم أسد: إسناده صحيح(حاشية مسند ابى يعلىٰ)
وقال الهيثمى: ورواه أبو يعلى بتمامه من حديث ميمونة زوج النبى -صلى الله عليه وسلم -والله أعلم، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٥٨٧٢)

[2] قال البوصيرى: هذا إسناد ضعيف لضعف عمرو بن حصين شيخ أبى يعلى.
روى أبوداود بعضه من طريق زياد بن أبى سودة، عن ميمونة.
ورواه ابن ماجه بتمامه من طريق زياد بن أبى سودة، عن أخيه عثمان بن أبى سودة، عن ميمونة به.
وهو إسناد صحيح كما بينته فى الكلام على زوائد ابن ماجه ، وحديث هذا الباب من مسند أبى أمامة.
قال عبدالله بن أحمد فى كتاب الزهد :حدثنى الحسن -هو ابن واقع -عن ضمرة، عن أبى عنان اللخمى، عن سليمان بن كيسان أبى عيسى الخراسانى قال " :من صلى الفريضة فى بيت المقدس فى جماعة كانت له بخمس وعشرين ألف صلاة، ومن صلاها وحده كانت له بألف صلاة (اتحاف الخيرة المهرة، ج٢، ص ٢٥، تحت رقم الحديث ٩٦١، كتاب المساجد، باب خير البقاع المساجد)

[3] قال العجلونى: بيت المقدس أرض المحشر والمنشر. رواه ابن ماجه عن ميمونة مولاة النبى -صلى الله عليه وسلم -قالت :قلت :يا رسول الله ,أفتنا فى بيت المقدس، قال" :أرض المحشر والمنشر، ائتوه فصلوا فيه؛ فإن صلاة فيه كألف صلاة فى غيره "الحديث.ورواه أيضا أبو على بن السكن، وأبو داود، ومعاوية بن صالح.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورعلامہ ناصرالدین البانی صاحب نے اس حدیث کوحسن یا صحیح قرار دیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أقول :إن الصحيح :الصلاة فيه كخمسمائة صلاة فى غيره.
وقال ابن الغرس :ورأيت فى كتاب خلاصة البدر المنير فى تخريج أحاديث الشرح الكبير للرافعى, لسراج الدين بن الملقن ما صورته :حديث "صلاة فى مسجد إيليا تعدل ألف صلاة فى غيره "رواه ابن ماجه من رواية ميمونة بإسناد حسن .فاستفدنا منه أن حديث الترجمة حسن ,والله أعلم (كشف الخفاء، ج ۱، ص ۳۳۴، تحت رقم الحديث ۹۲۹،حرف الباء الموحدة)

[1] قال الالباني: الحديث من رواية ميمونة بنت سعد رضى الله عنها مولاة النبى صلى الله عليه وسلم قالت :يا نبى الله أفتنا فى بيت المقدس .فقال :(أرض المنشر والمحشر ائتوه. . .) إلخ.
أخرجه أحمد (463 /6) وابن ماجه (430 - 429 /1) من طريق عيسى ابن يونس قال :ثنا ثور عن زياد بن أبى سودة عن أخيه عثمان بن أبى سودة عنها وهذا سند حسن أو صحيح رجاله ثقات رجال البخارى غير زياد بن أبى سودة وأخيه عثمان وهما ثقتان كما فى (التقريب) وقد وثقهما ابن حبان وغيره وروى عن كل منهما جماعة من الثقات وقد أورده الهيثمى (7 - 6 /4) من طريق أبى يعلى وقال: (ورجاله ثقات)
وأما الذهبى فخالف حيث قال فى ترجمة عثمان بن أبى سودة: (وثقة مروان الطاهرى -كذا ولعل الصواب :الطاطرى -وابن حبان .قلت :فى النفس شىء من الاحتجاج به)
وقال فى ترجمة أخيه زياد -وقد ساق له هذا الحديث (هذا حديث منكر جدا .قال عبد الحق :ليس هذا الحديث بقوى وقال ابن القطان :زياد وعثمان ممن يجب التوقف عن روايتهما)
كذا قالوا ولم يذكروا حجتهم فيما إليه ذهبوا ولم أجد لهم فى ذلك سلفا من المتقدمين من أهل الجرح والتعديل وقد علمت مما أوردنا أنهما ثقتان عند ابن حبان وغيره من المتقدمين والمتأخرين كالحافظ ابن حجر وشيخه الهيثمى وغيرهما ممن يأتى ولم يظهر لى وجه الحكم بالنكارة التى جزم بها عند ابن حبان وغيره من المتقدمين والمتأخرين كالحافظ ابن حجر وشيخه الذهبى ولذلك كله فإنى أذهب -بعد أن استخرت الله تعالى -إلى أن الحديث قوى ثابت وأن من جرحه لا حجة معه.
نعم قد رواه بعضهم فأعله فأخرجه أبو داود (75 /1) ومن طريقه البيهقى (441 /2) عن سعيد بن عبد العزيز عن زياد بن أبى سودة عن ميمونة مولاة النبى صلى الله عليه وسلم أنها قالت ... الحديث مختصرا وليس فيه أن الصلاة فيه كألف (الثمر المستطاب فى فقه السنة والكتاب للالبانى، ج۲، ص ۵۴۲ و ۵۴۳، كتاب الصلاة، المسجد الاقصىٰ)
و قال ايضاً: قلت :كذا قالوا، ولم يذكروا حجتهم فيما إليه ذهبوا، ولم أجد لهم فى ذلك سلفا من المتقدمين من أهل الجرح والتعديل، وقد وثق ابنى أبى سودة، مروان بن محمد وابن حبان، والحافظ الهيثمى والعسقلانى، وغيرهما ممن يأتى، ولم يظهر لى وجه الحكم بالنكارة على الحديث من الذهبى؛ إلا أن يكون هو هذه الزيادة: "فإن صلاة فيه كألف صلاة فيما سواه "، لأن المعروف أن هذا الفضل إنما هو لمسجد النبى صلى الله عليه وسلم، كما جاء فى "الصحيحين "

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی رحمہ اللہ (المتوفی 902ہجری) نے ''البلدانیات'' میں تفصیلی بحث کے بعد، اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وغيرهما عن جمع من الصحابة، وقد ذكرنا أحاديثهم بطرقها عنهم مستقصى فى "الثمر المستطاب ." ويظهر لى أنه لا منافاة بين هذه الأحاديث وحديث الباب، لأنه صح أيضا عن النبى صلى الله عليه وسلم أن الصلاة فى مسجده أفضل من أربع صلوات فى مسجد بيت المقدس، فمسجده صلى الله عليه وسلم أفضل على كل حال، وقد تكلمنا على هذا بزيادة فى الكتاب المشار إليه.

ثم إن ثور بن يزيد لم يتفرد بروايته موصولا، بل تابعه معاوية بن صالح كما ذكر الحافظ فى " الإصابه ."وقال النووى فى "المجموع "(8/271) ما مختصره: "رواه أحمد وابن ماجه بإسناد لا بأس به، ورواه أبو داود مختصرا بإسناد حسن ." كذا قال !وإسناد الصنف منقطع كما سبق بيانه، فكيف يكون حسنا؟! وقال البوصيرى فى "الزوائد :"

"روى أبو داود بعضه، وإسناد طريق ابن ماجه صحيح، ورجاله ثقات، وهو أصح من طريق أبى داود، فإن بين زياد بن أبى سودة وميمونة عثمان بن أبى سودة، كما صرح به ابن ماجه فى طريقه، كما ذكره صلاح الدين فى "المراسيل وقد ترك فى أبى داود ."نقله السندى.

وجملة القول؛ أن الحديث عندنا صحيح ثابت .والله أعلم. ثم وقفت على وجه النكارة التى أطلقها الذهبى على الحديث، وهو قوله فى "المهذب "(1/80/2): "وهذا خبر منكر، وكيف يسوغ أن يبعث بزيت ليسرجه النصارى على التماثيل والصلبان؟ وأيضا؛ فالزيت منبعه من الأرض المقدسة، فكيف يأمرهم أن يبعثوا به من الحجاز؛ محل عدمه إلى معدنه؟ !ثم إنه عليه السلام لم يأمرهم بوقود، ولا بقناديل فى مسجده، ولا فعله، وميمونة لا يدرى من هى، ولا يعرف لعثمان سماع منها ."والحديث أخرجه البيهقى فى "شعب الإيمان "(2/1/1/82) من طريق سعيد ابن عبد العزيز الدمشقى، وعثمان بن عطاء عن زياد بن أبى سودة عن ميمونة زوج النبى صلى الله عليه وسلم مرفوعا مختصرا بلفظ : "من لم يأت بيت المقدس يصلى فيه؛ فليبعث بزيت يسرج فيه (ضعيف ابى داؤد للالبانی، ج ۱، ۱۶۰ و ۱۶۱، كتاب الصلاة، باب فى السرج فى المساجد)

[1] أخبرنى الشيخان ، الإمام ، التقى ، أبو بكر وأسماء ابنا محمد بن إسماعيل القلقشندى ببيت المقدس ، قلت لهما :أخبركما الشهاب ، أبو الخير أحمد بن الحافظ أبى سعيد العلائى سماعاً للمرأة وإذناً إن لم يكن سماعاً للآخر قال :أنا أبو محمد عبد الله بن الحسن بن عبد الله بن الحافظ عبد الغنى ، والعماد أبو بكر بن الرضى ، وأبو محمد عبد الله بن الحسين بن أبى التائب الأنصارى ، وحبيبة ابنة الزين عبد الرحمن ، وزينب ابنة الكمال ، وعائشة ابنة محمد بن المسلم ، وفاطمة ابنة عبد الرحمن بن عيسى الذهبى سماعاً قالوا :أنا إبراهيم بن خليل الدمشقى .زاد الثالث :وأبو محمد مكى بن المسلم بن مكى بن علان قال أولهما :أنا عبد الرحمن بن على بن الخرقى ، وقال ثانيهما :أنا الفضل بن الحسين البانياسى قالا :أنا على بن الحسن ، أنا محمد بن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امام طحاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ بیت المقدس، کا جو ثواب ایک ہزار نمازوں سے کم فرمایا تھا، وہ احادیث پہلے کی ہیں، پھر بعد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ علی المازنی ، أنا الفضل بن جعفر المؤذن ، أنا عبد الرحمن بن القاسم بن الفرج ، أنا عبد الأعلى بن مسهر ، ثنا سعيد بن عبد العزيز ، عن زياد بن أبی سودة ، عن ميمونة - رضی الله عنها -مولاة لرسول الله صلى الله عليه وسلم قالت :قلت يا رسول الله ، أفتنا في بيت المقدس .قال صلى الله عليه وسلم ' :ائتوه فصلوا فيه 'قالت :كيف والروم إذ ذاک فيه ؟ قال صلى الله عليه وسلم ' :فإن لم تستطيعوا فابعثوا بزيت يسرج فی قناديله . 'هذا حديث حسن .
أخرجه أبو داوود فی الصلاة من 'سننه 'عن النفيلی ، عن مسكين بن بكير .وأبو أحمد العسكری فی 'معرفة الصحابة 'من طريق مروان بن محمد كلاهما عن سعيد به .فوقع لنا عالياً . وسكت عليه أبو داود ؛ فهو على قاعدته صالح .ولم ينفرد به سعيد ؛ فقد رواه كذلک معاوية بن صالح عن زياد .أخرجه الطبرانی فی 'المعجم الكبير 'وعنه أبو نعيم فی 'المعرفة 'بلفظ : قلت :يا رسول الله ، أفتنا عن بيت المقدس .فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ' :أرض المحشر والمنشر .ائتوه فصلوا فيه ؛ فإن الصلاة فيه كألف صلاة 'قال :فقلت :أرأيت يا رسول الله ، من لم يطق أن يتحمل إليه أن يأتيه .فقال صلى الله عليه وسلم ' :فإن لم يطق ذلک فليهد إليه زيتاً يسرج فيه ؛ فمن أهدى إليه كان كمن صلى فيه . 'وكذا رواه البيهقی فی 'الشعب 'من حديث سعيد وعثمان بن عطاء الخراسانی كلاهما عن زياد ولفظه :أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ' :من لم يأت بيت المقدس يصلی فيه ؛ فليبعث بزيت يسرج فيه . 'ووصفت ميمونة فی هذه الرواية بأنها زوج النبی صلى الله عليه وسلم .وهو وهم .فهؤلاء جماعة متفقون على أنه عن زياد ، عن ميمونة بلا واسطة .لكن رواه ثور بن يزيد ، وصدقة بن يزيد ، ويزيد بن يزيد بن جابر كلهم عن زياد ؛ بإثبات عثمان أخی زياد بينهما .فحديث صدقة عند الطبرانی فی 'الكبير ' ، وحديث ثور عنده أيضاً ، وكذا عند أحمد فی 'مسنده 'وابنه عبد الله فی 'زوائده '، وابن ماجة فی ' سننه 'كلهم من حديث عيسى بن يونس عنه .ورواه أبو يعلى فی 'مسنده 'عن عمرو بن الحصين ، عن يحيى بن العلاء ، عن ثور ؛ فجعل الواسطة أبا أمامة .ونسب ميمونة :ابنة الحارث ، وأنها زوج النبی صلى الله عليه وسلم رضی الله عنها .ولكن عمرو وشيخه ضعيفان جداً ؛ وهذا الإسناد خطأ من أحدهما .ورواه محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان ، عن ثور فقال :عن مكحول أن ميمونة سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيت المقدس ؟ فقال صلى الله عليه وسلم ': نعم المسكن بيت المقدس ، ومن صلى فيه صلاة كانت بألف صلاة فيما سواه 'قالت :فمن لم يطق ذلک ؟ قال صلى الله عليه وسلم ' :فليهد زيتاً . 'وهذا مرسل ، فظاهره شهود مكحول سؤال ميمونة رضی الله عنها ، وعلى تقدير روايته له عنها فهو لم يسمع منها ؛ والذی قبله أصح . وزياد وثقه ابن حبان ، ومروان بن محمد الدمشقی .وكذا وثقا أخاه عثمان ، وهو مشهور بالرواية عن الصحابة ، وباقی رجاله أيضاً ثقات ، ولذا قال النووی فی 'شرح المهذب 'عن سند ابن ماجة : 'إنه لا بأس به 'بل قال العلائی ' :إنه حديث حسن أو صحيح إن شاء الله . 'قال ' :وهو أقوى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بیت المقدس کی نماز کے ثواب کو بڑھا کر، مسجدِ نبوی کے مطابق ایک ہزار نمازوں کے برابر کر دیا گیا۔ واللہ اعلم۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ما ورد فى مقدار المضاعفة فى الصلاة بالمسجد الأقصى . 'وحينئذ فقول الحافظ عبد الحق ': إنه ليس بقوى . 'وكذا قول الذهبى فى 'ميزانه ' : 'إنه منكر جداً 'فيه نظر ، ومقالة أولهما أخف ؛ وكأن ثانيهما استنكره من جهة تضمنه إهداء الزيت من الحجاز إلى الشام ، وهذا لا يصير الخبر منكراً ؛ خصوصاً ولا يمتنع حمله على إرسال ثمن لشراء ذلك .أخبرنى العز أبو محمد الحنفى ، عن أم محمد حفيدة الفخر ، أنبأنا جدى الفخر ابن البخارى حضوراً وإجازة ، أنا أبو البركات بن ملاعب ، أنا الشريف ، أبو جعفر العباسى ، المكى ، أنا أبو على الحسن بن عبد الرحمن الشافعى ، أنا أحمد بن إبراهيم بن فراس العبقسى ، أنا العباس بن محمد بن الحسن بن قتيبة العسقلانى ، ثنا دهشم بن الفضل بن خلف الرملى قال :سمعت ضمرة بن ربيعة يقول :ما رأيت لذة العيش إلا فى خصلتين :أكل الموز بالعسل فى ظل صخرة بيت المقدس ، وحديث إبراهيم بن أبى عبلة ؛ فلم أر أفصح منه (البلدانيات، ص ٦٤ الیٰ ٦٨، رقم الحديث ٤،البلد الرابع بيت المقدس)

[1] فوقفنا بذلك على أن الله تعالى من على عباده زيادة منه بتفضيل الصلاة فى مسجد القدس درجة فدرجة إلى أن ساواه فى الفضيلة بمسجد النبى صلى الله عليه وسلم (المعتصر من المختصر من مشكل الآثار لابى الحسن يوسف بن محمد الملطى "المتوفیٰ 803هجرى"، ج ا ، ص ٢٥، كتاب الصلاة، فى فضل المكتوبة فى المساجد)

ووجدنا فهدا وهارون بن كامل قد حدثانا قالا :حدثنا ابن صالح، عن معاوية بن صالح، عن زياد، عن ميمونة وليست بميمونة زوج النبى صلى الله عليه وسلم ,ثم ذكرا مثله غير أنهما قالا " :فإن الصلاة فيه كألف صلاة "ولم يقولا "فى غيره "فكان الذى فى هذا الحديث أن فضل الصلاة فى مسجد بيت المقدس كفضلها فى مسجد النبى عليه السلام فوقفنا بذلك على أن بعض ما فى هذه الآثار التى ذكرناها فى الفصل الأخير من هذا الباب قد نسخ بعضها بعضا ,ثم طلبنا تصحيحها، وما الناسخ فيها من المنسوخ، وكان مذهبنا فى النسخ فى مثل هذا أنه من الله تعالى رحمة لعباده وزيادة منه إياهم فى فضله عندهم، وفى رحمته لهم فوجب بذلك أن يكون أول الأحكام كانت فى ذلك على ما فى الآثار المروية فى فضل الصلاة فى مسجد النبى صلى الله عليه وسلم على ما سواه من المساجد سوى المسجد الحرام ,وأنه كالصلاة فى مسجد من المساجد سوى الثلاثة المساجد المذكورة فى الآثار الأول من هذا الباب ,ثم زاد الله تعالى من أتاه فصلى فيه ما رواه أبو ذر عن النبى صلى الله عليه وسلم فيه، ثم زاده الله تعالى فى ذلك أن جعله كخمس مائة صلاة فيما سوى هذه الثلاثة المساجد ,ثم زاده الله فيه فجعل صلاته فيه كألف صلاة فيما سواه من المساجد غير هذه الثلاثة المساجد، وجعلها كالصلاة فى مسجد النبى صلى الله عليه وسلم ,والله أعلم بمراده فى ذلك (شرح مشكل الآثار، ج٢، ص ٦٩، باب بيان مشكل ما روى عنه عليه السلام فى المساجد التى لا تشد الرحال إلا إليها، ومن فضل الصلاة فيها على غيرها من المساجد، وفى تساويها فى ذلك، أو فى فضل بعضها بعضا فيه)

اس فصل کا خلاصہ

خلاصہ یہ کہ متعدد معتبر احادیث کی رُو سے مسجدِ نبوی میں نماز کی فضیلت کا، بیت المقدس میں نماز سے زیادہ فضیلت والا ہونا معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

اور مسجدِ نبوی کی ایک نماز کی فضیلت صحیح احادیث کی رُو سے، ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ بیتُ المقدس میں نماز کی فضیلت، مسجدِ نبوی کی ایک ہزار نمازوں کی فضیلت سے کم ہو، جس کی تصریح ایک حدیث میں اڑھائی سو (250) نمازوں کی فضیلت کے ساتھ اور دوسری حدیث میں پانچ سو (500) نمازوں کی فضیلت کے ساتھ کی گئی ہے، جو کہ اصولی اعتبار سے راجح معلوم ہوتی ہے، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص بیتُ المقدس میں زیادہ مشقت کر کے پہنچے، مثلاً دور سے سفر کر کے آئے، تو اس کی فضیلت ہزار نمازوں کے برابر عطاء کی جائے، اور کم مشقت والے کی نماز کا ثواب اس سے کم پانچ سو یا اڑھائی سو نمازوں کے برابر، اس کی حسبِ مشقت حاصل ہو، نیز طحاوی کی تطبیق کو بھی لیا جاسکتا ہے کہ بتدریج اس کی فضیلت بڑھا کر مسجدِ نبوی کے برابر کر دی گئی۔

لیکن مدینہ منورہ یا اس کے قرب وجوار کے باشندوں کو بیتُ المقدس نماز کی فضیلت کو پانے کے لیے وہاں جانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ ان کو یہ بلکہ اس سے بڑھ کر فضیلت مسجدِ نبوی میں حاصل ہو جاتی ہے، اور غالباً اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ نبوی کے قرب و جوار کے اشخاص کو نماز کی فضیلت کے لیے بیت المقدس جانے کے بجائے، مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے کی فضیلت پر متوجہ فرمایا، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ.

(فصل نمبر5)

مسجدِ قباء اور اس میں نماز کی فضیلت

متعدد احادیث وروایات میں مسجدِ قباء میں حاضر ہونے اور وہاں نماز پڑھنے کی فضیلت کا ذکر پایا جاتا ہے، جس کی کچھ تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيْ مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ، مَاشِيًا وَرَاكِبًا وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَفْعَلُهُ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ کے دن مسجدِ قباء میں پیدل اور سوار ہوکر تشریف لاتے تھے، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی اسی طرح عمل کیا کرتے تھے (صحیح بخاری)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَزُوْرُ قُبَاءَ مَاشِيًا وَّرَاكِبًا (صحیح ابن حبان، رقم الحديث ١٦٢٨، كتاب الصلاة، باب المساجد) [2]

---

[1] رقم الحديث ١١٩٣، كتاب فضل الصلاة فى مسجد مكة والمدينة، باب من أتى مسجد قباء كل سبت.

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرطهما (حاشية صحيح ابن حبان)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ قباء کی پیدل اور سوار ہوکر، دونوں طریقوں سے زیارت کیا کرتے تھے (ابنِ حبان)

مذکورہ احادیث میں پیدل اور سوار ہوکر مسجدِ قبا کی زیارت کے لیے جانے کی صراحت پائی جاتی ہے۔

اوراس مقصد کے لیے باقاعدہ سفر کر کے آنا، جس کو ''شدِّ رحال'' بھی کہا جاتا ہے، وہ بھی جائز ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

حضرت اُسید بن ظُہیر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت اُسید بن ظُہیر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلصَّلَاةُ فِيْ مَسْجِدِ قُبَاءٍ كَعُمْرَةٍ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجدِ قباء میں نماز پڑھنا عمرہ کرنے کی طرح (فضیلت کا باعث) ہے (ترمذی)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

اس طرح کا مضمون حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی آیا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٣٢٤، ابواب الصلاة، باب ما جاء في الصلاة في مسجد قباء.
قال الترمذي: وفي الباب عن سهل بن حنيف، حديث أسيد حديث حسن صحيح، ولا نعرف لأسيد بن ظهير شيئا يصح غير هذا الحديث، ولا نعرفه إلا من حديث أبي أسامة، عن عبد الحميد بن جعفر، وأبو الأبرد اسمه زياد مديني.

[2] حدثني محمد بن الكرماني، قال :سمعت أبا أمامة بن سهل بن حنيف، يقول : قال أبي :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من خرج حتى يأتي هذا المسجد - يعني مسجد قباء -فيصلي فيه كان كعدل عمرة (مسنداحمد، رقم الحديث ١٥٩٨١)
قال شعيب الارنؤوط: صحيح بشواهده، وهذا إسناد حسن(حاشية مسند احمد)

اس طرح کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجدِ قباء میں نماز پڑھنا عظیم فضیلت کا باعث ہے، اوراس فضیلت کو پانے کے لیے سفر کرکے آنا بھی جائز ہوگا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عامر بن سعد اور عائشہ بنتِ سعد دونوں سے روایت ہے کہ ہم نے اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے یہ سنا کہ:

لَأَنْ أُصَلِّيَ فِيْ مَسْجِدِ قُبَاءَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُصَلِّيَ فِيْ مَسْجِدِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۴۲۸۰، کتاب الھجرۃ) [۱]

ترجمہ: میں مسجدِ قباء میں نماز پڑھوں، یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں بیت المقدس کی مسجد میں نماز پڑھوں (حاکم)

اس روایت کو امام ابنِ ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔ [۲]

نیز ابو زید عمر بن شبّہ (المتوفی ۲۶۲ ہجری) نے اپنی کتاب ''تاریخ المدینہ'' میں درجِ ذیل الفاظ کے ساتھ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

لَأَنْ أُصَلِّيَ فِيْ مَسْجِدِ قُبَاءٍ رَكْعَتَيْنِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ آتِيَ بَيْتَ الْمَقْدِسِ مَرَّتَيْنِ، لَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْ قُبَاءٍ لَضَرَبُوْا إِلَيْهِ أَكْبَادَ الْإِبِلِ

(تاریخ المدینة لابن شبة، ج ۱، ص ۴۲، باب الرخصة فی النوم فیه)

ترجمہ: میں مسجدِ قباء میں دو رکعت پڑھوں، یہ مجھے زیادہ محبوب ہے، اس بات سے کہ میں بیتُ المقدس میں دو مرتبہ جاؤں، اگر لوگ مسجدِ قباء میں نماز کے ثواب

---

[۱] قال الحاکم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه.
وقال الذهبی فی التلخيص: على شرط البخاری ومسلم.

[۲] حدثنا أبو خالد، عن هاشم بن هاشم، عن عائشة بنت سعد، قالت سمعت أبی يقول لأن أصلی فی مسجد قباء أحب إلی من أن أصلی فی بيت المقدس (مُصنف ابن أبی شيبة، رقم الحديث ۷۶۱۴)

کو جان لیں، تو اس کے لیے اونٹوں کے پتّے پانی کر کے آئیں (تاریخ مدینہ)

علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے بخاری کی شرح ''فتح الباری'' میں اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔[1]

اس طرح کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجدِ قباء میں نماز پڑھنے کا ثواب حاصل کرنے کے لیے ''شدِّ رحال'' یعنی باقاعدہ سفر کرنا بھی جائز ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث

عمر بن شبہ نے ''تاریخِ مدینہ'' میں اپنی سند کے ساتھ، سعید بن رقیش اسدی سے روایت کیا ہے کہ:

جَاءَ نَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِلٰى مَسْجِدِنَا فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ إِلٰى بَعْضِ هٰذِهِ السَّوَارِي ثُمَّ سَلَّمَ، وَجَلَسَ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ، فَقَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا أَعْظَمَ حَقَّ هٰذَا الْمَسْجِدِ لَوْ كَانَ عَلٰى مَسِيْرَةِ شَهْرٍ كَانَ أَهْلًا أَنْ يُؤْتٰى، مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ يُرِيْدُهٗ مُتَعَمِّدًا إِلَيْهِ لِيُصَلِّيَ فِيْهِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ أَقْلَبَهُ اللّٰهُ بِأَجْرِ عُمْرَةٍ (تاريخ المدينة لابن شبة، ج ١، ص ٤٢، باب الرخصة فى النوم فيه)

ترجمہ: ہمارے پاس حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ مسجدِ قباء میں تشریف لائے، پھر اس مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے پاس دو رکعتیں پڑھیں، پھر سلام پھیرا، اور بیٹھ گئے اور ہم بھی ان کے قریب بیٹھ گئے، پھر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! اس مسجد کا حق بہت عظیم ہے، اگر یہ مسجد

---

[1] رواه عمر بن شبة فى أخبار المدينة بإسناد صحيح عن سعد بن أبى وقاص قال لأن أصلى فى مسجد قباء ركعتين أحب إلى من أن آتى بيت المقدس مرتين لو يعلمون ما فى قباء لضربوا إليه أكباد الإبل (فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج٣، ص ٦٩، قوله باب من أتى مسجد قباء كل سبت)

ایک مہینہ کی مسافت پر بھی ہو، تو یہ مسجد اس بات کی مستحق ہے کہ یہاں پہنچا جائے،
جو شخص اپنے گھر سے اس میں چار رکعت پڑھنے کے لیے نکلا، تو اللہ تعالیٰ اس کو
ایک عمرہ کے برابر ثواب عطا فرماتا ہے (تاریخِ مدینہ)

علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مسجدِ قباء میں تو نماز کی فضیلت عمرہ کے برابر ہے، اور مسجدِ نبوی میں نماز کی فضیلت، ثواب کے اعتبار سے اضافہ والی ہے۔ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مضمون مروی ہے کہ اگر مسجدِ قباء ہم سے فاصلہ پر بھی ہوتی، تب بھی ہم اس کی طرف اونٹوں پر سفر کر کے آتے۔ [2]

---

[1] وفی الحدیث دلالة علی فضل قباء وفضل المسجد الذی بها وفضل الصلاة فیه لکن لم یثبت فی ذلک تضعیف بخلاف المساجد الثلاثه(فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج۳،ص ۶۹،قوله باب مسجد قباء)

[2] وأخرج ابن الجوزی فی مثیر العزم عن أبی غزیة قال کان عمر بن الخطاب یأتی قباء یوم الإثنین والخمیس فجاء یوماً فلم یجد أحداً من أهله فقال والذی نفسی بیده لقد رأیت رسول الله - صلّی الله علیه وسلم -وأبا بکر فی أصحابه ینقلون حجارته علی بطونهم یدسسه رسول الله -صلّی الله علیه وسلم -بیده وجبریل یؤم به البیت ومحلوف عمر بالله لو کان مسجدنا هذا بطرف من الأطراف لضربنا إلیه أکباد الإبل (اتحاف السادة المتقین بشرح إحیاء علوم الدین للزبیدی، ج۴ص ۴۲۵،کتاب الحج، الجملة العاشرة فی زیارة مسجد المدینة وآداب الزیارة)

وروی أبو عروبة قال :کان عمر بن الخطاب رضی الله عنه یأتی قباء کل یوم الاثنین ویوم الخمیس، فجاء یوماً فلم یجد أحداً من أهله، فقال :والذی نفسی بیده، لقد رأیتنا ورسول الله صلی الله علیه وسلم وأبا بکر فی أصحابه ننقل حجارته علی بطوننا، ویؤسسه رسول الله صلی الله علیه وسلم وجبریل علیه السلام یؤم به البیت .ومحلوف عمر بالله :لو کان مسجدنا هذا لطرف من الأطراف لضربنا إلیه أکباد الإبل.

وروی البخاری فی (الصحیح)قال :کان سالم مولی أبی حذیفة یؤم المهاجرین الأولین من أصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم فی مسجد قباء فیهم أبو بکر وعمر رضی الله عنهم أجمعین.

وروی أبو أمامة بن سهل بن حنیف، عن أبیه، عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه قال:(من توضأ فأسبغ الوضوء وجاء مسجد قباء فصلی فیه رکعتین کان له أجر عمرة)

وروت عائشة بنت سعد بن أبی وقاص عن أبیها قال :والله لأن أصلی فی مسجد قباء رکعتین أحب إلی من أن آتی إلی بیت المقدس مرتین، ولو یعلمون ما فیه لضربوا إلیه أکباد الإبل(الدرة الثمینة فی أخبار المدینة، ج۱،ص ۱۲۴، الباب الثالث عشر فی ذکر المساجد التی بالمدینة وفضلها ،مسجد قباء،لمحب الدین أبی عبد الله محمد بن محمود بن الحسن المعروف بابن النجار،المتوفی ۶۴۳ هجری)

بہرحال متعدد احادیث وروایات سے صراحتاً یا اشارتاً مسجد قباء میں نماز پڑھنے کی فضیلت کو پانے کے لیے باقاعدہ سفر کرنے یا ''شدِّ رحال'' کرنے کا ذکر واجازت ملتی ہے۔

البتہ یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ متعدد صحیح اور صریح احادیث میں مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ بیتُ المقدس کے علاوہ کی طرف سفر کرنے کو پسند نہیں کیا گیا، اور ان میں مسجدِ قباء کا استثناء مذکور نہیں۔

اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے ملاعلی قاری رحمہ اللہ مشکاۃ کی شرح میں فرماتے ہیں:

ثم مسجد قباء تابع لمسجده، أو ملحق به اقتداء به صلى الله عليه وسلم لما يأتي، ولعله إنما ترك ذكره لأنه مما لا تشد الرحال إليه غالبا (مرقاة المفاتيح، ج۲، ص ۵۸۹، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة)

ترجمہ: پھر مسجدِ قباء، مسجدِ نبوی کے تابع ہے، یا اس کے ساتھ ملحق ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس میں تشریف لانے کی اقتداء کی وجہ سے اور شاید اس کا ذکر اس وجہ سے ترک کردیا گیا ہے کہ عموماً اس کی طرف شدِّ رحال نہیں کیا جاتا (مرقاۃ)

مطلب یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے باشندے کے لیے مسجدِ قباء آنے کے لیے باقاعدہ سفر کرنے یا شدِّ رحال کی ضرورت نہیں، اور کسی دوسرے مقام سے باقاعدہ سفر کرکے آنے والے، مسجدِ نبوی اور قبرِ نبوی کی زیارت کے قصد سے سفر کرتے ہیں، پھر وہاں پہنچ کر مسجدِ قباء میں بھی حاضر ہوتے ہیں۔

گویا کہ باہر سے شدِّ رحال کرکے آنے والے کے لیے مسجدِ قباء کی فضیلت کا حصول مسجدِ نبوی وغیرہ کے تابع ہوتا ہے، اس لیے اس کا الگ سے ذکر نہیں کیا گیا۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

(الرسالةُ الثالثة)

مکہ مکرّمہ اور حدودِ حرم کی فضیلت

روئے زمین پر سب سے پہلا بیت، کعبہ مکرمہ کی شکل میں قائم ہوا ہے، جس کا قرآن مجید میں ذکر آتا ہے، اور بیتُ اللہ وکعبۃُ اللہ کی عظیم فضیلت واہمیت ہے، جس کی وجہ سے مسجدِ حرام اور مکہ مکرمہ یعنی پوری حدودِ حرم کو عظیم فضیلت واہمیت حاصل ہوگئی، اور حدودِ حرم کے بعض احکام دوسرے روئے زمین سے مختص وجدا ہوگئے، جس کی کچھ تفصیل ملاحظ فرمائیے۔

قرآن کی رُو سے بیتُ اللہ اور حرم کا، امن کی جگہ ہونا

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا (سورة البقرة، رقم الآية ١٢٥)

ترجمہ: اور جب بنادیا ہم نے بیت کو بار بار آنے کی جگہ، لوگوں کے لئے اور امن کی جگہ (سورہ بقرہ)

اس آیت میں ''بیت'' سے مراد بیتُ اللہ یعنی کعبہ ہے، مگر اس آیت کے حکم میں پوری زمینِ حرم داخل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی صفت امن کی جگہ ہونا بیان فرمائی ہے، اور یہ صفت پوری زمینِ حرم کو بوجہ فناء وحریمِ کعبہ وبیتُ اللہ ہونے کے شامل ہے۔ [1]

سورہ بقرہ میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ

---

[1] وإذ جعلنا البيت يعنى البيت الحرام، وهو الكعبة ويدخل فيه الحرم فإن الله تعالى وصفه بكونه آمنا وهذه صفة جميع الحرم (تفسير الخازن، ج ١ ص٧٧، سورة البقرة، تحت الآية)

الحرم كله .وهو الصحيح؛ لأن البلد بحريمه، كما أن الدار بحريمها، فحريم الدار ما أحاط بجدرانها، واتصل بحدودها(أحكام القرآن،لابن العربى، ج٤،ص ٣٩٩،سورة البلد)

مَنْ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ (سورة البقرة، رقم الآية ۱۲۶)

ترجمہ: اور جب کہا ابراہیم نے کہ اے میرے رب! بنا دیجیے اس شہر کو امن والا، اور رزق دیجیے اس کے رہنے والوں کو مختلف پھلوں کا ان لوگوں کو جو ایمان لائے ان میں سے اللہ پر اور آخرت کے دن پر (سورہ بقرہ)

اور سورہ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِذۡ قَالَ إِبۡرَاهِيۡمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا الۡبَلَدَ آمِنًا (سورة إبراهيم، رقم الآية ۳۵)

ترجمہ: اور جب کہا ابراہیم نے کہ اے میرے رب! بنا دیجیے اس شہر کو امن والا (سورہ ابراہیم)

مذکورہ آیات میں امن والے شہر سے مکہ مکرمہ اور خاص کر پوری زمینِ حرم مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بلد یا شہر کا اطلاق پوری زمینِ حرم پر فرمایا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ پوری زمینِ حرم کو بیت اللہ کی وجہ سے یہ مقامِ حرمت حاصل ہے۔ [1]

قرآن کی رُو سے حرم کا، بلدِ حرام ہونا

سورہ نمل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّمَا أُمِرۡتُ أَنۡ أَعۡبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الۡبَلۡدَةِ الَّذِىۡ حَرَّمَهَا (سورة النمل، رقم الآية ۹۱)

---

[1] (و) اذكر يا محمد(وإذ قال إبراهيم رب اجعل هذا البلد آمنا) يعني الحرم ، بلدا آمنا أهله وسكانه(تفسير الطبرى، ج۱۷ ص ۱۷ ، سورة ابراهيم، تحت الآية)

رب اجعل هذا البلد آمنا.فدل هذا على أنه وصف البيت بالأمن فاقتضى جميع الحرم، والسبب فى أنه تعالى أطلق لفظ البيت وعنى به الحرم كله أن حرمة الحرم لما كانت معلقة بالبيت جاز أن يعبر عنه باسم البيت(التفسير الكبير للرازى، ج۴ص ۴۱، سورة البقرة)

(إلى البيت العتيق) والمراد نحرها فى الحرم الذى هو فى حكم البيت إذا لحرم حريم البيت ومثله فى الاتساع قولك بلغت البلد(تفسير النسفى، ج۲،ص ۴۴۰،سورة الحج)

حريم الدار ما دخل فيها مما يغلق عليه بابها وما خرج منها فهو الفناء ، قال :وفناء البدوى ما يدركه حجرته وأطنابه، وهو من الحضرى إذا كانت تحاذيها دار أخرى، ففناؤهما حد ما بينهما(لسان العرب،ج۱۲ ،ص ۱۲۵ ،فصل الحاء المهملة)

ترجمہ: بس حکم دیا گیا ہے مجھے اس بات کا کہ میں عبادت کروں اس شہر کے رب کی، جس کو اس نے حرام (یعنی قابلِ احترام) قرار دے دیا ہے (سورہ نمل)

اس آیت میں احترام والے شہر سے پوری زمینِ حرم مراد ہے۔ [1]

قرآن کی رُو سے حرم کا، بلدِ امین ہونا

سورہ تین میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَهٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِيْنِ (سورة التين، رقم الآية ۳)

ترجمہ: اور قسم ہے اس امن والے شہر کی (سورہ تین)

مذکورہ آیت میں امن والے شہر سے مراد مکہ مکرمہ اور بطورِ خاص زمینِ حرم ہے۔ [2]

قرآن میں بلدِ حرام کی قسم کا ذکر

سورہ بلد میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

---

[1] البلدة فإنه على سبيل التشريف لها وهى أصل الحرم قوله أولم نمكن لهم حرما آمنا الآية (فتح البارى لابنِ حجر، ج۳ص ۴۴۹، كتاب الحج، قوله باب فضل الحرم)

الحرم الذى هو فى حكم البيت لأن الحرم هو حريم البيت، ومثل هذا فى الاتساع قولك: بلغنا البلد وإنما شارفتموه واتصل مسيركم بحدوده (تفسير البحر المحيط، ج۷، ص۵۰۷، سورة الحج)

الحرم كله إذ هو فى حكم البيت فى كونه عتيقا غير مملوك لاحد وهو حريم البيت ويقال فى العرف بلغت البلد إذا بلغت فناءه (التفسير المظهرى، ج۶، ص ۳۲۱، سورة الحج)

الحريم: هو ما تمس الحاجة إليه لتمام الانتفاع بالمعمور من الأرض. وهو كل ما يحتاج إليه لمصلحة العامر من المرافق. كحريم البئر، وفناء الدار، والطريق، ومسيل الماء، والمحتطب، والمرعى، ومطرح الرماد ونحو ذلك من المرافق (موسوعة الفقه الإسلامى، لمحمد التويجرى، ج۳، ص ۶۰۴، كتاب البيع، إحياء الموات)

[2] وهذا البلد الأمين يعنى الآمن، وهو مكة حرسها الله تعالى لأنه الحرم الذى يأمن فيه الناس فى الجاهلية والإسلام لا ينفر صيده ولا يعضد شجره، ولا تلتقط لقطته إلا لمنشد وهذه أقسام أقسم الله بها لما فيها من المنافع والبركة (تفسير الخازن، ج۴ص ۴۴۴، سورة التين)

وقال عز وجل: (رب اجعل هذا بلدا آمنا) يعنى مكة (غريب القرآن للأصفهانى، ج ۱، ص ۱۱۴، كتاب الباء)

لَا أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ (سورة البلد، رقم الآية ١)

ترجمہ: میں قسم کھاتا ہوں اس بلد (یعنی شہر) کی (سورہ بلد)

اس آیت میں بلد سے مراد، زمینِ حرم ہے۔

سورہ قصص اور سورہ عنکبوت میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بلد کی یہی صفت ''حرما آمنا'' کے الفاظ کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔ [1]

قرآن کی رُو سے بیتُ اللہ کا، مبارک اور ہدایت ہونا

سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِلْعَالَمِيْنَ . فِيْهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ آمِنًا (سورة آل عمران، رقم الآيات ٩٦، ٩٧)

ترجمہ: بے شک سب سے پہلا بیت جو رکھا گیا ہے، لوگوں کے لئے، یقیناً مکہ میں ہے، جو کہ مبارک ہے، اور ہدایت ہے عالَم والوں کے لئے، اس میں نشانیاں ہیں واضح، (جن میں سے ایک) مقامِ ابراہیم ہے، اور جو اس میں داخل ہوگیا، تو وہ امن والا ہے (سورہ آلِ عمران)

مذکورہ آیات میں ''بکہ'' سے مراد، مکہ ہے، اور یہاں بھی ''بیت'' اور مکہ سے مراد پوری زمینِ حرم ہے، کیونکہ اس میں داخل ہونے والے کے لئے امن والا ہونے کی جو صفت بیان کی گئی ہے، وہ پوری زمینِ حرم کو شامل ہے، جیسا کہ پہلے صریح آیاتِ مبارکہ کے ذیل میں گزرا۔

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے بیت اور مکہ کا اطلاق پوری زمینِ حرم پر فرمایا ہے، جو کہ منیٰ

---

[1] أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبٰى إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَىْءٍ رِزْقًا مِنْ لَدُنَّا وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورة القصص، رقم الآية ٥٧)

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (سورة العنكبوت، رقم الآية ٦٧)

ومزدلفہ کو بھی شامل ہے، جس میں داخل ہونے والا یا اس میں موجود بلدِ مکہ میں داخل ہونے والا ہے۔ [1]

نبی ﷺ اور صحابہ کا حرم کو، بلدِ حرام قرار دینا

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمِنًی: أَتَدْرُوْنَ أَیُّ یَوْمٍ ھٰذَا؟ قَالُوْا: اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ أَعْلَمُ، قَالَ: فَإِنَّ ھٰذَا یَوْمٌ حَرَامٌ، أَفَتَدْرُوْنَ أَیُّ بَلَدٍ ھٰذَا قَالُوْا: اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ أَعْلَمُ، قَالَ: بَلَدٌ حَرَامٌ (صحیح البخاری) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں تشریف فرما ہونے کی حالت میں فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو، یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ حرمت والا دن ہے، پھر فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو یہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ حرمت والا شہر ہے (بخاری)

---

[1] وقوله تعالى: للذى ببكة بكة من أسماء مكة على المشهور (تفسير ابنِ كثير، ج۲ص۶۸، سورة آلِ عمران، تحت الآية)

ومن دخله كان آمنا يعنى حرم مكة إذا دخله الخائف يأمن من كل سوء (ايضا، ج۲ص۶۸)

إن أول بيت وضع للناس موجودة فى جميع الحرم، علم أن المراد بقوله ومن دخله كان آمنا جميع الحرم ويدل عليه أيضا دعوة إبراهيم حيث قال رب اجعل هذا البلد آمنا يعنى من أن يهاج فيه وكانت العرب يقتل بعضهم بعضا ويغير بعضهم على بعض وكان من دخل الحرم آمن من القتل والغارة وهو المراد من حكم الآية على قول أكثر المفسرين قال الله تعالى: أولم يروا أنا جعلنا حرما آمنا ويتخطف الناس من حولهم (تفسير الخازن، ج۱،ص۲۷۲، سورة البقرة، تحت الآية)

الحرم هو حريم البيت. ومثل هذا فى الاتساع قولك: بلغنا البلد، وإنما شارفتموه واتصل مسيركم بحدوده (تفسير الكشاف، ج۳،ص۱۵۷،سورة الحج)

[2] رقم الحديث ۶۰۴۳، كتاب الادب، باب بلاترجمة بعد باب الحب فى الله.

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ يَوْمَ النَّحْرِ بَيْنَ الْجَمَرَاتِ فِي الْحَجَّةِ الَّتِيْ حَجَّ فِيْهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ يَوْمٍ هَذَا؟ قَالُوْا: يَوْمُ النَّحْرِ، قَالَ: فَأَيُّ بَلَدٍ هٰذَا؟ قَالُوْا: هٰذَا بَلَدُ اللّٰهِ الْحَرَامُ (سنن ابن ماجه)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سال حج کیا (یعنی حجۃ الوداع میں) تو آپ یومُ النحر میں (یعنی دس ذی الحجہ کے دن) جمرات کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ آج کیا دن ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یومُ النحر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کونسا شہر ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یہ اللہ کا بلدِ حرام (یعنی اللہ کا محترم شہر) ہے (ابنِ ماجہ)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ: أَلَا، أَيُّ شَهْرٍ تَعْلَمُوْنَهُ أَعْظَمُ حُرْمَةً؟ قَالُوْا: أَلَا شَهْرُنَا هٰذَا، قَالَ: أَلَا، أَيُّ بَلَدٍ تَعْلَمُوْنَهُ أَعْظَمُ حُرْمَةً؟ قَالُوْا: أَلَا بَلَدُنَا هٰذَا (صحيح البخاری)[2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ اے لوگو! تم کون سے مہینے کو حرمت والا سمجھتے ہو؟ سب نے جواب میں کہا کہ اس مہینے کو، آپ نے فرمایا کہ کس شہر کو عزت والا سمجھتے ہو؟ سب نے جواب میں کہا کہ اس شہر کو (بخاری)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ: إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ

---

[1] رقم الحديث ٣٠٥٨، ابواب المناسك، باب الخطبة يوم النحر.
قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية سنن ابنِ ماجه)

[2] رقم الحديث ٦٧٨٥، كتاب الحدود، باب: ظهر المؤمن حمى إلا فى حد أو حق.

حَرَامٌ، حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ (سنن النسائی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتحِ مکہ کے دن فرمایا کہ یہ بلد (یعنی یہ شہر) حرام ہے، اس کو اللہ عزوجل نے حرام قرار دیا ہے (نسائی)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ: إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ (صحیح البخاری) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتحِ مکہ کے دن فرمایا کہ اللہ نے اس شہر کو حرام (یعنی محترم) بنایا ہے، اس کے کانٹوں کو نہیں کاٹا جائے گا، اور اس کے شکار کو نہیں بھگایا جائے گا (بخاری)

اور ایک روایت میں "بلد" کے بجائے "مکۃ" کے الفاظ ہیں، دونوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں، کیونکہ اصل حرمت وعظمت والا مخصوص حکم تو پوری زمینِ حرم کو شامل ہے، البتہ اس زمین میں جو شہر واقع ہے، وہ عرفِ عام میں "مکہ مکرمہ" کے نام سے مشہور ہے، اس لیے بعض اوقات یہ اور بعض اوقات وہ نام ذکر کر دیا جاتا ہے۔ [3]

مکہ کا "خیر ارض اللہ واحب ارض اللہ" ہونا

حضرت عبداللہ بن عدی بن حمراء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ وَاقِفٌ بِالْحَزْوَرَةِ فِي سُوْقِ مَكَّةَ، وَاللّٰهِ إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ، وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ

---

[1] رقم الحدیث ۲۸۷۵، کتاب مناسک الحج، تحریم القتال فیه.

[2] رقم الحدیث ۱۵۸۷، کتاب المناسک، باب فضل الحرم.

[3] أن النبی صلی الله علیه وسلم قال :إن الله حرم مکة (بخاری، رقم الحدیث ۱۸۳۳، عن ابنِ عباس)

عَزَّ وَجَلَّ، وَلَوْلَا أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ (مسند احمد، رقم الحديث ١٨٧١٥) [1]

ترجمہ: انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ حزورہ میں، جو مکہ کے بازار میں واقع تھا، میں کھڑے ہوکر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ کی قسم بے شک تو اللہ کی سب سے بہترین زمین ہے اور اللہ عز وجل کو سب سے زیادہ محبوب زمین ہے، اگر مجھے تجھ سے نکالا نہ جاتا تو میں نہ نکلتا (مسند احمد)

اور حضرت عبداللہ بن عدی بن حمراء رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں درجِ ذیل الفاظ ہیں:

أَنَّــهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ وَاقِفٌ بِالْحَزْوَرَةِ مِنْ مَكَّةَ يَقُوْلُ لِمَكَّةَ: وَاللّٰهِ إِنَّكِ لَأَخْيَرُ أَرْضِ اللّٰهِ، وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَلَوْلَا أَنِّيْ أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ١٨٧١٦) [2]

ترجمہ: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کے مقامِ حزورہ میں کھڑے ہوکر مکہ کے لیے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ کی قسم! بے شک تو اللہ کی سب سے بہترین زمین ہے، اور اللہ عز وجل کو سب سے زیادہ محبوب ہے، اور اگر مجھے تجھ سے نہ نکالا جاتا، تو میں نہ نکلتا (مسند احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

وَقَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْحَزْوَرَةِ، فَقَالَ: عَلِمْتُ أَنَّكِ خَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ، وَأَحَبُّ الْأَرْضِ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَلَوْلَا أَنَّ

---

[1] قال شعيب الارنووط:
إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين، غير أن صحابيه روى له أصحاب السنن سوى أبي داود (مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط:
إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

أَهْلَكِ أَخْرَجُوْنِيْ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ١٨٧١٧) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقامِ حزورہ میں کھڑے ہوکر یہ فرمایا کہ بے شک تو اللہ کی سب سے بہترین زمین ہے، اور اللہ عزوجل کو سب سے زیادہ محبوب ہے، اور اگر تیرے اہلِ خانہ مجھے تجھ سے نہ نکالتے، تو میں نہ نکلتا (مسند احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ عَلَى الْحَجُوْنِ عَامَ الْفَتْحِ فَقَالَ: وَاللّٰهِ إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ، وَلَوْ لَمْ أُخْرَجْ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ، وَإِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ كَانَ قَبْلِيْ، وَإِنَّمَا أُحِلَّتْ لِيْ سَاعَةً مِّنْ نَهَارٍ، ثُمَّ هِيَ مِنْ سَاعَتِيْ هٰذِهِ حَرَامٌ، لَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا، وَلَا يُحْتَشُّ خَلَاهَا وَلَا يُلْتَقَطُ إِلَّا لِمُنْشِدٍ فَقَالَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ شَاةٌ – وَزَعَمَ النَّاسُ أَنَّهُ الْعَبَّاسُ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِلَّا الْإِذْخِرَ، فَإِنَّهُ لِبُيُوْتِنَا وَقُبُوْرِنَا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِلَّا الْإِذْخِرَ (مسند ابی يعلىٰ الموصلی، رقم الحديث ٥٩٥٤) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال ''حجون'' نام کے مقام پر کھڑے ہوکر فرمایا کہ اللہ کی قسم! تو اللہ کی زمین میں سب سے بہتر ہے، اور اگر مجھے تجھ سے نہ نکالا جاتا، تو میں نہ نکلتا، اور مکہ (میں جنگ کرنا) مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا، اور میرے لیے بھی صرف دن کی ایک ساعت میں (فتح مکہ کے موقع پر) حلال کیا گیا تھا، پھر یہ میرے لیے بھی اس وقت سے ہی حرام ہے، اس کا درخت نہیں کاٹا جائے گا، اور اس کے نباتات کو نہیں اکھاڑا جائے گا،

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح على وهم فی إسناده (حاشية مسند احمد)

[2] قال حسين سليم أسد الدارانی: إسناده حسن (حاشية مسند ابی يعلىٰ)

اور کوئی لقطہ نہیں اٹھایا جائے گا، سوائے مالک کو تلاش کرنے والے کے، تو ایک آدمی نے جس کا نام ''شاہ'' تھا، اور بعض لوگوں کا گمان یہ ہے کہ اس کا نام عباس تھا، یہ عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ''اذخر'' (نامی خودرو) گھاس کی تو اجازت دے دیجیے، کیونکہ وہ ہمارے گھروں (کی چھتوں) اور ہماری قبروں کے کام آتا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اذخر'' کی اجازت دے دی

(مسند ابی یعلیٰ)

مکہ کا ''اطیبِ بلد واحبِ بلد واکرمِ بلد'' ہونا

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَا أَطْیَبَکِ مِنْ بَلْدَۃٍ وَأَحَبَّکِ إِلَیَّ، وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمِیْ أَخْرَجُوْنِیْ مِنْکَ، مَا سَکَنْتُ غَیْرَکَ

(صحیح ابن حبان، رقم الحدیث ۳۷۰۹، کتاب الحج، باب فضل مکۃ) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مکہ مکرمہ کے متعلق) فرمایا کہ تو کیا ہی زیادہ پاکیزہ شہر ہے، اور مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، اور اگر میری قوم مجھے تجھ سے نہ نکالتی، تو میں تیرے علاوہ کسی اور جگہ سکونت اختیار نہ کرتا (ابنِ حبان)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

لَمَّا خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ مَکَّۃَ، قَالَ: أَمَا وَاللّٰہِ، لَأَخْرُجُ مِنْکِ، وَإِنِّیْ لَأَعْلَمُ أَنَّکِ أَحَبُّ بِلَادِ اللّٰہِ إِلَیَّ وَأَکْرَمُہُ عَلَی

---

[1] قال شعیب الارنؤوط:
حدیث صحیح .فضیل بن سلیمان وإن احتج به مسلم، وروی له البخاری متابعة، ضعفه ابـن معین وأبو حاتم والنسائی، لکنه قد توبع، وباقی السند ثقات رجاله رجال الصحیح (حاشیة صحیح ابن حبان)

اللّٰہِ، وَلَوْلَا أَنَّ أَهْلَكِ أَخْرَجُوْنِيْ مَا خَرَجْتُ (مسند أبي يعلى، رقم الحديث ٢٦٦٢) [1]

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکلے، تو یہ فرمایا کہ خبردار اللہ کی قسم! میں تجھ سے نکل رہا ہوں، اور بے شک میں جانتا ہوں کہ تو اللہ کے شہروں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم ومعزز ہے، اور اگر تیرے اہلِ خانہ مجھے نہ نکالتے، تو میں نہ نکلتا (مسند ابی یعلیٰ)

مدینہ کی مکہ پر فضیلت سے متعلق چند روایات کی اسناد

ملحوظ رہے کہ ایک روایت میں یہ مضمون آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے نکالے جانے کے بعد یہ دعاء کی کہ اے اللہ! آپ نے اپنی خاص زمین جو میری محبوب ترین زمین ہے سے مجھے نکال دیا ہے، پس آپ اب مجھے اپنے نزدیک محبوب ترین جگہ میں پہنچا دیجیے، تو اللہ تعالیٰ نے مدینہ میں پہنچا دیا۔ [2]

مگر اس حدیث کو سند کے اعتبار سے محدثین واہلِ علم حضرات نے موضوع ومن گھڑت قرار دیا ہے۔ [3]

---

[1] قال حسين سليم أسد الداراني: رجاله رجال الصحيح خلا محمود بن خداش وهو ثقة (حاشية مسند ابي يعلىٰ)

[2] قال ابن عمر: وحدثني الضحاك بن عثمان، أخبرني عبد الله بن عبيد بن عمير، سمعت عبد الرحمن بن الحارث بن هشام يحدث، عن أبيه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في حجته وهو واقف على راحلته وهو يقول: والله إنك لخير الأرض وأحب الأرض إلى الله ولولا أني أخرجت منك ما خرجت، قال: فقلت: يا ليتنا نفعل فارجع إليها، فإنها منبتك ومولدك، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " إني سألت ربي عز وجل فقلت: اللهم إنك أخرجتني من أحب أرضك إلى فأنزلني أحب الأرض إليك، فأنزلني المدينة "(مستدرك حاكم، رقم الحديث ٥٢١٠)

[3] قال ابن حجر:

حديث (كم): " رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في حجته وهو واقف على

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس طرح کی حدیث قابلِ اعتبار نہیں ہوا کرتی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

راحلته وهو يقول: " والله إنک لخير أرض الله وأحب الأرض إلى الله . . ."الحديث وفيه "اللهم إنک أخرجتنى من أحب أرضک إلى، فأنزلنى أحب أرضک إليک، فأنزلنى المدينة ."

كم فى المناقب: ثنا أبو عبد الله الأصبهانى، ثنا الحسن بن الجهم، ثنا الحسين بن الفرج، ثنا الواقدى، ثنا الضحاک بن عثمان، أخبرنى عبد الله بن عبيد بن عمير، سمعت عبد الرحمن بن الحارث بن هشام يحدث أبى، عن أبيه، به.

قلت: ما كان الواقدى يستحى من الكذب، فى صدر الحديث: أن مكة أحب الأرض إلى الله، وفى آخره: أن المدينة أحب الأرض إلى الله، فسبحان من خذله حتى روى هذه الأشياء المتناقضة، والعجب من الحاكم يدخل فى الصحيح هذه الأباطيل مع معرفته بضعف رواتها(اتحاف المهرة، ج۴ص۱۸۵، رقم الحديث ۴۱۱۳)

وقال الالبانى:

"إنى سألت ربى عز وجل فقلت :اللهم إنک أخرجتنى من أحب أرضک إلى، فأنزلنى أحب الأرض إليک، فأنزلنى المدينة ." موضوع.

أخرجه الحاكم (278 - 3/277) من طريق الحسين بن الفرج :حدثنا محمد بن عمر: وحدثنى الضحاک بن عثمان :أخبرنى عبد الله بن عبيد بن عمير :سمعت عبد الرحمن ابن الحارث بن هشام يحدث عن أبيه قال: "رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فى حجته، وهو واقف على راحلته، وهو يقول: "والله إنک لخير الأرض وأحب الأرض إلى الله، ولولا أنى أخرجت منک ما خرجت "

.قال :فقلت :يا ليتنا لم نفعل، فارجع إليها فإنها منبتک ومولدک، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم " ...فذكره.

أخرجه الحاكم فى ترجمة الحارث بن هشام هذا رضى الله عنه، وسكت عن إسناده، هو والذهبى، وهو إسناد هالک، آفته محمد بن عمر، وهو الواقدى، فإنه كذاب، كما قال غير واحد من الأئمة، على أن الراوى عنه الحسين بن فرج قريب منه، فقد أورده الذهبى فى "الضعفاء والمتروكين "وقال: "قال ابن معين :يسرق الحديث ."

وقال فى "الميزان :"قال ابن معين: كذاب يسرق الحديث، ومشاه غيره، وقال أبو زرعة:ذهب حديثه، قال الحافظ فى اللسان: "قوله :مشاه غيره، ما علمت من عنى ."

ثم نقل عن جمع آخر من الأئمة تضعيفه، وعن أبى حاتم أنه تركه.

والحديث له طريق أخرى عند الحاكم أيضا (3/3) عن موسى الأنصارى :حدثنا سعد ابن سعيد المقبرى :حدثنى أخى عن أبى هريرة رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :فذكره، وقال: "رواته مدنيون من بيت أبى سعيد المقبرى ."

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ایک روایت میں مدینہ کو مکہ سے بہتر وافضل قرار دیا گیا ہے۔ [1]
لیکن محدثین واہلِ علم حضرات نے اس حدیث کو غیر محفوظ اور غیر صحیح قرار دیا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وتعقبه الذهبي بقوله : "لكنه موضوع، فقد ثبت أن أحب البلاد إلى الله مكة، وسعد ليس بثقة ."

قلت :تعصيب الجناية بأخيه عبد الله أولى، فإنه أشد ضعفا من سعد، وقد أوردهما الذهبى فى "الضعفاء "، فقال فى سعد: "مجمع على ضعفه ."

وقال فى أخيه: "تركوه ."

وقد قال أبو حاتم فى الأول منهما: "هو فى نفسه مستقيم، وبليته أنه يحدث عن أخيه عبد الله، وعبد الله ضعيف، ولا يحدث عن غيره ."

وموسى الأنصارى لم أعرفه، ويحتمل أنه موسى بن شيبة بن عمرو الأنصارى السلمى المدنى، قال أحمد: "أحاديثه مناكير ." وقال أبو حاتم: "صالح الحديث (سلسلة الأحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ۱۴۴۵)

[1] قال ابن عدى:

محمد بن عبد الرحمن بن الرداد مدينى من ولد بن أم مكتوم رواياته عمن روى ليست محفوظة.....حدثنا على بن سعيد، حدثنا يعقوب بن حميد بن كاسب، حدثنا محمد بن عبد الرحمن بن الرداد، عن يحيى بن سعيد عن عمرة قال تكلم مروان يوما على المنبر فذكر مكة فأطنب فى ذكرها ولم يذكر المدينة فقام رافع بن خديج فقال ما لک يا هذا ذكرت مكة فأطنبت فى ذكرها ولم تذكر المدينة أشهد لسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول المدينة خير من مكة.قال الشيخ :وهذا، عن يحيى بن سعيد بهذا الإسناد ولم يروه غير بن الرداد ولابن الرداد غير ما ذكرت وعامة ما يرويه غير محفوظ(الكامل فى ضعفاء الرجال،ج۷،ص۴۰۳،من اسمه محمد)

[2] قال محمد بن طاهر المقدسى:

حديث :المدينة خير من مكة .رواه محمد بن عبد الرحمن بن الرداد :عن يحيى بن سعيد ، عن عمرة ، عن أبى رافع .وهذا عن يحيى بهذا الإسناد لم يروه غير ابن الرداد ، وهذا غير محفوظ(ذخيرة الحفاظ ، ج۴ص ۲۴۵۶،تحت رقم الحديث ۵۶۹۰)

و قال الهيثمى:

رواه الطبرانى، وفيه محمد بن عبد الرحمن بن رداد، وهو مجمع على ضعفه(مجمع الزوائد،تحت رقم الحديث ۵۷۷۸، باب فضل مدينة سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم)

وقال الالبانى:

"المدينة خير (وفى رواية :أفضل) من مكة ." باطل.

رواه البخارى فى "التاريخ الكبير "(1/1/160/476) والمفضل الجندى فى "

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ آیات اور احادیث سے مکہ مکرمہ شہر اور خاص طور پر حدودِ حرم کی عظیم الشان فضیلت واہمیت معلوم ہوئی۔

مسئلہ..... حدودِ حرم کے عام نباتات کو کاٹنا جائز نہیں، اور حدودِ حرم کی تھوڑی مقدار میں ایسی مٹی یا پتھر کو برکت کے طور پر باہر لے جانا جائز ہے، جو کسی کی شخصی ملکیت نہ ہو، اور قانونی طور پر اس کی ممانعت بھی نہ ہو۔ [1]

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ .

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فضائل المدينة "(رقم 12من منسوختى) والطبرانى فى "الكبير "(4450) عن محمد بن عبد الرحمن العامرى عن يحيى بن سعيد عن عمرة بنت عبد الرحمن قالت: خطب مروان بن الحكم بمكة، فذكر مكة وفضلها، فأطنب فيها، ورافع بن خديج عند المنبر فقال :ذكرت مكة وفضلها وهى على ما ذكرت، ولم أسمعك ذكرت المدينة، أشهد لسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :فذكره.

قلت :وهذا سند ضعيف، علته محمد بن عبد الرحمن العامرى، وهو الرداد، قال أبو حاتم: "ليس بقوى ." وقال أبو زرعة: "لين ." وقال ابن عدى: "رواياته ليست محفوظة ."

ثم ساق له أحاديث هذا أحدها، وقال الذهبى بعد أن ذكره : "ليس هو بصحيح، وقد صح :صلاة فى مكة ." ... يشير إلى حديث "أن الصلاة فى مكة أفضل من الصلاة فى المدينة "فكيف تكون المدينة أفضل من مكة؟ ويعارضه أيضا قوله صلى الله عليه وسلم لمكة: "والله إنك لخير أرض الله، وأحب أرض الله إلى الله." .. وهو مخرج فى المشكاة (2725).

والحديث ضعفه أيضا عبد الحق فى "أحكامه "(108/2) فقال: "ومحمد بن عبد الرحمن هذا ليس حديثه بشىء عندهم ."

والحديث ذكره السيوطى فى "الجامع "من رواية الطبرانى فى "الكبير " والدارقطنى فى "الأفراد "عن رافع، وقال فى رسالته "الحجج المبينة فى التفضيل بين مكة والمدينة "(ق 68/2): "وهو ضعيف، كما قال ابن عبد البر ."(سلسلة الأحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ۱۴۴۴)

[1] (وإن قتل الحلال صيد الحرم فعليه قيمته وإن حلبه) أى إن حلب الحلال صيد الحرم (فقيمة لبنه ومن قطع) سواء كان القاطع محرما أو حلالا (حشيش الحرم) واحترز عن مثل الكمأة فإنها ليست بنبات ولهذا يباح إخراجها من الحرم كحجرة وقدر يسير من ترابه للتبرك (مجمع الانهر، ج ا ص ا ۳۰، كتاب الحج، باب الجنايات فى الحج)

(فصل نمبر 1)

بیتُ اللہ سے متصل وملحق چند اشیاء ومقامات کی فضیلت

پہلے تفصیل کے ساتھ مکہ مکرمہ اور حدودِ حرم کی عظیم الشان فضیلت واہمیت کا ذکر گزر چکا ہے، اور مکہ مکرمہ وحدودِ حرم کو یہ عظیم الشان فضیلت واہمیت بیتُ اللہ کی وجہ سے حاصل ہوئی، اب بیتُ اللہ سے ملحق ومتصل چند اشیاء ومقامات کی اجمالی فضیلت وبرکت کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(1)......مقامِ ابراہیم

بیتُ اللہ کے قریب حطیم میں مقامِ ابراہیم نصب ہے، جو دراصل ایک پتھر ہے۔

سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ .فِيْهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا (سورة آل عمران، رقم الآيات ٩٦، ٩٧)

ترجمہ: بے شک سب سے پہلا بیت جو رکھا گیا ہے، لوگوں کے لئے، یقیناً مکہ ہے، جو کہ مبارک ہے، اور ہدایت ہے عالَم والوں کے لئے، اس میں نشانیاں ہیں واضح، مقامِ ابراہیم بھی ہے، اور جو اس میں داخل ہوگیا، تو وہ امن والا ہے (سورہ آلِ عمران)

اس سے معلوم ہوا کہ مقامِ ابراہیم، اللہ کی اہم نشانیوں میں سے ہے۔

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا .وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيْمَ

مُصَلًّى (سورة البقرة، رقم الآية ۱۲۵)

ترجمہ: اور جب کردیا ہم نے بیتُ اللہ کو لوگوں کے لیے عبادت گاہ اور امن کی جگہ، اور بناؤ تم مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ (سورہ بقرہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! لَوِ اتَّخَذْتَ مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى، فَنَزَلَتْ (وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى) (سنن الترمذی، رقم الحديث ۲۹٦۰، ابواب تفسير القرآن، باب: ومن سورة البقرة) [1]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر آپ مقامِ ابراہیم کو نماز گاہ قرار دے دیں (تو کیا ہی اچھا ہے) تو اس پر سورہ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی کہ "**وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى**" (ترمذی)

مقامِ ابراہیم، درحقیقت اللہ تعالیٰ کے جلیلُ القدر نبی حضرت ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب اور ان کے آثار میں سے ہے، جس میں حضرت ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین کے نشانات ثبت ہیں، بعض حضرات کی تصریح کے مطابق اس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیتُ اللہ کی تعمیر فرمائی تھی۔

اس کے قریب ہر طواف کے بعد دو رکعت پڑھ کر تبرک حاصل کرنے کا حکم ہے، اور یہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کی اہم دلیل ہے۔ [2]

---

[1] قال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح وفی الباب عن ابن عمر.

[2] ولاهل الاعتبار هاهنا استنباط وهو ان فی كل مكان مكث فيه رجل من اهل الله تعالى حينا من الدهر ينزل هناک بركات من السماء وسكينة تجذب القلوب الى الله تعالى ويتضاعف هناک اجر الحسنات وكذا وزر السيئات(التفسير المظهری، ج ۱ ص ۱۲۸، سورة البقرة)

قال تعالى: مقام إبراهيم يعنى الذى لما ارتفع البناء استعان به على رفع القواعد منه والجدران، حيث كان يقف عليه ويناوله إسماعيل، وقد كان ملتصقا بجدار البيت حتى أخره عمر بن الخطاب رضى الله عنه فى إمارته إلى ناحية الشرق بحيث يتمكن الطواف منه، ولا يشوشون على المصلين عنده بعد الطواف، لأن الله تعالى قد أمرنا بالصلاة عنده حيث قال: واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى وقد قدمنا الأحاديث فى ذلک فأغنى عن إعادتها هاهنا(تفسير ابنِ كثير، ج ۲ ص ٦۸، سورة آلِ عمران)

(2)......صفا اور مروہ

بیتُ اللہ کے قریب میں صفا اور مروہ واقع ہے، اس مقام پر بیتُ اللہ کے طواف کے بعد سعی کی جاتی ہے، اور یہ انتہائی متبرک مقام اور اللہ کے شعائر میں سے ہے، جس کا قرآن وسنت میں ذکر آیا ہے۔

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا(سورة البقرة، رقم الآية ۱۵۸)

ترجمہ: بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں پس جو کعبہ کا حج یا عمرہ کرے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان کے درمیان طواف کرے (سورہ بقرہ)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

لَمَّا كَانَ بَيْنَ إِبْرَاهِيمَ وَبَيْنَ أَهْلِهٖ مَا كَانَ، خَرَجَ بِإِسْمَاعِيلَ وَأُمِّ إِسْمَاعِيلَ، وَمَعَهُمْ شَنَّةٌ فِيهَا مَاءٌ، فَجَعَلَتْ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ تَشْرَبُ مِنَ الشَّنَّةِ، فَيَدِرُّ لَبَنُهَا عَلٰى صَبِيِّهَا، حَتّٰى قَدِمَ مَكَّةَ فَوَضَعَهَا تَحْتَ دَوْحَةٍ، ثُمَّ رَجَعَ إِبْرَاهِيمُ إِلٰى أَهْلِهٖ، فَاتَّبَعَتْهُ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ، حَتّٰى لَمَّا بَلَغُوا كَدَاءً نَادَتْهُ مِنْ وَّرَائِهٖ: يَا إِبْرَاهِيمُ إِلٰى مَنْ تَتْرُكُنَا؟ قَالَ: إِلَى اللّٰهِ، قَالَتْ: رَضِيتُ بِاللّٰهِ، قَالَ: فَرَجَعَتْ فَجَعَلَتْ تَشْرَبُ مِنَ الشَّنَّةِ وَيَدِرُّ لَبَنُهَا عَلٰى صَبِيِّهَا، حَتّٰى لَمَّا فَنِيَ الْمَاءُ، قَالَتْ: لَوْ ذَهَبْتُ فَنَظَرْتُ لَعَلِّيْ أُحِسُّ أَحَدًا، قَالَ فَذَهَبَتْ فَصَعِدَتِ الصَّفَا فَنَظَرَتْ، وَنَظَرَتْ هَلْ تُحِسُّ أَحَدًا، فَلَمْ تُحِسَّ أَحَدًا، فَلَمَّا بَلَغَتِ الْوَادِيَ سَعَتْ وَأَتَتِ الْمَرْوَةَ، فَفَعَلَتْ ذٰلِكَ أَشْوَاطًا، ثُمَّ قَالَتْ: لَوْ ذَهَبْتُ

فَنَظَرْتُ مَا فَعَلَ، تَعْنِي الصَّبِيَّ، فَذَهَبْتُ فَنَظَرْتُ فَإِذَا هُوَ عَلٰى حَالِهِ كَأَنَّهُ يَنْشَغُ لِلْمَوْتِ، فَلَمْ تُقِرَّهَا نَفْسُهَا، فَقَالَتْ: لَوْ ذَهَبْتُ فَنَظَرْتُ، لَعَلِّي أُحِسُّ أَحَدًا، فَذَهَبَتْ فَصَعِدَتِ الصَّفَا، فَنَظَرَتْ وَنَظَرَتْ فَلَمْ تُحِسَّ أَحَدًا، حَتّٰى أَتَمَّتْ سَبْعًا، ثُمَّ قَالَتْ: لَوْ ذَهَبْتُ فَنَظَرْتُ مَا فَعَلَ، فَإِذَا هِيَ بِصَوْتٍ، فَقَالَتْ: أَغِثْ إِنْ كَانَ عِنْدَكَ خَيْرٌ، فَإِذَا جِبْرِيْلُ، قَالَ: فَقَالَ بِعَقِبِهِ هٰكَذَا، وَغَمَزَ عَقِبَهُ عَلَى الْأَرْضِ، قَالَ: فَانْبَثَقَ الْمَاءُ، فَدَهَشَتْ أُمُّ إِسْمَاعِيْلَ، فَجَعَلَتْ تَحْفِزُ، قَالَ: فَقَالَ أَبُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ تَرَكَتْهُ كَانَ الْمَاءُ ظَاهِرًا، قَالَ: فَجَعَلَتْ تَشْرَبُ مِنَ الْمَاءِ وَيَدِرُّ لَبَنُهَا عَلٰى صَبِيِّهَا (صحیح البخاری) [1]

ترجمہ: جب ابراہیم اوران کی اہلیہ (یعنی بیوی) کے درمیان وہ کچھ پیش آیا، جو پیش آیا، تو حضرت ابراہیم (اپنے بیٹے) اسماعیل اوران کی والدہ کو لے کر نکلے اور ان کے پاس ایک مشکیزہ میں پانی تھا، حضرت اسماعیل کی والدہ اس مشکیزہ کا پانی پیتی رہیں اوران کا دودھ اپنے بچہ کے لئے زیادہ ہوجاتا تھا، یہاں تک کہ وہ مکہ پہنچ گئیں (اوروہ جگہ اس وقت بے آباد تھی) حضرت ابراہیم نے انہیں ایک درخت کے نیچے بٹھادیا، پھر حضرت ابراہیم اپنے گھر کی طرف لوٹنے لگے، تو اسماعیل کی والدہ ان کے پیچھے دوڑیں، یہاں تک کہ جب وہ ''مقامِ کدا'' میں پہنچے، تو اسماعیل کی والدہ نے انہیں پیچھے سے آواز دی کہ اے ابراہیم! ہمیں کس کے سہارے چھوڑ کر جارہے ہو؟ حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ اللہ کے سہارے چھوڑ کر جارہا ہوں، اس پر حضرت اسماعیل کی والدہ نے کہا کہ میں اللہ کے سہارے پر راضی ہوں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر وہ مکہ واپس چلی گئیں اور

---

[1] رقم الحديث ٣٣٦٥، كتاب احاديث الانبياء، باب بلاترجمة بعد باب قول الله تعالىٰ: واتخذ الله إبراهيم خليلا.

اپنے مشکیزہ کا پانی پیتی رہیں، اوران کا دودھ اپنے بچہ کے لئے زیادہ ہورہا تھا، یہاں تک کہ پانی ختم ہوگیا، تو اسماعیل علیہ السلام کی والدہ نے کہا کہ کیا اچھا ہو کہ میں جا کر (ادھرادھر) دیکھوں، شاید مجھے کوئی دکھائی دے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت اسماعیل کی والدہ گئیں، یہاں تک کہ صفا پہاڑی پر پہنچ گئیں، اورانہوں نے ادھرادھر خوب دیکھا کہ کوئی نظر آجائے، لیکن ان کو کوئی نظر نہیں آیا، پھر جب وہ نشیبی وادی میں پہنچیں، تو دوڑنے لگیں اور پھر مروہ پہاڑی پر پہنچ گئیں، اسی طرح انہوں نے چند چکر لگائے، پھر کہنے لگیں کیا اچھا ہو کہ میں جا کر اپنے بچہ کو دیکھوں کہ کیا حال ہے؟ جا کر دیکھا تو اسماعیل کو اپنی سابقہ حالت میں پایا، گویا کہ وہ موت کے قریب ہیں، پھر ان کے دل کو قرار نہ آیا، تو کہنے لگیں کہ کیا اچھا ہو کہ میں جا کر (ادھرادھر) دیکھوں شاید کوئی مل جائے، چنانچہ وہ پھر گئیں اور صفا پہاڑی پر پہنچ گئیں، اورادھرادھر خوب دیکھا، مگر کوئی نظر نہ آیا، یہاں تک کہ انہوں نے سات چکر پورے کیے (گزشتہ اور یہ پیوستہ ملا کر) پھر کہنے لگیں کہ کیا اچھا ہو کہ میں جا کر اپنے بچہ کو دیکھوں کہ کس حال میں ہے، تو یکا یک ایک آواز آئی، یہ کہنے لگیں کہ مدد کیجیے اگر آپ کے پاس کوئی بھلائی ہے، تو اچانک حضرت جبریل کو دیکھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنی ایڑی زمین پر ماری، اورزمین کو اپنی ایڑی سے رگڑا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فوراً وہاں سے پانی پھوٹ پڑا، جس پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حیرت زدہ ہوگئیں، اور گڑھا کھودنے لگیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابوالقاسم (یعنی محمد) صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتیں (یعنی گڑھا بنا کر پانی کو نہ روکتیں) تو پانی زیادہ ہو جاتا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت اسماعیل

کی والدہ وہ پانی پیتیں، جس کی برکت سے ان کے دودھ کی دھاریں ان کے بچہ کے لئے بہتی رہتیں (بخاری)

صفا اور مروہ، حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ کے آثار میں سے ہے، جس سے تبرک حاصل کرنے کے لیے صفا اور مروہ کی سعی کے عمل کو مقرر کیا گیا ہے، جو انبیاء وصلحاء کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کی اہم دلیل ہے۔

(3)......حطیم یا حِجر

بیتُ اللہ کی چہار دیواری کے ساتھ ایک طرف کو قوس نما دیوار ہے، اس کو ہمارے عرف میں حطیم کہا جاتا ہے، اور احادیث میں اس کو ''حجر'' کا نام دیا گیا ہے، اس دیوار کے اندر والا حصہ بیتُ اللہ میں داخل ہے، اور انتہائی بابرکت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا عَائِشَةُ، لَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيْثُوْ عَهْدٍ بِشِرْكٍ، لَهَدَمْتُ الْكَعْبَةَ، فَأَلْزَقْتُهَا بِالْأَرْضِ، وَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ: بَابًا شَرْقِيًّا، وَبَابًا غَرْبِيًّا، وَزِدْتُ فِيْهَا سِتَّةَ أَذْرُعٍ مِنَ الْحِجْرِ، فَإِنَّ قُرَيْشًا اِقْتَصَرَتْهَا حَيْثُ بَنَتِ الْكَعْبَةَ (صحیح مسلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ! گر تمہاری قوم سے جاہلیت کا زمانہ قریب نہ ہوتا (اور ان لوگوں کی طرف سے فتنہ کا خوف نہ ہوتا) تو میں کعبہ کو منہدم کر دیتا، اور اس کو زمین سے ملا دیتا، اور اس میں دو دروازے رکھتا، ایک مشرق کی طرف، دوسرا مغرب کی طرف کھلتا، اور اس میں حجر سے چھ ہاتھ فاصلہ تک (حجر یعنی حطیم) کا حصہ شامل کر دیتا، کیونکہ قریش نے کعبہ کو چھوٹا کر دیا تھا،

---

[1] رقم الحدیث ۱۳۳۳ "۴۰۱" کتاب الحج، باب نقض الکعبۃ وبنائھا.

کعبہ کی اصل عمارت کے مقابلہ میں (مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ:

سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْجَدْرِ أَمِنَ الْبَيْتِ هُوَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: فَمَا لَهُمْ لَمْ يُدْخِلُوْهُ فِي الْبَيْتِ؟ قَالَ: إِنَّ قَوْمَكِ قَصَّرَتْ بِهِمُ النَّفَقَةُ، قُلْتُ: فَمَا شَأْنُ بَابِهِ مُرْتَفِعًا؟ قَالَ: فَعَلَ ذٰلِكَ قَوْمُكِ، لِيُدْخِلُوْا مَنْ شَاءُوْا وَيَمْنَعُوْا مَنْ شَاءُوْا، وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيْثٌ عَهْدُهُمْ بِالْجَاهِلِيَّةِ، فَأَخَافُ أَنْ تُنْكِرَ قُلُوْبُهُمْ، أَنْ أُدْخِلَ الْجَدْرَ فِي الْبَيْتِ، وَأَنْ أُلْصِقَ بَابَهُ بِالْأَرْضِ (صحيح البخاري) [1]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیتُ اللہ کی دیوار (یعنی حطیم) کے متعلق پوچھا کہ کیا وہ بھی کعبہ میں داخل ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں! میں نے پوچھا کہ پھر کیوں اس کو خانہ کعبہ میں داخل نہیں کیا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری قوم کے پاس (کعبہ کی تعمیر کا) خرچ کم ہوگیا تھا، میں نے عرض کیا کہ پھر اس کا دروازہ کیوں اونچا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری قوم نے اس لئے ایسا کیا کہ جس کو چاہیں اندر آنے دیں، اور جس کو چاہیں روک دیں، اگر تمہاری قوم کا زمانہ جاہلیت سے قریب نہ ہوتا، اور مجھے اندیشہ نہ ہوتا کہ ان کے دل اس کو ناپسند کریں گے (اور یہ کہہ کر فتنہ مچائیں گے کہ بیت اللہ کو منہدم کردیا) تو میں دیوار (یعنی حِجر یا حطیم) کو بیت اللہ میں داخل کردیتا، اور اس کے دروازے کو زمین سے ملادیتا (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كُنْتُ أُحِبُّ أَنْ أَدْخُلَ الْبَيْتَ فَأُصَلِّيَ فِيْهِ فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِيْ فَأَدْخَلَنِيْ فِي الْحِجْرِ فَقَالَ: صَلِّيْ فِي الْحِجْرِ إِذَا

[1] رقم الحديث ١٥٨٤، كتاب الحج، باب فضل مكة وبنيانها.

أَرَدْتِ دُخُولَ الْبَيْتِ، فَإِنَّمَا هُوَ قَطْعَةٌ مِّنَ الْبَيْتِ، فَإِنَّ قَوْمَكِ اقْتَصَرُوْا حِيْنَ بَنَوُا الْكَعْبَةَ فَأَخْرَجُوْهُ مِنَ الْبَيْتِ (سنن أبی داود، رقم الحديث ٢٠٢٨، كتاب المناسك، باب الصلاة فی الحجر) [1]

ترجمہ: میں چاہتی تھی کہ بیت اللہ میں داخل ہو کر نماز پڑھوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے حجر (یعنی حطیم) میں داخل کر دیا اور فرمایا کہ اگر تم بیت اللہ میں داخل ہونا چاہتی ہو، تو ''حجر'' (یعنی حطیم) میں نماز پڑھ لو، کیونکہ یہ بھی بیت اللہ کا حصہ ہے، لیکن تمہاری قوم کے پاس (کعبہ کی تعمیر کے وقت جب حلال) سرمایہ کم ہو گیا، تو انہوں نے بیتُ اللہ کی تعمیر کے وقت اس حصے کو اس تعمیر سے باہر نکال دیا تھا (مسند احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت درجِ ذیل الفاظ میں مروی ہے:

قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أُصَلِّيْ فِي الْكَعْبَةِ؟ فَقَالَ: صَلِّيْ فِي الْحِجْرِ فَإِنَّهٗ مِنَ الْكَعْبَةِ أَوْ قَالَ: مِنَ الْبَيْتِ (مسند أبی داود الطيالسی، رقم الحديث ١٦٦٢، ج٣ص ١٤١، صفية بنت شيبة عن عائشة)

ترجمہ: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں کعبہ کے اندر نماز پڑھنا چاہتی ہوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ''حجر'' (یعنی حطیم) میں نماز پڑھ لو، کیونکہ وہ کعبہ یا بیت اللہ کا حصہ ہے (مسند الطیالسی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ فتنہ کے خوف کی وجہ سے حجر یا حطیم والی جگہ کو بیتُ اللہ کی چہار دیواری کے اندر شامل نہیں کیا، لیکن اس میں امت کے لیے یہ فائدہ ہو گیا کہ ہر شخص کو بیت اللہ کی چہار دیواری کے اندر داخلہ مشکل تھا، اور اس میں صرف مخصوص افراد یا امراء ورؤسا داخل ہو سکتے تھے، لیکن حجر یا حطیم والی جگہ کے باہر رہنے میں دوسرے لوگوں کو بھی بیتُ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح دون قوله " :صلی فی الحجر إذا أردت دخول البيت" فإنما هو قطعة من البيت "فحسن لغيره، وهذا إسناد محتمل للتحسين (حاشيه سنن ابی داؤد)

اللہ کے اندر والے حصہ میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کرنے کا موقع مل گیا۔

اب احادیث کی رُو سے جو شخص اس حِجر یا حطیم والے حصہ میں نماز پڑھتا ہے، وہ بیتُ اللہ کے اندر نماز پڑھنے والا شمار ہوتا ہے۔ [1]

احادیث میں جس حصہ کو ''حِجر'' کہا گیا ہے، اس سے مراد وہ حصہ ہے، جس کو ہماری عام بول چال میں حطیم کہا جاتا ہے۔

جمہور فقہائے کرام کے نزدیک بیت اللہ سے چھ ہاتھ تک حِجر والا حصہ بیتُ اللہ کا حصہ ہے۔ البتہ نماز پڑھنے والے کو صرف حِجر یا حطیم والے حصہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

حنابلہ اور ایک قول کے مطابق مالکیہ کے نزدیک جب کوئی شخص مطاف والے حصہ میں نماز پڑھ رہا ہو، تو اس کو صرف اس حِجر یا حطیم والے حصہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا جائز ہے، لیکن حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ اس کا بیت اللہ کا حصہ ہونا ''خبرِ آحاد'' سے ثبوت کی بناء پر ظنی ہے، اور نماز میں بیت اللہ کی طرف رخ کرنا ''قرآن'' سے ثبوت کی بناء پر قطعی ہے۔ [2]

---

[1] (صلى) بـالكسر يا عائشة (فى الحجر) بكسر الحاء وسكون الجيم (إن أردت دخول البيت) أى الكعبة (فإنما هو قطعة من البيت ولكن قومک استقصروه حين بنوا الكعبة فأخرجوه من البيت) لقلة النفقة فمن لم يتيسر له دخول البيت فليصل فيه فإنه منه والحجر ما بين الركنين الشاميين عليه جدار قصير بينه وبين كل من الركنين فسحة كانت زربية لغنم إسماعيل صلوات الله على نبينا وعليه .وروى أنه دفن فيه كما سيأتى ويسمى الحطيم على ما ذكره جمع لكن الأشهر أن الحطيم ما بين الحجر الأسود ومقام إبراهيم وهو أفضل محل بالمسجد بعد الكعبة وحجرها(حم ت عن عائشة) قالت :كنت أحب أن أدخل البيت فأصلى فيه فأخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم بيدى فأدخلنى الحجر فذكره قال الترمذى :حسن صحيح ومن رمز المصنف لصحته(فيض القدير شرح الجامع الصغير للمناوى، رقم الحديث ٥٠٣٦)

[2] الحجر بالكسر يطلق فى اللغة على معان :منها :حضن الإنسان، وهو ما دون إبطه إلى الكشح، أو الصدر والعضدان وما بينهما، أو ما بين يدى الإنسان من ثوبه .ويقال لمن فى حمايته شخص إنه فى حجره بكسر الحاء وفتحها :أى كنفه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہرحال حطیم کے اندروالا حصہ بیتُ اللہ کا اندرونی حصہ ہے، اور یہ انتہائی بابرکت مقام ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومنها :العقل وفى هذا قوله تعالى :(هل فى ذلک قسم لذى حجر)
ومنها :الحرام كما فى قوله تعالى :حكاية عن المشركين :(وقالوا هذه أنعام وحرث حجر لا يطعمها إلا من نشاء بزعمهم)
وفى الاصطلاح :هو القسم الخارج عن جدار الكعبة، وهو محوط مدور على صورة نصف دائرة ويسمى (حجر إسماعيل) قال ابن إسحاق :جعل إبراهيم عليه السلام الحجر إلى جنب البيت عريشا من أراک تقتحمه العنز، وكان زربا لغنم إسماعيل .ويسمى الحطيم.
وقيل :الحطيم هو جدار الحجر، وقيل ما بين الركن وزمزم والمقام .
الحكم التكليفى:جمهور الفقهاء على أن ستة أذرع نبوية من الحجر من البيت .ويدل لذلک ما فى الصحيحين وغيرهما من حديث عائشة قالت :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :يا عائشة لولا أن قومک حديثو عهد بشرک لهدمت الكعبة فألزقتها بالأرض وجعلت لها بابين بابا شرقيا وبابا غربيا، وزدت فيها ستة أذرع من الحجر فإن قريشا اقتصرتها حين بنت الكعبة، وفى رواية فإن بدا لقومک من بعدى أن يبنوه، فهلمى لأريک ما تركوا منه فأراها قريبا من سبعة أذرع .وفى مسلم عن عطاء فذكر شيئا من حريق الكعبة وعمارة بن الزبير لها ثم قال :إنى سمعت عائشة تقول :إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :لولا أن قومک حديث عهدهم بكفر وليس عندى من النفقة ما يقوى على بنائه لكنت أدخلت فيه من الحجر خمسة أذرع . قال عطاء :وزاد فيه خمسة أذرع من الحجر حتى أبدى أساسها ونظر إليه الناس فبنى عليه البناء انتهى .
واختلفوا فى كون جميعه من البيت.
فقال الحنفية والحنابلة، وهو قول عند الشافعية :إن جميع الحجر من البيت .
واستدلوا بحديث عائشة رضى الله عنها قالت :سألت النبى صلى الله عليه وسلم عن الحجر فقال : هو من البيت .وعنها رضى الله عنها قالت :كنت أحب أن أدخل البيت فأصلى فيه، فأخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم بيدى، فأدخلنى فى الحجر فقال :صلى فى الحجر إذا أردت دخول البيت، فإنما هو قطعة من البيت، فإن قومک اقتصروا حين بنوا الكعبة فأخرجوه من البيت .
استقبال الحجر فى الصلاة:
اختلف الفقهاء فى جواز استقبال الحجر فى الصلاة :فقال الحنابلة وهو قول عند المالكية:
يجوز استقبال الحجر فى الصلاة إذا كان المصلى خارج الحجر سواء ، أكانت الصلاة فرضا أم نفلا :لحديث :الحجر من البيت.
أما إذا كان المصلى فى داخله فلا يصح الفرض، كصلاته فى داخل البيت .
وقال الحنفية، والشافعية :لا تصح الصلاة باستقبال الحجر، فرضا كانت أم نفلا، لأن كونه من البيت مظنون لثبوته بخبر الآحاد، ووجوب التوجه إلى البيت ثبت بنص الكتاب وهو قوله تعالى : (وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره ولا يجوز ترک العمل بنص الكتاب بخبر الواحد . وإلى هذا ذهب عياض والقرافى وابن جماعة من المالكية، وقالوا :إنه مذهب المالكية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص١٠٣، مادة "حجر")

(4)......حجرِ اسود

بیتُ اللہ کے ایک کونے میں پتھر نصب ہے، جس کو حجرِ اسود کہا جاتا ہے، یہ جنت سے آیا ہوا پتھر ہے، اور بہت بابرکت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

اَلْحَجَرُ الْأَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ۱۳۹۴۴) [1]

ترجمہ: حجرِ اسود جنت (کے پتھروں) میں سے ہے (مسند احمد)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَزَلَ الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَهُوَ أَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِيْ آدَمَ (سنن الترمذی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حجرِ اسود جنت سے آیا ہے، اور یہ پہلے دودھ سے زیادہ سفید تھا، پس بنی آدم کے (بوسہ لینے کے نتیجہ میں) گناہوں کی وجہ سے کالا ہوگیا (ترمذی)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيَبْعَثَنَّ اللّٰهُ الْحَجَرَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَهُ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا، وَلِسَانٌ يَنْطِقُ بِهِ، يَشْهَدُ بِهِ عَلٰى مَنِ اسْتَلَمَهُ بِحَقٍّ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ۲۶۴۳) [3]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

[2] رقم الحديث ۸۷۷، ابواب الحج، باب ما جاء فى فضل الحجر الأسود، والركن، والمقام.
قال الترمذی: وفى الباب عن عبد الله بن عمرو، وأبى هريرة :. حديث ابن عباس حديث حسن صحيح.

[3] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: بے شک رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا کہ اللہ ضرور بہ ضرور حجرِ اسود کو قیامت کے دن اس حالت میں اٹھائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی کہ جن سے وہ دیکھ رہا ہوگا، اور ایک زبان ہوگی کہ جس سے وہ بولے گا، اور گواہی دے گا اس شخص کے حق میں کہ جس نے حق کے ساتھ (طواف کے دوران) اس کا استلام (یعنی بوسہ یا اس کا اشارہ) کیا ہوگا (مسند احمد)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مَسْحَ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ، وَالرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ يَحُطَّانِ الْخَطَايَا حَطًّا (مصنف عبدالرزاق) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حجر اسود اور رکن یمانی کو چھونا یہ دونوں گناہوں کو مٹا دیتے ہیں پورے طور پر (طبرانی)

اس سے معلوم ہوا کہ حجر اسود کے علاوہ رکنِ یمانی کو چھونے میں بھی اللہ تعالیٰ نے گناہوں کو معاف کرانے کی تاثیر رکھی ہے۔

اور یہ متبرک مقامات وآثار سے تبرک حاصل کرنے کی دلیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَهُوَ مُسْنِدٌ ظَهْرَهُ إِلَى الْكَعْبَةِ: اَلرُّكْنُ وَالْمَقَامُ يَاقُوتَتَانِ مِنْ يَّوَاقِيْتِ الْجَنَّةِ، وَلَوْلَا أَنَّ اللّٰهَ طَمَسَ عَلٰى نُوْرِهِمَا، لَأَضَاءَ تَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (صحيح ابن حبان) [2]

---

[1] رقم الحديث ۸۸۷۷، كتاب المناسک، باب الطواف واستلام الحجر وفضله، المعجم الكبير للطبرانى رقم الحديث ۱۳۴۳۸ ،صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۳۶۹۸.
قال شعيب الارنؤوط: إسناده قوى(حاشية ابنِ حبان)

[2] رقم الحديث ۳۷۱۰، كتاب الحج، باب فضل مكة، مسند احمد، رقم الحديث ۷۰۰۰،موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، رقم الحديث ۱۰۰۴ .

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رکن (یعنی حجر اسود) اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں (یعنی پتھروں) میں سے دو یاقوت (یعنی پتھر) ہیں، اور گر اللہ ان کی روشنی کو نہ بجھاتا، تو یہ مشرق اور مغرب کے درمیان والے سارے حصہ کو خوب روشن کردیتے (ابنِ حبان)

اس حدیث کو بعض حضرات نے ''حسن'' قرار دیا ہے۔ [1]

جبکہ بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: رجاء بن صبيح :لـم يوثقه غير المؤلف، وقد ضعفه ابن معين، وقال أبو حاتم :ليس بالقوىّ، لكن تابعه الزهرى، وباقى رجاله ثقات، فالحديث حسن لغيره.

وأخرجه أحمد 2/213-214، والترمذى 878في الحج :بـاب مـا جـاء فى فضل الحجر الأسود والركن والمقام، وابن خزيمة 2732، والحاكم 1/456مـن طريقين عن رجاء ، بهذا الإسناد .قال ابن خزيمة بإثره :لست أعرف رجاء هذا بعدالة ولا جرح، ولست أحتج بخبر مثله.

وأخرجه ابن خزيمة 2731، والحاكم 1/456، ومن طريقه البيهقى 5/75، من طريقين عن أيوب بن سويد، عن يونس، عن الزهرى، عن مسافع، به.

وقال الحاكم :هـذا حديث تفرد به أيوب بن سويد، عن يونس، وأيوب ممن لم يحتجا به، إلا أنه من أجلّة مشـايخ الشام، ورده الذهبى بقوله :قلت :ضـعفه أحمد .قلت :هـو سـيء الحفظ، لكن تابعه شبيب بن سعيد الحَبَطِىّ عند البيهقى، فالحديث صحيح.

وأخرجه عبد الرزاق 8921عـن ابـن جريج، عن ابن شهاب، عن مسافع أنه سمع رجلاً يحدث عن عبد الله بن عمرو.

وأخرجه البيهقى 5/75من طريق يونس، عن الزهرى، عن مسافع، عن ابن عمرو رفعه، وفيه ... " : ولـولا مـا مسهما من خطايا بنى آدم لأضاء ا ما بين المشرق والمغرب، وما مسهما من ذى عاهة ولا سقيم إلا شفى."

وأخرجه البيهقى 5/75مـن طـريق مسدد عن حماد بن زيد، عن ابن جريج، عن عطاء ، عن عبد الله بن عمرو رفعه .وفيه ... " :لـولا مـا مسـه من أنجاس الجاهلية، ما مسه ذو عاهة إلا شفى، وما على الأرض شىء من الجنة غيره."(حاشية ابنِ حبان)

[2] قال شعيب الارنؤوط:

اسـناده ضعيف، والأصح وقفه .رجاء أبو يحيى -وهـو رجاء بن صبيح الحرشى -ضعفه ابـن مـعين وأبو حاتم، وقال ابن خزيمة :لسـت أحتج بخبر مثله، وذكـره ابن حبان فى "الثقات "وهو متابع، وباقى رجاله ثقات رجال الصحيح .عفان :هو ابن مسلم الصفار، ومسافع بن شيبة :هو مسافع بن عبد الله بن شيبة بن عثمان بن أبى طلحة الحجبى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ حدیث میں "رُکن" سے مراد "حجرِ اسود" ہے، اور حجرِ اسود کے جنت کا پتھر ہونے کا ذکر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المکی العبدری، نُسب هنا إلى جده.
قال أبو حاتم فی "العلل :1/300 "رواه الزهری وشعبة، کلاهما عن مسافع بن شيبة، عن عبد الله بن عمرو، موقوف، وهو أشبه، ورجاء شيخ ليس بقوی.
قلنا :قد ورد من طريق الزهری، به، مرفوعاً، لکن من طريق ضعيف کما سيرد.
وأخرجه ابنُ خزيمة (2732) ، والحاکم 1/456 من طريق عفان بن مسلم، بهذا الإسناد .قال الحاکم :هذا شاهد لحديث الزهری عن مسافع.
قلنا :قد وقع فيه رجاء بن يحيى، بدل :رجاء أبی يحيى.
قال الذهبی :کذا قال عفان :حدثنا رجاء بن يحيى، وصوابه :رجاء أبو يحيى، ليس بالقوی.
قلنا :رواه عفان هنا على الصواب، فلعل الخطأ ممن دونه من الرواة، وقد أخطأ فيه يونس بن محمد فی الرواية (7008) الآتية.
وأخرجه الترمذی (878) من طريق يزيد بن زريع، وابن حبان فی "صحيحه "(3710) ، وفی "الثقات 6/306 "من طريق هدبة بن خالد، کلاهما عن رجاء أبی يحيى، به .قال الترمذی :هذا يروی عن عبد الله بن عمرو موقوفاً قوله.
قلنا :وقوله" :سمعت رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يقول "سقط من مطبوع "ثقات" ابن حبان.
وأخرجه ابنُ خزيمة أيضاً (2731) ، والحاکم 1/456، ومن طريقه البيهقی فی "السنن 5/75 "من طريق أيوب بن سويد، عن يونس بن يزيد، عن الزهری، عن مسافع، به.
قال ابنُ خزيمة :هذا الخبر لم يُسنده أحد أعلمه من حديث الزهری غير أيوب بن سويد إن کان حفظ عنه.
وقال الحاکم :هذا حديث تفرد (به) أيوب بن سويد، عن يونس، وأيوب ممن لم يحتجا به، إلا أنه من أجلة مشايخ الشام، فتعقبه الذهبی بقوله :قلت :ضعفه أحمد.
قلنا :تابعه -لکن بلفظ آخر -شبيب بن سعيد الحبطی عند البيهقی فی "السنن5/75 "، ولفظه" :إن الرکن والمقام من ياقوت الجنة، ولولا ما مسهما من خطايا بنی آدم لأضاءا ما بين المشرق والمغرب، وما مسهما من ذی عاهة ولا سقيم إلا شفی."
قلنا :ورواية البيهقی هذه يُعلها ما رواه عبد الرزاق (8915) عن ابن جريج، قال : حدثنی عطاء (هو ابن أبی رباح) ، عن عبد الله بن عمرو وکعب الأحبار أنهما قالا :لولا ما يمسح به ذو الأنجاس من الجاهلية، ما مسّه ذو عاهة إلا شفی، وما من الجنة شیء فی الأرض إلا هو.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسری معتبر احادیث میں بھی ہے، لہٰذا جن حضرات نے مذکورہ حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فرواية عبد الرزاق هذه هي من قول عبد الله بن عمرو وكعب الأحبار، وقد صرح ابنُ جريج فيها بالتحديث، لكنها وردت عند البيهقي 5/75 مرفوعة من طريق حماد بن زيد، عن ابن جريج، عن عطاء، عن عبد الله بن عمرو، مرفوعاً، وابن جريج قد عنعن، ورواية عبد الرزاق أصح.

وأخرجه عبد الرزاق (8921) عن ابن جريج، عن ابن شهاب، قال :أخبرني مسافع الحجبي، أنه سمع رجلاً يحدث عن عبد الله بن عمرو (تحرف فيه إلى :عمر) أنه قال: الركن والمقام ياقوتتان من ياقوت الجنة أطفأ الله نورهما، ولولا ذلک لأضاء ا ما بين المشرق والمغرب .وهذا إسناد ضعيف، لعنعنة ابن جريج، ولإبهام الرجل الذى حدث عن ابن عمرو، وسيأتي برقم (7008) و (7009).

قال الترمذي :وفيه عن أنس أيضاً.

قلنا :هو عند الحاكم 1/456، وفي إسناده داود بن الزبرقان، وهو متروک وفي الباب أيضاً عن ابن عباس، سلف برقم (2795) بلفظ" :الحجر الأسود من الجنة، وكان أشد بياضاً من الثلج، حتى سودتْه خطايا أهل الشرک ."وذكرنا هناک شاهده(حاشية مسند احمد، تحت رقم الحديث ٧٠٠٠)

قال حسين سليم أسد الدّاراني :

إسناده ضعيف، رجاء بن صبيح ترجمه البخاري في الكبير 314/ 3ولم يورد فيه جرحا ولا تعديلا، وأورد ابن أبي حاتم بإسناده إلى يحيى بن معين قوله -في "الجرح والتعديل 502/ 3-" :رجاء أبو يحمش صاحب السقط ضعيف."

وقال أبو حاتم " :أبو يحيى صاحب السقط ليس بقوي ."وقال العقيلي في الضعفاء 2/ 60" :عن يحيى بن أبي كثير، ولا يتابع عليه ."وقال ابن خزيمة" :لا أعرفه بعدالة ولا جرح ولا أحتج بخبر مثله ."وقال ابن عبد البر" :ليس هو عندهم بالقوي ."ووثقه ابن حبان، وانظر "المغني في الضعفاء 231/ 1 ."وباقي رجاله ثقات، ومسافع هو ابن عبد الله بن شيبة وقد نسبه إلى جده.

والحديث في الإحسان 10 - 9/ 6برقم .(3702)

وأخرجه أحمد 214/ 2من طريق عفان، حدثنا هدبة بن خالد، بهذا الإسناد.

وأخرجه أحمد 214 - 213/ 2، والحاكم 456/ 1من طريق عفان، وأخرجه أحمد 2/ 214من طريق يونس بن محمد،

وأخرجه الترمذي في الحج (878) باب :ما جاء في فضل الحجر الأسود والركن والمقام، من طريق قتيبة بن سعيد، حدثنا يزيد بن زريع، جميعهم عن رجاء أبي يحيى، بهذا الإسناد .وعند الحاكم "رجاء بن يحيى."

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے حجرِ اسود کے جنت کا پتھر ہونے کا ضعف ثابت نہیں ہوتا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الذهبی " :كذا قال عفان :رجاء بن يحيى .وصوابه :رجاء أبو يحيى، ليس بالقوی."

وعند أحمد " :214 /2قال يونس :رجاء بن يحيى .وقال عفان :رجاء أبو يحيى .قال عفان :وحدثناه هدبة بن خالد قال :حدثنا رجاء بن صبيح أبو يحيى الحرشی. والصواب أبو يحيى كما قال عفان، وهدبة بن خالد."

وقال الترمذی " :هذا يروى عن عبد الله بن عمرو موقوفا .وفيه عن أنس أيضا، وهو حديث غريب."

وأخرجه الحاكم 456 /1من طريق محمد بن يعقوب، حدثنا الربيع بن سليمان، حدثنا أيوب بن سويد، حدثنا يونس بن يزيد، عن الزهری، عن مسافع الحجبی، بهذا الإسناد.

ومن طريق الحاكم هذه أخرجه البيهقی فی الحج 75 /5باب :ما ورد فی الحجر الأسود والمقام.

وقال الحاكم " :تفرد به أيوب بن سويد، عن يونس .وأيوب ممن لم يحتجا به، إلا أنه من أجلة مشايخ الشام."

وتعقبه الذهبی بقوله" :ضعفه أحمد ."ونضيف :قال ابن معين " :ليس بشیء ، يسرق الأحاديث ."وقال البخاری " :يتكلمون فيه ."وقال النسائی " :ليس بثقة ."وقال ابن حبان" :كان ردیء الحفظ يخطء، يتقى حديثه."

وقال ابن أبی حاتم فی "علل الحديث - 300 /1 "برقم " :(899)سمعت أبی وذكر حديثا رواه رجاء بن صبيح أبو يحيى الحرشی صاحب السقط، عن مسافع بن شيبة - وذكر هذا الحديث-

فقال أبی :رواه الزهری وشعبة كلاهما عن مسافع بن شيبة، عن عبد الله بن عمرو موقوف، وهو أشبه .ورجاء شيخ ليس بقوی."

ويشهد له حديث أنس عند الحاكم 456 /1ولكن فی إسناده داود بن الزبرقان وهو متروك الحديث.

وقال الحافظ فی الفتح " :462 /3أخرجه أحمد، والترمذی، وصححه ابن حبان، وفی إسناده رجاء أبو يحيى، وهو ضعيف ."ثم أورد قول الترمذی السابق(حاشية (موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان)

[1] (وعن ابن عمر – رضی الله عنهما، قال: سمعت رسول الله – صلى الله عليه وسلم – يقول: "إن الركن) أی: الحجر الأسود (والمقام) : أی: مقام إبراهيم – عليه الصلاة والسلام– (ياقوتتان من ياقوت الجنة) : المراد به الجنس، فالمعنى أنهما من يواقيت الجنة (طمس الله) أی:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(5)......آبِ زمزم

آبِ زمزم انتہائی بابرکت پانی ہے، جو دنیا کے سب پانیوں سے افضل واعلیٰ ہے، جو حضرت جبریل کی ایڑی زمین پر مارنے سے نمودار ہوا تھا، اور حضرت اسماعیل کی والدہ نے اس کی منڈیر بنائی تھی۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ: أَنَّ جِبْرِيلَ لَمَّا رَكَضَ زَمْزَمَ بِعَقِبِهِ، جَعَلَتْ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ تَجْمَعُ الْبُطْحَاءَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَحِمَ اللّٰهُ هَاجَرَ أُمَّ إِسْمَاعِيلَ، لَوْ تَرَكَتْهَا لَكَانَتْ مَاءً مَّعِينًا (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ٢١١٢٥) [1]

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب نے فرمایا کہ جب حضرت جبریل نے اپنی ایڑیاں مار کر زمزم کے پانی کو خارج کیا، تو حضرت اسماعیل کی والدہ پتھروں کو جمع کرنے لگیں (تاکہ پانی کی منڈیر اور رکاوٹ بنادیں) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ حضرت اسماعیل کی والدہ حضرت ہاجرہ پر رحم فرمائے، اگر وہ اس پانی کو اسی طرح چھوڑ دیتیں، تو یہ جاری چشمہ بن جاتا (مسند احمد)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أذهب (نورهما) : أي: بمساس المشركين لهما، ولعل الحكمة في طمسهما ليكون الإيمان غيبيا لا عينيا (ولو لم يطمس) : على بناء الفاعل، ويجوز المفعول (نورهما لأضائا) : بالتثنية (ما بين المشرق، والمغرب) : فأضائه متعد، وفي نسخة بصيغة الإفراد، أي: لأضاء كل واحد، والله سبحانه بهما أعلم، أو هي لازم أي: لاستنار بهما ما بين المشرق والمغرب (مرقاة المفاتيح، ج٥ص ١٧٩٠، كتاب المناسك، باب دخول مكة والطواف)

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشيخين غير حجاج بن يوسف الشاعر، فمن رجال مسلم (حاشية مسند احمد)

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُرِجَ عَنْ سَقْفِ بَيْتِيْ وَأَنَا بِمَكَّةَ، فَنَزَلَ جِبْرِيلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَفَرَجَ صَدْرِيْ، ثُمَّ غَسَلَهُ بِمَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مُمْتَلِءٍ حِكْمَةً وَإِيْمَانًا، فَأَفْرَغَهُ فِيْ صَدْرِيْ، ثُمَّ أَطْبَقَهُ (صحيح البخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شب میرے گھر کی چھت (جس میں اس وقت میں موجود تھا) پھٹ گئی اور میں مکہ میں تھا، پھر جبریل علیہ السلام اترے اور انہوں نے میرے سینہ کو چاک کیا، پھر اسے زمزم کے پانی سے دھویا، پھر ایک طشت سونے کا حکمت وایمان سے بھرا ہوا لائے اور اس کو میرے سینہ میں ڈال دیا، پھر سینہ کو بند کر دیا (بخاری)

اس روایت میں مذکورہ واقعہ کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، دوسری روایات میں اس کی تفصیل آئی ہے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَيْلَةَ أُسْرِىَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَسْجِدِ الْكَعْبَةِ، أَنَّهُ جَاءَهُ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ قَبْلَ أَنْ يُوحٰى إِلَيْهِ وَهُوَ نَائِمٌ فِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، فَقَالَ أَوَّلُهُمْ :أَيُّهُمْ هُوَ؟ فَقَالَ أَوْسَطُهُمْ :هُوَ خَيْرُهُمْ، فَقَالَ آخِرُهُمْ :خُذُوْا خَيْرَهُمْ، فَكَانَتْ تِلْكَ اللَّيْلَةَ، فَلَمْ يَرَهُمْ حَتّٰى أَتَوْهُ لَيْلَةً أُخْرٰى، فِيْمَا يَرٰى قَلْبُهُ، وَتَنَامُ عَيْنُهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ، وَكَذٰلِكَ الْأَنْبِيَاءُ تَنَامُ أَعْيُنُهُمْ وَلَا تَنَامُ قُلُوْبُهُمْ، فَلَمْ يُكَلِّمُوْهُ حَتّٰى احْتَمَلُوْهُ، فَوَضَعُوْهُ عِنْدَ بِئْرِ زَمْزَمَ، فَتَوَلَّاهُ مِنْهُمْ جِبْرِيْلُ، فَشَقَّ جِبْرِيْلُ مَا بَيْنَ نَحْرِهٖ إِلٰى لَبَّتِهٖ حَتّٰى فَرَغَ مِنْ صَدْرِهٖ وَجَوْفِهٖ، فَغَسَلَهُ مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ

---

[1] رقم الحديث ۳۴۹، كتاب الصلاة، باب :كيف فرضت الصلاة فى الإسراء؟دارطوق النجاة، بيروت.

بِيَدِهٖ، حَتّٰى أَنْقٰى جَوْفَهٗ، ثُمَّ أُتِيَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ فِيْهِ تَوْرٌ مِّنْ ذَهَبٍ، مَحْشُوًّا إِيْمَانًا وَّحِكْمَةً، فَحَشَا بِهٖ صَدْرَهٗ وَلَغَادِيْدَهٗ -يَعْنِيْ عُرُوْقَ حَلْقِهٖ -ثُمَّ أَطْبَقَهٗ (صحيح البخاری) [1]

ترجمہ: جس رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد کعبہ (یعنی حرم شریف) سے سیر (ومعراج) ہوئی تو وحی کے پہنچنے سے پہلے آپ کے پاس تین فرشتے آئے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں آرام فرمارہے تھے، ان فرشتوں میں سے پہلے نے کہا کہ ان میں وہ (نبی) کون ہیں؟ بیچ والے نے اشارہ سے بتایا کہ ان میں سب سے اچھے وہ ہیں، تیسرے فرشتے نے کہا کہ ان میں جو بہتر ہیں، ان کو لے لو (اس وقت اور لوگ بھی حرم میں آرام فرمارہے تھے) اس رات کو یہی ہوا، پھر دوسری رات آنے تک ان فرشتوں کو نہیں دیکھا۔

دوسری رات کو وہ فرشتے آئے، آپ کا دل ان کو دیکھ رہا تھا اور آنکھیں سوئی ہوئی تھیں، انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا، ان فرشتوں نے آپ سے کوئی بات نہیں کی اور آپ کو اٹھا کر چاہِ زمزم کے پاس لے گئے، جبریل نے اس کام کو سنبھالا، انہوں نے آپ کے گلے سے لے کر دل کے نیچے تک سینہ کو چاک کیا اور سینہ اور پیٹ کو (خواہشات سے) خالی کیا اپنے ہاتھ سے زمزم کے پانی سے دھویا، آپ کے پیٹ کو خوب صاف کیا پھر سونے کا ایک طشت لایا گیا جس میں سونے کا ایک برتن (طشت) ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا اس سے آپ کے سینہ اور حلق (کی سب رگوں) کو بھرا، پھر اس کو برابر کر دیا (بخاری)

زمزم انتہائی پاکیزہ اور متبرک پانی ہے، اس لیے اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو دھویا گیا۔

---

[1] رقم الحديث ٧٥١٧، كتاب التوحيد، باب قوله وكلم الله موسى تكليما.

حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِدَلْوٍ مِنْ مَّاءِ زَمْزَمَ، فَتَمَضْمَضَ، فَمَجَّ فِيْهِ أَطْيَبَ مِنَ الْمِسْكِ، أَوْ قَالَ: مِسْكٌ، وَاسْتَنْثَرَ خَارِجًا مِّنَ الدَّلْوِ (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ١٨٨٧٤) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زمزم کے پانی کا ایک ڈول لایا گیا، جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ میں پانی لیا، پھر اس ڈول میں کلی کردی، جس کی خوشبو مشک کی خوشبو سے سے زیادہ پاکیزہ تھی، یا مشک کی خوشبو کی طرح تھی، اورڈول سے باہر اپنی ناک صاف کی (مسند احمد)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى زَمْزَمَ، فَنَزَعْنَا لَهُ دَلْوًا، فَشَرِبَ، ثُمَّ مَجَّ فِيْهَا، ثُمَّ أَفْرَغْنَاهَا فِيْ زَمْزَمَ، ثُمَّ قَالَ: لَوْلَا أَنْ تُغْلَبُوْا عَلَيْهَا، لَنَزَعْتُ بِيَدَيَّ (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ٣٥٢٧) [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث حسن(حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم كما قال الحافظ ابن كثير فى "تاريخه5/193 "، رجاله ثقات رجال الشيخين غير حماد -وهو ابن سلمة-، وقبس -وهو ابن سعد المكى-، فمن -رجال مسلم.

وأخرجه الطبرانى (11165) من طريق حجاج بن المنهال، عن حماد، به.

وأخرجه بنحوه البخارى (1635) ، وابن خزيمة (2946) ، وابن حبان (5392) ، والطبرانى (11963) . والحاكم 1/475، والبيهقى 5/147من طريق خالد الحذاء ، عن عكرمة، عن ابن عباس رضى الله عنهما -فذكر حديث شرب النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ من زمزم، وقال فى آخره: ثم أتى زمزم وهم يسقون ويعملون فيها، فقال " :اعملوا فإنكم على عمل صالح "، ثم قال" :لولا أن تغلبوا لنزلت حتى أضع الحبل على هذه"، وأشار إلى عاتقه.

وقد سلف بنحوه فى مسند ابن عباس برقم (2227) وإسناده ضعيف.

وفى الباب عن على، وقد سلف فى "المسند "برقم (562).

وعن جابر فى حديثه الطويل عند الدارمى (1850) ، ومسلم (1218) ، وأبى داود (1905) ، والنسائى فى "الكبرى "(4167) ، وابن ماجه (3074) ، وابن خزيمة (2944) ،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم زمزم کے پاس تشریف لائے، ہم نے آپ کے لیے زمزم کا ایک ڈول کھینچا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمزم نوش فرمایا، پھر اس ڈول میں کلی کی، پھر ہم نے اس پانی کو زمزم میں ڈال دیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لوگوں کا تم پر ہجوم وچھینا جھپٹی کرنے کا اندیشہ نہ ہوتا، تو میں اپنے ہاتھ سے زمزم کا پانی نکالتا (مسند احمد)

اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم زمزم کے کنویں سے خود پانی نکالتے، تو امت کے سب افراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں یہ عمل کرنے کا اہتمام کرتے، جس کی خاطر ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے اور زور آزمائی کرنے کی کوشش کرتے، اور اس کی وجہ سے تکلیف ومشقت میں مبتلا ہوتے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تکلیف ومشقت سے بچانے اور امت پر شفقت کی بناء پر خود سے زمزم کا پانی نہیں نکالا، تاکہ امت کے تمام افراد خود سے زمزم کا پانی نکالنے کی ضرورت نہ سمجھیں، بلکہ دوسرے کی طرف سے نکالے ہوئے پانی کو پینا اور اس سے استفادہ کرنا کافی سمجھیں، جیسا کہ آج کل بھی امت کی اکثریت کا عمل اسی پر ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمزم کے ڈول میں اپنا لعابِ دہن شامل کر کے اس پانی کو زمزم کے کنویں میں ڈلوا دیا۔

ایک تو زمزم کا پانی خود انتہائی مبارک پانی ہے، دوسرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لعابِ دہن بھی انتہائی مبارک ہے، اس طرح سے زمزم کے مبارک پانی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لعابِ دہن کی ایک اور برکت شامل ہو کر زمزم کا پانی ''نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٌ'' کا مصداق بن گیا، اور اس

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والبیهقی 147-5/146، وفیه :فأتی بنی عبد المطلب یسقون علی زمزم، فقال" :انزعوا بنی عبد المطلب، فلولا أن یغلبکم الناس علی سقایتکم، لنزعت معکم "فناولوه دلواً فشرب منه.

قوله" :ثم مج فیها"، أی :رمی بما بقی فی فیه من الماء(حاشیة مسند احمد)

طرح تا قیامت امت کے باقی افراد کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لعابِ دہن کی برکت سے مستفید ہونے کی سعادت کا موقع میسر آ گیا، جو زمزم کا پانی پینے کے ذریعہ سے حاصل ہوجاتا ہے۔ [1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهُ

(سنن ابن ماجه) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ زمزم ان مقاصد کے لیے فائدہ مند ہے، جن کے لیے اسے پیا جائے (ابن ماجہ)

یعنی جن اغراض کی تکمیل اور بیماریوں سے شفاء کی نیت سے آبِ زمزم پیا جاتا ہے، ان کو اس سے فائدہ وافاقہ ہوتا ہے۔

اگر بیماری کی شفاء کے لیے پیا جائے، تو اللہ بیماری سے شفاء عطاء فرماتا ہے، اور بھوک، پیاس مٹانے کے لیے پیا جائے، تو یہ مقصد حاصل ہوتا ہے۔ [3]

---

[1] عن ابن عباس قال: جاء النبى – صلى الله عليه وسلم – إلى زمزم، فنزعنا له دلوا فشرب، ثم مج فيها، ثم أفرغنها فى زمزم، ثم قال: " لولا أن تغلبوا عليه لنزعت بيدى "وفى رواية: عن عطاء أنه – صلى الله عليه وسلم – (لما أفاض نزع الدلو) أى: من زمزم، ولم ينزع معه أحد، فشرب، ثم أفرغ باقى الدلو فى البئر، ووجه الجمع لا يخفى(مرقاة المفاتيح، ج۵ص ۱۸۳۹، كتاب المناسك، باب خطبة يوم النحر ورمى أيام التشريق والتوديع)

[2] رقم الحديث ۳۰۶۲، ابواب المناسک، باب الشرب من زمزم.

قال شعيب الارنووط: حديث محتمل للتحسين (حاشية سنن ابن ماجه)

[3] وقد قال ابن عباس: إن ماء زمزم لما شرب له، وقال مجاهد: إن شربته تريد الشفاء شفاك الله، وإن شربته تريد أن تقطع ظمأك قطعه الله، وإن شربته تريد أن يشبعك أشبعك الله(شرح صحيح البخارى لابنِ بطال، ج۴ص ۳۱۶، كتاب الحج، باب ما جاء فى زمزم)

(ماء زمزم لما شرب له: من شربه لمرض شفاه الله أو لجوع أشبعه الله أو لحاجة قضاها الله) قال المصنف فى الساجعة: صح أنها للجائع طعام وللمريض شفاء من السقام وقد فضل ماؤها على ماء الكوثر حيث غسل منها القلب الشريف الأطهر(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۷۷۶۱)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الْحُمَّى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ، فَأَبْرِدُوْهَا بِمَاءِ زَمْزَمَ (مسند الإمام أحمد ، رقم الحديث ٢٦٤٩) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بخار جہنم کے جوش کا اثر ہے، پس تم اس کو زمزم کے پانی سے ٹھنڈا کرو (مسند احمد)

یعنی بخار چڑھے ہوئے کے جسم پر زم زم کا چھڑکاؤ کرو، اور زم زم پلاؤ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: زَمْزَمُ طَعَامُ طُعْمٍ وَشِفَاءُ سَقَمٍ (مسند البزار) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمزم کھانے والے کے لیے کھانا (یعنی غذا) ہے، اور بیمار کے لیے شفا (یعنی دوا) ہے (بزار)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین کے اوپر سب سے بہترین پانی زمزم کا پانی ہے، جو کہ کھانے کا کھانا ہے، اور مریض کے لیے شفا ہے (طبرانی) [3]

---

[1] قال شعيب الارنووط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

[2] رقم الحديث ٣٩٢٩، ج٩ص ٣٦١، مسند أبي ذر الغفاري رضي الله عنه.

قال الهيثمي: رواه البزار والطبراني في الصغير، ورجال البزار رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٥٧١١، باب في زمزم)

و قال المنذري: رواه البزار بإسناد صحيح (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ١٨١٤)

[3] عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خير ماء على وجه الأرض ماء زمزم فيه طعام من الطعم وشفاء من السقم، وشر ماء على وجه الأرض ماء بوادي برهوت بقية حضرموت كرجل الجراد من الهوام يصبح يتدفق ويمسي لا بلال به (المعجم الكبير، للطبراني، رقم الحديث ١١١٦٧)

قال الهيثمي: رواه الطبراني في الكبير، ورجاله ثقات، وصححه ابن حبان (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٥٧١٢، باب في زمزم)

حضرت ابوطفیل سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: كُنَّا نُسَمِّيْهَا شُبَاعَةَ يَعْنِيْ زَمْزَمَ، وَكُنَّا نَجِدُهَا نِعْمَ الْعَوْنُ عَلَى الْعِيَالِ (مصنف عبدالرزاق) [1]

ترجمہ: میں نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہم نے زمزم کا نام ''شباعة'' (یعنی پیٹ بھرنے والی چیز) رکھا ہوا تھا، اور ہم اس کو اہل و عیال (کو کھلانے کی ذمہ داری پوری کرنے) کے لیے بہت اچھا مددگار پاتے ہیں (عبدالرزاق، طبرانی)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمَلَ ثَلَاثَةَ أَطْوَافٍ مِنَ الْحَجَرِ إِلَى الْحَجَرِ، وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ عَادَ إِلَى الْحَجَرِ، ثُمَّ ذَهَبَ إِلٰى زَمْزَمَ فَشَرِبَ مِنْهَا، وَصَبَّ عَلٰى رَأْسِهٖ، ثُمَّ رَجَعَ فَاسْتَلَمَ الرُّكْنَ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى الصَّفَا (مسند أحمد، رقم الحديث ١٥٢٤٣) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کے تین چکروں میں حجرِ اسود سے حجرِ اسود تک رمل کیا، اور (پھر طواف کے بعد) دو رکعتیں پڑھیں، پھر آپ حجرِ اسود کی طرف تشریف لائے، پھر آپ زمزم کی طرف تشریف لے گئے، جس سے آپ نے نوش فرمایا اور اپنے سر پر بھی ڈالا، پھر واپس تشریف لائے، پھر حجرِ اسود کا استلام کیا، پھر صفا کی طرف لوٹ کر چلے گئے (مسند احمد)

---

[1] رقم الحديث ٩١٢٠، كتاب المناسك، باب زمزم وذكرها، المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ١٠٦٣٧.

قال الهيثمي: رواه الطبراني في الكبير، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٥٧١٣، باب في زمزم)

وقال المنذري: رواه الطبراني في الكبير وهو موقوف صحيح الإسناد (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ١٨١٥)

[2] قال شعيب الارنؤط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

حضرت عروہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تَحْمِلُ مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ فِي الْقَوَارِيرِ، وَتَذْكُرُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَحْمِلُ (مسند أبي يعلى، رقم الحديث ۴۶۸۳، ج۸ ص ۱۳۹، مسند عائشة)[1]

ترجمہ: حضرت عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ زمزم کا پانی بوتلوں میں بھر کر لے جاتیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی ذکر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمزم کا پانی اپنے ساتھ لایا کرتے تھے (مسند ابویعلیٰ)

زمزم کا پانی باعثِ برکت ہے، اس وجہ سے اس کا پینا اور جسم پر لگانا مختلف امراض کے لیے مفید ہے، اور یہ زم زم سے تبرک حاصل کرنے کی مختلف شکلیں ہیں، زمزم کو برکت کے طور پر جسم پر لگانا بھی جائز ہے، اور کوئی خود سے بیتُ اللہ نہ پہنچ سکے، اس کو دوسرے کے لائے ہوئے زمزم سے مستفید ہونا اور برکت حاصل کرنا بھی جائز ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا زمزم لانے کا عمل، جو استمرار کے ساتھ منقول ہے، اس کی یہ صورت ہوگی کہ حجۃ الوداع میں جتنا عرصہ مکہ میں قیام رہا، تو مسجدِ حرام سے قیام گاہ جاتے ہوئے زمزم کا پانی پینے کے لیے بوتلوں، زمزمیوں وغیرہ میں لے جاتے تھے، اور مدینہ واپسی پر بھی بظاہر توشہ کر کے ساتھ لاتے۔

آج تک حجاج وزائرین یہ دونوں عمل (وہاں قیام گاہ میں استعمال اور واپسی پر ساتھ لانا) کرتے ہیں، یہ روایت اس کی اصل وماٰخذ بنتی ہے۔[2]

آبِ زمزم حضرت جبریل اور حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کی والدہ کی طرف

---

[1] قال حسين سليم أسد الداراني: إسناده حسن (حاشية مسند ابی یعلیٰ)

[2] وفصل صاحب "لباب المناسک" آخر الکتاب فقال: يجوز الاغتسال والتوضؤ بماء زمزم إن كان على طهارة للتبرک (حاشية الطحطاوی علی المراقی، ص ۲۲، کتاب الطهارة)

منسوب ہے، جس سے انبیاء وصلحاء کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کی اصل ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

ملحوظ رہے کہ بعض اہلِ علم حضرات نے زمزم پیتے وقت مندرجہ ذیل دعاء کے پڑھنے کو سنت قرار دیا ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ أَسْأَلُکَ عِلْمًا نَّافِعًا، وَرِزْقًا وَّاسِعًا، وَشِفَاءً مِّنْ کُلِّ دَاءٍ.

مگر ہمیں مذکورہ دعاء کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زمزم پینے کے وقت پڑھنا کسی مستند حدیث میں دستیاب نہ ہوسکا۔

البتہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اس دعاء کا پڑھنا مروی ہے۔ [1]

مگر اس کی سند پر کلام ہے۔

اس لئے ہمیں زمزم پیتے وقت اس دعاء کے پڑھنے کو سنت سمجھنے سے تو پرہیز کرنے میں احتیاط معلوم ہوتی ہے۔

البتہ کوئی سنت سمجھے بغیر پڑھے تو حرج معلوم نہیں ہوتا۔ [2]

---

[1] حدثنا علی بن حمشاذ العدل، ثنا أبو عبد الله محمد بن هشام المروزی، ثنا محمد بن حبيب الجارودی، ثنا سفيان بن عيينة، عن ابن أبی نجيح، عن مجاهد، عن ابن عباس، رضی الله عنهما، قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: ماء زمزم لما شرب له، فإن شربته تستشفی به شفاک الله، وإن شربته مستعيذا عاذک الله، وإن شربته ليقطع ظمأک قطعه قال: وكان ابن عباس إذا شرب ماء زمزم قال: اللهم أسألک علما نافعا، ورزقا واسعا، وشفاء من كل داء (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۱۷۳۹)

قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد إن سلم من الجارودی، ولم يخرجاه ".

[2] وعن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم ماء زمزم لما شرب له إن شربته تستشفی شفاک الله وإن شربته لشبعک أشبعک الله وإن شربته لقطع ظمئک قطعه الله وهی هزمة جبرائيل عليه السلام وسقيا الله إسماعيل عليه السلام. رواه الدارقطنی والحاكم وزاد وإن شربته مستعيذا أعاذک الله وكان ابن عباس رضی الله عنه إذا شرب ماء زمزم قال اللهم إنی أسألک علما نافعا ورزقا واسعا وشفاء من كل داء وقال صحيح الإسناد إن سلم من الجارود يعنی محمد بن حبيب.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(6)......ملتزم

حضرت عبدالرحمٰن بن صفوان رضی اللہ عنہ سے فتحِ مکہ کے موقع کے واقعہ کے ضمن میں روایت ہے کہ:

فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَدْ خَرَجَ مِنَ الْكَعْبَةِ هُوَ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الحافظ سلم منه فإنه صدوق قاله الخطيب البغدادى وغيره لكن الراوى عنه محمد بن هشام المروزى لا أعرفه وروى الدارقطنى دعاء ابن عباس مفردا من رواية حفص بن عمر العدنى.
الهزمة بفتح الهاء وسكون الزاى هو أن تغمز موضعا بيدك أو رجلك فتصير فيه حفرة (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ١٨١٦، الترغيب فى شرب ماء زمزم وما جاء فى فضله)
قال الحاكم :هذا حديث صحيح الإسناد إن سلم من محمد بن حبيب الجارودى.
قلت :قد سلم منه؛ قال ابن القطان فى علله :محمد هذا قدم بغداد وحدث بها، وكان صدوقا، لكن الراوى عنه لا يعرف حاله وهو محمد بن هشام بن على المروزى.
قلت :لكن ظاهر كلام الحاكم يدل على أنه (يعرف حاله) إذ لم يتوقف إلا عن الجارودى فقط .
وقال الذهبى فى الميزان :هذا الحديث رواه الدارقطنى عن (عمر) بن الحسن الأشنانى القاضى صاحب ذاك المجلس، وضعفه الدارقطنى، والحسن بن أحمد الخلال، ويروى عن الدارقطنى أنه كذاب، ولم يصح هذا، ولكن هذا الأشنانى صاحب بلايا، (من) ذلك هذا الحديث .ثم ساقه، (و) قال :ابن حبيب صدوق، فآفته هو .قال :فلقد أثم الدارقطنى بسكوته عنه، فإنه بهذا الإسناد باطل، ما رواه ابن عيينة قط بل المعروف حديث جابر (البدرالمنير لابن الملقن، ج٦، ص٣٠٢، وص٣٠٣، باب دخول مكة وما يتعلق به)
وقال " :هذا حديث صحيح الإسناد ,إن سلم من الجارودى ."
قلت :ووافقه الذهبى ,وذلك من وهمه وتناقضه ,فقد سبق عنه أنه قال فى الجارودى هذا ":" أتى بخبر باطل ."وقد عرفت مما تقدم ذكره أن قوله هذا هو الصواب وأنه أخطأ فى رفعه ووصله.
ثم إن الحافظ قد ذكر فى ترجمة الأشنانى هذا عن الحاكم أنه كان يكذب ,وعنه أنه قال :قلت للدارقطنى :سألت أبا على الحافظ عنه ,فذكر أنه ثقة ,فقال :بئس ما قال شيخنا أبو على !
وقال الذهبى فى "الرد على ابن القطان "(بعد أن ساق الحديث من طريق الدارقطنى(٢/١٩ ـ ١)
قلت :هؤلاء ثقات ,سوى عمر الأشنانى ,أنا أتهمه بوضع حديث أسلمت وتحتى أختان ."
وجملة القول :إن الحديث بالزيادة التى عند الدارقطنى موضوع .لتفرد هذا الأشنانى به ,وهو بدونها باطل لخطأ الجارودى فى رفعه ,والصواب وقفه على مجاهد ,ولئن قيل إنه لا يقال من قبل الرأى فهو فى حكم المرفوع ,فإن سلم هذا ,فهو فى حكم المرسل ,وهو ضعيف ,والله أعلم (ارواء الغليل، تحت رقم الحديث ١١٢٦)

وَأَصْحَابُهُ وَقَدْ اِسْتَلَمُوْا الْبَيْتَ مِنَ الْبَابِ إِلَى الْحَطِيْمِ وَقَدْ وَضَعُوْا خُدُوْدَهُمْ عَلَى الْبَيْتِ، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسْطَهُمْ

(سنن أبی داود، رقم الحدیث ۱۸۹۸، کتاب المناسک، باب الملتزم)

ترجمہ: میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ سے باہر تشریف لائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے صحابۂ کرام بھی تھے، پس سب لوگ خانہ کعبہ کے دروازہ سے لے کر حطیم (یعنی حجرِ اسود) تک کے حصہ سے چمٹ گئے، اور اپنے رخسار کعبہ سے لگا دیئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان میں تھے (ابوداود)

اس حدیث کی سند کو بعض اہلِ علم حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔[1]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

طُفْتُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ فَلَمَّا جِئْنَا دُبُرَ الْكَعْبَةِ قُلْتُ: أَلَا تَتَعَوَّذُ؟ قَالَ: نَعُوْذُ

---

[1] قال شعیب الارنؤوط:

إسناده ضعيف لضعف يزيد بن أبي زياد -وهو القرشي الهاشمي مولاهم، وقال البخاری فی "تاريخ الكبير :247 /3 "عبد الرحمن بن صفوان، أو صفوان بن عبد الرحمن، عن النبی -صلَّى الله عليه وسلم -، قاله يزيد بن أبي زياد، عن مجاهد، ولا يصح .وأخرجه أحمد فی "مسنده "(15550) مختصراً، و (15552) و (15553)، وابن أبی عاصم فی "الآحاد والمثانی "(781)، وابن خزيمة فی "صحيحه "(3017)، والطحاوی فی "شرح معانی الآثار 391 /1 "، والبيهقی فی "الكبرى 92 /5 "من طرق عن يزيد بن أبی زياد، بهذا الإسناد .وزاد ابن أبی عاصم وابن خزيمة قوله" :دخل رسول الله -صلَّى الله عليه وسلم -البيت، فلما خرج سألت من كان معه، فقالوا :صلَّى ركعتين عند السارية الوسطى عن يمينها "، وقد سمى ابنُ خزيمة الصحابيَّ فی روايته :صفوان بن عبد الرحمن أو عبد الرحمن بن صفوان، على الشک، وسماه الطحاوی أبا صفوان أو عبد الله بن صفوان، ورواية الطحاوی مختصرة بقوله " :سمعت رسول الله -صلَّى الله عليه وسلم -يوم الفتح قد قدم، فجمعت عليَّ ثيابی، فوجدته قد خرج من البيت."

والملتزم :ما بين الركن والباب، والحطيم :هو الحِجر، لأن البيتَ رُفع وتُرِکَ هو محطوماً، وهو الذی ذكره البخاری فی "صحيحه "واحتج عليه بحديث الإسراء (3887)" قال :بينما أنا نائم فی الحطيم وربما قال :فی الحجر "وهو حطيم بمعنى محطوم كقتيل بمعنى مقتول (حاشية سنن ابی داود)

بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ، ثُمَّ مَضٰى حَتّٰى اِسْتَلَمَ الْحَجَرَ وَأَقَامَ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْبَابِ، فَوَضَعَ صَدْرَهٗ وَوَجْهَهٗ وَذِرَاعَيْهِ وَكَفَّيْهِ هٰكَذَا وَبَسَطَهُمَا بَسْطًا، ثُمَّ قَالَ: هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهٗ

(سنن أبی داود، رقم الحدیث ۱۸۹۹، کتاب المناسک، باب الملتزم)

ترجمہ: میں نے عبداللہ (بن عمر) کے ساتھ طواف کیا جب ہم کعبہ کے پیچھے آئے تو میں نے عبداللہ بن عمر سے کہا کہ آپ اللہ سے پناہ طلب نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا، ہم اللہ کے ذریعہ جہنم سے پناہ طلب کرتے ہیں۔ پھر وہ گئے اور جا کر حجر اسود کو چوما اور بیت اللہ کے دروازہ اور حجر اسود کے درمیان کھڑے ہو کر اپنا سینہ، چہرہ، دونوں بازو اور ہتھیلیاں اس طرح رکھیں اور ان کو پھیلایا، پھر فرمایا میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے (ابوداود)

اس حدیث کی سند کو بھی بعض اہلِ علم حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [1]

لیکن اولاً تو اس سلسلہ کی بعض احادیث باہم مل کر حسن درجہ حاصل کر لیتی ہیں، دوسرے بعض اہلِ علم حضرات کے نزدیک بعض شرائط کے ساتھ ضعیف حدیث سے استحباب ثابت ہو جاتا ہے۔

اور ہر قسم کے طواف سے فارغ ہونے کے بعد بعض فقہائے کرام کے نزدیک ملتزم پر آ کر دعاء کرنا مستحب ہے۔

البتہ بعض فقہائے کرام ملتزم پر آنے کے مستحب ہونے کو طوافِ وداع یا طوافِ قدوم کے ساتھ خاص کرتے ہیں، دوسرے طوافوں میں اس کو مستحب قرار نہیں دیتے۔

---

[1] قال شعیب الارنؤوط:

إسناده ضعيف، لضعف المثنى بن الصبَّاح .مسدَّدٌ :هو ابن مسرهد الأسدی، وعيسى بن يونس :هو السبيعي.

وأخرجه ابن ماجه (2962) من طريق عبد الرزاق، عن المثنى بن الصبَّاح، بهذا الإسناد

(حاشية سنن ابی داود)

اور ملتزم بیتُ اللہ کی اُس دیوار کے حصہ کا نام ہے، جو حجرِ اسود اور کعبہ کے دروازہ کے درمیان واقع ہے۔ [1]

لیکن یہ مستحب عمل ہے، اسی وجہ سے اگر ملتزم پر رَش اور ہجوم ہو، تو اس کی خاطر دوسروں کو ایذاء وتکلیف پہنچانا منع ہے، ایسی صورت میں یا تو کچھ فاصلہ پر کھڑے ہو کر دعاء کرلیں، اور یہ بھی مشکل ہو، تو اس کو ترک کردیں، کیونکہ یہ صرف مستحب درجہ کا عمل ہے، نیز اگر احرام کی حالت میں ہوں اور ملتزم پر خوشبو لگی ہوئی ہو، تو اپنے جسم کو اس سے الگ رکھیں۔

اسی وجہ سے حضرت نافع سے روایت ہے کہ:

---

[1] الملتزم بفتح الزاى :اسم مفعول من فعل التزم، يقال :التزمت الشىء ، أى :اعتنقته فهو ملتزم، ومنه يقال لما بين باب الكعبة والحجر الأسود :الملتزم، لأن الناس يعتنقونه، أى :يضمونه إلى صدورهم.

وفى الاصطلاح :الملتزم ما بين الركن الذى به الحجر الأسود إلى باب الكعبة من حائط الكعبة المشرفة، وعرضه علو أربعة أذرع ، وقال الرحيبانى :مساحته قدر أربعة أذرع بذراع اليد.

وسمى بذلک لأن النبى صلى الله عليه وسلم التزمه، وأخبر أن هناک ملكا يؤمن على الدعاء .

الحكم التكليفى:

لا خلاف بين الفقهاء فى أنه يستحب أن يلتزم الطائف الملتزم بعد طواف الوداع اقتداء بالرسول صلى الله عليه وسلم، لما روى عمرو بن شعيب عن أبيه قال :طفت مع عبد الله :فلما جئنا دبر الكعبة قلت :ألا تتعوذ؟ قال :نعوذ بالله من النار، ثم مضى حتى استلم الحجر، وأقام بين الركن والباب، فوضع صدره ووجهه وذراعيه وكفيه هكذا، وبسطهما بسطا، ثم قال :هكذا رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعله.

ونص الحنفية والمالكية على استحباب التزام الملتزم بعد طواف القدوم أيضا.

وأطلق الشافعية استحباب التزام الملتزم بعد الطواف مطلقا .

كيفية التزام الملتزم والدعاء فيه

نص الفقهاء على أن كيفية التزام الملتزم أن يلصق صدره ووجهه بجدار البيت، ويضع خده الأيمن عليه، ويبسط ذراعيه وكفيه، بحيث تكون يده اليمنى إلى الباب واليسرى إلى الركن، ويتعلق بأستار الكعبة كما يتعلق عبد ذليل بطرف ثوب لمولى جليل كالمتشفع بها، ودعا حال تثبته وتعلقه بالأستار مجتهدا متضرعا، متخشعا، مكبرا، مهللا، مصليا على النبى صلى الله عليه وسلم ويبكى أو يتباكى، ولو لم ينل الأستار يضع يديه على رأسه مبسوطتين على الجدار قائمتين، والتصق بالجدار، ودعا بما شاء وبما أحب من خيرى الدنيا والآخرة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۹،ص۲۷،مادة "ملتزم")

أَنَّ ابْنَ عُمَرَ: كَانَ لَا يَلْزَمُ شَيْئًا مِّنَ الْبَيْتِ (مصنف عبد الرزاق) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ بیتُ اللہ کے کسی حصہ سے چمٹا نہیں کرتے تھے (عبدالرزاق)

معلوم ہوا کہ طواف سے فارغ ہوکر ملتزم سے چمٹنا کوئی ضروری عمل نہیں، فقط مستحب عمل ہے۔

ایک روایت میں ملتزم یعنی بیتُ اللہ کے دروازے اور حجرِ اسود کے درمیان مندرجہ ذیل دعاء کا ذکر آیا ہے کہ:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَسْأَلُکَ ثَوَابَ الشَّاکِرِیْنَ ، وَنُزُلَ الْمُقَرَّبِیْنَ، الخ.

مگر اس روایت کی سند شدید ضعیف معلوم ہوتی ہے۔ [2]

ملحوظ رہے کہ بعض روایات میں ''ملتزم'' کے مقام پر دعاء کی قبولیت کی بہت زیادہ اہمیت آئی ہے۔

مگر ان کی اسناد پر محدثین واہلِ علم حضرات نے کلام کیا ہے۔ [3]

---

[1] رقم الحديث ٩٠٥١، كتاب المناسک، باب التعوذ بالبيت.

[2] عن ابی هريرة قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يدعو بين الحجر الاسود والباب : اللهم انى أسألک ثواب الشاكرين ، ونزل المقربين، ومرافقة النبيين، ويقين الصديقين ، وذلة المتقين، وإخبات الموقنين ، حتى توفانى على ذلک يا أرحم الراحمين.
(الديلمى) وفيه عبد السلام بن ابى الجنوب قال أبو حاتم متروک (كنزالعمال، رقم الحديث ٤٩٤٥، ج٢، ص ٦٣١)

[3] حدثنا معاذ بن المثنى، ثنا شاذ بن الفياض، ثنا عباد بن كثير، عن أيوب، عن عكرمة، عن ابن عباس، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :بين الركن والمقام ملتزم ما يدعو به صاحب عاهة إلا برأ(المعجم الكبير،للطبرانى ، رقم الحديث ١١٨٧٣)

قال الهيثمى:

رواه الطبرانى فى الكبير، وفيه عباد بن كثير الثقفى، وهو متروک(مجمع الزوائد، رقم الحديث ٥٥١٦،باب فى الملتزم)

وقال ابن حجر:

عباد ابن كثير الثقفى البصرى متروک قال أحمد روى أحاديث كذب من السابعة مات

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ...... کعبہ یا غلافِ کعبہ پر جو خوشبو لگی ہوئی ہوتی ہے، فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بعد الأربعين د ق(تقريب التهذيب،ص ۲۹۰، تحت رقم الترجمة ۳۱۳۹)

وقال ابن عدى:

حدثنا محمد بن جعفر الإمام، حدثنا محمد بن مسعود بن العجمى، حدثنا الفريابى، حدثنا عباد بن كثير، حدثنى أيوب، عن عكرمة، عن ابن عباس إن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى الله عليه وسلم قال :ما بين الركن والباب ملتزم من دعا من ذى حاجة أو كرب أو ذى غمة فرج عنه بإذن الله......

قال الشيخ :ولعباد بن كثير غير ما ذكرت من الحديث ومقدار ما أمليت منه عامته مما، لا يتابع عليه(الكامل فى ضعفاء الرجال، ج۵،ص ۵۴۰،عباد بن كثير الثقفى بصرى)

وقال الالبانى:

"بين الركن والمقام ملتزم؛ ما يدعوبه صاحب عاهة إلا برىء ."

ضعيف جدا

رواه الطبرانى (رقم 11873) عن شاذ بن الفياض :نا عباد بن كثير عن أيوب عن عكرمة عن ابن عباس مرفوعا.

قلت :وهذا إسناد ضعيف جدا، عباد بن كثير؛ هو الثقفى البصرى؛ متروك كما قال الهيثمى (3/246)(سلسلة الأحاديث الضعيفة، رقم الحديث ۲۱۴۹)

وقال ايضاً:

(ما بين الركن والمقام ملتزم، من دعا -من ذى حاجة أو كربة أو ذى غم -؛ فرج عنه بإذن الله). ضعيف جدا

أخرجه ابن عدى (2 /237) عن عباد بن كثير :حدثنى أيوب عن عكرمة عن ابن عباس مرفوعا به .وقال":عباد بن كثير؛ عامة حديثه مما لا يتابع عليه."

قلت :يشير إلى أنه ضعيف جدا.

وكذلك صنع الهيثمى بقوله فى "المجمع "(246 /3)": رواه الطبرانى فى "الكبير"، وفيه عباد بن كثير الثقفى، وهو متروك."

قلت :وقد روى الالتزام من فعله -صلى الله عليه وسلم -من طرق يقوى بعضها بعضا، ولذلك أوردته فى "صحيح الجامع الصغير "(4888) ، وخرجته فى "الصحيحة" (2138) ، وذكرت له فيه شواهد موقوفة صحيحة عن جمع من الصحابة رضى الله عنهم(سلسلة الأحاديث الضعيفة، رقم الحديث ۴۸۶۵)

وقال ايضاً:

(غفر لك ولصاحبك .قاله لمن دعا لصاحبه الذى حمله أن يدعو له عند الركن والمقام).

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسے تبرک وغیرہ کی غرض سے لینا جائز نہیں، البتہ اگر کوئی اپنی خوشبو غلافِ کعبہ پر لگادے، پھر اس کو اپنے جسم یا کپڑے پر برکت کے طور پر لگائے، تو جائز ہے۔ [1]

اس مسئلہ سے بھی معلوم ہوا کہ متبرک مقامات وآثار سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ضعيف جدا .اخرجه ابن حبان فى الثقات (24/9) من طريق قريش بن إسماعيل بن زكريا عن الحارث بن عمران عن محمد بن سوقة عن سعيد بن جبير عن ابن عباس قال: كنت أطوف مع النبى -صلى الله عليه وسلم -فسمع رجلا يقول :اللهم !اغفر لفلان. فقال :مه؟ .فقال :يا رسول الله !رجل حملنى أن أدعو له عند الركن والمقام .فقال ..: .فذكره.قلت :وهذا إسناد واه؛ قريش هذا لا يعرف إلا بهذه الرواية؛ لكن الحارث بن عمران -وهو الجعفرى -اتهمه ابن حبان؛ فقال فى الضعفاء (225/1): كان يضع الحديث على الثقات .وقال ابن عدى (195/2) بعد أن ساق له بعض الأحاديث :والضعف على رواياته بين .ثم وجدت لقريش متابعا :أخرجه ابن جميع فى معجم الشيوخ (ص 214 - 213) من طريق زكريا بن يحيى صاحب الأكسية :حدثنا الحارث بن عمران الجعفرى به.قلت :فانحصرت الآفة فى الجعفرى هذا .قال البرقانى فى سؤالاته للدارقطنى (103/24) كوفى متروك (سلسلة الأحاديث الضعيفة، رقم الحديث ٥٦٨٨)

وقال ايضاً:

(ما دعا أحد بشىء فى هذا الملتزم؛ إلا استجيب له). موضوع

أخرجه الديلمى (47 /4) من طريق محمد بن الحسن بن راشد الأنصارى :سمعت أبا بكر محمد بن إدريس :سمعت عبد الله بن الزبيرقلت :وهذا موضوع؛ المتهم به الأنصارى هذا؛ كما فى "الميزان "و "اللسان."(سلسلة الأحاديث الضعيفة، رقم الحديث ۱ ۴۴۴)

[1] ولا بأس أن يلبس كسوتها من صارت إليه من حائض وجنب وغيرهما ثم قال النووى :لا يجوز أخذ شىء من طيب الكعبة لا للتبرك، ولا لغيره، ومن أخذ شيئا منه لزمه رده إليها فإن أراد التبرك أتى بطيب من عنده فمسحها به ثم أخذه اهـ(البحر الرائق، ج۳ص۴۷،۴۸، كتاب الحج، باب الجنايات فى الحج)

ولا يجوز أخذ شىء من طيب الكعبة لا للتبرك ولا لغيره ومن أخذ شيئا منه لزمه رده إليها فإن أراد التبرك أتى بطيب من عنده فمسحه بها ثم أخذه، كذا فى السراج الوهاج(الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۲۶۴، ۲۶۵، كتاب المناسك، الباب السابع عشر)

(الرسالةُ الرابعة)

مدینہ منورہ کی فضیلت

متعدد احادیث سے مدینہ منورہ شہر کی عظیم فضیلت واہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

مدینہ منورہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین کا مسکن کہلایا، اسی شہر میں مسجدِ نبوی اور مسجدِ قباء وغیرہ واقع ہیں، جن کی عظیم فضیلت ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک بھی اسی شہر میں واقع ہے، اس لیے مکہ مکرمہ کے بعد مدینہ منورہ کی فضیلت وبرکت کا ذکر ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِيْنَةِ ضِعْفَيْ مَا جَعَلْتَ بِمَكَّةَ مِنَ الْبَرَكَةِ (صحيح بخارى) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! مدینہ میں اس سے دوگنی برکتیں عطا فرما، جتنی برکتیں تو نے مکہ میں عطا فرمائیں (بخاری، مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْ مِكْيَالِهِمْ، وَبَارِكْ لَهُمْ فِيْ صَاعِهِمْ وَمُدِّهِمْ، يَعْنِيْ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ

(صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۳۷۴۵، كتاب الحج، باب فضل المدينة) [2]

---

[1] رقم الحديث ۱۸۸۵، كتاب فضائل المدينة، باب: المدينة تنفى الخبث، مسلم، رقم الحديث ۱۳۶۹ "۴۶۶"

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية صحيح ابن حبان)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! اہلِ مدینہ کے ناپنے کے پیمانوں میں برکت عطا فرمایئے، اور تولنے کے پیمانوں میں برکت عطا فرمایئے

(ابن حبان)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَعَ لَهُ أُحُدٌ فَقَالَ: هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ، اَللّٰهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَإِنِّي حَرَّمْتُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا (بخاری، رقم الحديث ۴۰۸۴، کتاب المغازی، باب: أحد يحبنا ونحبه)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احد (پہاڑ) دکھائی دیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ (احد) پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے، اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں، اے اللہ! بے شک حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم قرار دیا اور میں اس (یعنی مدینہ منورہ) کی دونوں سیاہ پتھروں والی زمین کے درمیان والی جگہ کو حرم قرار دیتا ہوں (بخاری)

مذکورہ روایات سے مدینہ منورہ کی مختلف اشیاء میں برکت اور جبلِ احد کی فضیلت معلوم ہوئی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْتٰى بِأَوَّلِ الثَّمَرِ، فَيَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ مَدِيْنَتِنَا، وَفِيْ ثِمَارِنَا، وَفِيْ مُدِّنَا، وَفِيْ صَاعِنَا بَرَكَةً مَعَ بَرَكَةٍ، ثُمَّ يُعْطِيْهِ أَصْغَرَ مَنْ يَّحْضُرُهُ مِنَ الْوِلْدَانِ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب پہلا پھل لایا جاتا تھا، تو

---

[1] رقم الحديث ۱۳۷۳ ''۴۷۴'' كتاب الحج، باب فضل المدينة، ودعاء النبی صلى الله عليه وسلم فيها بالبركة، وبيان تحريمها، وتحريم صيدها وشجرها، وبيان حدود حرمها.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ اے اللہ! ہمارے لئے ہمارے شہر (یعنی مدینہ منورہ) میں اور ہمارے (یعنی مدینہ منورہ کے) پھلوں میں اور ہمارے مُد میں اور ہمارے صاع (یعنی ناپنے اور تولنے کے پیمانوں) میں برکت در برکت عطا فرما، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ نیا پھل اپنے پاس موجود افراد میں سے سب سے چھوٹے بچے کو عطا فرماتے (مسلم)

مذکورہ احادیث سے مدینہ منورہ اور اس کی اشیاء کی برکت معلوم ہوئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ لِلْمَرِيضِ: بِسْمِ اللّٰهِ، تُرْبَةُ أَرْضِنَا، بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا، يُشْفٰى سَقِيْمُنَا، بِإِذْنِ رَبِّنَا (صحيح البخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم مریض کے لئے یہ (دعاء) پڑھا کرتے تھے (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) اللہ کے نام کے ساتھ، ہماری زمین کی مٹی، ہم میں سے بعض کے تھوک کے ساتھ شفا دی جائے ہمارے بیمار کو ہمارے رب کے حکم سے (بخاری)

ایک تفسیر کے مطابق ''تربة ارضنا'' سے مدینہ منورہ کی مٹی مراد ہے، جس سے مدینہ منورہ کی برکت معلوم ہوتی ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۵۷۴۵، كتاب الطب، باب رقية النبی صلی الله عليه وسلم.

[2] (بسم الله) هذه (تربة أرضنا) المدينة خاصة لبركتها أو كل أرض (ارشاد السارى، ج۸، ص ۳۹۳، كتاب الطب، باب رقية النبی -صلی الله عليه وسلم)

قوله :(تربة أرضنا) قيل المقصود بها :سائر الأرض، فهذا يفعل فی كل مكان، ومنهم من يقول: المراد بها تربة المدينة، وتعميمه أظهر؛ لأنه لم يأت شیء يبين أن هذا خاص بالمدينة وأنه لا يستعمل إلا فی المدينة (شرح سنن ابی داود للعباد، كتاب الطب، كيفية الرقی، شرح حديث تربة أرضنا بريقة بعضنا)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مَا عِنْدَنَا شَیْءٌ إِلَّا كِتَابُ اللّٰهِ، وَهٰذِهِ الصَّحِيْفَةُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،اَلْمَدِيْنَةُ حَرَمٌ، مَا بَيْنَ عَائِرٍ إِلٰى كَذَا، مَنْ أَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا، أَوْ آوَى مُحْدِثًا، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ (صحيح البخاری) [1]

ترجمہ: ہمارے پاس کتابُ اللہ کے علاوہ اوراس صحیفہ کے علاوہ کوئی چیز نہیں، اس صحیفہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ مدینہ ’’عائر‘‘ سے فلاں جگہ تک حرم ہے، جس نے اس (مدینہ منورہ کی مذکورہ حدود) میں (قرآن وسنت کے خلاف کوئی) نئی بات (یعنی بدعت) پیدا کی یا نئی بات پیدا کرنے والے کو ٹھکانہ دیا، تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، نہ اس کی فرض عبادت قبول کی جائے گی، اور نہ نفل عبادت (بخاری)

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ إِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَدَعَا لِأَهْلِهَا، وَإِنِّيْ حَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ كَمَا حَرَّمَ إِبْرَاهِيْمُ مَكَّةَ (مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم قرار دیا

---

[1] رقم الحديث ١٨٧٠، كتاب فضائل المدينة، باب حرم المدينة.

[2] رقم الحديث ١٣٦٠ ’’٤٥٤‘‘ كتاب الحج، باب فضل المدينة، ودعاء النبی صلى الله عليه وسلم فيها بالبركة، وبيان تحريمها، وتحريم صيدها وشجرها، وبيان حدود حرمها.

ہے، اور اس کے رہنے والوں کے لیے دعاء کی ہے، اور میں نے مدینہ کو حرم قرار دیا ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم قرار دیا (مسلم)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ، وَإِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا يُرِيدُ الْمَدِينَةَ (صحيح مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم قرار دیا، اور میں مدینہ منورہ کی دونوں سیاہ پتھروں والی زمین (یعنی دونوں اطراف کے پہاڑوں) کے درمیان والی جگہ کو حرم قرار دیتا ہوں (مسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ فَجَعَلَهَا حَرَمًا وَإِنِّىْ حَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ حَرَامًا مَا بَيْنَ مَأْزِمَيْهَا أَنْ لَّا يُهْرَاقَ فِيْهَا دَمٌ، وَلَا يُحْمَلُ فِيْهَا سِلَاحٌ لِقِتَالٍ، وَلَا تُخْبَطُ فِيْهَا شَجَرَةٌ إِلَّا لِعَلَفٍ (السنن الكبرىٰ للنسائی) [2]

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، تو آپ نے فرمایا کہ اے اللہ! حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرام فرمایا تھا، اور اس کو حرم قرار دیا تھا، اور میں نے

---

[1] رقم الحديث ١٣٦١ "٤٥٦" كتاب الحج، باب فضل المدينة، ودعاء النبى صلى الله عليه وسلم فيها بالبركة، وبيان تحريمها، وتحريم صيدها وشجرها، وبيان حدود حرمها.

[2] رقم الحديث ٤٢٦٢، كتاب المناسك، منع الدجال من المدينة.

مدینہ کو حرام قرار دے دیا ہے، دونوں پہاڑوں کے درمیان کی جگہ کو کہ اس میں کوئی خون نہ بہائے، اور نہ اس میں قتال کے لیے اسلحہ اٹھایا جائے، اور نہ اس میں کسی درخت کے پتے جھاڑے جائیں، سوائے جانور کے چارہ کے لیے (نسائی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّ إِبْرَاهِیْمَ حَرَّمَ مَکَّۃَ، وَإِنِّیْ حَرَّمْتُ الْمَدِیْنَۃَ مَا بَیْنَ لَابَتَیْهَا، لَا یُقْطَعُ عِضَاهُهَا، وَلَا یُصَادُ صَیْدُهَا (صحیح مسلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا، اور میں نے مدینہ منورہ کی دونوں سیاہ پتھروں والی زمین کے درمیان والی جگہ کو حرم قرار دیا ہے، نہ اس کا درخت کاٹا جائے گا اور نہ اس کا شکار کیا جائے گا (مسلم)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَرَّمَ هٰذَا الْحَرَمَ (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحدیث، رقم الحدیث ۱۴۶۰) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (مدینہ) کو حرم قرار دیا ہے (مسند احمد)

مذکورہ احادیث کے پیشِ نظر حنفیہ کے علاوہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مدینہ منورہ کی

---

[1] رقم الحدیث ۱۳۶۲ "۴۵۸" کتاب الحج، باب فضل المدینۃ، ودعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیها بالبرکۃ، وبیان تحریمها، وتحریم صیدها وشجرها، وبیان حدود حرمها.

[2] قال شعیب الارنؤوط: حدیث صحیح، رجاله ثقات رجال الشیخین غیر سلیمان بن أبی عبد اللہ، فقد أخرج له أبو داود (حاشیۃ مسند احمد)

مذکورہ حدود ''حرم'' کہلاتی ہیں۔

مگر حنفیہ کے نزدیک مدینہ منورہ کی حدودِ حرم مختص نہیں، اور حنفیہ کے نزدیک مذکورہ احادیث کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی زینت کو خراب نہیں کیا جائے گا۔ [1]

---

[1] حرم المدينة:

ذهب جمهور الفقهاء (المالكية والشافعية والحنابلة) إلى أن المدينة المنورة حرم، له حدود وأحكام، تختلف عن سائر البقاع، كما تختلف عن الحرم المكي في بعض الأحكام، وذلك لما ورد في الحديث أن النبي صلى الله عليه وسلم قال :إني حرمت المدينة كما حرم إبراهيم مكة، وإني دعوت في صاعها ومدها بمثلي ما دعا به إبراهيم لأهل مكة وعلى ذلك فلا يحل صيدها ولا يعضد شجرها .

أما الحنفية فقالوا :ليس للمدينة المنورة حرم، ولا يمنع أحد من أخذ صيدها وشجرها .وإنما أراد النبي صلى الله عليه وسلم بحديثه المتقدم بقاء زينتها، كما ورد في حديث آخر من قوله صلى الله عليه وسلم :لا تهدموا الآطام فإنها زينة المدينة .

ويدل على حل صيدها حديث أنس قال :كان النبي صلى الله عليه وسلم أحسن الناس خلقا، وكان لي أخ يقال له أبو عمير، قال أحسبه فطيما، وكان إذا جاء قال :يا أبا عمير ما فعل النغير؟ ونغير بالغين المعجمة طائر صغير كان يلعب به .

حدود الحرم المدني:

يرى الجمهور أن حد حرم المدينة ما بين ثور إلى عير، لما ورد من حديث علي رضي الله عنه مرفوعا :حرم المدينة ما بين ثور إلى عير .وورد في حديث آخر أن الحرم ما بين لابتي المدينة، ففي حديث أبي هريرة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ما بين لابتيها حرام، واللابة الحرة، وهي أرض تركبها حجارة سود .وورد في رواية :ما بين جبليها .وقدره بريد في بريد أي اثنا عشر ميلا من كل جهة .

ما يختلف فيه الحرم المدني عن الحرم المكي:

يختلف الحرم المدني عن الحرم المكي عند من يقول بوجود حرم للمدينة في بعض الأحكام منها ما يلي:

أ -يجوز أخذ ما تدعو إليه الحاجة من شجر المدينة للرحل، وآلة الحرث، كآلة الدياس والجذاذ، والحصاد، والعارضة لسقف المحمل، والمساند من القائمتين، والعارضة بينهما ونحو ذلك، لما روى جابر رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم لما حرم المدينة قالوا :يا رسول الله إنا أصحاب عمل، وأصحاب نضح، وإنا لا نستطيع أرضا غير أرضنا فرخص لنا، فقال :القائمتان والوسادة والعارضة والمسند، أما غير ذلك فلا يعضد .

ب -يجوز أخذ ما تدعو الحاجة إليه من حشيشها للعلف، لقوله صلى الله عليه وسلم في حديث علي :ولا يصلح أن يقطع منها شجرة إلا أن يعلف رجل بعيره .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہر حال مذکورہ احادیث کا جو مطلب بھی مراد لیا جائے، ان سے مدینہ منورہ کی برکت وفضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَّمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلْيَفْعَلْ، فَإِنِّيْ أَشْفَعُ لِمَنْ مَاتَ بِهَا (مسند احمد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے مدینہ منورہ میں فوت ہوجانے کی استطاعت رکھے، تو اسے چاہئے کہ ایسا کرلے، کیونکہ میں اس شخص کی شفاعت کروں گا، جو مدینہ میں فوت ہوگا (مسند احمد)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولأن المدينة يقرب منها شجر وزرع، فلو منعنا من احتشاشها أفضى إلى الحرج، بخلاف حرم مكة ففيه تفصيل تقدم بيانه.

ج -من أدخل إليها صيدا فله إمساكه وذبحه،وخصه المالكية بساكني المدينة .

د -لا جزاء فيما حرم من صيدها وشجرها وحشيشها عند جمهور الفقهاء ، بخلاف حرم مكة .وفي القول القديم للشافعي، وهو رواية عند الحنابلة فيه الجزاء .

هـ -يجوز دخول المدينة بغير إحرام بلا خلاف.

-ولا يمنع الكافر من دخول المدينة من أجل المصلحة مؤقتا من غير استيطان باتفاق الفقهاء ، بخلاف حرم مكة المكرمة.

ز -لا يختص حرم المدينة بالنسك وذبح الهدايا، كما هو الحكم فى حرم مكة.

ح -ليس للقطة الحرم المدنى حكم خاص كالحرم المكى من عدم تملكها ووجوب تعريفها للأبد، كما ذهب إليه الشافعية.

هذا، وقد ذكر الزركشى فى إعلام الساجد سائر خصائص الحرم المدنى وأحكامه بإسهاب .وبعض هذه الأحكام تختص بمسجد النبى صلى الله عليه وسلم كمضاعفة الثواب، والعقاب، وجواز شد الرحال إليه ونحوهما(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷،ص۲۰۳ الیٰ ۲۰۵،مادة "حرم")

[1] رقم الحديث ۵۴۳۷.

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط البخارى(حاشية مسند احمد)

حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَقْبَلْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ، حَتّٰى إِذَا أَشْرَفْنَا عَلَى الْمَدِيْنَةِ قَالَ : هٰذِهٖ طَابَةٌ، وَهٰذَا أُحُدٌ، جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ

(صحیح البخاری) [1]

ترجمہ: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک سے واپس آئے، یہاں تک کہ جب ہم مدینہ میں داخل ہوئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ (یعنی مدینہ منورہ) پاکیزہ جگہ ہے، اور یہ احد پہاڑ ہے، جو کہ ہم سے محبت رکھتا ہے، اور ہم بھی اس سے محبت رکھتے ہیں (بخاری)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے، جن میں اُحد پہاڑ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا محبت رکھنا اور اُحد پہاڑ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا مذکور ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۴۴۲۲، كتاب المغازى، باب بعد بلاترجمة باب نزول النبى صلى الله عليه وسلم الحجر.

[2] عن عباس، عن أبيه، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :أحد جبل يحبنا ونحبه (بخارى، رقم الحديث ۱۴۸۲)

عن عمرو بن أبى عمرو، مولى المطلب بن حنطب، أنه سمع أنس بن مالك رضى الله عنه، يقول :خرجت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، إلى خيبر أخدمه، فلما قدم النبى صلى الله عليه وسلم، راجعا وبدا له أحد، قال :هذا جبل يحبنا ونحبه (بخارى، رقم الحديث ۲۸۸۹)

عن قتادة، حدثنا أنس بن مالك قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إن أحدا جبل يحبنا ونحبه (مسلم، رقم الحديث ۱۳۹۳ ”۵۰۴“)

عن ابى هريرة، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : إن أحدا هذا جبل يحبنا ونحبه (مسنداحمد، رقم الحديث ۸۴۵۰)

قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية مسند احمد)

أخبرنى عقبة بن سويد الأنصارى، أنه سمع أباه -وكان من أصحاب النبى صلى الله عليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبلِ اُحد کے دامن میں اُحد کے شہداء کی قبریں بھی واقع ہیں، جن میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر بھی ہے۔ [1]

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ متعدد احادیث سے مدینہ منورہ اور اس کی مختلف اشیاء ومقامات کی فضیلت وبرکت ثابت ہے۔

مسئلہ...... فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ زمین کے سب سے افضل مقامات ہیں۔ [2]

البتہ فقہائے کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں کس کی فضیلت زیادہ ہے؟

جمہور فقہائے کرام یعنی حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اور مالکیہ کے ایک قول کے مطابق مکہ مکرمہ کی فضیلت مدینہ منورہ کے مقابلہ میں زیادہ ہے، جس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وسلم -قال :قفلنا مع نبی الله صلی الله علیه وسلم من غزوة خیبر، فلما بدا له أحد، قال النبی صلی الله علیه وسلم " :الله أکبر جبل یحبنا ونحبه (مسنداحمد، رقم الحدیث ۱۵۶۵۹)

قال شعیب الارنؤوط:حدیث صحیح(حاشیة مسند احمد)

[1] وتستحب زیارة شهداء أحد رضی الله عنهم وقد أحیطت، قبورهم بسیاج، وأعلم علی قبر سید الشهداء حمزة رضی الله عنه بعلامة قبر کبیرة، ومعه فی القبر المجدع فی الله عبد الله بن جحش رضی الله عنه قیل له :المجدع لأنه دعا یوم أحد أن یقاتل ویستشهد ویقطع أنفه وأذنه ویمثل به فی الله تعالی، فاستجاب الله دعاءه (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۳۶، ص۳۱۳، مادة "المدینة المنورة، جبل أحد وقبور الشهداء عنده)

[2] فضل بعض الأمکنة علی بعض:

أجمع الفقهاء علی أن بعض الأماکن أفضل من البعض الآخر بما أودع الله فیها من فضله، وما یقع فیها من إکرامه لعباده، لا بصفات قائمة فیها، لأن الأماکن فی الأصل متماثلة ومتساویة.

وقد أجمع الفقهاء علی أن مکة المکرمة والمدینة المنورة هما أفضل بقاع الأرض (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۳۲ص۱۵۴، مادة " فضائل")

(1)...... بیتُ اللہ یا کعبہ، مکہ مکرمہ میں واقع ہے، اور حج جوکہ اسلام کا اہم رکن اور فریضہ ہے، اور عمرہ جوکہ واجب یا سنت ہے، ان کی ادائیگی مکہ مکرمہ اور حرم شریف کے ساتھ خاص ہے، جن کی مدینہ منورہ میں ادائیگی ممکن نہیں۔

(2)...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت حاصل ہونے کے بعد مکہ مکرمہ میں قیام کرنے کا عرصہ مدینہ منورہ کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔

(3)...... مکہ مکرمہ میں انبیاء اور رسولوں اور نیک لوگوں کی آمد اور وارِد ہونے کی تعداد مدینہ منورہ کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔

(4)...... بوسہ دینا اور استلام کرنا عظمت واحترام کی مخصوص شکلیں ہیں، جو مکہ مکرمہ میں بیتُ اللہ کے حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کے ساتھ مسنون ہیں، اور مدینہ منورہ میں ان جیسا کوئی عمل مسنون نہیں ہے۔

(5)...... اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا کے ہر خطہ میں موجود انسان کو نماز میں مکہ میں واقع بیتُ اللہ کی طرف رخ کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے، جبکہ مدینہ منورہ کو یہ شرف حاصل نہیں۔

(6)...... قضائے حاجت کے وقت کعبہ کی طرف رخ کرنا اور پشت کرنا منع ہے، جبکہ مدینہ منورہ کی طرف رخ یا پشت کرنے کی ممانعت نہیں۔

(7)...... مکہ اور حرم میں ابتدائے زمانہ سے ہی اللہ تعالیٰ نے قتل وقتال اور حرم کی مخصوص چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، اور کسی نبی اور رسول کے لئے بھی حلال قرار نہیں دیا، سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور وہ بھی ایک ساعت کے لئے۔

(8)...... اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلاۃ والسلام کو مکہ میں رہائش عطا فرمائی، اور اس کو سیدُ المرسلین اور خاتم الانبیاء، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش بنایا۔

(9)...... رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے غسل فرمایا، اور یہ عمل دوسروں کے لئے بھی مسنون ہے، جبکہ مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل کرنا منقول نہیں۔

(10)...... اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں بیتُ اللہ کی جس طرح سے تعریف وتوصیف فرمائی ہے، اس طرح کی تعریف وتوصیف مدینہ منورہ کی نہیں فرمائی۔

چنانچہ قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ (سورہ آلِ عمران، رقم الآیۃ ۹۶)

بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا، وہ مکہ میں ہے، جو مبارک ہے، اور تمام عالَم والوں کے لئے ہدایت ہے۔

(11)...... بعض فقہائے کرام مثلاً شافعیہ، کے نزدیک مکہ مکرمہ میں مکروہ اوقات میں بھی نماز پڑھنا جائز ہے، اگرچہ دوسرے فقہائے کرام مثلاً حنفیہ کا اس میں اختلاف ہے، مگر یہ اختلاف مدینہ منورہ کے بارے میں نہیں ہے، وہاں بالاتفاق مکروہ اوقات میں نماز پڑھنا منع ہے۔

(12)...... مسجدِ حرام میں نماز کی فضیلت ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، اور مسجدِ نبوی میں نماز کی فضیلت اس سے کم ہے۔ [1]

---

[1] ثم اختلفوا فی أیهما أفضل؟ فذهب جمهور الفقهاء ، منهم الحنفية والشافعية والحنابلة، وهو قول عند المالكية، إلى أن مكة المكرمة أفضل من المدينة المنورة، لوجوه عددها العلماء :

أحدها :وجوب قصدها للحج والعمرة، وهذان واجبان لا يقع مثلهما فی المدينة.

الثانی :إن فضلت المدينة بإقامة رسول الله صلى الله عليه وسلم فيها بعد النبوة، كانت مكة أفضل منها، لأنه صلى الله عليه وسلم أقام فيها بعد النبوة ثلاث عشرة سنة وأقام بالمدينة عشرا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(13)...... کئی احادیث میں مکہ مکرمہ کو دوسرے شہروں سے افضل واعظم اور بہتر قرار دیا گیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الثالث :إن فضلت المدينة بكثرة الطارقين من عباد الله الصالحين، فمكة أفضل منها بكثرة من طرقها من الأنبياء والمرسلين والصالحين.

الرابع :إن التقبيل والاستلام ضرب من التقديس والاحترام، وهما مختصان بالركنين اليمانيين، ولم يوجد مثل ذلک فی المدينة.

الخامس :أن الله سبحانه وتعالى أوجب علينا استقبالها فی الصلاة حيثما كنا من البلاد والفلوات، ولم يوجب علينا مثل ذلک فی المدينة.

السادس :إن الله حرم علينا استقبال الكعبة واستدبارها عند قضاء الحاجة.

السابع :إن الله حرم مكة يوم خلق السموات والأرض، فلم تحل لأحد من الرسل والأنبياء إلا لنبينا صلى الله عليه وسلم وعلى جميع الأنبياء ، فإنها أحلت له ساعة من نهار.

الثامن :إن الله بوأها لإبراهيم الخليل ولابنه إسماعيل عليهما الصلاة والسلام، وجعلها مولدا لسيد المرسلين وخاتم الأنبياء عليه الصلاة والسلام.

التاسع :إن رسول الله صلى الله عليه وسلم " :اغتسل لدخول مكة "، وهو مسنون، ولم ينقل عنه مثل ذلک لدخول المدينة.

العاشر :إن الله سبحانه وتعالى أثنى على البيت فی كتابه بما لم يثن به على المدينة، فقال :(إن أول بيت وضع للناس للذی ببكة مباركا وهدى للعالمين)

الحادی عشر :من شرف مكة أن الصلاة لا تكره فيها فی الأوقات التی تكره فيها الصلاة، لقوله صلى الله عليه وسلم يا بنی عبد مناف لا تمنعوا أحدا طاف بهذا البيت وصلى أية ساعة شاء ، من ليل أو نهار.

الثانی عشر :الصلاة فی المسجد الحرام بمكة تعدل مائة ألف صلاة وليس مثل ذلک فی مسجد النبی صلى الله عليه وسلم فی المدينة أو غيره من المساجد(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۲ص۱۵۴ ، ۱۵۵ ،مادة " فضائل ")

صيد الحرم: المراد بالحرم هنا مكة والمنطقة المحرمة المحيطة بها .وللحرم أحكام خاصة، منها تحريم صيده على الحلال كما يحرم على المحرم أيضا، وذلک باتفاق العلماء ، لقوله صلى الله عليه وسلم :إن هذا البلد حرمه الله، لا يعضد شوكه، ولا ينفر صيده، ولا تلتقط لقطته إلا من عرفها . متفق عليه .فقرر العلماء من تحريم الصيد على الحلال فی الحرم أحكاما نحو تحريم الصيد على المحرم، وتفرعت لذلک فروع فی المذاهب لا نطيل ببسطها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲ص۱۶۶ ،مادة " احرام ")

[1] وقد استدل الجمهور على تفضيل مكة وحرمها بأدلة منها :ما ورد عن عبد الله بن عدی بن حمراء رضی الله عنه قال :رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم واقفا على الحزورة فقال :والله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(14)......حرم کی حدود میں میقات سے باہر سے آنے والے کو حرم کی تعظیم کی وجہ سے بہت سے فقہاء کے نزدیک ہر حال میں احرام باندھنا اور بعض فقہاء کے نزدیک حج وعمرہ کی نیت سے آنے والے کو احرام باندھنا لازم ہے، جبکہ مدینہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إنک لخير أرض الله وأحب أرض الله إلى الله، ولولا أنى أخرجت منک ما خرجت وعن عبد الله بن عباس رضى الله عنهما قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لمكة :ما أطيبک من بلد وأحبک إلى، ولولا أن قومى أخرجونى منک ما سكنت غيرک .

فهذان الحديثان يدلان على تفضيل مكة على سائر البلدان ومنها المدينة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٦ص ٣١٠، ٣١١، مادة "مدينة")

عن واقد بن محمد، سمعت أبى :قال عبد الله :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فى حجة الوداع :ألا، أى شهر تعلمونه أعظم حرمة قالوا :ألا شهرنا هذا، قال :ألا، أى بلد تعلمونه أعظم حرمة قالوا :ألا بلدنا هذا(بخارى، رقم الحديث ٦٧٨٥)

هل مكة أفضل أو المدينة ؟

قال القاضى عياض وغيره :انعقد الإجماع على أن أفضل بقع الأرض على الإطلاق المكان الذى ضم جسده صلى الله عليه وسلم، وعلى أن مكة والمدينة أفضل بقاع الأرض بعده.

واختلفوا فى أيهما أفضل مكة أم المدينة؟ فقال مالک تبعا لعمر وغيره من الصحابة المدنيين بتفضيل المدينة؛ لأنها موطن الهجرة، ومستقر الصحابة، ومثوى الرسول صلى الله عليه وسلم، ولما ورد فى فضلها من الأحاديث الصحيحة، منها :إنها طيبة ـ يعنى المدينة ـ وإنها تنفى الخبث كما تنفى النار خبث الفضة.

وذهب أكثر العلماء ، منهم الأئمة الثلاثة إلى تفضيل مكة، للحديث السابق عن مكة :والله إنک لخير أرض الله، وأحب أرض الله إلى الله، ولولا أنى أخرجت منک ما خرجت.

وحديث :يامكة، والله، إنک لخير أرض الله، وأحب البلاد إلى الله، ولولا أنى أخرجت منک ما خرجت.

وحديث الترمذى أيضا عن ابن عباس :أن النبى صلى الله عليه وسلم قال لمكة :ما أطيبک وأحبک إلى، ولولا أن قومى أخرجونى منک ما سكنت غيرک.

وذكر العز بن عبد السلام أوجه تفضيل مكة على المدينة، منها:

١ ـ وجوب قصدها للحج والعمرة، وهما واجبان لا يقع مثلهما بالمدينة.

٢ ـ أن الله تعالى حرمها يوم خلق السموات والأرض.

٣ـ أن الله جعلها حرما آمنا فى الجاهلية والإسلام.

٤ ـ لا يدخلها أحد إلا بحج أو عمرة وجوبا أو ندبا(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج٣ص ٢٣٨٥، ٢٣٨٦، الباب الخامس الحج والعمرة، الفصل الثانى، المبحث الاول)

منورہ میں داخل ہونے والے کے لئے احرام باندھنے کی یہ پابندی نہیں ہے۔ [1]

البتہ مالکیہ کی مشہور روایت کے مطابق مدینہ منورہ کی فضیلت مکہ مکرمہ سے زیادہ ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ کعبہ مکرمہ کے بارے میں یہ اختلاف نہیں ہے، کیونکہ وہ مدینہ شہر سے افضل ہے۔

جبکہ بعض حضرات کے بقول مدینہ منورہ کے مکہ مکرمہ سے افضل ہونے کے قول کا مِصداق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے زمانہ کا مدینہ منورہ ہے، اور آپ کے وِصال کے بعد مکہ مکرمہ کی فضیلت مدینہ منورہ پر زیادہ ہے۔ [2]

---

[1] الفرق بين حرم المدينة وحرم مكة :يختلف حرم المدينة عن حرم مكة في شيئين: أحدهما ـ أنه يجوز أن يؤخذ من شجر حرم المدينة ما تدعو الحاجة إليه للمساند والوسائد والرحل، ومن حشيشها ما تدعو الحاجة إليه للعلف، لما روى جابر :أن النبى صلى الله عليه وسلم لما حرم المدينة، قالوا :يا رسول الله، إنا أصحاب عمل وأصحاب نضح، وإنا لانستطيع أرضا غير أرضنا، فرخص لنا، فقال :القائمتان والوسادة والعارضة والمسند، فأما غير ذلک فلا يعضد، ولا يخبط منها شيء فاستثنى ذلک وجعله مباحا كاستثناء ذلک وجعله مباحا كاستثناء الإذخر بمكة.

ولما روى على :المدينة حرام ما بين عائر إلى ثور، لا يختلى خلاها، ولا ينفر صيدها، ولا يصلح أن يقطع منها شجرة إلا أن يعلف رجل بعيره.

وعن جابر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :لا يخبط ولا يعضد حمى رسول الله صلى الله عليه وسلم،ولكن يهش هشا رفيقا،ولأن المدينة ذات شجر وزرع، فلو منعنا من احتشاشها مع الحاجة أفضى إلى الضرر، بخلاف مكة .ولا جزاء فى مذهب المالكية خلافا لغيرهم بقتل صيد المدينة وقطع شجرها، فإن فعل استغفر الله تعالى فقط.

الثانى ـ أن من صاد صيدا خارج المدينة، ثم أدخله إليها، لم يلزمه إرساله؛ لأن النبى صلى الله عليه وسلم كان يقول :يا أبا عمير، ما فعل النغير وهو طائر صغير، فظاهر هذا أنه أباح إمساكه بالمدينة إذ لم ينكر ذلک.

وحرمة مكة أعظم من حرمة المدينة، بدليل أنه لا يدخلها الداخل إلا محرما(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج٣ص ٢٤٠٠، ٢٤٠١، الباب الخامس الحج والعمرة ، الفصل الثانى، المبحث الاول)

[2] وذهب المالكية فى المشهور إلى أن المدينة أفضل من مكة .قال الحطاب :وهو -أى كون المدينة أفضل من مكة -قول أكثر أهل المدينة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٢ص١٥٥ ،مادة ” فضائل“)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ بحث مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی باہمی ایک دوسرے پر فضیلت کے بارے میں ہے۔

مدینہ منورہ میں قبرِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ یا بیتُ اللہ وغیرہ پر فضیلت وعدمِ فضیلت کی بحث اور اس میں اختلاف کا ذکر الگ مضمون میں کر دیا گیا ہے، جس میں مختلف اقوال ہیں، اور مسئلہ اجتہادی ہے، نہ کہ قطعی، جس کی کسی ایک شق پر بے جا جمود صحیح نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مطلب فی تفضیل مکة علی المدینة وفی آخر اللباب وشرحه :أجمعوا علی أن أفضل البلاد مکة والمدینة زادهما الله تعالی شرفا وتعظیما .واختلفوا أیهما أفضل، فقیل مکة وهو مذهب الأئمة الثلاثة والمروی عن بعض الصحابة، وقیل المدینة وهو قول بعض المالکیة والشافعیة، قیل وهو المروی عن بعض الصحابة .ولعل هذا مخصوص بحیاته -صلی الله علیه وسلم -أو بالنسبة إلی المهاجرین من مکة، وقیل بالتسویة بینهما .وهو قول مجهول لا منقول ولا معقول(ردالمحتار، ج۲ص ۶۲۶، کتاب الحج)

[1] اس سلسلہ میں ہم نے تفصیل تو اپنے مستقل رسالہ میں ذکر کر دی ہے، یہاں امدادُ الفتاویٰ کا ایک فتویٰ نقل کیا جاتا ہے، جس سے اس مسئلہ کا مجتہد فیہ ہونا اور اس میں کسی ایک جانب کا قطعی نہ ہونا، اور دوسرے موقف کے حامل کی تضلیل وتجہیل کا ناجائز ہونا معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کو ایک عالم نے قبرِ نبوی کے عرش سے افضل نہ ہونے کے دلائل لکھے تھے، جس کا حضرت نے درجِ ذیل جواب تحریر فرمایا:

(الف) جن مقدمات پر آپ نے اپنے مقصود کو مبنی فرمایا ہے، خود ان میں سے بعض میں اختلاف کی گنجائش ہے۔

(ب) مسائلِ ظنیہ، جو مجتہد سے منقول نہ ہوں، ان میں غیر مجتہدین اہلِ حق کے اتباع کو جائز سمجھتا ہوں، خصوص احتمالِ نقیض کے ساتھ۔

والسّر فی ذلک انه لایستلزم انتفاء الاجتهاد المطلق، انتفاء مطلق الاجتهاد.

(ج) عقائدِ غیر قطعیہ میں، دلیلِ غیر قطعی سے تمسک کو جائز سمجھتا ہوں۔

(د) ایسے امور میں کسی ایک شق کو کسی محقق محق کی تقلید سے یا اپنے شرح صدر سے ظناً ترجیح دینے کو جائز سمجھتا ہوں، مالم یظهر الغلط۔

(ہ) ایسے امور میں جزماً کسی کی تضلیل یا تجہیل کو ناجائز سمجھتا ہوں۔

(و) ایسے امور میں باوجود وضوحِ حق کے، اپنے غیر معصوم متبوع کے قول پر جمود کو ناجائز سمجھتا ہوں، خصوصاً جب وہ متبوع قولاً وفعلاً ایسے جمود سے اپنے اتباع کو منع کر چکا ہو۔

(ز) ایسے امور میں، باوجود امکانِ جوابِ صحیح کے، قیل وقال کو ناپسند کرتا ہوں، خصوص جب بدلالتِ قرائن،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر افسوس کہ آج کل اس مسئلہ میں افراط یا تفریط اور کسی ایک قول پر جمود اختیار کر کے بے اعتدالی کا مرتکب ہوا جاتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سائل جازم غیر متردد ہو اور مصر ہو، جس سے رجوع کی توقع نہ ہو، اس صورت میں کلام میں امتداد لا طائل ہو کر ایک مستقل مشغلہ بن کر وقت کو ضائع کرنا ہے۔

اب اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ جن امور کا آپ نے نمونہ پیش کیا ہے، اس کی کوئی جانب قطعی نہیں، ان میں یہ سب احکامِ سبعہ جاری ہوں گے۔

چنانچہ خود اس نمونہ کا بطلان اگر قطعی ہوتا، تو ہم لوگوں سے زیادہ علم وعمل والے اس پر نکیر کیوں نہ کرتے اور مثالِ مفروض میں ممکن ہے کہ حکم کے کسی شرط کا انتفاء، مانع لزومِ محذور ہو اور اس تقریر سے سب محذورات کا جواب ہوگیا۔

مگر احتیاطاً بعض امور کی تصریح بھی کئے دیتا ہوں۔

میں اپنے قول سے، فعل سے اعلان کر چکا ہوں اور اگر اس اعلان کا کسی کو علم نہ ہو، اب اعلان کرتا ہوں کہ:

''کوئی صاحب محض میری کسی تحقیق واتباع کی بنا پر ایسے امور میں کسی جانب پر اعتقاداً یا عملاً جمود نہ فرماویں، جب حق واضح ہو جاوے، اس کو قبول فرمالیں''

اس اعلان کے بعد میرے متبعین میں کسی محقق کا نہ ہونا مضر نہیں ہوسکتا، ان میں اگر کوئی محقق نہیں، تو دوسری جماعتوں میں تو انشاء اللہ تعالیٰ محقق موجود ہوں گے، وہ حفاظت کیلئے کافی ہوں گے۔

ایسی حالت میں، ایسے امور میں، میرے ساتھ کسی کا اختلاف کرنا۔ بحمد اللہ تعالیٰ مجھ کو گراں نہیں، مجھ کو اس کی عادت ہے، مگر خطابِ خاص سے جواب کا مطالبہ طبعاً گراں ہے، البتہ عام عنوان سے اس کی اشاعت ہر طرح گوارا ہے اور ایسے خطاب کی کچھ ضرورت بھی نہیں، جبکہ اظہارِ حق کا جو کہ اصل مقصود ہے، ایک دوسرا طریق بھی ہے جو ابھی مذکور ہوا۔

پس آپ اپنی تحقیقات کو بے تکلف شائع فرماویں، مجھ کو جس امر میں شرح صدر ہو جائے گا، میں اس کو قبول کر کے اپنا رجوع خود شائع کر دوں گا، ورنہ سکوت کروں گا، رد نہ کروں گا۔

مالم یخالف قطعیا ولن یکون إن شاء اللّٰہ تعالیٰ.

اور اگر کوئی میرے قول سے تمسک کرے، اس کو یہ اعلان دکھلا کر محجوج فرماویں، اگر پھر بھی وہ جمود کرے، تو میں اور آپ دونوں بری ہیں۔

اب اپنے لئے اور آپ کے لئے یہ دعا کر کے ختم کرتا ہوں:

اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ والباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ.

والسلام

(امداد الفتاوی، ج ۶، ص ۱۱۴، و ۱۱۵، کیا روضہ اطہر کی زمین عرش سے افضل ہے؟)

(الرسالۃ الخامسۃ)

وادیِ مقدس اور کوہِ طور کی فضیلت

قرآن وسنت سے وادیِ مقدس اور کوہِ طور کی فضیلت وبرکت کا بھی ثبوت ملتا ہے، جہاں حضرت موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا، حضرت موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانی مقدس کتاب ''تورات'' عطاء کی گئی۔

حضرت موسیٰ کو وادیِ مقدس میں جوتے اتارنے کا حکم

سورہ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَلَمَّا أَتَاهَا نُوْدِيَ يَامُوْسٰى إِنِّيْ أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى (سورة طٰهٰ، رقم الآيات ١١،١٢)

ترجمہ: پھر جب آئے وہ (یعنی موسیٰ) اس (آگ) کے پاس، آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! بے شک میں ہی تمہارا رب ہوں، تو اُتار دیجیے اپنے جوتوں کو، تم مقدس وادی طویٰ میں ہو (سورہ طٰہٰ)

حضرت موسیٰ کی وادیِ مقدس میں اللہ سے ہم کلامی

سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا (سورة مريم، رقم الآية ٥٢)

ترجمہ: اور پکارا ہم نے ان (یعنی موسیٰ) کو، طور کی دائیں جانب سے، اور قریب

کیا ہم نے ان کو سرگوشی کے لیے (سورہ مریم)

سورہ قصص میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَلَمَّا أَتَاهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يَّامُوْسٰى إِنِّیْ أَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ (سورة القصص، رقم الآية ٣٠)

ترجمہ: پھر جب آئے (موسیٰ) وہاں، تو ندا دی گئی، وادی کی دائیں جانب سے بقعۂ مبارکہ میں ایک درخت سے کہ اے موسیٰ! بے شک میں ہی اللہ ربُّ العالمین ہوں (سورہ قصص)

سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَوَاعَدْنَا مُوْسٰى ثَلَاثِيْنَ لَيْلَةً وَّأَتْمَمْنَاهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً، وَقَالَ مُوْسٰى لِأَخِيْهِ هَارُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ.

وَلَمَّا جَاءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ أَرِنِیْ أَنْظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرَانِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرَانِیْ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورة الاعراف، رقم الآية ١٤٢ و ١٤٣)

ترجمہ: اور وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا، اور پورا کیا ان راتوں کو (مزید) دس (راتوں) کے ساتھ (یعنی دس راتوں کا مزید اضافہ کیا) پھر پورا کیا (موسیٰ نے) اپنے رب کی چالیس راتوں کی میعاد کو، اور کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہ آپ خلیفہ بن جایئے میرے، میری قوم میں، اور اصلاح کیجیے، اور

اتباع نہ کیجیے مفسدین کے راستہ کی۔

اور جب آئے موسیٰ ہمارے مقرر وقت پر، اور کلام کیا ان سے ان کے رب نے، تو عرض کیا کہ اے میرے رب! مجھے دکھا دیجئے کہ میں تجھے دیکھوں، فرمایا (اللہ نے) کہ تو ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتا، لیکن تو دیکھ پہاڑ کی طرف، پس اگر پہاڑ اپنی جگہ ٹھہرا رہا، تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا، پس جب تجلی فرمائی اس کے رب نے پہاڑ پر، تو کر دیا اس کو ریزہ ریزہ، اور گر پڑے موسیٰ بے ہوش ہو کر، پھر جب افاقہ ہوا ان کو، تو عرض کیا کہ پاک ہے آپ کی ذات، میں توبہ کرتا ہوں آپ کی طرف اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہوں (سورہ اعراف)

یعنی حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو ''نئی شریعت اور توراۃ'' دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور پر تیس راتوں کا اعتکاف کرنے کا حکم فرمایا اور پھر مزید دس راتوں کا اضافہ فرما کر کُل چالیس راتیں مکمل ہونے پر اُن کو ''شریعت اور توراۃ'' عطا فرمائی۔

حضرت موسیٰ کا وادیِ طور پر بے ہوش ہونے کا اجر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک لمبی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کرتے ہیں کہ:

لَا تُفَضِّلُوا بَيْنَ أَنْبِيَاءِ اللّٰهِ فَإِنَّهُ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَيَصْعَقُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ أُخْرٰى فَأَكُوْنُ أَوَّلَ مَنْ بُعِثَ فَإِذَا مُوْسٰى آخِذٌ بِالْعَرْشِ فَلَا أَدْرِيْ أَحُوْسِبَ بِصَعْقَتِهِ يَوْمَ الطُّوْرِ أَمْ بُعِثَ قَبْلِيْ وَلَا أَقُوْلُ إِنَّ أَحَدًا أَفْضَلُ مِنْ يُوْنُسَ بْنِ مَتّٰى (صحيح البخاری) [1]

---

[1] رقم الحديث ۳۴۱۴، كتاب احاديث الانبياء، باب قول الله تعالى وإن يونس لمن المرسلين.

ترجمہ: تم مجھے نبیوں کے درمیان (یعنی دوسرے نبیوں کے مقابلہ میں بے جا) فضیلت نہ دو، کیونکہ صور پھونکے جانے کے وقت، زمین اور آسمان کی ہر مخلوق بے ہوش ہوجائے گی، مگر جس کو اللہ چاہے، پھر دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا، تو میں ہوش میں آنے والوں میں سب سے پہلا شخص ہوں گا، تو میں حضرت موسیٰ کو عرشِ الٰہی کو پکڑے ہوئے پاؤں گا، پس مجھے معلوم نہیں کہ کیا ان کی کوہِ طور پر بے ہوشی کو شمار کیا گیا (کہ اس کی وجہ سے آج بے ہوش ہی نہیں کیا گیا) یا وہ بے ہوش ہوکر مجھ سے پہلے ہوش میں آئے، اور میں یہ نہیں کہتا کہ کوئی حضرت یونس بن متیٰ (یعنی حضرت یونس علیہ السلام) سے افضل ہے (بخاری)

مذکورہ آیات اور حدیث سے وادیٔ مقدس اور کوہِ طور کی فضیلت معلوم ہوئی کہ وہاں حضرت موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا، نیز وہاں حضرت موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس رات قیام فرمایا، اور وہاں توراۃ عطا کی گئی، اور اس مبارک مقام پر اللہ تعالیٰ کی تجلی کا ظہور ہوا۔

معراج کی رات میں وادیِ مقدس میں نماز پڑھنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

أُتِيتُ بِدَابَّةٍ فَوْقَ الْحِمَارِ وَدُوْنَ الْبَغْلِ خَطْوُهَا عِنْدَ مُنْتَهٰى طَرَفِهَا فَرَكِبْتُ وَمَعِيْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسِرْتُ فَقَالَ انْزِلْ فَصَلِّ فَفَعَلْتُ فَقَالَ أَتَدْرِيْ أَيْنَ صَلَّيْتَ صَلَّيْتَ بِطَيْبَةَ وَإِلَيْهَا الْمُهَاجَرُ ثُمَّ قَالَ انْزِلْ فَصَلِّ فَصَلَّيْتُ فَقَالَ أَتَدْرِيْ أَيْنَ صَلَّيْتَ صَلَّيْتَ بِطُوْرِ سَيْنَاءَ حَيْثُ كَلَّمَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ قَالَ انْزِلْ فَصَلِّ فَنَزَلْتُ فَصَلَّيْتُ فَقَالَ أَتَدْرِيْ أَيْنَ صَلَّيْتَ صَلَّيْتَ بِبَيْتِ لَحْمٍ حَيْثُ وُلِدَ

عِیسٰی عَلَیۡهِ السَّلَامُ (سنن النسائی) [1]

ترجمہ: (معراج کی رات میں) میرے پاس ایک چوپایہ (سواری کے لیے) لایا گیا، جو کہ گدھے سے اونچا اور خچر سے چھوٹا تھا، اس کے قدم حدِ نظر پر پڑتے تھے (یعنی وہ بہت تیز رفتار تھا) تو میں اس پر سوار ہوگیا، اور میرے ساتھ جبریل علیہ السلام بھی تھے، پھر میں چلا تو حضرت جبریل نے فرمایا کہ یہاں اتر کر (نفل) نماز پڑھ لیجئے، میں نے اتر کر نماز پڑھی، پھر جبریلِ امین نے کہا کہ آپ کو معلوم

---

[1] رقم الحديث ۴۵۰، كتاب الصلاة، باب فرض الصلاة، مكتب المطبوعات الإسلامية -حلب، تاريخ مدينة دمشق لابن عساكر، تحت ترجمة يزيد بن عبد الرحمن بن أبى مالك هانئ الهمدانى، ج۶۵ص ۲۸۱وص ۲۸۲.

نسائی کی حدیث کی سند درج ذیل ہے:

أخبرنا عمرو بن هشام قال حدثنا مخلد عن سعيد بن عبد العزيز قال حدثنا يزيد بن أبى مالك قال حدثنا أنس بن مالك.

اور اس روایت میں مذکور راویوں کے بارے میں محدثین کا کلام بالترتیب درج ذیل ہے:

(۱)...... عمرو بن هشام الحرانى أبو أمية ثقة من العاشرة مات سنة خمس وأربعين س(تقريب التهذيب ،ص۴۲۸، تحت رقم الترجمة ۵۱۲۹)

(۲)...... مخلد بن يزيد القرشى أبويحيى ، ويُقال :أبوخداش ويُقال :أبو الجيش ، ويُقال :أبو الحسن............

قال أبو بكر الأثرم عن أحمد بن حنبل :لا بأس به ، وكان يهم.وَقَال عثمان بن سَعِيد الدارمى عن يحيى بن مَعِين ، وأبو داود ، ويعقوب بن سفيان : ثقة . وَقَال أبو حاتم : صدوق.وَقَال أحمد بن على الابار :سألت على بن ميمون عنه ، فقال :كان قرشيا ، نعم الشيخ.وذكره ابنُ حِبَّان فى كتاب "الثقات(تهذيب الكمال ج۲۷ص۳۴۳ الیٰ ۳۴۵ ملخصاً،تحت رقم الترجمة ۵۸۴۳)

(۳)...... سَعِيد بن عبد العزيز بن أَبى يحيى التنوخي، أبو محمد ، ويُقال :أبو عبد العزيز، الدمشقى ، فقيه أهل الشام ومفتيهم بدمشق بعد الأَوزاعِيّ...........

قال عَبد الله بن أحمد بن حنبل، عَن أبيه :ليس بالشام رجل أصح حديثًا من سَعِيد بن عبد العزيز ، هو والأَوزاعِيّ عندى سواء .وَقَال إسحاق بن منصورعن يحيى بن مَعِين ، وأبو حاتم، وأحمد بن عَبد الله العجلى : ثقة.وَقَال عَمْرو بن على :حديث الشاميين كلهم ضعيف إلا نفرا ، منهم :الأَوزاعِيّ ، وسَعِيد بن عبد العزيز ، وعبد الرحمن بن ثابت بن ثوبان ، وعبد الله بن العلاء بن زبر......

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہے کہ آپ نے کس جگہ نماز پڑھی؟ آپ نے طَیبہ (یعنی مدینہ طیبہ) میں نماز پڑھی ہے، جہاں آپ (بعد میں) ہجرت فرمائیں گے، پھر (ایک مقام پر پہنچ کر) جبریلِ امین نے کہا کہ (یہاں بھی) اتر کر نماز پڑھیے، میں نے اتر کر نماز پڑھی، پھر جبریلِ امین نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی، آپ نے طُورِ سینا میں اس جگہ نماز پڑھی، جہاں اللہ عزوجل نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا، پھر (ایک مقام پر پہنچ کر) جبریلِ امین نے کہا (یہاں بھی) اتر کر نماز پڑھیے، میں نے اتر کر نماز پڑھی، پھر جبریلِ امین نے کہا آپ نے کہاں نماز پڑھی؟ آپ نے بیتِ لحم میں نماز پڑھی، جہاں عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی (سنن نسائی)

اور حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ مضمون اس طرح مروی ہے کہ:

حَتّٰی بَلَغْنَا أَرْضًا ذَاتَ نَخْل فَأَنْزَلَنِیْ، فَقَالَ: صَلِّ، فَصَلَّیْتُ، ثُمَّ رَکِبْنَا، فَقَالَ: أَتَدْرِیْ أَیْنَ صَلَّیْتَ؟

قُلْتُ: اَللّٰہُ أَعْلَمُ.

قَالَ: صَلَّیْتَ بِیَثْرِبَ، صَلَّیْتَ بِطَیْبَۃَ، فَانْطَلَقَتْ تَھْوٰی بِنَا یَقَعُ حَافِرُھَا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَقَال الحاکم أبو عبد الله : سَعِید بن عبد العزیز لاھل الشام کمالک بن أنس لاھل المدینة فی التقدم والفضل والفقه والامانة .وَقَال النَّسَائی : ثقة ثبت .(تھذیب الکمال ج۱۰، ص۵۳۹ الیٰ ۵۴۴، ملخصاً، تحت رقم الترجمة ۲۳۲۰)

(۴)...... یزید بن عبد الرحمن بن أَبی مالک ، واسمه هانئ ، الهمدانی الدمشقی الفقیه، قاضی دمشق ......وَقَال عبد الرحمن بن أَبی حاتم :سئل أبی عنه ، فقال :من فقهاء الشام وھو ثقة ، وسئل أبو زُرعَة عنه فأثنی علیه خیرا .وَقَال المفضل بن غسان الغلابی :الولید ویزید ابنا أبی مالک أخوان لیس بحدیثھما بأس .وَقَال الدَّارَقُطْنِیُّ ، وأبو بکر البرقانی : من الثقات .وذکره ابنُ حِبَّان فی کتاب "الثقات "(تھذیب الکمال ج۳۲، ص۱۸۹ الیٰ ۱۹۱، ملخصاً، تحت رقم الترجمة ۷۰۲۲)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حَيْثُ أَدْرَکَ طَرَفُهَا، ثُمَّ بَلَغْنَا أَرْضًا فَقَالَ: انْزِلْ، فَنَزَلْتُ، ثُمَّ قَالَ: صَلِّ، فَصَلَّيْتُ.

ثُمَّ رَكِبْنَا، فَقَالَ: أَتَدْرِیْ أَيْنَ صَلَّيْتَ؟

قُلْتُ: اَللّٰهُ أَعْلَمُ.

قَالَ: صَلَّيْتَ بِمَدْيَنَ، صَلَّيْتَ عِنْدَ شَجَرَةِ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ، ثُمَّ انْطَلَقَتْ تَهْوِیْ بِنَا يَقَعُ حَافِرُهَا حَيْثُ أَدْرَکَ طَرَفُهَا، ثُمَّ بَلَغْنَا أَرْضًا بَدَتْ لَنَا قُصُوْرٌ، فَقَالَ: انْزِلْ فَنَزَلْتُ، فَقَالَ: صَلِّ فَصَلَّيْتُ، ثُمَّ رَكِبْنَا ،قَالَ: أَتَدْرِیْ أَيْنَ صَلَّيْتَ؟

قُلْتُ اَللّٰهُ أَعْلَمُ.

قَالَ: صَلَّيْتَ بِبَيْتِ لَحْمٍ، حَيْثُ وُلِدَ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ، الحديث (دلائل النبوة للبيهقی) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

پس اس حدیث کی سند معتبر ہے، البتہ اس حدیث کو علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے منکر قرار دیا ہے۔

راجع :الفصول فی السيرة، لابنِ كثير، فصل ـ الأماكن التی حلها ،فی ذكر الأماكن التی حلها صلوات الله و سلامه عليه و هی الرحلات النبوية .

مگر حضرت شداد بن اوس کی حدیث اس کی مؤید ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے، اس لئے ہمیں موید حدیث کے بقدرِ مضمون کے منکر ہونے سے اتفاق نہیں، جو ہم نے اوپر ذکر کیا۔ محمد رضوان۔

[1] ج۲ ص۳۵۶، باب الإسراء برسول الله صلى الله عليه وآله وسلم من المسجد الحرام إلى المسجد الأقصى وما ظهر فی ذلک من الآيات، مسند البزار ،رقم الحديث ۳۴۸۴، المعجم الكبير للطبرانی ،رقم الحديث ۷۱۴۲، مسند الشاميين للطبرانی ، رقم الحديث ۱۸۹۴، تهذيب الآثار للطبری ،رقم الحديث ۷۳۴، مسند ابن عباس .

قال البيهقی بعد نقل الحديث الكامل:

هذا إسناد صحيح وروى ذلک مفرقا فی أحاديث غيره، ونحن نذكر من ذلک إن شاء الله تعالى ما حضرنا(حواله بالا)

وقال الهيثمی:

رواه البزار والطبرانی فی الكبير، إلا أن الطبرانی قال فيه " :قد أخذ صاحبک الفطرة،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: یہاں تک کہ ہم بہت کھجوروں والی زمین میں پہنچے، جبریلِ امین نے مجھے سواری سے نیچے اتارا، اور فرمایا کہ نماز پڑھیے، تو میں نے نماز پڑھی، پھر ہم سوار ہوئے، تو جبریلِ امین نے فرمایا کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی؟

میں نے کہا کہ اللہ اعلم۔

جبریلِ امین نے کہا کہ آپ نے یثرب میں نماز پڑھی، آپ نے طیبہ میں نماز پڑھی، پھر وہ جانور روانہ ہوا، ہمیں اتنی تیزی سے لے جا رہا تھا کہ اس کی حدِ نظر پر اس کے قدم پڑتے تھے، پھر ہم ایک جگہ پہنچے، تو جبریلِ امین نے کہا کہ اتر جائیے، تو میں اتر گیا، پھر جبریلِ امین نے کہا کہ نماز پڑھیے، تو میں نے اتر کر نماز پڑھی، پھر ہم سوار ہوئے، تو جبریلِ امین نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی؟

میں نے کہا کہ اللہ اعلم۔

جبریلِ امین نے کہا کہ آپ نے مدین میں نماز پڑھی، آپ نے موسیٰ علیہ السلام

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وإنه لمهدی .وقال فی وصف جهنم كيف وجدتها؟ قال :مثل الحمة السخنة ."وفيه إسحاق بن إبراهيم بن العلاء ، وثقه يحيى بن معين، وضعفه النسائی(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۴، تحت رقم الحديث ۲۳۶، باب منه فی الاسراء)

قال ابن كثير :

هكذا رواه البيهقی من طريقين عن أبی إسماعيل الترمذی، به . ثم قال بعد تمامه : "هذا إسناد صحيح، وروی ذلک مفرقًا فی أحاديث غيره، ونحن نذكر من ذلک إن شاء الله ما حضرنا ."ثم ساق أحاديث كثيرة فی الإسراء كالشاهد لهذا الحديث .وقد روی هذا الحديث عن شداد بن أوس بطوله الإمام أبو محمد عبد الرحمن بن أبی حاتم فی تفسيره، عن أبيه، عن إسحاق بن إبراهيم بن العلاء الزبيدی، به .ولا شک أن هذا الحديث -أعنی الحديث المروی عن شداد بن أوس -مشتمل علی أشياء منها ما هو صحيح كما ذكره البيهقی، ومنها ما هو منكر، كالصلاة فی بيت لحم، وسؤال الصديق عن نعت بيت المقدس، وغير ذلک .والله أعلم(تفسير ابن كثير، ج۵ ص ۲۴،تحت رقم الآية ۱ من سورة الاسراء)

کے درخت کے قریب نماز پڑھی، پھر ہم چلے اور وہ (براق) ہمیں اتنی تیزی سے لے جا رہا تھا کہ اس کی حدِ نظر پر اس کے قدم پڑتے تھے، پھر ہم ایک زمین پر پہنچے، جہاں ہمیں بلند عمارات نظر آئیں، تو جبریلِ امین نے کہا کہ اتریئے، تو میں اتر گیا، پھر انہوں نے فرمایا کہ نماز پڑھئے، تو میں نے نماز پڑھی، پھر ہم سوار ہوئے،

جبریلِ امین نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ کہاں نماز پڑھی؟

میں نے کہا کہ اللہ اعلم۔

جبریلِ امین نے کہا کہ آپ نے بیتِ لحم میں نماز پڑھی، جہاں عیسیٰ مسیح ابنِ مریم علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی، آخر حدیث تک (بیہقی)

اس سے معلوم ہوا کہ متبرک جگہوں اور باعثِ شرف مقامات پر نماز پڑھنا برکت کا باعث ہے۔

یہ بھی واضح ہوا کہ اگر مقاماتِ مقدسہ کی طرف ''شدِ رحال'' درست نہ ہوتا، تو شبِ معراج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ، طورِ سینا، بیتِ لحم اور بیت المقدس نہ لایا جاتا، اور نہ ہی وہاں نماز پڑھنے کو کہا جاتا، بلکہ سیدھا آسمان پر لے جایا جاتا، مذکورہ روایات ''شدِ رحال'' کے جواز اور انبیاء کے آثار اور مقدس مقامات سے برکت حاصل کرنے کی دلیل ہیں۔ [1]

البتہ اس میں کچھ تفصیل ہے، جس کا ذکر ہم نے دوسرے رسائل میں کر دیا ہے (یہ رسائل آگے آتے ہیں)

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

[1] صليت بطور سيناء وهذا أصل كبير فى تتبع آثار الصالحين والتبرک بها والعبادة فيها (حاشية السندى على سنن النسائى، ج ١، ص ٢٢٢، كتاب الصلاة)

(الرسالةُ السادسة)

مساجدِ ثلاثہ میں جانے اور نماز کی نذر ماننے کا حکم

بعض احادیث وروایات میں مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ میں جا کر نماز پڑھنے کی نذر ماننے کا ذکر آیا ہے، جس کی وجہ سے یہ مسئلہ اور اس سے متعلقہ مسائل فقہاء کے زیرِ بحث آئے ہیں۔

آگے اس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

پہلے اس سلسلہ میں چند احادیث ملاحظہ فرمائیے، جس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ چند متعلقہ مسائل کا ذکر کیا جائے گا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَوْمَ الْفَتْحِ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنِّيْ نَذَرْتُ إِنْ فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَكَّةَ أَنْ أُصَلِّيَ فِيْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَقَالَ: صَلِّ هَاهُنَا، فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: صَلِّ هَاهُنَا، فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: شَأْنَكَ إِذًا (مسند أحمد) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نے فتحِ مکہ کے دن عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے یہ نذر ومنت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ پر مکہ کو فتح فرمادیں، تو میں بیتُ المقدس میں (جا کر) نماز پڑھوں گا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ

---

[1] رقم الحديث ۱۴۹۱۹، سنن ابی داود، رقم الحديث ج۳۳۰۵.

قال شعيب الارنووط: إسناده قوی، رجاله رجال الصحيح (حاشية مسند احمد)

و قال ايضاً: إسناده قوی من أجل حبيب المُعلِّم فهو صدوق لا بأس به (حاشية سنن ابی داوٗد)

یہاں (یعنی مسجدِ حرام میں) نماز پڑھ لیجیے، پھراس نے یہی سوال دہرایا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں نماز پڑھ لیجیے، پھراس نے تیسری مرتبہ یہی سوال کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر آپ جانیں اور آپ کا کام (مسند احمد)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا نَـذَرَ أَنْ يُّـصَلِّيَ فِيْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَسَأَلَ عَنْ ذٰلِکَ رَسُوْلَ اللّٰـهِ صَـلَّـى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهُ: صَلِّ هَا هُنَا ،يَعْنِي الْمَسْجِدَ الْحَـرَامَ، قَـالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰـهِ إِنِّيْ إِنَّمَا نَذَرْتُ أَنْ أُصَلِّيَ فِيْ بَيْتِ الْمَـقْـدِسِ، قَـالَ: صَلِّ هَا هُنَا قَالَ: وَأَظُنُّـهُ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: صَلِّ حَيْثُ قُلْتَ (مسند أبي يعلى، رقم الحديث ۲۲۲۴، ج۴ص ۱۵۸، مسند جابر) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نے بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی نذر مانی، پھراس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ یہاں یعنی مسجدِ حرام میں نماز پڑھ لیجیے، اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی نذر مانی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں (یعنی مسجدِ حرام میں) ہی نماز پڑھ لیجئے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ تیسری مرتبہ سوال کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں نماز پڑھنے کا آپ نے کہا ہے، وہاں نماز پڑھ لیجیے (ابویعلیٰ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی زحمت سے بچانے کے لیے مسجدِ حرام میں نماز پڑھنے کا حکم فرمایا، پھر جب اس شخص نے بار بار اس سوال کو دہرایا، تو

---

[1] قال حسين سليم أسد: إسناده صحيح (حاشية مسند ابی یعلیٰ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ یہ اپنی نذر ومنت کے مطابق مسجدِ اقصیٰ میں جاکر ہی نماز پڑھنے کا خواہش مند ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیتُ المقدس میں جاکر نماز پڑھنے کی اجازت دے دی۔

حضرت طاووس کی حدیث

حضرت عبداللہ بن طاووس اپنے والد حضرت طاووس سے روایت کرتے ہیں کہ:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَاهُ رَجُلٌ، فَقَالَ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنِّيْ نَذَرْتُ إِنْ فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَكَّةَ لَأُصَلِّيَنَّ فِيْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَلِّ هَاهُنَا، فَقَالَ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنِّيْ نَذَرْتُ أَنْ أُصَلِّيَ فِيْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : فَصَلِّ فِيْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، أَمَا إِنَّكَ لَوْ صَلَّيْتَ هَا هُنَا أَجْزَأَكَ (أخبار مكة للفاكهي) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا، اور اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے یہ نذر ومنت مانی تھی کہ اگر آپ کو اللہ تعالیٰ مکہ کی فتح عطا فرمائے گا، تو میں بیتُ المقدس میں نماز پڑھوں گا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ یہیں (یعنی مسجدِ حرام میں) نماز پڑھ لیجیے، پھر اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے بیتُ المقدس میں نماز پڑھنے کی نذر ومنت مانی تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر آپ بیتُ المقدس میں نماز پڑھ لیجیے، لیکن اگر آپ یہاں نماز پڑھ لیں گے، تو بھی آپ کے لیے کافی ہوجائے گی (اخبارِ مکہ)

---

[1] رقم الحديث ١٢٢١، ذكر فضل الصلاة في المسجد الحرام، وماجاء فيها عن النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه رضي الله عنهم والتابعين.

اس کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

بعض انصار صحابہ کی حدیث

حضرت عمر بن عبدالرحمٰن بن عوف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض انصاری صحابہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَالنَّبِيُّ فِيْ مَجْلِسٍ قَرِيْبٍ مِنَ الْمَقَامِ، فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، إِنِّيْ نَذَرْتُ لَئِنْ فَتَحَ اللّٰهُ لِلنَّبِيِّ وَالْمُؤْمِنِيْنَ مَكَّةَ لَأُصَلِّيَنَّ فِيْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، وَإِنِّيْ وَجَدْتُ رَجُلًا مِّنْ أَهْلِ الشَّامِ هَاهُنَا فِيْ قُرَيْشٍ مُقْبِلًا مَعِيْ وَمُدْبِرًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَاهُنَا فَصَلِّ، فَقَالَ الرَّجُلُ قَوْلَهُ هٰذَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، كُلُّ ذٰلِكَ يَقُوْلُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَاهُنَا فَصَلِّ، ثُمَّ قَالَ الرَّابِعَةَ مَقَالَتَهُ هٰذِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِذْهَبْ فَصَلِّ فِيْهِ، فَوَالَّذِيْ بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ، لَوْ صَلَّيْتَ هَاهُنَا لَقَضٰى عَنْكَ ذٰلِكَ كُلَّ صَلَاةٍ فِيْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۳۱۶۹)[1]

ترجمہ: انصار صحابۂ کرام میں سے ایک شخص فتحِ مکہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت (مسجدِ حرام میں) مقامِ ابراہیم کے قریب تشریف فرما تھے، اس نے آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، پھر عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! میں نے یہ نذر مانی ہے کہ اگر اللہ، نبی اور مومنین کے لیے

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حسن لغيره (حاشية مسند احمد)

مکہ کو فتح فرمادے گا، تو میں بیت المقدس میں ضرور نماز پڑھوں گا، اور میں نے یہاں پر مقامِ شام کے ایک شخص کو قریش میں پایا ہے، جو میرے ساتھ وہاں (یعنی بیتُ المقدس میں) جائے گا اور واپس بھی آئے گا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ یہیں (یعنی مسجدِ حرام میں) نماز پڑھ لیجیے، اس آدمی نے یہی بات تین مرتبہ دہرائی، ہر مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا کہ یہیں (یعنی مسجدِ حرام میں) نماز پڑھ لیجیے، پھر اس نے چوتھی مرتبہ یہی سوال کیا، تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر آپ جاؤ، اور بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھ لو، قسم ہے اس ذات کی! جس نے محمد کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپ یہاں (یعنی مسجدِ حرام میں) نماز پڑھ لیتے، تو آپ کی بیت المقدس میں (نذرومنت ماننے کی وجہ سے) واجب شدہ ہر نماز ادا ہو جاتی (مسند احمد)

ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ مسجدِ حرام میں ایک نماز کی فضیلت، ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔ [1]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنَّ اِمْرَأَةً اِشْتَكَتْ شَكْوَى، فَقَالَتْ: إِنْ شَفَانِيَ اللّٰهُ لَأَخْرُجَنَّ فَلَأُصَلِّيَنَّ فِيْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَبَرَأَتْ، ثُمَّ تَجَهَّزَتْ تُرِيْدُ الْخُرُوْجَ،

---

[1] عن إبراهيم بن يزيد، عن عطاء بن أبي رباح قال :جاء الشريد إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال :يا رسول الله، إني نذرت إن الله فتح عليك أن أصلي في بيت المقدس، فقال النبي صلى الله عليه وسلم :ها هنا فصل، ثم عاد حتى قال مثل مقالته هذه ثلاث مرات، والنبي صلى الله عليه وسلم يقول :هاهنا فصل ثم قال له في الرابعة: "اذهب فو الذي نفسي بيده لو صليت هاهنا لأجزأ عنك، ثم قال :صلاة في هذا المسجد الحرام أفضل من مائة ألف صلاة (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ١٥٨٩١)

فَجَاءَتْ مَيْمُونَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُسَلِّمُ عَلَيْهَا، فَأَخْبَرَتْهَا ذٰلِكَ، فَقَالَتْ: اِجْلِسِي فَكُلِي مَا صَنَعْتِ، وَصَلِّي فِي مَسْجِدِ الرَّسُولِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: صَلَاةٌ فِيهِ أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَسَاجِدِ، إِلَّا مَسْجِدَ الْكَعْبَةِ(صحیح مسلم) [1]

ترجمہ: ایک عورت کو بیماری لاحق ہوئی، تو اس نے یہ کہا کہ اگر مجھے اللہ شفا عطا فرمادے گا، تو میں ضرور بالضرور بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھوں گی، پھر اسے شفا حاصل ہوگئی، تو اس نے بیت المقدس جانے کی تیاری شروع کر دی، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی، اور ان کو سلام کیا، پھر اپنے واقعہ کی ان کو خبر دی، تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ بیٹھ جائیں، جو آپ نے راستہ کے لیے توشہ بنایا ہے، وہ کھالیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) میں نماز پڑھ لیں، بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مسجد نبوی میں ایک نماز، دوسری مساجد کے مقابلہ میں ہزار نمازوں سے افضل ہے، سوائے مسجدِ حرام کے (مسلم)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے بیتُ المقدس میں نماز پڑھنے کی نذر و منت مانی ہو، اور پھر وہ مسجدِ نبوی میں وہ نماز پڑھ لے، تو اس کی وہ نذر و منت پوری ہو جاتی ہے، جس طرح مسجدِ حرام میں پڑھنے سے بھی پوری ہو جاتی ہے۔

چند متعلقہ مسائل

مذکورہ احادیث وروایات کے بعد اب اس سلسلہ میں فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں

---

[1] رقم الحدیث ۱۳۹۶ ''۵۱۰'' کتاب الحج، باب فضل الصلاۃ بمسجدی مکۃ والمدینۃ.

چند متعلقہ مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر 1...... جس شخص نے مسجدِ حرام میں نماز پڑھنے کی نذر ومنت مانی تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کی یہ نذر ومنت مسجدِ حرام میں ہی نماز پڑھنے سے پوری ہوگی، کسی اور جگہ پڑھنے سے پوری نہیں ہوگی؛ کیونکہ مسجدِ حرام کی نماز کا ثواب دوسری جگہ کی نمازوں سے زیادہ ہے۔ البتہ مالکیہ کے نزدیک مسجدِ حرام کے علاوہ مسجدِ نبوی میں بھی نماز پڑھنے سے یہ نذر ومنت پوری ہوجائے گی۔

اور حنفیہ کے نزدیک اگر وہ مسجدِ نبوی، بیتُ المقدس یا مسجدِ حرام میں نماز پڑھ لے، تب تو بلا شبہ وہ اپنی نذر ومنت سے بری ہوجائے گا، اور اگر وہ کسی بھی دوسری جگہ نماز پڑھ کر اپنی نذر و منت کو پوری کرلے، تب بھی بری ہوجائے گا؛ کیونکہ نماز سے مقصود اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہوتا ہے، اور یہ مقصود اجر کی کمی کے ساتھ دوسری جگہ نماز پڑھ کر بھی حاصل ہوجاتا ہے۔ [1]

---

[1] اختلف الفقهاء فى حكم من نذر الصلاة فى المسجد الحرام، وذلك على مذاهب ثلاثة:
المذهب الأول :يرى أصحابه أن من نذر الصلاة فى المسجد الحرام لزمه الوفاء بنذره بالصلاة فيه، ولا يجزئه أن يصلى فى غيره من المساجد، قال به زفر من الحنفية، وهو قول فى مذهب المالكية، وإليه ذهب الشافعية والحنابلة واستدلوا بما روى عن أبى الدرداء -رضى الله عنه -أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم -قال :الصلاة فى المسجد الحرام بمائة ألف صلاة، والصلاة فى مسجدى بألف صلاة، والصلاة فى بيت المقدس بخمسمائة صلاة وبما روى عن أبى هريرة -رضى الله عنه -قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :صلاة فى مسجدى هذا خير من ألف صلاة فى غيره من المساجد إلا المسجد الحرام وبأن الناذر قد أوجب على نفسه أداء الصلاة فى مكان مخصوص، فإن أداها فى غيره لم يكن مؤديا ما عليه، فلا يخرج عن عهدة الواجب وبأن إيجاب العبد معتبر بإيجاب الله تعالى، فإذا كان ما أوجب الله أداء ه مقيدا بمكان فلا يجوز أداؤه فى غيره، كالنحر فى الحرم، والوقوف بعرفة، والطواف بالبيت، والسعى بين الصفا والمروة، فكذلك ما أوجبه العبد على نفسه بالنذر مقيدا بذلك وبأن من نذر الصلاة فى المسجد الحرام، فقد نذر بزيادة قربة، فيلزمه ما التزمه، فإن أدى الصلاة فى غيره كان آتيا بغير ما نذر .
المذهب الثانى :يرى من ذهب إليه أن من نذر الصلاة فى المسجد الحرام لزمه الوفاء بنذره، ولا يجزئه أن يصلى فى غيره من المساجد إلا مسجد النبى -صلى الله عليه وسلم -فيجزئه أن يصلى فيه، وإلى هذا ذهب المالكية، ومشهور مذهب المالكية أن المدينة أفضل من مكة، وثواب العمل فيها أكثر من ثواب العمل فى مكة، ومقتضى هذا أن من نذر الصلاة فى المسجد الحرام يجزئه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر 2...... اگر کسی نے بیتُ المقدس یا مسجدِ اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی نذر و منت مانی تو مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اور شافعیہ کے راجح قول کے مطابق وہ مسجدِ اقصیٰ کے علاوہ مسجدِ نبوی اور مسجدِ حرام میں نماز پڑھ کر بھی اپنی اس نذر و منت سے بری ہوجائے گا؛ کیونکہ ان دونوں مقامات کی نماز کا ثواب، مسجدِ اقصیٰ کی نماز کے ثواب سے زیادہ ہے۔

لیکن کسی اور جگہ نماز پڑھنے سے بری نہیں ہوگا۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک وہ جس طرح مسجدِ اقصیٰ، مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے سے اپنی اس نذر و منت سے بری ہوجائے گا، اسی طرح کسی بھی دوسری جگہ نماز پڑھنے سے بری ہوجائے گا، جس کی دلیل اس سے پہلے مسئلہ کے ذیل میں گزری۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد، امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک مسجدِ اقصیٰ میں ہی اس نذر کو پورا کرنا ضروری ہوگا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كذلك الصلاة فى مسجد المدينة؛ لأن مسجد المدينة أفضل من المسجد الحرام بقطع النظر عن الكعبة وعن القبر الشريف واستدلوا بأن مسجد المدينة موضع اختاره الله سبحانه لنبيه -صلى الله عليه وسلم، وموضع كهذا لا بد وأن يكون أفضل من غيره، ومن ثم فإنه يجزء من نذر الصلاة فى المسجد الحرام أن يصلى فى مسجد المدينة.

المذهب الثالث :يرى أصحابه أن من نذر الصلاة فى المسجد الحرام فإنه يجزئه الصلاة فى أى مسجد، ذهب إلى هذا أبو حنيفة وصاحباه واستدلوا بأن المقصود والمبتغى من النذر هو التقرب إلى الله عز وجل، فلا يدخل تحت النذر إلا ما هو قربة، وليست القربة فى عين المكان، فإنما هو موضع تؤدى فيه القربة، ولهذا فإنه لا يدخل تحت النذر، فلا يتقيد النذر به، فكان ذكره والسكوت عنه بمنزلة وبأن المعروف من الشرع أن التزام ما هو قربة موجب، ولم يثبت من الشرع اعتبار تخصيص العبد العبادة بمكان، بل إنما عرف ذلك لله تعالى، فلا يتعدى لزوم أصل القربة بالتزامه إلى لزوم التخصيص بمكان، فكان تخصيص المكان ملغى، وبقى لازما بما هو قربة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴۰، ص ۲۰۲، الیٰ، ص ۲۰۴، مادة "نذر"نذر الصلاة فى المسجد الحرام)

[1] ب -نذر الصلاة فى المسجد الأقصى اختلف الفقهاء فى حكم من نذر الصلاة فى المسجد الأقصى، وفيما إذا كان يتعين بالنذر أو لا يتعين على مذاهب ثلاثة:

المذهب الأول :يرى أصحابه أن من نذر الصلاة فى المسجد الأقصى أجزأه أن يصلى فيه، كما يجزئه أن يصلى فى المسجد الحرام أو مسجد رسول الله -صلى الله عليه وسلم -إلى هذا ذهب المالكية.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر 3...... جس شخص نے حرم یا اس کے کسی حصہ وجزء (مثلاً حرم، بیتُ اللہ، کعبہ، مسجدِ حرام، صفا، مروہ، مسجدِ خیف، مزدلفہ، منیٰ وغیرہ) کی طرف چلنے کی نذر ومنت مانی، تو امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے نزدیک یہ نذر ومنت منعقد ومعتبر ہوجائے گی، اور اس پر اس نذر ومنت کی وجہ سے حج وعمرہ لازم ہوجائے گا؛ کیونکہ پورا حرم حج وعمرہ کے نُسک کا محل ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والقول الأظهر فی مذهب الشافعية :أن من عين المسجد الأقصى للصلاة فيه، فإنه يتعين لذلک، وقطع المراوزة من أصحاب الشافعی بالتعيين، والأصح من مذهب الشافعية أن الصلاة فی المسجد الحرام أو مسجد المدينة تجزء من نذر الصلاة فی المسجد الأقصى، ويخرج عن نذره بذلک، وإلى هذا ذهب الحنابلة واستدلوا بما روى عن جابر بن عبد الله -رضی الله عنهما -أن رجلا قام يوم الفتح، فقال :يا رسول الله -صلى الله عليه وسلم -إنی نذرت لله إن فتح الله عليک مكة أن أصلی فی بيت المقدس ركعتين، فقال له رسول الله -صلى الله عليه وسلم :صل ههنا، فأعادها عليه، فقال :صل ههنا، ثم أعادها، فقال :شأنک إذا، وفی رواية أخرى :والذی بعث محمدا بالحق لو صليت ههنا لأجزأ عنک صلاة فی بيت المقدس وبما ورد عن ابن عباس -رضی الله عنهما - أن امرأة اشتكت شكوى فقالت :إن شفانی الله لأخرجن فلأصلين فی بيت المقدس، فبرأت ثم تجهزت تريد الخروج، فجاء ت ميمونة زوج النبی -صلى الله عليه وسلم -تسلم عليها، فأخبرتها ذلک، فقالت :اجلسی فكلی ما صنعت، وصلی فی مسجد الرسول -صلى الله عليه وسلم -فإنی سمعت رسول الله -صلى الله عليه وسلم -يقول :صلاة فيه أفضل من ألف صلاة فيما سواه من المساجد إلا مسجد الكعبة وبأن مسجد مكة والمدينة أفضل من المسجد الأقصى باتفاق ؛ وذلک لأفضلية الصلاة فيهما عنه، لما روى عن أبی هريرة -رضی الله عنه -أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قال :صلاة فی مسجدی هذا خير من ألف صلاة فی غيره من المساجد إلا المسجد الحرام المذهب الثانی :يرى أصحابه أن من نذر الصلاة فی المسجد الأقصى، تجزئه الصلاة فی المسجد الأقصى، كما يجزئه أن يصلی فی غيره من المساجد ولو كان أعلى منه أو دونه فی الفضل، ذهب إلى هذا أبو حنيفة وصاحباه.

المذهب الثالث :يرى من ذهب إليه أن من نذر الصلاة فی المسجد الأقصى فلا يجزئه إلا أن يصلی فيه، ولا تجزيه الصلاة فی غيره ولو كان أكثر فضلا منه كمسجد مكة أو المدينة، قال به زفر من الحنفية واستدل للقول الثانی (وهم جمهور الحنفية) ، والقول الثالث (وهو زفر) ، بما سبق الاستدلال به لما ذهبوا إليه فی المسألة السابقة (وهی نذر الصلاة فی المسجد الحرام)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴۰، ص ۲۰۴، الیٰ، ص ۲۰۶، مادة " نذر" نذر الصلاة فی المسجد الأقصى)

[1] نذر المشی إلى بلد الله الحرام أو بقعة منها.

من نذر المشی إلى بلد الله الحرام، أو إلى بقعة منها :كالصفا والمروة، أو مقام إبراهيم أو أبی قبيس

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اگر کعبہ یا مکہ یا بیتُ اللہ کی طرف چلنے کی نذر و منت مانی، تو اس کی یہ نذر و منت منعقد و معتبر ہو جائے گی، اور اس پر حج یا عمرہ میں سے کسی ایک کا کرنا واجب ہو جائے گا، کیونکہ عرف میں ان مقامات کی طرف چلنے سے حج وعمرہ کرنا مراد ہوا کرتا ہے۔

اور حرم کے دوسرے حصوں مثلاً صفا، مروہ، مسجدِ خیف وغیرہ کی طرف چلنے کی نذر و منت مانی، تو منعقد و معتبر نہیں ہوگی، کیونکہ عرف میں ان مقامات کی طرف چلنے سے حج وعمرہ کرنا مراد نہیں لیا جایا کرتا۔

اور اگر حرم یا مسجدِ حرام کی طرف چلنے کی نذر و منت مانی، تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہ نذر و منت منعقد و معتبر ہو جائے گی، اور پیدل حج یا عمرہ کوئی ایک چیز لازم ہو جائے گی، کیونکہ حرم یا مسجدِ حرام کی طرف چلنے سے عُرف میں حج یا عمرہ کرنا مراد ہوا کرتا ہے، جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ نذر و منت منعقد و معتبر نہیں ہوگی، کیونکہ اُن کے نزدیک ان الفاظ سے عُرف میں حج وعمرہ کرنا مراد نہیں ہوا کرتا۔

متعدد مشائخِ احناف نے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے قول کو استحسان پر اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو قیاس پر مبنی قرار دیا ہے، اور ہمارے نزدیک امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کا قول فتوے کے لحاظ سے اولیٰ ہے، کیونکہ حرم یا مسجدِ حرام کا اطلاق بیتُ اللہ اور

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

أو نحو ذلک من المواضع التی تقع فی بلد الله الحرام، فقد اختلف الفقهاء فیما یلزمه بهذا النذر علی مذاهب ثلاثة:

المذهب الأول: یری أصحابه أن من نذر المشی إلی بلد الله الحرام أو إلی بقعة منها، فإنه یلزمه بهذا الحج والعمرة ماشیا، وهو المذهب عند الشافعیة والحنابلة.

واستدلوا بأن من نذر المشی إلی الحرم أو إلی موضع منه، شبیه بمن نذر المشی إلی البیت الحرام؛ لأن الحرم کله محل للنسک، ولذلک صح إحرام المکی بالحج منه وأن من نذر المشی إلی الحرم أو جزء منه إنما لزمه المشی إلیه فی حج أو عمرة؛ لأنه التزم جعله وصفا للعبادة، کما لو نذر الصلاة قائما وأن المشی إلی البلد الحرام أو إلی موضع منه یقصد منه فی الشرع المشی إلیه فی حج أو عمرة، فیحمل النذر علی المعهود الشرعی، ویلغی ما یخالفه (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۴۰، ص ۱۹۸، وص ۱۹۹، مادة "نذر" نذر المشی إلی بلد الله الحرام أو بقعة منها)

کعبہ پر بھی کیا جاتا ہے، اور اس کے برعکس بھی، اور مسجدِ حرام، کعبہ کی فناء کے درجہ میں ہے، اور حرم، مکہ کی فناء کے درجہ میں ہے، لہٰذا جس طرح مکہ کے لفظ سے نذر ومنت معتبر ہوجاتی ہے، اسی طرح حرم یا مسجدِ حرام کے لفظ سے بھی معتبر ہونی چاہئے، اور عوام میں بھی کثرت سے حرم یا مسجدِ حرام بول کر کعبہ اور بیتُ اللہ کا مراد لیا جانا آج کل معروف ہے۔

چنانچہ حج وعمرہ کرنے کے لئے جانے کو بکثرت سفرِ حرمین شریفین سے تعبیر کیا جاتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابنِ ہمام رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اختلاف کی بناء عُرف کی تبدیلی ہے، کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بعد عُرف تبدیل ہونے کی وجہ سے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اختلاف ہوا۔ [1]

---

[1] ثم المسجد الحرام بمنزلة الفناء للكعبة، والحرم بمنزلة الفناء لمكة(المبسوط للسرخسي ج۴ ص ۱۳۲، كتاب المناسک،باب النذر)

لهما فى ذلک طريقان احدهما أن منىٰ من فناء مكة فانۂ من الحرم قال الله تعالىٰ :"هدياً بالغ الكعبة" سماه باسم الكعبة لكونه تبعاً لها لما ان الهدايا والضحايا لا تنحر بمكة بل منىٰ دل ذلک علىٰ انه فى حكمها او فى فنائها (كفاية شرح الهداية مع فتح القدير جلد۲ صفحه ۲۵، كتاب الصلاة ،باب صلاة الجمعة)

واختلفوا فيما إذا قال :لله على المشى إلى الحرم أو إلى المسجد الحرام قال أبو حنيفة لا يلزمه شىء ، وقال صاحباه :يلزمه أحد النسكين .والوجه فى ذلک أن يحمل على أنه تعورف بعد أبى حنيفة إيجاب النسک بهما فقالا به كما تعورف بالمشى إلى الكعبة ويرتفع الخلاف، وإلا فالوجه الذى ذكر لهما متضائل وهو أن الحرم والمسجد الحرام يشتمل على الكعبة فذكر المشتمل ذكر للمشمول وهو الكعبة، ولو صرح بقوله لله على المشى إلى الكعبة لزمه، فكذا ذكر المشتمل لأن إيجاب اللفظ لتعارف عينه فيه، وليس عين المشى إلى الحرم عينه وهو وجه أبى حنيفة (فتح القدير لابن الهمام، ج۵، ص ۱۸۴، كتاب الأيمان، باب اليمين فى الحج والصلاة والصوم)

المذهب الثانى :ذهب إليه الحنفية، ويرون أن من نذر المشى إلى الصفا والمروة أو مسجد الخيف أو غيره من المساجد التى تقع فى الحرم، فإنه لا يصح نذره بلا خلاف فى المذهب، وإن ذكر الكعبة أو مكة أو بيت الله تعالى، صح نذره ولزمه حجة أو عمرة ماشيا، وإن ذكر الحرم أو المسجد الحرام لم يصح نذره ولم يلزمه شىء عند أبى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر 4...... اگر کسی نے مکہ یا کعبہ وبیتُ اللہ کی طرف جانے یا سفر کرنے کے الفاظ کے ساتھ نذر ومنت مانی، تو بعض فقہائے کرام کے نزدیک ان الفاظ سے نذر ومنت معتبر ومنعقد نہیں ہوگی، کیونکہ ان الفاظ سے عرف ورواج میں حج وعمرہ کا التزام مرادنہیں لیا جاتا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حنيفة، ولزمه حج أو عمرة ماشيا عند الصاحبين واستدلوا على صحة نذر المشى إلى الكعبة أو مكة أو بيت الله تعالى، ولزوم مشى الناذر إلى ذلك فى حج أو عمرة، بما سبق الاستدلال به لمذهبهم فى "نذر المشى إلى بيت الله الحرام."

واستدل لما ذهب إليه أبو حنيفة من عدم صحة النذر بالمشى إلى المسجد الحرام أو الحرم بأن مقتضى القياس أن لا يجب شيء بإيجاب المشى المضاف إلى مكان ما؛ لأن المشى ليس بقربة مقصودة؛ إذ هو مجرد انتقال من مكان إلى مكان، فليس فى نفسه قربة، ولهذا لا يجب بسائر الألفاظ، إلا أنا أوجبنا على الناذر الإحرام فى لفظ المشى إلى بيت الله أو الكعبة أو مكة للعرف؛ إذ جرى عرف الناس على استعمال هذه الألفاظ كناية عن التزام الإحرام، ولم يتعارفوا على استعمال غيرها من الألفاظ، فيقال :مشى إلى مكة والكعبة وبيت الله، ولا يقال :مشى إلى الحرم أو المسجد الحرام، والكناية يتبع فيها عين اللفظ لا المعنى، بخلاف المجاز فإنه يراعى فيه المعنى اللازم المشهور فى محل الحقيقة؛ لأن الكناية ثابتة بالاصطلاح كالأسماء الموضوعة، فيتبع فيها العرف واستعمال اللفظ، بخلاف المجاز ووجه ما ذهب إليه الصاحبان من صحة النذر بالمشى إلى المسجد الحرام أو إلى الحرم، ولزوم مشى الناذر إلى ذلك فى حج أو عمرة أن من نذر المشى إلى الحرم أو إلى المسجد الحرام هو بمثابة من نذر المشى إلى بيت الله أو مكة، لأن الحرم يشتمل على البيت وعلى مكة، فلزم الناذر المشى إلى ذلك فى حج أو عمرة ووجه ما ذهب إليه الحنفية من عدم صحة النذر بالمشى إلى الصفا والمروة أو مسجد الخيف أن من نذر المشى إلى الصفا والمروة أو مسجد الخيف ونحو ذلك من المواضع لا يلزمه شيء بخلاف من نذر المشى إلى مكة أو الكعبة أو بيت الله، حيث يلزمه الحج أو العمرة ماشيا؛ وذلك لأن كل واحد من هذه الألفاظ (الكعبة، مكة، وبيت الله) يستعمل عند استعمال الآخر، فيقال :فلان مشى إلى بيت الله، وإلى الكعبة، وإلى مكة، ولا يقال :مشى إلى الصفا والمروة، ولهذا فلا يلزم بنذر المشى إلى هذه شيء ويضاف إلى ذلك أن من نذر المشى إلى الصفا والمروة أو مسجد الخيف أو نحو ذلك من المواضع، قد أوجب على نفسه التحول من مكان إلى مكان آخر، وذلك ليس بقربة مقصودة؛ لأنه لا قربة فى نفس المشى، وإنما القربة فى الإحرام، وهو ليس بمذكور، ولا يصح النذر بما ليس بقربة .

المذهب الثالث :يرى من ذهب إليه أن من نذر المشى إلى مكة أو المسجد الحرام أو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ اگر کہیں عرف میں ان الفاظ سے حج وعمرہ کا التزام مراد لیا جاتا ہو، جیسا کہ آج کل ہمارے عرف میں یہی مراد لیا جاتا ہے، تو پھر ان الفاظ سے بھی نذر ومنت منعقد ومعتبر ہوجائے گی، اور حج وعمرہ میں سے کوئی ایک لازم ہوجائے گا۔

ملحوظ رہے کہ فقہائے احناف نے مشی اور ذہاب کے الفاظ میں فرق کیا ہے، اور ذہاب کے الفاظ سے نذر منعقد نہ ہونے کو عرف کی وجہ سے غیر معتبر قرار دیا ہے؛ جبکہ ہمارے آج کل کے عرف میں چلنے اور جانے میں کوئی خاص فرق نہیں کیا جاتا، بلکہ عام طور پر سواریوں پر سفر رائج ہونے کی وجہ سے چلنے کے بجائے جانے کے الفاظ رائج ہیں، اور اس کے برعکس چلنے یا پیدل جانے کے الفاظ عموماً رائج نہیں، اس لئے جس طرح چلنے کے الفاظ سے نذر منعقد ہوجاتی ہے، اسی طرح ہمارے عرف کے پیشِ نظر جانے کے الفاظ سے بھی منعقد ہوجانی چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحجر لزمه المشي إلى ذلك في حج أو عمرة، بخلاف من نذر المشي إلى الصفا والمروة، أو منى أو عرفة، أو مزدلفة أو ذي طوى، أو الحرم أو جبال الحرم فلا يلزمه شيء، وهو قول لمالك، وابن القاسم، وقال ابن حبيب :إن قال :على المشي إلى الحجر أو إلى الحطيم أو زمزم، لم يلزمه شيء من ذلك عند ابن القاسم واستدلوا :بأن من نذر المشي إلى مكة أو إلى المسجد الحرام أو الكعبة إنما لزمه المشي إلى ذلك في حج أو عمرة؛ لأن ذلك يحتوي على البيت الحرام، والبيت لا يؤتى إليه إلا في حج أو عمرة، بخلاف غير ذلك من المواضع :كمنى أو عرفة أو ذي طوى أو مزدلفة أو نحوها، فلا يلزم الناذر بالمشي إليها شيء؛ لأنه ليس بها بيت يحج إليه أو يزار (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص ۱۹۸ الى ص ۲۰۰، مادة "نذر" نذر المشي إلى بلد الله الحرام أو بقعة منها)

[1] وقد ذكرنا أنه ثمان فصول في ثلاث يلزم بلا خلاف في المشي إلى بيت الله تعالى أو الكعبة أو مكة، وفي ثلاث لا يلزمه شيء بالاتفاق، وهو إذا نذر الذهاب إلى مكة، أو السفر إلى مكة، أو الركوب وفي فصلين خلاف، وهو ما إذا نذر المشي إلى الحرم أو المسجد الحرام .كان أبو حنيفة -رحمه الله تعالى -يأخذ فيهما بالقياس، وهما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر5...... اگر کسی نے مدینہ منورہ یا بیتُ المقدس جانے یا مسجدِ نبوی یا مسجدِ بیت المقدس کی طرف جانے کی نذر مانی، تو حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔

اور مالکیہ کے نزدیک بھی کچھ واجب نہیں ہوگا، الا یہ کہ اس نے مذکورہ مساجد یعنی مسجدِ نبوی یا مسجدِ بیت المقدس میں سے کسی مسجد کا نام لے کر اس میں نماز پڑھنے کی نذر مانی ہو۔

اور حنابلہ کے نزدیک مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ میں جانے کی نذر ماننے کی صورت میں اس پر وہاں جا کر کم از کم دو رکعت نماز کا پڑھنا واجب ہو جائے گا، کیونکہ نذر سے قربت اور طاعت مقصود ہوتی ہے، اور یہ مقصود نماز ہی سے حاصل ہوگا، اور مسجد میں جانے سے مقصود نماز ہوتا ہے، لہٰذا یہ نذر نماز کو متضمن ہوگی۔

اور اس نذر کو پورا کرنے میں وہی تفصیل ہوگی، جو پیچھے ان مقامات میں نماز پڑھنے کی نذر ومنت کے مسائل میں گزری۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بالاستحسان (المبسوط للسرخسي، ج۸، ص۱۳۸، کتاب الأيمان)

قال -رحمه الله -(بخلاف الخروج أو الذهاب إلى بيت الله تعالى أو المشي إلى الحرم أو الصفا والمروة) أى بخلاف ما إذا قال على الخروج أو الذهاب إلى بيت الله تعالى أو على المشي إلى الحرم أو إلى الصفا والمروة حيث لا يلزمه شيء بهذه العبارة وكذا إذا قال على المشي إلى المسجد الحرام لا يلزمه شيء لأن التزام الحج أو العمرة بهذه العبارات غير متعارف واللزوم للعرف ولا يمكن إيجابه باعتبار حقيقة اللفظ فامتنع أصلا وهذا على إطلاقه قول أبي حنيفة -رحمه الله -وقالا في قوله على المشي إلى الحرم أو إلى المسجد الحرام عليه حجة أو عمرة لأن الحرم والمسجد الحرام شامل للبيت فصار ذكره كذكره بخلاف الصفا والمروة لأنهما منفصلان عنه وجوابه ما ذكرنا أن المعتبر فيه العرف وليس فيه عرف ولا مدخل للقياس فيه ولهذا لا يلزمه بلفظة الذهاب والخروج وإن قال إلى بيت الله تعالى (تبيين الحقائق، ج۳، ص۱۵۳، كتاب الأيمان، باب اليمين في البيع والشراء والتزوج والصوم والصلاة وغيرها)

[1] نذر المشي إلى المسجد النبوي:

اختلف الفقهاء في حكم الوفاء على من نذر المشي إلى مسجد النبي صلى الله عليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر 6...... اگر کسی نے مسجدِ قباء میں جانے کی نذر مانی، تو حنفیہ سمیت بعض فقہاء کے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وسلم، فيرى الحنفية أنه لا يلزمه الوفاء به، لأن من شروط النذر عندهم أن يكون قربة مقصودة وأن يكون من جنسه واجب أو فرض، والذهاب إلى المسجد النبوى غير واجب بخلاف ما لو نذر المشى إلى المسجد الحرام فإنه يلزمه الوفاء به .

وإلى ذلك ذهب الشافعية .

ويرى المالكية وجوب الوفاء بالنذر إن نوى صلاة أو صوما أو اعتكافا، لكن لا يلزمه المشى وله أن يذهب راكبا .

ويرى الحنابلة لزوم الوفاء بالنذر ماشيا، واستدلوا بقول النبى صلى الله عليه وسلم :لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد :المسجد الحرام، ومسجدى هذا، والمسجد الأقصى .

وقالوا إنه يلزمه -حينئذ -أن يصلى فى المسجد ركعتين لأن القصد بالنذر القربة والطاعة، وإنما يكون تحصيل ذلك بالصلاة فتضمن ذلك نذره كما يلزم ناذر المشى إلى بيت الله الحرام أحد النسكين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۷، ص۲۵۳، مادة "مسجد")

اختلف الفقهاء فيمن نذر المشى إلى المدينة المنورة وبيت المقدس أو المشى إلى مسجديهما على أقوال:

فذهب الحنفية والشافعية إلى أنه لا يلزمه شىء ، واستدل الحنفية بأن من نذر المشى إلى مسجد المدينة أو المسجد الأقصى فقد أوجب على نفسه التحول من مكان إلى مكان، وذلك ليس بقربة مقصودة لأنه لا قربة فى المشى، ولا يصح النذر بما ليس بقربة .

وقال المالكية :يلغو نذر مشى وذهاب ومسير للمدينة أو إيلياء فلا يلزم ذهابه لهما لا ماشيا ولا راكبا، ومحل عدم لزوم الإتيان لا ماشيا ولا راكبا للبلدين إن لم ينو أو ينذر صلاة بمسجديهما أو يسمهما -أى المسجدين لا البلدين -فإن نوى صلاة فيهما أو سماهما لزمه الإتيان فيركب ولا يلزمه المشى.

وقال الحنابلة :من نذر المشى إلى مسجد المدينة المنورة أو المسجد الأقصى لزمه ذلك، ويلزمه بهذا النذر أن يصلى فى الموضع الذى أتاه ركعتين؛ لأن القصد بالنذر القربة والطاعة،وتحصيل هذا إنما يكون بالصلاة؛ لأن المساجد غير المسجد الحرام إنما تقصد للصلاة، فتضمن ذلك نذره.

واستدلوا بأن مسجد النبى -صلى الله عليه وسلم -أو المسجد الأقصى من المساجد الثلاثة التى لا تشد الرحال إلا إليها؛ لاشتراكها فى عظم الفضيلة وزيادة ثواب الصلاة فيها عن غيرها من المساجد، فيلزم المشى إليهما بالنذر كالمسجد الحرام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص۲۰۱، مادة " نذر ")

نزدیک یہ نذر منعقد نہیں ہوگی، اور اگر مسجدِ قباء میں نماز پڑھنے کی نذر مانی، تو دوسری جگہ نماز پڑھنے سے یہ نذر پوری ہوجائے گی۔

البتہ بعض حضرات کے نزدیک یہ نذر منعقد ہوجائے گی، اور اس کو وہاں جا کر نماز پڑھنی ہوگی۔ [1]

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ .

---

[1] ولو عين مكانا فصلى فيما هو أشرف منه أو دونه جاز خلافا لزفر فى الثانى وذكر فى المصفى أن أقوى الأماكن المسجد الحرام ثم مسجد النبى -صلى الله عليه وسلم- ثم مسجد بيت المقدس ثم الجامع ثم مسجد الحى ثم البيت وذكر فى الغاية بعد مسجد بيت المقدس مسجد قباء ثم الأقدم فالأقدم(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج٢،ص٦٣، كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل)

وذهب بعض الناس إلى أن النذر إلى المساجد التى يرجى فيها فضل زائد واجب، واحتج فى ذلك بفتوى ابن عباس لولد المرأة التى نذرت أن تمشى إلى مسجد قباء فماتت :أن يمشى عنها(بداية المجتهد ونهاية المقتصد، ج٢،ص١٨٨، كتاب النذور)

لا خلاف فى كون المشى إلى مسجد قباء قربة لمن قرب منه .فمن كان بالمدينة ونذر مشيا إلى مسجد قباء فقد روى ابن وهب عن مالك :من نذر مشيا إلى مسجد هو معه بالبلد فإنه يمشى إليه ويصلى فيه .وقد أوجبه ابن عباس فى مسجد قباء من المدينة وهو على ثلاثة أميال من المدينة.

قال فى كتاب ابن المواز :وأما من نذر مشيا إلى مسجد قباء ، فمن كان على بعد مما يكون من جهة إعمال المطى أو غيره من المساجد هو منها على سفر لم ينعقد نذره لحديث :لا تعمل المطى إلا إلى ثلاثة مساجد والمشى إلى مسجد قباء لمن قرب ليس من إعمال المطى .عياض :قال بعضهم :وإنما يمنع إعمال المطى للناذر وأما لغير الناذر ممن يرغب فى فضل مشاهد الصالحين فلا (تحتملهما) من المدونة قال مالك: لو نذر الصلاة فى غير هذه الثلاثة لم يكن عليه أن يأتيه ويصلى فى موضعه .ابن حبيب: إن كان المسجد معه فى موضعه كمسجد جمعته فيلزمه المشى إليه قاله مالك .انتهى نقل ابن يونس(التاج والإكليل لمختصر خليل،لمحمد بن يوسف بن أبى القاسم المالكى، ج٤،ص٥٣١، كتاب الأيمان)

وألحق بعضهم بالثلاثة مسجد قباء لخبر صلاة فى مسجد قباء كعمرة رواه الترمذى وصححه ابن الصلاح والنووى وفى البخارى كان -صلى الله عليه وسلم- يأتى قباء راكبا وماشيا فيصلى فيه ركعتين(أسنى المطالب فى شرح روض الطالب، ج١،ص٤٣٨، كتاب الاعتكاف)

(الرسالةُ السابعة)

مساجدِ ثلاثہ اوران کے علاوہ کی طرف شدِّ رحال کی تحقیق

کئی احادیث میں مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ کے علاوہ کی طرف شدِّ رحال یعنی مستقل طور پر سفر نہ کرنے کا ذکر آیا ہے۔

جس کے پیشِ نظر بعض اہلِ علم حضرات، مثلاً علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ نے قبرِ نبوی، زیارتِ قبور اور مساجدِ ثلاثہ مذکورہ کے علاوہ، دیگر مساجد کی طرف مستقل سفر کرنے سے نہ صرف منع کیا ہے، بلکہ اس کو گناہ قرار دیا ہے، جبکہ اکثر علمائے امت نے علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کے اصل موقف سے اتفاق نہیں فرمایا، اور ایک عرصہ سے یہ مسئلہ علمی دنیا میں اور اس کے واسطہ سے بعض عوام میں ایک معرکۃ الآ راء مسئلہ شمار ہوتا رہا ہے۔

اس لیے اس مسئلہ پر کچھ تفصیل سے کلام کرنے کی ضرورت ہے۔

متعدد احادیث میں مساجدِ ثلاثہ یعنی مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ بیت المقدس کے علاوہ کی طرف شدِ رِحال یعنی مستقل سفر کرنے کی ممانعت آئی ہے، جس کے پیشِ نظر علامہ ابنِ تیمیہ اور دوسرے علمائے کرام کے درمیان یہ مسئلہ معرکۃ الآ راء مسئلہ شمار ہو گیا۔

اس سے متعلق چند احادیث ذیل میں ملاحظہ فرمائیں، جس کے بعد اس پر علماء کے اقوال ذکر کیے جائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلٰى ثَلَاثَةِ

مَسَاجِدَ: اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَسْجِدِ الْأَقْصٰى (صحيح البخارى) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین مسجدوں کے علاوہ کسی مسجد کی طرف سامانِ سفر نہ باندھا جائے، مسجد حرام اور مسجدِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی مسجدِ نبوی) اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ (بخاری)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّمَا يُسَافَرُ إِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الْكَعْبَةِ، وَمَسْجِدِيْ، وَمَسْجِدِ إِيلِيَاءَ (صحيح مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفر کیا جائے گا فقط تین مسجدوں کی طرف، ایک تو کعبہ کی مسجد کی طرف، دوسرے میری مسجد (یعنی مسجد نبوی) کی طرف، اور تیسرے مسجد ایلیا (یعنی مسجد اقصیٰ) کی طرف (مسلم)

حضرت ابوسعید خدری اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: إِلَى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَإِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى، وَإِلٰى مَسْجِدِيْ هٰذَا (سنن ابن ماجه) [3]

---

[1] رقم الحديث ١١٨٩، كتاب فضل الصلاة فى مسجد مكة والمدينة، باب فضل الصلاة فى مسجد مكة والمدينة.

[2] رقم الحديث ١٣٩٧ "٥١٣" كتاب الحج، باب لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد.

[3] رقم الحديث ١٤١٠، ابواب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فى الصلاة فى مسجد بيت المقدس.

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، هشام بن عمار متابع، وباقى رجاله ثقات .قزعة :هو ابن يحيى البصرى (حاشية سنن ابن ماجه)

ترجمہ: رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کجاوے نہ باندھے جائیں مگر تین مساجد کی طرف، ایک تو مسجد حرام کی طرف، دوسرے مسجد اقصیٰ کی طرف، اور تیسرے میری اس مسجد کی طرف (سنن ابن ماجہ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِیْ هٰذَا، وَمَسْجِدِ الْأَقْصٰى (سنن الترمذی، رقم الحديث ٣٢٦، ابواب الصلاة، باب ما جاء فی أی المساجد أفضل) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں سفر کیا جائے گا، مگر تین مسجدوں کی طرف ہی، ایک تو مسجدِ حرام کی طرف، دوسرے میری اس مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) کی طرف، اور تیسرے مسجدِ اقصیٰ کی طرف (ترمذی)

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

إِنَّمَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ إِبْرَاهِيمَ، وَمَسْجِدِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَبَيْتِ الْمَقْدِسِ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١١٤٠٩) [2]

ترجمہ: بس رختِ سفر تین مساجد کی طرف ہی باندھا جائے، ایک تو مسجدِ ابراہیم (یعنی مسجدِ حرام) کی طرف، دوسرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کی طرف، تیسرے مسجدِ بیت المقدس کی طرف (مسند احمد)

---

[1] قال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح.

[2] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، محمد بن جعفر -وإن سمع من سعيد -وهو ابن أبی عروبة -بعد الاختلاط -تابعه عبد الوهاب -وهو ابن عطاء الخفاف -وهو ممن سمع من سعيد قبل الاختلاط، وكان عالماً به .وباقی رجاله ثقات رجال الشيخين.

قتادة :هو ابن دعامة السدوسی، وقزعة :هو ابن يحيى البصری.

وأخرجه بتمامه البيهقی فی "السنن 2/452 "من طريق روح بن عبادة -وهو ممن سمع من سعيد قبل الاختلاط -عن سعيد، بهذا الإسناد (حاشية مسند احمد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَا تُشَدُّ الْمَطِيُّ إِلَّا إِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الْمَدِيْنَةِ، وَبَيْتِ الْمَقْدِسِ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١١٨٨٣) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نہیں تیار کی جائے گی سواری، مگر تین مساجد کی طرف ہی، ایک تو مسجد حرام کی طرف، دوسرے مسجد نبوی کی طرف، اور تیسرے مسجد اقصیٰ کی طرف (مسند احمد)

دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی احادیث

اس طرح کی احادیث اور بھی کئی سندوں سے مروی ہیں۔ [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد ضعيف لضعف ليث: وهو ابن أبي سليم(حاشية مسند احمد)

[2] عن سعيد المقبري، عن أبي هريرة، عن جميل الغفاري قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: " لا تضرب المطايا إلا إلى ثلاثة مساجد: مسجد الحرام، ومسجدي هذا، ومسجد بيت المقدس "(المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ٢١٥٨، ج٢ص٢٧٦)

عن عمر، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال " :لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد: مسجد الحرام ومسجدي هذا ومسجد الأقصى (مسند البزار، رقم الحديث ١٨٧)

قال البزار: وهذا الحديث لا نعلمه يروى عن عمر إلا من هذا الوجه، من هذا الإسناد وهو خطأ أتى خطؤه من حبان، لأن هذا الحديث إنما يرويه همام، وغيره عن قتادة عن قزعة عن أبي سعيد (مسند البزار)

عن أبي الجعد الضمري، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد :مسجد الحرام، ومسجدي، ومسجد الأقصى (كشف الأستار عن زوائد البزار، رقم الحديث ١٠٧٤)

قال البزار :لا نعلم روى أبو الجعد إلا هذا وآخر(كشف الأستار عن زوائد البزار)

عن سلمة بن كهيل، عن حجية بن عدي، عن علي، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد :مسجدي هذا، والمسجد الحرام، والمسجد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ احادیث میں استثناء کی بحث

احادیث اور روایات میں مساجدِ ثلاثہ کے علاوہ شدِ رحال سے منع کیا گیا ہے، اور اس میں تین مساجد کا استثناء کیا گیا ہے، اس کے مستثنیٰ منہ کے بارے میں اختلاف واقع ہوا ہے۔

بعض حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ مذکورہ احادیث میں مستثنیٰ منہ ''موضعِ عام'' ہے، جس میں تین مساجد کے علاوہ دیگر تمام مساجد اور اس کے علاوہ دیگر تمام مقامات داخل ہیں۔

اور بعض حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ مذکورہ احادیث میں مستثنیٰ منہ ''موضعِ خاص'' ہے، جو کہ مساجدِ ثلاثہ کے علاوہ دیگر مساجد ہیں۔ [1]

مستثنیٰ منہ کو عام قرار دینے والوں میں علامہ ابنِ تیمیہ اور دیگر چند اہلِ علم حضرات شامل ہیں۔

جبکہ مستثنیٰ منہ کو خاص قرار دینے والوں میں دیگر بہت سے حضرات، بلکہ جمہور علماء وفقہاء شامل ہیں۔

اور یہ مسئلہ اگرچہ مجتہد فیہ ہے، جس میں مجتہد کو اپنے اجتہاد کی بنیاد پر، اپنے نزدیک راجح قول کو اختیار کرنا، نہ صرف یہ کہ درست ہوتا ہے، بلکہ یہ اس پر دیانتاً واجب بھی ہوتا ہے، اور فی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأقصى(المعجم الأوسط للطبرانی، رقم الحديث ٣٦٣٨)

حدثنا سليمان، ثنا موسى، ثنا محمد بن المبارک، ثنا إسماعيل بن عياش، عن زيد بن زرعة، عن شريح بن عبيد، عن المقدام بن معدی كرب وأبی أمامة، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد إلى المسجد الحرام وإلى المسجد الأقصى وإلى مسجدی هذا، ولا تسافر امرأة مسيرة يومين إلا مع زوجها أو ذی محرم(حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ج ٩ ص ٣٠٨،تحت ترجمة محمد بن المبارک)

[1] قوله إلا الاستثناء مفرغ والتقدير لا تشد الرحال إلى موضع ولازمه منع السفر إلى كل موضع غيرها لأن المستثنى منه فی المفرغ مقدر بأعم العام لكن يمكن أن يكون المراد بالعموم هنا الموضع المخصوص وهو المسجد (فتح الباری شرح صحيح البخاری، ج٣،ص ٦٤،قوله باب فضل الصلاة فی مسجد مكة والمدينة)

نفسہٖ اس مسئلہ کی کوئی جانب شرعی وفقہی اعتبار سے منکر نہیں ہوتی۔

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ نے اپنے اجتہاد میں جس رائے کو راجح وصواب سمجھا، انہوں نے اس کو اختیار فرمایا، اور دیگر حضرات نے اپنے اجتہاد میں جس رائے کو راجح وصواب سمجھا، انہوں نے اس کو اختیار فرمایا، اور دونوں حضرات نے اس سلسلہ میں اپنے اپنے دلائل پیش فرمائے۔

ہمارے نزدیک مذکورہ احادیث میں مستثنیٰ منہ کا خاص ہونا راجح ہے، اور مطلب یہ ہے کہ کسی مسجد میں نماز پڑھنے کی زیادہ فضیلت کو پانے کے لیے رختِ سفر نہ باندھا جائے، سوائے مذکورہ تین مساجد کے۔

جس کی تائید بعض احادیث وروایات سے بھی ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَنْبَغِيْ لِلْمَطِيِّ أَنْ تُشَدَّ رِحَالُهٗ إِلٰى مَسْجِدٍ يُبْتَغٰى فِيْهِ الصَّلَاةُ، غَيْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى، وَمَسْجِدِيْ هٰذَا (مسند أحمد، رقم الحديث ۱۱۶۰۹) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفر (وکوچ) کرنے والے کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے سفر کا سامان کسی مسجد کی طرف باندھ کر (یعنی مستقل سفر کو مقصود بنا کر) جائے، تاکہ اس میں نماز پڑھی جاسکے، سوائے مسجدِ حرام اور مسجد

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد ضعيف لضعف شهر وهو ابن حوشب، وبقية رجاله ثقات رجال الشيخين غير عبد الحميد -وهو ابن بهرام -فمن رجال الترمذي وابن ماجه، وروى له البخاري في "الأدب المفرد"، وثقه أحمد وابن معين وأبو داود، وقال النسائي: ليس به بأس، وقال علي ابن المديني :ثقة عندنا، وإنما كان يروي عن شهر بن حوشب من كتاب كان عنده، وقال ابن عدي :هو في نفسه لا بأس به، وإنما عابوا عليه كثرة روايته عن شهر، وشهر ضعيف .قلنا :قد وقع في "أطراف المسند :6/257 "عبد الحميد بن جعفر، وهو سهو .هاشم :هو ابن القاسم أبو النضر (حاشية مسند احمد)

اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) اور میری اس مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) کے (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی مسجد میں نماز کی فضیلت اور ثواب حاصل کرنے کے لئے باقاعدہ سفر کرکے تکلف میں پڑنے کی انسان کو ضرورت نہیں۔

البتہ مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ ایسی مساجد ہیں کہ ان میں نماز کا ثواب خصوصی فضیلت کا باعث ہے، اس لئے ان مساجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے باقاعدہ سفر کرنا بھی باعثِ فضیلت ہے، بشرطیکہ اس میں غلو سے کام نہ لیا جائے، اور اعتدال کو اختیار کیا جائے۔

اس اعتبار سے اگر کوئی ان تین مساجد کے علاوہ کسی غیر مسجد، مثلاً رشتہ دار یا بزرگ کی زیارت یا کسی کی قبر کی زیارت کرنے کے لیے جائے، تو اس کا مذکورہ احادیث سے مخالفت کا تعلق نہیں۔

حضرت مقبری سے روایت ہے کہ:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ خَرَجَ إِلَى الطُّوْرِ فَصَلّٰى فِيْهِ،ثُمَّ أَقْبَلَ، فَلَقِيَ حُمَيْلَ بْنَ بَصْرَةَ الْغِفَارِيَّ ،فَقَالَ لَهُ حَمِيْلٌ:مِنْ أَيْنَ جِئْتَ؟ قَالَ مِنَ الطُّوْرِ ،قَالَ:أَمَا إِنِّيْ لَوْ لَقِيْتُكَ قَبْلَ أَنْ تَأْتِيَهُ لَمْ تَأْتِهِ ،قَالَ:إِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ:لَا تُضْرَبُ أَكْبَادُ الْمَطِيِّ إِلَّا إِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ:اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِيْ هٰذَا، وَمَسْجِدِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ (شرح مشکل الآثار للطحاوی) [1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کوہِ طور کی طرف نکلے، پھر اس پر نماز پڑھی، پھر واپس تشریف لائے، تو ان سے حمیل بن بصرہ غفاری کی ملاقات ہوئی، انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے کہا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں؟ حضرت ابوہریرہ رضی

---

[1] رقم الحدیث ۵۸۲، باب بیان مشکل ما روی عنه علیه السلام فی المساجد التی لا تشد الرحال إلا إلیها، ومن فضل الصلاة فیها علی غیرها من المساجد، وفی تساویها فی ذلک، أو فی فضل بعضها بعضا فیه.

اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ کوہِ طور سے آیا ہوں، تو حضرت جمیل نے کہا کہ اگر میری آپ سے کوہِ طور پر جانے سے قبل ملاقات ہوجاتی، تو آپ وہاں نہ جاتے، بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نہ باندھے جائیں سواریوں کے کجاوے مگر تین مساجد کی طرف، ایک مسجدِ حرام کی طرف، دوسرے میری اس مسجد کی طرف، اور تیسرے بیت المقدس کی طرف (مشکل الآثار)

اور حضرت مرثد بن عبداللہ یزنی سے روایت ہے کہ:

عَنْ أَبِیْ بَصْرَةَ الْغِفَارِیِّ قَالَ: لَقِیْتُ أَبَا هُرَیْرَةَ وَهُوَ یَسِیْرُ إِلٰی مَسْجِدِ الطُّوْرِ لِیُصَلِّیَ فِیْهِ، قَالَ: فَقُلْتُ لَهٗ: لَوْ أَدْرَكْتُكَ قَبْلَ أَنْ تَرْتَحِلَ مَا ارْتَحَلْتَ، قَالَ: فَقَالَ: وَلِمَ؟ قَالَ: قَالَ: فَقُلْتُ: إِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ، اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصٰی، وَمَسْجِدِیْ (مسند الإمام أحمد، رقم الحدیث ٢٧٢٣٠) [1]

ترجمہ: حضرت ابوبصرہ غفاری کہتے ہیں کہ میری ملاقات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی، اور وہ اس وقت مسجدِ طور کی طرف نماز پڑھنے کے لئے جا رہے تھے، میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ کی روانگی سے پہلے میری آپ سے ملاقات ہوجاتی تو آپ کبھی وہاں کا سفر نہ کرتے، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کس وجہ سے فرمایا؟ کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سواریوں کو تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کی زیارت کے لئے تیار نہیں کرنا چاہیے، مسجد حرام، مسجد بیت المقدس، میری مسجد (مسند احمد)

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: حدیث صحیح، وهذا إسناد حسن من أجل ابن إسحاق -وهو محمد- وقد صرح بالتحدیث، فانتفت شبهة تدلیسه. وبقیة رجاله ثقات رجال الصحیح (حاشیة مسند احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، مدینہ منورہ میں رہائش پذیر تھے، اور وہ وہیں سے کوہِ طور پر نماز پڑھنے کے لیے گئے تھے، جبکہ مدینہ منورہ میں مسجدِ نبوی کے اندر نماز پڑھنے کی فضیلت کوہِ طور سے زیادہ تھی، اس لیے انہیں نماز کی فضیلت کو پانے کے لیے مدینہ منورہ سے مسجدِ نبوی کو ترک کر کے، کوہِ طور پر جانے کی ضرورت نہیں تھی، اس لیے ان کو ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ نے متنبہ کیا۔ [1]

یہ بھی ملحوظ رہے کہ بعض روایات میں یہ تصریح ہے کہ کوہِ طور پر جانے سے پہلے انہیں حضرت ابو بصرہ غفاری نے "لا تشد الرحال" والی حدیث سنائی، لیکن انہوں نے سفر شروع

---

[1] هذا الحديث فى النهى عن إعمال المطى، إنما هو عند العلماء فيمن نذر على نفسه الصلاة فى مسجد من سائر المساجد غير الثلاثة المذكورة، قال مالك :من نذر صلاة فى مسجد لا يصل إليه إلا براحلة، فإنه يصلى فى بلده، إلا أن ينذر ذلک فى مسجد مكة أو المدينة أو بيت المقدس، فعليه السير إليها .وقال المؤلف :وأما من أراد الصلاة فى مساجد الصالحين والتبرک بها متطوعا بذلک، فمباح له قصدها بإعمال المطى وغيره، ولا يتوجه إليه النهى فى هذا الحديث.

فإن قيل :فإن أبا هريرة أعمل المطى إلى الطور، فلما انصرف لقيه بصرة بن أبى بصرة، فأنكر عليه خروجه، وقال له :لو أدرکتک قبل أن تخرج ما خرجت، سمعت الرسول يقول :(لا تعمل المطى إلا إلى ثلاثة مساجد) . فدل أن مذهب بصرة حمل الحديث على العموم فى النهى عن إعمال المطى إلى غير الثلاثة المساجد على كل حال، فدخل فيه الناذر والمتطوع .قيل له :ليس كما ظننت، وإنما أنكر بصرة على أبى هريرة خروجه إلى الطور، لأن أبا هريرة كان من أهل المدينة التى فيها أحد المساجد الثلاثة التى أمر بإعمال المطى إليها، ومن كان كذلک فمسجده أولى بالإتيان، وليس فى الحديث أن أبا هريرة نذر السير إلى الطور، وإنما ظاهره أنه خرج متطوعا إليه، وكان مسجده بالمدينة أولى بالفضل من الطور، لأن مسجد المدينة، ومسجد بيت المقدس أفضل من الطور (شرح صحيح البخارى لابن بطال، ج٣،ص ١٧٨ ، كتاب فضل الصلاة فى مسجد مكة والمدينة ،باب فضل الصلاة فى مسجد مكة والمدينة)

وفيه من الفقه والعلم ضروب فأما قوله خرجت إلى الطور فقد بان فى الحديث أنه لم يخرج ألبتة إلا تبركا به ليصلى فيه ولهذا المعنى لا يجب الخروج إلا إلى الثلاثة المساجد المذكورة فى هذا الحديث وعلى هذا جماعة العلماء فيمن نذر الصلاة فى هذه الثلاثة المساجد أو فى أحدها أنه يلزمه قصدها لذلک ومن نذر صلاة فى مسجد سواها صلى فى موضعه ومسجده ولا شىء عليه ولا يعرف العلماء غير الثلاثة المساجد المذكورة فى هذا الحديث المسجد الحرام ومسجد الرسول ومسجد بيت المقدس لا يجرى عندهم مجراها شىء من المساجد سواها (التمهيد لما فى الموطأ من المعانى والأسانيد، ليوسف بن عبد الله القرطبى، ج٢٣، ص ٣٨، باب الياء)

کرنے کے بعد ان کو کوہِ طور پر جانے سے منع نہیں کیا، اور نہ ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر واپس ہوئے، جو تین مساجد کے علاوہ کسی اور بابرکت مقام کی طرف نماز پڑھنے کے لیے سفر کرنے کے جواز کی دلیل ہے، اگر چہ ایسا کرنا سنت نہ ہو۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اپنی سند سے بھی تین مساجد کے علاوہ کی طرف شدِّ رحال کی ممانعت کی حدیث مروی ہے، جس سے بظاہر یہی سمجھا جاتا ہے کہ انہوں نے طور کی طرف جو شدِّ رحال کیا تھا، وہ ان کے نزدیک حرام نہیں تھا، یا ان کی غرض اس شدِّ رحال سے کوئی اور تھی۔ [1]

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح کی روایت مروی ہے۔ [2]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ خَيْرَ مَا رُكِبَتْ

---

[1] لا تشد الرحال (إلا إلى ثلاثة مساجد) استثناء مفرغ أى إلى موضع للصلاة فيه إلا لهذه الثلاثة وليس المراد أنه لا يسافر أصلا إلا لها.
قال ابن عبد البر :وإن كان أبو بصرة رآه عاما فلم يره أبو هريرة إلا فى الواجب من النذر، وأما فى التبرك كالمواضع التى يتبرك بشهودها والمباح فكزيارة الأخ فى الله وليس بداخل فى النهى، ويجوز أن خروج أبى هريرة إلى الطور لحاجة عنت له.
وقال السبكى :ليس فى الأرض بقعة لها فضل لذاتها حتى يسافر إليها لذلك الفضل غير هذه الثلاثة، وأما غيرها فلا يسافر إليها لذاتها بل لمعنى فيها من علم أو جهاد أو نحو ذلك، فلم تقع المسافرة إلى المكان بل إلى من فى ذلك المكان.........قال البيضاوى :لما كان ما عدا الثلاثة من المساجد متساوية الأقدار فى الشرف والفضل وكان التنقل والارتحال لأجلها عبثا ضائعا نهى عنه لأنه ينبغى للإنسان أن لا يشتغل إلا بما فيه صلاح دنيوى أو فلاح أخروى، قال :والمقتضى لشرف الثلاثة أنها أبنية الأنبياء ومتعبداتهم (شرح الزرقانى على موطأ الإمام مالك،لمحمد بن عبد الباقى بن يوسف الزرقانى، ج ١،ص ٣٩٦ ، ٣٩٧، كتاب الجمعة،باب ما جاء فى الساعة التى فى يوم الجمعة)

[2] عن عرفجة قال :قلت لابن عمر إنى أريد أن آتى الطور قال :إنما تشد الرحال إلى ثلاثة مساجد مسجد الحرام، ومسجد النبى صلى الله عليه وسلم والمسجد الأقصى، ودع عنك الطور فلا تأته(المصنف،لعبد الرزاق، رقم الحديث ٩١٧١)
عن قزعة ، قال :سألت ابن عمر آتى الطور ، قال :دع الطور ولا تأتها ، وقال :لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد(مُصنف ابن أبى شيبة، رقم الحديث ٧٦٢١)

إِلَيْـهِ الـرَّوَاحِلُ مَسْجِدِیْ هٰذَا، وَالْبَيْتُ الْعَتِيْقُ (مسند أحمد، رقم الحديث ۱۴۷۸۲) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن مقامات کی طرف سواریوں پر سفر کر کے جایا جائے گا، ان میں بہترین مقام میری یہ مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) اور بیتِ عتیق (یعنی بیتُ اللہ شریف) ہے (مسند احمد)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: خَيْرُ مَا رُكِبَتْ إِلَيْهِ الـرَّوَاحِلُ مَسْجِدُ إِبْرَاهِيْمَ، وَمَسْجِدِیْ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ۱۴۶۱۲) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جن مقامات کی طرف سواریوں پر سفر کر کے جایا جائے، ان میں بہترین مقام، مسجدِ ابراہیم (یعنی مسجدِ حرام) اور میری مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) ہے (مسند احمد)

مطلب یہ ہے کہ مساجد کے لیے سفر کیے جانے والے بہترین مقامات مخصوص مساجد ہیں،

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم.
وأخرجه عبد بن حميد (1049) ، والنسائی فی "الكبرى "(11347) ، وأبو يعلى (2266) ، وابن خزيمة فی الحج كما فی "إتحاف المهرة 3/501 "، وابن حبان (1616) ، والطبرانی فی "الأوسط "(744) و (4427) من طرق عن الليث ابن سعد، بهذا الإسناد .وانظر (14612)(حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد ضعيف من أجل ابن لهيعة.
وأخرجه البزار (-1075كشف الأستار) من طريق إسماعيل ابن أبی أويس، والطحاوی فی "شرح مشكل الآثار "(576) من طريق عبد العزيز الأوسی، كلاهما عن عبد الرحمن بن أبی الزناد، عن موسى بن عقبة، عن أبی الزبير، عن جابر .وعبد الرحمن بن أبی الزناد حسن الحديث.
وسيأتی برقم (14782) من طريق الليث بن سعد، عن أبی الزبير، وإسناده صحيح، ورواية أبی الزبير عن جابر فی حديث الليث بن سعد محمولة على السماع.
قوله" :مسجد إبراهيم"، أی :المسجد الحرام أو البيت العتيق كما فی رواية الليث (حاشية مسند احمد)

ان روایات میں اگرچہ مسجدِ اقصیٰ کا ذکر نہیں، مگر دوسری روایات کے تحت وہ بھی اس میں داخل ہے۔

جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مساجد کے علاوہ دوسرے مقامات اس سے خارج ہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسری مساجد کی طرف سفر کرنا گناہ میں داخل نہیں، اگرچہ مذکورہ مساجد والی فضیلت بھی حاصل نہیں، اس لیے دوسری مساجد کی طرف عبادت کرنے کے لیے، باقاعدہ سفر کرنے کی جدوجہد کرنے کی ضرورت تو نہیں، لیکن اگر کوئی ایسا کرے، اور کسی دوسری خرابی میں بھی مبتلا نہ ہو، تو گناہ بھی نہیں۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَا خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ وَمَسْجِدِیُ خَاتَمُ مَسَاجِدِ الْأَنْبِيَاءِ، أَحَقُّ الْمَسَاجِدِ أَنْ يُزَارَ، وَيُشَدُّ إِلَيْهِ الرَّوَاحِلُ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ، وَمَسْجِدِیُ، صَلَاةٌ فِیْ مَسْجِدِیُ أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَسَاجِدِ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامِ (كشف الأستار عن زوائد البزار) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خاتم الانبیاء ہوں، اور میری مسجد، خاتمِ مساجدِ انبیاء ہے، تمام مساجد میں اس بات کی سب سے زیادہ مستحق کہ اس کی زیارت کی جائے، اور اس کی طرف رختِ سفر باندھا جائے، وہ ایک تو

---

[1] خير ما ركبت إليه الرواحل مسجدى هذا والبيت العتيق ."(حم ع حب) عن جابر.
(خير ما ركبت إليه الرواحل) أى من المساجد أو من كل مرتحل إليه والأول المراد .(مسجدى هذا) أى مسجد المدينة النبوية .(والبيت العتيق) أى الكعبة فإنها البيت العتيق كما قال تعالى: (وليطوفوا بالبيت العتيق)والواو لا تقتضى الترتيب فلا تقتضى أفضلية مسجده على البيت فإنه خلاف ما اتفقت عليه الروايات ولا تقديمه يقتضى ذلک فإنه إنما قدمه؛ لأنه المشاهد الحاضر للمخاطبين (التنوير شرح الجامع الصغير للصنعانى، تحت رقم الحديث ۴۰۶۷، ج۶، ص ۲۲، حرف الخاء المعجمة)

[2] رقم الحديث ۱۱۹۳، كتاب الحج،باب فى مسجد النبى صلى الله عليه وسلم.

مسجد حرام ہے، اور دوسرے میری مسجد ہے، میری مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری مساجد میں ہزار نماز پڑھنے سے افضل ہے، سوائے مسجدِ حرام کے (مسند البزار)

اس حدیث کی سند میں کچھ ضعف پایا جاتا ہے، لیکن اس کی تائید گزشتہ احادیث وروایات سے ہوتی ہے۔ [1]

اس سے بھی معلوم ہوا کہ تمام مساجد میں زیارت کی زیادہ مستحق مذکورہ مساجدِ ثلاثہ ہیں، اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ مذکورہ مساجد کے علاوہ دوسری مساجد، اس درجہ زیارت کی مستحق نہیں، اگرچہ ان کی زیارت کرنا بھی فی نفسہٖ گناہ نہیں۔

البتہ علامہ ابنِ تیمیہ وغیرہ کا اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ وہ مذکورہ تین مساجد کے علاوہ کسی بھی مسجد یا مقام اور قبر وغیرہ کی طرف مستقل رختِ سفر باندھنے سے منع کرتے ہیں، جبکہ دیگر اکثر حضرات اس کے جواز کے قائل ہیں۔

---

[1] قال الهيثمي: رواه البزار، وفيه موسى بن عبيدة، وهو ضعيف(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، تحت رقم الحديث ۵۸۵۵،باب قوله لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد)

و قال الالبانی:

وقوله :(خير ما ركبت إليه الرواحل مسجد إبراهيم عليه السلام ومسجدي)

أخرجه الإمام أحمد من طريق ابن لهيعة :ثنا أبو الزبير عن جابر مرفوعا، وابن لهيعة سيء الحفظ ، وأبو الزبير مدلس وقد عنعنه .

ومع ذلك قال الهيثمي:(رواه أحمد والطبراني في الأوسط وإسناده حسن) ولعل ذلك لمجيئه من طريق أخرى فقد أعاده هو نفسه بعد صفحة بلفظ :(ومسجد محمد صلى الله عليه وسلم) والباقي مثله .ثم قال:(رواه البزار وفيه عبد الرحمن بن أبي الزناد وقد وثقه غير واحد وضعفه جماعة وبقية رجاله رجال الصحيح)وأورده السيوطي في الجامع بلفظ (مسجدي هذا والبيت العتيق) وقال: (رواه أحمد وأبو يعلى وابن حبان في صحيحه ورمز له بالصحة)

وله شاهد من حديث عائشة بلفظ :(أنا خاتم الأنبياء ومسجدي خاتم مساجد الأنبياء أحق المساجد أن يزار وتشد إليه الرواحل :المسجد الحرام ومسجدي صلاة في مسجدي أفضل من الف صلاة فيما سواه من المساجد إلا المسجد الحرام)قال في المجمع (رواه البزار وفيه موسى بن عبيدة وهو ضعيف)(الثمر المستطاب في فقه السنة والكتاب، للألباني، ج ۱،ص ۵۰۹،۵۱۰، كتاب الصلاة، أفضل المساجد وأعظمها حرمة أربعة، المسجد الحرام)

شدِ رحال کے مسئلہ سے متعلق چند اہلِ علم حضرات کی تصریحات ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

ابوالبرکات خیرالدین نعمان بن محمود آلوسی کا حوالہ

بغداد کے مشہور علمی خاندان کے رکن فخرِ عراق مشہور مفسر علامہ محمود آلوسی، صاحبِ ''روح المعانی'' کے نامور فرزند ابوالبرکات خیرالدین نعمان بن محمود بن عبداللہ آلوسی (المتوفی: 1317ھ) اپنی تالیف ''جلاء العینین فی محاکمۃ الأحمدین'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

الشیخ ابن تیمیة وغیر واحد من العلماء ذھبوا إلی أن شد الرحل إلی المسجد النبوی مشروع مسنون، فإذا وصل قاصد المسجد صلی فیہ، ثم توجه إلی القبر الشریف، وزار الزیارة المسنونة؛ مستدلین بحدیث :(لا تشدوا الرحال إلا إلی ثلاث) کما سیأتی. وذھب کثیر من العلماء إلی جواز شد الرحال لقصد الزیارة، مستدلین ببعض الآثار (جلاء العینین فی محاکمة الأحمدین) [1]

ترجمہ: شیخ ابنِ تیمیہ اور دیگر کئی علماء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ مسجدِ نبوی کی طرف شدِّ رحال مشروع اور مسنون ہے، پھر جب مسجدِ نبوی کا قصد کرنے والا وہاں پہنچ جائے، تو مسجد میں نماز پڑھے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف متوجہ ہو، اور مسنون طریقہ پر زیارت کرے، انہوں نے ''**لا تشدوا الرحال إلا إلی ثلاث**'' اس سے استدلال کیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے، اور بہت سے علماء زیارتِ قبرِ نبوی کے قصد سے شدِّ رحال کے جائز ہونے کی طرف گئے ہیں، اور انہوں نے بھی بعض آثار وروایات سے استدلال کیا ہے (جلاء العینین)

---

[1] ج ا، ص۵۷۷، فصل:فی تبرئة الشیخ مما نسب إلیه وثناء المحققین المتأخرین علیه،ھل یشد الرحال لزیارة قبر النبی -صلی الله علیه وسلم.

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابنِ تیمیہ شدِّ رحال والی احادیث کی بنیاد پر قبرِ نبوی کی زیارت کے لیے سفر کرنے کو ممنوع و ناجائز قرار دیتے ہیں، لیکن دیگر بہت سے علماء اس کو جائز قرار دیتے ہیں، اور یہ اختلاف قبرِ نبوی کے علاوہ دیگر قبور کے بارے میں بھی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

امام طحاوی کا حوالہ

امام طحاوی رحمہ اللہ (المتوفیٰ: 321 ہجری) فرماتے ہیں:

فعقلنا بذلک أن الرحال لا تشد الا الی هذه الثلاثة المساجد دون ما سواها من المساجد (شرح مشكل الآثار) [1]

ترجمہ: پس ان احادیث سے ہمیں یہ بات سمجھ آ گئی کہ شدِّ رحال ان ہی تین مساجد کی طرف کیا جائے گا، دیگر مساجد کی طرف نہیں کیا جائے گا (مشکل الآثار)

مطلب یہ ہے کہ کسی مسجد میں ثواب کی زیادتی کو پانے کے لیے باقاعدہ رختِ سفر باندھنے کا عمل مساجد میں صرف تین مساجد کے لیے موزوں ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔
اور غیر مساجد مثلاً قبرِ نبوی اور قبرستان وغیرہ اس سے خارج ہیں۔

امام نووی کا حوالہ

محیی الدین یحییٰ بن شرف نووی (المتوفیٰ: 676 ہجری) صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں:

واختلف العلماء فی شد الرحال وإعمال المطی إلی غیر المساجد الثلاثة کالذهاب إلی قبور الصالحين وإلى المواضع

---

[1] ج۲، ص ۵۸، باب بیان مشکل ما روی عنه علیه السلام فی المساجد التی لا تشد الرحال إلا إلیها، ومن فضل الصلاة فیها علی غیرها من المساجد، وفی تساویها فی ذلک، أو فی فضل بعضها بعضا فیه.

الفاضلة ونحو ذلک فقال الشيخ أبو محمد الجوينى من أصحابنا هو حرام وهو الذى أشار القاضى عياض إلى اختياره والصحيح عند أصحابنا وهو الذى اختاره إمام الحرمين والمحققون أنه لا يحرم ولا يكره قالوا والمراد أن الفضيلة التامة إنما هى فى شد الرحال إلى هذه الثلاثة خاصة (شرح النووى على مسلم) [1]

ترجمہ: اور علماء کا مذکورہ تین مساجد کے علاوہ، مثلاً نیک لوگوں کی قبروں اور فضیلت والے مقامات وغیرہ کی طرف شدِّ رحال کرنے اور رختِ سفر باندھنے میں اختلاف ہوا ہے، پس ہمارے اصحاب میں سے شیخ ابو محمد جوینی نے فرمایا کہ یہ حرام ہے، اور اسی کے مختار ہونے کی طرف قاضی عیاض نے اشارہ کیا، اور ہمارے اصحاب کے نزدیک صحیح یہ ہے، جس کو امام الحرمین اور محققین نے اختیار کیا ہے کہ یہ نہ تو حرام ہے، اور نہ مکروہ ہے (بلکہ جائز ہے) اور ان حضرات نے فرمایا کہ شدِّ رحال والی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ فضیلتِ تامّہ خاص کر ان تین مساجد کی طرف ہی شدِّ رحال کرنے سے حاصل ہوتی ہے (نووی شرح مسلم)

نیز امام نووی رحمہ اللہ ہی فرماتے ہیں:

وفى هذا الحديث فضيلة هذه المساجد الثلاثة وفضيلة شد الرحال اليها لأن معناه عند جمهور العلماء لا فضيلة فى شد الرحال إلى مسجد غيرها وقال الشيخ أبو محمد الجوينى من أصحابنا يحرم شد الرحال إلى غيرها وهو غلط (شرح النووى على مسلم، ج۹، ص ۱۶۸، كتاب الحج، باب فضل المساجد الثلاثة)

ترجمہ: اور اس حدیث میں مساجدِ ثلاثہ کی فضیلت اور ان کی طرف شدِّ رحال کی

---

[1] ج۹، ص ۱۰۶، كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره.

فضیلت ثابت ہے، کیونکہ اس حدیث کے جمہور کے نزدیک معنیٰ یہ ہیں کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف شدِّ رحال کی یہ فضیلت نہیں، اور ہمارے اصحاب میں سے شیخ ابومحمد جوینی نے فرمایا کہ ان تین مساجد کے علاوہ کی طرف شدِّ رحال حرام ہے، مگر یہ قول غلط ہے (نووی شرح مسلم)

صحیح مسلم کے عظیم شارح امام نووی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ مذکورہ تین مساجد کے علاوہ فضیلت والے مقامات اور نیک لوگوں کی قبروں کی زیارت کے لیے شدِّ رحال کرنا جمہور کے نزدیک جائز ہے، حرام نہیں، اور اس کو حرام قرار دینے کا قول اجتہادی خطاء پر مبنی ہے۔

علامہ ابنِ حجر عسقلانی کا حوالہ

علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قال بعض المحققين قوله إلا إلى ثلاثة مساجد المستثنى منه محذوف فإما أن يقدر عاما فيصير لا تشد الرحال إلى مكان في أي أمر كان إلا إلى الثلاثة أو أخص من ذلك لا سبيل إلى الأول لإفضائه إلى سد باب السفر للتجارة وصلة الرحم وطلب العلم وغيرها فتعين الثاني.

والأولى أن يقدر ما هو أكثر مناسبة وهو لا تشد الرحال إلى مسجد للصلاة فيه إلا إلى الثلاثة فيبطل بذلك قول من منع شد الرحال إلى زيارة القبر الشريف وغيره من قبور الصالحين (فتح الباري شرح صحيح البخاري) [1]

---

[1] ج۳، ص۶۶، کتاب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، قوله باب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة.

ترجمہ: بعض محققین نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول "إلا إلــى ثــلاثة مساجد" اس کا مستثنیٰ منہ محذوف ہے، پس یا تو اس کو عام مقدر مانا جائے، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی بھی مقام وموضع کی طرف شدِّ رحال نہ کیا جائے، سوائے مذکورہ تین مقامات کے، یا اس کو اس سے خاص مقدر مانا جائے۔

پہلے یعنی مستثنیٰ منہ کو عام مقدر ماننے کا کوئی راستہ نہیں، کیونکہ اس صورت میں تجارت اور صلہ رحمی اور طلبِ علم وغیرہ کے سفر کا سد باب ہونا لازم آتا ہے، اس لیے دوسرا یعنی مستثنیٰ منہ کا خاص مقدر ماننا متعین ہوگیا۔

اور اولیٰ یہ ہے کہ مناسبت کے اعتبار سے ایسا مستثنیٰ منہ مقدر مانا جائے، جو اکثر ہو، اور وہ یہ ہے کہ کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے شدِّ رحال نہ کیا جائے، سوائے تین مساجد کے، پس اس تفصیل کے ذریعہ اس قول کا بطلان ہوجاتا ہے، جس کی رُو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور دوسری قبروں یعنی نیک لوگوں کی قبروں کی زیارت کے لیے شدِّ رحال کا ممنوع ہونا لازم آتا ہے (فتح الباری)

علامہ ابنِ حجر کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ مستثنیٰ منہ کو عام مقدر ماننا درست نہیں، اور خاص مقدر ماننا ضروری ہے، اور اس کی رُو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور نیک لوگوں کی قبروں کی زیارت کے لیے شدِّ رحال کا حرام وناجائز ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بخاری کی شرح میں دوسرے مقام پر اس مسئلہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

مساجدِ ثلاثہ کے علاوہ دوسرے مقامات کی طرف، جن حضرات کے نزدیک سفر کرنا حرام نہیں، بلکہ جائز ہے، جن میں جمہور کے ساتھ ساتھ امام الحرمین وغیرہ بھی داخل ہیں، ان مجوزین نے شدِّ رحال والی مذکورہ احادیث کا ایک جواب تو یہ دیا ہے کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ شدِّ رحال کی فضیلتِ تامّہ، ان مساجد کی طرف شدِّ

رحال کرنے سے ہی حاصل ہوتی ہے، دوسری مساجد کی طرف شدِّ رحال کرنے سے فضیلتِ تامّہ حاصل نہیں ہوتی، جس کی تائید بعض احادیث کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے (جن کو پہلے ذکر کیا گیا)

اور مجوزین نے شدِّ رحال والی احادیث کا دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ یہ ممانعت تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر سے متعلق ہے کہ جس کو پورا کرنا واجب نہیں، ابنِ بطال وغیرہ کا یہی قول ہے۔

اور مجوزین نے شدِّ رحال والی احادیث کا تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ مراد صرف مساجد کے حکم کو بیان فرمانا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ مساجد میں نماز پڑھنے کے لیے، ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف شدِّ رحال نہیں کیا جائے گا، اور جہاں تک کہ مساجد کے علاوہ، نیک صالح یا قریبی عزیز یا دوست کی زیارت یا طلبِ علم یا تجارت یا سیر وتفریح وہوا خوری وغیرہ کے لیے سفر کرنے کا تعلق ہے، تو یہ سفر کرنا ممانعت میں داخل نہیں (بلکہ جائز یا ثواب ہے) جس کی تائید حضرت شہر بن حوشب کی سند سے مروی حضرت ابو سعید خدری کی حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں ''**لا ینبغی للمصلی ان یشد رحاله الی مسجد تبتغیٰ فیه الصلاة......الخ**'' کے الفاظ ہیں (اور یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے) اور اس حدیث کے راوی شہر بن حوشب، حسن الحدیث ہیں، اگرچہ ان میں کچھ ضعف بھی ہے۔

اور مجوزین نے شدِّ رحال والی احادیث کا چوتھا جواب یہ دیا ہے کہ مراد اعتکاف کی غرض سے سفر کرنے کی ممانعت ہے کہ کسی مسجد میں اعتکاف کی زیادہ فضیلت کو پانے کے لیے باقاعدہ سفر، صرف مساجدِ ثلاثہ کے لیے ہی کرنا چاہئے، اس جواب کو خطابی نے بعض سلف سے نقل کیا ہے، اور یہ جواب پہلے جوابوں کے مقابلہ میں

خاص ہے، لیکن میں نے اس کی دلیل نہیں دیکھی (فتح الباری) [1]

علامہ قسطلانی کا حوالہ

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ صحیح بخاری کی شرح ''ارشاد الساری'' میں فرماتے ہیں کہ:

وقد التبس ذلک علی بعضهم، کما قاله المحقق التقی السبکی،

---

[1] واختلف فی شد الرحال إلی غیرها کالذهاب إلی زیارة الصالحین أحیاء وأمواتا وإلی المواضع الفاضلة لقصد التبرک بها والصلاة فیها .
فقال الشیخ أبو محمد الجوینی یحرم شد الرحال إلی غیرها عملا بظاهر هذا الحدیث وأشار القاضی حسین إلی اختیاره وبه قال عیاض وطائفة ویدل علیه ما رواه أصحاب السنن من إنکار بصرة الغفاری علی أبی هریرة خروجه إلی الطور وقال له لو أدرکتک قبل أن تخرج ما خرجت واستدل بهذا الحدیث فدل علی أنه یری حمل الحدیث علی عمومه ووافقه أبو هریرة.
والصحیح عند إمام الحرمین وغیره من الشافعیة أنه لا یحرم وأجابوا عن الحدیث بأجوبة .
منها أن المراد أن الفضیلة التامة إنما هی فی شد الرحال إلی هذه المساجد بخلاف غیرها فإنه جائز وقد وقع فی روایة لأحمد سیأتی ذکرها بلفظ لا ینبغی للمطی أن تعمل وهو لفظ ظاهر فی غیر التحریم .
ومنها أن النهی مخصوص بمن نذر علی نفسه الصلاة فی مسجد من سائر المساجد غیر الثلاثة فإنه لا یجب الوفاء به قاله بن بطال وقال الخطابی اللفظ لفظ الخبر ومعناه الإیجاب فیما ینذره الإنسان من الصلاة فی البقاع التی یتبرک بها أی لا یلزم الوفاء بشیء من ذلک غیر هذه المساجد الثلاثة ومنها أن المراد حکم المساجد فقط وأنه لا تشد الرحال إلی مسجد من المساجد للصلاة فیه غیر هذه الثلاثة وأما قصد غیر المساجد لزیارة صالح أو قریب أو صاحب أو طلب علم أو تجارة أو نزهة فلا یدخل فی النهی ویؤیده ما روی أحمد من طریق شهر بن حوشب قال سمعت أبا سعید وذکرت عنده الصلاة فی الطور فقال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا ینبغی للمصلی أن یشد رحاله إلی مسجد تبتغی فیه الصلاة غیر المسجد الحرام والمسجد الأقصی ومسجدی وشهر حسن الحدیث وإن کان فیه بعض الضعف .
ومنها أن المراد قصدها بالاعتکاف فیما حکاه الخطابی عن بعض السلف أنه قال لا یعتکف فی غیرها وهو أخص من الذی قبله ولم أر علیه دلیلا واستدل به علی أن من نذر إتیان أحد هذه المساجد لزمه ذلک وبه قال مالک وأحمد والشافعی والبویطی واختاره أبو إسحاق المروزی وقال أبو حنیفة لا یجب مطلقا وقال الشافعی فی الأم یجب فی المسجد الحرام لتعلق النسک به بخلاف المسجدین الأخیرین وهذا هو المنصور لأصحاب الشافعی (فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج۳،ص۶۵، کتاب فضل الصلاة فی مسجد مکة والمدینة،قوله باب فضل الصلاة فی مسجد مکة والمدینة)

فزعم أن شد الرحال إلى الزيارة فى غير الثلاثة داخل فى المنع، وهو خطأ، لأن الاستثناء كما مر إنما يكون من جنس المستثنى منه، كما إذا قلت ما رأيت إلا زيدا كان تقديره :ما رأيت رجلا واحدا إلا زيدا، لا، ما رأيت شيئا أو حيوانا إلا زيدا (إرشاد السارى لشرح صحيح البخارى) [1]

ترجمہ: اور اس شدِ رحال والی حدیث کا مطلب بعض حضرات (مثلاً علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ) پر ملتبس ہوگیا، جیسا کہ محقق تقی الدین سبکی نے فرمایا۔

پس ان حضرات (مثلاً علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ) نے یہ سمجھا کہ مذکورہ تین مساجد کے علاوہ کی زیارت کرنے کے لیے شدِّ رحال ممنوع ہے، لیکن یہ (سمجھنا اجتہادی) خطا پر مبنی ہے، کیونکہ استثناء جیسا کہ گزرا، وہ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہوا کرتا ہے، جیسا کہ آپ کہیں کہ ''میں نے نہیں دیکھا سوائے زید کے'' تو اس کی تقدیر یہ ہوگی کہ ''میں نے کسی آدمی کو نہیں دیکھا سوائے زید کے'' تقدیر یہ نہیں ہوگی کہ ''میں نے کسی چیز کو یا حیوان کو نہیں دیکھا سوائے زید کے'' (ارشاد الساری)

نیز علامہ قسطلانی رحمہ اللہ ایک مقام فرماتے ہیں:

(لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد) الاستثناء مفرغ والتقدير : لا تشد الرحال إلى موضع، ولازمه منع السفر إلى كل موضع غيرها، كزيارة صالح أو قريب أو صاحب، أو طلب علم أو تجارة، أو نزهة .لأن المستثنى منه فى المفرغ يقدر بأعم العام .لكن المراد بالعموم هنا الموضع المخصوص، وهو المسجد كما تقدم تقديره......واختلف فى :شد الرحال إلى غيرها، كالذهاب

---

[1] ج ۲، ص ۳۴۴، كتاب فضل الصلاة فى مسجد مكة والمدينة، باب فضل الصلاة فى مسجد مكة والمدينة.

إلى زيارة الصالحين أحياء ا وأمواتا، وإلى المواضع الفاضلة للصلاة فيها، والتبرك بها.

فقال أبو محمد الجويني :يحرم عملا بظاهر هذا الحديث؛ واختاره القاضي حسين، وقال به القاضي عياض وطائفة.

والصحيح عند إمام الحرمين، وغيره من الشافعية، الجواز، وخصوا النهي بمن نذر الصلاة في غير الثلاثة، وأما قصد غيرها لغير ذلك، كالزيارة فلا يدخل في النهي.

وخص بعضهم النهي فيما حكاه الخطابي بالاعتكاف في غير الثلاثة، لكن قال في الفتح :ولم أر عليه دليلا (إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري) [1]

ترجمہ: ”نہیں شدِّ رحال کیا جائے گا، مگر تین مساجد کی طرف“ استثناء مفرّغ ہے، اور تقدیر یہ ہے کہ کسی موضع کی طرف شدِّ رحال نہیں کیا جائے گا، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان تین مساجد کے علاوہ ہر موضع کی طرف سفر کرنا ممنوع ہے، جیسا کہ نیک آدمی یا عزیز یا کسی دوست یا طلبِ علم، یا تجارت یا سیر وتفریح وہوا خوری وغیرہ کے لیے سفر کرنا، کیونکہ مستثنیٰ منہ مفرّغ میں زیادہ سے زیادہ عام مانا جایا کرتا ہے، لیکن (عام ماننے کی صورت میں بہت سارے جائز اور ثواب والے اسفار کے ممنوع ہونے کے لازم آنے کی وجہ سے) یہاں مراد موضع مخصوص ہے، جو کہ مسجد ہے، جس کی تقدیر گزر چکی ہے...... اور ان تین مساجد کے علاوہ کی طرف شدِّ رحال کے مسئلہ میں (علماء کے درمیان) اختلاف ہوا ہے، جیسا کہ صالحین کی زیارت کی طرف، خواہ زندہ ہوں یا فوت شدہ (یعنی فوت ہونے کے بعد دفن سے

---

[1] ج۲، ص۳۴۸، كتاب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، باب فضل ما بين القبر والمنبر.

پہلے ہوں، یا ان کی قبور) ہوں، اور اسی طریقہ سے فضیلت والے مقامات کی طرف سفر کرنے اور ان سے برکت حاصل کرنے کے لیے سفر کرنے میں بھی اختلاف ہوا ہے۔

چنانچہ ابو محمد جوینی کا یہی قول ہے کہ ظاہری حدیث کی رُو سے عملاً حرام ہے، جس کو قاضی حسین نے اختیار کیا ہے، اور یہی قول قاضی عیاض اور ایک جماعت کا ہے۔

اور امام الحرمین وغیرہ شافعیہ کے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ مذکورہ عمل حرام نہیں ہے، بلکہ جائز ہے، اور انہوں نے ممانعت کو اس شخص کے ساتھ خاص کیا ہے، جنہوں نے مذکورہ تین مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ نماز پڑھنے کی نذر مانی ہو، جہاں تک دوسری جگہوں کا نماز کے علاوہ کسی اور غرض سے قصد کرنے کا تعلق ہے، جیسا کہ (کسی نیک صالح یا اس کی قبر کی) زیارت کرنے کی غرض سے، تو وہ ممانعت میں داخل نہیں ہے۔

اور بعض نے ممانعت کو ان مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ اعتکاف کرنے کے ساتھ خاص کیا ہے، جیسا کہ خطابی نے نقل کیا ہے، لیکن فتح الباری میں ہے کہ میں نے اس کی دلیل نہیں دیکھی (ارشادالساری)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ مذکورہ احادیث میں مستثنیٰ منہ کو عام مقدر ماننا درست نہیں، اس لیے خاص مقدر مانا جائے گا، جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی کا حوالہ

علامہ جلال الدین سیوطی (المتوفیٰ ۹۱۱ ہجری) نے بھی یہی تفصیل بیان فرمائی ہے، اور انہوں نے شدِّ رحال والی حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اس سے مراد کسی مسجد میں نماز پڑھنے اور عبادت کرنے کی فضیلتِ تامّہ ہے، جو ان تین مساجد کی طرف شدِّ رحال کرنے کے ساتھ

خاص ہے۔ [1]

مذکورہ توجیہ علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ کے کلام میں بھی گزر چکی ہے۔

ملا علی قاری کا حوالہ

ملا علی قاری رحمہ اللہ مشکاۃ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

(لا تشد الرحال) : جمع رحل، وهو كور البعير، والمراد نفى فضيلة شدها وربطها............ثم مسجد قباء تابع لمسجده، أو ملحق به اقتداء به صلى الله عليه وسلم لما يأتى، ولعله إنما ترك ذكره لأنه مما لا تشد الرحال إليه غالبا (مرقاة المفاتيح، ج۲، ص ۵۸۹، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة)

ترجمہ: ''شدِّ رحال نہیں کیا جائے گا'' رحال، رحل کی جمع ہے، اور یہ اونٹ کے کجاوے کو کہا جاتا ہے، اور مراد کجاوے کو باندھنے اور تیار کرنے کی فضیلت کی نفی ہے......پھر مسجدِ قباء، مسجدِ نبوی کے تابع ہے، یا اس کے ساتھ ملحق ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس میں تشریف لانے کی اقتداء کی وجہ سے اور شاید اس کا ذکر اس وجہ سے ترک کر دیا گیا ہے کہ عموماً اس کی طرف شدِّ رحال نہیں کیا جاتا (مرقاۃ)

شیخ حمزہ محمد قاسم کا حوالہ

شیخ حمزہ محمد قاسم صحیح بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں:

---

[1] لا تشد الرحال أخذ بظاهره أبو محمد الجوينى والقاضى حسين فقالا يحرم شد الرحال إلى غير المساجد الثلاثة كقبور الصالحين والمواضع الفاضلة والصحيح عند أصحابنا أنه لا يحرم ولا يكره قالوا والمراد أن الفضيلة التامة إنما هى فى شد الرحال الى هذه الثلاثة خاصة وهذا الذى إختاره إمام الحرمين والمحققون وآنقننى هو بمعنى أعجبنى(شرح السيوطى علىٰ المسلم، المعروف بـ الديباج على صحيح مسلم بن الحجاج، ج۳،ص ۳۸۸، تحت رقم الحديث ۸۲۷)

دل الحديث :أولا :على فضل الصلاة فى الحرمين وزيادة ثوابها فيهما .فرضا كانت أو نفلا كما عليه الجمهور، لأن استثناء هما فى قوله -صلى الله عليه وسلم " :-لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد، يدل على أفضليتهما، ومضاعفة أجر الصلاة فيهما .قال الحافظ :فى هذا الحديث فضيلة هذه المساجد ومزيتها على غيرها، لأنها مساجد الأنبياء .اهـ .ولأن المسجد الحرام قبلة الناس، والمسجد النبوى أول مسجد أسس على التقوى، والأقصى قبلة الأمم السابقة.

ثانيا :أنه لا يستحب ولا يسن السفر لقصد الصلاة .والتعبد إلا إلى هذه المساجد الثلاثة، كما جاء منصوصا عليه فى رواية مسلم .وعن أبى سعيد الخدرى رضى الله عنه قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-لا ينبغى للمطى أن يشد رحاله إلى مسجد يبتغى فيه الصلاة غير المسجد الحرام والمسجد الأقصى ومسجدى هذا "رواه أحمد (منار القارى شرح مختصر صحيح البخارى،لحمزة محمد قاسم) [1]

ترجمہ: اس حدیث نے ایک تو اس بات پر دلالت کی کہ حرمین شریفین میں نماز کی فضیلت اور اس کا ثواب زیادہ ہے، خواہ وہ فرض نماز ہو یا نفل نماز ہو، جیسا کہ جمہور کا قول ہے، کیونکہ ”لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد“ میں حرمین شریفین کا استثناء ان دونوں کی افضلیت اور ان دونوں مقامات میں نماز کے ثواب کے زیادہ ہونے پر دلالت کرتا ہے، حافظ (ابنِ حجر) نے فرمایا کہ اس حدیث میں

[1] ج ٢،ص ٣٤٦، ابواب التطوع، كتاب فضل الصلاة فى مسجد مكة والمدينة.

ان مساجد اوران کی دوسری مساجد پر زیادہ فضیلت کا ثبوت پایا جاتا ہے، کیونکہ یہ انبیاء کی مساجد ہیں، اور مسجدِ حرام لوگوں کا قبلہ ہے، اور مسجدِ نبوی تقویٰ کی بنیاد پر قائم کی گئی پہلی مسجد ہے، اور مسجدِ اقصیٰ پہلی امتوں کا قبلہ ہے۔

دوسرے اس حدیث نے اس بات پر دلالت کی کہ نماز پڑھنے کی غرض سے اور عبادت کرنے کی غرض سے ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنا سنت ومستحب نہیں (اگرچہ گناہ نہ ہو) جیسا کہ مسلم کی روایت میں صراحتاً آیا ہے، اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ ''رَحتِ سفر باندھنے والے کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ کسی مسجد کی طرف نماز پڑھنے کی غرض سے رَحتِ سفر باندھے، سوائے مسجد حرام اور مسجدِ اقصیٰ اور مسجدِ نبوی کے'' اس کو احمد نے روایت کیا (منار القاری)

اس سے معلوم ہوا کہ مساجدِ ثلاثہ کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف نماز اور عبادت کے ثواب کو پانے کے لیے رَحتِ سفر باندھنا سنت ومستحب نہیں، اگرچہ گناہ بھی نہیں، اور مساجد کے علاوہ دیگر مقامات ''لاتشد الرحال'' والی احادیث کی دلالت سے خارج ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اکثر اور جمہور حضرات کے نزدیک ''لاتشد الرحال'' والی احادیث سے قبرِ نبوی یا دوسری قبور کی طرف اور اسی طرح متبرک مقامات کی طرف سفر کرنے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔

''الفتاویٰ الهندية'' اور ''المجموع'' کا حوالہ

فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ:

فإذا نوى زيارة القبر فلينو معه زيارة مسجد رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فإنه أحد المساجد الثلاثة التى تشد إليها الرحال

(الفتاوی الهندية) [1]

ترجمہ: پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کی نیت کرے، تو اسی کے ساتھ مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی بھی نیت کرلے، کیونکہ یہ مسجد ان تین مساجد میں سے ہے، جن کی طرف شدِّ رحال کیا جاتا ہے (ہندیہ)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فإذا انصرف الحجاج والمعتمرون من مكة استحب لهم استحبابا متأكدا أن يتوجهوا إلى المدينة لزيارته صلى الله عليه وسلم وينوى الزائر مع الزيارة التقرب وشد الرحل إليه والصلاة فيه

(المجموع شرح المهذب، ج۸، ص ۲۷۲، كتاب الحج، باب صفة الحج)

ترجمہ: پھر جب حج وعمرہ کرنے والے مکہ سے لوٹیں، تو ان کے لیے تاکیدی درجہ میں مستحب ہے کہ وہ مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے، اور زیارت کرنے والا، زیارتِ قبرِ نبوی کے ساتھ ساتھ تقرب اور آپ کی طرف شدِّ رحال اور مسجدِ نبوی میں نماز کی نیت کرے (المجموع)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کی نیت جائز بلکہ مستحب ہے۔

''الدرالمختار'' و''ردُّ المحتار'' کا حوالہ

الدرالمختار اور اسی کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے کہ:

وزيارة قبره مندوبة (الدرالمختار)

(قوله مندوبة) أى بإجماع المسلمين كما فى اللباب، وما نسب

---

[1] ج ۱، ص ۲۶۵، كتاب المناسک، خاتمة فى زيارة قبر النبى صلى الله عليه وسلم.

إلى الحافظ ابن تيمية الحنبلي من أنه يقول بالنهي عنها فقد قال بعض العلماء إنه لا أصل له، وإنما يقول بالنهي عن شد الرحال إلى غير المساجد الثلاث. أما نفس الزيارة فلا يخالف فيها كزيارة سائر القبور، ومع هذا فقد رد كلامه كثير من العلماء وللإمام السبكي فيه تأليف منيف .قال في شرح اللباب :وهل تستحب زيارة قبره -صلى الله عليه وسلم -للنساء ؛ الصحيح نعم بلا كراهة بشروطها على ما صرح به بعض العلماء .أما على الأصح من مذهبنا وهو قول الكرخي وغيره من أن الرخصة في زيارة القبور ثابتة للرجال والنساء جميعا فلا إشكال .وأما على غيره فكذلك نقول بالاستحباب لإطلاق الأصحاب (رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص ٦٢٦، كتاب الحج،فروع في الحج،حرم المدينة ومكة)

ترجمہ: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت مستحب ہے، لباب میں ہے کہ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے، اور حافظ ابنِ تیمیہ حنبلی کی طرف جو یہ بات منسوب ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت سے منع کیا ہے، تو بعض علماء نے فرمایا کہ اس کی کوئی اصل نہیں، بلکہ حافظ ابنِ تیمیہ تو صرف یہ کہتے ہیں کہ تین مساجد کے علاوہ کی طرف شدِّ رحال ممنوع ہے، جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی نفسِ زیارت کا تعلق ہے، تو اس میں وہ مخالفت نہیں کرتے، جیسا کہ تمام قبروں کی زیارت کی مخالفت نہیں کرتے، اس کے باوجود بہت سے علماء نے حافظ ابنِ تیمیہ کے کلام کو قبول نہیں کیا، اور امام سبکی کی اس مسئلہ میں ایک عمدہ تالیف ہے (جس میں انہوں نے علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ پر رد کیا ہے)

شرح اللباب میں فرمایا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت عورتوں کے لیے بھی مستحب ہے؟ صحیح یہ ہے کہ بے شک عورتوں کو بھی بلا کراہت مستحب ہے، جبکہ اپنی شرائط کے ساتھ ہو، جس کی بعض علماء نے تصریح فرمائی ہے، اور اصح قول ہمارے مذہب کا یہ ہے، اور یہی قول کرخی وغیرہ کا ہے کہ عام زیارتِ قبور کی رخصت بھی مرد حضرات اور خواتین دونوں کے لیے ثابت ہے، لہٰذا اس تفصیل کے پیشِ نظر خواتین کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے جائز ہونے میں کوئی اشکال نہیں، اور اسی طرح ہم خواتین کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے علاوہ، دوسری قبروں کی زیارت کے بھی مستحب ہونے کے قائل ہیں، کیونکہ اصحابِ حنفیہ نے استحباب کو مطلق رکھا ہے (خواتین کو مستثنیٰ نہیں کیا) (ردالمحتار)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا حوالہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

و قد ذکرعنه انه منع السفر لزیارة النبی صلی الله علیه وسلم ولا یرویٰ کلامه ذلک بدلیلِ صریح صحیح فانه لم یمنع الزیارة مطلقاً، بل منع السفر لزیارة بحدیث ”لا تشدّوا الرحال“ و بحدیث ”لا تتخذوا قبری عیدا“ فاذا کان لقوله مساغ اجتهادی لا ینبغی ان یشدد علیه ذلک التشدد (مکتوبات مناقب ابی عبدالله محمد بن اسماعیل البخاری، وفضیلة ابنِ تیمیة، ص ۲۸، مطبع احمدی شهر دهلی)

ترجمہ: اور علامہ ابنِ تیمیہ کے متعلق یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر کرنے سے منع کیا ہے، ان کے کلام میں یہ بات

صریح اور صحیح دلیل سے مروی نہیں، اصل بات یہ ہے کہ علامہ ابنِ تیمیہ نے مطلق زیارت سے منع نہیں کیا، بلکہ زیارت کے لیے سفر سے منع کیا ہے "**لا تشدّوا الرحال**" اور "**لا تتخذوا قبری عیدا**" حدیثوں کی وجہ سے، پس جب ان کے قول کی اجتہاد میں گنجائش ہے، تو یہ بات مناسب نہیں کہ ان کے متعلق اس طرح کا تشدد کیا جائے (مکتوبات)

پھر اس مکتوب کے آخر میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وبعد: فانی اذکر للہ عز و جل کل مسلم فی هذه المسئلة و امثالها الله، الله، ان یسب احدا من المسلمین عالما مجتهداً فی امثال هذا (مکتوبات مناقب ابی عبدالله محمد بن اسماعیل البخاری، وفضیلة ابنِ تیمیة، ص ۲۸، مطبع احمدی شهر دهلی)

ترجمہ: اس کے بعد میں اللہ عز وجل کے لیے ہر مسلمان کو اس مسئلہ میں اور اس جیسے دوسرے مسائل میں نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اللہ سے ڈریں، اللہ سے ڈریں، اس بات سے کہ وہ مسلمانوں میں سے کسی عالم مجتہد (مثل علامہ ابنِ تیمیہ) کی شان میں (اس قسم کے اجتہادی مسائل میں جن میں دونوں طرف کا احتمال ہوتا ہے) نازیبا الفاظ کہیں (مکتوبات)

مطلب یہ ہے کہ علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور کی قبر کی زیارت سے منع نہیں کیا، البتہ اس مقصد کے لیے باقاعدہ سفر کرنے سے منع کیا ہے، جس کو علامہ ابنِ تیمیہ نے اپنے اجتہاد میں راجح سمجھا، لہٰذا اس سلسلہ میں علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کو زیادہ سے زیادہ مجتہدِ مخطی ٹھہرایا جاسکتا ہے (اور ظاہر ہے مجتہدِ مخطی بھی مقبول وماجور ہوتا ہے، نہ کہ مجرم وگناہگار کہ اس پر طعن کیا جائے) اور اس سلسلہ میں ان پر طعن وتشنیع وغیرہ جائز نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ "حجۃ اللہ البالغۃ" میں فرماتے ہیں:

قوله صلى الله عليه وسلم " :لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد المسجد الحرام والمسجد الأقصى، ومسجدى هذا "

أقول :كان أهل الجاهلية يقصدون مواضع معظمة بزعمهم يزورونها، ويتبركون بها، وفيه من التحريف والفساد ما لا يخفى فسد النبى صلى الله عليه وسلم الفساد لئلا يلتحق غير الشعائر بالشعائر، ولئلا يصير ذريعة لعبادة غير الله، والحق عندى أن القبر ومحل عبادة ولى من أولياء الله والطور كل ذلك سواء فى النهى

(حجة الله البالغة، ج ۱، ص ۳۲۵، من أبواب الاعتصام بالكتاب والسنة "المساجد")

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ شدّ رحال نہ کیا جائے، مگر تین مساجد کی طرف، ایک مسجدِ حرام، دوسرے مسجدِ اقصیٰ اور تیسرے مسجدِ نبوی۔

میں کہتا ہوں کہ جاہلیت کے لوگ معظم مقامات کا اپنے مخصوص عقیدے کی بنا پر زیارت کا قصد کیا کرتے تھے، اوران مقامات سے برکت حاصل کرنے کا عقیدہ رکھتے تھے، جس میں ظاہر ہے کہ تحریف اور فساد کا خوف تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فساد کا سدّ باب کیا، تاکہ غیر شعائر کو، شعائر کا درجہ نہ دے دیا جائے، اور یہ غیر اللہ کی عبادت کا ذریعہ نہ بن جائے، اور میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ قبر اور اولیاء اللہ میں سے کسی ولی کی عبادت گاہ اور کوہِ طور، یہ سب مقامات ممنوع ہونے میں برابر ہیں (حجۃ اللہ البالغہ)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ مؤطا امام مالک کی فارسی شرح ''مصفّٰی'' میں فرماتے ہیں:

تحقیق دریں جا آنست کہ در جاہلیت سفر می کردند بمواضع متبرکہ بزعمِ خویش، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سد باب تحریف فرمود، وسفر برائے مواضع متبرکہ غیر

مساجد بقصدِ خصوصیت تبرک بآں موضع منع فرمود، تا امرِ جاہلیت رواج نگیرد

(المصفّٰی، ج۱ص۹۰، باب لا تشدّ الرحال الا الیٰ ثلاثة مساجداً، مطبوعہ: مطبع فاروقی، دہلی)

ترجمہ: اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں متبرک مقامات کا اپنے مخصوص عقیدے کی بنا پر سفر کیا جاتا تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریف کا سدّ باب فرمایا، اور مساجد کے علاوہ مقاماتِ متبرکہ کے لیے، اس جگہ کے تبرک کی خصوصیت کے ارادہ سے سفر کرنے سے منع فرمایا، تاکہ جاہلیت کے مسئلہ کو رواج حاصل نہ ہو (مصفّٰی)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ مساجدِ ثلاثہ کے علاوہ دیگر مساجد اور متبرک مقامات کی طرف باقاعدہ سفر کر کے جانے کو ممنوع و مکروہ قرار دیتے ہیں، جس کی وجہ ان کے نزدیک دین میں تحریف اور فتنوں کا سد باب ہے۔

اور علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے سنن ترمذی کی شرح ''العرف الشذی'' میں فرمایا کہ:

علامہ ابنِ تیمیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے سفر کرنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں، البتہ وہ مسجدِ نبوی کے لیے سفر کا ارادہ کرنے، پھر مدینہ منورہ پہنچ کر قبر مبارک کی زیارت کرنے کو مستحب قرار دیتے ہیں، اور اس سے ملحق قبروں اور جنۃ البقیع وغیرہ کی زیارت کو بھی مستحب قرار دیتے ہیں، اور بعض ناقلین نے علامہ ابنِ تیمیہ کے مذہب کو نقل کرنے میں خطا کی ہے، اور ابنِ تیمیہ کے قول کی بعض متقدمین مثلاً امام الحرمین جوینی سے موافقت مروی ہے، اور ابنِ تیمیہ کو اس مسئلہ پر شدید آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا، اور اس موضوع پر طرفین سے تصانیف لکھی گئیں، اور جمہور ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ قبر مبارک کی زیارت جائز ہے، اور اعلیٰ قربات میں داخل ہے، اور شد رحال والی حدیث کے اہلِ علم حضرات نے مختلف جوابات دیے ہیں، جن میں سے شرح البخاری میں حافظین کا جواب سب

سے عمدہ ہے۔

وہ یہ ہے کہ نماز پڑھنے کے لیے شدّ رحال ان تین مساجد ہی کی طرف کرنا چاہئے، اور جمہور کی دلیل یہ بھی ہے کہ سلفِ صالحین سے تواتر کے ساتھ روضۂ مبارک کا سفر کرنا ثابت ہے۔

اور یہ سمجھنا راجح نہیں کہ وہ مسجدِ نبوی کی غرض سے سفر کیا کرتے تھے، روضہ کی زیارت کے لیے سفر نہیں کرتے تھے، کیونکہ اگر مسجدِ نبوی ہی سفر کا مقصد ہوتا، تو پھر مسجدِ اقصیٰ کی طرف بھی سفر کرنا مروی ہوتا، جس طرح مسجدِ نبوی کے لیے ہوتا ہے، کیونکہ مسجدِ اقصیٰ بھی شدرحال والی تین مساجد میں داخل ہے، پس علامہ ابنِ تیمیہ کی طرف سے کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملا۔

پھر علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اولیاء کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر کرنا، جیسا کہ آج کل کے زمانے میں معمول ہے، اس کے لیے صاحبِ شریعت یا صاحبِ مذہب یا مشائخ سے نقل ضروری ہے، اور اس کو شہر سے ملحق قبروں کی زیارت پر قیاس کرنا جائز نہیں، کیونکہ ان میں سفر نہیں پایا جاتا (العرف الشذی) [1]

---

[1] قوله :(لا تشدوا الرحال الخ) اختار ابن تيمية أن السفر لزيارة قبر النبى -صلى الله عليه وسلم -المبارک غير جائز بل يريد السفر إلى المسجد النبوى ثم إذا بلغ المدينة يستحب له زيارة القبر المبارک، وقال باستحباب زيارة القبور الملحقة للمكان لثبوت زيارة النبى -صلى الله عليه وسلم -جنة البقيع وغيرها، ولقد أخطأ الناقلون فى نقل مذهب ابن تيمية كما قال ابن عابدين :إن تيمية يمنع من الارتحال وشد الرحال إلى زيارة القبر الشريف ويجوز السفر المحض للزيارة، ووافق ابن تيمية فى هذه المسألة أربعة من المتقدمين ومنهم الجوينى والد إمام الحرمين، وابتلى ابن تيمية بالبلايا والشدائد حين اختيار هذه المسألة، وصنف تقى الدين السبكى رسالة فى رد ابن تيمية وسماها شفاء السقام فى زيارة خير الأنام وما وجدت فيها شيئا جديدا وطريا وتصدى إلى تقوية الضعاف، ثم صنف ابن عبد الهادى فى الرد على السبكى وسماه الصارم المنكى على نحر السبكى وقد أجاد فى تصنيفه ثم رد ابن علان على ابن عبد الهادى وسماه المبرد المبكى على الصارم المنكى، وتطرق التصنيف من الطرفين.

ومذهب جمهور الأئمة أن زيارة القبر الشريف جائزة ومن أعلى القربات وأجابوا عن حديث الباب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کی طرح علامہ کشمیری رحمہ اللہ بھی زیارتِ قبورِ اولیاء کے لیے سفر کو ممنوع قرار دیتے ہیں، اگرچہ وہ قبرِ نبوی کی زیارت کے لیے سفر کو مشروع وجائز مانتے ہیں۔

اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مسجدِ حرام، مسجدِ اقصیٰ، مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھنے میں تضاعفِ نماز موعود ہے، سو اس تضاعف کی تحصیل اگر بدون سفر ممکن نہ ہو، سفر کی بھی اجازت ہے، بخلاف دوسرے مشاہد کے (مثلاً کوہِ طور، کربلا، اجمیر وغیرہ) وہاں کوئی دلیل ثواب کی نہیں، اس لیے وہاں اس نیت سے سفر کرنا امرِ غیر ثابت کا اعتقاد ہے (ملفوظاتِ حکیم الامت ''ملفوظات کمالاتِ اشرفیہ'' ج ۲۳، ص ۱۱۱، ملفوظ نمبر ۴۲۷، مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، سنِ اشاعت: 1424 ہجری)

اس سے معلوم ہوا کہ مساجدِ ثلاثہ کے علاوہ کی طرف سفر کی مشروعیت کا اعتقاد رکھنا ضروری نہیں، اور اس کا اعتقاد نہ رکھنا گناہ نہیں، جس سے اس مسئلہ کا مجتہَد فیہ ہونا اور اس مسئلہ میں تشدد نہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

بأجوبة مختلفة، وأحسنها ما ذكر الحافظان فى شرح البخارى، وأتيا بالرواية أخرجها أحمد فى مسنده: لا تشد الرحال إلى مسجد ليصلى فيه إلا إلى ثلاثة مساجد، وأما دليل الجمهور فى المسألة فهو ثبوت سفر السلف الصالحين إلى الروضة المنيفة تواترا، وإما أجاب عنه ابن تيمية وتبعه بالجواب الشافى، وأما قول: إنهم أرادوا السفر إلى المسجد النبوى وما أرادوا السفر لزيارة الروضة المطهرة فقول مصنوع، فإنه لو كان الغرض السفر لإرادة المسجد النبوى لارتحلوا إلى المسجد الأقصى أيضا كارتحالهم إلى المسجد النبوى، فالحاصل أنه لم يأت على الجواب الشافى.
(مسألة): السفر لزيارة قبور الأولياء كما هو معمول أهل العصر لا بد من النقل عليه من صاحب الشريعة أو صاحب المذهب أو المشائخ، ولا يجوز قياس زيارتها على زيارة القبور الملحقة بالبلدة فإنه لا سفر فيها(العرف الشذى، شرح سنن الترمذى، ج ا، ص۳۲۷، ۳۲۸، ابواب الصلاة، باب ما جاء فى أى المساجد أفضل)

شیخ محمد امین شنقیطی کا حوالہ

عرب کے مشہور عالم شیخ محمد امین بن محمد مختار شنقیطی (المتوفی 1393 ہجری) نے اپنی تفسیر ''اضواءُ البیان'' میں ''شدّ رحال'' کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''تمام حضرات اس پر متفق ہیں کہ مسجدِ نبوی کے لیے شدّ رحال کرنے کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام جائز ہے، اور اس پر بھی متفق ہیں کہ شدِ رحال کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کرنا جائز ہے۔

پس کوئی انسان ایسا نہیں، جو قبرِ نبوی پر صرف سلام کرنے کے لیے شدّ رحال کرتا ہو، اور مسجدِ نبوی میں حاضر نہ ہوتا ہو، اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں یہ بات کھٹکتی ہے، اور اسی طریقہ سے مسجدِ نبوی میں نماز کے لیے شدِّ رحال کرنے والے کے دل میں بھی یہ بات نہیں کھٹکتی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام نہیں کرے گا، اور وہ مسجدِ نبوی میں صرف نماز پڑھ کر واپس آ جائے گا، اس لیے ان دونوں کا ایک دوسرے سے جدا ہونا ممکن نہیں، کیونکہ مسجدِ نبوی ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیت مبارک ہے، اور آپ کا بیت مبارک مسجدِ نبوی کا جزو (یا اس کے ساتھ بہت زیادہ متصل) ہے۔

جیسا کہ حدیث میں بھی ہے کہ ''میرے گھر اور منبر کے درمیان کا حصہ، جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے'' پس یہ مسجدِ نبوی کے منبر اور آپ کے بیت مبارک کے درمیان قوتِ ربط ہے۔

اور جو شخص بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قریب سے سلام کرے، تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سلام کے جواب کی فضیلت کو پالیتا ہے، اور مسجدِ نبوی قریب کا حکم رکھتی ہے، اور زیارت کی سنت کی فضیلت اسی وقت حاصل ہوتی ہے، جب

مسجدِ نبوی میں داخل ہو، اور پہلے تحیۃ المسجد پڑھے (جس کی فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے) پس مسجدِ نبوی کے لیے شدِ رحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے جدا نہیں ہوسکتا، اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مسجدِ نبوی سے جدا ہوسکتی ہے، تو اس نزاع کا کوئی سبب نہیں، اور علامہ ابنِ تیمیہ نے دوسرے مقام پر اس طرح کی بات کی تصریح فرمائی ہے، چنانچہ انہوں نے مجموع الفتاویٰ میں ایک مقام پر فرمایا کہ ''جو شخص مسجدِ حرام یا مسجدِ اقصیٰ یا مسجدِ نبوی کی طرف سفر کرے، تو وہ اس مسجد میں نماز پڑھے، اور مسجدِ قباء میں بھی نماز پڑھے، اور (بقیع واُحد وغیرہ جاکر) زیارتِ قبور بھی کرے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے اس کا فیصلہ فرمادیا ہے، اور اسی پر نیک لوگوں کا عمل ہے، اور جو اس طرح کے سفر کا انکار کرے، تو وہ کافر ہے، جس سے توبہ طلب کی جائے گی، اگر توبہ کرلے، تو ٹھیک ہے، ورنہ اس کو قتل کیا جائے گا، اور جو شخص صرف قبر کی زیارت کے لیے سفر کا قصد کرے، اور مسجدِ نبوی میں نماز کا قصد نہ کرے، اور مدینہ منورہ کا سفر کرے، لیکن مسجدِ نبوی میں نماز نہ پڑھے، اور نہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز میں سلام پڑھے، بلکہ قبرِ نبوی پر آئے، پھر لوٹ جائے، تو یہ بدعتی ہے، گمراہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا مخالف ہے، اور صحابۂ کرام اور علمائے امت کے اجماع کا مخالف ہے، اور جو ذکر کیا گیا (یعنی صرف قبرِ نبوی کی زیارت اور سلام کے لیے شدّ رحال کرنا) اس کے بارے میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ حرام ہے، دوسرے یہ کہ کوئی گناہ نہیں اور نہ ہی کوئی ثواب ہے، اور جو عمل علمائے مسلمین کا ہے وہ شرعی زیارت ہے کہ وہ مسجدِ نبوی میں نماز پڑھتے ہیں، اور مسجد میں داخل ہوکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتے ہیں، اور نماز میں بھی سلام بھیجتے ہیں، یہ طریقہ مسلمانوں کے اتفاق سے مشروع ہے، علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ

نے تو یہاں تک بھی فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین (حضرت ابوبکر وعمر فاروق رضی اللہ عنہما) پر بھی سلام کرے''۔

پس وہ کون مسلمان ہے، جو کسی مسلمان کو اس بات کی اجازت دے کہ وہ مدینہ منورہ کی طرف صرف قبر نبوی کی زیارت کے لیے سفر کرے، لیکن مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز کا قصد نہ کرے، اور نہ ہی نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، جبکہ وہ یہ بات بھی جانتا ہو کہ مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنا، ہزار نمازوں کے برابر فضیلت رکھتا ہے۔

پس علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کے کلام سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت اور مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنا، دونوں عمل ایک دوسرے سے مرتبط ہیں، اور جو شخص ان دونوں کے عملی طور پر جدا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، تو وہ واقعہ کے خلاف ہے، اور جب ان دونوں کے درمیان رابطہ ثابت ہوگیا، تو اختلاف ختم ہوگیا، اور نزاع کا سبب زائل ہوگیا، **الحمد لله رب العالمين**''

(اضواء البیان) [1]

---

[1] ما داموا متفقين على شد الرحال للمسجد النبوى للسلام على رسول الله صلى الله عليه وسلم ومتفقون على السلام على رسول الله صلى الله عليه وسلم بدون شد الرحال.

فلن يتأتى لإنسان أن يشد الرحال للسلام دون المسجد ولا يخطر ذلك على بال إنسان وكذلك شد الرحل للصلاة فى المسجد النبوى دون أن يسلم على رسول الله صلى الله عليه وسلم لن يخطر على بال إنسان وعليه فلا انفكاك لأحدهما عن الآخر.

لأن المسجد النبوى ما هو إلا بيته صلى الله عليه وسلم وهل بيته إلا جزء من المسجد كما فى حديث الروضة "ما بين بيتى ومنبرى روضة من رياض الجنة. "

فهذا قوة ربط بين بيته ومنبره فى مسجده.

ومن ناحية أخرى هل يسلم أحد عليه صلى الله عليه وسلم من قريب لينال فضل رد السلام عليه منه صلى الله عليه وسلم إلا إذا كان سلامه عن قرب ومن المسجد نفسه؟

وهل تكون الزيارة سنية إلا إذا دخل المسجد وصلى أولا تحية المسجد؟

وبهذا فلا انفكاك لشد الرحل إلى المسجد عن زيارة الرسول صلى الله عليه وسلم ولا لزيارته

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ مسجدِ نبوی اور قبرِ نبوی میں ایسا گہرا تعلق ہے کہ جب کوئی سفر کرنے والا ان میں سے ایک کی نیت کرتا ہے، تو دوسرے کی نیت بھی ساتھ ہی شامل ہوجاتی ہے، کیونکہ عملاً ایک دوسرے سے جدا ہونا ممکن ہے۔

تاہم کیونکہ مسجدِ نبوی کے لیے شدِّ رحال کی بھی فضیلت وسنیت ہے، اور قبرِ نبوی کی زیارت کی بھی متعدد احادیث وروایات سے فضیلت مروی ہے، جو اگرچہ الگ الگ ضعیف ہیں، لیکن باہم مل کر کم از کم حسن درجہ میں داخل ہوجاتی ہیں۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

صلى الله عليه وسلم عن المسجد فلا موجب لهذا النزاع............

وقد صرح رحمه الله بما يقرب من هذا المعنى فى موضع آخر من كلامه إذ يقول فى ج 72ص 243من المجموع ما نصه:

فمن سافر إلى المسجد الحرام أو المسجد الأقصى أو مسجد الرسول صلى الله عليه وسلم فصلى فى مسجده وصلى فى مسجد قباء وزار القبور كما قضت به سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فهذا هو الذى عمل العمل الصالح.

ومن أنكر هذا السفر فهو كافر يستتاب فإن تاب وإلا قتل.

وأما من قصد السفر لمجرد زيارة القبر ولم يقصد الصلاة فى المسجد وسافر إلى مدينته فلم يصل فى مسجده صلى الله عليه وسلم ولا يسلم عليه فى الصلاة بل أتى القبر ثم رجع فهذا مبتدع ضال مخالف لسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولإجماع أصحابه ولعلماء الأمة.

وهو الذى ذكر فيه القولان أحدهما أنه محرم والثانى أنه لا شيء عليه ولا أجر له.

والذى يفعله علماء المسلمين هو الزيارة الشرعية يصلون فى مسجده صلى الله عليه وسلم ويسلمون عليه فى الدخول للمسجد وفى الصلاة وهذا مشروع باتفاق المسلمين إلى أن قال وذكرت أنه يسلم على النبى صلى الله عليه وسلم وعلى صاحبيه اهـ.

فأى موجب لنزاع أو خلاف فى هذا القول فإن كان فى قوله رحمه الله فيمن قصد السفر لمجرد زيارة القبر ولم يقصد الصلاة فى المسجد وسافر إلى مدينته فلم يصل فى مسجده صلى الله عليه وسلم فى الصلاة بل أتى القبر ثم رجع فهذا مبتدع ...إلخ.

فمن من المسلمين يجيز لمسلم أن يشد رحله إلى المدينة لمجرد زيارة القبر دون قصد الصلاة فى مسجده صلى الله عليه وسلم ودون أن يصلى عليه صلى الله عليه وسلم فى الصلاة وهو يعلم أن الصلاة فى مسجده صلى الله عليه وسلم بألف صلاة.

فدل كلامه رحمه الله أن زيارة القبر والصلاة فى المسجد مرتبطتان ومن ادعى انفكاكهما عمليا فقد خالف الواقع وإذا ثبتت الرابطة بينهما انتفى الخلاف وزال موجب النزاع والحمد لله رب العالمين(أضواء البيان فى إيضاح القرآن بالقرآن، ج٨،ص ٣٤٢ الىٰ ٣٤٦، ملخصاً،سورة الجن)

اس لیے ہمارے نزدیک دونوں فضیلتوں کو پانے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ سفر کرنے والا دونوں کی زیارت وحاضری کی نیت کرے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

اس رسالہ کا خلاصہ

خلاصہ یہ کہ مساجدِ ثلاثہ کے علاوہ کی طرف سفر نہ کرنے کی احادیث سے مراد کیا ہے؟ اور اس سے دوسرے افضل مقامات ومساجد کی طرف سفر کرنے کی مخالفت بھی ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ اور چند دیگر علماء اس کی مخالفت کو ثابت مانتے ہیں، جبکہ اکثر اور جمہور امت اس مخالفت کو ثابت نہیں مانتے، اور یہ مسئلہ مجتہد فیہ مسائل میں سے ہے، جس میں ایک دوسرے کے خلاف تشدد ونکیر کا برتاؤ رکھنا مناسب نہیں۔

لیکن اسی کے ساتھ ہمارے نزدیک مساجدِ ثلاثہ کے علاوہ دیگر مساجد اور غیر مساجد کی طرف سفر کی مخالفت ثابت نہ ہونے کا قول راجح ہے، اور شدِّ رحال والی احادیث کی متعدد توجیہات ہیں۔

اور اسی بنیاد پر قبرِ نبوی کی زیارت کے لیے سفر کرنا جائز ہے، تاہم افضل یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی طرف سفر کرنے والا مسجدِ نبوی اور قبرِ نبوی دونوں کی زیارت وحاضری کی نیت کرے، اور قبرِ نبوی پر حاضری کی فضیلت سے متعلق احادیث کا ذکر آگے آتا ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

(الرسالةُ الثامنة)

زیارتِ قبور کی تحقیق

زیارتِ قبور اور قبر سے متعلق بعض احکام میں بھی افراط وتفریط سامنے آتی ہے، اس لیے اس کی تحقیق بھی ملاحظہ کرنے کی ضرورت ہے۔

(باب نمبر 1)

زیارتِ قبور کی احادیث وروایات

زیارتِ قبور کی فضیلت واہمیت بھی متعدد احادیث سے ثابت ہے، اگرچہ اسلام کے ابتدائی دور میں زیارتِ قبور کی مخالفت کی گئی تھی، مگر بعد میں نہ صرف اس کی اجازت دی گئی، بلکہ فضیلت واہمیت بھی بیان کی گئی ہے۔

متعدد احادیث میں زیارتِ قبور کا حکم اور اس کے فوائد کا ذکر آیا ہے، اس طرح کی چند احادیث ملاحظہ فرمائیے۔

جس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ متعلقہ مسائل کا بھی ذکر کیا جائے گا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ، فَزُوْرُوْهَا، فَإِنَّ فِيْ زِيَارَتِهَا تَذْكِرَةً (سنن ابی داؤد) [1]

---

[1] رقم الحديث ۳۲۳۵، كتاب الجنائز، باب فى زيارة القبور.
قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية ابى داؤد)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے منع کردیا تھا، پس اب تم قبروں کی زیارت کرلیا کرو (اور اب تمہیں اس کی اجازت ہے) کیونکہ قبروں کی زیارت میں موت کی یاددہانی اور تذکیر ہے (ابوداؤد)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: قَدْ کُنْتُ نَھَیْتُکُمْ عَنْ زِیَارَۃِ الْقُبُوْرِ، فَقَدْ أُذِنَ لِمُحَمَّدٍ فِیْ زِیَارَۃِ قَبْرِ أُمِّہٖ، فَزُوْرُوْھَا فَإِنَّھَا تُذَکِّرُ الْآخِرَۃَ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں پہلے تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے منع کرتا تھا، پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت دے دی گئی، پس تم قبروں کی زیارت کیا کرو، کیونکہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہے (ترمذی)

مذکورہ حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس باب میں حضرت ابوسعید، حضرت ابنِ مسعود، حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم و عنہا کی حدیثیں ہیں، اور حضرت بریدہ کی حدیث حسن صحیح ہے، اور اہلِ علم کا اس پر عمل ہے، جو زیارتِ قبور میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، اور یہی قول امام ابنِ مبارک اور امام شافعی اور احمد اور اسحاق کا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۱۰۵۴، ابواب الجنائز، باب ما جاء فی الرخصة فی زیارة القبور.

[2] وفی الباب عن أبی سعید، وابن مسعود، وأنس، وأبی هریرة، وأم سلمة :.حدیث بریدة حدیث حسن صحیح، "والعمل علی هذا عند أهل العلم: لا یرون بزیارة القبور بأسا، وهو قول ابن المبارک، والشافعی، وأحمد، وإسحاق "(سنن الترمذی، تحت رقم الحدیث ۱۰۵۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَزُوْرُوْا الْقُبُوْرَ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ (صحیح مسلم) [1]

ترجمہ: تم قبروں کی زیارت کیا کرو، اس لئے کہ یہ موت کو یاد دلاتی ہے (مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّيْ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ، فَزُوْرُوْهَا، فَإِنَّ فِيْهَا عِبْرَةً (مسند احمد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے (پہلے شرک وبت پرستی اور بدعات وغیرہ سے بچانے کے لئے) تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے منع کردیا تھا، پس اب تم قبروں کی زیارت کرلیا کرو (اور اب تمہیں اس کی اجازت ہے) کیونکہ قبروں کی زیارت میں عبرت ونصیحت کا سامان ہے (مسند احمد، حاکم)

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحديث ٩٧٦"١٠٨"، كتاب الكسوف، باب استئذان النبى صلى الله عليه وسلم ربه عز وجل فى زيارة قبر أمه، دار إحياء التراث العربى -بيروت.

[2] رقم الحديث ١١٣٢٩، مستدرک حاکم، رقم الحديث ١٣٨٦، كتاب الجنائز.

قال الحاكم: " هذا حديث صحيح على شرط مسلم، ولم يخرجاه "

و قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية مسند احمد)

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ: كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ، فَزُوْرُوْهَا، فَإِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا، وَتُذَكِّرُ الْآخِرَةَ (سنن ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے (پہلے شرک وبت پرستی اور بدعات وغیرہ سے بچانے کے لئے) تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے منع کردیا تھا، پس اب (چونکہ ایمان اور توحید دلوں میں راسخ ہوگیا، شرک وغیرہ کا خدشہ نہ رہا، اس لیے) تم قبروں کی زیارت کرلیا کرو، کیونکہ قبروں کی زیارت دراصل دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتی ہے، اورآخرت کی یاد دلاتی ہے (ابنِ ماجہ، حاکم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ، ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِكَ: أَلَا إِنِّيْ قَدْ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ، ثُمَّ بَدَا لِيْ أَنَّهَا تُرِقُّ الْقَلْبَ، وَتُدْمِعُ الْعَيْنَ، وَتُذَكِّرُ الْآخِرَةَ، فَزُوْرُوْهَا وَلَا تَقُوْلُوْا هُجْرًا (مسند احمد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارتِ قبور سے منع فرمایا، پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو زیارتِ قبور سے منع کیا کرتا تھا، پھر

---

[1] رقم الحديث ۱۵۷۱، كتاب الجنائز، باب ما جاء فی زيارة القبور، مستدرک حاکم، رقم الحديث ۱۳۸۷، كتاب الجنائز

قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية ابنِ ماجه)

[2] رقم الحديث ۱۳۴۸۷، المستدرک علی الصحيحين للحاكم، رقم الحديث ۱۳۹۳.

قال شعيب الارنووط: صحيح بطرقه وشواهده، وهذا إسناد ضعيف لضعف يحيى بن الحارث، وهو يحيى بن عبد الله بن الحارث (حاشية مسند احمد)

مجھے (اللہ کی طرف سے) ظاہر ہوا کہ یہ (یعنی قبروں کی زیارت اور قبروں پر حاضری) دل میں رقّت پیدا کرتی ہے، اور آنکھوں میں آنسو لاتی ہے، اور آخرت کی یاددلاتی ہے، لہٰذا اب تم زیارتِ قبور کیا کرو، لیکن (زیارتِ قبور کے وقت بے صبری وغیرہ کی) کوئی غلط بات نہ کہا کرو (مسند احمد، حاکم)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ:

نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ ، ثُمَّ قَالَ : زُوْرُوْهَا ، وَلَاتَقُوْلُوْا هُجْرًا (مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا، پھر فرمایا کہ تم قبروں کی زیارت تو کیا کرو، لیکن اس موقع پر زبان سے کوئی بری بات نہ کہا کرو (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت عائشہ کے اپنے بھائی کی قبر پر جانے کی حدیث

حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عَائِشَةَ أَقْبَلَتْ ذَاتَ يَوْمٍ مِّنَ الْمَقَابِرِ فَقُلْتُ لَهَا: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ، مِنْ أَيْنَ أَقْبَلْتِ؟ قَالَتْ: مِنْ قَبْرِ أَخِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ بَكْرٍ، فَقُلْتُ لَهَا: أَلَيْسَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، كَانَ قَدْ نَهٰى، ثُمَّ أَمَرَ بِزِيَارَتِهَا (المستدرک علی الصحیحین للحاکم) [2]

---

[1] رقم الحدیث ۱۱۹۲۷، کتاب الجنائز، باب من رخص فی زیارۃ القبور، مسند احمد، رقم الحدیث ۲۳۰۵۲.

قال شعیب الارنؤوط: حدیث صحیح (حاشیۃ مسند احمد)

[2] رقم الحدیث ۱۳۹۲، کتاب الجنائز، مسند أبی یعلی، رقم الحدیث ۴۸۷۱.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک دن قبرستان سے واپس تشریف لائیں، تو میں نے ان سے سوال کیا کہ آپ کہاں سے آئی ہیں؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میں اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی قبر سے ہوکر آئی ہوں، اس پر میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارتِ قبور سے منع نہیں فرمایا تھا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے جواب میں فرمایا کہ بے شک پہلے منع فرمایا تھا، پھر زیارتِ قبور کا حکم فرمادیا تھا (حاکم، ابویعلیٰ)

اس حدیث سے جس طرح یہ بات معلوم ہوئی کہ پہلے زیارتِ قبور کی مخالفت کی گئی تھی، بعد میں اس کا حکم آ گیا تھا، اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس اجازت کو مرد کے ساتھ ساتھ عورتوں کے لیے بھی عام سمجھا تھا۔

قبر کے قریب ایک عورت کے رونے کی حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِامْرَأَةٍ تَبْكِي عِنْدَ قَبْرٍ، فَقَالَ: اِتَّقِي

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال حسين سليم أسد الدارانی: إسناده صحيح (حاشية مسند ابی يعلیٰ)

و قال الالبانی:

عن عبد الله بن أبی مليكة :(أن عائشة أقبلت ذات يوم من المقابر، فقلت لها :يا أم المؤمنين من أين أقبلت؟ قالت :من قبر عبد الرحمن بن أبی بكر، فقلت لها :أليس كان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن زيارة القبور؟ قالت :نعم :ثم أمر بزيارتها) . وفی رواية عنها (أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص فی زيارة القبور). أخرجه الحاكم (1/376) وعنه البيهقی (4/78) من طريق بسطام بن مسلم عن أبی التياح يزيد بن حميد عن عبد الله بن أبی مليكة، والرواية الأخرى لابن ماجه (1/475) قلت :سكت عنه الحاكم، وقال الذهبی (صحيح) ، وقال البوصيری فی (الزوائد) (1/988) : (إسناده صحيح رجاله ثقات) . وهو كما قالا . وقال الحافظ العراقی فی (تخريج الاحياء) (4/418) : (رواه ابن أبی الدنيا فی (القبور) والحاكم بإسناد جيد(أحكام النساء للألبانی،ص ۱۳۰ ، كتاب الجنائز،زيارة القبور)

اللّٰـهَ وَاصُبِرِیُ قَالَتُ: إِلَیُکَ عَنِّیُ، فَإِنَّکَ لَمُ تُصَبُ بِمُصِیُبَتِیُ، وَلَمُ تَـعُرِفُـهُ، فَقِیُلَ لَهَا: إِنَّـهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَتُ بَابَ النَّبِیِّ صَـلَّی اللّٰهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ، فَلَمُ تَجِدُ عِنُدَهٗ بَوَّابِینَ، فَقَالَتُ: لَمُ أَعُرِفُکَ، فَقَالَ: إِنَّمَا الصَّبُرُ عِنُدَ الصَّدُمَةِ الْأُوُلٰی (صحیح البخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک عورت پر ہوا، جو ایک قبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی (یعنی کچھ جزع فزع کررہی تھی) تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور صبر کرو، اس عورت نے کہا کہ آپ کو مجھ سے کیا لینا، آپ کو میری طرح کی مصیبت نہیں پہنچی، اس عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پہچانا (اس لیے اس نے ایسی بات زبان سے نکالی) پھر اس عورت کو بتایا گیا کہ یہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے، یہ سن کر وہ عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر حاضر ہوئی، تو اس نے آپ کے پاس دربان نہیں پائے، تو اس عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر عرض کیا کہ میں نے آپ کو نہیں پہچانا تھا، اس کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبر تو پہلے صدمہ کے وقت ہی ہوتا ہے (بخاری)

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت اپنے فوت شدہ بچہ کی قبر پر کھڑے ہوکر رو رہی تھی، اور زبان سے بے صبری کے الفاظ بھی کہہ رہی تھی، جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تنبیہ فرمائی تھی۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو زیارتِ قبور سے تو منع نہیں کیا، البتہ بے صبری کا مظاہرہ کرنے سے منع کیا۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۱۲۸۳، کتاب الجنائز، باب زیارة القبور.

[2] إذا أمن جمیع ذلک فلا مانع من الإذن لأن تذکر الموت یحتاج إلیه الرجال والنساء قوله بامرأة لم أقف علی اسمها ولا اسم صاحب القبر وفی روایة لمسلم ما یشعر بأنه ولدها ولفظه تبکی علی صبی لها وصرح به فی مرسل یحیی بن أبی کثیر عند عبد الرزاق ولفظه قد أصیبت بولدها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

زوَّاراتِ قبور پر لعنت کی حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ (سنن الترمذى، رقم الحديث ١٠٥٦، ابواب الجنائز، باب ما جاء فى كراهية زيارة القبور للنساء)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی بہت زیادہ زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی (ترمذی)

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس باب میں حضرت ابنِ عباس، اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما کی حدیثیں ہیں، اور یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور بعض اہلِ علم کی رائے یہی ہے کہ مذکورہ عورتوں پر لعنت کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قبروں کی زیارت کرنے کی اجازت دینے سے پہلے کا تھا، پھر جب اس کی اجازت دے دی گئی، تو اس اجازت میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہوگئیں، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ عورتوں کو زیارتِ قبور مکروہ ہے، کیونکہ ان میں صبر کی کمی ہوتی ہے، اور جزع فزع کی کثرت ہوتی ہے۔[1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وسيأتى فى أوائل كتاب الأحكام من طريق أخرى عن شعبة عن ثابت أن أنسا قال لامرأة من أهله تعرفين فلانة قالت نعم قال كان النبى صلى الله عليه وسلم مر بها فذكر هذا الحديث.
قوله فقال اتقى الله فى رواية أبى نعيم فى المستخرج فقال يا أمة الله اتقى الله قال القرطبى الظاهر أنه كان فى بكائها قدر زائد من نوح أو غيره ولهذا أمرها بالتقوى قلت يؤيده أن فى مرسل يحيى بن أبى كثير المذكور فسمع منها ما يكره فوقف عليها وقال الطيبى قوله اتقى الله توطئة لقوله واصبرى كأنه قيل لها خافى غضب الله إن لم تصبرى ولا تجزعى ليحصل لك الثواب (فتح البارى لابن حجر، ج٣، ص ١٤٩، قوله باب زيارة القبور أى مشروعيتها)

[1] وفى الباب عن ابن عباس، وحسان بن ثابت :.هذا حديث حسن صحيح وقد رأى بعض أهل العلم أن هذا كان قبل أن يرخص النبى صلى الله عليه وسلم فى زيارة القبور، فلما رخص دخل فى رخصته الرجال والنساء، وقال بعضهم: إنما كره زيارة القبور للنساء لقلة صبرهن وكثرة جزعهن "(سنن الترمذى، تحت رقم الحديث ١٠٥٦)

قبر پر جاکر سلام ودعاء کرنے کی احادیث

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُهُمْ إِذَا خَرَجُوْا إِلَى الْمَقَابِرِ، كَانَ قَائِلُهُمْ يَقُوْلُ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ، نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ (سنن ابن ماجه) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو یہ تعلیم دیا کرتے تھے کہ جب وہ قبرستان جائیں، تو کہنے والا یہ کہے کہ تم پر سلام ہو، مومنین اور مسلمین کے گھر والو!، اور ہم بے شک ان شاء اللہ تمہارے ساتھ (آ کر) ملنے والے ہیں، ہم اللہ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت (یعنی تکلیف وعذاب سے سلامتی) کی دعاء کرتے ہیں (ابن ماجہ)

اس حدیث سے مومن کی قبر پر جاکر اس کے لئے سلامتی کی دعاء کا کرنا معلوم ہوا۔ [2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّمَا كَانَ لَيْلَتُهَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ إِلَى الْبَقِيْعِ، فَيَقُوْلُ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ، وَأَتَاكُمْ مَا تُوْعَدُوْنَ غَدًا،

---

[1] رقم الحديث ١٥٤٧، كتاب الجنائز، باب ما جاء فيما يقال إذا دخل المقابر.
قال شعيب الارنؤوط:
إسناده صحيح (حاشية ابنِ ماجه)

[2] نسأل الله (لنا ولكم العافية) وهى الأمن من مكروه (دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، ج٥ص ٢٢، باب استحباب زيارة القبور للرجال، تحت رقم الحديث ٥٨٣)

مُؤَجَّلُوْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَآءَ اللّٰهُ، بِكُمْ لَاحِقُوْنَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَهْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ (صحيح مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب ان کے پاس رات کی باری ہوتی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری حصہ میں بقیع قبرستان جا کر یہ دعاء کیا کرتے تھے'' کہ سلام ہو تم پر مومنین کی قوم کے گھر والو!، اور تمہارے پاس تمہارے وعدے کی چیزیں آ گئیں، جس کی کل (دنیا میں) تمہارے لئے مدت مقرر کی گئی، اور بے شک ہم ان شاء اللہ تمہارے ساتھ (جلد ہی آکر) ملنے والے ہیں، اے اللہ! بقیع قبرستان والوں کی مغفرت فرما دیجئے'' (مسلم)

اس حدیث سے قبرستان جا کر فوت شدہ مومنین کے لئے مغفرت کی دعاء کا کرنا معلوم ہوا، اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ سب مومن قبرستان والوں کے لئے اجمالی دعاء ایک ہی جملہ میں بھی کافی ہو جاتی ہے۔ [2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

فَقَالَ: إِنَّ رَبَّكَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَأْتِيَ أَهْلَ الْبَقِيْعِ فَتَسْتَغْفِرَ لَهُمْ، قَالَتْ: قُلْتُ: كَيْفَ أَقُوْلُ لَهُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ قُوْلِيْ: اَلسَّلَامُ عَلٰى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ (صحيح مسلم) [3]

ترجمہ: پس جبریلِ امین نے فرمایا کہ (اے محمد) آپ کا رب آپ کو حکم دیتا ہے

---

[1] رقم الحديث ۹۷۴ ''۱۰۲'' كتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها.

[2] (اللهم اغفر لأهل بقيع الغرقد) أى مقبرة المدينة، وفيه أن الدعوة الإجمالية على وجه العموم كافية (مرقاة المفاتيح، ج۴ص۱۲۵۸، باب زيارة القبور)

[3] رقم الحديث ۹۷۴ ''۱۰۳'' كتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها.

کہ آپ بقیع قبرستان آکران کے لئے استغفار کریں (اس حکم کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم بقیع قبرستان تشریف لے گئے، اور مرحومین کے لئے مغفرت کی دعاء کی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اُن (قبرستان والوں) کے لئے کیا کہوں (یعنی کس طرح سے دعاء کروں؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ یہ کہو، سلام ہو مومنین اور مسلمین کے گھر والوں پر، اور اللہ ہم سے پہلے جانے والوں اور بعد میں جانے والوں پر رحم (اور ان کی مغفرت) فرمائے، اور بے شک ہم ان شاء اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں (مسلم)

اور مسند احمد کی حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ: بُعِثْتُ إِلٰى أَهْلِ الْبَقِيعِ لِأُصَلِّيَ عَلَيْهِمْ (مسند احمد، رقم الحدیث ۲۴۶۱۲)[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ مجھے بقیع قبرستان والوں کی طرف (اللہ کی جانب سے حکم دے کر) بھیجا گیا، تاکہ میں ان کے لئے استغفار کروں (مسند احمد)

ان احادیث سے قبرستان جاکر مومنوں کے لئے مغفرت وغیرہ کی دعاء کا کرنا ثابت ہوا۔

نیز اس طرح کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبروں پر جانے کا اصل مقصود عبرت حاصل کرنا اور موت کو یاد کرنا ہے، اور اسی کی ساتھ مومنین کی مغفرت وغیرہ کی دعاء کرنا بھی ہے۔

حضرت عائشہ کے قبرِ نبوی پر جانے کا واقعہ

حضرت عروہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: إسناده محتمل للتحسين (حاشية مسند احمد)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَدْخُلُ بَيْتِي الَّذِيْ دُفِنَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِيْ فَأَضَعُ ثَوْبِيْ، وَأَقُوْلُ: إِنَّمَا هُوَ زَوْجِيْ وَأَبِيْ، فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ مَعَهُمْ فَوَاللّٰهِ مَا دَخَلْتُهُ إِلَّا وَأَنَا مَشْدُوْدَةٌ عَلَيَّ ثِيَابِيْ، حَيَاءً مِنْ عُمَرَ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ٢٥٦٦٠، مستدرک حاکم، رقم الحديث ٤٤٠٢) [1]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پہلے میں اس گھر (یعنی حجرہ) میں بعض کپڑوں کے بغیر داخل ہوجاتی تھی، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے والد (یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) دفن ہیں، اور میں (اپنے دل میں) کہتی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے شوہر، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے والد ہیں، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ دفن ہوگئے، تو اللہ کی قسم میں جب بھی وہاں داخل ہوئی، تو میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حیاء کی وجہ سے، اپنے اوپر اپنے کپڑے اوڑھ کر ہی داخل ہوئی (مسند احمد)

مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں دفن ہوئے، اس حجرہ میں جب تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین نہیں ہوئی، اس وقت اس حجرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سر وغیرہ پر کپڑا اوڑھے بغیر چلی جاتی تھیں، پھر بعد میں سر وغیرہ کو ڈھانک کر جانے لگیں۔

چنانچہ بعض روایات سے اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وہاں دفن ہونے سے پہلے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہاں سر کھول کر داخل ہوجاتی تھیں، اور بعد میں سر ڈھانپ کر ہی داخل ہوتی تھیں۔

ابوبکر خلال (المتوفی 311 ہجری) نے درج ذیل الفاظ میں مذکورہ واقعہ کو روایت کیا ہے کہ:

---

[1] قال الحاکم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه.
وقال شعيب الارنؤوط: أثر إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أَدْخُلُ الْبَيْتَ الَّذِيْ فِيْهِ قَبْرُ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِيْ وَأَنَا حَاسِرَةٌ، وَأَقُوْلُ: إِنَّمَا هُوَ أَبِيْ وَزَوْجِيْ، فَلَمَّا دُفِنَ فِيْهِ عُمَرُ لَمْ أَدْخُلْهُ إِلَّا وَأَنَا مُسْتَتِرَةٌ ،حَيَاءً مِّنْ عُمَرَ

(السنة،لابی بکر الخَلَّال الحنبلی) [1]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پہلے میں اس گھر (یعنی حجرہ) میں سر کھول کر (سر پر کپڑا اوڑھے بغیر) داخل ہو جاتی تھی، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے والد (یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) دفن ہیں، اور میں (اپنے دل میں) کہتی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے شوہر، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے والد ہیں (جن سے سر کے پردہ کی ضرورت نہیں) پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ دفن ہو گئے، تو اس کے بعد میں جب بھی اس حجرہ میں داخل ہوئی، تو میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حیاء کی وجہ سے (سر پر) کپڑا اوڑھ کر ہی داخل ہوئی (السنہ)

یہ بات جان لینی چاہئے کہ شوہر اور والد سے عورت کو سر کا پردہ کرنا ضروری نہیں، جبکہ اجنبی اور نامحرم سے سر کا پردہ کرنا ضروری ہے، اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پہلے کھلے سر وہاں داخل ہو جاتی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے نامحرم تھے، اس لیے بعد میں سر ڈھانپ کر ہی داخل ہوتی تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہلِ قبور کا احترام اسی حیثیت سے کرنا چاہئے، جس حیثیت سے ان کی زندگی میں کیا جاتا تھا۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٣٦٤، باب وفاة أبي بكر ومرثية على لأبي بكر.

[2] عن عائشة رضى الله عنها :قوله:(وأقول :إنما هو زوجي) القول بمعنى الاعتقاد، وهو كالتعليل لوضع الثوب فى بيت دفن فيه الرسول صلى الله وعليه وسلم وأبو بكر رضى الله عنه، يعنى جائز لى ذلک، لأنهما محرمان لى، أحدهما زوجي والآخر أبي .والعطف على التقدير، أى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس بحث کا خلاصہ

مذکورہ احادیث کے پیشِ نظر منکرات اور خرابیوں سے بچتے ہوئے قبروں پر یا قبرستان میں حاضری جائز ہے، اور قبر یا قبرستان میں حاضری کا اہم مقصد دنیا کی بے رغبتی کا پیدا ہونا اور موت، قبر و آخرت کو یاد کرنا اور عبرت ونصیحت کا حاصل کرنا ہے۔

ابتدائے اسلام میں جبکہ شرک و بت پرستی اور قبروں کی عبادت کا دور دورہ تھا، اور فسق وفجور اور بدعات کا شیوع تھا، اور یہود و نصاریٰ وغیرہ نے اپنے نبیوں کی قبروں پر اس طرح کی حرکات اختیار کرلی تھیں، اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے اور اس طرح کی حرکات سے منع فرمادیا تھا، تاکہ لوگ کفر وشرک اور گناہوں میں مبتلا نہ ہوں۔

پھر جب لوگوں میں توحید اور ایمان کی پختگی پیدا ہوگئی، اور اس قسم کی خرابیوں سے حفاظت پر اطمینان ہوگیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خرابیوں سے بچتے ہوئے قبروں کی زیارت اور قبرستان میں حاضری کی اجازت دے دی، اور ساتھ ہی قبروں کی زیارت کا مقصد بھی بیان فرمادیا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إنـما هو زوجي والآخر أبي .ويـجـوز أن يكون العطف على الانسحاب، وهو ضمير الشأن، أي إنما الشـأن زوجـي وأبـي مدفونان فيه، وفي الحديث دليل بين على ما ذكر قبل من أنه يجب احترام أهل الـقبور، وتنزيل كل منهم منزلة ما هو عليه في حياته من مراعاة الأدب معهم على قدر مراتبهم، والله أعلم والحمد لله أولا وآخرا والصلاة على سيدنا محمد وآله(شرح الطيبي على مشكاة المصابيح، ج۴، ص۱۴۳۷، كتاب الجنائز،باب زيارة القبور)

(ثوبي) أي بـعض ثيابي، ولذا أفرد هنا وجمع فيما سيأتي، وفي المسند :فأضع ثوبي، بلفظ المتكلم من المضارع .(وأقول) وفي المسند :فأقول، أي في نفسي لبيان عذر الوضع .وقال الطيبي :القول بـمعنى الاعتقاد، وهو كالتعليل لوضع الثوب .(إنما هو) أي الكائن هنا .(زوجي وأبي) أي إنما هو زوجي والآخر أبي، والضمير للشأن، أي إنما الشأن زوجي وأبي مدفونان فيه، أو الضمير للبيت، أي إنـمـا هـو مدفن زوجي وأبي على تقدير مضاف .(فـلـما دفن عمر معهم) فيـه اختيار أن أقل الجمع اثنان .(فـوالـله ما دخلته إلا وأنا مشدودة على ثيابي حياء من عمر) فيـه أنه ينبغي احترام الميت عند زيـارة قبره كاحترامه حيا .قال الطيبي :فـي الـحـديث دليل بين على أنه يجب احترام أهل القبور، وتـنـزيـل كـل مـنـزلـتـه مـا هـو عليه في حياته من مراعاة الأدب معهم على قدر مراتبهم، والله أعلم- انتهى(مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۵،ص ۵۲۰، كتاب الجنائز،باب زيارة القبور)

لہٰذا اس مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر قبروں پر حاضری دینی چاہئے، اور صاحبِ قبر کے لئے دعا کرنی چاہئے، اور وہاں جا کر کوئی خلافِ شریعت حرکت نہیں کرنی چاہئے۔ [1]

اور خصوصیت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کرنا، سنت و مستحب ہے۔ [2]

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ بھی زیارتِ قبور اور بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کو جائز قرار دیتے ہیں، بلکہ وہ اہلِ اسلام کے علاوہ کی قبر کی زیارت کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔

البتہ وہ اس مقصد کے لیے باقاعدہ سفر کرنے کو مکروہ وممنوع قرار دیتے ہیں، اور بعض دوسرے حضرات بھی فتنوں کے سدّ باب کی وجہ سے اس کے لیے باقاعدہ سفر کرنے سے منع کرتے ہیں، جیسا کہ گزرا۔ [3]

---

[1] ومعنى النهى عن زيارة القبور إنما كان فى أول الإسلام عند قربهم بعبادة الأوثان واتخاذ القبور مساجد، فلما استحكم الإسلام وقوى فى قلوب الناس وأمنت عبادة القبور والصلاة إليها نسخ النهى عن زيارتها لأنها تذكر الآخرة وتزهد فى الدنيا(عمدة القارى، ج۸ص ۷۰، باب زيارة القبور)

(زوروا القبور ولا تقولوا هجرا) أى باطلا والهجر الكلام الباطل وفيه إشعار بأن النهى إنما كان لقرب عهدهم بالجاهلية فربما تكلموا بكلام الجاهلية الباطل فلما استقرت قواعد الدين أذن فيه واحتاط فيه بقوله ولا تقولوا هجرا(فيض القدير شرح الجامع الصغير، رقم الحديث۴۵۷۳، حرف الزاى)

قوله صلى الله عليه وسلم " :نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها "أقول :كان نهى عنها لأنها تفتح باب العبادة لها، فلما استقرت الأصول الإسلامية، وإطمأنت نفوسهم على تحريم العبادة لغير الله أذن فيها، وعلل التجويز بأن فائدته عظيمة، وهى أنها تذكر الموت، وأنها سبب صالح للاعتبار بتقلب الدنيا(حجة الله البالغة، ج۲،ص ۶۹،الجنائز)

[2] أجمعت الأمة الإسلامية سلفا وخلفا على مشروعية زيارة النبى صلى الله عليه وسلم.

وقد ذهب جمهور العلماء من أهل الفتوى فى المذاهب إلى أنها سنة مستحبة، وقالت طائفة من المحققين :هى سنة مؤكدة، تقرب من درجة الواجبات، وهو المفتى به عند طائفة من الحنفية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴،ص ۸۳،مادة " زيارة ")

[3] وزيارة القبور جائزة فى الجملة حتى قبور الكفار فإن فى صحيح مسلم عن أبى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم استأذنت ربى أن أستغفر لأمى فلم يأذن لى واستأذنته أن أزور قبرها فأذن لى .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

زیارتِ قبور سے متعلق چند مسائل

احادیث وروایات کے بعد زیارتِ قبور سے متعلق چند اہم مسائل ملاحظہ فرمایئے۔

مسئلہ نمبر 1...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے قبرستان جانے کی مرد حضرات کو بھی ممانعت بیان فرمادی تھی، پھر بعد میں جو اجازت دی گئی، تو آیا یہ اجازت مرد حضرات کے ساتھ ساتھ خواتین کو بھی شامل ہے یا مرد حضرات کے ساتھ خاص ہے؟ اس میں فقہاء وعلماء کا اختلاف واقع ہوا ہے۔

بعض حضرات نے اجازت کو مرد حضرات کے ساتھ خاص ہونے کو ترجیح دی ہے، اور بعض حضرات نے اس اجازت کے مرد حضرات کے ساتھ ساتھ عورتوں کے حق میں بھی ثابت ہونے کو ترجیح دی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وفيه أيضا عنه قال زار النبى صلى الله عليه و سلم قبر أمه فبكى وأبكى من حوله فقال استأذنت ربى أن أستغفر لها فلم يأذن لى واستأذنته فى أن أزور قبرها فأذن لى فزوروا القبور فإنها تذكر الموت .

وفى صحيح مسلم عن بريدة أن النبى صلى الله عليه و سلم قال كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها .

وفى رواية لأحمد والنسائى فمن أراد أن يزر فليزر ولا تقولوا هجرا .

وروى أحمد عن على بن أبى طالب رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال إنى كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها فإنها تذكركم الآخرة .

فقد أذن النبى صلى الله عليه و سلم فى زيارتها بعد النهى وعلل ذلك بأنها تذكر الموت والدار الآخرة وأذن لنا إذنا عاما فى زيارة قبر المسلم والكافر .

والسبب الذى ورد عليه هذا اللفظ يوجب دخول الكافر والعلة وهى تذكر الموت والآخرة موجودة فى ذلك كله ، وقد كان صلى الله عليه و سلم يأتى قبور أهل البقيع والشهداء للدعاء لهم والاستغفار فهذا المعنى يختص بالمسلمين دون الكافرين .

فهذه الزيارة وهى زيارة القبور لتذكر الآخرة أو لتحيتهم والدعاء لهم هى الذى جاء ت به السنة كما تقدم .

وقد اختلف أصحابنا وغيرهم هل يجوز السفر لزيارتها على قولين (اقتضاء الصراط المستقيم مخالفة أصحاب الجحيم،لا بن تيمية، ج۲ص ۱۸۰ ،الیٰ ۱۸۲، فصل فى النوع الثانى من الأمكنة ، ما يتصل بالقبور من زيارتها والصلاة عندها واتخاذها مساجد والبناء عليها)

ہمارا رجحان بھی اسی دوسرے قول کی طرف ہے، جس کی کچھ تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

قاضی عیاض نے صحیح مسلم کی شرح میں فرمایا کہ زیارتِ قبور کی ممانعت کا حکم منسوخ ہوکر، جو اجازت دی گئی، یہ حکم مرد اور عورتوں کے لیے عام ہے، یا مرد حضرات کے ساتھ خاص ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے، اور اجازت کے عام ہونے کا قول زیادہ راجح ہے۔ [1]

اور علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا کہ زیارتِ قبور کی اجازت میں، عورتوں کے داخل ہونے کا قول اکثر حضرات کا ہے، لیکن یہ اس وقت ہے، جبکہ فتنہ سے امن ہو، اور عورتوں کے زیارتِ قبور کے جائز ہونے کی تائید بعض احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

اور بعض حضرات عورتوں کے لیے زیارتِ قبور کو مکروہ قرار دیتے ہیں، اور کراہت کے تحریمی یا تنزیہی ہونے میں بھی اختلاف ہے (کہ بعض مکروہ تحریمی اور بعض مکروہ تنزیہی کہتے ہیں)

اور علامہ قرطبی نے فرمایا کہ جو عورتیں کثرت سے زیارتِ قبور کریں، یہ باعثِ لعنت عمل ہے، کیونکہ بعض احادیث میں مبالغہ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کا کثرت سے زیارتِ قبور کرنا، زوج کے حقوق کی اضاعت اور تبرج اور عورتوں کی جزع فزع و بے صبری وغیرہ کا سبب بنتا ہے، اور جب ان باتوں سے امن ہو، تو پھر عورتوں کے لیے زیارتِ قبور کے جائز ہونے کے لیے کوئی مانع نہیں، کیونکہ موت کو یاد کرنے کی ضرورت، جس طرح مرد حضرات کو ہے، اسی طرح عورتوں کو بھی ہے۔ [2]

---

[1] واختلف العلماء، هل هذا النسخ عام للرجال والنساء؟ أم مخصوص بالرجال؟ وبقى حكم النساء على المنع، والأول أظهر (شرح صحيح مسلم للقاضى عياض المسمى إكمال المعلم بفوائد مسلم، ج٣،ص ٤٥٣، كتاب الجنائز، باب استئذان النبى صلى الله عليه وسلم ربه عز وجل فى زيارة قبر أمه)

[2] فلا تقولوا هجرا أى كلاما فاحشا وهو بضم الهاء وسكون الجيم وله من حديث بن مسعود فإنها تزهد فى الدنيا ولمسلم من حديث أبى هريرة مرفوعا زوروا القبور فإنها تذكر الموت.

قال النووى تبعا للعبدرى والحازمى وغيرهما اتفقوا على أن زيارة القبور للرجال جائزة كذا أطلقوا وفيه نظر لأن بن أبى شيبة وغيره روى عن بن سيرين وإبراهيم النخعى والشعبى الكراهة مطلقا حتى قال الشعبى لولا نهى النبى صلى الله عليه وسلم لزرت قبر ابنتى فلعل من أطلق أراد بالاتفاق ما استقر عليه الأمر بعد هؤلاء وكأن هؤلاء لم يبلغهم الناسخ والله أعلم ومقابل هذا قول بن حزم إن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور فقہ حنفی کی کتاب ''البحر الرائق '' میں ہے کہ زیادہ صحیح قول کے مطابق زیارتِ قبور کی اجازت ورخصت مرد حضرات کے ساتھ ساتھ عورتوں کے حق میں بھی ثابت ہے۔ [1]

اور شمس الائمہ سرخسی حنفی رحمہ اللہ نے المبسوط میں فرمایا کہ ہمارے نزدیک زیادہ صحیح قول کے مطابق زیارتِ قبور کی رخصت واجازت مرد حضرات کے ساتھ ساتھ عورتوں کے حق میں بھی ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی ہر وقت زیارت کرنا ثابت ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد) اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لے گئی تھیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ زيارة القبور واجبة ولو مرة واحدة فى العمر لورود الأمر به.

واختلف فى النساء فقيل دخلن فى عموم الإذن وهو قول الأكثر ومحله ما إذا أمنت الفتنة ويؤيد الجواز حديث الباب وموضع الدلالة منه أنه صلى الله عليه وسلم لم ينكر على المرأة قعودها عند القبر وتقريره حجة.

وممن حمل الإذن على عمومه للرجال والنساء عائشة فروى الحاكم من طريق بن أبى مليكة أنه رآها زارت قبر أخيها عبد الرحمن فقيل لها أليس قد نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن ذلك قالت نعم كان نهى ثم أمر بزيارتها.

وقيل الإذن خاص بالرجال ولا يجوز للنساء زيارة القبور وبه جزم الشيخ أبو إسحاق فى المهذب واستدل له بحديث عبد الله بن عمرو الذى تقدمت الإشارة إليه فى باب اتباع النساء الجنائز وبحديث لعن الله زوارات القبور أخرجه الترمذى وصححه من حديث أبى هريرة وله شاهد من حديث بن عباس ومن حديث حسان بن ثابت.

واختلف من قال بالكراهة فى حقهن هل هى كراهة تحريم أو تنزيه قال القرطبى هذا اللعن إنما هو للمكثرات من الزيارة لما تقتضيه الصفة من المبالغة ولعل السبب ما يفضى إليه ذلك من تضييع حق الزوج والتبرج وما ينشأ منهن من الصياح ونحو ذلك فقد يقال إذا أمن جميع ذلك فلا مانع من الإذن لأن تذكر الموت يحتاج إليه الرجال والنساء(فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج٣، ص١٤٨، قوله باب زيارة القبور أى مشروعيتها)

[1] وقيل تحرم على النساء والأصح أن الرخصة ثابتة لهما(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج٢،ص٢١٠، كتاب الجنائز)

[2] ومن العلماء من يقول :الإذن للرجال دون النساء ، والنساء يمنعن من الخروج إلى المقابر لما روى أن فاطمة -رضى الله عنها -خرجت فى تعزية لبعض الأنصار، فلما رجعت قال لها رسول

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حنفیہ کی فقہی کتاب ''حاشیة الطحطاوی علی المراقی'' میں ہے کہ زیارتِ قبور کی رخصت واجازت، عورتوں کے لیے بھی ثابت ہے، اس طرح سے کہ کوئی فتنہ لازم نہ آئے، اوراصح یعنی زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ زیارتِ قبور کی رخصت واجازت مرد حضرات کے ساتھ ساتھ، عورتوں کے لیے بھی ثابت ہے، کیونکہ حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما زیارتِ قبور کرتی تھیں۔ [1]

اور ردالمحتار میں علامہ شامی رحمہ اللہ نے شرح اللباب سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ اصح قول ہمارے مذہب اور کرخی وغیرہ کا یہی ہے کہ زیارتِ قبور کی رخصت مرد اور خواتین دونوں کے لیے ثابت ہے۔

اور اسی بناء پر خواتین کے لیے قبرِ نبوی کی زیارت بھی جائز ہے، اور ہم قبرِ نبوی کے علاوہ دوسری قبور کی زیارت کو بھی خواتین کے لیے مستحب قرار دیتے ہیں، کیونکہ اصحابِ حنفیہ نے زیارتِ قبور کے استحباب کو خواتین کا استثناء وغیرہ کیے بغیر مستحب رکھا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الله - :صلى الله عليه وسلم -لعلک أتيت المقابر قالت لا، فقال -عليه الصلاة والسلام -لو أتيت ما فارقت جدتک يوم القيامة أى كنت معها فى النار، والأصح عندنا أن الرخصة ثابتة فى حق الرجال والنساء جميعا.

فقد روى أن عائشة -رضى الله عنها -كانت تزور قبر رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فى كل وقت، وأنها لما خرجت حاجة زارت قبر أخيها عبد الرحمن -رضى الله عنه -، وأنشدت عند القبر(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسى، ج۲۴،ص۱۰، كتاب الأشربة)

[1] وحاصله أن محل الرخص لهن إذا كانت الزيارة على وجه ليس فيه فتنة والأصح أن الرخصة ثابتة للرجال والنساء لأن السيدة فاطمة رضى الله تعالى عنها كانت تزور قبر حمزة كل جمعة وكانت عائشة رضى الله تعالى عنها تزور قبر أخيها عبد الرحمن بمكة (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح شرح نور الإيضاح،ص۶۲۰،فصل فى زيارة القبور)

[2] وزيارة قبره مندوبة(الدر المختار)

(قوله مندوبة) أى بإجماع المسلمين كما فى اللباب، وما نسب إلى الحافظ ابن تيمية الحنبلى من أنه يقول بالنهى عنها فقد قال بعض العلماء إنه لا أصل له، وإنما يقول بالنهى عن شد الرحال إلى غير المساجد الثلاث. أما نفس الزيارة فلا يخالف فيها كزيارة سائر القبور، ومع هذا فقد رد كلامه كثير

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ابو عمر یوسف بن عبداللہ قرطبی (المتوفیٰ :463 ہجری) نے فرمایا کہ عورتوں کے لیے زیارتِ قبور کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے، لیکن ظاہری حدیث سے عورتوں کے لیے زیارتِ قبور کا جائز ہونا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ زیارتِ قبور کے جواز کا حکم بیان کرتے ہوئے عورتوں کا استثناء نہیں کیا گیا۔ [1]

اور ابو بکر ابنِ عربی مالکی (المتوفیٰ :543 ہجری) نے فرمایا کہ عورتوں کے لیے زیارتِ قبور کے مکروہ ہونے میں اگرچہ اختلاف ہے، لیکن میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ عورتوں کو زیارتِ قبور جائز ہے۔ [2]

اور ملا علی قاری نے ''مشکاۃ'' کی شرح میں فرمایا کہ یہ احادیث اپنی تعلیلات کے ساتھ، اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ زیارتِ قبور کے سلسلہ میں عورتیں، مرد حضرات والا حکم رکھتی ہیں (یعنی ان کو زیارتِ قبور جائز ہے) جب وہ اپنے حق میں معتبر شرائط کا لحاظ کر کے زیارت کریں، جہاں تک زیارتِ قبور کرنے والی عورتوں پر لعنت ہونے کا تعلق ہے، تو وہ کسی حرام

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

من العلماء وللإمام السبكى فيه تأليف منيف .قال فى شرح اللباب :وهل تستحب زيارة قبره - صلى الله عليه وسلم -للنساء ؛ الصحيح نعم بلا كراهة بشروطها على ما صرح به بعض العلماء . أما على الأصح من مذهبنا وهو قول الكرخى وغيره من أن الرخصة فى زيارة القبور ثابتة للرجال والنساء جميعا فلا إشكال .وأما على غيره فكذلك نقول بالاستحباب لإطلاق الأصحاب (رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص۶۲۶، كتاب الحج،فروع فى الحج،حرم المدينة ومكة)

[1] العلماء اختلفوا فى ذلك على وجهين أحدهما أن الإباحة فى زيارة القبور إباحة عموم كما كان النهى عن زيارتها نهى عموم ثم ورد النسخ بالإباحة على العموم فجائز للنساء والرجال زيارة القبور على ظاهر هذا الحديث لأنه لم يستثن فيه رجلا ولا امرأة(التمهيد لما فى الموطأ من المعانى والأسانيد، ج۳،ص۲۳۰،باب الراء ،حديث حادى عاشر)

[2] فاختلف العلماء فيه، هل دخل فى النسخ فأذن للنساء كما أذن للرجال؟ أم رخص للرجال وبقى النساء على المنع؟

والصحيح عندى الإذن لهن، وإن كان اختلف فى كراهية الزيارة لهن(المسالِك فى شرح مُوَطَّأ مالك، ج۳،ص۵۶۷،الوقوف للجنائز والصلاة على المقابر)

فعل مثلاً نوحہ وغیرہ کا ارتکاب کرنے کی صورت پر محمول ہے۔ [1]

اور شیخ محمد بن علی اثیوبی نے ''سنن نسائی کی شرح'' میں فرمایا کہ اس مسئلہ میں راجح قول اکثر اہلِ علم کا ہے کہ زیارتِ قبور مرد حضرات اور عورتوں دونوں کے لیے جائز ہے، کیونکہ اس سلسلہ میں صحیح احادیث مروی ہیں۔

پھر چند احادیث نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ جہاں تک زیارتِ قبور کرنے والی عورتوں پر لعنت کی احادیث کا تعلق ہے، تو اولاً تو ان کی اسنادی حیثیت جواز والی حدیث سے کم تر ہے۔

دوسرے وہ احادیث زیارتِ قبور کی ممانعت منسوخ ہونے سے پہلے کی ہیں، جس کی توضیح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابنِ ابی ملیکہ کے جواب میں فرمائی۔

تیسرے وہ احادیث اس صورت پر محمول ہیں، جبکہ عورتوں کی طرف سے زیارتِ قبور کسی گناہ مثلاً نوحہ، جزع وفزع اور بے پردگی یا زیب وزینت اختیار کر کے خروج پر مشتمل ہو۔

خلاصہ یہ کہ عورتوں کے لیے زیارتِ قبور کا فی نفسہٖ جائز ہونا صواب اور راجح ہے، بشرطیکہ عورتیں شرعی واجبات کا التزام کریں، بایں طور کہ باپردہ ہوں، خوشبو لگا کر نہ نکلیں، اپنی زیب وزینت کا اظہار نہ کریں، اور نوحہ وغیرہ کے محذورات کا ارادہ کر کے نہ نکلیں، بلکہ سلام اور میت کے لیے دعاء کرنے اور موت وآخرت کو یاد کرنے وغیرہ کی غرض سے نکلیں۔ [2]

---

[1] فهذه الأحاديث بتعليلاتها تدل على أن النساء كالرجال فى حكم الزيارة، إذا زرن بالشروط المعتبرة فى حقهن، ويؤيد الخبر السابق أنه -صلى الله عليه وسلم -مر بالمرأة فأمرها بالصبر ولم ينهها عن الزيارة، وأما خبر :لعن الله زوارات القبور فمحمول على زيارتهن لمحرم كالنوح وغيره مما اعتدنه، وفى قوله -صلى الله عليه وسلم -فإنها تدمع العين فى الحديث السابق دليل(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۴،ص۱۲۵۵، كتاب الجنائز،باب زيارة القبور)

[2] الراجح فى هذه المسألة هو ما عليه أكثر أهل العلم، من أن زيارة القبور جائزة للرجال والنساء ؛ لصحة الأحاديث بذلك:

فمنها :حديث الباب، فإن الخطاب، وإن كان للذكور، إلا أنه يشمل النساء بدليل الأحاديث الأخرى.

ومنها :حديث عائشة -رضى الله عنها -الذى أخرجه مسلم، من حديثها الطويل، وفيه :أنها قالت :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عورتوں کے لیے زیارتِ قبور کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے دو روایات مروی ہیں، جو ردالمحتار میں مذکور ہیں، جن کا مبنیٰ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے زیارتِ قبور سے منع فرمایا تھا، پھر اس کی اجازت دے دی تھی، اور یہ اجازت مرد حضرات کے لیے تھی، اور جواز کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ مرد حضرات کو اجازت دینا، عورتوں کو بھی شامل ہے، جیسا کہ قرآن کی اکثر آیات کا انداز یہی ہے کہ ان میں حکم مرد

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قلت :كيف أقول لهم يا رسول الله؟ :قال" :قولي :السلام على أهل الديار، من المؤمنين، والمسلمين، ويرحم الله المستقدمين منا، والمستأخرين، وإنا إن شاء الله بكم للاحقون ."فإنه -صلى الله عليه وسلم -علمها ما يشرع قوله عند زيارة القبور، ولم يمنعها من الزيارة، فدل على جوازه للنساء .

ومنها :ما أخرجه الحاكم بإسناد صحيح من طريق أبي التياح يزيد بن حميد، عن عبد الله بن أبي مليكة" :أن عائشة -رضي الله عنها -أقبلت ذات يوم من المقابر، فقلت لها :يا أم المؤمنين، من أين أقبلت؟ قالت من قبر أخي عبد الرحمن بن أبي بكر، فقلت لها :أليس كان رسول الله -صلى الله عليه وسلم -نهى عن زيارة القبور؟ قالت :نعم كان نهى، ثم أمر بزيارتها.

ومنها :حديث أنس -رضي الله عنه -عند البخاري، وقد تقدم قريبا، فإنه -صلى الله عليه وسلم -لم ينكر عليها زيارتها للقبر، وإنما أنكر عليها البكاء، وعدم الصبر، ولذلك استدل به الإمام البخاري على جواز زيارة القبور، ولم يذكر من الأحاديث الدالة على الجواز في "باب زيارة القبور" غيره، قال الحافظ في "الفتح :"وكأنه لم تثبت على شرطه الأحاديث المصرحة بالجواز.

والحاصل أن هذه الأحاديث الصحاح تدل دلالة واضحة على جواز زيارة القبور للنساء .ولم يأت المانعون بحجة تعارض هذه الأحاديث الصحاح، فكل ما استدلوا به من الأحاديث لا يخلو من كلام.

فمنها :حديث أبي هريرة -رضي الله عنه -الذي تقدم" :أنه -صلى الله عليه وسلم -لعن زورات القبور"، فهو وإن صححه الترمذي، إلا أن في سنده عمر بن أبي سلمة بن عبد الرحمن بن عوف، والأكثرون على تضعيفه.

ومنها :حديث حسان بن ثابت -رضي الله عنه -، أخرجه أحمد، وابن ماجه، واللفظ له" :لعن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -زوارات القبور ."وفي سنده عبد الرحمن بن بهمان، لم يرو عنه غير عبد الله بن عثمان بن خثيم، وقال ابن المديني :لا يعرف، ووثقه بعضهم.

ومنها :حديث ابن عباس -رضي الله عنهما -، أخرجه أبو داود، والمصنف، كما سيأتي قريبا، وابن ماجه، بلفظ" :لعن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -زائرات القبور، والمتخذين عليها السرج ." وفي سنده أبو صالح باذان، أو باذام، مولى أم هانىء ضعفوه، ومنهم من كذبه.

فهذه الأحاديث، وإن قيل:إنها يتقوى بعضها ببعض، لكنها لا تعارض الأحاديث السابقة الصحيحة، لأمور:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرات کے لیے ہوتا ہے، اورعورتیں اس حکم میں تابع ہوکر شامل ہوتی ہیں، اورابنِ عابدین شامی نے دونوں روایتوں میں تردد اختیار کیا ہے، اورمیرے نزدیک دونوں روایتوں میں جمع وتفریق کی جائے گی، اور یہ کہا جائے گا کہ اختلافِ احوال کی وجہ سے حکم مختلف ہوگا، اگر عورتیں زیارتِ قبور کرتے ہوئے جزع وفزع اور بے صبری کا مظاہرہ کریں، تو انہیں منع کیا جائے گا، ورنہ منع نہیں کیا جائے گا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أحدهما :رجحان تلک عليها، من حيث الصحة.

الثانى :أن الظاهر كون النبى -صلى الله عليه وسلم -قالها قبل النسخ، كما بينته عائشة -رضى الله تعالى -عنها، لما سألها ابن أبى مليكة، كما تقدم.

الثالث :أنها محمولة على ما إذا كانت زيارتهن مشتملة على محظور، من النياحة،والجزع، وتجديد الحزن، أو من التبرج، والتزين الذى يتسبب للفتنة.

وقد تقدم عن القرطبى -رحمه الله تعالى-، أن اللعن المذكور فى الحديث إنما هو للمكثرات من الزيارة، لما تقتضيه الصيغة من المبالغة، ولعل السبب ما يفضى إليه ذلک من تضييع حق الزوج والتبرج، وما ينشأ من الصياح، وقد يقال :إذا أمن جميع ذلک فلا مانع من الإذن لهن، لأن تذكر الموت يحتاج إليه الرجال والنساء انتهى.

قال الشوكانى -رحمه الله تعالى :-وهذا الكلام هو الذى ينبغى اعتماده فى الجمع بين أحاديث الباب المتعارضة فى الظاهر انتهى.

والحاصل أن الصواب جواز زيارة القبور للنساء ، لكن بشرط أن يكن ملتزمات ما أوجب الشرع عليهن عند الخروج إلى المساجد، ونحوها، بأن يكن محتجبات، غير متطيبات، وغير مظهرات زينتهن، وغير قاصدات للمحظور المذكور، من النياحة، بل لمجرد السلام، والدعاء للميت، وتذكر الآخرة، والاعتبار بأصحاب القبور، كما بين النبى -صلى الله عليه وسلم -ذلک حينما أمر بزيارتها، بقوله" :إنها تذكر الآخرة"، وقوله" :تزهد فى الدنيا"، و"ترق القلب، وتدمع العين"، وأشار -صلى الله عليه وسلم -إلى اجتناب المحظورات بقوله " :فلا تقولوا هجرا (شرح سنن النسائى المسمى ذخيرة العقبى فى شرح المجتبى، ج٢٠ ص٢٨ الیٰ٣٠ ،كتاب الجنائز،زيارة القبور)

[1] قوله :(زائرات القبور إلخ) فى زيارة القبور للنساء عن أبى حنيفة روايتان ذكرهما فى رد المحتار، وبناء رواية النهى أنه عليه الصلاة والسلام نهى عن زيارة القبور ثم أجاز، وقال :ألا فزوروها إلخ والإجازة للرجال وبناء رواية الجواز أن حكم النسوان والرجال واحد كما هو دأب أكثر آيات القرآن فإن الحكم فيها للرجال وتكون النسوان تابعة لهم دأب هاهنا، ثم تردد ابن عابدين فى الروايتين، وعندى يجمع فى الروايتين ويقال باختلاف الحكم باختلاف الأحوال للركن يجزعن يمنعن وإلا فلا(العرف الشذى شرح سنن الترمذى، ج ١ ،ص ٣٢٢،أبواب الصلاة،باب ما جاء فى كراهية أن يتخذ على القبر مسجدا)

اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے فرمایا کہ:

”عن ابن عباس قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور“

عورتوں کی زیارتِ قبور کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے دو روایتیں ہیں، ایک کراہتِ تحریمی کی، اور دوسری جواز کی۔

ان دونوں روایتوں میں صحیح تطبیق یہ ہے کہ عورتوں سے اگر قبروں پر جزع وفزع کا اندیشہ ہو، یا بے پردگی کا خوف ہو، تو مکروہ ہے، ورنہ جائز۔

جہاں تک حدیثِ باب کا تعلق ہے، سو وہ بظاہر اس وقت سے متعلق ہے، جب زیارتِ قبور مطلقاً ناجائز تھی، جیسا کہ اس ممانعت اور پھر اس کے منسوخ ہونے کا علم حضرت بریدہ کی روایت سے ہوتا ہے **”کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور، فزوروھا“** بہرحال زیارتِ قبور کی ممانعت منسوخ ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ یہ نسخ اور ”زوروا“ کا حکم رجال ونسآء دونوں ہی کے لیے ہے، کیونکہ قرآن وحدیث میں بکثرت احکام بیان کرتے ہوئے صیغۂ مذکر سے خطاب کیا گیا ہے، جبکہ باتفاق ان احکام میں عورتیں بھی شریک ہیں (درسِ ترمذی، جلد دوم، صفحہ ۱۰۶، بقیۃ ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی کراھیۃ ان یتخذ علی القبر مسجدا، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی)

عرب کے مشہور عالمِ دین جناب شیخ ناصرالدین البانی صاحب نے مفصل ومدلل انداز میں زیارتِ قبور کے مستحب ہونے کا حکم، مرد حضرات کے ساتھ عورتوں کے لیے بھی قرار دیا ہے، اور اس سلسلہ میں انہوں نے متعدد احادیث اور روایات کو مستدل بنایا ہے۔[1]

---

[1] والنساء کالرجال فی استحباب زیارۃ القبور، لوجوہ :الأول :عموم قولہ صلی اللہ علیہ وسلم (.. فزوروا القبور) فیدخل فیہ النساء .
وبیانہ :أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما نھی عن زیارۃ القبور فی أول الامر.
فلا شک أن النھی کان شاملا للرجال والنساء معا، فلما قال (کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور) کان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور شیخ ناصر الدین البانی صاحب نے علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی طرح حدیث میں مذکور اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ مفهوما أنه كان يعنى الجنسين ضرورة أنه يخبرهم عما كان فى أول الامر من نهى الجنسين، فإذا كان الامر كذلك، كان لزاما أن الخطاب فى الجملة الثانية من الحديث وهو قوله :(فزوروها) إنما أراد به الجنسين أيضا.

ويؤيده أن الخطاب فى بقية الافعال المذكورة فى زيادة مسلم فى حديث بريدة المتقدم آنفا: (ونهيتكم عن لحوم الاضاحى فوق ثلاث فأمسكوا ما بدا لكم، ونهيتكم عن النبيذ إلا فى سقاء فاشربوا فى الاسقية كلها ولا تشربوا مسكرا)، أقول :فالخطاب فى جميع هذه الافعال موجه إلى الجنسين قطعا، كما هو الشأن فى الخطاب الأول :(كنت :نهيتكم)، فإذا قيل بأن الخطاب فى قوله (فزوروها) خاص بالرجال، اختل نظام الكلام وذهبت طراوته، الامر الذى لا يليق بمن أوتى جوامع الكلم، ومن هو أفصح من نطق بالضاد، صلى الله عليه وسلم، ويزيده تأييدا الوجوه الاتية:

الثانى :مشاركتهن الرجال فى العلة التى من أجلها شرعت زيارة القبور :(فإنها ترق القلب وتدمع العين) وتذكر الاخرة.

الثالث :أن النبى صلى الله عليه وسلم قد رخص لهن فى زيارة القبور، فى حديثين حفظتهما لنا أم المؤمنين عائشة رضى الله عنها:

- 1عن عبد الله بن أبى مليكة :(أن عائشة أقبلت ذات يوم من المقابر، فقلت لها :يا أم المؤمنين من أين أقبلت؟ قالت :من قبر عبد الرحمن بن أبى بكر، فقلت لها :أليس كان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن زيارة القبور؟ قالت :نعم :ثم أمر بزيارتها)

وفى رواية عنها (أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص فى زيارة القبور)

أخرجه الحاكم (376 /1) وعنه البيهقى (78 /4) من طريق بسطام بن مسلم عن أبى التياح يزيد بن حميد عن عبد الله بن أبى مليكة، والرواية الاخرى لابن ماجه (475 /1) قلت :سكت عنه الحاكم، وقال الذهبى (صحيح)، وقال البوصيرى فى (الزوائد) :(1 /988) (إسناده صحيح رجاله ثقات.وهو كما قالا)

وقال الحافظ العراقى فى (تخريج الاحياء) :(418 /4) (رواه ابن أبى الدنيا فى (القبور) والحاكم بإسناد جيد)

- 2 عن محمد بن قيس بن مخرمة بن المطلب أنه قال يوما :ألا أحدثكم عنى وعن أمى؟ فظننا أنه يريد أمه التى ولدته، قال :قالت عائشة :ألا أحدثكم عنى وعن رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قلنا :بلى :قالت:(لما كانت ليلتى التى كان النبى صلى الله عليه وسلم فيها عندى، انقلب فوضع رداء ه، وخلع نعليه، فوضعهما عند رجليه، وبسط طرف إزاره على فراشه، فاضطجع، فلم يلبث إلا ريثما ظهر أنه قد رقدت، فأخذ رداء ه رويدا، وانتعل رويدا، وفتح الباب (رويدا)، فخرج، ثم أجافه رويدا، فجعلت درعى فى رأسى واختمرت :وتقنعت إزارى، ثم انطلقت على اثره حتى جاء البقيع، فقام فأطال القيام، ثم رفع يديه ثلاث مرات، ثم انحرف فانحرفت، وأسرع فأسرعت .فهرول فهرولت .فأحضر فأحضرت، فسبقته، فدخلت، فليس إلا أن اضجعت، فدخل فقال، مالك يا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لعنت کو کثرت سے قبروں کی زیارت کرنے یعنی بکثرت جانے اور اس کا اہتمام کرتے رہنے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عائش حشيا رابية؟ قالت :قلت :لا شء (يا رسول الله)، قال :لتخبرنى أو ليخبرنى اللطيف الخبير، قالت :قلت :يا رسول الله بأبى أنت وأمى، فأخبرته (الخبر)، قال :فأنت السواد الذى رأيت أمامى؟ قلت :نعم، فلهزنى فى صدرى لهزة أوجعتى، ثم قال :أظننت أن يحيف الله عليک ورسوله!؟ قالت :مهما يكتم الناس يعلمه الله، (قال) :نعم قال فان جبريل أتانى حين رأيت فنادانى -فأخفاه منک، فأجبته، فأخفيته منک، ولم يكن ليدخل عليک، وقد وضعت ثيابک وظننت أن قد رقدت، فكرهت أن أو فظک، وخشيت أن تستوحشى -فقان :إن ربک يأمرک أن تأتى أهل البقيع فتستغفر لهم،قالت :قلت :كيف أقول لهم يا رسول الله؟ قال :قولى :السلام على أهل الديار من المؤمنين والمسلمين، ويرحم الله المستقدمين منا والمستأخرين، وإنا إن شاء الله بكم للاحقون) أخرجه مسلم (3/ 14) والسياق له والنسائى (1/286،2/160،160-161) وأحمد (6/ 221) والزيادات له إلا الأولى والثالثة فإنها للنسائى .

الرابع :إقرار النبى صلى الله عليه وسلم المرأة التى رآها عند القبر فى حديث أنس رضى الله عنه: (مر رسول الله صلى الله عليه وسلم بامرأة عند قبر وهى تبكى، فقال لها :اتقى الله واصبرى ..) رواه البخارى وغيره، وقد مضى بتمامه فى المسألة (19) (ص 22)، وترجم له (باب زيارة القبور)، قال الحافظ فى (الفتح) :(وموضع الدلالة منه أنه صلى الله عليه وسلم لم ينكر على المرأة قعودها عند القبر، وتقريره حجة)

وقال العينى فى (العمدة) :(3/ 76) (وفيه جواز زيارة القبور مطلقا، سواء كان الزائر رجلا أو امرأة: وسواء كان المزور مسلما أو كافرا، لعدم الفصل فى ذلک)

وذكر نحوه الحافظ أيضا فى آخر كلامه على الحديث فقال عقب قوله (لعدم الاستفصال فى ذلک) :(قال النووى :وبالجواز قطع الجمهور، وقال صاحب الحاوى :لا تجوز زيارة قبر الكافر وهو غلط انتهى)

وما دل عليه الحديث من جواز زيارة المرأة هو المتبادر من الحديث، ولكن إنما يتم ذلک إذا كانت القصة لم تقع قبل النهى، وهذا هو الظاهر، إذا تذكرنا ما أسلفناه من بيان أن النهى كان فى مكة، وأن القصة رواها أنس وهو مدنى جاء ت به أمه أم سليم إلى النبى صلى الله عليه وسلم حين قدم المدينة، وأنس ابن عشر سنين، فتكون القصة مدنية، فثبت أنها بعد النهى، فتم الاستدلال بها على الجواز، وأما قول ابن القيم فى (تهذيب السنن) :(4/ 350) (وتقوى الله، فعل ما أمر به وترک ما نهى عنه، ومن جملتها النهى عن الزيارة)

فصحيح لو كان عند المرأة علم بنهى النساء عن الزيارة وأنه استمر ولم ينسخ، فحينئذ يثبت قوله: (ومن جملتها النهى عن الزيارة) أما وهذا غير معروف لدينا فهو استدلال غير صحيح، ويؤيده أنه لو كان النهى لا يزال مستمرا لنهاها رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الزيارة صراحة وبين ذلک لها، ولم يكتف بأمرها بتقوى الله بصورة عامة، وهذا ظاهر إن شاء الله تعالى.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

والی عورتوں پر محمول کیا ہے۔ ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

- 120لكن لا يجوز لهن الاكثار من زيارة القبور والتردد عليها، لان ذلک قد يفضى بهن إلى مخالفة الشريعة، من مثل الصياح والتبرج واتخاذ القبور مجالس للنزهة، وتضييع الوقت فى الكلام الفارغ، كما هو مشاهد اليوم فى بعض، البلاد الاسلامية، وهذا هو المراد -إن شاء الله -بالحديث المشهور :(لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم (وفى لفظ :لعن الله) زوارات القبور)
وقد روى عن جماعة من الصحابة :أبو هريرة، حسان بن ثابت، وعبد الله ابن عباس.
- 1أما حديث أبى هريرة، فهو من طريق عمر بن أبى سلمة عن أبيه عنه.
أخرجه الترمذى (156 /2 ـ تحفة) وابن ماجه (478 /1) وابن حبان (789) والبيهقى)(78 /4) والطيالسى (171 /1 ــ ترتيبه) وأحمد (337 /2)، واللفظ الاخر للطيالسى والبيهقى، وقال الترمذى :(حديث حسن صحيح، وقد رأى بعض أهل العلم أن هذا كان قبل أن يرخص النبى فى زيارة القبور .فلما رخص دخل فى رخصته الرجال والنساء .وقال بعضهم :إنما كره زيارة القبور فى النساء لقلة صبرهن وكثرة جزعهن)
قلت :ورجال إسناد الحديث ثقات كلهم، غير أن فى عمر بن أبى سلمة كلاما لعل حديثه لا ينزل به عن مرتبة الحسن، لكن حديثه هذا صحيح لما له من الشواهد الاتية.
- 2وأما حديث حسان بن ثابت، فهو من طريق عبد الرحمن بن بهمان عن عبد الرحمن بن ثابت عن أبيه به.
أخرجه ابن أبى شيبة (141 /4) وابن ماجه (478 /1) والحاكم (374 /1) والبيهقى وأحمد (/2 243) وقال البوصيرى فى (الزوائد) (ق 2 /98) :(إسناده صحيح، رجاله ثقات) .كذا قال، وابن بهمان هذا لم يوثقه غير ابن حبان والعجلى، وهما معروفان بالتساهل فى التوثيق، وقال ابن المدينى فيه :(لا نعرفه)، ولذا قال الحافظ فى (التقريب) :(مقبول) يعنى عند المتابعة، ولم أجد له متابعا، لكن الشاهد الذى قبله وبعده فى حكم المتابعة، فالحديث مقبول.
- 3وأما حديث ابن عباس، فهو من طريق أبى صالح عنه باللفظ الأول إلا أنه قال :(زائرات القبور) وفى رواية (زوارات)
أخرجه ابن أبى شيبة (140 /4) وأصحاب السنن الاربعة وابن حبان (788) والحاكم والبيهقى والطيالسى والرواية الاخرى لهما، وأحمد (رقم 2030، 2603، 2986، 3118) وقال الترمذى: (حديث حسن، وأبو صالح هذا مولى أم هانى بنت أبى طالب واسمه باذان، ويقال :باذام)
قلت :وهو ضعيف بل اتهمه بعضهم، وقد أوردت حديثه فى (سلسلة الاحاديث الضعيفة) لزيادة تفرد بها فيه، وذكرت بعض أقوال الائمة فى حاله فيراجع (223)(أحكام الجنائز، للألبانى ،ص ١٨٠ الیٰ ١٨٦ ،زيارة القبور)

؎ فقد تبين من تخريج الحديث أن المحفوظ فيه إنما هو بلفظ (زوارات) لاتفاق حديث أبى هريرة وحسان عليه وكذا حديث ابن عباس فى رواية الاكثرين، على ما فيه من ضعف فهى إن لم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ہمارے نزدیک بھی معتدل وراجح یہی ہے کہ خواتین کو شرائط کی پابندی کرتے ہوئے زیارتِ قبور کرنا جائز ہے، لیکن عورتوں کے کثرت سے زیارتِ قبور میں چونکہ جزع فزع اور شرائط کی خلاف ورزی کا زیادہ امکان پایا جاتا ہے، اس لیے عام حالات میں عورتوں کو کثرت سے زیارتِ قبور کا اہتمام مناسب نہیں۔

مسئلہ نمبر 2...... عبرت حاصل کرنے اور موت کو یاد کرنے کی غرض سے غیر مسلم کی قبر کی زیارت کرنا بھی اکثر فقہائے کرام کے نزدیک جائز ہے، البتہ غیر مسلم میت کے لیے مغفرت کی دعاء یا اس کی قبر پر سلام کرنا جائز نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تصلح للشهادة فلا تضر، كما لا يضر فى الاتفاق المذكور الرواية الاخرى من حديث ابن عباس كما هو ظاهر، وإذا كان الامر كذلک فهذا اللفظ (زوارات) إنما يدل على لعن النساء اللاتى يكثرن الزيارة.

بخلاف غيرهن فلا يشملهن اللعن، فلا يجوز حينئذ أن يعارض بهذا الحديث ما سبق من الاحاديث الدالة على استحباب الزيارة للنساء، لانه خاص وتلک عامة.

فيعمل بكل منهما فى محله، فهذا الجمع أولى من دعوى النسخ، وإلى نحو ما ذكرنا ذهب جماعة من العلماء، فقال القرطبى :(اللعن المذكور فى الحديث إنما هو للمكثرات من الزيارة لما تقتضيه الصيغة من المبالغة، ولعل السبب ما يفضى إليه ذلک من تضييع حق الزوج والتبرج.وما ينشأ من الصياح ونحو ذلک وقد يقال :إذا أمن جميع ذلک فلا مانع من الاذن لهن، لان تذكر الموت يحتاج إليه الرجال والنساء)

قال الشوكانى فى (نيل الاوطار) :(95 /4) (وهذا الكلام هو الذى ينبغى اعتماده فى الجمع بين أحاديث الباب المتعارضة فى الظاهر)

ويجوز زيارة قبر من مات على غير الاسلام للعبرة فقط.

وفيه حديثان:

الأول :عن أبى هريرة قال :(زار النبى صلى الله عليه وسلم قبر أمه .فبكى :وأبكى من حوله، فقال : استأذنت ربى فى أن أستغفر لها، فلم يؤذن لى، واستأذنته فى أن أزور قبرها فأذن لى، فزوروا القبور فإنها تذكر الموت)(أحكام الجنائز، للألبانى ،ص ١٨٦ ،١٨٧ ،زيارة القبور)

[1] زيارة قبر الكافر:

ذكر الشافعية والحنابلة أن زيارة قبر الكافر جائزة.

وقال الماوردى :تحرم زيارة قبر الكافر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر 3...... زیارتِ قبور کے لیے سفر کرنے کو علامہ ابنِ تیمیہ اور بعض دیگر علماء نے ناجائز قرار دیا ہے۔

لیکن اکثر فقہائے کرام نے اس کو جائز قرار دیا ہے، بشرطیکہ کسی گناہ اور حرام کام کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

جس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ احادیث میں ''زیارتِ قبور'' کے الفاظ کے ساتھ قبروں پر حاضری کی اجازت یا حکم دیا گیا ہے، اور ''زیارت'' جس طرح سفر کے بغیر ہو سکتی ہے، اسی طرح سفر کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے۔

اسی وجہ سے شریعت کی طرف سے جن مقاصد کے لیے ''زیارت'' کی اجازت یا حکم دیا گیا ہے، ان میں زیارت کی غرض سے سفر کرنے کی صورت بھی شامل ہے۔

اور بعض احادیث میں اس کی تصریح بھی آئی ہے۔

مثلاً اللہ کی رضا کے لیے مسلمان کی زیارت کرنے کی بڑی فضیلت ہے، اور اس زیارت کے لیے سفر کرنا بھی جائز ہے۔ [1]

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَزُوْرُ الْأَنْصَارَ وَيُسَلِّمُ عَلٰى

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الحنابلة :ولا يسلم من زار قبر كافر عليه، ولا يدعو له بالمغفرة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص ۸۹، مادة ''زيارة القبور'')

وفيه :جواز زيارة القبور مطلقا، سواء كان الزائر رجلا أو امرأة، وسواء كان المزور مسلما أو كافرا لعدم الفصل فى ذلك .وقال النووى :وبالجواز قطع الجمهور، وقال الماوردى :لا يجوز زيارة قبر الكافر، مستدلا بقوله تعالى :ولا تقم على قبره .وهذا غلط .وفى الاستدلال بالآية المذكورة نظر لا يخفى(عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج۸، ص ۶۹ ،باب زيارة القبور)

[1] زيارة الصالحين، والإخوان:

تسن زيارة الصالحين والإخوان، والأصدقاء والجيران، والأقارب وصلتهم، وينبغى أن تكون زيارتهم على وجه يرتضونه، وفى وقت لا يكرهونه .كما يستحب أن يطلب من أخيه الصالح أن يزوره ويكثر زيارته إذا لم يشق ذلك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص ۸۲، مادة '' زيارة '')

صِبْيَانِهِمْ وَيَمْسَحُ رُؤُوسَهُمْ (صحیح ابن حبان) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی زیارت کیا کرتے تھے، اوران کے بچوں کو سلام کیا کرتے تھے، اوران بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے (ابنِ حبان)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ عَادَ مَرِيْضًا أَوْ زَارَ أَخًا لَهُ فِي اللّٰهِ نَادَاهُ مُنَادٍ أَنْ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا (سنن الترمذی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مریض کی عیادت یا اپنے بھائی کی زیارت اللہ کی رضا کے لئے کی، تو اس کو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ایک ندا دینے والا کہتا ہے کہ تو خوش نصیب ہے، اور تیرا چلنا بھی مبارک ہے، اور تو نے جنت میں اپنے لئے منزل تیار کرلی ہے (ترمذی)

---

[1] رقم الحدیث ۴۵۹، کتاب البر والاحسان، باب الرحمة.

قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحیح (حاشیة مسند احمد)

[2] رقم الحدیث ۲۰۰۸، ابواب البر و الصلة، باب ما جاء فی زیارة الإخوان، سنن ابنِ ماجه، رقم الحدیث ۱۴۴۳، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی ثواب من عاد مریضا.

قال الترمذی:

هذا حدیث غریب وأبو سنان اسمه عیسی بن سنان، وقد روی حماد بن سلمة، عن ثابت، عن أبی رافع، عن أبی هریرة، عن النبی صلی الله علیه وسلم شیئا من هذا.

وقال المنذری:

رواه ابن ماجه والترمذی واللفظ له وقال حدیث حسن وابن حبان فی صحیحه کلهم من طریق أبی سنان عن عثمان بن أبی سودة عنه (الترغیب والترهیب، ج۳ص۲۴۷، کتاب البر والصلة وغیرهما، الترغیب فی زیارة الإخوان والصالحین وما جاء فی إکرام الزائرین)

و قال الالبانی:

وللحدیث شاهد من حدیث أبی هریرة. أخرجه البخاری فی "الأدب المفرد (رقم ۳۴۵)" والترمذی وحسنه فی نسخة، وصححه ابن حبان (۷۱۲) وإسناده صالح للاستشهاد به (سلسلة الاحادیث الصحیحة، تحت رقم الحدیث ۲۶۳۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ أَتٰى أَخًا لَهُ يَزُوْرُهُ فِي اللّٰهِ إِلَّا نَادَاهُ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ: أَنْ طِبْتَ، وَطَابَتْ لَكَ الْجَنَّةُ، وَإِلَّا قَالَ اللّٰهُ فِيْ مَلَكُوْتِ عَرْشِهٖ: زَارَ فِيَّ وَعَلَيَّ قِرَاهُ، فَلَمْ أَرْضَ لَهُ بِقِرًى دُوْنَ الْجَنَّةِ (مسند ابی یعلیٰ الموصلی) [1]

---

[1] رقم الحديث ۴۱۴۰، ج۷ص۱۲۲، مسند انس بن مالك، مسند البزار، رقم الحديث ۶۴۶۲.

قال المنذرى:

رواه البزار وأبو يعلى بإسناد جيد(الترغيب والترهيب، ج۳ص۲۴۷، تحت رقم الحديث ۳۸۹۲، كتاب البر والصلة وغيرهما، الترغيب فى زيارة الإخوان والصالحين وما جاء فى إكرام الزائرين)

وقال الهيثمى:

رواه البزار وأبو يعلى، ورجال أبى يعلى رجال الصحيح غير ميمون بن عجلان، وهو ثقة (مجمع الزوائد، ج۸ص۱۷۳، تحت رقم الحديث ۱۳۵۹۱، باب الزيارة واكرام الزائرين)

و قال الالبانى:

قلت :وجل هؤلاء ممن يحسن العلماء حديثهم عادة، فليكن مثلهم من قيل فيه " :هو شيخ "، ويؤيده أن الحافظ المنذرى جود إسناد حديث هذا الشيخ ، فقال عقبه فى " الترغيب(۳/ ۲۳۹) " "رواه البزار وأبو يعلى بإسناد جيد ."ووثقه الهيثمى، فقال فى "المجمع(۸/ ۱۷۳) "رواه البزار وأبو يعلى، ورجال أبى يعلى رجال "الصحيح " غير ميمون بن عجلان، وهو ثقة ." ولعل تصريحه بتوثيقه إياه، إنما هو اعتماد منه على توثيق ابن حبان، فقد أورده فى "الثقات "كما يستفاد من "التعجيل "، وإن لم أره فى نسخة الظاهرية من " الثقات "، فإن فيها خرما .ثم طبع كتاب "الثقات "وقد أورده فيه(۷/ ۴۷۳) برواية محبوب بن الحسن وأهل البصرة عنه .وهذان من رجال " الميزان "و " اللسان "فراجعهما .وقد روى عن هذا الشيخ إسماعيل بن عبد الملك الزئبقى أيضا عند الضياء ، وكذا محمد بن بكر، لكن سماه ميمون المرئى، لكن فى " التهذيب " من هذه الطبقة " :ميمون بن سياه المرئى البصرى، ويقال إنه ابن ميمون بن عبد الرحمن بن صفوان ابن قدامة ."وابن سياه هذا هو من شيوخ ميمون بن عجلان كما فى ترجمتهما من "التاريخ "و "الجرح والتعديل "وهو شيخه فى هذا الإسناد كما ترى، وقد فرقا بينهما، فهو غير المرئى إذن، ومن الممكن أن يكون مشاركا له فى هذه النسبة .والله أعلم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان بندہ بھی اپنے بھائی کی اللہ کی رضا کی خاطر زیارت کرنے کے لئے آتا ہے، تو آسمان سے ندا دینے والا یہ ندا دیتا ہے کہ تو خوش نصیب ہے، اور جنت تیرے لیے خوب ہے، نیز یہ بھی کہ اللہ اپنے عرش کے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میری رضا کے لئے اس نے زیارت کی ہے، اور میرے ذمہ ہی اس کی مہمانی ہے، اور میں اس کے لئے جنت کے علاوہ کسی مہمانی کو پسند نہیں کرتا (ابو یعلیٰ، بزار)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

حَقَّتْ مَحَبَّتِیْ لِلْمُتَحَابِّیْنَ فِیَّ، وَحَقَّتْ مَحَبَّتِیْ لِلْمُتَزَاوِرِیْنَ فِیَّ، وَحَقَّتْ مَحَبَّتِیْ لِلْمُتَبَاذِلِیْنَ فِیَّ، وَحَقَّتْ مَحَبَّتِیْ لِلْمُتَصَافِیْنَ فِیَّ الْمُتَوَاصِلِیْنَ (مسند احمد، رقم الحدیث ۲۲۰۰۲) [1]

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) میری محبت ان لوگوں کے لئے ثابت ہو چکی ہے، جو صرف میری وجہ (یعنی میرے حکم) سے ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں، اور میری محبت ان لوگوں کے لئے ثابت ہو چکی ہے، جو صرف میری وجہ (یعنی میرے حکم) سے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں، اور میری محبت ان لوگوں کے لئے ثابت ہو چکی ہے، جو صرف میری وجہ (یعنی میرے حکم) سے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں، اور میری محبت ان لوگوں کے لئے ثابت ہو چکی ہے،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقد توبع میمون بن عجلان من الضحاک بن حمرة فی الروایة المعلقة عند أبی نعیم، لکن الضحاک هذا ضعیف .وللحدیث شاهد من حدیث أبی هریرة .أخرجه البخاری فی "الأدب المفرد (رقم ۳۴۵)" والترمذی وحسنه فی نسخة، وصححه ابن حبان (۷۱۲) وإسناده صالح للاستشهاد به (سلسلة الاحادیث الصحیحة، تحت رقم الحدیث ۲۶۳۲)

[1] قال شعیب الارنؤوط: حدیث صحیح، رجاله ثقات رجال الصحیح (حاشیة مسند احمد)

جو صرف میری وجہ (یعنی میرے حکم) سے صف بصف کھڑے ہوتے ہیں، اور ایک دوسرے سے صلہ (یعنی جوڑ وتعلق) رکھتے ہیں (مسند احمد)

حضرت عمرو بن عبسہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: إِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَقُوْلُ: قَدْ حَقَّتْ مَحَبَّتِیْ لِلَّذِیْنَ یَتَحَابُّوْنَ مِنْ أَجْلِیْ، وَحَقَّتْ مَحَبَّتِیْ لِلَّذِیْنَ یَتَصَافُّوْنَ مِنْ أَجْلِیْ، وَحَقَّتْ مَحَبَّتِیْ لِلَّذِیْنَ یَتَزَاوَرُوْنَ مِنْ أَجْلِیْ، وَحَقَّتْ مَحَبَّتِی لِلَّذِیْنَ یَتَبَاذَلُوْنَ مِنْ أَجْلِیْ، وَحَقَّتْ مَحَبَّتِیْ لِلَّذِیْنَ یَتَنَاصَرُوْنَ مِنْ أَجْلِیْ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۹۴۳۸) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میری محبت ان لوگوں کے لئے ثابت ہوچکی، جو میری وجہ سے محبت کرتے ہیں، اور میری محبت ان لوگوں کے لئے ثابت ہوچکی، جو میری وجہ سے ایک دوسرے کے شانہ بشانہ کھڑے ہوتے ہیں، اور میری محبت ان لوگوں کے لئے ثابت ہوچکی، جو میری وجہ سے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں، اور میری محبت ان لوگوں کے لئے ثابت ہوچکی، جو میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں، اور میری محبت ان لوگوں کے لئے ثابت ہوچکی، جو میری وجہ سے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں (مسند احمد)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِی اللّٰہِ عَلٰی مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ فِیْ ظِلِّ الْعَرْشِ یَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّہٗ، قَالَ: فَخَرَجْتُ حَتّٰی لَقِیْتُ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ فَذَکَرْتُ لَہٗ حَدِیْثَ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: حدیث صحیح، وهذا إسناد ضعیف لضعف شَهر وهو ابن حوشب، وبقیة رجاله ثقات (حاشیة مسند احمد)

فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْكِيْ عَنْ رَّبِّهٖ يَقُوْلُ: حَقَّتْ مَحَبَّتِي لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ، وَحَقَّتْ مَحَبَّتِي لِلْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ، وَحَقَّتْ مَحَبَّتِيْ لِلْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ، وَالْمُتَحَابُّوْنَ فِي اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِّنْ نُوْرٍ فِيْ ظِلِّ الْعَرْشِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهٗ (مسند احمد، رقم الحديث ٢٢٠٦٤) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ کے لئے محبت کرنے والے (بروزِ قیامت) نور کے منبروں پر ہوں گے عرش کے سایہ میں، جس دن عرش کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا، حضرت ابو مسلم خولانی کہتے ہیں کہ پھر میں (معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ) کے پاس سے نکلا، یہاں تک کہ میں نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی، اور میں نے ان سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے بارے میں ذکر کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رب کی (یہ بات) نقل وحکایت کرتے ہوئے سنا ہے کہ میری محبت اُن لوگوں کے حق میں ثابت ہوگئی جو میرے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، اور میری محبت اُن لوگوں کے حق میں ثابت ہوگئی جو میرے لئے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں، اور میری محبت اُن لوگوں کے حق میں ثابت ہوگئی جو میرے لئے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں، اور اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے نور کے منبروں پر عرش کے سایہ میں ہوں گے، جس دن عرش کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا (مسند احمد)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الصحيح غير حبيب بن أبي مرزوق، فقد روى له الترمذي والنسائي، وهو ثقة (حاشية مسند احمد)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِرِجَالِكُمْ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟ اَلنَّبِيُّ فِي الْجَنَّةِ، وَالصِّدِّيْقُ فِي الْجَنَّةِ، وَالشَّهِيْدُ فِي الْجَنَّةِ، وَالْمَوْلُوْدُ فِي الْجَنَّةِ، وَالرَّجُلُ يَزُوْرُ أَخَاهُ فِيْ نَاحِيَةِ الْمِصْرِ لَا يَزُوْرُهُ إِلَّا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَنِسَاؤُكُمْ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ الْوَدُوْدُ الْوَلُوْدُ الْعَئُوْدُ عَلٰى زَوْجِهَا الَّتِيْ إِذَا غَضِبَ جَاءَ تْ حَتّٰى تَضَعَ يَدَهَا فِيْ يَدِ زَوْجِهَا، وَتَقُوْلُ: لَا أَذُوْقُ غُمْضًا حَتّٰى تَرْضٰى (فوائد تمام الرازی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں خبر نہ دے دوں، جنتی افراد کی؟ (پھر فرمایا کہ) نبی جنت میں ہے، اور صدیق جنت میں ہے، اور شہید جنت میں ہے، اور نومولود (فوت شدہ بچہ) جنت میں ہے، اور وہ آدمی جو اپنے (مسلمان) بھائی کی شہر کے کنارے پر جاکر زیارت کرتا ہے، اور وہ صرف اللہ عزوجل کی رضا کے لئے زیارت کرتا ہے، وہ جنت میں ہے، اور تمہاری وہ عورتیں جنت والے افراد میں سے ہیں، جو (شوہروں سے) خوب محبت کرنے والی اور زیادہ اولاد جننے والی ہوں، اور وہ اپنے شوہر ہی کی ہوکر رہنے والی ہو، جب شوہر غصہ ہو، تو وہ عورت آکر اپنے ہاتھ کو شوہر کے ہاتھ میں دے دے، اور

---

[1] رقم الحديث ١١٣١١، ج٢ص١٢٠، ومن أحاديث جناح بن عباد مولى الوليد بن عبد الملك رواية حماد بن صالح مولى بنى أمية عنه.

قال الالبانی:

أخرجه تمام الرازى فى "الفوائد "(ق ١/٢٠٢) وعنه ابن عساكر(٢/٨٧/٢)بتمامه، وأبو بكر الشافعى فى "الفوائد "(ق١١٥ ـ ١١٦) وأبو نعيم فى "الحلية(٣٠٣/٤) "نصفه الأول، والنسائى فى "عشرة النساء(١/٨٥/١) "النصف الآخر من طريق خلف بن خليفة عن أبى هاشم يعنى الرمانى عن سعيد ابن جبير عن ابن عباس مرفوعا.

قلت :وهذا إسناد، رجاله ثقات رجال مسلم غير أن خلفا -وهو من شيوخ أحمد - كان اختلط فى الآخر، ولا ندرى أحدث به قبل الاختلاط فيكون صحيحا، أو بعده فيكون ضعيفا، لكن للحديث شواهد يتقوى بها كما يأتى بيانه(سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ٢٨٧)

یہ کہے کہ میں اس وقت تک نیند کا ذائقہ نہیں چکھوں گی، جب تک آپ راضی نہ ہوں (فوائد تمام)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

أَنَّ رَجُلًا زَارَ أَخًا لَهُ فِي قَرْيَةٍ أُخْرٰى، فَأَرْصَدَ اللّٰهُ لَهُ، عَلٰى مَدْرَجَتِهٖ، مَلَكًا فَلَمَّا أَتٰى عَلَيْهِ، قَالَ: أَيْنَ تُرِيدُ؟ قَالَ: أُرِيدُ أَخًا لِي فِي هٰذِهِ الْقَرْيَةِ، قَالَ: هَلْ لَكَ عَلَيْهِ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا؟ قَالَ: لَا، غَيْرَ أَنِّي أَحْبَبْتُهُ فِي اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، قَالَ: فَإِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكَ، بِأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَبَّكَ كَمَا أَحْبَبْتَهُ فِيهِ(صحیح مسلم) [1]

ترجمہ: ایک آدمی کسی دوسری بستی میں اپنے بھائی کی زیارت کے لئے گیا، تو اللہ نے اس کے لئے آگے ایک فرشتہ کو بھیجا، جب وہ شخص فرشتہ کے پاس سے گزرا، تو فرشتے نے کہا کہ آپ کہاں جانا چاہتے ہیں؟ تو اس نے کہا کہ میں اس بستی میں اپنے بھائی کے پاس جانا چاہتا ہوں، فرشتے نے کہا کہ کیا آپ کا اس پر کوئی احسان ہے، جس کا آپ بدلہ چاہتے ہو؟ تو اس نے کہا کہ نہیں، سوائے اس کے کہ میں اس سے اللہ عزوجل کے لئے (نہ کہ دنیاوی اور نفسانی غرض سے) محبت رکھتا ہوں، اس فرشتے نے کہا کہ میں آپ کی طرف اللہ کا قاصد بن کر آیا ہوں، بے شک اللہ آپ سے اسی طرح محبت فرماتا ہے، جس طرح آپ اپنے بھائی سے (مخلصانہ اور بے غرض) محبت کرتے ہو (مسلم)

آخری حدیث میں مسلمان کی ''زیارت'' کے لیے سفر کرنے کی بھی تصریح ہے، جبکہ اس سے پہلی احادیث میں مطلق زیارت کا ذکر ہے، جن میں زیارت کرنے کے لیے سفر کرنا بھی داخل ہے۔

---

[1] رقم الحديث ٢٥٦٧ "٣٨"، كتاب البر و الصلة و الآداب، باب في فضل الحب في الله.

پس جس طرح ان احادیث میں ''زیارتِ مسلم'' کے حکم میں سفر کرنا بھی داخل ہے، اسی طرح ''زیارتِ قبور'' کے حکم میں بھی سفر کرنا داخل ہے۔

چنانچہ سراج الدین ابنِ ملقّن (المتوفی :804 ہجری) نے فرمایا کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک صحیح یہ ہے اور یہی امام اور محققین کا اختیار کردہ ہے کہ صالحین کی قبروں اور متبرک مقامات کی طرف شدِّ رحال کرنا، نہ حرام ہے اور نہ مکروہ ہے (بلکہ جائز ہے)

اور شدِّ رحال والی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مخصوص شدِّ رحال کی فضیلت ان تین مساجد کے لیے ثابت ہے۔ [1]

علامہ قسطلانی بخاری کی شرح ''ارشادالساری'' میں فرماتے ہیں:

واختلف فى :شد الرحال إلى غيرها، كالذهاب إلى زيارة الصالحين أحياء وأمواتا، وإلى المواضع الفاضلة للصلاة فيها، والتبرك بها.

فقال أبو محمد الجوينى :يحرم عملا بظاهر هذا الحديث؛ واختاره القاضى حسين، وقال به القاضى عياض وطائفة.

والصحيح عند إمام الحرمين، وغيره من الشافعية، الجواز، وخصوا النهى بمن نذر الصلاة فى غير الثلاثة، وأما قصد غيرها لغير ذلك، كالزيارة فلا يدخل فى النهى.

وخص بعضهم النهى فيما حكاه الخطابى بالاعتكاف فى غير

---

[1] واختلفوا فى الشد والإعمال إلى غيرها كالذهاب إلى قبور الصالحين وإلى المواضع الفاضلة، ونحو ذلك، فقال الجوينى :يحرم شد الرحال إلى غيرها .وهو الذى أشار القاضى حسين إلى اختياره ، والصحيح عند أصحابنا، وهو مختار الإمام والمحققين :أنه لا يحرم ولا يكره، قالوا: والمراد :أن الفضيلة الثابتة إنما هى فى شد الرحال إلى هذه الثلاثة خاصة(التوضيح لشرح الجامع الصحيح، ج۹،ص ۲۲۲، كتاب فضل الصلاة فى مسجد مكة والمدينة ،باب فضل الصلاة فى مسجد مكة والمدينة)

الثلاثة، لكن قال فى الفتح :ولم أر عليه دليلا (إرشاد السارى لشرح صحيح البخارى، للقسطلانى) [1]

ترجمہ: اوران تین مساجد کے علاوہ کی طرف شدِّ رحال کے مسئلہ میں اختلاف ہوا ہے، جیسا کہ صالحین کی زیارت کی طرف، خواہ وہ زندہ ہوں یا فوت شدہ (یعنی فوت ہونے کے بعد دفن سے پہلے ہوں، یاان کی قبور) ہوں، اوراسی طریقہ سے فضیلت والے مقامات کی طرف سفرکرنے اوران سے برکت حاصل کرنے کے لیے سفرکرنے میں بھی اختلاف ہوا ہے۔

چنانچہ ابومحمد جوینی کا یہی قول ہے کہ ظاہر حدیث کی رُو سے حرام ہے، جس کو قاضی حسین نے اختیار کیا ہے، اور یہی قول قاضی عیاض اورایک جماعت کا ہے۔

اورامام الحرمین وغیرہ شافعیہ کے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ مذکورہ عمل حرام نہیں ہے، بلکہ جائز ہے، اورانہوں نے ممانعت کواس شخص کے ساتھ خاص کیا ہے، جس نے مذکورہ تین مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ نماز پڑھنے کی نذر مانی ہو، جہاں تک دوسری جگہوں کا نماز کے علاوہ کسی اورغرض سے قصد کرنے کا تعلق ہے، جیسا کہ زیارت کرنے کی غرض سے، تو وہ ممانعت میں داخل نہیں ہے۔

اوربعض نے ممانعت کوان مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ اعتکاف کرنے کے ساتھ خاص کیا ہے، جیسا کہ خطابی نے نقل کیا ہے، لیکن فتح الباری میں ہے کہ میں نے اس کی دلیل نہیں دیکھی (ارشادالساری)

علامہ ابنِ قدامہ حنبلی رحمہ اللہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

فإن سافر لزيارة القبور والمشاهد .فقال ابن عقيل :لا يباح له الترخص؛ لأنه منهى عن السفر إليها، قال النبى -صلى الله عليه

---

[1] ج۲،ص۳۴۸، كتاب فضل الصلاة فى مسجد مكة والمدينة، باب فضل ما بين القبر والمنبر.

وسلم :-لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد .متفق عليه، والصحيح إباحته، وجواز القصر فيه؛ لان النبي -صلى الله عليه وسلم -كان يأتي قباء راكبا وماشيا، وكان يزور القبور، وقال : زوروها تذكركم الآخرة.

وأما قوله -صلى الله عليه وسلم " :-لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد "فيحمل على نفي التفضيل، لا على التحريم، وليست الفضيلة شرطا في إباحة القصر، فلا يضر انتفاؤها (المغني لابن قدامة، ج۲،ص۱۹۵ ،باب صلاة المسافر،فصل حكم القصر إذا سافر لزيارة القبور والمشاهد)

ترجمہ: اگر قبور اور بابرکت مقامات کی زیارت کے لیے سفر کرے، تو ابنِ عقیل نے فرمایا کہ اس کے لیے نماز میں قصر کرنے کی رخصت مباح نہیں ہوتی، کیونکہ اس سفر سے منع کیا گیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''نہیں رختِ سفر باندھا جائے گا مگر تین مساجد کی طرف'' بخاری ومسلم میں یہ حدیث ہے۔

اور صحیح بات یہ ہے کہ اس طرح کے سفر کے اندر نماز میں قصر کرنا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ قباء میں پیدل اور سوار ہوکر تشریف لے جاتے تھے، اور قبروں کی زیارت بھی کیا کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ ''تم قبروں کی زیارت کرو، یہ تمہیں آخرت کی یاد دلائے گی'' جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا تعلق ہے کہ ''نہیں رختِ سفر باندھا جائے گا، مگر تین مساجد کی طرف'' تو یہ فضیلت کی نفی پر محمول کیا جائے گا، نہ کہ حرام ہونے پر، اور فضیلت قصر کے مباح ہونے کی شرط نہیں، لہٰذا اس فضیلت کا منتفی ہونا مضر نہیں (المغنی)

علامہ عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وجمهورُ علماءِ الأُمَّةِ وأكثرُ محقّقي الملةِ منكرونَ عن هذا الرأى أشدَّ الأباء ، ويجوزونَ شَدَّ الرِّحال بقصدِ زيارةِ القبورِ لا سيما زِيارة سيدِ القبورِ ، قبرُ سيدِ أهلِ القبورِ ، بل صَرَحَ بعضُهم بندبِ السَّفرِ إلَى المدينةِ بقصدِ نفسِ الزِّيارةِ وتَجريدِ السَّفرِ له عن السَّفرِ بقصدِ مسجدِهِ (إبراز الغى الواقع فى شفاء العى،للإمام محمد عبد الحى اللكنوى،ص ۷۲)

ترجمہ: جمہور علمائے امت اور اکثر محققین تین مساجد کے علاوہ دوسرے مقامات کی طرف شدِّ رحال کی حرمت کا انکار کرتے ہیں، اور وہ زیارتِ قبور کے قصد سے خاص طور پر سید القبور اور سید اہل القبور، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے قصد سے سفر کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں، بلکہ بعض نے مدینہ منورہ کی طرف نفسِ زیارت کے قصد سے سفر کرنے کو اور اس سفر کو مسجدِ نبوی کے قصد سے خالی کرنے کو مستحب قرار دیا ہے (ابراز الغی)

امام غزالی (المتوفیٰ 505 ہجری) نے احیاء العلوم میں فرمایا کہ بعض حضرات نے شدِّ رحال والی حدیث سے متبرک مقامات اور علماء وصلحاء کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر کے ممنوع ہونے پر استدلال کیا ہے، حالانکہ ان مقامات اور بالخصوص قبور کی زیارت مامور بہ ہے، اصل بات یہ ہے کہ ان تین مساجد کے علاوہ دیگر مساجد کی طرف شدِّ رحال سے منع اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ فضیلت میں ایک دوسرے کے متماثل ہیں، لہٰذا کسی دوسری مسجد کی طرف شدِّ رحال کی کوئی ضرورت نہیں، جہاں تک متبرک مقامات اور زیارتِ قبور کا تعلق ہے، تو وہ ایک دوسرے کے متماثل نہیں، بلکہ ان کی زیارت کی برکت، ان کے درجات کے اعتبار سے ہے، تو کیا انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور کی زیارت سے منع کرنا درست ہوسکتا ہے، اور جب ان کی زیارت جائز ہوگی، تو اس غرض کے لیے سفر بھی جائز ہوگا، جیسا کہ علماء وصلحاء کی زندگی میں

زیارت کا معاملہ ہے۔ [1]

امام غزالی رحمہ اللہ نے مزید فرمایا کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اور صحابہ وتابعین اور علماء اور اولیاء کی قبروں اور ہر ایسے شخص کہ جس کی زندگی میں اس کی زیارت کر کے برکت حاصل کی جاسکتی ہو، اس کی وفات کے بعد اس کی قبر وغیرہ کی زیارت کرنا جائز ہے۔ [2]

---

[1] وما بعد هذه البقاع الثلاث فالمواضع فيها متساوية إلا الثغور فإن المقام بها للمرابطة فيها فيه فضل عظيم .
ولذلك قال صلى الله عليه وسلم "لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد :المسجد الحرام ومسجدى هذا والمسجد الأقصى "وقد ذهب بعض العلماء إلى الاستدلال بهذا الحديث فى المنع من الرحلة لزيارة المشاهد وقبور العلماء والصلحاء .وما تبين لى أن الأمر كذلك بل الزيارة مأمور بها قال صلى الله عليه وسلم "كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها ولا تقولوا هجراً " والحديث إنما ورد فى المساجد وليس فى معناها المشاهد، لأن المساجد بعد المساجد الثلاثة متماثلة ولا بلد إلا وفيه مسجد فلا معنى للرحلة إلى مسجد آخر، وأما المشاهد فلا تتساوى بل بركة زيارتها على قدر درجاتهم عند الله عز وجل، نعم لو كان فى موضع لا مسجد فيه فله أن يشد الرحال إلى موضع فيه مسجد وينتقل إليه بالكلية إن شاء ثم ليت شعرى هل يمنع هذا القائل من شد الرحال إلى قبور الأنبياء عليهم السلام مثل إبراهيم وموسى ويحيى وغيرهم عليهم السلام، فالمنع من ذلك فى غاية الإحالة، فإذا جوز هذا فقبور الأولياء والعلماء والصلحاء فى معناها، فلا يبعد أن يكون ذلك من أغراض الرحلة كما أن زيارة العلماء فى الحياة من المقاصد؛ هذا فى الرحل(إحياء علوم الدين،لابى حامد الغزالى، ج ١، ص ٢٣٤، كتاب أسرار الحج،الباب الأول، الفصل الأول فى فضائل الحج وفضيلة البيت ومكة والمدينة حرسهما الله تعالى وشد الرحال إلى المساجد)

[2] القسم الثانى :وهو أن يسافر لأجل العبادة إما لحج أو جهاد وقد ذكرنا فضل ذلك وآدابه وأعماله الظاهرة والباطنة فى كتاب أسرار الحج ،ويدخل فى جملته زيارة قبور الأنبياء عليهم السلام وزيارة قبور الصحابة والتابعين وسائر العلماء والأولياء ،وكل من يتبرك بمشاهدته فى حياته يتبرك بزيارته بعد وفاته .ويجوز شد الرحال لهذا الغرض ولا يمنع من هذا قوله عليه السلام "لا تشد الرحال إلا الى ثلاثة مساجد :مسجدى هذا والمسجد الحرام والمسجد الأقصى "لأن ذلك فى المساجد،فانها متماثلة بعد هذه المساجد،وإلا فلا فرق بين زيارة قبور الأنبياء والأولياء والعلماء فى أصل الفضل وإن كان يتفاوت فى الدرجات تفاوتاً عظيماً بحسب اختلاف درجاتهم عند اللّٰه .
وبالجملة زيارة الأحياء أولى من زيارة الأموات .والفائدة من زيارة الأحياء طلب بركة الدعاء وبركة النظر إليهم فإن النظر الى وجوه العلماء والصلحاء عبادة .وفيه أيضاً حركة للرغبة فى الإقتداء بهم والتخلق بأخلاقهم وآدابهم؛هذا سوى اما ينتظر من الفوائد العلمية المسفادة من أنفاسهم وأفعالهم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ ابنِ حجر ہیتمی شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اولیاء کی قبور کی زیارت اور اسی طریقہ سے ان کی طرف سفر کرنا ''قربتِ مستحبہ'' ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كيف ومجرد زيارة الأخوان فى اللّٰه فيه فضل؟كما ذكرناه فى كتاب الصحبة .وفى التوراة:سر أربعة أميال زر أخاً فى اللّٰه .وأما البقاع فلا معنى لزيارتها سوى المساجد الثلاثة وسوى الثغور للرباط بها،فالحديث ظاهر فى أنه لا تشد الرحال لطلب بركة إلا الى المساجد الثلاثة .وقد ذكرنا فضائل الحرمين فى كتاب الحج(إحياء علوم الدين،لابى حامد الغزالى،ج٢،ص ٢٤٨،كتاب آداب السفر،الباب الأول)

[1] (وسئل) - رضى الله عنه -عن زيارة قبور الأولياء فى زمن معين مع الرحلة إليها هل يجوز مع أنه يجتمع عند تلك القبور مفاسد كثيرة كاختلاط النساء بالرجال وإسراج السرج الكثيرة وغير ذلک؟

(فأجاب) بقوله زيارة قبور الأولياء قربة مستحبة وكذا الرحلة إليها وقول الشيخ أبى محمد لا تستحب الرحلة إلا لزيارته -صلى الله عليه وسلم -رده الغزالى بأنه قاس ذلک على منع الرحلة لغير المساجد الثلاثة مع وضوح الفرق فإن ما عدا تلک المساجد الثلاثة مستوية فى الفضل فلا فائدة فى الرحلة إليها وأما الأولياء فإنهم متفاوتون فى القرب من الله تعالى ونفع الزائرين بحسب معارفهم وأسرارهم فكان للرحلة إليهم فائدة أى فائدة فمن ثم سنت الرحلة إليهم للرجال فقط بقصد ذلک وانعقد نذرها كما بسطت الكلام على ذلک فى شرح العباب بما لا مزيد على حسنه وتحريره وما أشار إليه السائل من تلک البدع أو المحرمات فالقربات لا تترک لمثل ذلک بل على الإنسان فعلها وإنكار البدع بل وإزالتها إن أمكنه.

وقد ذكر الفقهاء فى الطواف المندوب فضلا عن الواجب أنه يفعل ولو مع وجود النساء وكذا الرمل لكن أمروه بالبعد عنهن فكذا الزيارة يفعلها لكن يبعد عنهن وينهى عما يراه محرما بل ويزيله إن قدر كما مر هذا إن لم تتيسر له الزيارة إلا مع وجود تلک المفاسد فإن تيسرت مع عدم المفاسد فتارة يقدر على إزالة كلها أو بعضها فيتأكد له الزيارة مع وجود تلک المفاسد ليزيل منها ما قدر عليه وتارة لا يقدر على إزالة شىء منها فالأولى له الزيارة فى غير زمن تلک المفاسد بل لو قيل يمنع منها حينئذ لم يبعد.

ومن أطلق المنع من الزيارة خوف ذلک الاختلاط يلزمه إطلاق منع نحو الطواف والرمل بل والوقوف بعرفة أو مزدلفة والرمى إذا خشى الاختلاط أو نحوه فلما لم يمنع الأئمة شيئا من ذلک مع أن فيه اختلاطا أى اختلاط وإنما منعوا نفس الاختلاط لا غير فكذلک هنا ولا تغتر بخلاف من أنكر الزيارة خشية الاختلاط فإنه يتعين حمل كلامه على ما فصلناه وقررناه وإلا لم يكن له وجه وزعم أن زيارة الأولياء بدعة لم تكن فى زمن السلف ممنوع وبتقدير تسليمه فليس كل بدعة ينهى عنها بل قد تكون البدعة واجبة فضلا عن كونها مندوبة كما صرحوا به(الفتاوى الفقهية الكبرى،لابن حجر الهيتمى،ج٢،ص ٢٤، كتاب الصلاة،باب الجنائز)

اسی طریقہ سے فقہائے کرام نے مخصوص اعزہ واقرباء کی وقتاً فوقتاً زیارت کو مستحب قرار دیا ہے،اس طرح کی زیارت میں بھی سفر داخل ہے۔

خلاصہ یہ کہ بعض حضرات زیارتِ قبور کے لیے سفر کو ممنوع قرار دیتے ہیں، اگرچہ وہ قبرِ نبوی کی زیارت کے لیے سفر کو مشروع وجائز مانتے ہیں۔

مگر ہمارے نزدیک ہر طرح کے منکرات وبدعات سے بچتے ہوئے زیارتِ قبور کے لیے سفر کا جائز ہونا راجح ہے۔

البتہ بزرگوں کی قبروں پر عرس وغیرہ کے مواقع پر جو لوگ سفر کرتے ہیں، اس سے منع کیا جائے گا، کیونکہ عرس میں متعدد منکرات پائے جاتے ہیں، نیز عرس میں شرکت سے مقصود عموماً زیارتِ قبور نہیں ہوتا، بلکہ اجتماع میں شرکت ہوتی ہے،اس لیے یہ زیارتِ قبور کے لیے سفر نہ ہوا، بلکہ قبر پر میلہ لگانے کے لیے ہوا، جس کی وجہ سے یہ فعلِ منکر میں داخل ہوگا۔

چنانچہ امداد الفتاویٰ میں ہے:

> مقابر کی زیارت کو دور دراز سے جانا اس نہی میں داخل نہیں، البتہ اگر دوسرا سبب نہی کا ہو، تو منہی عنہ ہو جاوے گا، جیسے عرس متعارف کے مفاسد، کہ وہ بلاشبہ تحریمِ حضور کے موجب ہیں، اور ظاہر ہے کہ سفر للمحرم، محرم ہے (امداد الفتاویٰ، ج۵ ص۸۱، کتاب مایتعلق بالحدیث، مکتبہ دار العلوم کراچی، طبع ششم: 1409ھ)

ایک اور مقام پر ہے:

> البتہ اگر سفر الی المقابر میں کوئی مفسدہ ہو، تو اس کو اس مفسدہ کی بناء پر منع کیا جاوے گا، گو اس (شدِ رحال والی) حدیث کا مدلول نہ ہو (امداد الفتاویٰ، ج۵ ص۸۲، کتاب مایتعلق بالحدیث، مکتبہ دار العلوم کراچی، طبع ششم: 1409ھ)

اور ایک مقام پر خود حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے مساجدِ ثلاثہ کے علاوہ کی طرف مستقل سفر کر کے جانے کو غیر ثابت قرار دیا ہے، چنانچہ حضرت کا یہ ملفوظ پہلے گزر چکا ہے کہ:

مسجدِ حرام، مسجدِ اقصیٰ، مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھنے میں تضاعفِ نماز موعود ہے، سو اس تضاعف کی تحصیل اگر بدون سفر ممکن نہ ہو، سفر کی بھی اجازت ہے، بخلاف دوسرے مشاہد کے (مثلاً کوہِ طور، کربلا، اجمیر وغیرہ) وہاں کوئی دلیل ثواب کی نہیں، اس لیے وہاں اس نیت سے سفر کرنا امرِ غیر ثابت کا اعتقاد ہے (ملفوظاتِ حکیم الامت ''ملفوظات کمالاتِ اشرفیہ'' ج ۲۳، ص ۱۱۱، ملفوظ نمبر ۴۲۷، مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، سنِ اشاعت: 1424 ہجری)

جس سے معلوم ہوا کہ مساجدِ ثلاثہ کے علاوہ کی طرف سفر کی مشروعیت کا اعتقاد رکھنا ضروری نہیں، اور اس کا اعتقاد نہ رکھنا گناہ نہیں، جس سے اس مسئلہ کا مجتہَد فیہ ہونا اور اس مسئلہ میں تشدد نہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4...... اگر کسی نے زیارتِ قبور کی نذر مانی، تو حنفیہ سمیت بعض فقہائے کرام کے نزدیک اس پر اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہوگا۔

اور بعض دوسرے فقہائے کرام کے نزدیک اگر کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک یا کسی نیک صالح کی قبر کی زیارت کی نذر مانی، تو اس کو پورا کرنا واجب ہو جائے گا۔ [1]

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ .

---

[1] وإنـمـا قيد النذر به؛ لأنه لم يلزم الناذر ما ليس من جنسه فرض كقراءة القرآن وصلاة الجنازة ودخول المسجد وبناء المساجد والسقاية وعمارتهما وإكرام الأيتام وعيادة المريض وزيارة القبور وزيارة قبر النبي -عليه الصلاة والسلام- وأكفان الموتى وتطليق امرأته وتزويج فلانة لم يلزمه شيء في هذه الوجوه؛ لأنها ليس لها أصل في الفروض المقصودة كما في كثير من الكتب(مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، ج ١، ص ٥٤٧، كتاب الأيمان)

وشمل قوله ما ندب من نذر زيارة قبر رجل صالح أو حي فإنه يلزمه وإن أعمل فيه المطي فقد قال ابن عبد البر كل عبادة أو زيارة أو رباط أو غير ذلك من الطاعات غير الصلاة فيلزم الإتيان إليه وحديث لا تعمل المطي مخصوص بالصلاة وأما زيارة الأحياء من الإخوان والمشيخة ونذر ذلك والرباط ونحوه فلا اختلاف فيه وتوقف بعض الناس في زيارة القبر وآثار الصالحين ولا توقف في ذلك لأنه من العبادات(شرح مختصر خليل للخرشي، لمحمد بن عبد الله الخرشي المالكي، ج ٣، ص ٩٣، فصل في أحكام النذر)

(باب نمبر2)

قبروں کو سجدہ وقبلہ اور میلہ گاہ بنانے کی ممانعت

کئی احادیث میں قبروں کو سجدہ گاہ اور قبلہ ومیلہ گاہ بنانے کی ممانعت آئی ہے، جس کی تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

(فصل نمبر1)

قبروں کو مساجد بنانے کی ممانعت سے متعلق احادیث

پہلے قبروں کو مساجد وسجدہ گاہ بنانے سے متعلق احادیث وروایات ملاحظہ فرمایئے۔

پہلی حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ، اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ یہودیوں کا ناس کرے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا (بخاری)

دوسری حدیث

حضرت عائشہ اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

لَمَّا نَزَلَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، طَفِقَ يَطْرَحُ خَمِيْصَةً

---

[1] رقم الحديث ۴۳۷، كتاب الصلاة، باب الصلاة فى البيعة.

عَلٰی وَجُهِهٖ، فَإِذَا اغْتَمَّ كَشَفَهَا عَنْ وَجُهِهٖ، فَقَالَ: وَهُوَ كَذٰلِكَ: لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُوْدِ، وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالتِ نزع شروع ہوئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر منہ پر ڈال لی پھر جب ناگوار معلوم ہوئی، تو اسے چہرہ مبارک سے ہٹا دیا اور اسی حالت میں فرمایا کہ یہود و نصاری پر اللہ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ (وعبادت) گاہ بنا لیا، دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہود و نصاریٰ کی اس بری حرکت سے (امت کے) لوگوں کو ڈرا رہے تھے (بخاری)

تیسری حدیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ: لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى، اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسْجِدًا (بخاری) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرضِ وصال میں ارشاد فرمایا کہ اللہ یہود اور نصاریٰ پر لعنت فرمائے، جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ (وعبادت گاہ) بنالیا (بخاری)

نبی کے ساتھ ان کے متبعین بھی داخل ہیں، اور ایسے نائبین بھی داخل ہیں، جو باقاعدہ رسول نہ ہوں، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد ''حواریین'' ہوئے ہیں۔ [3]

---

[1] رقم الحديث ٣٤٥٣، كتاب احاديث الانبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل.

[2] رقم الحديث ١٣٣٠، كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور.

[3] وقد استشكل ذكر النصارى فيه لأن اليهود لهم أنبياء بخلاف النصارى فليس بين عيسى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چوتھی حدیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَعَنَ اللّٰهُ قَوْمًا اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ (صحیح ابن حبان) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اس قوم پر لعنت فرمائے، جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ (وعبادت گاہ) بنالیا (ابنِ حبان)

اس طرح کی احادیث اور سندوں سے بھی مروی ہیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وبين نبينا صلى الله عليه وسلم نبي غيره وليس له قبر والجواب أنه كان فيهم أنبياء أيضا لكنهم غير مرسلين كالحواريين ومريم فى قول أو الجمع فى قوله أنبيائهم بإزاء المجموع من اليهود والنصارى والمراد الأنبياء وكبار أتباعهم فاكتفى بذكر الأنبياء ويؤيده قوله فى رواية مسلم من طريق جندب كانوا يتخذون قبور أنبيائهم وصالحيهم مساجد ولهذا لما أفرد النصارى فى الحديث الذى قبله قال إذا مات فيهم الرجل الصالح ولما أفرد اليهود فى الحديث الذى بعده قال قبور أنبيائهم أو المراد بالاتخاذ أعم من أن يكون ابتداعا أو اتباعا فاليهود ابتدعت والنصارى اتبعت ولا ريب أن النصارى تعظم قبور كثير من الأنبياء الذين تعظمهم اليهود (فتح البارى شرح صحيح البخارى، لا بن حجر العسقلانى، ج ۱، ص ۵۳۲، باب بلاترجمة بعد قوله باب الصلاة فى البيعة)

[1] رقم الحديث ۲۳۲۷، كتاب الصلاة، باب ما يكره للمصلى وما لا يكره.
قال شعب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرطهما (حاشية صحيح ابن حبان)

[2] عن زيد بن ثابت، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " :لعن الله اليهود، اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد (مسند احمد، رقم الحديث ۲۱۶۰۴)
قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره، وهذا إسناد ضعيف لجهالة عقبة بن عبد الرحمن (حاشية مسند احمد)

عن أسامة بن زيد، قال :قال لى رسول الله صلى الله عليه وسلم " :أدخل على أصحابى "فدخلوا عليه فكشف القناع، ثم قال " :لعن الله اليهود والنصارى، اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد (مسند احمد، رقم الحديث ۲۱۷۷۴)
قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن فى المتابعات والشواهد (حاشية مسند احمد)

پانچویں حدیث

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

أَلاَ وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ إِنِّيْ أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ (صحيح مسلم) [1]

ترجمہ: خبردار ہو جاؤ، تم سے پہلے لوگوں نے اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا تھا، خبردار ہو جاؤ، تم قبروں کو سجدہ گاہ مت بنانا، میں نے تم کو اس سے منع کر دیا ہے (مسلم)

چھٹی حدیث

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ آخِرُ مَا تَكَلَّمَ بِهِ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنْ أَخْرِجُوْا يَهُوْدَ الْحِجَازِ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ، وَاعْلَمُوْا أَنَّ شِرَارَ النَّاسِ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ (مسند احمد، رقم الحديث ١٦٩٤) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے آخری کلام یہ تھا کہ حجاز کے علاقہ میں آباد یہودیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دو، اور جان لو کہ بدترین لوگ وہ ہیں جو قبروں کو سجدہ گاہ بنالیتے ہیں (مسند احمد)

---

[1] رقم الحديث ٥٣٢ ''٢٣'' كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهى عن بناء المساجد، على القبور واتخاذ الصور فيها والنهى عن اتخاذ القبور مساجد، داراحياء التراث العربى، بيروت.

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشيه مسند احمد)

ساتویں حدیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ مَنْ تُدْرِكُهُ السَّاعَةُ وَهُمْ أَحْيَاءٌ، وَمَنْ يَتَّخِذُ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ (مسند احمد، رقم الحديث ۳۸۴۴) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سب سے بدترین لوگ وہ ہوں گے، جن پر قیامت آئے گی، اور وہ لوگ ہوں گے، جو قبروں کو سجدہ گاہ بنائیں گے (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس چیز کی بڑی فکر تھی کہ یہود و نصاریٰ کی طرح، نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو عبادت و سجدہ گاہ نہ بنالیا جائے، اس لئے اپنی امت کو اس چیز سے اہتمام سے ڈرایا۔ [2]

آٹھویں حدیث

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن من أجل عاصم بن أبى النجود، وبقية رجاله ثقات رجال الشيخين (حاشية مسند احمد)

[2] وقوله :(اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد) : سبب لعنهم إما لأنهم كانوا يسجدون لقبور أنبيائهم تعظيما لهم، وذلك هو الشرك الجلى، وإما لأنهم كانوا يتخذون الصلاة لله تعالى فى مدافن الأنبياء ، والسجود على مقابرهم، والتوجه إلى قبورهم حالة الصلاة ;نظرا منهم بذلك إلى عبادة الله والمبالغة فى تعظيم الأنبياء ، وذلك هو الشرك الخفى لتضمنه ما يرجع إلى تعظيم مخلوق فيما لم يؤذن له، فنهى النبى -صلى الله عليه وسلم -أمته عن ذلك لمشابهة ذلك الفعل سنة اليهود، أو لتضمنه الشرك الخفى، كذا قاله بعض الشراح من أئمتنا، ويؤيده ما جاء فى رواية: (يحذر ما صنعوا)(مرقاة المفاتيح، ج۲ ص ۶۰۱، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة)

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ يَّمُوْتَ بِخَمْسٍ، وَهُوَ يَقُوْلُ: إِنِّيْ أَبْرَأُ إِلَى اللّٰهِ أَنْ يَّكُوْنَ لِيْ مِنْكُمْ خَلِيْلٌ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدِ اتَّخَذَنِيْ خَلِيْلاً، كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلاً وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِيْ خَلِيْلًا لَا تَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيْلًا ، أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ، إِنِّيْ أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ (صحيح مسلم) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے وصال سے پانچ دن پہلے سنا، آپ فرمارہے تھے کہ میں اللہ کے سامنے اس چیز سے بری ہوں کہ تم میں سے کسی کو اپنا خلیل (ودوست) بناؤں، کیونکہ اللہ نے مجھے اپنا خلیل بنایا ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تھا اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو اپنا خلیل (ودوست) بناتا، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا، آگاہ ہو جاؤ کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے نبیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا، تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا، میں تمہیں اس سے روک رہا ہوں (مسلم)

نویں حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا، لَعَنَ اللّٰهُ قَوْمًا اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ (مسند احمد) [2]

---

[1] رقم الحديث ۲ ۵۳ ''۲۳'' كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهى عن بناء المساجد، على القبور واتخاذ الصور فيها والنهى عن اتخاذ القبور مساجد.

[2] رقم الحديث ۷۳۵۸، مؤسسة الرسالة، بيروت.

قال شعيب الارنؤوط: إسناده قوى، حمزة بن المغيرة : هو ابن نشيط المخزومى الكوفى، قال ابن معين : ليس به بأس، وذكره ابن حبان فى "الثقات"، وباقى رجاله ثقات رجال الصحيح (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ میری قبر کو بت مت بنانا، اللہ اس قوم پر لعنت فرمائے، جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنالیا (مسند احمد)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

دسویں حدیث

حضرت زید بن اسلم سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِىْ وَثَنًا يُصَلّٰى لَهُ، اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ (مُصنف ابن أبى شيبة) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! میری قبر کو بت مت بنانا، جس کے لیے نماز پڑھی جائے، اللہ کا اس قوم پر شدید غضب ہوتا ہے، جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنالیا (ابن ابی شیبہ)

گیارھویں حدیث

حضرت زید بن اسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

---

[1] عن زيد بن أسلم، عن عطاء بن يسار، عن أبى سعيد، أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :اللهم إنى أعوذ بک أن يتخذ قبرى وثنا، فإن الله تبارک وتعالى اشتد غضبه على قوم اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد.

قال البزار :لا نحفظه عن أبى سعيد إلا بهذا الإسناد (كشف الاستار عن زوائد البزار، رقم الحديث ٤٤٠)

قال الهيثمى: رواه البزار وفيه عمر بن صهبان وقد اجتمعوا على ضعفه(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٢٠٦٥، باب فى الصلاة بين القبور واتخاذها مساجد والصلاة إليها)

عن إبراهيم بن أبى يحيى، وابن جريج، عن صفوان بن سليم، عن سعيد بن أبى سعيد، مولى المهرى، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :اللهم إنى أعوذ بک أن يتخذ قبرى وثنا، ومنبرى عيدا (مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ١٥٩١٦)

[2] رقم الحديث ٧٦٢٦، كتاب الصلاة، باب فى الصلاة عند قبر النبى صلى الله عليه وسلم وإتيانه.

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُصَلّٰى إِلَيْهِ، فَإِنَّهُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ (المصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ١٥٨٧، كتاب الصلاة، باب الصلاة على القبور)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! میری قبر کو بت مت بنانا، جس کی طرف نماز پڑھی جائے، اللہ کا اس قوم پر شدید غضب ہوتا ہے، جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنالیا (عبدالرزاق)

مذکورہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ قبروں کو مساجد یعنی سجدہ گاہ بنانا سخت گناہ والا عمل ہے۔

(فصل نمبر 2)

قبروں کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت سے متعلق احادیث

قبروں کو مساجد بنانے کے مفہوم میں قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت بھی داخل ہے، اور متعدد احادیث وروایات میں اس کی صراحت پائی جاتی ہے، لہٰذا اب قبروں کو قبلہ بنانے یا قبروں کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت سے متعلق احادیث وروایات ملاحظہ فرمایئے۔

پہلی حدیث

حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَا تُصَلُّوْا إِلَى الْقُبُوْرِ، وَلَا تَجْلِسُوْا عَلَيْهَا (صحيح مسلم) [1]

---

[1] ٩٧٢ "٩٨" كتاب الجنائز، باب النهى عن الجلوس على القبر والصلاة عليه.

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم قبروں کی طرف (رخ کرکے) نماز نہ پڑھو، اور نہ قبروں پر بیٹھو (مسلم)

اس حدیث میں قبر کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔

دوسری حدیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نَهٰى نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُّبْنٰى عَلَى الْقُبُوْرِ، أَوْ يُقْعَدَ عَلَيْهَا، أَوْ يُصَلّٰى عَلَيْهَا (مسند أبی یعلی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر عمارت بنانے، یا ان پر بیٹھنے، یا ان پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا (ابویعلیٰ)

اس حدیث میں قبر کے اوپر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔

تیسری حدیث

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُصَلُّوْا إِلٰى قَبْرٍ، وَلَا تُصَلُّوْا عَلٰى قَبْرٍ (المعجم الکبیر، رقم الحدیث ۱۲۰۵۱، ج ۱۱ ص ۳۷۶) [2]

---

[1] رقم الحدیث ۱۰۲۰، ج۲ص۲۹۷، من مسند أبی سعید الخدری.
قال حسین سلیم أسد: إسناده صحیح (حاشیة مسند ابی یعلیٰ)

[2] قال الهیثمی:
رواه الطبرانی فی الکبیر وفیه عبد الله بن کیسان المروزی ضعفه أبو حاتم ووثقه ابن حبان (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۲۰۶۰)
وقال الالبانی:
لا تصلوا إلی قبر ولا تصلوا علی قبر ."رواه الطبرانی فی "المعجم الکبیر "(3/ 145 /2) عن عبد الله بن کیسان عن عکرمة عن ابن عباس مرفوعا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نہ تو قبر کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھو، اور نہ قبر پر نماز پڑھو (طبرانی)

مطلب یہ ہے کہ قبر کے اوپر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے بھی بچو، اور قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے بھی بچو، کیونکہ دونوں صورتوں میں قبر پرستی سے مشابہت پائی جاتی ہے۔

چوتھی حدیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلَاةِ بَيْنَ الْقُبُوْرِ (مسند ابی یعلیٰ، رقم الحدیث ۲۷۸۸، ج۵ص ۱۷۵، مسند انس بن مالک) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کے درمیان نماز پڑھنے سے منع فرمایا (ابو یعلیٰ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قلت :وابن كيسان هذا هو أبو مجاهد المروزى صدوق يخطىء كثيرا كما قال الحافظ فى "التقريب "، وبقية رجاله ثقات .ثم رواه (3/ 150 / 1) عن رشدين بن كريب عن أبيه عن ابن عباس رفعه.

قلت :ورشدين ضعيف كما فى "التقريب "، وبقية رجاله ثقات، فالحديث بمجموع الطريقين حسن، وقد أخرجه الضياء المقدسى فى "الأحاديث المختارة "(62/65 2 /) من طريق الطبرانى .وقد أعله المناوى نقلا عن الهيثمى بابن كيسان، ففاتهما الطريق الأخرى المقوية له، فتنبه .وللحديث شاهدان من حديث أبى سعيد الخدرى وأنس، وهما مخرجان فى كتابى "تحذير الساجد "(ص - 32 - 31الطبعة الثالثة) ، فالحديث صحيح والحمد لله على توفيقه (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۱۰۱۶)

[1] قال حسين سليم أسد: رجاله رجال الصحيح(حاشية مسند ابى يعلىٰ)

[2] عن عاصم، عن أنس، قال :نهى عن الصلاة بين القبور (كشف الأستار عن زوائد البزار،رقم الحديث ۴۴۱، باب :النهى عن الصلاة بين القبور)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قبروں کے درمیان نماز نہ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ قبرستان کے اندر اس طرح نماز نہ پڑھو کہ اردگرد قبریں ہوں۔

پانچویں حدیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ إِلَّا الْمَقْبَرَةَ وَالْحَمَّامَ (مسند أحمد بن حنبل) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن الحسن، عن أنس، أن النبی صلی الله علیه وسلم نهی عن الصلاة بین القبور.
قال البزار :قد رواه غیر حفص، عن أشعث، عن الحسن، عن النبی صلی الله علیه وسلم مرسلا، ولم یذکر أنسا إلا حفص، قلت :رواه غیر حفص کما سیأتی (کشف الأستار عن زوائد البزار ،رقم الحدیث ۴۴۲، باب :النهی عن الصلاة بین القبور)
عن ثمامة، عن أنس، أن النبی صلی الله علیه وسلم نهی عن الصلاة بین القبور (کشف الأستار عن زوائد البزار،رقم الحدیث ۴۴۳، باب :النهی عن الصلاة بین القبور)

قال الهیثمی:

وعن أنس أن النبی -صلی الله علیه وسلم -نهی عن الصلاة بین القبور.
رواه البزار ورجاله رجال الصحیح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۲۰۶۲)

[1] رقم الحدیث ۱۱۷۸۸، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث ۱۶۹۹.

قال شعیب الارنؤوط:

إسناده صحیح .بشر بن معاذ العقدی :صدوق روی له أصحاب السنن غیر أبی داود، وباقی رجال السند علی شرطهما (حاشیة صحیح ابن حبان)

و قال ایضاً :

حدیث صحیح، وله إسنادان :أحدهما موصول من طریق حماد بن سلمة، والآخر مرسل من طریق سفیان الثوری، وهذا معنی قوله" :ولم یجز سفیان أباه "یعنی :ثم یذکر أبا سعید بعد یحیی بن عمارة والد عمرو بن یحیی، وهذا تصریح أن روایة الثوری مرسلة، وصرح أیضاً بکونها مرسلة الترمذی فی "سننه"، وکذلک البیهقی فی "السنن2/434-435 "، فقال " :حدیث الثوری مرسل "، ثم ذکر أن من وَصَلَه فقد أخطأ، فقال" :وقد رُوی موصولاً ولیس بشی"، ومع ذلک ظن الشیخ أحمد شاکر من سیاقة إسناد البیهقی -وهو من طریق یزید بن هارون شیخ أحمد بهذین الإسنادین -أن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پوری زمین سجدہ گاہ ہے، سوائے قبرستان اور حمام کے (مسند احمد، ابن حبان)

اس حدیث میں بھی قبرستان کے اندر نماز پڑھنے سے منع کرنا مقصود ہے، تا کہ قبر پرستی اور شرک سے مشابہت لازم نہ آ جائے۔

اور حمام میں ممانعت کی وجہ عادتاً نجاست ومیل کچیل اور شیاطین کا ہونا وغیرہ ہے۔ [1]

چھٹی حدیث

حضرت ابنِ جریج سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ، وَسُئِلَ عَنِ الصَّلَاةِ وَسَطَ الْقُبُوْرِ؟ قَالَ: ذُكِرَ لِي، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كَانَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ فَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى (المصنف عبد الرزاق) [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

طريق الثورى موصول أيضاً .غيرَ ملتفتٍ إلى تصريح البيهقى فى إرساله وخطأ من وَصَلَه، فقال فى تعليقه على "سنن "الترمذى :2/133ولا أدرى كيف يزعم الترمذى ثم البيهقى أن الثورى رواه مرسلاً في حين أن روايته موصولة أيضاً !ثم قال :وأنا لم أجده مرسلاً من رواية الثورى، إنما رأيتُه كذلك من رواية سفيان بن عيينة، فلعله اشتبه عليهم سفيان بسفيان.

قلنا :كيف يشتبه عليهم واحد بآخر؟ !وهذه هى رواية الثورى المرسلة فى هذا الحديث، وأخرجها مرسلةً أيضاً عبدُ الرزاق وابنُ أبى شيبة كما سيرد، وهى كذلك عند البيهقى، لكن خفيت عليه رحمه الله تعالى .ويظهر أن الحافظ ابن حجر عزل قولَ البيهقى " :وقد روى موصولاً وليس بشى "عما قبله -وهو فى تأكيد إرسال رواية الثورى فقط -فظن أنه يرجح المرسل، كما ذكر فى "تلخيص الحبير " (حاشية مسند احمد)

[1] الصلاة فى داخل الحمام: مكروهة عند الحنفية والشافعية والحنابلة؛ لأنها مأوى الشياطين، ومظنة انكشاف العورات، ومصب الغسالات والنجاسات عادة(الفقه الاسلامى وادلتهٗ للزحيلى، ج۲ص ۹۷۹، الباب الثانى، الفصل السادس، المبحث الرابع، المطلب الثانى)

[2] رقم الحديث ۱۵۹۱، كتاب الصلاة، باب الصلاة على القبور.

ترجمہ: حضرت عمرو بن دینار سے قبروں کے درمیان نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنالیا تھا، پس ان پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی (عبدالرزاق)

اس روایت میں قبروں کے درمیان نماز پڑھنے کی ممانعت میں قبروں کو مساجد بنالینے کی حدیث کو ذکر کیا گیا۔

جس سے معلوم ہوا کہ قبروں کے درمیان نماز پڑھنا، قبروں کو عبادت وسجدہ گاہ بنالینے کی وجہ سے ممنوع ہے۔

ساتویں حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قُمْتُ يَوْمًا أُصَلِّيْ وَبَيْنَ يَدَيَّ قَبْرٌ لَا أَشْعُرُ بِهٖ فَنَادَانِيْ عُمَرُ: اَلْقَبْرَ اَلْقَبْرَ، فَظَنَنْتُ أَنَّهٗ يَعْنِي الْقَمَرَ، فَقَالَ لِيْ بَعْضُ مَنْ يَّلِيْنِيْ: إِنَّمَا يَعْنِي الْقَبْرَ فَتَنَحَّيْتُ عَنْهُ (السنن الكبرى للبيهقي)[1]

ترجمہ: میں ایک دن نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا، اور میرے سامنے قبر تھی، جس کا مجھے علم نہیں تھا، تو مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا کہ قبر، قبر!

میں نے سمجھا کہ وہ ''قمر'' (یعنی چاند) کہہ رہے ہیں، تو میرے برابر والے بعض حضرات نے مجھے بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ''قبر'' کہہ رہے ہیں، تو میں وہاں سے ہٹ گیا (بیہقی)

---

[1] رقم الحديث ۴۲۷۷، كتاب الصلاة، جماع أبواب الصلاة بالنجاسة وموضع الصلاة من مسجد وغيره، باب النهى عن الصلاة إلى القبور.

آٹھویں حدیث

حضرت ثابت بنانی سے روایت ہے کہ:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: رَآنِيْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: وَأَنَا أُصَلِّيْ عِنْدَ قَبْرٍ، فَجَعَلَ يَقُوْلُ: اَلْقَبْرُ قَالَ: فَحَسِبْتُهُ يَقُوْلُ: اَلْقَمَرُ، قَالَ: فَجَعَلْتُ أَرْفَعُ رَأْسِيْ إِلَى السَّمَاءِ فَأَنْظُرُ فَقَالَ: إِنَّمَا أَقُوْلُ اَلْقَبْرُ لَا تُصَلِّ إِلَيْهِ، قَالَ ثَابِتٌ: فَكَانَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ يَأْخُذُ بِيَدِيْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُّصَلِّيَ فَيَتَنَحّٰى عَنِ الْقُبُوْرِ (المصنف عبد الرزاق) [1]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دیکھا، اور میں اس وقت قبر کے قریب نماز پڑھنے لگ رہا تھا، تو وہ ''قبر، قبر'' فرمانے لگے، میں نے سمجھا کہ وہ ''قمر'' (یعنی چاند) کہہ رہے ہیں، اس لیے میں اپنا سر آسمان کی طرف اٹھانے لگا کہ میں چاند کو دیکھوں، تو انہوں نے فرمایا کہ میں قبر کہہ رہا ہوں، آپ قبر کی طرف نماز نہ پڑھیں۔

حضرت ثابت کہتے ہیں کہ انس بن مالک جب نماز پڑھنا چاہتے تھے، تو میرا ہاتھ پکڑ کر قبروں سے الگ ہو جاتے تھے (عبدالرزاق)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کا ذکر امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی صحیح بخاری میں فرمایا ہے۔ [2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قبر کے سامنے یا قبر کے قریب نماز پڑھنے کو سخت ناپسند فرمایا۔

مذکورہ احادیث وروایات سے قبر کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت معلوم ہوئی۔

---

[1] رقم الحدیث ۱۵۸۱، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی القبور.

[2] ورأى عمر بن الخطاب رضی الله عنه أنس بن مالک یصلی عند قبر، فقال: القبر القبر، ولم یأمره بالإعادة (صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب: هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة، ویتخذ مکانها مساجد)

(فصل نمبر 3)

قبروں کو عید ومیلہ گاہ بنانے کی ممانعت سے متعلق احادیث

متعدد احادیث وروایات میں قبروں کو عید ومیلہ گاہ بنانے کی بھی ممانعت آئی ہے۔

اب اس طرح کی چند احادیث وروایات کو ملاحظہ فرمایئے۔

پہلی حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ: لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِيْدًا، وَلَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا، وَحَيْثُمَا كُنْتُمْ فَصَلُّوْا عَلَيَّ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِیْ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری قبر کو عید نہ بناؤ، اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان بناؤ، اور تم جہاں کہیں بھی ہو، مجھ پر درود پڑھو، کیونکہ تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے (مسند احمد، ابوداؤد)

مطلب یہ ہے کہ درود شریف پڑھنے کے لئے روضۂ اقدس پر حاضر ہونا ضروری نہیں، بلکہ ہر جگہ پڑھا جانے والا درود، فرشتوں کے واسطہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے، اگرچہ قبر مبارک پر حاضر ہو کر پڑھنا بھی جائز ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۸۸۰۴، ابوداؤد، رقم الحدیث ۲۰۴۲، کتاب المناسک باب زیارۃ القبور.
قال شعیب الارنؤوط: إسنادہ حسن لأجل عبد اللہ بن نافع، وقد سلفت ترجمتہ فی الحدیث السابق، وباقی رجالہ ثقات رجال الشیخین غیر سریج -وھو ابن النعمان الجوھری- فمن رجال البخاری (حاشیة مسند احمد)
وقال ایضاً: صحیح لغیرہ، وھذا إسناد حسن (حاشیة ابی داؤد)

[2] معناہ لا تتکلفوا المعاودۃ إلی قبری فإن صلاتکم تبلغنی حیث کنتم ما ذاک إلا لأن الصلاۃ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور قبر کو عید نہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر کوئی خاص دن مقرر کر کے میلہ نہ لگایا جائے، جیسا کہ آج کل بعض لوگ بزرگوں کے مزاروں پر عرس کے نام سے میلہ لگاتے ہیں۔ [1]

اور بعض حضرات نے قبر کو عید نہ بنانے کا یہ مطلب بیان فرمایا کہ قبر یا قبرستان کو زیب وزینت والی جگہ نہ بناؤ، جس طرح عید کے موقع پر زیب وزینت اختیار کی جاتی ہے، اور بعض حضرات نے اس کے دوسرے مطلب بھی بیان فرمائے ہیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی الحضور مشافهة أفضل من الغيبة (فيض القدير للمناوى تحت رقم الحديث ١٢٨٨٢)

(وصلوا على وسلموا فإن صلاتكم تبلغنى حيثما كنتم) أى لا تتكلفوا المعاودة إلى فقد استغنيتم بالصلاة على لأن النفوس القدسية إذا تجردت عن العلائق البدنية عرجت واتصلت بالملأ الأعلى ولم يبق لها حجاب فترى الكل كالمشاهد بنفسها أو بإخبار الملك لها وفيه سر يطلع عليه من يسر له.ذكره القاضى.

(تنبيه) قولهم فيما سلف معناه النهى عن الاجتماع إلخ يؤخذ منه أن اجتماع العامة فى بعض أضرحة الأولياء فى يوم أو شهر مخصوص من السنة ويقولون هذا يوم مولد الشيخ ويأكلون ويشربون وربما يرقصون منهى عنه شرعا وعلى ولى الشرع ردعهم على ذلك وإنكاره عليهم وإبطاله(فيض القدير للمناوى ، تحت رقم الحديث ٩٨٠٤)

[1] لا تتخذوا قبرى عيدًا .وقد حرَّف مرادَه بعض الجهلاء وفهموا أَنَّ معناه لا تجعلوه كالعيد فتأتوه فى السَّنة مرة، ومعناه لا تجعلوه كالعيد حفلة سنوية يعنى :میلا میری قبر برنہ لگایا کرو(فيض البارى شرح البخارى، ج۲ ص ۶۴،كتاب الصلاة، باب كراهية الصلاة فى المقابر)

[2] ("ولا تجعلوا قبرى عيدا ") : هو واحد الأعياد، أى :لا تجعلوا زيارة قبرى عيدا، أو لا تجعلوا قبرى مظهر عيد، فإنه يوم لهو وسرور، وحال الزيارة خلاف ذلك، وقيل :محتمل أن يكون المراد الحث على كثرة زيارته، ولا يجعل كالعيد الذى لا يأتى فى العام إلا مرتين.

قال الطيبى :نهاهم عن الاجتماع لها اجتماعهم للعيد نزهة وزينة، وكانت اليهود والنصارى تفعل ذلك بقبور أنبيائهم، فأورثهم الغفلة والقسوة، ومن عادة عبدة الأوثان أنهم لا يزالون يعظمون أمواتهم حتى اتخذوها أصناما، وإلى هذا أشار لقوله " :اللهم لا تجعل قبرى وثنا يعبد "فيكون المقصود من النهى كراهة أن يتجاوزوا فى قبره غاية التجاوز، ولهذا ورد " :اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد "، وقيل :العيد اسم من الاعتياد يقال :عاده واعتاده وتعوده، أى: صار عادة له، والعيد ما اعتادك من هم أو غيره، أى :لا تجعلوا قبرى محل اعتياد فإنه يؤدى إلى سوء الأدب وارتفاع الحشمة، ولا يظن أن دعاء الغائب لا يصل إلى، ولذا عقبه بقوله :(وصلوا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حدیث میں جو یہ فرمایا گیا کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے گھروں میں نفل وغیرہ نماز پڑھنا نہ چھوڑو، جس طرح سے قبرستان میں نماز نہیں پڑھی جاتی۔ اور بعض حضرات نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اپنے گھروں میں مُردوں کو دفن نہ کرو، بلکہ انہیں قبرستان میں یا عمارت سے باہر دفن کرو۔ واللہ اعلم۔ [1]

دوسری حدیث

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا، وَلَا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا، وَصَلُّوْا عَلَيَّ، وَسَلِّمُوْا فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ (مسند البزار، رقم الحديث ٥٠٩) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میری قبر کو عید نہ بناؤ، اور نہ اپنے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

على، فإن صلاتكم تبلغني) : قال الطيبي :وذلك أن النفوس الزكية القدسية إذا تجردت عن العلائق البدنية عرجت ووصلت بالملأ الأعلى، ولم يبق لها حجاب، فترى الكل كالمشاهد بنفسها، أو بإخبار الملك لها، وفيه سر يطلع عليه من تيسر له اهـ.

فيكون نهيه عليه السلام لدفع المشقة عن أمته رحمة (عليهم)(مرقاة المفاتيح، ج٢ ص ٧٤٤، كتاب الصلاة،باب الصلاة على النبى وفضلها)

[1] (ولا تتخذوها) ، أى :بيوتكم (قبورا) : بأن تتركوا الصلاة فيها كما تتركونها فى المقابر، شبه المكان الخالى عن العبادة بالمقبرة والغافل عنها بالميت، وقيل لا تجعلوا بيوتكم مواطن النوم لا تصلون فيها، فإن النوم أخو الموت، وقيل :إن مثل ذاكر الله ومثل غير ذاكر الله كمثل الحى والميت الساكن فى البيوت، والساكن فى القبور، فالذى لا يصلى فى بيته جعله بمنزلة القبر، كما جعل نفسه بمنزلة الميت، وقيل :معناه لا تدفنوا فيها موتاكم ;لئلا يكدر عليكم معاشكم ومأواكم، (متفق عليه) . وفى رواية مسلم :(لا تتخذوا بيوتكم مقابر) ، ذكره ميرك(مرقاة المفاتيح، ج٢ص ٦٠١، ٦٠٢، كتاب الصلاة،باب المساجد ومواضع الصلاة)

[2] قال البزار:وهذا الحديث لا نعلمه يروى عن على إلا من هذا الوجه بهذا الإسناد، وقد روى بهذا الإسناد أحاديث صالحة فيها مناكير، فذكرنا هذا الحديث؛ لأنه غير منكر :لا تجعلوا قبرى عيدا ولا بيوتكم قبورا .قد روى عن النبى صلى الله عليه وسلم من غير هذا الوجه(مسند البزار)

گھروں کو قبرستان بناؤ، اور تم مجھ پر درود اور سلام بھیجو، بے شک تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے (بزار)

تیسری حدیث

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا، وَلَا بُیُوْتَکُمْ قُبُوْرًا، فَإِنَّ تَسْلِیْمَکُمْ یَبْلُغُنِیْ أَیْنَمَا کُنْتُمْ (مسند ابی یعلیٰ) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میری قبر کو عید نہ بناؤ، اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان بناؤ، پس بے شک تمہارا سلام مجھ تک (فرشتوں کے واسطہ سے) پہنچ جاتا ہے، جہاں کہیں بھی تم ہو (مسند ابی یعلیٰ، فضل الصلاۃ)

چوتھی حدیث

مصنف ابنِ ابی شیبہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا، وَلَا بُیُوْتَکُمْ قُبُوْرًا وَصَلُّوْا عَلَیَّ فَإِنَّ صَلَاتَکُمْ وَتَسْلِیْمَکُمْ یَبْلُغُنِیْ حَیْثُ مَا کُنْتُمْ (مصنف ابنِ ابی شیبۃ) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میری قبر کو عید نہ بناؤ، اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان بناؤ، پس بے شک تمہارا درود اور تمہارا سلام مجھ تک پہنچ

---

[1] رقم الحدیث ۴۶۹، ج ۱ ص ۳۶۱، مسند علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ، فضل الصلاۃ علی النبی لإسماعیل بن إسحاق رقم الحدیث ۲۰.

[2] رقم الحدیث ۷۶۲۴، کتاب الصلاۃ، باب فی الصلاۃ عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وإتیانہ.

جاتا ہے، جہاں کہیں بھی تم ہو (ابنِ ابی شیبہ)

اس حدیث کو بعض حضرات نے اگرچہ سند کے اعتبار سے فی نفسہٖ ضعیف قرار دیا ہے، لیکن دوسری احادیث وروایات کے ساتھ مل کر یہ حدیث حسن درجہ میں داخل ہوجاتی ہے۔ [1]

---

[1] اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

رواہ أبو یعلی وفیه حفص بن ابراهیم الجعفری ذکره ابن أبی حاتم ولم یذکر فیه جرحا وبقیة رجاله ثقات(مجمع الزوائد ج۴ص۳، تحت رقم الحدیث ۵۸۴۷، باب قوله لا تجعلن قبری وثنا)

مگر مسند ابویعلیٰ اور فضل الصلاۃ علی النبی، دونوں کتب میں جعفر ابن ابراہیم ہیں، نہ کہ حفص بن ابراہیم، اور اسماعیل بن اسحاق نے براہِ راست ان سے حدیث نقل کی ہے، اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے نسب تک ان کا نام ذکر فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

حدثنا جعفر بن إبراهیم بن محمد بن علی بن عبد الله بن جعفر بن أبی طالب(فضل الصلاة علی النبی، حواله بالا)

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے جعفر بن ابراہیم کا تاریخِ کبیر میں بغیر جرح کے تذکرہ فرمایا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

جعفر بن ابراهیم من ولد ذی الجناحین، من ولد عبد الله بن جعفر بن ابی طالب الهاشمی الحجازی، قال لی عبد الله بن ابی شیبة العبسی حدثنا زید بن حباب قال ثنا جعفر بن ابراهیم من ولد ذی الجناحین قال :حدثنی علی بن عمر عن ابیه عن علی بن حسین انه رأی رجلا یجیئ إلی فرجة کانت عند قبر رسول الله صلی الله علیه وسلم فیدخل فیها فیدعو فدعاه فقال :ألا احدثک حدیثا سمعته من ابی عن جدی عن النبی صلی الله علیه وسلم ؟ قال :لا تتخذوا قبری عیدا(التاریخ الکبیر،للبخاری ، ج۲ص۱۸۶ ،تحت رقم الترجمة ۲۱۴۰)

نیز متعدد محدثین نے اس حدیث کے شواہد پائے جانے کی وجہ سے اس کو حسن درجہ میں داخل مانا ہے۔

قال ابن حجر:هذا حدیث حسن(نتائج الافکار، ج۴ص۲۲، کتاب :الصلاة علی رسول الله صلی الله علیه وسلم، المجلس:۲۹۷)

وقال السخاوی:وله شواهد منها عن علی مرفوعاً :سلموا علی فإن تسلیمکم یبلغنی أینما کنتم، وهو حدیث حسن(المقاصد الحسنة للسخاوی ،باب حرف الصاد المهملة، تحت رقم الحدیث ۶۲۳)

وقال العجلونی:وله شواهد :منها عن علی مرفوعا سلموا علی فإن تسلیمکم یبلغنی أینما کنتم قال وهو حدیث حسن(کشف الخفاء، ج۲ص۲۸ ، تحت رقم الحدیث ۱۶۲۰۲)

وقال ابن عبدالهادی الحنبلی:فهذه الأحادیث المعروفة عند أهل العلم التی جاء ت من وجوه حسان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پانچویں حدیث

حضرت حسن بن حسن بن علی سے روایت ہے کہ:

إِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا تَتَّخِذُوا قَبْرِیْ عِیْدًا، وَلَا تَتَّخِذُوا بُیُوْتَکُمْ قُبُوْرًا، وَصَلُّوْا عَلَیَّ حَیْثُمَا کُنْتُمْ، فَإِنَّ صَلَاتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ (مصنف عبدالرزاق) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تصدق بعضها بعضاً (الصارم المنكى فى الرد على السبكى، ج ا ص ۱۵۹، الباب الأول :فى الأحاديث الواردة فى الزيارة نصاً)

وقال محمد بن محمد درويش، أبو عبد الرحمن الحوت: حديث " :صلاتكم على تبلغنى أينما كنتم ."يروى بألفاظ مختلفة، وله عدة أسانيد فيها حسنة وضعيفة (أسنى المطالب فى أحاديث مختلفة المراتب، تحت رقم الحديث ۸۲۲)

وقال الالبانى:ومن هذا الباب ما ورد عن على بن الحسين -رضى الله عنهما ,أنه رأى رجلا يجىء إلى فرجة كانت عند قبر النبى صلى الله عليه وسلم ،فيدخل فيها فيدعو ,فنهاه فقال :ألا أحدثكم حديثًا سمعته من أبى ,عن جدى ,عن رسول لله صلى الله عليه وسلم ؟ قَالَ ":لا تتخذوا قبرى عيدًا، ولا بيتوكم قبورًا، فإن تسليمكم يبلغنى أينما كنتم."

رواه الضياء المقدسى فى "الأحاديث المختارة "، ورواه أبو يعلى فى "مسنده ,"وفى إسناده رجل من أهل البيت مستور، وبقية رجاله ثقات، وهو صحيح بطرقه وشواهده(تخريج أحاديث فضائل الشام ودمشق لأبى الحسن على بن محمد الربعى، ص ۵۲،الحديث الواحد والعشرون)

قال الهيثمى:رواه الطبرانى فى الكبير والأوسط، وفيه حميد بن أبى زينب ولم أعرفه، وبقية رجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد،تحت رقم الحديث ۱۷۲۹۵، باب الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم فى الدعاء وغيره)

وقال المنذرى:رواه الطبرانى فى الكبير بإسناد حسن (الترغيب و الترهيب ، تحت رقم الحديث ۲۵۷۱)

وقال المناوى:قال السخاوى ولهٗ شواهد (فيض القدير للمناوى تحت رقم الحديث ۳۷۶۸)

وقال الحسن بن أحمد الرُّباعى الصنعانى: وعن الحسن بن على رضى الله عنهما أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم -قال :حيثما كنتم فصلوا علىَّ فإن صلاتكم تبلغنى رواه الطبرانى فى "الكبير" بإسناد حسن (فتح الغفار الجامع لأحكام سنة نبينا المختار، تحت رقم الحديث ٦۴۸۲)

[1] رقم الحديث ٦۷۲٦، كتاب الجنائز، باب السلام على قبر النبى صلى الله عليه و سلم ، مصنف بن ابى شيبة، رقم الحديث ۷٦۲۵.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میری قبر کو عید نہ بناؤ، اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان بناؤ، اور تم مجھ پر درود بھیجو، جہاں بھی تم ہو، کیونکہ بے شک تمہارا درود مجھ تک (فرشتوں کے واسطے سے) پہنچ جاتا ہے (عبدالرزاق، ابنِ ابی شیبہ)

چھٹی حدیث

حضرت حسن بن حسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :صَلُّوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ وَلَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ مَقَابِرَ، لَعَنَ اللّٰهُ يَهُوْدَ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ، وَصَلُّوْا عَلَيَّ؛ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ حَيْثُمَا كُنْتُمْ (فضل الصلاة على النبى، لاسماعيل بن اسحاق، تحت رقم الحديث ۳۰) [۲]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھو، اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، اللہ کی لعنت ہو یہود پر، جنہوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنادیا تھا، اور تم جہاں بھی ہو، میرے اوپر درود پڑھو، بے شک تمہارا درود مجھ تک (فرشتوں کے واسطے سے) پہنچ جاتا ہے (فضل الصلاۃ)

مذکورہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو بھی عید گاہ ومیلہ گاہ بنانا یعنی اس پر حاضری کے لیے عید کے اجتماع کی طرح دن مقرر کرنا، اور زیب وزینت اختیار کرنا جائز نہیں، جیسا کہ بعض بزرگوں کی قبروں پر عرس کے عنوان سے میلہ لگایا جاتا ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے کی قبر پر اس طرح کا عمل کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

اور جس طرح درود وسلام پڑھنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضری ضروری نہیں، اسی طرح کسی بھی مومن میت کے حق میں مغفرت ورحمت کی دعاء کرنے یا اس کو شرعی

---

[۲] قال الالبانی: إسناده صحيح (حاشية فضل الصلاة على النبى)

اصولوں کے مطابق ثواب پہنچانے کے لیے بھی اس کی قبر پر یا میت کے گھر (چالیسویں یا سالانہ وغیرہ کے عنوان سے) حاضری ضروری نہیں، بلکہ شرعی طریقہ پر دعاء واستغفار اور ایصالِ ثواب ہر جگہ سے کیا جاسکتا ہے۔

چند متعلقہ مسائل

اب اس سلسلہ میں چند مسائل ملاحظہ فرمائیے۔

مسئلہ نمبر 1...... جمہور فقہائے کرام کے نزدیک قبرستان میں نماز پڑھنا، مکروہ ہے۔

بعض فقہائے کرام کے نزدیک قبرستان میں نماز پڑھنا اس وقت مکروہ ہے، جب قبر نماز پڑھنے والے کے اس طرح سامنے ہو کہ اگر وہ خشوع کے ساتھ نماز پڑھے، تو اس کی نظر قبر پر پڑے، لیکن اگر قبر پیچھے ہو یا اوپر ہو یا نیچے (مثلاً تہہ خانے وغیرہ میں) ہو، تو پھر مکروہ نہیں۔

اور بعض فقہائے کرام کے نزدیک بہر حال قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، خواہ قبریں سامنے ہوں یا پیچھے ہوں، یا دائیں ہوں یا بائیں ہوں، یا نیچے ہوں۔ [1]

---

[1] ذهب الحنفية والشافعية إلى كراهة الصلاة فى الطريق، والحمام، والمزبلة، والمجزرة، والكنيسة، وعطن الإبل، والمقبرة ......(وعند المالكية يكره الصلاة)بالمقبرة بلا حائل ولو على القبر، ولو لمشرك، وسواء كانت المقبرة عامرة أم دارسة منبوشة...... (وقال الحنابلة)بعدم صحة الصلاة فى المقبرة مطلقا؛ لحديث جندب مرفوعا :لا تتخذوا القبور مساجد فإنى أنهاكم عن ذلك والمقبرة ثلاثة قبور فصاعدا، فلا يعتبر قبر ولا قبران مقبرة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧، ص ١١٣ الى ١١٥، ملخصاً، مادة "صلاة")

الصلاة فى المقبرة:

ذهب الحنفية إلى أنه تكره الصلاة فى المقبرة، وبه قال الثورى والأوزاعى، لأنها مظان النجاسة، ولأنه تشبه باليهود، إلا إذا كان فى المقبرة موضع أعد للصلاة ولا قبر ولا نجاسة فلا بأس.

وقال المالكية :تجوز الصلاة بمقبرة عامرة كانت أو دارسة، منبوشة أم لا، لمسلم كانت أو لمشرك.

وفصل الشافعية الكلام فقالوا :لا تصح الصلاة فى المقبرة التى تحقق نبشها بلا خلاف فى المذهب، لأنه قد اختلط بالأرض صديد الموتى، هذا إذا لم يبسط تحته شىء، وإن بسط تحته شىء تكره.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر 2...... حنفیہ کے نزدیک قبرستان میں نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ نہیں، اور دوسرے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما إن تحقق عدم نبشها صحت الصلاة بلا خلاف لأن الجزء الذى باشره بالصلاة طاهر، ولكنها مكروهة كراهة تنزيه لأنها مدفن النجاسة.

وأما إن شک فی نبشها فقولان :أصحهما :تصح الصلاة مع الكراهة، لأن الأصل طهارة الأرض فلا يحكم بنجاستها بالشک، وفی مقابل الأصح :لا تصح الصلاة لأن الأصل بقاء الفرض فی ذمته، وهو يشک فی إسقاطه، والفرض لا يسقط بالشک.

وقال الحنابلة :لا تصح الصلاة فی المقبرة قديمة كانت أو حديثة، تكرر نبشها أو لا، ولا يمنع من الصلاة قبر ولا قبران، لأنه لا يتناولها اسم المقبرة وإنما المقبرة ثلاثة قبور فصاعدا .وروى عنهم أن كل ما دخل فی اسم المقبرة مما حول القبور لا يصلى فيه.

ونصوا على أنه لا يمنع من الصلاة ما دفن بداره ولو زاد على ثلاثة قبور، لأنه ليس بمقبرة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۸، ص ۳۴۶ و ۳۴۷، مادة "مقبرة")

الصلاة فی المقبَرة :مكروهة عند الجمهور غير المالكية، لنجاسة ما تحتها بالصديد ولما فيها من التشبه باليهود، كما فی الحديث السابق :لعن الله اليهود اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد، فلا تتخذوا قبرى بعدى مسجداً، ولهم تفصيل فی شأن الصلاة فی المقابر:

قال الحنفية :تكره الصلاة فی المقبرة إذا كان القبر بين يدى المصلى، بحيث لو صلى خاشعاً وقع بصره عليه .أما إذا كان خلفه أو فوقه أو تحته فلا كراهة على التحقيق، كما لا كراهة فی الموضع المعد للصلاة بلا نجاسة ولا قذر، ولا تكره الصلاة مطلقاً فی أماكن قبور الأنبياء .

وقال الشافعية :تكره الصلاة فی المقبرة التی لم تنبش، سواء أكانت القبور أمامه أم خلفه أم عن يمينه أم شماله، أم تحته، إلا مقابر الأنبياء وشهداء المعركة؛ لأن الله تعالى حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء ، وإنما هم أحياء فی قبورهم يصلون، كما أن الشهداء أحياء ، إلا إن قصد تعظيمهم فيحرم .أما المقبرة المنبوشة فلاتصح الصلاة فيها بغير حائل ومعه تكره.

وقال الحنابلة :المقبرة :ما احتوت على ثلاثة قبور فأكثر فی أرض موقوفة للدفن، فإن لم تحتو على ثلاثة فالصلاة فيها صحيحة بلا كراهة إن لم يستقبل القبر، وإلا كره.

ولا تصح الصلاة عندهم فی المقابر، لحديث أبی سعيد مرفوعاً :الأرض كلها مسجد، إلا المقبرة والحمام . وتكره الصلاة إلى المقبرة بلا حائل لحديث أبی مَرْثد الغَنَوی :لا تصلوا إلى القبور، ولا تجلسوا عليها.

وحديث ابن عمر :اجعلوا من صلاتكم فی بيوتكم، ولا تتخذوها قبوراً.

وذلک سواء حدث المسجد بعد المقبرة أم حدثت المقبرة بعده، حوله أو فی قبلته(الفِقْهُ الإسلاميُّ وأدلَّتُهُ للزحيلی، ج۲،ص۹۸۳، القسم الاول، الباب الثانی، الفصل السادس، المبحث الرابع، المطلب الثانی، الصلاة فی المقبرة)

فقہائے کرام کے نزدیک قبرستان میں مکروہ ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر 3...... قبر پر سجدہ کرنا حرام ہے، اگر کوئی مسلم قبر یا صاحبِ قبر کو معبود سمجھتے ہوئے، اور اس کی عبادت کی غرض سے سجدہ کرے، تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

اور اگر اس کی عبادت پیشِ نظر نہ ہو، بلکہ تعظیم وتکریم کے طور پر سجدہ کرے، تو بہت سے حضرات کے نزدیک اس صورت میں اگرچہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے، لیکن اگر کوئی مسلم اس مقصد سے قبر کو سجدہ کرے، تو اس پر کفر وارتداد کا حکم نہیں لگایا جائے گا، لیکن اس کو اس سے منع کیا جائے گا، اور کفر کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے تنبیہ کی جائے گی۔ [2]

---

[1] **الصلاة على الجنازة فى المقبرة:**

اختلف الفقهاء فى حكم الصلاة على الجنازة فى المقبرة :فذهب الحنفية وهو رواية عن أحمد إلى أنه لا بأس بها، وفعل ذلك ابن عمر رضى الله عنهما ونافع وعمر بن عبد العزيز.

وذهب الشافعية والحنابلة فى قول آخر إلى أنه يكره ذلك، قال النووى وبه قال جمهور العلماء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٨، ص ٣٤٧، مادة "مقبرة")

[2] **أجمعوا على أن السجود لغير صنم ونحوه، كأحد الجبابرة أو الملوك أو أى مخلوق آخر هو من المحرمات وكبيرة من كبائر الذنوب، فإن أراد الساجد بسجوده عبادة ذلك المخلوق كفر وخرج عن الملة بإجماع العلماء ، وإن لم يرد بها عبادة فقد اختلف الفقهاء فقال بعض الحنفية : يكفر مطلقا سواء كانت له إرادة أو لم تكن له إرادة، وقال آخرون منهم :إذا أراد بها التحية لم يكفر بها، وإن لم تكن له إرادة كفر عند أكثر أهل العلم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٤، ص ٢١١، مادة "سجود")**

امداد الاحکام میں ہے کہ:

مشرکینِ عرب جو اصنام کی عبادت کرتے تھے، اور قبر پرست مسلمان، جو قبروں اور تعزیوں کو سجدہ کرتے ہیں، دونوں میں فرق ہے، مشرکینِ عرب ان کو شریک فی الالوہیت کرتے تھے، اور زبان سے بھی ان کو شریکِ خدائی کہتے تھے" **دل عليه قوله تعالىٰ :وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَائِنَا . وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ . وقال تعالىٰ:ويجعلون له اندادا** "وغیر ذلک من الایات، اور گو وہ لوگ اس میں تاویلیں کرتے تھے، مگر اسی کے ساتھ کلمۂ توحید سے متوحش بھی ہوتے تھے، اور کہتے تھے کہ" **أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ** " اور طواف میں کہتے تھے "**لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ، إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ، تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ(صحيح مسلم)** "اور قبر پرست یا تعزیہ پرست ایسے نہیں ہیں، نہ وہ کلمۂ توحید کے منکر ہیں، اور نہ وہ اس سے متوحش

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ بہت سے علمائے عرب ونجد غیرُ اللہ کو سجدہ کرنے پر مطلقاً کفر وشرک کا حکم لگاتے ہیں۔

چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے ''مؤتمر عالمِ اسلامی، مکہ مکرمہ'' میں جو تقریریں اور گفتگوئیں کی ہیں، ان کو اپنے ہاتھ سے ایک ڈائری (روزنامچے) میں درج کیا ہے، یہ ڈائری علامہ عثمانی کے چھوٹے بھائی بابو فضلِ حق فضلی کے واسطہ سے کراچی میں 19 نومبر 1951 عیسوی کو پروفیسر محمد انوار الحسن صاحب شیرکوٹی کو حاصل ہوئی، جس کے اندراجات کو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ہیں، بلکہ بلا استثناء خدا تعالیٰ کو معبودِ واحد کہتے اور اپنے کو مسلمان کہتے ہیں، اور ہنود اپنے دیوتاؤں کو شریکِ الوہیت مانتے ہیں، اور کلمۂ توحید سے منکر ومتوحش ہیں، جیسا کہ مشرکینِ عرب کی حالت اوپر معلوم ہوئی ہے، پس دونوں میں فرق یہ ہے کہ قبر پرستوں اور تعزیہ پرستوں کا شرک عملی ہے، جب تک کہ وہ اپنے کو مسلم وموحد کہتے رہیں، اور ہنود کا شرک اعتقادی وعملی دونوں سے مرکب ہے۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ سجدہ غیرُ اللہ کو کرنا مطلقاً شرک نہیں، بلکہ بعض صورتوں میں امارتِ شرک ہے، باقی حقیقتِ شرک وہی ہے، جو اوپر مذکور ہوئی...... باقی قبروں اور تعزیوں کو سجدہ کرنا یہ علامت تکذیبِ شرع نہیں، کیونکہ کفار میں ان کی عبادات رائج نہیں، ہاں جس چیز کی عبادت کفار میں رائج ہے، اس کو سجدہ کرنا قضاء اَحکامِ کفر کو مستلزم ہوگا (امداد الاحکام، ج1ص120، کتاب الایمان والعقائد، مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع دوم)

ومن ههنا لم يكفر مشائخنا واكابرنا عابدى القبور والساجدين لها وامثالهم لحملهم حالتهم على الصورة الثانية دون الاولىٰ، وقرينتهٗ دعوىٰ هؤلاء الاسلام والتوحيد والتبرى من الشرك بخلاف مشركى العرب والهند ، فانهم يتوحشون من التوحيد ومن نفى القدرة المستقلة عن الهتهم وقالوا جعل الالهة الها واحد.والله اعلم''

13 /صفر/ 1348ھ (امداد الاحکام، ج1ص123)

مشرکین اس تصرف غیر مقید بالاذن کے قائل تھے، اور تصرف بالاذن کا قائل ہونا شرکِ اکبر نہیں ہے (امداد الاحکام، ج1ص123)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

غیرُ اللہ کو سجدہ کرنا اگر بنیتِ عبادت ہو، تو کفر صریح اور ارتدادِ محض ہے (نعوذ باللہ منہ) اور اگر بنیتِ عبادت نہ ہو، بلکہ قصدِ تعظیم معروف ہو، تو ارتداد وکفر تو نہیں، لیکن سخت تر گناہ اور قریب شرک ہے (جواہر الفقہ، جلد اول، صفحہ ۵۰۶، کتاب السنۃ والبدعۃ، رسالہ ''بدع الناس عن محدثات الاعراس''، طبع جدید: نومبر 2010ء، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم، کراچی)

جناب احمد رضا خان بریلوی صاحب نے اپنے رسالہ ''الزبدة الزكية لتحريم سجود التحية'' میں بھی یہی تفصیل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پروفیسر موصوف نے اپنی مرتب کردہ کتاب ''انوارِعثمانی، مکتوبات: شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی''، میں نقل کیا ہے۔

اس میں 25 ذوالقعدۃ 1344 ہجری کی تقریر کے حوالہ سے علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

ہمارے اور آپ کے درمیان اگر نزاع ہو، تو خدا کے فضل سے ایک مسلّم حکم (جج) موجود ہے، اور وہ کتابُ اللہ اور سنتِ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، تعاملِ سلف وصالحین، اقوال ائمۂ مجتہدین ہیں۔

آپ (یعنی سلطان ابنِ سعود) کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے آپ کی نسبت یعنی شعبِ نجدیین کے متعلق ہندوستان میں بہت سے خیالات تھے، اگرچہ ہم ہمیشہ سے حافظ ابنِ تیمیہ، ابنِ قیم کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے ہیں، ان سے مستفید بھی ہوئے ہیں، اور بعض تفردات وغیرہ میں ان پر انتقاد بھی کرتے رہے ہیں، لیکن خاص طائفۂ نجدیہ کے معتقدات کا حال ہم کو محقق نہ تھا، چندروز ہوئے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

بیان کی ہے، غیراللہ کے لیے سجدہ عبادت تو یقینی طور پر شرکِ جلی اور واضح کفر ہے، لیکن سجدۂ تحیۃ یقینی طور پر حرام اور کبیرہ گناہ ہے، اور اس کے کفر ہونے میں اختلاف ہے، لیکن تحقیق یہ ہے کہ وہ شرکِ جلی اور واضح کفر کے بجائے، کفرِ صوری میں داخل ہے۔

اس رسالہ کا ایک اقتباس درجِ ذیل ہے:

سجدہ حضرت عزت جلالہٗ کے سوا کسی کے لیے نہیں، اس کے غیر کو سجدۂ عبادت یقیناً اجماعاً شرکِ مہین وکفر مبین، اور سجدۂ تحیۃ حرام وگناہ کبیرہ بالیقین، اور اس کے کفر ہونے میں اختلاف علمائے دین، ایک جماعت فقہاء سے تکفیر منقول اور عندالتحقیق وہ کفرِ صوری پر محمول ''کما سیأتی بتوفیق المولیٰ سبحانہٗ وتعالیٰ'' ہاں مثلِ صنم وصلیب وشمس وقمر کے لیے سجدے پر مطلقاً کفار ''کما فی شرح المواقف وغیرہ من الاسفار'' ان کے سوا مثل پیر ومزار کے لیے ہرگز ہرگز نہ جائز ومباح، جیسا کہ زید کا ادعائے باطل، نہ شرکِ حقیقی نامغفور جیسا کہ وہابیہ کا زعمِ باطل، بلکہ حرام ہے، اور کبیرہ وفحشاء ''فیغفر لمن یشآء ویعذب من یشآء'' (فتاویٰ رضویہ، ج ۲۲، ص ۴۲۹، ۴۳۰، رسالہ ''الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ'' مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور، اشاعت: جمادی الاخریٰ 1423 ہجری، اگست 2002 عیسوی)

ہم نے دو کتابیں آپ کی پڑھیں ''الھدیة السنیة'' اور ''مجموعةُ التوحید'' ان کے مطالعہ سے بہت چیزیں جو آپ کی طرف منسوب ہورہی تھیں، ان کا افتراء ہونا ثابت ہوا۔ [1]

پھر بھی چند مسائل میں اختلاف رہا، بعض اختلافات چنداں وقیع اور اہم نہیں، جیسا کہ مسئلۂ شفاعت میں۔

بعض میں قریب اختلاف لفظی کے ہے، ہاں سخت اختلاف ان لوگوں کی تکفیر میں ہے، جو قبر کو سجدہ کرتے ہیں، یا چراغ جلاتے ہیں، یا غلاف چڑھاتے ہیں، ہم ان امور کو بدعت اور منکر سمجھتے ہیں، اور ہمیشہ مبتدعین سے جہاد بالقلم واللسان کرتے ہیں، لیکن عبادُ الاوثان اور یہود ونصاریٰ کی طرح مباحُ الدم والمال نہیں سمجھتے، جس کا ذکر میں پہلی ملاقات میں آپ سے تفصیلاً کرچکا ہوں، اور آئندہ اگر وقت نے مساعدت کی، اور خدا نے توفیق بخشی، تو شیخ عبداللہ بن بلیہد وغیرہ سے اس پر مفصل کلام کیا جائے گا (انوارِ عثمانی، ص۹۳، ۹۴، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی، طبع جدید: محرم الحرام 1435 ہجری، بمطابق اکتوبر 2013 عیسوی)

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ ''غیرُ اللہ کو سجدہ کرنے'' کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

مسئلۂ سجود میں یمن اور نجد وغیرہ کے بعض علماء سے کچھ غلطی اور غلو ہوگیا ہے، خود میں جب ہندوستانی وفد میں ملک الحجاز سلطان ابنِ سعود کی دعوت پر گیا تھا، تو ایک روز علمائے نجد وقاہرہ وغیرہ اطراف کے علماء ایک مجمع میں جمع تھے، سلطان بھی

---

[1] ملحوظ رہے کہ ''الھدیة السنیة'' کتاب کا پورا نام ''الھدیة السنیة والتحفة الوھابیة النجدیة'' ہے، جس کے مؤلف سلیمان بن سحمان النجدی ہیں، یہ کتاب سلطان عبدالعزیز آلِ سعود کے حکم سے پہلی مرتبہ 1342 ہجری میں شائع ہوئی تھی، اور 1344 ہجری میں مؤتمر عالمِ اسلامی کا مندرجہ بالا اجلاس منعقد ہوا تھا۔
اور ''مجموعة التوحید'' دراصل ''محمد بن عبدالوہاب نجدی'' کے چند رسائل کا مجموعہ ہے، جو ''مجموعة رسائل فی التوحید والإیمان'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔

شریک تھے، متعدد مسائل پر بحث ہوئی، اس وقت میں نے اس مجلس میں اس مسئلۂ سجود لغیر اللہ پر بھی بحث کی، اور یہ بہت ہی اہم ترین بحث تھی، اس لیے اس کی کچھ تشریح کی جاتی ہے۔

کچھ لوگوں کا مسلک یہ ہے کہ سجود لغیر اللہ، احیاء یا اموات کے لیے مطلقاً شرکِ جلی ہے، خواہ تعظیماً ہو یا تعبداً ہو۔

ان کے نزدیک تعظیماً غیر اللہ کو سجدہ کرنے والا بھی ویسا ہی کافر ومشرک ہے، جیسا کہ بت کے سامنے سجدہ کرنے والا اور اس کا حکم دنیا میں واجب القتل اور آخرت میں دائمی عذاب کا مستحق ہے، اور یہ وہی حکم ہے، جو ایک کافر ومشرک اور بت پرست کا ہے۔

الغرض سجود لغیر اللہ خواہ بنیتِ تعظیم ہو، اس میں اور سجود بنیتِ تعبد میں کوئی فرق نہیں، دونوں شرکِ جلی ہیں، اور بت پرستی کے حکم میں ہیں۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ عبادتِ غیرُ اللہ شرکِ جلی ہے، اور بت پرستی ہی کے حکم میں ہے، اب دیکھنا چاہیے کہ عبادت کے معنیٰ کیا ہیں؟

عبادت کے معنیٰ ہیں ''**غایۃُ التذلل**'' یا ''**التذلل الاقصیٰ**''، یعنی کسی کے سامنے انتہائی اور غایت درجہ کی ذلت اختیار کرنا، اور سجدہ سب سے بڑھ کر ''**غایۃُ التذلل والتذلل الاقصیٰ**'' پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ اس سے زیادہ اور کیا تذلل ہوسکتا ہے کہ اپنی پیشانی اس کے سامنے زمین پر رکھ دے، اس لیے یہ لوگ کہتے ہیں کہ سجدہ میں تعبد وتعظیم کی تقسیم ہی صحیح نہیں، خود سجدہ بہیئتہٖ تعبد ہے، عبادت کے معنیٰ علیٰ حد الکمال اس میں موجود ہیں، اس میں شک نہیں کہ بہت سے مسلمان فسادِ عقیدہ کی وجہ سے سجود بغیر اللہ کے مرتکب ہوتے ہیں، اور اسلام کے بنیادی عقیدۂ توحید کے تقاضوں سے تغافل برتتے ہیں، بعض علماء نے سجدۂ تعبد اور سجدۂ

تعظیم میں فرق نہیں کیا، چنانچہ علامہ شوکانی نے اس میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے ''الدرر النضید فی اخلاص کلمۃ التوحید''

مگر علمائے محققین ''سجود لغیر اللہ تعبداً وتعظیماً'' میں فرق کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ سجود لغیر اللہ تعبداً تو یقیناً شرکِ جلی ہے، بت پرستی ہی کے حکم میں ہے، اس کا مرتکب مؤبد ومخلد فی النار ہے، اور سجدہ لغیر اللہ خواہ احیاء کے لیے ہو یا اموات کے لیے تعظیماً یعنی بنیتِ تعظیم شرکِ جلی نہیں، اس کا حکم بت پرستی کا حکم نہیں ہے، اس کا مرتکب مستوجب القتل اور مؤبد فی النار نہیں ہوگا، ہاں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ بھی شریعتِ محمدیہ میں بالکل حرام وشرک کا شعبہ اور گناہِ کبیرہ ہے، اس کا مرتکب مبتدع وفاسق ہے، مستحقِ تعزیر وعذابِ جہنم ہے۔

محققین دونوں کے حکم میں فرق کرتے ہیں، محققین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سجدۂ لغیر اللہ کو مطلقاً اور علی العموم شرکِ جلی نہیں کہہ سکتے، کیونکہ یہ تو ہوا ہے کہ مختلف شریعتوں میں حلال وحرام اور دوسرے احکام میں نسخ وتبدیلی ہوئی، یعنی بعض چیزیں جو اس امت پر حرام ہیں، پہلے کسی امت پر حلال تھیں یا بالعکس، بلکہ اس قسم کا نسخ وتبدل تو ایک ہی شریعت میں بھی مختلف زمانوں میں ہوا ہے، چنانچہ شراب وغیرہ کے حکم میں یہ ظاہر ہے، مگر یہ متفق علیہ اور یقینی بات ہے کہ دنیا کی ابتداء سے آج تک آدم علیہ السلام سے لے کر سید ولدِ آدم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی نبی کی شریعت میں ایک لمحہ کے لیے بھی شرکِ جلی کو جائز نہیں رکھا گیا، اور نہ کسی امت میں ایک سیکنڈ کے لیے عبادتِ غیر اللہ کو گوارا کیا گیا۔

وما امروا الا لیعبدوا اللّٰہ مخلصین لہ الدین ، حنفآء (البینۃ، آیت نمبر ۵)

اورانہیں صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کی عبادت کریں ایک رخ ہوکر خالص اسی کی اطاعت کی نیت سے۔

انبیاء کی شریعتوں میں فروعات کے اعتبار سے کچھ اختلاف تھا، مگر اصل الاصول یعنی توحید میں اور شرکِ جلی وغیرُ اللہ کی عبادت سے منع کرنے میں ایک رائی برابر بھی اختلاف نہیں تھا۔

جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی، تو اب دیکھیے کہ خود قرآن ہی میں دو جگہ سجدۂ غیر اللہ کا ذکر ہے، ایک تو حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے ان کے بھائیوں کا سجدہ کرنا، کیا یہ سجدہ شرک جلی تھا؟ اگر شرکِ جلی ہوتا، تو یوسف علیہ السلام جو کہ نبی ہیں، ان کے سامنے خود انہیں کے لیے کس طرح کیا گیا، حالانکہ اس سے پہلے خود ہی سجن (جیل خانہ) میں اس سے برائت ظاہر کی ہے ’’ما کان لنا ان نشرک باللہ من شیئ ‘‘یعنی ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو کسی چیز میں شریک کریں، اور عبادتِ غیر اللہ سے منع کیا’’الا تعبدوا الا ایاہ ‘‘کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو۔

مزید براں یہ کہ ان ساجدین (یعنی سجدہ کرنے والوں) میں خود حضرت یعقوب علیہ السلام بھی تھے، تو کیا یعقوب علیہ السلام نے نبی ہو کر شرکِ جلی عبادتِ غیر اللہ کا ارتکاب کیا؟

اور اس سجدہ کو شرکِ جلی وعبادتِ غیر اللہ کہہ کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ یوسف علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا، کیونکہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ شرکِ جلی ایک لمحہ کے لیے کسی شریعت میں جائز نہ تھا، اور اگر لفظِ سجدہ میں محض انحناء یعنی صرف جھکنا وغیرہ تاویل کرنا چاہیں، تو’’خروا لہ سجدا ‘‘قرآن کے ان الفاظ میں اس تاویل کی کوئی گنجائش نہیں۔

دوسرا حضرت آدم علیہ السلام کے لیے فرشتوں کا سجدہ کرنا، یہ خود اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا، جس کو بجا نہ لانے پر ابلیس ملعون ہوا، تو کیا اللہ تعالیٰ نے شرکِ جلی

وعبادتِ غیرُ اللہ کا حکم کیا، یہاں بھی ''فقعوا لہ ساجدین '' قرآن کا لفظ ''قعوا'' اس پر دلالت کرتا ہے کہ سجدہ کے حقیقی معنیٰ مراد ہیں، تاویلِ انحناء صحیح نہیں ہے۔

لامحالہ ان دونوں جگہ آپ کو اقرار کرنا ہوگا کہ سجدہ تعظیماً تھا، تعبداً نہ تھا، اوران دونوں میں فرق کرنا ہوگا کہ سجدۂ تعظیمی شرکِ جلی وبت پرستی کے حکم میں نہیں، ہاں شریعتِ محمدیہ میں یہ حرام ہے، معصیتِ کبیرہ ہے، فسق ہے، یوسف علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا، بقول حافظ عماد الدین ابنِ کثیر رحمہ اللہ ''فافھم'' اور انصاف سے دیکھا جائے، تو مطلق سجدہ کو ہرگز شرکِ جلی نہیں کہہ سکتے (فضل الباری شرح اردو صحیح البخاری، ج ۱ص ۲۱۶ تا ۲۱۸، از مولانا شبیر احمد عثمانی، شارحِ بخاری کا سفرِ حجاز اور تحقیق مسئلہ سجود، ناشر: مکتبہ مدنیہ، لاہور، تاریخ طبع: شوال ۱۳۹۳ ہجری، نومبر 1973 عیسوی)

مذکورہ تفصیل تو قبر وغیرہ کو سجدہ کرنے سے متعلق تھی۔

جہاں تک قبر پر سجدہ کرنے کے بجائے، قبر کو بوسہ دینے کا تعلق ہے، جس کو عربی میں ''قبر کی تقبیل'' کہا جاتا ہے، تو اس کے بارے میں آگے آتا ہے کہ اکثر فقہائے کرام کے نزدیک قبر کی تقبیل کرنا ممنوع یا مکروہ ہے، کیونکہ یہ قبر کو سجدہ کرنے کے مشابہ ہے، البتہ شافعیہ کے نزدیک اگر تبرک کے طور پر کسی نیک صالح شخص کی قبر کی تقبیل کی جائے، تو اس میں کراہت نہیں، بلکہ گنجائش ہے، اور اگر عبادت کے طور پر ہو، تو حرام ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، عوام کو اس سے منع کرنا چاہیے، لیکن اگر کوئی اس عمل کو کرے، تو اس پر صرف اس وجہ سے شرک یا کفر کا فتویٰ لگانے سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔ [1]

---

[1] تقبيل القبر واستلامه:

اختلف الفقهاء فی حكم تقبيل القبر واستلامه.

فذهب الحنفية والمالكية إلى منع ذلک وعدوه من البدع.

وذهب الشافعية والحنابلة إلى الكراهة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ اپنے مواعظ میں ایک مقام پر میں فرماتے ہیں کہ:

کافر بڑا سخت لفظ ہے، بڑی احتیاط چاہیے، کافر کسی کو اس وقت کہہ سکتے ہیں، جب کہ وہ کوئی فعل ایسا کرتا ہو، جو محتمل تاویل کو بھی نہ ہو، مثلاً کوئی شخص بت پرستی بلا اکراہ کھلم کھلا کرتا ہو، تو اس وقت اس کو کافر کہہ سکتے ہیں، اور جب ایک شخص بت پرستی سے نفرت رکھتا ہے، زبان سے کلمہ پڑھتا ہے، تو اس کی تکذیب کرنا اور کافر کہنا کیا معنیٰ (خطباتِ حکیم الامت، ج ۱۲ ''محاسنِ اسلام'' صفحہ ۴۵۲، ۴۵۳، وعظ ''الاسلام الحقیقی'' مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، تاریخِ اشاعت: رمضان 1413 ہجری)

اور آگے چل کر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اس (کفر کا حکم لگانے) میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، ہم نے آج کل یہ طریقہ اختیار کیا ہوا ہے کہ اپنا جو ایک مسلک قرار دے لیا ہے، بس وہی اسلام ہے، اور وہی ایمان ہے، جو اس کے خلاف ہو، وہ کافر ہے، یہ بہت سخت بات ہے (خطباتِ حکیم الامت، ج ۱۲ ''محاسنِ اسلام'' صفحہ ۴۵۳، وعظ ''الاسلام الحقیقی'' مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، تاریخِ اشاعت: رمضان 1413 ہجری)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الشافعية :إن قصد بتقبيل الأضرحة التبرک لم يکره.

وقال البهوتی من الحنابلة :وذلک کله من البدع(الموسوعة الفقهية الکويتية، ج۳۲، ص ۲۵۶، مادة " قبر ")

استنبط بعضهم من تقبيل الحجر تقبيل المصحف والقبر النبوی والقبور الشريفة وقبور الصلحاء ، وممن قال بذلک ابن أبی الصيف اليمنی من الشافعية (حاشية البجيرمی علی الخطيب، ج۲، ص ۴۴۰، کتاب الحج)

إن قصد بتقبيل أضرحتهم التبرک لم يکره کما أفتی به الوالد -رحمه الله تعالی (حاشية الشروانی علیٰ تحفة المحتاج فی شرح المنهاج، ج۴، ص ۱۴۵ ، کتاب الحج، باب دخول المحرم مکة)

يکره تقبيل القبر واستلامه وتقبيل الأعتاب عند الدخول لزيارة الأولياء نعم إن قصد بتقبيل أضرحتهم أی وأعتابهم التبرک لم يکره وهذا هو المعتمد (حاشية البجيرمی علی الخطيب، ج ۱، ص ۴۹۵، کتاب الجنائز، فصل فی دفن الميت)

اور آگے چل کر مزید تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اہلِ حق کا طریقہ یہی ہے کہ حتی الامکان جب تک کوئی بھی تاویل بن سکے، کسی کو کافر نہ بتاویں، ہاں اگر وہ خود ہی تاویل کو بھی رَد کرے، تو مجبوری ہے کہ اب مدعی سست اور گواہ چست کا قصہ ہے۔

باقی (مستند علماء) اپنی طرف سے کبھی کسی کو کافر نہیں بناتے، اور جہاں کہیں بضرورتِ شرعی انہوں نے کسی کو کافر کہہ دیا ہے، بعض جہلاء اس پر بھی طعن کرتے ہیں کہ (علماء) لوگوں کو کافر بناتے ہیں، میں اس کے متعلق بطور لطیفہ کہا کرتا ہوں کہ انہوں نے کافر بنایا نہیں، بلکہ کافر بتایا ہے (دونوں میں ایک نقطہ کا فرق ہے) اس شخص نے واقعی ایسا ہی کام کیا ہے، جس پر کفر عائد ہوتا ہے، اور کوئی تاویل بھی نہیں بن سکتی، تو وہ کافر تو خود بن گیا، انہوں نے صرف بتادیا ہے کہ اس پر کفر عائد ہوتا ہے، اور بتانے میں بھی اتنی احتیاط کی ہے کہ بعید سے بعید تاویل بھی اٹھا نہیں رکھی، جب کوئی تاویل بھی نہ بن سکی، تب انہوں نے یہ لفظ منہ سے نکالا۔

اور ان (مستند علماء) کی کوئی ذاتی غرض یا غیظ وغضب یا بات کی پچ اس میں شامل نہیں ہوتی، بلکہ خوفِ خدا اور ترحم شامل ہوتا ہے، کافر کے لفظ سے وہ کانپتے ہیں، اور کسی کے لیے بھی اس کے استعمال کو حتی الامکان گوارا نہیں کرتے، اور واقعی یہ لفظ ہے بھی ایسا ہی، کیونکہ اس کے معنیٰ ہیں ابدالآباد کے لیے رحمتِ خدا سے بالکل ناامید ومحروم ہوجانے والا، سو یہ کتنی بڑی بات ہے کہ ارحم الراحمین کی رحمت سے کسی کو ایسا ناامید کردیا جاوے (خطباتِ حکیم الامت، ج ۱۲ ''محاسنِ اسلام'' صفحہ ۴۵۵، ۴۵۶، وعظ ''الاسلام الحقیقی''، مطبوعہ: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، تاریخِ اشاعت: رمضان 1413ہجری)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حقائقِ دین سے ناواقف کچھ نام کے علماء نے یہ پیشہ بنالیا کہ ذرا ذرا سی بات پر

مسلمان کو کافر قرار دینے لگے، باہمی کفر کے فتوے چلنے لگے، اس میں ان لوگوں کو کتبِ فقہ کے ان مسائل سے بھی دھوکا لگا، جو کلماتِ کفریہ کے نام سے بیان کیے جاتے ہیں کہ فلاں فلاں باتیں کلمہ کفر ہیں، جن کا حاصل اس کے سوا نہیں کہ جس کلمہ سے قطعیاتِ اسلام میں سے کسی چیز کا انکار نکلتا ہے، اس کو کلمۂ کفر قرار دیا گیا، لیکن اس کے ساتھ ہی حضراتِ فقہاء نے اس کی بھی تصریح فرما دی ہے کہ ان کلمات کے کلماتِ کفر ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس شخص کی زبان سے یہ کلمات نکلیں، اس کو بے سوچے سمجھے اور بدون تحقیقِ مراد کے کافر کہہ دیا جائے، جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس کی مراد وہ ہی معنیٰ ومفہوم ہیں، جو کافرانہ عقیدہ یا کسی ضروری اسلام کا انکار ہے۔

لیکن حقیقتِ حال سے ناواقف لوگوں نے ان کلمات ہی کو فیصلہ کا مدار بنالیا، اور تکفیر بازی شروع کردی، جس کی ایک بھاری مضرت تو یہ ہوئی کہ ایک مسلمان کو کافر کہنا بڑا سخت معاملہ ہے، جس کے اثرات پورے اسلامی معاشرہ پر پڑتے ہیں، اس کے علاوہ اس میں اپنے ایمان کا خطرہ ہوتا ہے (جواہر الفقہ، جلد اول، صفحہ ۹۹، ۱۰۰، کتاب الایمان والعقائد، رسالہ ''ایمان اور کفر قرآن کی روشنی میں'' طبع جدید: نومبر 2010ء، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم، کراچی)

مسئلہ نمبر 4...... قبروں پر عرس وغیرہ کے عنوان سے میلہ لگانا، اور وہاں رقص وسرود کا سماں قائم کرنا جائز نہیں، اور قبروں پر جا کر مرادیں مانگنا بھی جائز نہیں۔

امام مناوی رحمہ اللہ قبر کو عید بنانے سے ممانعت والی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

يُؤْخَذُ مِنْهُ أَنَّ اِجْتِمَاعَ الْعَامَّةِ فِيْ بَعْضِ أَضْرِحَةِ الْأَوْلِيَاءِ فِيْ يَوْمٍ أَوْ شَهْرٍ مَّخْصُوْصٍ مِّنَ السَّنَةِ وَيَقُوْلُوْنَ هٰذَا يَوْمُ مَوْلِدِ الشَّيْخِ وَيَأْكُلُوْنَ وَيَشْرَبُوْنَ وَرُبَمَا يَرْقُصُوْنَ مَنْهِيٌّ عَنْهُ شَرْعًا وَعَلٰى وَلِيِّ الشَّرْعِ

رَدْعُهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ وَإِنْكَارُهُ عَلَيْهِمْ وَإِبْطَالُهُ(فیض القدیر للمناوی) [1]

ترجمہ: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ لوگوں کا بعض اولیائے کرام کی قبروں پر سال کے کسی مخصوص دن یا مخصوص مہینے میں جمع ہونا، جس کے بارے میں لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ فلاں بزرگ کا میلاد ہے، اور کھاتے اور پیتے ہیں، اور بعض اوقات رقص بھی کرتے ہیں، تو یہ شرعاً ممنوع ہے، حاملینِ شریعت کے ذمہ اس عمل پر ان کو تنبیہ کرنا اور نکیر کرنا اور اس عمل کو باطل قرار دینا ضروری ہے (فیض القدیر)

حضرت ملاعلی قاری رحمہ اللہ مشکاۃ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

قَالَ الطِّيْبِيُّ نَهَاهُمْ عَنِ الْاِجْتِمَاعِ لَهَا اِجْتِمَاعَهُمْ لِلْعِيْدِ نُزْهَةً وَزِيْنَةً وَكَانَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى تَفْعَلُ ذٰلِكَ بِقُبُوْرِ اَنْبِيَآئِهِمْ فَاَوْرَثَهُمُ الْغَفْلَةَ وَالْقَسْوَةَ وَمِنْ عَادَةِ عَبَدَةِ الْاَوْثَانِ اَنَّهُمْ لَايَزَالُوْنَ يُعَظِّمُوْنَ اَمْوَاتَهُمْ حَتّٰى اتَّخَذُوْهَا اَصْنَامًا وَاِلٰى هٰذَا اَشَارَ بِقَوْلِهٖ " اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِىْ وَثْنًا" يُعْبَدُ فَيَكُوْنُ الْمَقْصُوْدُ مِنَ النَّهْيِ كَرَاهَةَ اَنْ يَّتَجَاوَزُوْا فِىْ قَبْرِهٖ غَايَةَ التَّجَاوُزِ وَلِهٰذَا وَرَدَ" اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآئِهِمْ مَسَاجِدَ"(مرقاۃ المفاتیح) [2]

ترجمہ: علامہ طیبی نے فرمایا کہ قبر پر عید کی طرح اجتماع سے منع کیا گیا ہے، جو فخر اور زینت کے طور پر ہوتا ہے، اور یہود ونصاریٰ اپنے نبیوں کی قبروں کے ساتھ ایسا کیا کرتے تھے، جس نے ان کو غفلت اور دل کی سختی میں مبتلا کر دیا، اور بت پرستوں کی بھی عادت رہی کہ وہ اپنے مُردوں کی تعظیم کرتے رہے، یہاں تک کہ انہوں نے مُردوں کو بت بنالیا، اور اسی کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] تحت رقم الحدیث ۵۰۱۶، حرف الصاد، المکتبۃ التجاریۃ الکبری -مصر.

[2] ج ۲ ص ۳۴۲، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبی وفضلها، دار الفکر، بیروت.

اپنے اس فرمان میں اشارہ فرمایا کہ اے اللہ میری قبر کو ایسا بت مت بنانا، جس کی عبادت کی جائے، تو منع کرنے سے مقصود اس چیز کو ناپسند کرنا ہوا کہ وہ قبر کے معاملہ میں حد سے تجاوز کریں، اور اسی وجہ سے حدیث میں یہ وارِد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا غصہ اس قوم پر سخت ہوگیا، جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنالیا (مرقاۃ)

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فِیْ هٰذَا الْحَدِیْثِ إِبَاحَةُ الدُّعَاءِ عَلٰی أَهْلِ الْکُفْرِ وَتَحْرِیْمُ السُّجُوْدِ عَلٰی قُبُوْرِ الْأَنْبِیَاءِ وَفِیْ مَعْنٰی هٰذَا أَنَّهٗ لَا یَحِلُّ السُّجُوْدُ لِغَیْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَیَحْتَمِلُ الْحَدِیْثُ أَنْ لَّا تُجْعَلَ قُبُوْرُ الْأَنْبِیَاءِ قِبْلَةً یُصَلّٰی إِلَیْهَا وَکُلُّ مَا احْتَمَلَهُ الْحَدِیْثُ فِی اللِّسَانِ الْعَرَبِیِّ فَمَمْنُوْعٌ مِنْهُ لِأَنَّهٗ إِنَّمَا دَعَا عَلَی الْیَهُوْدِ مُحَذِّرًا لِأُمَّتِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ مِنْ أَنْ یَّفْعَلُوْا فِعْلَهُمْ

(التمهيد لما فى الموطأ من المعانى والأسانيد) [1]

ترجمہ: اس حدیث میں کافروں پر بددعا کرنے کے جائز ہونے، اور انبیاء کی قبروں پر سجدہ کرنے کے حرام ہونے کا ثبوت ہے، اور اسی معنیٰ میں یہ بھی ہے کہ اللہ عزوجل کے علاوہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں، اور اس حدیث میں یہ احتمال بھی ہے کہ انبیاء کی قبروں کو قبلہ نہ بناؤ، جس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے، اور ہر وہ چیز جس کا حدیث عربی زبان میں احتمال رکھتی ہے، وہ ممنوع ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود پر بددعاء فرمائی ہے، اپنی امت کو اس طرح کے فعل سے ڈرانے کے لئے (التمہید)

علامہ محمد طاہر پٹنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

---

[1] ج٦ ص ٣٨٣، حرف الميم، الحديث العشرون، لابن شهاب.

لَاتَجْمَعُوْالِزِيَارَتِهٖ اِجْتِمَاعَكُمْ لِلْعِيْدِ فَاِنَّهٗ يَوْمُ لَهْوٍوَسُرُوْرٍ وَحَالُ الزِّيَارَةِ بِخِلَافِهٖ وَكَانَ دَأْبَ اَهْلِ الْكِتَابِ فَاَوْرَثَهُمُ الْقَسْوَةَ (مجمع بحار الانوار، ج۳ص ۷۱۳، حرف العین، مادة "عید")

ترجمہ: (مذکورہ حدیث کا مطلب یہ ہے) کہ قبر کی زیارت کے لئے مثل عید کے جمع نہ ہونا چاہئے کیونکہ عید تو کھیل اور خوشی کا دن ہے اور زیارتِ قبر کی شان اس سے علیحدہ ہے، قبر پر عید منانے کا رواج اہلِ کتاب کا ہے جس کی وجہ سے ان کے دل سخت ہوگئے (اور زیارۃِ قبور کا مقصد جو کہ عبرت حاصل کرنا تھا وہ فوت ہوگیا) (مجمع البحار)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تجْعَلُوْا زِيَارَةَ قَبْرِىْ عِيْدًا، أَقُوْلُ: هٰذَا إِشَارَةٌ إِلٰى سَدِّ مَدْخَلِ التَّحْرِيْفِ كَمَا فَعَلَ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى بِقُبُوْرِ أَنْبِيَائِهِمْ، وَجَعَلُوْهَا عِيْدًا وَمَوْسَمًا بِمَنْزِلَةِ الْحَجِّ(حجة الله البالغة) [1]

ترجمہ: پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری قبر کو عید نہ بناؤ، میں کہتا ہوں کہ تحریف کا دروازہ بند کرنے کی طرف اشارہ فرمادیا، جیسا کہ یہود اور نصاریٰ نے اپنے نبیوں کی قبروں کے ساتھ کیا تھا، اور ان کو عید اور جمع ہونے کی جگہ بنادیا تھا، حج کی طرح (حجۃ اللہ البالغۃ)

نیز حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

کل من ذهب الی بلدة اجمیر او الی قبر سالار مسعود او ماضا هاها لاجل حاجة یطلبها فانه اثم اثما اکبر من القتل والزنا الیس مثله الا مثل من کان یعبد المصنوعات او مثل من کان یدعو اللات

---

[1] ج۲ص ۱۲۰، من ابواب الاحسان، الاذکار ومایتعلق بها، دار الجیل، بیروت -لبنان.

والعزی، الا انا لا اصرح بالتکفیر لعدم النص من الشارع فی هذا الامر المخصوص کل من عین حیوان المیت وطلب منه الحوائج ، فانه آثم قلبه،داخل فی قوله تعالیٰ''ذلکم الفسق'' (کتاب التفھیمات الالٰھیة، ج۲ ص ۴۵،مدینہ برقی پریس، بجنور، یوپی، انڈیا)

ترجمہ: جو شخص اجمیر، یا سالار مسعود کی قبر، یا اسی طرح کی کسی اور بزرگ کی قبر پر کوئی حاجت طلب کرنے کے لئے گیا، تو وہ گناہ گار ہے، اور یہ گناہ (شرک یا اس کی مشابہت کی وجہ سے) قتل اور زنا سے بھی بڑا ہے، یہ اس شخص کے مثل ہے، جو مصنوعات ومخلوقات کی عبادت کرتا ہے، یا جیسا کہ کوئی ''لات'' اور ''عزیٰ'' بت کو پکارتا ہے، مگر میں ایسے شخص کے کفر کا حکم نہیں لگاتا، کیونکہ اس مخصوص عمل میں شارع کی طرف سے نص نہیں پائی جاتی، جس شخص نے حیوانِ میت کو متعین کیا، اور اس سے حوائج کو طلب کیا، تو وہ دل سے گناہ گار ہوگا، اللہ تعالیٰ کے اس قول ''**ذلکم فسق**'' میں داخل ہوگا (التفہیمات)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

لوگ کوئی ایک دن مقرر کر لیتے ہیں اور اس دن لباس ہائے فاخرہ ونفیس پہن کر عید کے مانند بخوشی وخرمی قبروں کے پاس جمع ہوتے ہیں اور رقص ومزامیر ودیگر بدعات کرتے ہیں، مثلاً قبروں کو سجدہ کرتے ہیں، اور قبروں کا طواف کرتے ہیں، تو یہ طریقہ حرام اور ممنوع ہے، بلکہ بعض لوگ کفر تک پہنچ جاتے ہیں اور یہی مراد ہے ان دونوں حدیثوں سے'' **وَلَا تَجۡعَلُوۡا قَبۡرِیۡ عِیۡدًا**'' یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری قبر کو عید نہ بنالینا'' اور '' **اَللّٰھُمَّ لَا تَجۡعَلۡ قَبۡرِیۡ وَثَنًا**'' یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے میرے پروردگار نہ بنا دینا میری قبر کو بت کہ اس کی پرستش کی جائے'' یہ دونوں حدیثیں مشکاۃ شریف میں

ہیں (فتاویٰ عزیزی، ص۱۷۸، باب التصوف)

حضرت مولانا قاضی ثناءاللہ صاحب، حنفی، نقشبندی پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

لَایَجُوْزُ مَایَفْعَلُہُ الْجُھَّالُ بِقُبُوْرِ الْاَوْلِیَآءِ وَالشُّھَدَآءِ مِنَ السُّجُوْدِ وَالطَّوَافِ حَوْلَھَا وَاتِّخَاذِ السُّرُجِ وَالْمَسَاجِدِ عَلَیْھَا وَمِنَ الْاِجْتِمَاعِ بَعْدَالْحَوْلِ کَالْاَعْیَادِ وَیُسَمُّوْنَہٗ عُرْسًا (التفسیر المظھری) [1]

ترجمہ: جاہل لوگ حضراتِ اولیاء وشہداء کے مزارات کے ساتھ جو (خلافِ شرع) معاملات کرتے ہیں، وہ سب کے سب ناجائز ہیں یعنی ان کو سجدہ کرنا، ان کا طواف کرنا اوران پر چراغاں کرنا اور ہر سال عیدوں کی طرح ان پر جمع ہونا، جس کا نام انہوں نے عرس رکھا ہے (تفسیر مظہری)

محدثِ کبیر، علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا .وَقَدْ حَرَّفَ مُرَادَہٗ بَعْضُ الْجُھَلَاءِ وَفَھِمُوْا أَنَّ مَعْنَاہُ لَا تَجْعَلُوْہُ کَالْعِیْدِ فَتَأْتُوْہُ فِی السَّنَۃِ مَرَّۃً، وَمَعْنَاہُ لَا تَجْعَلُوْہُ کَالْعِیْدِ حَفْلَۃً سَنَوِیَّۃً یَعْنِیْ ”میلا میری قبر پر نہ لگایا کرو“ (فیض الباری شرح البخاری، ج۲، ص ۶۴، کتاب الصلاۃ، باب کراھیۃ الصلاۃ فی المقابر)

ترجمہ: تم میری قبر کو عید نہ بناؤ، بعض جہلاء نے اس حدیث کی مراد میں تحریف کردی ہے، اورانہوں نے یہ سمجھا ہے کہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ تم قبر کو عید نہ بناؤ کہ سال میں ایک مرتبہ ہی آؤ، حالانکہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ تم سالانہ عید کی طرح اجتماع نہ کرو، یعنی میری قبر پر میلا نہ لگایا کرو (فیض الباری)

معلوم ہوا قبروں پر عرس ومیلہ لگانا ممنوع ہے۔

اس کے بجائے قبرستان میں حسبِ موقع جا کر عبرت وموعظت حاصل کی جائے، موت کو یاد

---

[1] ج ۲ ص ۶۵، تحت رقم الآیۃ ۶۴ من سورۃ آلِ عمران، مکتبۃ الرشدیۃ -الباکستان.

کیا جائے، مومن میت کے لیے شرعی طریقہ پر دعاء واستغفار اور ایصالِ ثواب کیا جائے۔
مسئلہ نمبر 5...... قبروں پر چراغ اور اگربتی وغیرہ جلانا اور قبروں پر چادریں وغیرہ چڑھانا بھی ممنوع ہے، اس کے بجائے یہی روپیہ پیسہ کسی غریب ومستحق کو صدقہ کر کے اس کا میت کو ثواب پہنچادینا چاہئے۔
البتہ قبر پر کوئی شاخ گاڑنا یا پودا اُگانا جائز ہے، اور بعض فقہاء کے نزدیک قبر پر سبز یا تازہ ہرے خوشبودار پھول، مثلاً گلاب کے تازہ پھول یا گلاب کی تازہ پتیاں ڈالنا جائز ہے، مگر بعض کے نزدیک یہ بھی مکروہ ہے۔ [1]

---

[1] يوضع على القبر حصى، وعند رأسه حجر أو خشبة :أما وضع الحصى فلما رواه الشافعي مرسلا أنه وضعه على قبر ابنه إبراهيم وروى أنه رأى على قبره فرجة فأمر بها فسدت، وقال :إنها لا تضر ولا تنفع، وإن العبد إذا عمل شيئا، أحب الله منه أن يتقنه .وأما وضع الحجر ونحوه لتعليم القبر، فللحديث المتقدم :أنه صلى الله عليه وسلم وضع عند رأس عثمان بن مظعون صخرة، وقال : أتعلم بها قبر أخي، وأدفن إليه من مات من أهلي.
لا يجوز اتخاذ السرج على القبور، لقول النبي صلى الله عليه وسلم :لعن الله زوارات القبور، والمتخذين عليها السرج (الفقه الاسلامي و ادلتهٔ للزحيلي، ج۲، ص ۱۵۵۴، القسم الاول، الباب الثاني، الفصل العاشر، المبحث الثامن، المطلب الثاني، الفرض الرابع)
قال الشافعية : لا بأس بتطييب القبر، وقالوا أيضا مع الحنابلة والحنفية :ويندب أن يرش القبر بماء، ويسن وضع الجريد الأخضر والريحان ونحوه من الشيء الرطب على القبر حفظا لترابه من الاندراس، ولا يجوز للغير أخذه من على القبر قبل يبسه؛ لأن صاحبه لم يعرض عنه إلا عند يبسه، لزوال نفعه الذي كان فيه وقت رطوبته، وهو الاستغفار.
ودليلهم على رش الماء :أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رش على قبر ابنه إبراهيم ووضع عليه حصباء.
وكذلك قال الحنفية : يكره قطع النبات الرطب والحشيش من المقبرة، دون اليابس؛ لأنه مادام رطبا يسبح الله تعالى، فيؤنس الميت، وتنزل بذكره الرحمة .ويندب وضع الجريد والآس ونحوهما على القبور .والدليل :ما ورد في الحديث الصحيح من وضعه عليه الصلاة والسلام الجريدة الخضراء، بعد شقها نصفين على القبرين اللذين يعذبان، وتعليله بالتخفيف عنهما ما لم ييبسا أي يخفف عنهما ببركة تسبيحهما؛ إذ هو أكمل من تسبيح اليابس، لما في الأخضر من نوع حياة. فكراهة قطع ذلك وإن نبت بنفسه، لما فيه من تفويت حق الميت (الفقه الاسلامي و ادلتهٔ للزحيلي، ج۲، ص ۱۵۵۹، القسم الاول، الباب الثاني، الفصل العاشر، المبحث الثامن، المطلب الثاني، الفرض الرابع)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر اس سے بھی بچا جائے، تو بہتر ہے، تاکہ سب فقہاء کے اقوال کی رعایت ہو جائے، لیکن اگر کوئی قبر پر تازہ پھول یا پھول کی تازہ پتیاں ڈالے، تو اس پر نکیر مناسب معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ یہ اجتہادی واختلافی مسئلہ ہے، جس پر نکیر مناسب نہیں، البتہ بچنے کی ترغیب وارشاد مناسب ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

وَاللّٰہُ سُبُحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعُلَمُ .

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(تتمة) يكره أيضا قطع النبات الرطب والحشيش من المقبرة دون اليابس كما فى البحر والدرر وشرح المنية وعلله فى الإمداد بأنه ما دام رطبا يسبح الله -تعالى- فيؤنس الميت وتنزل بذكره الرحمة اهـ ونحوه فى الخانية.

أقول :ودليله ما ورد فى الحديث من وضعه -عليه الصلاة والسلام- الجريدة الخضراء بعد شقها نصفين على القبرين اللذين يعذبان .وتعليله بالتخفيف عنهما ما لم ييبسا :أى يخفف عنهما ببركة تسبيحهما؛ إذ هو أكمل من تسبيح اليابس لما فى الأخضر من نوع حياة؛ وعليه فكراهة قطع ذلك، وإن نبت بنفسه ولم يملك لأن فيه تفويت حق الميت .ويؤخذ من ذلك ومن الحديث ندب وضع ذلك للاتباع ويقاس عليه ما اعتيد فى زماننا من وضع أغصان الآس ونحوه، وصرح بذلك أيضا جماعة من الشافعية، وهذا أولى مما قال بعض المالكية من أن التخفيف عن القبرين إنما حصل ببركة يده الشريفة -صلى الله عليه وسلم- أو دعائه لهما فلا يقاس عليه غيره .وقد ذكر البخارى فى صحيحه أن بريدة بن الحصيب -رضى الله عنه- أوصى بأن يجعل فى قبره جريدتان، والله تعالى أعلم (رد المحتار، ج ٢، ص ٢٤٥، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فى وضع الجريد ونحو الآس على القبور)

ويسن وضع الجريد الأخضر على القبر وكذا الريحان ونحوه من الشىء الرطب، ولا يجوز للغير أخذه من على القبر قبل يبسه لأن صاحبه لم يعرض عنه إلا عند يبسه لزوال نفعه الذى كان فيه وقت رطوبته وهو الاستغفار، وأن يضع عند رأسه حجرا أو خشبة أو نحو ذلك لأنه -صلى الله عليه وسلم- وضع عند رأس عثمان بن مظعون صخرة وقال :أتعلم بها قبر أخى لأدفن إليه من مات من أهلى ويندب جمع أقارب الميت فى موضع واحد من المقبرة لأنه أسهل على الزائر، والدفن فى المقبرة أفضل منه بغيرها لينال الميت دعاء المارين والزائرين، ويكره المبيت بها لما فيها من الوحشة(تحفة الحبيب على شرح الخطيب، ج ٢،ص ٣٠٠،فصل فى الجنازة)

قوله :(من الشىء الرطب) عمومه شامل لنحو عروق الجزر كورق الخس بالسين المهملة واللفت؛ لأنه يخفف عن الميت ببركة تسبيحه(حاشية البجيرمى على الخطيب، ج ٢، ص ٣٠٠، فصل فى الجنازة)

(باب نمبر 3)

قبروں پر عمارت بنانے اور قبروں کو اونچا کرنے کا حکم

احادیث میں قبروں پر بناء وعمارت قائم کرنے کی ممانعت آئی ہے، البتہ بعض احادیث سے قبر پر علامت قائم کرنے کی گنجائش ملتی ہے، اسی ضمن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر موجودہ عمارت کا حکم بھی زیرِ بحث آتا ہے، جس کی تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

جن احادیث میں قبر پر عمارت بنانے اور قبر کو غیر معمولی اونچا کرنے کی ممانعت آئی ہے، ان کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ(مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ بنانے اور اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُجَصَّصَ الْقُبُوْرُ، وَأَنْ يُّكْتَبَ

---

[1] رقم الحديث ٩٧٠ ”٩٤“ كتاب الجنائز، باب النهى عن تجصيص القبر والبناء عليه.

عَلَيُهَا، وَأَنُ يُّبُنٰى عَلَيُهَا، وَأَنُ تُوطَأَ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ بنانے اور ان پر لکھنے، اور ان پر عمارت بنانے، اور ان کو پاؤں سے روندنے سے منع فرمایا ہے (ترمذی)

اس روایت میں قبر پر کتابت کی ممانعت کا بھی ذکر ہے۔

قرآنی آیت اور حدیث وغیرہ کے قبر پر لکھنے کی ممانعت میں تو شبہ نہیں، اور علامت کے طور پر نام لکھنے کی بھی بہت سے فقہائے کرام نے اجازت نہیں دی، البتہ حنفیہ نے بقدرِ ضرورت اجازت دی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی تیسری حدیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ أَنُ يُّبُنٰى عَلَى الُقَبُرِ، أَوُ يُزَادَ عَلَيُهِ، أَوُ يُجَصَّصَ (سنن النسائی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر عمارت بنانے یا اس پر زیادتی کرنے یا قبر کو پختہ بنانے سے منع فرمایا (نسائی)

قبر پر زیادتی کرنے میں، اس پر عمارت وگنبد یعنی گنبد بنانا یا اس کو غیر معمولی اونچا کرنا بھی داخل ہے۔ [3]

---

[1] رقم الحدیث ۱۰۵۲، ابواب الجنائز، باب ما جاء فی کراھیة تجصیص القبور، والکتابة علیھا.

قال الترمذی:ھذا حدیث حسن صحیح.

[2] رقم الحدیث ۲۰۲۷، کتاب الجنائز، الزیادة علی القبر.

[3] قوله " :أو یزاد علیه "أی :علی القبر، والزیادة علی القبر أعم من أن یکون بناء ، أو وضع حجر، أو تراب غیر التراب الذی خرج منه، ونحو ذلک (شرح ابی داود للعینی، ج۶، ص ۱۸۳، کتاب الجنائز، باب البناء علی القبر)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نَهٰى نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُّبْنَى عَلَى الْقُبُوْرِ، أَوْ يُقْعَدَ عَلَيْهَا، أَوْ يُصَلّٰى عَلَيْهَا (مسند أبی یعلی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر عمارت بنانے، یا ان پر بیٹھنے، یا ان پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا (ابو یعلیٰ)

اس حدیث میں قبروں پر عمارت بنانے کی ممانعت کے ساتھ ساتھ قبروں پر بیٹھنے کی بھی ممانعت ہے، اور اس کا ذکر بعض دوسری احادیث میں بھی آیا ہے۔ [2]

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی روایت

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَرَأٰى اِبْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، فُسْطَاطًا عَلٰى قَبْرِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، فَقَالَ: اِنْزِعْهُ يَا غُلَامُ، فَإِنَّمَا يُظِلُّهٗ عَمَلُهٗ (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الجرید علی القبر)

ترجمہ: اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عبدالرحمٰن کی قبر پر خیمہ لگا ہوا دیکھا، تو انہوں نے فرمایا کہ اے لڑکے! اس کو اتار دو، اس کو تو بس اس کا عمل ہی

---

[1] رقم الحدیث ۱۰۲۰، ج۲ص۲۹۷، من مسند أبی سعید الخدری.
قال حسین سلیم أسد الدارانی: إسناده صحیح (حاشیة مسند ابی یعلیٰ)

[2] عن أبی مرثد الغنوی، قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: لا تصلوا إلی القبور، ولا تجلسوا علیها (مسلم، ۹۷۲"۹۸")
عن أبی هریرة، قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لأن یجلس أحدکم علی جمرة فتحرق ثیابه، فتخلص إلی جلده، خیر له من أن یجلس علی قبر (مسلم، رقم الحدیث ۹۷۱"۹۶")

سایہ پہنچائے گا (بخاری)

اس روایت کو اپنی سند کے ساتھ ابنِ عساکر نے بھی ''تاریخِ دمشق'' میں روایت کیا ہے۔[1]

مطلب یہ ہے کہ قبر پر بناء وعمارت منع ہے، اور اسی طریقہ سے خیمہ لگانا بھی منع ہے، کیونکہ ان سے میت کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، میت کو اصل فائدہ اس کے عمل سے حاصل ہوتا ہے۔[2]

مذکورہ احادیث سے قبروں پر بناء وعمارت بنانے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت ابووائل سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عَلِيًّا قَالَ لِأَبِي الْهَيَّاجِ الْأَسَدِيِّ: أَبْعَثُكَ عَلٰى مَا بَعَثَنِيْ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا تَدَعَ قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ، وَلَا تِمْثَالًا إِلَّا طَمَسْتَهُ (سنن الترمذی)[3]

---

[1] ابن سعد أنا مسلم بن ابراهيم نا خالد بن أبى عثمان القرشى حدثنى أيوب عن عبد الله بن يسار قال مر عبد الله بن عمر على قبر عبد الرحمن بن أبى بكر أخى عائشة وعليه فسطاط مضروب فقال للغلام انزعه فإنما يظله عمله قال الغلام يضربنى مولاى فقال له ابن عمر كلا فنزعه(تاريخ دمشق لابن عساكر، ج٣٥،ص ٤٢،عبد الرحمن بن عبد الله بن عثمان ابن عامر بن عمرو بن كعب بن سعد)

[2] عن جابر رضى الله عنه :قوله أن يبنى عليه :يحتمل وجهين أحدهما :البناء على القبر بالحجارة وما يجرى مجراها، والآخر :أن يضرب عليه خباء أو نحوه، وكلاهما منهى عنه؛ لانعدام الفائدة فيه، ولأنه من صنيع أهل الجاهلية(شرح المشكاة للطيبى، ج٤ص١٤٠٧، كتاب الجنائز، باب دفن الميت)

[3] رقم الحديث ١٠٤٩، ابواب الجنائز،باب ما جاء فى تسوية القبور، مسلم، رقم الحديث ٩٦٩ "٩٣"

قال الترمذى: وفى الباب عن جابر :.حديث على حديث حسن، والعمل على هذا عند بعض أهل العلم يكرهون أن يرفع القبر فوق الأرض .قال الشافعى: أكره أن يرفع القبر إلا بقدر ما يعرف أنه قبر لكيلا يوطأ ولا يجلس عليه.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوالہیاج اسدی سے فرمایا کہ میں تمہیں اس کام کے لیے بھیجتا ہوں، جس کے لیے مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا، وہ یہ کہ کسی بھی قبر کو (زمین سے) اونچا نہ چھوڑا جائے، مگر اسے برابر کردیا جائے، اور نہ کسی تصویر کو چھوڑا جائے، مگر اسے مٹادیا جائے (ترمذی، مسلم)

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت ثمامہ سے روایت ہے کہ:

خَرَجْنَا مَعَ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ إِلٰى أَرْضِ الرُّوْمِ، وَكَانَ عَامِلًا لِمُعَاوِيَةَ عَلَى الدَّرْبِ، فَأُصِيْبَ ابْنُ عَمٍّ لَنَا فَصَلّٰى عَلَيْهِ فَضَالَةُ، وَقَامَ عَلٰى حُفْرَتِهِ حَتّٰى وَارَاهُ، فَلَمَّا سَوَّيْنَا عَلَيْهِ حُفْرَتَهُ ،قَالَ:أَخِفُّوْا عَنْهُ فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُنَا بِتَسْوِيَةِ الْقُبُوْرِ (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ٢٣٩٣٤) [1]

ترجمہ: ہم لوگ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے ساتھ روم کے علاقہ کی طرف نکلے، وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مقام ''درب'' کے عامل (وگورنر) تھے، ہمارا ایک چچازاد بھائی اس دوران شہید ہوگیا، حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی، اور اس کی قبر پرآ کر کھڑے ہوئے جب ان کی قبر کا گڑھا زمین کے برابر ہوگیا، تو انہوں نے فرمایا کہ اسے خفیف (زمین سے معمولی اونچائی پر) ہی رکھنا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قبروں کو برابر رکھنے کا حکم دیا ہے (مسند احمد)

زمین سے اونچی قبر نہ چھوڑنے سے مراد یہ ہے کہ غیر معمولی اونچی نہ ہو، اسی طرح قبر کو برابر

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن (حاشية مسند احمد)

کرنے کا مطلب بھی یہی ہے، اور قبر پر عمارت وگنبد بنانے میں بھی ظاہر ہے کہ قبر کو غیر معمولی اونچا کرنا پایا جاتا ہے، اس لیے اس کی ممانعت بھی اس میں داخل ہے، البتہ قبر کو زمین سے معمولی اونچا کرنے میں حرج نہیں۔

جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی مبارک قبریں بھی اصل میں اسی طرح کی ہیں۔

قبرِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت

چنانچہ حضرت قاسم سے روایت ہے کہ:

دَخَلَتُ عَلٰى عَائِشَةَ، فَقُلُتُ: يَا أُمَّهْ اِكُشِفِىُ لِىُ عَنُ قَبُرِ رَسُوُلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ وَصَاحِبَيُهِ، فَكَشَفَتُ لِىُ عَنُ ثَلاثَةِ قُبُوُرٍ لَا مُشُرِفَةٍ، وَلَا لَاطِئَةٍ مَبُطُوُحَةٍ بِبَطُحَاءِ الُعَرُصَةِ الُحَمُرَاءِ (سنن ابی داود، رقم الحديث ٣٢٢٠، كتاب الجنائز، باب فى تسوية القبر) [1]

ترجمہ: میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، اور ان سے عرض کیا کہ اے میری ماں! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دونوں اصحاب (یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کی قبریں (دروازہ وغیرہ) ہٹا کر دکھا دیجیے، پس انہوں نے (درمیان کا حائل) ہٹا کر مجھے تینوں قبریں دکھائیں، جو نہ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:

إسناده صحيح .أبو على الهمُدانى :هو ثمامة بن شفىّ، وابن وهب :هو عبد الله.
وأخر إسناده حسن .عمرو بن عثمان بن هانىء روى عنه ثلاثة، وذكره ابن حبان فى "الثقات"، وقال الذهبى فى "تاريخ الإسلام" :"كأنه صدوق .وقد صحح حديثه هذا الحاكم وسكت عنه الذهبى، وصححه كذلك النووى فى "المجموع 296 /5" وابن الملقن فى "البدر المنير.319 /5"
وأخرجه أبو يعلى (4571)، والحاكم 370 - 369 /1، والبيهقى 3 /4من طريق عمرو بن عثمان بن هانىء ، به (حاشية سنن ابى داود)

تو بہت اونچی تھیں، اور نہ بالکل زمین سے ملی ہوئی تھیں، اوران پر (مدینہ منورہ کے) میدان کی سرخ کنکریاں بچھی ہوئی تھیں (ابوداؤد)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حیات ہی میں قبرِ نبوی والے حصہ کو دیوار کر کے الگ کر دیا گیا تھا، جس کے دوسرے حصہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قیام کرتی تھیں۔ [1]

---

[1] چنانچہ ابنِ شبہ کی ''تاریخِ مدینہ'' میں ہے:

أخبرنا إسماعيل بن عبد الله بن أبى أويس المدنى، قال :حدثنى أبى، عن يحيى بن سعيد، وعبد الله بن أبى بكر بن محمد بن عمرو بن حزم، وغيرهما، عن عمرة بنت عبد الرحمن الأنصارية، عن عائشة، قالت :ما زلت أضع خمارى وأتفضل فى ثيابى فى بيتى حتى دفن عمر بن الخطاب فيه، فلم أزل متحفظة فى ثيابى حتى بنيت بينى وبين القبور جدارا فتفضلت بعد(تاريخ المدينة لابن شبة، ج٣،ص٩٤٥،وفاته رضى الله عنه)

اور ابنِ سعد کی ''الطبقات'' میں ہے:

أخبرنا موسى بن داود :سمعت مالك بن أنس يقول :قسم بيت عائشة باثنين: قسم كان فيه القبر .وقسم كان تكون فيه عائشة .وبينهما حائط .فكانت عائشة ربما دخلت حيث القبر فضلا .فلما دفن عمر لم تدخله إلا وهى جامعة عليها ثيابها(الطبقات الكبرى،لابن سعد، ج٢،ص٢٢٤،أخبارعمر بن الخطاب رضى الله عنه،ذكر موضع قبر رسول الله -صلى الله عليه وسلم)

اور ابنِ نجار کی ''الدر الثمينة فى اخبار المدينة'' میں ہے:

وروى عن هارون بن موسى العروبى قال :سمعت جدى أبا علقمة يسأل : كيف كان الناس يسلمون على النبى صلى الله عليه وسلم قبل أن يدخل البيت فى المسجد؟

فقال :كان الناس يقفون على باب البيت يسلمون، وكان الباب ليس عليه غلقٌ حتى ماتت عائشة رضى الله عنها.

قال أهل السير :وكان الناس يأخذون من تراب قبر النبى صلى الله عليه وسلم، فأمرت عائشة رضى الله عنها بجدار فضرب عليهم.

وروى عن عائشة رضى الله عنها أنها قالت :ما زلت أضع خمارى وأنفصل عن ثيابى حتى دفن عمر، فلم أزل متحفظة فى ثيابى حتى بنيت بينى وبين القبور جداراً(الدرة الثمينة فى أخبار المدينة،لابن النجار، ج١،ص١٤٦،ذكر وفاة عمر رضى الله عنه)

اور بخاری کی شرح ''عمدۃُ القاری'' میں ہے:

وفى (الطبقات) قال مالك :قسم بيت عائشة ثلاثين :قسم كان فيه القبر، وقسم كان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے کہ میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر آگے ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ مبارک کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قبر ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک کے پاس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبر ہے۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ قبر کو زمین سے معمولی اونچا کرنے میں حرج نہیں، اور اسی طرح قبر پر سادہ کنکریاں رکھنے یا سادہ خاکہ یا سادہ ریت ڈالنے کی بھی گنجائش ہے، تاکہ بارش وغیرہ کے پانی سے قبر کی مٹی بہہ کر نام ونشان ختم نہ ہو۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ تكون فيه عائشة وبينهما حائط، فكانت عائشة ربما دخلت جنب القبر فصلا، فلما دفن عمر، رضى الله تعالى عنه لم تدخله إلا وهى جامعة عليها ثيابها .وقال عمرو بن دينار وعبيد الله ابن أبى يزيد :لم يكن على عهد النبى صلى الله عليه وسلم على بيت النبى صلى الله عليه وسلم حائط، فكان أول من بنى عليه جدارا عمر بن الخطاب، رضى الله تعالى عنه، قال عبيد الله :كان جداره قصيرا، ثم بناه عبد الله بن الزبير وزاد فيه(عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج٨،ص٢٢٧،باب ما جاء فى قبر النبى صلى الله عليه وسلم وأبى بكر رضى الله تعالى عنهما)

[1] عن القاسم بن محمد، قال: دخلت على عائشة فقلت: يا أماه، اكشفى لى عن قبر النبى صلى الله عليه وسلم وصاحبيه، فكشفت لى عن ثلاثة قبور لا مشرفة، ولا لاطئة مبطوحة ببطحاء العرصة الحمراء، فرأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم مقدما، وأبا بكر رأسه بين كتفى النبى صلى الله عليه وسلم، وعمر رأسه عند رجلى النبى صلى الله عليه وسلم هذا حديث صحيح الإسناد، ولم يخرجاه (المستدرك الحاكم، رقم الحديث ١٣٦٨)

[2] قوله:" مبطوحة "أى: مسواة "ببطحاء العرصة الحمراء "وهو الحصى الصغار، وبطحاء الوادى وأبطحه: حصاه اللين فى بطن المسيل(شرح ابى داؤد للعينى، ج٦ص١٧٧، كتاب الجنائز، باب فى تسوية القبر)

و (البطحاء): المسيل الذى هو الحصى الصغار , والمراد به: الحصى هاهنا(تحفة الأبرار شرح مصابيح السنة للقاضى ناصر الدين عبد الله بن عمر البيضاوى ، ج ١ ص ٤٣٩، كتاب الجنائز، باب دفن الميت)

(مبطوحة) صفة لقبور أى مفروشة .(ببطحاء العرصة) أى برمل العرصة وحصاها وهى موضع .وقال الطيبى: العرصة جمعها عرصات .وهى كل موضع واسع لا بناء فيه .والبطحاء مسيل واسع فيه دقاق الحصى، والمراد بها هنا الحصى لإضافتها إلى العرصة .(الحمراء) صفة للبطحاء أو العرصة (مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٥ ص٤٤٨، كتاب الجنائز، باب دفن الميت)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قبر کو اونچا اور پختہ کرنے سے متعلق فقہاء کے اقوال

جمہور فقہائے کرام کے نزدیک قبر کو زمین سے معمولی اونچا کرنا، تاکہ اس کے قبر ہونے کا پتہ چلے، جائز ہے۔[1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

"ببطحاء"؛ أی: برمل".العرصة الحمراء :"وهی اسم موضع .(المصابيح لابن الملک، ج۲ص ۳۷۳، کتاب الجنائز، باب دفن الميت)

(عن ثلاثة قبور لا مشرفة) أی: مرتفعة غاية الارتفاع، وقيل: أی: عالية أكثر من شبر (ولا لاطئة) بالهمزة والياء أی: مستوية على وجه الأرض، يقال: لطأ بالأرض أی: لصق بها .(مبطوحة) صفة لقبور .قال ابن الملک: أی: مسواة مبسوطة على الأرض اهـ.

وفيه أن تكون حينئذ بمعنى لاطئة، وتقدم نفيها، والصواب معناها ملقاة فيها البطحاء، ففی القاموس: تبطيح المسجد إلقاء الحصى فيه، وفی النهاية: بطح المكان تسويته، وبطح "المسجد ألقى فيه البطحاء، وهو الحصى الصغار، اهـ .وبه يظهر أنه لا دليل للشافعية بهذا الحديث على التسطيح، وبطل قول ابن حجر: وهو صريح فی أن القبور الثلاثة مسطحة لا مسنمة، وأن ابن حبان صحح أن قبره صلى الله عليه وسلم مرتفع شبرا، قلت: كونه مرتفعا شبرا لا ينافی كونه مسنما، وقد تقدم تصريح سفيان: أنه رأى قبر النبی صلى الله عليه وسلم مسنما (ببطحاء العرصة) أی: برمل العرصة، وهی موضع .وقال الطيبی: العرصة جمعها عرصات، وهی كل موضع واسع لا بناء فيه، والبطحاء مسيل واسع فيه دقاق الحصى، والمراد بها هنا الحصى لإضافتها إلى العرصة، وقوله (الحمراء) صفة للبطحاء أو العرصة .قال الطيبی: أی: كشفت لی عن ثلاثة قبور لا مرتفعة، ولا منخفضة، لاصقة بالأرض مبسوطة مسواة، والبطح أن يجعل ما ارتفع من الأرض مسطحا، حتى يسوى ويذهب التفاوت .قال السيد: وفيه بحث، ولعل مراده ما قلنا، أولا أو أنه يلزم من كلامه أن لا يكون للقبور صورة متميزة عن الأرض، وهو خلاف الإجماع ;لأن الخلاف لی أنها مسنمات أو مربعات، وقد سبق الكلام من ابن الهمام على تحقيق المقام، ثم قال السيد: والأولى أن يقال: معناه ألقى فيها بطحاء العرصة الحمراء (مرقاة المفاتيح، ج۳، ص ۱۲۲۵ و ۱۲۲۶، کتاب الجنائز، باب دفن الميت)

[1] ذهب الحنفية والمالكية والحنابلة إلى أن تسنيم القبر – أی جعل التراب مرتفعا عليه كسنام الجمل – مندوب، لما ورد عن سفيان التمار أنه رأى قبر النبی صلى الله عليه وسلم مسنما.

قال المالكية والحنابلة: يرفع قدر شبر.

وقال الحنفية: قدر شبر أو أكثر شيئا قليلا.

وقال البهوتی: ليعرف أنه قبر فيتوقى، ويترحم على صاحبه، وقد روى عن جابر "أن النبی صلى الله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جہاں تک قبر کو کچی مٹی سے لیپنے یا ضرورت کے وقت اس پر مٹی ڈالنے کا تعلق ہے، تو بعض فقہاء نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے، لیکن حنفیہ وغیرہ کے نزدیک ضرورت کی صورت میں جائز ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عليه وسلم رفع قبره عن الأرض قدر شبر ، وعن القاسم بن محمد قال: دخلت على عائشة فقلت: يا أماه، اكشفي لي عن قبر النبي صلى الله عليه وسلم وصاحبيه رضي الله عنهما، فكشفت لي عن ثلاثة قبور، لا مشرفة ولا لاطئة، مبطوحة ببطحاء العرصة الحمراء.

قال المالكية: وإن زيد على التسنيم أي من حيث كثرة التراب بحيث يكون جرما مسنما عظيما فلا بأس به .وصرح الحنابلة بكراهة رفعه فوق شبر لحديث أبي الهياج الأسدي قال: قال لي علي بن أبي طالب: ألا أبعثك على ما بعثني عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم: أن لا تدع تمثالا إلا طمسته، ولا قبرا مشرفا إلا سويته.

قالوا: والمشرف ما رفع كثيرا، بدليل ما سبق عن القاسم بن محمد "لا مشرفة ولا لاطئة "وعند المالكية قول ضعيف بكراهة التسنيم وندب التسطيح، أي يجعل عليه سطح كالمصطبة ولكن لا يسوى ذلك السطح بالأرض بل يرفع كشبر، وقيل يرفع قليلا بقدر ما يعرف.

وذهب الشافعية إلى أن تسطيح القبر أفضل من تسنيمه .

ونص الشافعية والحنابلة على أنه إذا مات المسلم في بلاد الكفار فلا يرفع قبره بل يخفى لئلا يتعرضوا له.

قال البهوتي: تسوية قبر المسلم بالأرض وإخفاؤه بدار الحرب أولى من إظهاره وتسنيمه، خوفا من أن ينبش فيمثل به (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٢، ص ٢٤٨ و ٢٤٩، مادة "قبر")

[1] ح – تطيين القبر وتجصيصه والبناء عليه:

صرح الحنفية والشافعية والحنابلة بأنه يسن أن يرش على القبر بعد الدفن ماء، لأن النبي صلى الله عليه وسلم فعل ذلك بقبر سعد بن معاذ ، وأمر به في قبر عثمان بن مظعون.

وزاد الشافعية والحنابلة: أن يوضع عليه حصى صغار، لما روى جعفر بن محمد عن أبيه أن النبي صلى الله عليه وسلم رش على قبر ابنه إبراهيم ووضع عليه حصباء ، ولأن ذلك أثبت له وأبعد لدروسه، وأمنع لترابه من أن تذهبه الرياح.

قال الشافعية: ويحرم رشه بالماء النجس، ويكره بماء الورد .

واختلف الفقهاء في تطيين القبر، فذهب الحنفية – في المختار – والحنابلة إلى جواز تطيين القبر، ونقل الترمذي عن الشافعي أنه لا بأس بالتطيين.

قال النووي: ولم يذكر ذلك جماهير الأصحاب.

ودليل الجواز قول القاسم بن محمد في وصف قبر النبي صلى الله عليه وسلم وقبر صاحبيه " مبطوحة ببطحاء العرصة الحمراء .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ قبروں پر عمارت بنانا یا ان کو غیر معمولی اونچا کرنا مکروہ وممنوع ہے، اور عمارت بنانے میں قبروں پر قبہ ''یعنی گنبد بنانا'' بھی داخل ہے، جمہور فقہائے کرام کا یہی قول ہے۔ [1]

متعدد شافعیہ کے نزدیک قبر پر عمارت بنانا اس صورت میں تو حرام ہے، جبکہ قبر والی جگہ عام قبرستان یا وقف کی جگہ ہو، کیونکہ اس میں دوسروں کو تنگی میں مبتلا کرنا لازم آتا ہے، اور اگر وہ جگہ کسی کی ذاتی ملکیت ہو، تو پھر ایسی صورت میں قبر پر عمارت بنانا مکروہ ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وذهب المالكية وإمام الحرمين والغزالى من الشافعية إلى كراهة تطيين القبر.
قال الدسوقى: أكثر عباراتهم فى تطيينه من فوق، ونقل ابن عاشر عن شيخه أنه يشمل تطيينه ظاهرا وباطنا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٢، ص ٢٤٩و ٢٥٠، مادة "قبر")
وهل يطين القبر قال إمام الحرمين والغزالى لا ولم يذكر جمهور الأصحاب ونقل الترمذى عن الشافعى أنه قال لا بأس بالتطيين ويستحب أن يرش على القبر ماء وأن يوضع عليه حصى وأن يوضع عند رأسه صخرة أو خشبة ونحوها (كفاية الأخيار فى حل غاية الإختصار ،لتقى الدين الشافعى، ص ١٦٤، كتاب الجنائز، باب ما يلزم الميت)

[1] ولم يتعرض لبناء القبة فهو مكروه اتفاقا (رد المحتار على الدر المختار، ج٦، ص ٦٩٠، كتاب الوصايا)

[2] وفى هذا الحديث كراهة تجصيص القبر والبناء عيه وتحريم القعود والمراد بالقعود الجلوس عليه هذا مذهب الشافعى وجمهور العلماء وقال مالك فى الموطأ المراد بالقعود الجلوس ومما يوضحه الرواية المذكورة بعد هذا لا تجلسوا على القبور وفى الرواية الأخرى (لأن يجلس أحدكم على جمرة فتحرق ثيابه فتخلص إلى جلده خير له من أن يجلس على قبر) قال أصحابنا تجصيص القبر مكروه والقعود عليه حرام وكذا الاستناد إليه والاتكاء عليه وأما البناء عليه فإن كان فى ملك البانى فمكروه وإن كان فى مقبرة مسبلة فحرام نص عليه الشافعى والأصحاب قال الشافعى فى الأم ورأيت الأئمة بمكة يأمرون بهدم ما يبنى ويؤيد الهدم قولهولا قبرا مشرفا إلا سويته (شرح النووى علىٰ مسلم، ج٧ص٢٧، كتاب الجنائز، باب النهى عن الجلوس على القبر والصلاة عليه)
قال الشافعى رضى الله عنه: " ولا تبنى القبور ولا تجصص ."
قال الماوردى: أما تجصيص القبور فممنوع منه، فى ملكه وغير ملكه، لرواية أبى الزبير عن جابر أن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – نهى عن تجصيص القبور قال أبو عبيد يعنى تجصيصها، وأما البناء على القبور كالبيوت والقباب، فإن كان فى غير ملكه لم يجز، لأن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – نهى عن بناء القبور، ولأن فيه تضييق على غيره.
قال الشافعى ورأيت الولاة عندنا بمكة يأمرون بهدم ما يبنون منها، ولم أر الفقهاء يعيبون ذلك عليهم، وإن كان ذلك فى ملكه فإن لم يكن محظورا لم يكن مختارا (الحاوى الكبير للماوردى، ج٣ص٢٧، كتاب الجنائز)

اور اگر قبر پر عمارت یا گنبد بنا دیا جائے، تو اس کو اکثر فقہائے کرام کے نزدیک فی نفسہٖ منہدم کرنے کا حکم ہے۔ [1]

البتہ جب اس طرح کی عمارت کسی نے اپنی مملوکہ جگہ میں بنائی ہو، تو پھر مالک کی اجازت کے بغیر اس کو منہدم کرنا، بعض شوافع کے نزدیک جائز نہیں، وہ الگ بات ہے کہ قبر پر عمارت بنانے والے کا یہ عمل کراہت میں داخل ہے۔ [2]

---

[1] (نهى أن يقعد على القبر) أى يجلس عليه لأن فى القعود عليه تهاونا بالميت والموت وقيل أراد للإحداد والحزن وقول مالك المراد القعود للحدث قالوا ضعيف (وأن يقصص) بقاف وصادين مهملتين وهو بمعنى يجصص الوارد فى أكثر الروايات أى يبيض بالجص وهو الجبس وقيل الجير والمراد بهما لأنه نوع زينة ولا يليق بمن صار إلى البلى قال الزمخشرى: القصة الجصة وليس أحد الحرفين بدلا من صاحبه لاستواء التصريف لكن الفصحاء على القاف اهـ .وأن يبنى عليه) قبة أو غيرها فيكره كل من الثلاثة تنزيها فإن كان فى مسبلة أو موقوفة حرم بناؤه والبناء عليه ووجب هدمه قال ابن القيم: والمساجد المبنية على القبور يجب هدمها حتى تسوى الأرض إذ هى أولى بالهدم من مسجد الضرار الذى هدمه النبى صلى الله عليه وسلم وكذا القباب والأبنية التى على القبور وهى أولى بالهدم من بناء الغاصب اهـ .وأفتى جمع شافعيون بوجوب هدم كل بناء بالقرافة حتى قبة إمامنا الشافعى رضى الله عنه التى بناها بعض الملوك والقول بكراهة التنزيه فى القعود على القبور هو ما عليه الشيخان حتى قال فى المجموع: إن الشافعى وجمهور أصحابه عليه لكنه فى شرح مسلم قال: إنها للتحريم واحتج بهذا الحديث(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٩٣٦٨)

[2] قال أصحابنا رحمهم الله ولا فرق فى البناء بين أن يبنى قبة أو بيتا أو غيرهما ثم ينظر فإن كانت مقبرة مسبلة حرم عليه ذلك قال أصحابنا ويهدم هذا البناء بلا خلاف قال الشافعى فى الأم ورأيت من الولاة من يهدم ما بنى فيها قال ولم أر الفقهاء يعيبون عليه ذلك ولأن فى ذلك تضييقا على الناس قال أصحابنا وإن كان القبر فى ملكه جاز بناء ما شاء مع الكراهة ولا يهدم عليه (المجموع شرح المهذب، ج٥، ص ٢٩٨، كتاب الجنائز، باب حمل الجنازة والدفن)

(وسئل) - رضى الله عنه -عما إذا كان قبر رجل من أصحاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم- وعلى القبر قبة وأراد الرجل أن يكون قبره بجنبه فضاق الموضع إلا بنقض شىء قليل من القبة فهل يجوز له نقضه فإن قلتم نعم فذاك وإن قلتم لا فمع علمكم أن الشافعى -رضى الله عنه -قال رأيت الولاة بمكة يأمرون بهدم ما بنى منها ولم أر الفقهاء يعيبون ذلك عليهم؟

(فأجاب) بقوله إن كانت تلك القبة مبنية فى مقبرة مسبلة وهى التى اعتاد أهل البلد الدفن فيها فهى مستحقة الهدم فلكل أحد هدمها وإن كانت على ذلك القبر وحده ولم تكن فى مقبرة مسبلة لم يجز لأحد هدمها لمثل ما ذكره السائل من الدفن بجانب القبر والله سبحانه وتعالى أعلم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض حضرات نے مشائخ اور مشہور علماء کی قبروں پر زائرین کے بیٹھنے کی غرض سے بقدرِ ضرورت عمارت بنانے کا جواز بیان کیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بالصواب (الفتاویٰ الفقهية الكبرىٰ، ج ٢، ص٧، كتاب الصلاة، باب الجنائز)

ولا يختلف الحال فى كراهية التجصيص ونحوه من التزويق وغيره بين أن يكون القبر فى المقابر المسبَّلة أو لا، وأما البناء عليه فالمنع مخصوص فيما إذا كان فى مقبرة مسبلة.

قال البندنيجى :قال أصحابنا :وهو مكروه .وكلام غيره يقتضى أنه لا يجوز؛ لأنهم عللوا المنع بأن فيه تضييقاً على الناس، وقالوا :لو بُنى عليه هدم.

قال الماوردى :قال الشافعى :رأيت من الولاة من يهدم بمكة ما بنى بها، ولم أر الفقهاء يعيبون عليه ذلك، أما إذا كان فى ملكه فله ذلك؛ لفقد المعنى المذكور (كفاية النبيه فى شرح التنبيه،لابن الرفعة ،ج٥،ص ١٥٠ ،باب حمل الجنازة والدفن)

وأما البناء على القبور كالبيوت والقباب ، فإن كان فى غير ملكه لم يجز ؛ لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بناء القبور ، ولأن فيه تضييقا على غيره .قال الشافعى " :ورأيت الولاة عندنا بمكة يأمرون بهدم ما يبنون منها ، ولم أر الفقهاء يعيبون ذلك عليهم ، وإن كان ذلك فى ملكه ، فإن لم يكن محظورا لم يكن مختارا (الحاوى فى فقه الشافعى،للماوردى، ج٣،ص٢٧، كتاب الجنائز،باب عدد الكفن وكيف الحنوط)

[1] قوله" :نهى رسول الله -عليه السلام -أن يجصص القبر، وأن يبنى عليه، وأن يقعد عليه."

تجصيص القبور والبناء عليها -بجعل بيت على القبر، أو ضرب خيمة عليه -منهى؛ لأنه إضاعة المال من غير فائدة للميت فيه، ولأنه من فعل الجاهلية.

وقد أباح السلف -رحمهم الله -أن يبنى على قبور المشايخ والعلماء المشهورين ليزورهم الناس، ويستريح الناس بالجلوس فى البناء الذى يكون على قبورهم مثل الرباطات والمساجد(المفاتيح شرح المصابيح،للحسين بن محمود بن الحسن الحنفى المظهرى ،المتوفى 727 :هـ، ج٢ص٤٤٧، كتاب الجنائز، باب دفن الميت)

وقال التوربشتى: يحتمل وجهين: أحدهما: البناء على القبر بالحجارة، وما يجرى مجراها، والآخر: أن يضرب عليها خباء ونحوه، وكلاهما منهى لعدم الفائدة فيه، قلت: فيستفاد منه أنه إذا كانت الخيمة لفائدة مثل أن يقعد القراء تحتها فلا تكون منهية .قال ابن الهمام: واختلف فى إجلاس القارئين ليقرئوا عند القبر، والمختار عدم الكراهة اهـ .ثم قال التوربشتى: ولأنه من صنيع أهل الجاهلية، أى: كانوا يظللون على الميت إلى سنة .قال: وعن ابن عمر أنه رأى فسطاطا على قبر أخيه عبد الرحمن فقال: انزعه يا غلام، وإنما يظله عمله، وقال بعض الشراح من علمائنا: ولإضاعة المال، وقد أباح السلف البناء على قبر المشايخ والعلماء والمشهورين ليزورهم الناس، ويستريحوا بالجلوس فيه اهـ (مرقاة المفاتيح، ج٣ص١٢١٧، كتاب الجنائز، باب دفن الميت)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن جمہور فقہائے کرام کے نزدیک قبروں پر بناء وعمارات بنانا علی الاطلاق مکروہ وممنوع ہے، بالخصوص جبکہ فخر وتفاخر کے طور پر ہو۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقوله وحرم أى البناء أى ظاهرا وباطنا وأيضا إن لم يتحقق وقفها ومحل ذلك ما لم يكن الميت من أهل الصلاح ومن ثم جازت الوصية بعمارة قبور الصالحين لما فى ذلك من إحياء الزيارة والتبرك (حاشية الجمل على المنهج، ج۲ص۲۰۷، كتاب الجنائز،فصل فى دفن الميت وما يتعلق به)

استثنى بعضهم قبور الأنبياء والشهداء والصالحين ونحوهم، برماوى وعبارة الرحمانى :نعم قبور الصالحين يجوز بناؤها ولو بقبة الأحياء للزيارة والتبرك، قال الحلبى :ولو فى مسبلة، وأفتى به، وقال :أمر به الشيخ الزيادى مع ولايته وكل ذلك لم يرتضه شيخنا الشوبرى، وقال :الحق خلافه وقد أفتى العز بن عبد السلام بهدم ما فى القرافة، ويستثنى قبة الإمام لكونها فى دار ابن عبد الحكم اهـ ويظهر حمل ما أفتى به ابن عبد السلام على ما إذا عرف حال البناء فى الوضع، فإن جهل ترك حملا على وضعه بحق كما فى الكنائس التى نقر أهل الكنائس عليها فى بلادنا وجهلنا حالها، وكما فى البناء الموجود على حافات الأنهار والشوارع اهـ وعبارة شرح م ر :وصرح فى المجموع بحرمة البناء فى المسبلة، قال الأذرعى :ويقرب إلحاق الموات بها،لأن فيه تضييقا على المسلمين بما لا مصلحة ولا غرض شرعى فيه بخلاف الأحياء .اهـ(حاشية البجيرمى على الخطيب ، ج۲،ص۲۹۷، كتاب الجنازة ،فصل :فى الجنازة)

واستثنى بعضهم قبور الأنبياء والشهداء والصالحين ونحوهم ولو كان بقبة لإحياء الزيارة والتبرك بهم وأفتى به الحلبى وقال أمر به الشيخ الزيادى مع ولايته وكل ذلك لم يرتضه العلامة الشوبرى وقال الحق خلافه وقبة الإمام الشافعي رضى الله عنه ليست فى الأرض المسبلة بل هى فى دار ابن عبد الحكيم ولو وجد بناء فى أرض مسبلة ولم يعلم أصل وضعه هل هو بحق أو لا ترك لاحتمال أنه وضع بحق(نهاية الزين فى إرشاد المبتدئين،لمحمد بن عمر نووى،ص۱۵۵، باب الصلاة،فصل فى الجنائز)

[1] (ولا يرفع عليه بناء .وقيل :لا بأس به، وهو المختار) كما فى كراهة السراجية(الدرالمختار) (قوله ولا يرفع عليه بناء) أى يحرم لو للزينة، ويكره لو للإحكام بعد الدفن، وأما قبله فليس بقبر إمداد .وفى الأحكام عن جامع الفتاوى :وقيل لا يكره البناء إذا كان الميت من المشايخ والعلماء والسادات اهـ

قلت :لكن هذا فى غير المقابر المسبلة كما لا يخفى (قوله :وقيل :لا بأس به إلخ) المناسب ذكره عقب قوله :ولا يطين لأن عبارة السراجية كما نقله الرحمتى ذكر فى تجريد أبى الفضل أن تطيين القبور مكروه والمختار أنه لا يكره اهـ وعزاه إليها المصنف فى المنح أيضا .وأما البناء عليه فلم أر من اختار جوازه .وفى شرح المنية عن منية المفتى :المختار أنه لا يكره التطيين .وعن أبى حنيفة : يكره أن يبنى عليه بناء من بيت أو قبة أو نحو ذلك، لما روى جابر نهى رسول الله -صلى الله عليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قبروں پر بنائی گئی عمارت کو منہدم کرنے کا حکم

اگر کچھ لوگوں کی طرف سے قبروں پر عمارت وقبے بنا دیئے گئے ہوں، تو حکومتِ وقت کو ان کو منہدم کرنا فی نفسہٖ جائز ہے، جیسا کہ پہلے گزرا، لیکن اگر اس کی وجہ سے عوام میں تشویش واضطراب یا فتنہ وفساد پیدا ہوتا ہو، تو فتنہ سے بچنے کا اہتمام بھی ضروری ہے، جس کی تائید حدیث سے ہوتی ہے، اور متعدد اہلِ علم حضرات نے بھی اس کی صراحت فرمائی ہے، جس کی کچھ تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وسلم -عن تجصيص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنى عليها رواه مسلم وغيره اهـ نعم فى الإمداد عن الكبرى :واليوم اعتادوا التسنيم باللبن صيانة للقبر عن النبش، ورأوا ذلك حسنا . وقال -صلى الله عليه وسلم -ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن .اهـ (ردالمحتار، ج٢ص٢٣٧، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فى دفن الميت)

وذهب المالكية والشافعية والحنابلة إلى كراهة البناء على القبر فى الجملة، لحديث جابر: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يجصص القبر وأن يبنى عليه .

وسواء فى البناء بناء قبة أم بيت أم غيرهما.

وقال الحنفية: يحرم لو للزينة، ويكره لو للإحكام بعد الدفن.

وفى الإمداد من كتب الحنفية: واليوم اعتادوا التسنيم باللبن صيانة للقبر عن النبش ورأوا ذلك حسنا، وقال عبد الله بن مسعود: ما رأى المسلمون حسنا فهو عند الله حسن.

ونص المالكية والشافعية على حرمة البناء فى المقبرة المسبلة ووجوب هدمه.

قال المالكية: إلا إذا كان يسيرا للتمييز .

كما صرح المالكية بحرمة تحويز القبر – بأن يبنى حوله حيطان تحدق به – ووجوب هدم ذلك فيما إذا بوهى بالبناء، أو صار مأوى لأهل الفساد، أو فى ملك الغير بغير إذنه، قال الدسوقى: البناء على القبر أو حوله فى الأراضى الثلاثة – وهى المملوكة له ولغيره بإذن والموات – حرام عند قصد المباهاة وجائز عند قصد التمييز وإن خلا عن ذلك كره.

وعن أحمد روايتان فى البناء فى المقبرة المسبلة:

رواية بالكراهة الشديدة، لأنه تضييق بلا فائدة واستعمال للمسبلة فيما لم توضع له.

ورواية بالمنع، صوبها البهوتى قائلا: المنقول فى هذا ما سأله أبو طالب عمن اتخذ حجرة فى المقبرة، قال: لا يدفن فيها، والمراد لا يختص به وهو كغيره.

وقال الشيخ تقى الدين: من بنى ما يختص به فيها فهو غاصب .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْجَدْرِ أَمِنَ الْبَيْتِ هُوَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: فَمَا لَهُمْ لَمْ يُدْخِلُوْهُ فِي الْبَيْتِ؟ قَالَ: إِنَّ قَوْمَكِ قَصَّرَتْ بِهِمُ النَّفَقَةُ، قُلْتُ: فَمَا شَأْنُ بَابِهِ مُرْتَفِعًا؟ قَالَ: فَعَلَ ذٰلِكَ قَوْمُكِ، لِيُدْخِلُوْا مَنْ شَاءُوْا وَيَمْنَعُوْا مَنْ شَاءُوْا، وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيْثٌ عَهْدُهُمْ بِالْجَاهِلِيَّةِ، فَأَخَافُ أَنْ تُنْكِرَ قُلُوْبُهُمْ، أَنْ أُدْخِلَ الْجَدْرَ فِي الْبَيْتِ، وَأَنْ أُلْصِقَ بَابَهُ بِالْأَرْضِ (صحيح بخاری) [1]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حطیم کے متعلق سوال کیا کہ کیا وہ بھی بیتُ اللہ میں شامل ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں! میں نے عرض کیا کہ پھر کیوں اس کو بیتُ اللہ میں داخل نہیں کیا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری قوم کے پاس خرچ (تعمیرِ بیت کے لیے فراہم کردہ مالِ حلال سے مخصوص فنڈ) کم ہوگیا تھا، میں نے عرض کیا کہ پھر اس کا دروازہ کیوں اونچا ہے؟

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وكره أحمد الفسطاط والخيمة على القبر، لأن أبا هريرة "أوصى حين حضره الموت أن لا تضربوا علـى فسطاطا وقال البخاري في صحيحه ورأى ابن عمر فسطاطا على قبر عبد الرحمن فقال: انزعه يا غلام فإنما يظله عمله(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٢ص ٢٥٠، ٢٥١، مادة "قبر")

کفایتُ المفتی میں ہے کہ:

شامی میں مشائخ اور سادات کی قبور پر قبہ کی بناء کا جواز صرف جامعُ الفتویٰ سے قیل کے لفظ سے ذکر کیا ہے۔

(وفي الأحكام عن جامع الفتاوى: وقيل لا يكره البناء إذا كان الميت من المشايخ والعلماء والسادات)

اور حُرمت یا کراہت کا قول مسلم کی حدیث صحیح پر مبنی ہے، اور شامی نے خود اقرار کیا ہے۔

وأما البناء عليه فلم أر من اختار جوازه.

لہٰذا قول بالمنع اقویٰ اور احوط اور واجبُ العمل ہے (کفایت المفتی، ج۴ص۸۰، کتاب الجنائز، فصل ہفتم: بناء علی القبور، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

[1] رقم الحديث ١٥٨٤، كتاب الحج، باب فضل مكة وبنيانها.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری قوم نے اس لئے ایسا کیا کہ جس کو چاہیں اندر آنے دیں، اور جس کو چاہیں روک دیں، اگر تمہاری قوم کا زمانہ جاہلیت سے قریب نہ ہوتا، اور مجھے اندیشہ نہ ہوتا کہ ان کے دل اس کو ناپسند سمجھیں گے، تو میں حطیم کو بیتُ اللہ میں داخل کر دیتا، اور اس کے دروازے کو زمین سے ملا دیتا (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ ناواقف لوگوں کے فتنہ اور بڑے ضرر سے بچنے کے لیے چھوٹے ضرر کو برداشت کرنا چاہیے۔ [1]

چنانچہ ایک زمانہ میں سعودی حکومت نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور جلیلُ القدر تابعین کی قبروں پر بنے ہوئے قبوں اور گنبدوں کو منہدم کیا، تو اس پر پوری دنیا میں اضطراب وتشویش پیدا ہوئی، ایسی صورت میں فتنہ وفساد برپا ہونے سے بچنا ضروری ہے، پہلے عوام کی ذہن سازی کی جائے، اور جب تک اس طرح کی ذہن سازی نہ ہو، اس وقت تک اس طرح کے اقدام سے اجتناب میں ہی عافیت ہے۔

وہ الگ بات ہے کہ عام قبروں پر عمارت وگنبد بنانا اکثر فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے، اور فی نفسہٖ ان کو منہدم کرنا جائز ہے۔ [2]

---

[1] وفیه دلیل علی ارتکاب أیسر الضررین دفعا لأکبرهما، لأن قصور البیت أیسر من افتتان طائفة من المسلمین ورجوعهم عن دینهم (ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری للقسطلانی، ج۳ص ۱۴۵، کتاب الحج، باب فضل مکة وبنیانها)

فیه دلیل لتقدیم أهم المصالح عند تعذر جمیعها کما سبق إیضاحه فی أول الحدیث (شرح النووی علیٰ مسلم، ج۹ ص ۹۰، کتاب الحج، باب نقض الکعبة وبنائها)

[2] اور 1344 ہجری میں حجاز پر آل سعود کی نئی حکومت کی طرف سے مکہ مکرمہ میں منعقد کی گئی موتمر عالمِ اسلامی میں یہ مسئلہ زیرِ بحث آیا، جس میں جمعیت علمائے ہند کے ایک وفد نے بھی شرکت کی، اس وقت بھی علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے علمائے عرب کو اس نکتہ کی طرف متوجہ کیا تھا، جس کے بعد سعودی عرب کے علماء وانتظامیہ کی طرف سے متعدد مشہور آثارِ انبیاء کو ختم نہ کرنے کی طرف توجہ ہوئی، اس کا ذکر آگے مستقل ابحاث میں آتا ہے۔ محمد رضوان۔

علامہ ظفراحمد عثمانی صاحب کا حوالہ

علامہ ظفراحمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ اپنے رسالہ ”النفع البرزة فی تحقیق قطع الشجرة“ میں، جوانہوں نے 1345 ہجری میں تحریر فرمایا، فرماتے ہیں:

شجرۃ الرضوان کے متعلق طبقات ابنِ سعد میں جونافع کا ایک اثر وارد ہے:

قد كان الناس ياتون الشجرة التی يقال لها شجرة الرضوان، فيصلون عندها، فبلغ ذلک عمر ابن الخطاب فاوعدهم فيها و امر بها فقطعت“ اھ.

اس سے بعض علماء نے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ جب حضرت عمر نے اس متبرک درخت کوخوف وفتنہ کی وجہ سے کہ عوام اس درخت کی تعظیم میں حد سے بڑھنے لگیں گے کٹوادیا، تو ان مآثر ومزارات اور قبوں کو کیوں نہ ڈھایا، اور مٹایا جائے جو اصل سے ہی خلافِ شرع بنائے گئے ہیں۔

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ کرنے اوران پر عمارت بنانے سے منع فرمایا:

”نهی رسول الله صلی الله عليه وسلم عن تجصيص القبور وان يكتب عليها و ان يبنیٰ عليها.

رواه مسلم و ابوداؤد و ترمذی و زاد ”ان تؤطا“ مراقی الفلاح والطحاوی ص ٣٥٦.

ولعن الله اليهود والنصارىٰ اتخذوا قبور انبيائهم مساجداً متفق عليه“.

اور بعض مآثر تو بالکل ہی مخترع ہیں، تاریخِ صحیح اور حدیثِ معتبر سے ان کی کچھ

اصل نہیں ملتی، گوفی نفسہٖ کچھ اصل ہو، مگر ان کی وجہ سے عوام میں فتنے برپا ہورہے ہیں کہ ان پر مجاور رہنے لگے اور اس پر غلاف اور نذریں چڑھاتے ہیں۔

حالانکہ ابوداؤد کی حدیث میں جس کی اسناد حسن ہیں ''**لا تتخذوا قبری عیداً**'' اور بعضے طرق میں ''**لا تتخذوا قبری و بیتی عیداً**'' بھی ہے، جو کثرت مخارج کی وجہ سے درجہ حسن میں ہے، ملاحظہ ہو اقتضاء الصراط المستقیم، ص۱۵۲، ص ۱۵۵۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان وقبر کو عید بنانا ممنوع ہے، تو دوسرے مآثر کا حکم اس سے ظاہر ہے، پس ان علماء کا استدلال کچھ اثرِ نافع پر منحصر نہیں تھا، کیونکہ انہوں نے ان شرکیات وبدعات کی تردید میں آیاتِ الٰہیہ اور صدہا احادیثِ صحیح و اقوالِ ائمہ اربعہ سے استدلال کیا ہے، اور محض تائید کے درجہ میں اثرِ نافع کو بھی بیان کردیا ہے، مگر بعض مضمون نگاروں نے ایک رئیس المبتدعین کے اخبار میں تمام دلائل کو چھوڑ کر اور آیاتِ الٰہیہ واحادیثِ صحیحہ واقوالِ ائمہ اربعہ سے منہ موڑ کر صرف اثرِ نافع کی تردید پر سارا زور ختم کردیا۔

اوران لوگوں کو جو اس اثر کو محض تائید کے درجہ میں پیش کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ناپاک اتہام لگانے والا اور ملاحدہ وجہال کا لقب دیا، اور یہ کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے وسیع الخیال وحکیمِ امت کو پست خیال ثابت کرنے کی کوشش کرتے، اور ان کے دامنِ عدل پر دھبہ لگاتے ہیں۔

گو مضمون نگار نے ظاہر میں اپنا مخاطب فرقۂ نجدیہ یا سردارانِ نجدیہ جماعتِ غیر مقلدین کو بنایا ہے، مگر درحقیقت اس میں علماء حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ اور حضرات محدثین بالخصوص اثر کے راوی حضرت نافع اور ان کے بعد والے رواۃ سب کو ملحدہ جہال کا لقب دیا ہے، اور سب کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ناپاک اتہام

لگانے کا مجرم بنایا ہے۔

کیونکہ نافع کے اس اثر کو محض نجدیہ اور سردارانِ نجدیہ ہی نہیں پیش کرتے، بلکہ جملہ مذاہبِ اربعہ کے علماء اور محدثین نے اس کو پیش کیا، اور نقل کیا ہے، اور صحیح مانا ہے..........پس اگر اس اثر کو بیان کرنا اور اس کو صحیح ماننا اور اس کو استدلال میں پیش کرنا الحاد اور جہل ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ناپاک اتہام لگانا اور ان کے دامنِ عدل پر دھبہ لگانا ہے، تو اس کے مجرم صرف جماعتِ نجدیہ یا سردارانِ نجدیہ ہی نہیں، بلکہ ایک طرف سے تمام اہلِ سنت والجماعت اور جملہ مذاہبِ اربعہ اس جرم کے مرتکب ہوں گے، نعوذ باللہ منہ (امداد الاحکام، ج۴، ص۵۳۸ الیٰ ۵۴۰، ملخصاً، کتاب المتفرقات، رسالہ "النفع البرزة فی تحقیق قطع الشجرة"، مطبوعہ: دار العلوم کراچی، طبعِ اول ۱۴۲۱ھ)

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب مذکورہ رسالہ میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

اس تصریح کے بعد نافع کے ارسال وانقطاع کے مقبول ہونے میں کیا کلام ہے، حیرت ہے کہ احمد بن حنبل اور بخاری اور مالک وغیرہ کسی بات کو جزم کے ساتھ بلاغاً یا تعلیقاً بلا سند بیان کریں، تو ان کا جزم حجت ہو اور نافع جیسے امام التابعین متفق علیہ، ثقہ، صحیح الروایۃ کا جزم حجت نہ ہو، اس کو کوئی محدث تسلیم نہ کرے گا، علاوہ ازیں جن پاسدارانِ نجدیہ نے مقابر وقبب کے قابلِ انہدام ہونے کی تائید میں نافع کا یہ اثر پیش کیا ہے، ان کا مدعیٰ صرف اسی پر موقوف نہیں، بلکہ اس کو تو محض تائید کے درجہ میں وہ پیش کرتے ہیں، اور منقطع سے تائید کرنا اتفاقاً سب کے نزدیک درست ہے، اور ان کا اصل مدعا احادیثِ مرفوعہ صحیحہ سے ثابت ہے، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف قبروں کے پختہ کرنے اور ان پر عمارت بنانے اور چراغاں کرنے سے منع فرمایا ہے، پس اگر مضمون نگار کو

ہمت ہے، تو ان احادیث کا جواب دے کر اپنی مبتدع جماعت کی دستگیری کرے، محض اثرِ نافع کی تردید میں اتنا زور کیوں دکھلایا جاتا ہے، جس سے پاسدارانِ نجد یہ اتنا کہہ سکتے ہیں، اور پھر سبکدوش ہوسکتے ہیں کہ اس کو تو ہم نے محض تائید میں بیان کیا ہے، اور ہمارا اصل اعتماد احادیثِ مرفوعہ صحیحہ پر ہے (امدادالاحکام، ج۴، ص۵۵۱، کتاب المتفرقات، رسالہ "النفع البرزۃ فی تحقیق قطع الشجرۃ" مطبوعۃ: دارالعلوم کراچی، طبعِ اول ۱۴۲۱ھ)

علامہ ظفراحمد عثمانی رحمہ اللہ کے مذکورہ رسالہ کی مزید عبارات اگلے رسائل میں آتی ہیں۔

بہرحال علامہ ظفراحمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ علمائے نجد کا قبروں پر مبنی عمارات کو منہدم کرنا، شرعی وفقہی دلائل کی بناء پر تھا، جس میں وہ حضرات فی نفسہٖ قابلِ ملامت نہیں تھے، البتہ عوام جو شرعی احکام سے ناواقف ہوتے ہیں، ان میں اگر کسی اقدام سے تشویش وفتنہ پیدا ہو، تو اس سے احتراز کا حکم ہوتا ہے۔

علامہ ظفراحمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کا مذکورہ مضمون اسی زمانہ سے متعلق ہے، جب سعودی عرب میں قبور پر قُبّوں کے انہدام کا سلسلہ چلا تھا۔

کفایتُ المفتی کا حوالہ

کفایتُ المفتی میں اس سلسلہ میں ایک سوال وجواب درجِ ذیل ہے:

سوال......: آج کل سلطان عبدالعزیز ابن سعود سلمہ اللہ نے مکہ مکرمہ کے قبے وغیرہ گرادیئے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ اور حدیث میں جو آیا ہے کہ نجد میں زلزلے اور فتنے ہوں گے، اور وہاں "قرن الشیطان" ہوگا، وہ کون سا نجد ہے؟

جواب ہوالموفق......: اونچی اونچی قبریں بنانا، قبروں کو پختہ بنانا، قبروں پر گنبد اور قبے اور عمارتیں بنانا، غلاف ڈالنا، چادریں چڑھانا، نذریں ماننا، طواف کرنا، سجدہ

کرنا، یہ تمام امور منکراتِ شرعیہ میں داخل ہیں، شریعتِ مقدسہ اسلامیہ نے ان امور سے صراحتاً منع فرمایا ہے، احادیثِ صحیحہ میں اس قسم کے امور کی ممانعت وارد ہے، جو شرک یا مفضی الی الشرک ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارواحنا فداہ نے مرضِ وفات میں آخری وصایا میں نہایت اہتمام سے یہ ارشاد فرمایا:

’’لعن الله اليهود والنصارىٰ اتخذوا قبور انبيائهم مساجدا‘‘

یعنی ’’خدا لعنت کرے یہود ونصاریٰ پر، جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا‘‘

اور کتبِ حدیث میں وہ حدیثیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر عمارت (گنبد وقبہ) بنانے اور چراغ جلانے سے منع فرمایا، بکثرت موجود ہیں، فقہ حنفی میں صراحتاً یہ مسئلہ مذکور ہے کہ قبر کو پختہ نہ بنایا جائے، نہ اس پر کوئی عمارت بنائی جائے، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمۂ مجتہدین سلف صالحین کا طرزِ عمل اسی کے موافق تھا، قرونِ اولیٰ میں اس کی کوئی سند موجود نہیں کہ قبروں پر قبے بنائے جاتے تھے، یا قبروں کی کوئی ایسی تعظیم کی جاتی تھی، جو اَب کچھ زمانے سے مروج ہے، نذر اور طواف اور سجدہ تو عبادات ہیں، اور غیرُ اللہ کے لیے عبادت کی نیت سے ان افعال کو کرنا تو یقیناً شرک ہے، اور نیتِ عبادت نہ بھی ہو، تاہم حرام ہونے میں کوئی تردد نہیں۔

سلطان ابنِ سعود نے قبے ڈھادیئے، تو ان کے نزدیک چونکہ قبے بنانا، ناجائز اور منکرِ شرعی تھا، اس لیے انہوں نے بموجبِ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ’’**من رأى منكم منكرا** (الحدیث) ‘‘ اس کا ازالہ کیا۔

معترضین اگر زیادہ سے زیادہ زور لگا کر بعض متاخرین کے قول سے اس کی اباحت

پیش کردیں، تاہم حدیثِ صریح اور تصریحاتِ سلف کے مقابلے میں اول تو یہ اقوال قابلِ التفات نہ ہوں گے، دوسرے پھر بھی ابنِ سعود کو سب وشتم کرنا اور ہدفِ ملامت بنانا جائز نہیں ہوگا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح فرمانا ہے

''**سباب المسلم فسق**(بخاری)''

نجد یا اس کا کوئی حصہ اگر موضعِ زلازل وفتن ہو، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ''**قرن الشیطان**'' کے نکلنے کی خبر بھی دی تھی، تاہم اس سے یہ استدلال کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا کہ تمام نجدی اس کے مصداق ہیں، تو کیا نجد میں آج تک کوئی صالح، دین دار نہیں ہوا، سب اسی حدیث کے موافق ''**قرن الشیطان**'' میں داخل ہیں؟ معاذ اللہ! جبکہ ایسا نہیں، تو لامحالہ اہلِ نجد کے اعمال واقوال ہی اس امر کے لیے معیار ہوں گے کہ وہ اس حدیث کے اندر داخل ہیں یا نہیں؟ لہٰذا ہمیں یہ دیکھنا نہیں چاہیے کہ ابنِ سعود نجدی ہیں یا یمنی، حجازی ہیں یا شامی، بلکہ ان کے اعمال واقوال وعقائد کو دیکھنا چاہیے، اور اس کے موافق ان کے بارے میں رائے قائم کرنی چاہیے۔

ہمیں جہاں تک معلوم ہوا ہے، ابنِ سعود کے عقائد واعمال میں کوئی ایسی بات نہیں ہے، جو اِن کو قابلِ مذمت قرار دے، صرف نجدی ہونے سے ان پر ملامت کی بوچھاڑ کرنا اہلِ دین کا کام نہیں۔

واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، مدرسہ امینیہ، دہلی

الجواب صحیح

بندہ احمد سعید واعظ دہلوی

محمد میاں عفی عنہ (مدرس: مدرسہ حسین بخش، دہلی)

شفاعتُ اللہ عفی عنہ (مدرس: مدرسہ حسین بخش، دہلی)

(کفایت المفتی، ج۴ص۸۲،۸۳، کتاب الجنائز، فصل ہفتم: بناءعلی القبور، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ کا مذکورہ فتویٰ بھی علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے فتوے وتحریر کے قریب قریب ہے۔

یہ بھی ملحوظ ہے کہ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ ''مؤتمر عالمِ اسلامی'' مکہ مکرمہ کے موقع پر علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ تشریف لے گئے تھے، اور سلطان ابنِ سعود اور اہلِ نجد سے براہِ راست ملاقات ومذاکرات میں شریک تھے، جس کا علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے حوالہ سے آگے ذکر آتا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب کا حوالہ

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ اپنی ڈائری میں 25 ذوالقعدۃ 1344 ہجری کی ''مؤتمر عالمِ اسلامی، مکہ مکرمہ'' ہونے والی تقریر کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

ہم بناء علی القبر کو ناجائز سمجھتے ہیں، ہم نے فتوے دیئے ہیں، بحثیں کی ہیں، لیکن ھدمِ قباب (قبے گرانے) میں ضرورت تھی کہ بہت تأنی (ڈھیل) اور حکمت سے کام لیا جاتا۔

جب ولید بن عبدالملک نے عمر بن عبدالعزیز کو حکم دیا کہ حجراتِ ازواجُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدم کر کے مسجد کی توسیع کریں، تو انہوں نے ہدم کا حکم دیا، حتّٰی کہ تینوں قبریں کھل گئیں، اس وقت عمر بن عبدالعزیز اس قدر روئے تھے کہ کبھی اس قدر روتے ہوئے نہ دیکھے گئے، حالانکہ خود ہی ہدم کا حکم دیا تھا، پھر نہ صرف قبرِ نبی علیہ السلام پر بلکہ تینوں قبروں پر بناء کرائی۔

میری غرض اس وقت تجویزِ بناء (یعنی قبروں پر قبوں کے جائز ہونے کو قرار دینا)

نہیں، بلکہ یہ بتلانا ہے کہ قبورِ اعاظم واکابر کے ساتھ ادب وغیرہ کا معاملہ ایسا ہے، جس کو قلوب میں ایک تاثیر اور دخل ہے، مقابر کے معاملہ میں زائد نہیں کہنا چاہتا، اور شیخ (مفتی) کفایتُ اللہ مجھ سے پہلے کہہ چکے ہیں (انوارِ عثمانی، ص۹۴، ۹۵، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: محرم الحرام 1435 ہجری، بمطابق اکتوبر 2013 عیسوی)

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کی مذکورہ تحریر سے معلوم ہوا کہ انہوں نے مؤتمر عالمِ اسلامی کے موقع پر سلطان ابنِ سعود کے سامنے جو تقریر کی، اس میں قبروں پر قبے بنانے کو جائز قرار نہیں دیا، اور نہ ہی قبے گرانے کو ناجائز قرار دیا، البتہ اس کے نتیجہ میں فتنے لازم آنے کا ذکر کیا، جس کی وجہ سے اس زمانہ میں شورش برپا تھی، اور اس سلسلہ میں مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ کی تقریر کا بھی حوالہ دیا، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ کا اس سلسلہ میں موقف پہلے ذکر کیا جاچکا ہے۔

فتاویٰ محمودیہ کا حوالہ

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

باوجود بہت منع کرنے کے بھی جب قبر پختہ بنادی گئی، تو آپ خود غور کرلیں کہ اگر اسے آپ ڈھادیں گے، تو جھگڑا ہوگا یا نہیں "تغییرِ منکر" بڑا منصب ہے، مگر اس کے لیے بڑی اہلیت کی ضرورت ہے، اور شرائط بھی سخت ہیں، بسا اوقات ایسی صورت میں بڑا فتنہ ہوجاتا ہے، جس کو دینی اور دنیوی حیثیت سے برداشت کرنا، دشوار ہوتا ہے (فتاویٰ محمودیہ مبوب، جلد۹، صفحہ۱۶۷، و۱۶۸، باب الجنائز، الفصل السادس فی البناء علی القبور، مطبوعہ: جامعہ فاروقیہ، کراچی، 2005ء)

فتاویٰ محمودیہ ہی میں ایک سوال اور جواب درج ذیل ہے:

سوال: پہلے پکی قبریں جو بنی ہوئی ہیں، ان کے لئے انہدام جائز ہوگا کہ نہیں؟

الجواب حامداومصلیا: انہدام جائز ہے، پختہ قبریں گرا کر کچی قبر کا نشان باقی رکھا جائے، لیکن اگر اس سے شورش پیدا ہو، اور فتنہ برپا ہو، تو اس سے اجتناب کیا جائے۔

فقط واللہ سبحانہٗ تعالیٰ اعلم

حررہٗ العبد: محمود عفا اللہ عنہ۔ دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔ دارالعلوم دیوبند

(فتاویٰ محمودیہ مبوب، جلد۹، صفحہ۱۶۸، باب الجنائز، الفصل السادس فی البناء علی القبور،

مطبوعہ: جامعہ فاروقیہ، کراچی، 2005ء)

ملحوظ رہے کہ مذکورہ حکم قبروں پر عمارت اور بناء قائم کرنے یا گنبد وغیرہ بنانے کا ہے کہ وہ جمہور کے نزدیک سرے سے ہی ناجائز ہیں، اور احادیث میں ان چیزوں کی ممانعت آئی ہے۔

جہاں تک قبر پر علامت قائم کرنے کا تعلق ہے، تو اس کی فی الجملہ بعض احادیث سے اجازت ملتی ہے، اور یہ قبر پر بناء وعمارت قائم کرنے سے الگ چیز ہے، اور دونوں مسئلوں میں خلط ملط کرنا درست نہیں، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ .

(فصل نمبر1)

قبر پر علامت قائم کرنے اور نام لکھنے کا حکم

بعض احادیث وروایات سے قبر پر علامت قائم کرنے کا ثبوت ملتا ہے، جس سے فقہائے کرام نے کچھ مسائل اخذ کیے ہیں، ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْلَمَ قَبْرَ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ بِصَخْرَةٍ (سنن ابنِ ماجه)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر پر پتھر سے علامت قائم کی (ابنِ ماجہ)

---

[1] رقم الحديث ١٥٦١، ابواب الجنائز، باب ما جاء فى العلامة فى القبر.
قال شعيب الارنؤوط:

حديث حسن، وهذا إسناد أخطأ فيه عبد العزيز الدراوردى كما قال أبو زرعة فيما نقله عنه ابن أبى حاتم فى "العلل348 /1 "، وقال :يخالف الدراوردى فيه، يرويه حاتم وغيره عن كثير بن زيد، عن المطلب بن عبد الله بن حنطب، وهو الصحيح.
وأخرجه أبو داود (3206)، ومن طريقه البيهقى 412 /3من طريق حاتم بن إسماعيل ومن طريق سعيد بن سالم، كلاهما عن كثيرِ بن زيد، عن المطلب -وهو ابن عبد الله بن حنطب -قال :لما مات عثمان بن مظعون أُخرِجَ بجنازته فدفِن، فأمر النبى -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -رجلًا أن يأتيه بحجر، فلم يستطع حمله، فقام إليها رسول الله -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -وحَسَرَ عن ذراعيه، قال كثير قال المطلب: قال الذى يخبرنى ذلک عن رسول الله – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ –، قال: كأنى انظر إلى بياض ذراعى رسول الله – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – حين حَسَرَ عنهما، ثم حملها فوضعها عند رأسه، وقال: " أتعلَّم بها قبر أخى، وأَدفِنُ إليه مَن مات من أهلى "وإسناده حسن .(حاشية سنن ابنِ ماجه)

حضرت مطلب کی حدیث

حضرت مطلب سے روایت ہے کہ:

لَمَّا مَاتَ عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُوْنٍ، أُخْرِجَ بِجَنَازَتِهٖ فَدُفِنَ، فَأَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا أَنْ يَّأْتِيَهُ بِحَجَرٍ، فَلَمْ يَسْتَطِعْ حَمْلَهُ، فَقَامَ إِلَيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَحَسَرَ عَنْ ذِرَاعَيْهِ، قَالَ كَثِيْرٌ: قَالَ الْمُطَّلِبُ: قَالَ الَّذِیْ يُخْبِرُنِیْ ذٰلِکَ: عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: كَأَنِّیْ أَنْظُرُ إِلٰی بَيَاضِ ذِرَاعَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حِيْنَ حَسَرَ عَنْهُمَا ثُمَّ حَمَلَهَا فَوَضَعَهَا عِنْدَ رَأْسِهٖ، وَقَالَ: أَتَعَلَّمُ بِهَا قَبْرَ أَخِیْ، وَأَدْفِنُ إِلَيْهِ مَنْ مَاتَ مِنْ أَهْلِیْ (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث ۳۲۰۶، کتاب الجنائز، باب الرجل يَجمع موتاه فی مقبرة، والقبرُ يُعَلَّم) [1]

ترجمہ: جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، تو ان کا جنازہ لایا گیا اوران کو دفن کیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو پتھر لانے کا حکم

---

[1] قال شعیب الارنؤوط:
إسناده حسن من أجل كثير بن زيد، فهو صدوق حسن الحديث، والمطلب –وهو ابن عبد الله بن حنطب– بيَّن فی روايته أنه أخبره بذلک من رأی رسول الله –صلَّی الله عليه وسلم– يفعل ذلک، فاتصل الإسناد، ولا يضر إبهام الصحابی، لأنهم عدول كلهم، وقد حسَّن إسناده ابن الملقن فی "البدر المنير 325 /5 "، ووافقه ابن حجر فی "التلخيص الحبير"، 133 /2.
وأخرجه البيهقی 412 /3من طريق أبی داود، بهذا الإسناد.
وأخرج ابنُ ماجه (1561)من طريق محمد بن أيوب أبی هريرة الواسطی، عن عبد العزيز بن محمد الدراوردی، عن كثير بن زيد، عن زينب بنت نبيط، عن أنس بن مالک .قال أبو زرعة فيما نقله عنه ابن أبی حاتم فی "العلل :348 /1 "هذا خطأ، يخالف الدراوردی فيه، يرويه حاتم وغيره، عن كثير بن زيد، عن المطلب بن عبد الله ابن حنطب، وهو الصحيح(حاشية سنن ابی داؤد)

فرمایا، لیکن وہ اس کو اٹھا نہ سکا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اس کو اٹھانے کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ نے اپنی دونوں آستینیں اوپر کرلیں، حضرت مطلب کہتے ہیں کہ جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واقعہ نقل کیا ہے، اس نے یہ بھی بیان کیا کہ گویا میں اب بھی اپنی آنکھوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کی سفیدی کی طرف دیکھ رہا ہوں جبکہ آپ نے اپنے ہاتھوں کو کھولا تھا، اور پھر پتھر اٹھا کر حضرت عثمان کی قبر کے سرہانے نصب فرمایا اور آپ نے فرمایا کہ اس (پتھر) کے ذریعہ میں اپنے بھائی (حضرت عثمان بن مظعون) کی قبر کو پہچان لوں گا، اور میرے گھرانے میں سے جب کسی کا انتقال ہوگا، تو میں اس کو بھی اس کے آس پاس ہی دفن کروں گا (ابوداؤد)

قبر پر علامت یا کتابت کرنے سے متعلق فقہاء کے اقوال

مذکورہ احادیث وروایات کے پیشِ نظر قبر کی علامت ونشانی کے لیے کوئی پتھر یا لکڑی وغیرہ قائم کرنا جائز ہے۔ [1]

اور قبر پر کتابت کرنا اکثر فقہائے کرام کے نزدیک مکروہ وممنوع ہے، البتہ حنفیہ کے نزدیک اگر پتھر یا لکڑی وغیرہ سے متعین قبر کی پہچان مشکل ہو، مثلاً وہاں قبریں زیادہ ہوں، تو ایسی ضرورت ومجبوری کی صورت میں علامت ونشانی کی غرض سے قبر پر بقدرِ ضرورت نام لکھنے کی

---

[1] اختلف الفقهاء فی تعليم القبر، فذهب الحنفية والمالكية والحنابلة إلى جواز تعليم القبر بحجر أو خشبة أو نحوهما، لما روى "أنه لما مات عثمان بن مظعون أخرج بجنازته، فدفن فأمر النبى صلى الله عليه وسلم رجلا أن يأتيه بحجر فلم يستطع حمله، فقام إليها رسول الله صلى الله عليه وسلم وحسر عن ذراعيه فحملها فوضعها عند رأسه، وقال: أتعلم بها قبر أخى، وأدفن إليه من مات من أهلى.
وذهب الشافعية إلى أنه يندب تعليم القبر بأن يوضع عند رأسه حجر أو خشبة ونحوهما، قال الماوردى: وكذا عند رجليه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۲ص ۲۵۱، مادة "قبر")

گنجائش ہے، جبکہ اس کی بے احترامی سے بچنے کا ممکنہ اہتمام کیا جائے، اور کوئی قرآنی آیت یا حدیث یا اشعار وغیرہ نہ لکھے جائیں، اور زیب وزینت اور فخر وتفاخر بھی پیشِ نظر نہ ہو، اور اس صورت میں یہ لکھنا علامت وپہچان کی ہی ایک شکل ہوگی، جس کا ثبوت حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ملتا ہے، ہمارے نزدیک یہی موقف راجح ہے۔ [1]

---

[1] عن جابر، قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن تجصيص القبور، والكتابة فيها، والبناء عليها، والجلوس عليها هذه الأسانيد صحيحة وليس العمل عليها، فإن أئمة المسلمين من الشرق إلى الغرب مكتوب على قبورهم، وهو عمل أخذ به الخلف عن السلف(المستدرک على الصحيحين، رقم الحديث ١٣٧٠)

واختلف الفقهاء أيضا فى الكتابة على القبر، فذهب المالكية والشافعية والحنابلة إلى كراهة الكتابة على القبر مطلقا لحديث جابر قال: نهى النبى صلى الله عليه وسلم أن يجصص القبر وأن يقعد عليه وأن يبنى عليه وأن يكتب عليه .قال المالكية: وإن بوهى بها حرم.

وقال الدردير: النقش مكروه ولو قرآنا، وينبغى الحرمة لأنه يؤدى إلى امتهانه.

وذهب الحنفية والسبكى من الشافعية إلى أنه لا بأس بالكتابة إن احتيج إليها حتى لا يذهب الأثر ولا يمتهن.قال ابن عابدين: لأن النهى عنها وإن صح فقد وجد الإجماع العملى بها، فقد أخرج الحاكم النهى عنها من طرق ثم قال هذه الأسانيد صحيحة وليس العمل عليها فإن أئمة المسلمين من المشرق إلى المغرب مكتوب على قبورهم وهو عمل أخذ به الخلف عن السلف، ويتقوى بما ورد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم حمل حجرا فوضعها عند رأس عثمان بن مظعون وقال: أتعلم بها قبر أخى، وأدفن إليه من مات من أهلى ، فإن الكتابة طريق إلى تعرف القبر بها، نعم يظهر أن محل هذا الإجماع العملى على الرخصة فيها ما إذا كانت الحاجة داعية إليه فى الجملة، حتى يكره كتابة شىء عليه من القرآن أو الشعر أو إطراء مدح له ونحو ذلک (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٢ص ٢٥١، ٢٥٢، مادة "قبر")

قلت :لكن نازع بعض المحققين من الشافعية فى هذا الإجماع بأنه أكثرى، وإن سلم فمحل حجيته عند صلاح الأزمنة بحيث ينفذ فيها الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر، وقد تعطل ذلک منذ أزمنة، ألا ترى أن البناء على قبورهم فى المقابر المسبلة أكثر من الكتابة عليها كما هو مشاهد، وقد علموا بالنهى عنه فكذا الكتابة اهـ فالأحسن التمسک بما يفيد حمل النهى على عدم الحاجة كما مر(رد المحتار على الدر المختار، ج٢،ص٢٣٨، كتاب الصلاة،باب صلاة الجنازة)

وقال الحنفية :لا بأس بالكتابة على القبر إن احتيج إليها حتى لا يذهب الأثر ولا يمتهن؛ لأن النهى عنها وإن صح، فقد وجد الإجماع العملى بها، فقد أخرج الحاكم النهى عنها من طرق، ثم قال: هذه الأسانيد صحيحة، وليس العمل عليها، فإن أئمة المسلمين من المشرق إلى المغرب مكتوب على قبورهم، وهو عمل أخذ به الخلف عن السلف، ويتقوى بما أخرجه أبو داود بإسناد جيد أن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ ابنِ حجر ہیتمی شافعی رحمہ اللہ نے علامہ سبکی اور اذرعی سے بطورِ تعارف وپہچان کے صرف میت کا نام قبر پر لکھنے کا جواز واستحباب نقل کیا ہے، بطورِ خاص اولیاء وصالحین کی قبروں پر۔
اور ممانعت وکراہت کو اس صورت پر محمول کیا ہے، جبکہ فخر ومباہات اور زیب وزینت یا جھوٹی صفات پر مشتمل ہو، یا قرآن وحدیث وغیرہ کی کتابت کی جائے۔ [1]
اس کے علاوہ جناب ناصر الدین البانی صاحب نے اپنی تالیف ''احکام الجنائز'' میں بیان کیا ہے کہ اگر قبروں کی کثرت وغیرہ کی وجہ سے پتھر یا لکڑی وغیرہ رکھ کر یا نصب کر کے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

رسول الله صلى الله عليه وسلم حمل حجرا، فوضعها عند رأس عثمان بن مظعون، وقال :أتعلم بها قبر أخي، وأدفن إليه من مات من أهلي، فإن الكتابة طريق تعرف القبر بها .ويباح عندهم أيضا أن يكتب على الكفن بسم الله الرحمن الرحيم أو يرجى أن يغفر الله للميت.
والخلاصة :إن النهي عن الكتابة محمول على عدم الحاجة،، وأن الكتابة بغير عذر، أو كتابة شيء من القرآن أو الشعر أو إطراء مدح له ونحو ذلك فهو مكروه(الفِقْهُ الإسلاميُّ وأدلَّتُهُ للزحيلي، ج٢، ص ١٥٥٣ ،القسم الأول،الباب الثاني،الفصل العاشر،المبحث الثامن)

[1] وأما كتابة اسم الميت فقد قالوا إن وضع ما يعرف به القبور مستحب فإذا كان ذلك طريقا في ذلك فيظهر استحبابه بقدر الحاجة إلى الإعلام بلا كراهة ولا سيما قبور الأولياء والصالحين فإنها لا تعرف إلا بذلك عند تطاول السنين ثم ذكر ما مر عن الحاكم وقال عقبه فإن أراد كتابة اسم الميت للتعريف فظاهر ويحمل النهي على ما قصد به المباهاة والزينة والصفات الكاذبة، أو كتابة القرآن وغير ذلك اهـ .وما بحثه السبكي من عدم الكراهة في كتابة اسم الميت للتعريف والأذرعي من استحبابها ظاهر إن تعذر تمييزه إلا بها لو كان عالما أو صالحا وخشي من طول السنين اندراس قبره والجهل به لو لم يكتب اسمه على قبره ويحمل النهي على غير ذلك لأنه يجوز أن يستنبط من النص معنى يخصصه وهو هنا الحاجة إلى التمييز فهو بالقياس على ندب وضع شيء يعرف به القبر بل هو داخل فيه أو إلى بقاء ذكر هذا العالم أو الصالح ليكثر الترحم عليه أو عود بركته على من زاره وما ذكره الأذرعي من تحريم كتابة القرآن قريب وإن كان الدوس والنجاسة غير محققين لأنهما وإن لم يكونا محققين في الحال هما محققان في الاستقبال بمقتضى العادة المطردة من نبش تلك المقبرة واندراس هذا القبر ويلحق بالقرآن في ذلك كل اسم معظم بخلاف غيره من النظم والنثر فإنه مكروه لا حرام وإن تردد فيه وقوله ويحمل النهي إلخ قد علمت أنه تارة يحمل على الكراهة وتارة يحمل على الحرمة وهو ما لو كتب القرآن أو اسما معظما دون غيرهما وإن قصد المباهاة والزينة(الفتاوى الفقهية الكبرى،لابن حجر الهيتمي،ج٢،ص ١٢، كتاب الصلاة ،باب الجنائز)

قبر کی پہچان نہ ہوسکے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر پر پتھر رکھنے کی علت کی بناء پر میت کا اس قدر نام لکھنا جائز ہے، جس سے میت کی قبر کا تعارف ہوسکے۔[1]

اور عرب کے ایک مشہور شیخ محمد بن صالح عثیمین نے بھی قبر کی پہچان کے لیے صرف نام لکھنے کو جائز قرار دیا ہے، لیکن قبر پر میت کی تعریف وثناء، اشعار یا آیات واحادیث وغیرہ لکھنے کو حرام قرار دیا ہے۔[2]

پس جب قبر پر علامت قائم کرنے اور متعدد اہلِ علم حضرات کے نزدیک ضرورت کے وقت نام لکھنے کی گنجائش ہے، تو قبر کو مٹی وغیرہ ڈال کر اس کی علامت کو باقی رکھنا بھی جائز ہوگا، اور

---

[1] وأما الكتابة، فظاهر الحديث تحريمها، وهو ظاهر كلام الامام محمد، وصرح الشافعية والحنابلة بالكراهة فقط !وقال النووى :(قال أصحابنا :وسواء كان المكتوب على القبر فى لوح عند رأسه كما جرت عادة بعض الناس، أم فى غيره، فكله مكروه لعموم الحديث.

واستثنى بعض العلماء كتابة اسم الميت لا على وجه الزخرفة، بل للتعرف قياسا على وضع النبى صلى الله عليه وسلم الحجر على قبر عثمان بن مظعون كما تقدم فى المسألة المشار إليها آنفا .

قال الشوكانى:(وهو من التخصيص بالقياس وقد قال به الجمهور، لا أنه قياس فى مقابلة النص كما قال فى (ضوء النهار)، ولكن الشأن فى صحة هذا القياس.

والذى أراه -والله أعلم -أن القول بصحة هذا القياس على اطلاقه بعيد، والصواب تقييده بما إذا كان الحجر لا يحقق الغاية التى من أجلها وضع رسول الله صلى الله عليه وسلم الحجر، ألا وهى التعرف عليه، وذلك بسبب كثرة القبور مثلا وكثرة الاحجار المعرفة !فحينئذ يجوز كتابة الاسم بقدر ما تتحقق به الغاية المذكورة .والله أعلم(أحكام الجنائز،لناصر الدين، الألبانى، ج ا ،ص ٢٠٦ ،ما يحرم عند القبور)

[2] والكتابة عليه فيها تفصيل الكتابة التى لا يرد بها إلا إثبات الاسم للدلالة على القبر فهذه لا بأس بها وأما الكتابة التى تشبه ما كانوا يفعلونه فى الجاهلية يكتب اسم الشخص ويكتب الثناء عليه وأنه فعل كذا وكذا وغيره من المديح أو تكتب الأبيات..

فهذا حرام ومن هذا ما يفعله بعض الجهال أنه يكتب على الحجر الموضوع على القبر سورة الفاتحة مثلا..أو غيرها من الآيات فكل هذا حرام وعلى من رآه فى المقبرة أن يزيل هذا الحجر لأن هذا من المنكر الذى يجب تغييره والله الموفق(شرح رياض الصالحين،لمحمد بن صالح بن محمد العثيمين، ج٦،ص ١ ٥٢،٥٢٢، تحت رقم الحديث ١٧٦٧، كتاب الأمور المنهى عنها،باب النهى عن تجصيص القبور والبناء عليها)

اس سلسلہ میں زیادہ سختی وتشدد والا طرزِ عمل مناسب نہیں ہوگا، جیسا کہ سعودی عرب کے بعض علماء نے صحابۂ کرام کی قبروں کی علامات تک کو بھی ختم کرنے کا حکم لگا دیا، اوراس کی وجہ سے دنیا بھر میں شورش پیدا ہوئی۔

اوراگر کسی قبر پر شرک وبدعات کا ارتکاب ہو، اوراس کو ختم کرنے کے لیے اس قبر کے نشان واثر کو مٹایا جائے، تو فی نفسہٖ اس کا جواز ہوسکتا ہے، جیسا کہ امدادُ الاحکام کے حوالہ سے پہلے ذکر کیا گیا، لیکن جب فتنہ وفساد لازم آئے، تو ایسی صورت میں فتنہ سے بچنے کے لیے اس کو باقی رکھنے کی اہمیت اس کو ختم کرنے کے مقابلہ میں زیادہ ہوگی، جس کی دلیل حطیم کو دیوارِ کعبہ میں شامل نہ کرنے کی وہ حدیث ہے، جس کا پہلے ذکر کیا گیا۔

ایسی صورت میں اس قبر پر غیر شرعی حرکات کا ارتکاب کرنے سے بچنے بچانے کا قولاً وفعلاً اہتمام کیا جائے گا۔

وَاللّٰہُ سُبُحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعُلَمُ

(فصل نمبر2)

نبی ﷺ اور شیخین کی قبر مبارک پر موجود عمارت کا حکم

یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ قبر پر عمارت وبناء کی ممانعت والی احادیث کی بنیاد پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر موجودہ عمارت کو منہدم کرنا جائز نہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ بنیادی طور پر وہ عمارت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر بنی ہوئی نہیں ہے، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک خود اس عمارت کے اندر بنی ہوئی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیت وحجرہ میں واقع ہے، جو کہ پہلے سے عمارت کی شکل میں قائم تھا، پھر بعد میں جو مزید عمارت بنائی گئی، اس سے مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو محفوظ کرنا اور مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے والوں کے لیے قبرِ نبوی کو مخفی رکھنا تھا، تا کہ قبر کے سامنے نماز پڑھنے کی خرابی لازم نہ آئے، جس کا احادیث وروایات میں ذکر آیا ہے۔ [1]

قبرِ نبوی ﷺ کو عوام کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے کی حکمت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ لَمْ يَقُمْ مِنْهُ، لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ، لَوْلَا ذٰلِكَ أُبْرِزَ قَبْرُهُ غَيْرَ أَنَّهُ خَشِيَ أَوْ خُشِيَ أَنْ يُّتَّخَذَ مَسْجِدًا (صحيح البخاری) [2]

---

[1] اور یہ تمام بحث جمہور فقہائے کرام کے نزدیک ہے، جو بناء وعمارت کو علی الاطلاق ممنوع قرار دیتے ہیں، اور اس میں نبی یا ولی کو مستثنیٰ نہیں کرتے، اور نہ ہی تضییق علی الناس کی علت کو مؤثر مانتے ہیں۔

[2] رقم الحديث ١٣٩٠، كتاب الجنائز، باب ما جاء فى قبر النبى صلى الله عليه وسلم، وأبى بكر، وعمر رضى الله عنهما.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مرض میں جس سے آپ (صحت مند ہوکر) اٹھے نہیں (بلکہ پھر وصال ہی ہوگیا) فرمایا کہ اللہ یہود ونصاری پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنا لیا، اگر یہ بات نہ ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر نمایاں کردی جاتی، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا لوگوں کو ڈر رہا کہ کہیں مسجد نہ بنالی جائے (بخاری)

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ڈر تھا کہ کہیں آپ کی قبر کے لیے عبادت وسجدہ نہ کیا جانے لگے، جس کی وجہ سے آپ کی قبر مبارک کو حجرہ میں مخفی کردیا گیا، پھر بعد میں حجرہ کے اردگرد دیواریں قائم کرکے مزید مخفی کردیا گیا۔

مسجدِ نبوی کی توسیع ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پیچھے متصل مسجدِ نبوی کا حصہ واقع تھا، اور بغیر حائل کے قبر کے سامنے نماز پڑھنا اور سجدہ کرنا جائز نہیں، قبر مبارک پر اس عمارت کے حائل ہونے میں یہ مصلحت ہے کہ نماز پڑھنے والوں کے سامنے عمارت کی دیوار حائل ہوجاتی ہے، اور قبر کی طرف نماز پڑھنا وسجدہ کرنا لازم نہیں آتا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قبروں کو مساجد وسجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا تھا، اس سے بھی اس عمارت وبناء کی وجہ سے حفاظت ہوجاتی ہے۔ [1]

---

[1] (قالت) عائشة -رضی اللّٰه عنها-: (ولولا ذلک)؛ أی: خشية أن يتخذ قبره مسجدًا، (أبرز قبره) -عليه الصلاة والسلام-؛ أی: كشف وظهر، وفی لفظ: لأبرزوا قبره - بلفظ الجمع- لكن لم يبرزوه؛ أی: لم يكشفوه، بل بنوا عليه حائلًا؛ لوجود خوف الاتخاذ، فامتنع الإبراز؛ لأن (لولا) امتناع لوجود (غير أنه خشی) هذا لفظ مسلم، ولفظ البخاری: غير أنی أخشی (أن يتخذ) قبره الشريف (مسجدًا).

وهذا قالته عائشة -رضی اللّٰه عنها- قبل أن يوسع المسجد، ولذا لما وسع، جعلت الحجرة الشريفة مثلثة الشكل محدودة، حتی لا يتأتی لأحد أن يصلی إلی جهة القبر المقدس مع استقبال القبلة (كشف اللثام شرح عمدة الأحكام، لشمس الدين، أبو العون محمد بن أحمد بن سالم السفارينی الحنبلی، ج٣، ص ٣٧٦، كتاب الجنائز، الحديث الثانی عشر)

فإن قلت: قد أُبرز أعظم ما يكون؟ قلت: ليس إبرازه علی وجه يمكن أن يكون مسجدًا؛ بل بنی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین حجرۂ نبوی میں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

إِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَتَعَذَّرُ فِيْ مَرَضِهِ ،أَيْنَ أَنَا الْيَوْمَ، أَيْنَ أَنَا غَدًا اِسْتِبْطَاءً لِيَوْمِ عَائِشَةَ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمِيْ، قَبَضَهُ اللهُ بَيْنَ سَحْرِيْ وَنَحْرِيْ وَدُفِنَ فِيْ بَيْتِيْ (صحيح البخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفات میں معذرت کے طور پر فرمایا کہ آج میں کہاں ہوں، کل کہاں ہوں گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے باری کے دن کو بہت دور سمجھتے تھے (اور اس کے جلدی آنے کے خواہش مند تھے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب میری باری کا دن آیا تو اللہ نے آپ کی روح قبض فرمائی، اس حال میں کہ آپ میرے سینے اور گردن کے درمیان میں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں دفن ہوئے (بخاری)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

علی وجه لا يصلی إليه أحد (الكوثر الجاری إلى رياض أحاديث البخاری، لاحمد بن إسماعيل بن عثمان بن محمد الكورانی، ج٣، ص ٣٩٣، كتاب الجنائز، باب ما جاء فی قبر النبی – صلی الله عليه وسلم – وأبی بكر وعمر – رضی الله عنهما)

(قالت) عائشة رضی الله عنها (فلولا ذاک) أی خوف اتخاذ قبره مسجدًا بقرينة السياق وقولها (أبرز قبره) صلی الله عليه وسلم بالبناء للمفعول جواب لولا ولفظ البخاری "لأبرزوا قبره "أی لجعلوه بارزًا منكشفًا للناس لكن لم يبرزوه أی لم يكشفوه بل بنوا عليه حائلًا يمنع الترائی والدخول فامتنع الإبراز لوجود خشية الاتخاذ ولولا حرف لامتناع الشیء لوجود غيره كما هو المعلوم فی محله (الكوكب الوهاج شرح صحيح مسلم، ج٨، ص ٩٨، ابواب المساجد، باب النهی عن بناء المسجد على القبور واتخاذها مساجد ولعن فاعله وعن التصاوير فيها)

[1] رقم الحديث ١٣٨٩، كتاب الجنائز، باب ما جاء فی قبر النبی صلی الله عليه وسلم، وأبی بكر، وعمر رضی الله عنهما.

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عمارت میں دفن کیا گیا، جو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ:

لَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِخْتَلَفُوْا فِيْ دَفْنِهٖ، فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا مَا نَسِيْتُهٗ، قَالَ: مَا قَبَضَ اللّٰہُ نَبِيًّا إِلَّا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِيْ يُحِبُّ أَنْ يُّدْفَنَ فِيْهِ، اِدْفِنُوْهُ فِيْ مَوْضِعِ فِرَاشِهٖ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، تو صحابہ میں آپ کی تدفین کے متعلق اختلاف پیدا ہوگیا، پس حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی، جس کو میں آج تک نہیں بھولا کہ آپ نے فرمایا اللہ اپنے نبی کی روح اس جگہ قبض فرماتا ہے کہ جس جگہ اس کی تدفین کو اللہ پسند فرماتا ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (اس فرمان کے مطابق) آپ کے بستر کی جگہ ہی دفن کرو (ترمذی)

ابنِ جریج اپنے والد عبدالعزیز بن جریج سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَدْرُوْا أَيْنَ يَقْبُرُوْنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَتّٰى قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ: لَنْ يُّقْبَرَ نَبِيٌّ إِلَّا حَيْثُ

---

[1] رقم الحديث ١٠١٨، ابواب الجنائز، باب ما جاء فی دفن النبی صلی الله عليه وسلم حيث قبض.

قال الترمذی:

هذا حديث غريب، وعبد الرحمن بن أبی بكر المليكی يضعف من قبل حفظه، وقد روی هذا الحديث من غير هذا الوجه، فرواه ابن عباس، عن أبی بكر الصديق، عن النبی صلی الله عليه وسلم أيضا.

يَمُوْتُ، فَأَخَّرُوْا فِرَاشَهُ، وَحَفَرُوْا لَـهُ تَحْتَ فِرَاشِهٖ (مسند احمد) ل

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کہاں بنائی جائے؟ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر نبی کی قبر وہیں بنائی جاتی ہے، جہاں اس کا انتقال ہوتا ہے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بچھونا (بستر، چارپائی) اٹھا کر اس کے نیچے قبر مبارک کھودی اور پھر آپ کو وہیں دفن کردیا گیا (مسند احمد)

حضرت ابومصعب سے روایت ہے کہ:

حَدَّثَنَا مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُوُفِّيَ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ، وَدُفِنَ يَوْمَ الثُّلَاثَاءِ، وَصَلَّى النَّاسُ عَلَيْهِ أَفْرَاداً لَا يَؤُمُّهُمْ

ل رقم الحديث ٢٧، مصنف ابن ابى شيبة، رقم الحديث ٣٧٠٢٢.

قال شعيب الارنؤوط: حديث قوى بطرقه وهذا إسناد ضعيف لانقطاعه، ابن جريج: هو عبد الملك بن عبد العزيز بن جريج، ووالده عبد العزيز بن جريج لم يدرک أبا بكر، على لين فيه .وهو فى " مصنف عبد الرزاق . (6534) "

وأخرجه المروزى (105) من طريق عيسى بن يونس، عن ابن جريج، بهذا الإسناد.

وهو قوى بطرقه، فقد أخرجه المروزى (26) و (27)، وأبو يعلى (22) و (23)، وابن ماجه (1628) من طريق حسين بن عبد الله الهاشمى، عن عكرمة، عن ابن عباس، عن أبى بكر .وحسين بن عبد الله ضعيف.

وأخرجه الترمذى (1018)، وفى "الشمائل (371) "، والمروزى (43)، وأبو يعلى (45) من طريق عبد الرحمن بن أبى بكر، عن ابن أبى مليكة، عن عائشة، عن أبى بكر.

وعبد الرحمن بن أبى بكر ضعيف.

وأخرجه المروزى (136) من طريق محمد بن إسحاق، عمن حدثه، عن عروة بن الزبير، عن عائشة، عن أبى بكر .وإسناده ضعيف لجهالة الراوى عن ابن إسحاق.

وأخرج الترمذى فى "الشمائل (378) "، والطبرانى فى "الكبير (6366) "بإسناد صحيح عن سالم بن عبيد الاشجعى – وكانت له صحبة –: أن الناس قالوا لأبى بكر: أين يُدفن رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قال: فى المكان الذى قَبض الله فيه رُوحَه، فإن الله ثم يقبض روحه إلا فى مكان طيب .فعلموا أن قد صدق.

قلنا: فهذه الطرقُ يشد بعضها بعضاً، فيتقوّى الحديثُ (حاشية مسند احمد)

أَحَدٌ، فَقَالَ نَاسٌ: يُدْفَنُ عِنْدَ الْمِنبَرِ، وَقَالَ آخَرُوْنَ: يُدْفَنُ بِالْبَقِيعِ، فَجَاءَ أَبُوْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَا دُفِنَ نَبِيٌّ إِلَّا فِيْ مَكَانِهِ الَّذِىْ قَبَضَ اللّٰهُ نَفْسَهُ فِيْهِ، قَالَ: فَأَخَّرُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مَكَانِهِ الَّذِىْ قَبَضَ اللّٰهُ نَفْسَهُ فِيْهِ، فَلَمَّا كَانَ عِنْدَ غُسْلِهِ، فَأَرَادُوْا نَزْعَ قَمِيْصِهِ، فَسَمِعُوْا صَوْتًا يَقُوْلُ: لَا تَنْزِعُوْا عَنْهُ الْقَمِيْصَ، وَغُسِّلَ وَهُوَ عَلَيْهِ (مؤطا امام مالک، رقم الحديث ٢٧، كتاب الجنائز، باب ما جاء فى دفن الميت)

ترجمہ: ہم کو امام مالک نے حدیث بیان کی کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیر کے دن وفات ہوئی، اور منگل کے دن تدفین ہوئی، اور لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہا نمازِ جنازہ پڑھی، جس میں کسی نے امامت نہیں کی، بعض لوگوں نے کہا کہ منبر کے قریب تدفین کی جائے، اور دوسروں نے کہا کہ بقیع میں دفن کیا جائے، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے، اور انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو بھی نبی دفن کیا گیا ہے، وہ اسی مکان میں دفن کیا گیا ہے، جس میں اللہ نے اس کی روح کو قبض کیا ہے، تو لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی مکان میں لٹا دیا، جس میں اللہ نے ان کی روح کو قبض فرمایا تھا، پھر جب ان کو غسل دینے کا وقت آیا، اور لوگوں نے قمیص اتارنے کا ارادہ کیا، تو لوگوں نے ایک آواز سنی کہ تم ان کی قمیص نہ اتارو، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قمیص پہنی ہوئی حالت میں غسل دیا گیا (مؤطا امام مالک)

مذکورہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کا جس مقام پر وصال ہوتا ہے، وہیں ان کی تدفین کی جاتی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ

وسلم کا وصال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیت یعنی گھر مبارک میں ہوا، جو پہلے سے عمارت کی شکل میں قائم تھا، بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو نماز پڑھنے والوں سے مخفی رکھنے اور حفاظت کی غرض سے مزید دیواریں بھی بنائی گئیں، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر مذکورہ تفصیل کے مطابق عمارت کا ہونا کراہت میں داخل نہیں، اور اس عمارت کو ممانعت وکراہت میں داخل مان کر منہدم کرنا درست نہیں، البتہ اس عمارت کی اصلاح ودرستگی یا اس میں کسی مصلحت سے ترمیم واضافہ کرنے کا معاملہ الگ ہے۔

شیخین کی تدفین بھی حجرۂ نبوی میں

جہاں تک حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی قبر مبارک پر عمارت کا تعلق ہے، تو ان کی قبریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے تابع ہیں، جس کی بعض احادیث سے بھی تائید ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ الرُّؤْيَا، قَالَ: هَلْ رَأٰى أَحَدٌ مِّنْكُمْ رُؤْيَا الْيَوْمَ، قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: رَأَيْتُ كَأَنَّ ثَلَاثَةَ أَقْمَارٍ سَقَطْنَ فِيْ حُجْرَتِيْ، فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنْ صَدَقَتْ رُؤْيَاكِ دُفِنَ فِيْ بَيْتِكِ ثَلَاثَةٌ هُمْ أَفْضَلُ أَوْ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ، فَلَمَّا تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدُفِنَ فِيْ بَيْتِهَا، قَالَ لَهَا أَبُوْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: هٰذَا أَحَدُ أَقْمَارِكِ وَهُوَ خَيْرُهَا، ثُمَّ تُوُفِّيَ أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ فَدُفِنَا فِيْ بَيْتِهَا (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۴۴۰۱، کتاب المغازی والسرایا)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب سننا پسند تھا (ایک مرتبہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی نے آج کوئی خواب دیکھا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ گویا کہ تین چاند میرے حجرے میں گر پڑے ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اگر آپ کا خواب سچا ہوا، تو آپ کے گھر میں ایسی تین شخصیات دفن کی جائیں گی جو زمین والوں میں سب سے افضل یا سب سے بہتر ہیں۔

پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دفن کیا گیا، تو حضرت عائشہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آپ کے (خواب میں نظر آنے والے تین) چاندوں میں سے ایک ہے، جو کہ سب سے بہتر ہے، پھر اس کے بعد (بالترتیب) حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی وفات ہوئی، پھر ان کو بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دفن کیا گیا (حاکم)

بعض روایات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس خواب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کرنے کا ذکر ہے۔ [1]

حضرت عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، اِذْهَبْ إِلٰى أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، فَقُلْ: يَقْرَأُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَلَيْكِ السَّلَامَ، ثُمَّ سَلْهَا، أَنْ أُدْفَنَ مَعَ صَاحِبَيَّ، قَالَتْ:

---

[1] عن سعيد بن المسيب ، قال :قالت عائشة رضى الله عنها : رأيت كأن ثلاثة أقمار سقطت فى حجرتى ، فسألت أبا بكر رضى الله عنه ، فقال :يا عائشة ، إن تصدق رؤياک يدفن فى بيتک خير أهل الأرض ثلاثة ، فلما قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم ودفن ، قال لى أبو بكر :يا عائشة ، هذا خير أقمارک ، وهو أحدها هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ، ولم يخرجاه .وقد كتبناه من حديث أنس بن مالک مسندا (مستدرک حاکم،رقم الحديث ۴۴۰۰)

قال الذهبى:على شرط البخارى ومسلم.

كُنْتُ أُرِيْدُهُ لِنَفْسِيْ فَلَأُوْثِرَنَّهُ الْيَوْمَ عَلٰى نَفْسِيْ، فَلَمَّا أَقْبَلَ، قَالَ: لَهُ مَا لَدَيْكَ؟ قَالَ: أَذِنَتْ لَكَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ، قَالَ: مَا كَانَ شَيْءٌ أَهَمَّ إِلَيَّ مِنْ ذٰلِكَ الْمَضْجَعِ، فَإِذَا قُبِضْتُ فَاحْمِلُوْنِيْ، ثُمَّ سَلِّمُوْا، ثُمَّ قُلْ: يَسْتَأْذِنُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَإِنْ أَذِنَتْ لِيْ، فَادْفِنُوْنِيْ، وَإِلَّا فَرُدُّوْنِيْ إِلٰى مَقَابِرِ الْمُسْلِمِيْنَ (صحيح البخاري) [1]

ترجمہ: میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو (ان کی وفات سے پہلے) اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے دیکھا کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جائیں، اوران سے کہیں کہ آپ کو عمر بن خطاب سلام کہتے ہیں، پھران سے اس کی اجازت مانگیں کہ مجھے اپنے دونوں ساتھیوں (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) کے ساتھ دفن کردیا جائے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں وہاں خود دفن ہونا چاہتی تھی، لیکن آج میں اپنے اوپر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ترجیح دیتی ہوں، پھر جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ واپس آئے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا خبر لائے ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے لیے اجازت دے دی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہاں دفن ہونے سے زیادہ اورکوئی چیز اہم نہیں ہے، پس جب میری وفات ہوجائے، تو تم میرا جنازہ اٹھا کر لے جانا، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام کرنا، پھر کہنا کہ عمر بن خطاب اجازت طلب کرتا ہے، پھر اگر انہوں نے اجازت دے دی، تو مجھے وہاں دفن کردینا، ورنہ مجھے مسلمانوں کے قبرستان

---

[1] رقم الحديث ١٣٩٢، كتاب الجنائز، باب ما جاء في قبر النبي صلى الله عليه وسلم، وأبي بكر، وعمر رضي الله عنهما.

میں لے جا کر دفن کر دینا (بخاری)

حضرت ابوسلمہ اور یحییٰ بن عبدالرحمٰن و دیگر مشائخِ کرام رحمہم اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَمَّا طُعِنَ، قَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ: اِذْهَبْ إِلٰى عَائِشَةَ فَأَقْرِءُ عَلَيْهَا السَّلَامَ، وَقُلْ: إِنَّ عُمَرَ يَقُوْلُ لَكِ: إِنْ كَانَ لَا يَضُرُّكِ وَلَا يُضَيِّقُ عَلَيْكِ، فَإِنِّيْ أُحِبُّ أَنْ أُدْفَنَ مَعَ صَاحِبَيَّ، وَإِنْ كَانَ ذٰلِكَ يَضُرُّكِ وَيُضَيِّقُ عَلَيْكِ، فَلَعَمْرِيْ لَقَدْ دُفِنَ فِيْ هٰذَا الْبَقِيْعِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْ عُمَرَ، فَجَاءَ هَا الرَّسُوْلُ، فَقَالَتْ: إِنَّ ذٰلِكَ لَا يَضُرُّنِيْ وَلَا يُضَيِّقُ عَلَيَّ، قَالَ: فَادْفِنُوْنِيْ مَعَهُمَا (المستدرک علی الصحیحین للحاکم) [1]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر جب نیزہ سے حملہ کیا گیا، تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف جائیں، اور ان کو میرا اسلام کہیں، اور یہ کہیں کہ عمر آپ سے یہ کہتے ہیں کہ اگر آپ کو تکلیف نہ ہو، اور آپ کو تنگی نہ ہو، تو میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنے دونوں ساتھیوں (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) کے ساتھ دفن کیا جاؤں، اور اگر آپ کو تکلیف ہو، اور آپ کو تنگی ہو، تو پھر اس بقیع قبرستان میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صحابۂ کرام اور امہات المومنین مدفون ہیں، جو عمر (یعنی مجھ سے) سے بہتر ہیں (تو میں بھی وہیں دفن ہو جاؤں گا) حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ قاصد بن کر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، تو انہوں نے جواب میں کہا کہ اس بات سے نہ مجھے تکلیف ہوگی، اور نہ مجھ پر تنگی ہوگی،

---

[1] رقم الحدیث ۴۵۱۹، کتاب معرفة الصحابة رضی الله عنهم، مقتل عمر رضی الله عنه علی الاختصار.

جس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم مجھے، ان دونوں (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) کے ساتھ دفن کردینا

(حاکم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک والی جگہ انتہائی مبارک جگہ ہے، نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وہاں دفن ہونے سے، اس خواب کی تعبیر متعین ہوگئی کہ حضرت عمر ہی تیسرے چاند تھے، جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا تھا۔

جس سے معلوم ہوا کہ مبارک مقام پر تدفین مستحب ہے۔ [1]

حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے بھی اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء کی تھی کہ انہیں ارضِ مقدسہ کے قریب وفات دی جائے، جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا، اور نبی کے فوت ہونے والی جگہ دفن ہونے کی بنیاد پر حضرت موسیٰ کی وہیں تدفین ہوئی۔ [2]

صحیح بخاری وغیرہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے، حضرت عبداللہ بن زبیر کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ مجھے میری صاحبات (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری

---

[1] الدفن فی البقاع الشریفة :یستحب الدفن فی أفضل مقبرة :وهی التی یکثر فیها الصالحون والشهداء لتناله برکتهم، وکذلک فی البقاع الشریفة، روى البخاری ومسلم أن موسى علیه السلام لما حضره الموت، سأل الله تعالى أن یدنیه إلى الأرض المقدسة رمیة بحجر، قال النبی صلى الله علیه وسلم :لو کنتم ثم لأریتکم قبره عند الکثیب الأحمر، ولأن عمر رضی الله عنه استأذن عائشة رضی الله عنها أن یدفن مع صاحبیه :أی النبی صلى الله علیه وسلم وأبی بکر(الفِقْهُ الإسلامیُّ وأدلَّتُهُ للزحیلی، ج۲، ص۱۵۴۸، القسم الأول :العبادات، الباب الثانی، الفصل العاشر، المبحث الثامن، المطلب الثانی)

[2] عن أبی هریرة رضی الله عنه، قال: " أرسل ملک الموت إلى موسى علیهما السلام، فلما جائه صکه، فرجع إلى ربه، فقال: أرسلتنی إلى عبد لا یرید الموت، فرد الله علیه عینه وقال: ارجع، فقل له: یضع یده على متن ثور فله بکل ما غطت به یده بکل شعرة سنة، قال: أی رب، ثم ماذا؟ قال: ثم الموت، قال: فالآن، فسأل الله أن یدنیه من الأرض المقدسة رمیة بحجر "، قال: قال رسول الله صلى الله علیه وسلم: فلو کنت ثم لأریتکم قبره، إلى جانب الطریق، عند الکثیب الأحمر (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۱۳۳۹)

ازواج) کے ساتھ (بقیع قبرستان میں) دفن کردینا، اور مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجرہ میں دفن مت کرنا، کیونکہ میں اس بات کو ناپسند کرتی ہوں کہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواجِ مطہرات وغیرہ) پر اپنی پاکیزگی (وفوقیت) ظاہر کروں۔ [1]

جس کے پیشِ نظر بعض محدثین نے فرمایا کہ پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے قریب دفن ہونے کا تھا، اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درجہ ومقام، نیز اپنے خواب کے پیشِ نظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وہاں دفن ہونے کی اجازت دے دی۔

پھر اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تواضع وعاجزی کے پیشِ نظر اور اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواجِ مطہرات سے ممتاز نہ کرنے کی خاطر، مدینہ منورہ کے عام قبرستان ''بقیع غرقد'' میں دفن ہونے کو ترجیح دی۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن ہونے کے لیے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے، اس لیے اجازت طلب کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اس حجرہ میں تھی، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رہائش کے لیے فراہم کیا گیا تھا، اس لیے اس میں تدفین کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اجازت ضروری تھی۔ [2]

---

[1] عن عائشة، قالت لعبد الله بن الزبير: ادفني مع صواحبي، ولا تدفني مع النبي صلى الله عليه وسلم في البيت، فإني أكره أن أزكى (صحيح البخاري، رقم الحديث ٧٣٢٧)

[2] ولأوثرنه به اليوم على نفسي استدل به وباستئذان عمر لها على ذلك على أنها كانت تملك البيت وفيه نظر بل الواقع أنها كانت تملك منفعته بالسكنى فيه والإسكان ولا يورث عنها وحكم أزواج النبي صلى الله عليه وسلم كالمعتدات لأنهن لا يتزوجن بعده صلى الله عليه وسلم وقد تقدم شيء من هذا في آخر الجنائز. وتقدم فيه وجه الجمع بين قول عائشة لأوثرنه على نفسي وبين قولها لابن الزبير لا تدفني عندهم باحتمال أن تكون ظنت أنه لم يبق هناك وسع ثم تبين لها إمكان ذلك بعد دفن عمر ويحتمل أن يكون مرادها بقولها لأوثرنه على نفسي الإشارة إلى أنها لو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض روایات میں ہے کہ انسان اسی زمین میں دفن کیا جاتا ہے، جس سے اس کو پیدا کیا جاتا ہے، اور بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیے گئے، جس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں حضرات اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائشی مٹی ایک ہی تھی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أذنت فى ذلک لامتنع عليها الدفن هناک لمكان عمر لكونه أجنبيا منها بخلاف أبيها وزوجها ولا يستلزم ذلک أن لا يكون فى المكان سعة أم لا ولهذا كانت تقول بعد أن دفن عمر لم أضع ثيابى عنى منذ دفن عمر فى بيتى أخرجه بن سعد وغيره وروى عنها فى حديث لا يثبت أنها استأذنت النبى صلى الله عليه وسلم إن عاشت بعده أن تدفن إلى جانبه فقال لها وأنى لک بذلک وليس فى ذلک الموضع إلا قبرى وقبر أبى بكر وعمر وعيسى بن مريم وفى أخبار المدينة من وجه ضعيف عن سعيد بن المسيب قال إن قبور الثلاثة فى صفة بيت عائشة وهناک موضع قبر يدفن فيه عيسى عليه السلام قوله ارفعونى أى من الأرض كأنه كان مضطجعا فأمرهم أن يقعدوه(فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج۷،ص ۶۶،قوله باب قصة البيعة)

(فلأوثرنه اليوم على نفسى) آثرته على نفسها مع أن الحظوظ الدينية لا إيثار فيها؛ لأن الحظوظ المستحقة بالفضل ينبغى فيها إيثار أهله، فلمّا علمت عائشة فضل عمر آثرته .كما ينبغى لصاحب المنزل إن كان مفضولًا أن يؤثر الإمامة إلى من هو أفضل منه، وإن كان الحق له(منحة البارى بشرح صحيح البخارى المسمى تحفة البارى،لزكريا بن محمد السنيكى،المتوفى 926: هـ، ج۳،ص ۴۷۴، كتاب الجنائز،باب ما جاء فى قبر النبى صلى الله عليه وسلم، وأبى بكر، وعمر رضى الله عنهما)

[1] عن ابن جريج قال: أخبرنى عمر بن عطاء بن وراز، عن عكرمة، مولى ابن عباس أنه قال: يدفن كل إنسان فى التربة التى خلق منها (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ۶۵۳۱)

حدثنا عبد الله بن الصقر قثنا سوار بن عبد الله بن سوار قال: كان أبى يوما يحدث قوما، وكان فيما حدثهم، أن النبى صلى الله عليه وسلم مر بقبر يحفر، فقال: قبر من هذا؟ قالوا: قبر فلان الحبشى، قال: يا سبحان الله سيق من أرضه وسمائه، إلى التربة التى خلق منها ، قال أبى: يا سوار، ما أعلم لأبى بكر وعمر فضيلة أفضل من أن يكونا خلقا من التربة التى خلق منها رسول الله صلى الله عليه وسلم(فضائل الصحابة، لأحمد بن محمد بن حنبل، رقم الحديث ۵۲۸)

عن محمد بن المنكدر عن جابر ابن عبد الله قال سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول يدفن المؤمن فى تربته التى خلق منها فلما دفن أبو بكر وعمر إلى جانب رسول

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خلاصہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کی قبروں پر قائم اور موجود عمارت کا ہونا احادیث کے خلاف نہیں، اور احادیث میں قبروں پر عمارت بنانے کی ممانعت کا حکم لگا کر اس کو منہدم وختم کرنا جائز نہیں۔

قبرِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمارت سے متعلق بوادرُ النوادر کا حوالہ

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں اس مسئلہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

سیدُ القبور یعنی قبر سید اہل القبور صلی اللہ علیہ وسلم ما اختلف القبول والدبور، کا قیاس دوسری قبور پر ''قیاس مع الفارق'' ہے، حدیثوں میں منصوص ہے کہ آپ کا دفن کرنا موضعِ وفات ہی میں مامور بہٖ ہے، اور موضعِ وفات ایک بیت تھا، جو جدران وسقف (یعنی دیواروں اور چھت) پر مشتمل تھا، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی قبر شریف پر جدران وسقف کے مبنی ہونے کی اجازت ہے، اور بناء علی القبر (یعنی قبر پر عمارت) سے جو نہی آئی ہے، وہ وہ ہے، جہاں بناء للقبر (یعنی قبر کے لیے عمارت) ہو، اور یہاں ایسا نہیں، اب رہا اس کا بقاء، یا ابقاء؟ سو چونکہ بعد دفن کے خلفائے راشدین میں سے کسی نے اس بناء کے بقاء پر نکیر نہیں فرمایا، بلکہ ایک

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنا أنهما خلقا من تربته(تعزية المسلم عن أخيه،لابن عساكر، رقم الحديث ۹۱)

حدثني الأحوص بن حكيم، عن راشد بن سعد، وأبي الزاهرية، قالا: سمعنا أبا الدرداء، يقول: مر بنا النبي صلى الله عليه وسلم ونحن نحفر قبرا، فقال: ما تصنعون؟ قلنا: نحفر قبرا لهذا الأسود، فقال: جائت به منيته إلى تربته قال: أبو أسامة: تدرون يا أهل الكوفة لم حدثتكم بهذا الحديث؟ لأن أبا بكر وعمر خلقا من تربة رسول الله صلى الله عليه وسلم(المعجم الأوسط،للطبراني ، رقم الحديث ۵۱۲۶)

قال الهيثمي: رواه الطبراني في الأوسط، وفيه الأحوص بن حكيم، وثقه العجلي، وضعفه الجمهور(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث۴۲۲۷،باب كل أحد يدفن في التربة التي خلق منها)

موقع پر استسقاء کی ضرورتِ شدیدہ سے صرف سقف میں ایک روشندان کھولا گیا تھا، جس سے اس بناء کے بقاء کا مشروع ہونا بھی معلوم ہوگیا، اور ظاہر ہے کہ بقاء ایسی اشیاء کا بدون اہتمامِ ابقاء کے عادتاً ممکن نہیں، اس لیے اہتمامِ ابقاء کی مطلوبیت بھی ثابت ہوگئی، اور چونکہ عمارت کا استحکام ادخل فی الابقاء ہے، اس لیے اس کی مقصودیت بھی ثابت ہوگئی، خصوصاً جب اُس میں اور مصالحِ شرعیہ بھی ہوں، مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ مطہر کو اعداءِ دین سے محفوظ رکھنا کہ اُن کا تسلط (نعوذ باللہ منہ) یقیناً مفوّتِ احترام ہے، اور جسدِ مبارک کے احترام کا مقصود ہونا اعلیٰ بدیہیات سے ہے (بوادرُ النوادر، صفحہ ۳۵۰، اٹھترویں حکمت ''متعلق قبۂ روضہ نبویہ مع دفع شبہ قبورِ شیخین''، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات، لاہور، طباعتِ اول: ذیقعدہ ۱۴۰۵ھ، اگست 1985ء)

مذکورہ حکم تو قبرِ نبوی کے حجرہ میں واقع ہونے، اور حجرہ کی چھت اور اس کے درو دیوار اور بعد میں حفاظت وآڑ کی خاطر بنائی گئی عمارت کا تھا۔

جہاں تک قبرِ نبوی پر گنبد بنانے کا تعلق ہے، تو بعض حضرات نے اس کو بھی عمارت کا حصہ اور اس کے تابع ہونے کی وجہ سے ضمناً جائز سمجھا ہے، بالخصوص شافعیہ کے اس قول کے مطابق جس میں حرمت کی وجہ تضییق علی الناس قرار دی گئی ہے، کیونکہ یہ گنبد اس عمارت کے اوپر قائم ہے، جو پہلے سے قائم اور شرعاً جائز ہے، اور اس گنبد کی وجہ سے کوئی مستقل تضییق لازم نہیں آتی۔ [1]

---

[1] وأما البناء على القبر: فإن بنى عليه بيت أو قبة، فإن كان ذلك فى مقبرة مسبلة ...لم يجز؛ لأنه يضيق على غيره، وعليه يحمل الخبر.

قال الشافعي – رَحِمَهُ اللَّهُ –: (ورأيت من الولاة من يهدم بمكة ما بنى بها، ولم أر من الفقهاء من يعيب عليه ذلك).

وإن كان فى ملكه ...جاز له أن يبنى ما شاء؛ لأنه لا يضيق على غيره، بخلاف المسبلة(البيان فى مذهب الإمام الشافعي، لابى الحسين يحيىٰ بن ابى الخير اليمنى الشافعى ، ج۳ص ۱۰۰ ، كتاب الجنائز، باب حمل الجنازة والدفن)

لیکن اس کے برعکس بہت سے اہلِ علم حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ مطلق اور اصولی دلائل کی رُو سے قبروں پر گنبد قائم کرنا جائز نہیں، جیسا کہ تفصیلاً پہلے گزرا۔

اور صحابۂ کرام اور اس کے بعد خیر القرون کے دور میں قبرِ نبوی پر گنبد قائم نہیں تھا، بلکہ مورخین کے بقول یہ گنبد ساتویں صدی ہجری میں ایک بادشاہ نے بنوایا، جس کا نام بعض مؤرخین نے ''ملک منصور قلاوون الصالحی'' ذکر کیا ہے۔ [1]

اس لیے ان حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ اس گنبد کو حجرہ یا اس کے تابع قرار نہیں دیا جائے گا، اور اس کا قیام پہلے سے موجود حجرہ کی در و دیوار کی طرح نہیں ہوگا، اور اس کو فی نفسہٖ ممنوع قرار دیا جائے گا، لیکن اسی کے ساتھ ان حضرات کا یہ بھی فرمانا ہے کہ یہ گنبد جب قائم کر دیا گیا ہے، اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے لیے عوام کی طرف سے ایک اہم علامت وشعار کا درجہ دے دیا گیا ہے، اور اس کو منہدم کرنے میں پورے عالمِ اسلام کے عامۃ الناس کی

---

[1] الفصل السابع والعشرون فی اتخاذ القبة الزرقاء التی جعلت علی ما یحاذی سقف الحجرة الشریفة بأعلی سقف المسجد، تمییزا لها، وإبدالها بالقبة الخضراء والمقصورة الدائرة بالحجرة الشریفة:

القبة الزرقاء:

أما القبة المذکورة فاعلم أنه لم یکن قبل حریق المسجد الشریف الأول وما بعده علی الحجرة الشریفة قبة، بل کان حول ما یوازی حجرة النبی صلّی الله علیه وسلّم فی سطح المسجد حظیر مقدار نصف قامة مبنیا بالآجر تمییزا للحجرة الشریفة عن بقیة سطح المسجد، کما ذکره ابن النجار وغیره، واتمر ذلک إلی سنة ثمان وسبعین وستمائة فی أیام الملک المنصور قلاوون الصالحی، فعملت تلک القبة، وهی مربعة من أسفلها مثمنة من أعلاها بأخشاب أقیمت علی رؤوس السواری، وسمر علیها ألواح من خشب، ومن فوقها ألواح الرصاص، وفیها طاقة إذا أبصر الشخص منها رأی سقف المسجد الأسفل الذی فیه الطابق، وعلیه المشمع المتقدم ذکره، وحول هذه القبة علی سقف المسجد ألواح رصاص مفروشة فیما قرب منها، ویحیط به وبالقبة درابزین من الخشب جعل مکان الحظیر الآجر، وتحته أیضا بین السقفین شباک خشب یحکیه محیط بالسقف الذی فیه الطابق، وعلیه المشمع المتقدم ذکره، ولم أر فی کلام مؤرخی المدینة تعرض لمن تولی عمل هذه القبة(وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفی للسمهودی: المتوفیٰ: ۹۱۱ھ، ج۲ص۱۵۷، ۱۵۸، الباب الرابع فیما یتعلق بأمور مسجدها الأعظم النبوی، الفصل السابع والعشرون فی اتخاذ القبة الزرقاء)

طرف سے سخت فتنہ کا اندیشہ ہے، اس لیے اس سے تعرض نہیں کیا گیا، نہ کیا جائے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ناواقف لوگوں کے فتنہ کی وجہ سے حطیم کو بیتُ اللہ کی تعمیر کا حصہ نہیں بنایا، باوجودیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرنا چاہتے تھے، اور اس کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ذکر پایا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں چند فتاویٰ جات وعبارات ذیل میں نقل کی جاتی ہیں۔

فتاویٰ محمودیہ کا حوالہ

فتاویٰ محمودیہ میں ایک سوال اور جواب درج ذیل ہے:

سوال: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مزار، گنبد پختہ کیوں بنایا گیا، کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اس کا انتظام کیا گیا تھا، یا بعد وصال خلیفہ اور صحابۂ کرام کے وقت شرعی اسلامی حکومت میں بنایا گیا، اور آپ کا اصلی مقام تو بالکل خام ہے، اور کس نے بنوایا تھا، اور کیا حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار مبارک پر اگر بتی، لوبان، عود وغیرہ سُلگایا جاتا ہے؟

الجواب حامدًا ومصلیاً: اصل مقام تو اب بھی خام ہے (یعنی اصل قبر مبارک اب بھی کچی مٹی کی ہے) ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں حجرہ خام کو گرا کر منقش پتھروں سے تعمیر کیا گیا، اور ایک حظیرہ بنایا گیا، حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع بھی کیا، لیکن ان کی شنوائی نہ ہوئی، پھر وقتاً فوقتاً تغییر وتزئین ہوتی رہی، حتیٰ کہ 678 ہجری میں قبۂ خضراء تعمیر کیا گیا۔ **جذبُ القلوب**۔ اور اب اصل مزار تک پہنچنے ہی کی جگہ نہیں، پھر پھول، لوبان وغیرہ کی گنجائش کہاں؟

(فتاویٰ محمودیہ مبوب، جلد۹، صفحہ ۱۶۲، باب الجنائز، الفصل السادس فی البناء علی القبور، مطبوعہ: جامعہ فاروقیہ، کراچی، 2005ء)

فتاویٰ محمودیہ میں ہی ایک سوال کا جواب درج ذیل طریقہ پر ہے:

صحنِ مسجد میں قبر شریف نہیں بنائی گئی، بلکہ وہ تو حجرۂ شریفہ میں ہے، پھر مسجد شریف کی توسیع کی گئی، اس لئے حجرۂ شریفہ، مسجد کے اندر آ گیا، اس کے طرف دیواریں ہیں، وہ سجدہ گاہ نہیں، اگر ایسا ہوتا تو اس کی طرف پُشت کرکے نماز ادا نہ کی جاتی۔ قبر شریف پر پختہ قبہ (یعنی گنبد) بھی نہیں بنایا گیا، بلکہ اس پر تو کوئی بھی تعمیر نہیں، قبہ (یعنی گنبد) تو حجرۂ شریفہ پر بنایا گیا، جو کہ قبر شریف سے پہلے بنا ہوا ہے، پھر وہ (یعنی گنبد) کسی آیت یا حدیث کے ماتحت نہیں بنایا گیا، نہ ایسے لوگوں نے بنایا ہے، جن کا عمل حجت میں پیش کیا جاسکے، علماء یا مشائخ کے لئے اس کا جواز نکالنا بے محل ہے، جبکہ علماء سے اس (گنبد) پر نکیر منقول ہے، تاہم اب اس کا ہدم درست نہیں، بلکہ احتراز لازم ہے۔

فقط واللہ سبحانہٗ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ: العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔ دار العلوم دیو بند

(فتاویٰ محمودیہ مبوب، جلد۹، صفحہ۱۶۳، باب الجنائز، الفصل السادس فی البناء علی القبور، مطبوعہ: جامعہ فاروقیہ، کراچی، 2005ء)

فتاویٰ محمودیہ میں ہی ایک سوال اور جواب درج ذیل ہے:

سوال: زید کہتا ہے کہ جب علمائے دیو بند قبروں پر گنبد بنانے سے منع کرتے ہیں، تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر گنبد کیوں ہے؟

اولیائے کرام میں سے حضرت غوثِ اعظم اور خواجہ معینُ الدین چشتی، خواجہ قطبُ الدین بختیار کاکی، حضرت نظامُ الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبروں پر گنبد کیوں بنے ہوئے ہیں، ان کو کس نے بنایا ہے؟

الجواب حامدًا ومصلیًا: قبروں پر تعمیر (گنبد وغیرہ) کو حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ہی منع فرمایا ہے، اپنے مزار مبارک پر بھی بنانے کا

حکم نہیں دیا، جس نے (قبرِ نبوی پر) بنایا، خلافِ حدیث شریف بنایا، اس کو قصور وار کہا جائے، حدیث پاک کے خلاف کرنے سے اس کو سراہا نہیں جائے گا، اور اس کے عمل کی وجہ سے حدیث شریف کو ترک نہیں کیا جائے گا، اتباع کے لئے حدیث شریف ہے، نہ کہ بادشاہوں کا عمل۔

اولیائے کرام نے اپنے قبور پر گنبد بنانے کو نہیں فرمایا، اور فرماتے بھی کیسے، جبکہ حدیث پاک میں مخالفت ہے، بعد والوں نے جو کچھ کیا، اس کی ذمہ داری اولیائے کرام پر نہیں۔

عن جابر، قال :نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يجصص القبر، وأن يقعد عليه، وأن يبنى عليه. الحديث مسلم واصحابُ السنن، جمع الفوائد.

فقط واللہ اعلم

حررہٗ: العبد محمود غفرلہ۔ دارالعلوم دیوبند

۸۹/۱/۸۔ ہجری

(فتاویٰ محمودیہ مبوب، جلد۹، صفحہ ۱۶۳، وصفحہ ۱۶۴، باب الجنائز، الفصل السادس فی البناء علی القبور، مطبوعہ: جامعہ فاروقیہ، کراچی، 2005ء)

مذکورہ عبارت وفتاویٰ میں گنبدِ خضراء کے متعلق جو حکم بیان کیا گیا ہے، یہی حکم عرب کے مفتیٔ اعظم اور سعودی عرب کی ''اللجنة الدائمة '' نے بھی کچھ تفصیل سے بیان فرمایا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

شمس الدین افغانی کا حوالہ

شمس الدین بن محمد بن اشرف بن قیصر افغانی (المتوفی: 1420 ہجری) لکھتے ہیں:

أجاب علماء الحنفية عن هذه الشبهة من وجهين:

الوجه الأول :أن البناء على قبر النبى صلى الله عليه وسلم ليس من باب البناء على القبور، لأن أصل هذا البناء كان موجوداً قبل أن يقبر تحته النبى صلى الله عليه وسلم لأنه كان حجرة لعائشة رضى الله عنها؛ وكان من بيوت النبى صلى الله عليه وسلم؛ فاتفق أن النبى صلى الله عليه وسلم توفى فى حجرة عائشة رضى الله عنها فدفن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى تلك الحجرة؛ بناءً على الحديث الوارد فى ذلك؛ فعن عائشة رضى الله عنها: (لما قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم اختلفوا فى دفنه؛ فقال أبو بكر :سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئاً ما نسيته، قال :(ما قبض الله نبياً إلا فى الموضع الذى يحب أن يدفن فيه)؛ ادفنوه فى موضع فراشه فدفنوه فى حجرة عائشة رضى الله عنها.

فلم يكن هذا البناء على قبره صلى الله عليه وسلم بنية البناء على القبر لأنه كان سابقاً عليه.

وأما دفن أبى بكر وعمر رضى الله عنهما -فكان تبعاً لدفن النبى صلى الله عليه وسلم فى ذلك المكان؛ فلم يكن هذا البناء أيضاً على قبورهما على سبيل القصد والتعمد.

الحاصل :أن دفن النبى صلى الله عليه وسلم فى حجرة عائشة رضى الله عنها، كان من الأمور الاتفاقية التى تحدث حدوث القضايا الاتفاقية من دون تعمد وقصد وخطة مدبرة، ولا بنية البناء على القبر؛ فقياس بناء المساجد والقباب على القبور على الحجرة النبوية -قياس فاسد عاطل *كاسد باطل *؛ لأنه قياس

مع الفارق *لا يشك فيه إلا مغرض ممرض مفارق .*

الوجه الثانى :أن القبة على ضريح النبى صلى الله عليه وسلم -لم تكن موجودة على عهد الصحابة رضى الله عنهم أجمعين *ولا على عهد التابعين ولا على عهد أتباع التابعين *ولا على عهد أئمة السنة *فى خير القرون من قرون هذه الأمة .*

قال العلامة الخجندى (1379هـ) مبيناً تاريخ بناء هذه القبة الخضراء المبنية على قبر النبى صلى الله عليه وسلم، محققاً أنها بدعة حدثت بأيدى بعض السلاطين (جهود علماء الحنفية فى إبطال عقائد القبورية، ج٣،ص ١٦٦٢،الباب العاشر،الفصل الثالث،المبحث الثالث)

ترجمہ: حنفی علماء نے اس (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر بناء والے) شبہ کے دو جواب دیئے ہیں۔

پہلا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر موجود عمارت، بناء علی القبور کے باب سے تعلق نہیں رکھتی، کیونکہ اس عمارت کی اصل اس سے پہلے موجود تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اس کے تحت بنائی جائے، کیونکہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں سے ایک گھر تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اتفاق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں وفات پا گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی حجرہ میں دفن کر دیا گیا، کیونکہ اس سلسلہ میں حدیث وارد ہوئی ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہو گیا، اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں جو کچھ سنا ہے، اس کو میں بھول نہیں

سکا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اللہ کسی نبی کی روح کو اس جگہ میں ہی قبض فرماتا ہے، جس جگہ اس کا دفن ہونا پسند فرماتا ہے، پس تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بستر مبارک والی جگہ میں دفن کر دو، تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تدفین فرمادی‘‘
پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر موجود عمارت ایسی نہیں ہے کہ جو قبر پر عمارت کی نیت سے بنائی گئی ہو، بلکہ وہ پہلے سے موجود تھی۔

رہا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا وہاں دفن کیا جانا، تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جگہ میں دفن ہونے کے تابع تھا، پس یہ بھی اس عمارت کے قبیل سے نہیں ہے، جو قصداً اور عمداً شیخین رضی اللہ عنہما کی قبروں پر بنائی گئی ہو۔

خلاصہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں دفن ہونا، ان امورِ اتفاقیہ میں سے تھا، جو قصد وعمد کے بغیر اور کسی سوچی سمجھی تدبیر کے بغیر اللہ کے فیصلوں کے مطابق وجود میں آتے ہیں، اور یہ قبر پر عمارت بنانے سے تعلق نہیں رکھتا، پس قبروں پر مساجد اور گنبدوں کے بنانے کو حجرۂ نبویہ پر قیاس کرنا، فاسد اور باطل قیاس ہے، جو قیاس مع الفارق ہے، جس میں شک صرف وہی کر سکتا ہے، جسے کسی بیماری سے فرق کرنے کی تمیز نہ ہو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر جو گنبد ہے، وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانہ میں موجود نہیں تھا، اور نہ ہی تابعین کے مبارک زمانہ میں موجود تھا، اور نہ ہی اس کے بعد اتباعِ تابعین کے زمانہ میں موجود تھا، اور نہ ہی ائمۂ سنت کے زمانہ میں موجود تھا، یعنی اس امت کے خیر القرون کے کسی زمانہ میں موجود نہیں تھا۔

علامہ خجندی (المتوفیٰ: 1379ہجری) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر اس گنبدِ

خضراء کے بنائے جانے کی تاریخ کو واضح کیا ہے، جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ بعض بادشاہوں کے ہاتھوں سے وجود میں آیا (یعنی ''ایجادِ بندہ'' ہے)

(جہود علماء الحنفیۃ)

سعودی عرب کے مفتی اعظم عبدالعزیز بن باز کا حوالہ

سعودی عرب کے سابق مفتی اعظم عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز اپنے ایک فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

أما ما يتعلق بالقبة الخضراء التى على قبر النبى -صلى الله عليه وسلم -فهذا شىء أحدثه بعض الأمراء فى المدينة المنورة، فى القرون المتأخرة فى القرن التاسع وما حوله .ولا شك أنه غلط منه، وجهل منه، ولم يكن هذا فى عهد النبى -صلى الله عليه وسلم -ولا فى عهد أصحابه ولا فى عهد القرون المفضلة، وإنما حدث فى القرون المتأخرة التى كثر فيها الجهل، وقل فيها العلم وكثرت فيها البدع، فلا ينبغى أن يغتر بذلك، ولا أن يقتدى بذلك، ولعل من تولى المدينة من الملوك والأمراء، والمسلمين تركوا ذلك خشية الفتنة من بعض العامة، فتركوا ذلك وأعرضوا عن ذلك، حسما لمادة الفتن؛ لأن بعض الناس ليس عنده بصيرة، فقد يقول :غيروا وفعلوا بقبر النبى -صلى الله عليه وسلم -وهذا كذا، وهذا كذا، فيثير إلى فتن لا حاجة إلى إثارتها وقد تضر إثارتها.

فالأظهر والله أعلم أنها تركت لهذا المعنى خشية رواج فتنة

يثيـرهـا بـعـض الـجـهـلة، ويرمى من أزال القبة أنه يستهين بالنبى -صـلـى الـلـه عليه وسلم -أو بـأنـه لا يـرعـى حـرمتـه عليه الصلاة والسـلام هـكـذا يـدعـى عباد القبور، وأصحاب الغلو إذا رأوا من يـدعـو إلـى التـوحيـد، ويـحذر من الشرك والبدع، رموه بأنواع الـمـعايب، واتهموه بأنه يبغض النبى عليه الصلاة والسلام، أو بأنه يبغض الأولياء، أو لا يرعى حرمته -صلى الله عليه وسلم -، أو ما أشبه هذه الأقاويل الفاسدة الباطلة.

وإلا فلا شك أن الذى عملها قد أخطأ، وأتى ببدعة وخالف ما قاله النبى -صـلـى الله عليه وسلم -فـى التحذير من البناء على القبور، واتخاذ المساجد عليها.

وأمـا البناء الأول فهو بيت عائشة؛ كان دفن عليه الصلاة والسلام فـى بيـت عـائشة والصحابة رضى الله عنهم وأرضاهم خافوا على دفـنـه فـى البـقيـع مـن الفتنة، فجعلوه فى بيت عائشة ثم دفنوا معه صاحبيه :أبا بكر وعمر رضى الله عنهما.

ولـم يكن الدفن فى المسجد بل كان فى بيت عائشة، ثم لما وسع الـمسـجـد فـى عهـد الوليد بن عبد الملك فى آخر القرن الأول أدخـل الحجرة فى التوسعة، فظن بعض الناس الذين لا يعلمون أن الـرسـول دفـن فـى الـمسـجـد وليـس الأمر كذلك بل هو عليـه الـصـلاة والسـلام دفـن فـى بيت عائشة فى خارج المسجد، ولم يدفن فى المسجد(فتاوى نور على الدرب) [1]

---

[1] ج۲،ص ۳۳۲،۳۳۳، كتاب العقيدة، باب ما جاء فى الغلو فى قبور الصالحين،بيان الحكم فى القبة الخضراء على قبره عليه الصلاة والسلام.

ترجمہ: جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر موجود گنبدِ خضراء کا تعلق ہے، تو یہ ایسی چیز ہے، جو مدینہ منورہ کے بعض گورنروں نے نویں صدی ہجری یا اس کے لگ بھگ زمانہ میں ایجاد کی، اور اس بات میں شک نہیں کہ یہ (ان حکمرانوں کا) غلط طرزِ عمل تھا، اور ان کی علم سے ناواقفیت تھی، اور یہ چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور صحابہ کے زمانہ میں اور خیر القرون کے زمانہ میں موجود نہیں تھی، بلکہ یہ بعد کے زمانوں میں وجود میں آئی، اس زمانہ میں لاعلمی کی کثرت تھی، اور کم علمی عام تھی، اور بدعات کا دور دورہ تھا، پس یہ بات مناسب نہیں کہ اس طرزِ عمل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر گنبد بنانے کے جائز ہونے کی دلیل پکڑی جائے، اور اس کی اقتداء کی جائے (اور دوسری قبروں پر اس کو رواج دیا جائے) اور بعد میں اس کے برقرار رکھنے کی وجہ شاید یہ بھی ہو کہ مدینہ کے امراء و گورنروں نے اور مسلمانوں نے اس کو عام لوگوں کے فتنہ کے خوف کی وجہ سے باقی رکھا ہو، اور فتنہ کی وجہ سے اس کو اپنی حالت پر برقرار رکھا ہو اور اس سے اعراض کیا ہو، کیونکہ عام لوگوں میں بصیرت نہیں ہوتی، پس اس گنبد کو ختم کرنے کی صورت میں وہ کہتے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو مسمار کر دیا، وغیرہ وغیرہ، جس کی وجہ سے مسلمانوں میں ایسا فتنہ رونما ہو جاتا، جس کے نقصانات بہت زیادہ ہوتے۔

پس ظاہر یہی ہے واللہ اعلم کہ اس گنبد کو اس لیے چھوڑ دیا گیا کہ بعض کم علم اور ناواقف جاہلوں کی وجہ سے فتنہ رونما ہونے کا خطرہ تھا، وہ گنبد کو ختم کرنے کی وجہ سے یہ سمجھتے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت ہے، یا یہ الزام عائد کرتے کہ ان لوگوں کو نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی حرمت وعزت کی کوئی پروا نہیں، اور قبروں کی عبادت کرنے والے اور دین میں غلو کرنے والے اسی طرح کے الزام عائد کرتے ہیں، جب ان کو کوئی توحید کی طرف بلاتا ہے، اور شرک و بدعت سے روکتا ہے، تو

وہ مختلف قسم کے عیب ان میں نکالتے ہیں، اور یہ تہمت لگاتے ہیں کہ ان لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض ہے، یا ان کو اولیاء کے ساتھ بغض ہے، یا یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت وعزت کی پروانہیں کرتے، یا اسی طرح کے بہت سے فاسد اور باطل الزامات عائد کرتے ہیں۔

حالانکہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ان کا یہ عمل خطاء پر مبنی ہے، اور وہ بدعت کا ارتکاب کر رہے ہیں، اور وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی بھی مخالفت کر رہے ہیں، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر عمارت بنانے اور ان کو مساجد وقبلہ بنانے سے بچنے کا حکم فرمایا ہے۔

اور جہاں تک قبرِ نبوی پر ابتدائی عمارت کا تعلق ہے، تو وہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ وبیت تھا، اور نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی تدفین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ وبیت میں ہوئی، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بقیع قبرستان میں دفن کرنے کی صورت میں فتنہ کا خوف تھا۔ [1]

پس صحابۂ کرام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ وبیت میں بنائی، پھر اس کے بعد آپ کے صاحبین حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کیا گیا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تدفین مسجدِ نبوی میں نہیں تھی، بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ وبیت میں تھی، پھر جب پہلی صدی ہجری میں خلیفہ ولید بن

---

[1] اس دعوے کی کوئی مستند دلیل ہمیں نصوص اور صحابۂ کرام سے معلوم نہیں ہوسکی، البتہ اپنے اجتہاد سے بعض حضرات نے یہ بات سمجھی ہو، تو الگ بات ہے۔
تاہم موطاء مالک کی روایت میں اس کی تصریح آئی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فیصلہ فرمانے اور حدیث سنانے سے پہلے بعض صحابۂ کرام کی رائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک، بقیع قبرستان میں بنانے کی ہوئی تھی، جیسا کہ وہ روایات پہلے ذکر کی جاچکی ہیں۔ محمد رضوان۔

عبدالملک کے زمانہ میں مسجدِ نبوی کی توسیع ہوئی، تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ وبیت کو مسجدِ نبوی کی توسیع میں شامل کردیا، جس سے بعض کم علم لوگوں نے یہ گمان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں دفن کیا گیا، حالانکہ یہ بات نہیں، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ وبیت میں مسجد سے باہر والی جگہ میں دفن کیا گیا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں دفن نہیں کیا گیا تھا (فتاویٰ نور علی الدرب)

سعودی عرب کے مذکورہ مفتی اعظم نے اس مسئلہ کی مزید تفصیل بھی بیان کی ہے، اس میں بھی انہوں نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قبرِ نبوی پر یہ گنبد قائم کرنا درست نہیں تھا، لیکن سعودی حکومت نے آج تک جو اس گنبد کو برقرار رکھا ہوا ہے، وہ فتنہ کے اندیشہ سے ہے۔ [1]

---

[1] أما قبة النبى -صلى الله عليه وسلم -فهذه حادثة أحدثها بعض أمراء الأتراک، فى بعض القرون المتأخرة فى القرن التاسع أو الثامن وترک الناس إزالتها لأسباب كثيرة، منها جهل الكثير ممن يتولى إمارة المدينة ومنها خوف الفتنة؛ لأن بعض الناس يخشى الفتنة، لو أزالها لربما قام عليه الناس، وقالوا :هذا يبغض النبى -صلى الله عليه وسلم -وهذا كيت وكيت، وهذا هو السر فى إبقاء الدولة السعودية لهذه القبة؛ لأنها لو أزالتها لربما قال الجهال، وأكثر الناس جهال :إن هؤلاء إنما أزالوها لبغضهم النبى عليه الصلاة والسلام ولا يقولون :لأنها بدعة، وإنما يقولون لبغضهم النبى -صلى الله عليه وسلم -هكذا يقول الجهلة وأشباههم، فالحكومة السعودية الأولى والأخرى إلى وقتنا هذا، إنما تركت هذه القبة المحدثة خشية الفتنة، وأن يظن بها السوء ، وهى لا شک أنها والحمد لله تعتقد تحريم البناء على القبور، وتحريم اتخاذ القباب على القبور، والرسول -صلى الله عليه وسلم -دفن فى بيت عائشة لئلا تقع الفتنة به، ولئلا يغلى فيه، فدفنه الصحابة فى بيت عائشة حذرا من الفتنة والجدران قائمة من قديم، دفنوه فى البيت حماية له من الفتنة عليه الصلاة والسلام لئلا يفتن به الجهلة، وأما هذه القبة فهى موضوعة متأخرة من جهل بعض الأمراء ، فإذا أزيلت فلا بأس بذلک، بل هذا حق لكن قد لا يتحمل هذا بعض الجهلة، وقد يظنون بمن أزالها بأنه ليس على حق، وأنه مبغض للنبى عليه الصلاة والسلام، فمن أجل هذا تركت الدولة السعودية هذه القبة على حالها؛ لأنها من عمل غيرها ولا تحب التشويش والفتنة التى قد يتزعمها بعض الناس من عباد القبور وأصحاب الغلو فى الأموات من المشركين فيرمونها بما هى بريئة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سعودی عرب کی ''اللجنة الدائمة'' کا حوالہ

سعودی عرب کی لجنۃ اور بڑے علماء کی ایک جماعت نے اس سلسلہ میں درج ذیل فیصلہ کیا:

لا يصح الاحتجاج ببناء الناس قبة على قبر النبى صلى الله عليه وسلم على جواز بناء قباب على قبور الأموات، صالحين أو غيرهم؛ لأن بناء أولئك الناس القبة على قبره صلى الله عليه وسلم حرام يأثم فاعله؛ لمخالفته ما ثبت عن أبى الهياج الأسدى قال :(قال لى على بن أبى طالب رضى الله عنه : ألا أبعثك على ما بعثنى عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم :ألا تدع تمثالًا إلا طمسته، ولا قبرًا مشرفًا إلا سويته ، وعن جابر رضى الله عنه قال:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

منه، من البغض للنبى -صلى الله عليه وسلم -، أو الجفاء فى حقه والعلماء السعوديون منهم الشيخ محمد بن عبد الوهاب رحمه الله، وغيره من العلماء كلهم بحمد الله على السنة، وعلى طريق أصحاب النبى -صلى الله عليه وسلم -وأتباعهم بإحسان فى توحيد الله، والإخلاص له والتحذير من الشرك والبدع، أو وسائل الشرك، وهم أشد الناس تعظيما للنبى -صلى الله عليه وسلم -ولأصحابه كالسلف الصالح هم من أشد الناس تعظيما للنبى -صلى الله عليه وسلم -، ولأصحابه رضى الله عنهم وأرضاهم مشيا وسيرا على الطريق السلف الصالح، فى محبته -صلى الله عليه وسلم -وتعظيم جانبه :التعظيم الشرعى، الذى ليس فيه غلو ولا بدعة بل تعظيم يقتضى اتباع شريعته وتعظيم أمره ونهيه، والذب عن سنته ودعوة الناس إلى اتباعه وتحذيرهم من الشرك به أو بغيره، وتحذيرهم من البدع المنكرة، فهم على هذا الطريق أولهم وآخرهم، يدعون الناس إلى اتباع رسول الله -صلى الله عليه وسلم -وإلى تعظيم سنته وإلى إخلاص العبادة لله وحده، وعدم الشرك به سبحانه ويحذرون الناس من البدع التى كثرت بين الناس من عصور كثيرة، ومن ذلك بدعة هذه القبة التى وضعت على القبر النبوى، وإنما تركت من أجل خوف القالة والفتنة(فتاوى نور على الدرب،لعبد العزيز بن عبد الله بن باز، ج۲، ص۳۳۸، ۳۳۹، كتاب العقيدة، باب ما جاء فى الغلو فى قبور الصالحين،بيان الحكم فى القبة الخضراء على قبره عليه الصلاة والسلام)

نهى النبى صلى الله عليه وسلم أن يجصص القبر، وأن يقعد عليه، وأن يبنى عليه ، رواهما مسلم فى صحيحه، فلا يصح أن يحتج أحد بفعل بعض الناس المحرم على جواز مثله من المحرمات؛ لأنه لا يجوز معارضة قول النبى صلى الله عليه وسلم بقول أحد من الناس أو فعله؛ لأنه المبلغ عن الله سبحانه، والواجب طاعته، والحذر من مخالفة أمره؛ لقول الله عز وجل :(وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا) وغيرها من الآيات الآمرة بطاعة الله وطاعة رسوله، ولأن بناء القبور واتخاذ القباب عليها من وسائل الشرك بأهلها، فيجب سد الذرائع الموصلة للشرك.

وبالله التوفيق وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم.

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء .

عضو	نائب رئيس اللجنة	الرئيس
عبد الله بن قعود	عبد الرزاق عفيفي	عبد العزيز بن عبد الله بن باز

(فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء، ج ١١، ص ٨٠، القباب على القبور، الفتوى رقم ٨٢٦٣)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر لوگوں کی طرف سے تعمیر کیے گئے گنبد کی بنیاد پر نیک یا غیر نیک لوگوں کی قبروں پر گنبد بنانے کی دلیل پکڑنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ لوگوں کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر بنایا گیا یہ گنبد ناجائز تھا، جس کا ارتکاب کرنے والا گناہ گار رہوا۔ [1]

کیونکہ اس میں اس حدیث کی مخالفت پائی جاتی ہے۔

[1] البتہ اگر اس کی نیت حفاظت کی تھی، یا امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے قول کی بنیاد پر اس نے ایسا کیا تھا، تو وہ عنداللہ گناہ گار نہ ہوگا۔ محمد رضوان۔

جو ''ابو الهياج اسدی '' سے مروی ہے کہ مجھے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تجھے اس کام کے لیے نہ بھیج دوں، جس کام کے لیے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا کہ کسی تصویر کو مٹائے بغیر نہ چھوڑوں، اور کسی اونچی قبر کو برابر کیے بغیر نہ چھوڑوں، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ کرنے، اور اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا، ان دونوں حدیثوں کو ''مسلم'' نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، پس یہ بات صحیح نہیں ہے کہ بعض لوگوں کے اس گناہ والے فعل سے اس طرح کے گناہ والے فعل کے جائز ہونے پر استدلال کیا جائے، چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا لوگوں کے کسی قول یا فعل سے مقابلہ کرنا جائز نہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اصل مبلغ ہیں، جن کی اطاعت واجب ہے، اور ان کے حکم کی مخالفت سے بچنا بھی واجب ہے، اللہ عزوجل کے اسی ارشاد کی وجہ سے کہ ''اور جس چیز کا حکم دے تمہیں رسول، اسے لے لو، اور جس چیز سے وہ تمہیں منع کرے، اس سے رک جاؤ'' اس طرح کی دوسری آیات بھی ہیں، جن میں اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ قبروں پر عمارت بنانا، اور قبروں پر گنبدوں کو بنانا، شرک کے ذرائع میں سے ہے، لہٰذا جو ذرائع شرک تک پہنچانے والے ہیں، ان کا سد باب واجب ہے۔

وباللہ التوفيق وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم.

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء

صدرِ مجلس	نائب صدرِ مجلس	رکن
عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز	عبدالرزاق عفیفی	عبداللہ بن قعود

(فتاوی اللجنۃ)

بہر حال مذکورہ تفصیل سے اتنی بات واضح ہوگئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس جگہ حجرۂ مبارکہ میں دفن کیا گیا، اور بعد میں حفاظت کی غرض اور نماز پڑھنے والوں سے مخفی رکھنے غیرہ کی ضرورت ومصلحت سے جو اضافہ کیا گیا، وہ جائز تھا، اور قبرِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو گنبد بنایا گیا، بعض حضرات اس کو بھی مذکورہ ضرورت ومصالح کا حصہ سمجھتے ہوئے، جائز قرار دیتے ہیں، لیکن بہت سے حضرات مذکورہ ضرورت ومصالح سے اضافی چیز ہونے کی وجہ سے بھی فی نفسہٖ ناجائز قرار دیتے ہیں، جس سے اس مسئلہ کا مجتہد فیہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس کا منہدم وختم کرنا بہت سے مفاسد وفتنوں اور تشویش و اضطراب کا باعث ہے، جس سے بچنا ضروری ہے، اس لیے اس گنبد کو اپنی حالت میں برقرار رکھا جائے گا۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ .

(فصل نمبر 3)

شہیدوں کے مدفن کے متعلق حکم

بعض احادیث میں شہیدوں کے بارے میں بھی ان کی شہادت والی جگہ دفن کرنے کا حکم آیا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِقَتْلٰى أُحُدٍ أَنْ يَّرَدُّوْا إِلٰى مَصَارِعِهِمْ، وَكَانُوْا نُقِلُوْا إِلَى الْمَدِيْنَةِ (سنن ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کو واپس ان کی شہادت کی جگہ لے جانے کا حکم دیا، جبکہ ان کو مدینہ منتقل کر دیا گیا تھا (ابنِ ماجہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں درجِ ذیل الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ قَتْلٰى أُحُدٍ حُمِلُوْا مِنْ مَكَانِهِمْ، فَنَادٰى مُنَادِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنْ رُدُّوْا الْقَتْلَى إِلٰى مَضَاجِعِهَا (مسند احمد، رقم الحديث ١٤١٦٩) [2]

---

[1] رقم الحديث ١٥١٦، ابواب الجنائز، باب ما جاء في الصلاة على الشهداء ودفنهم.
قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية سنن ابنِ ماجه)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: جب شہدائے احد کوان کی جگہ سے اٹھالیا گیا، تورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے اعلان کردیا کہ شہدا کوان کی اپنی جگہوں پرواپس پہنچادو (مسند احمد)

یعنی جوحضرات غزوۂ اُحد کے موقع پراحد پہاڑ کے قریب شہید ہوئے تھے، انہیں مدینہ منورہ کی آبادی میں منتقل کردیا گیا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کے اجساد کودوبارہ واپس مقتل میں بھیجا، جس کی بناء پرانہیں واپس احد پہاڑ کے دامن میں جہاں وہ شہید ہوئے تھے، دفن کیا گیا، ان شہدائے احد کی قبریں آج بھی وہاں موجود ہیں۔

اس طرح کی احادیث کے پیشِ نظر شہداء کومقامِ شہادت والی جگہ میں دفن کرنا مستحب ہے، بشرطیکہ وہاں دفن کرنے میں کوئی عذر نہ ہو۔ [1]

---

[1] (ادفنوا القتلى) بفتح فسكون أى قتلى أحد والحكم عام (فى مصارعهم) وفى رواية فى مضاجعهم أى فى الأماكن التى قتلوا فيها والصريع من الأغصان ما تهدل وسقط إلى الأرض ومنه قيل للقتيل صريع وهذا قاله لما نقلوا بعضهم ليدفنوه بالبقيع مقبرة المدينة ولا يصح تعليله لكونه محل الشهادة والأرض تشهد لمن قتل فيها لأن الشهادة لا تتوقف منها على الدفن ولعله لبقاء دمائهم ودفنها معهم قال فى المطامح والصحيح أن ذلك كان قبل دفنهم وحينئذ فالأمر للندب(عن جابر) قال الترمذى رحمه الله حسن صحيح ولهذا رمز المؤلف رحمه الله تعالى لصحته(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٣١٩)

واتفق الأئمة على أن الشهيد يستحب دفنه حيث قتل .لما روى أن النبى صلى الله عليه وسلم أمر بقتلى أحد أن يردوا إلى مصارعهم . وأنه ينزع عنه الحديد والسلاح، ويترك عليه خفاه، وقلنسوته لما روى عن ابن عباس: " أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر بقتلى أحد أن ينزع عنهم الحديد والجلود، وأن يدفنوا فى ثيابهم بدمائهم . ودفن الشهيد بثيابه حتم عند الحنفية والمالكية عملا بظاهر الحديث، وأولى عند الشافعية والحنابلة .فللولى أن ينزع عنه ثيابه، ويكفنه بغيرها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ٢١ص١٠، ١١، مادة "دفن")

من السنة أن يدفن الشهداء فى مصارعهم، ولا ينقلون إلى مكان آخر، فإن قوما من الصحابة نقلوا قتلاهم فى واقعة أحد إلى المدينة، فنادى منادى رسول الله صلى الله عليه وسلم بالأمر برد القتلى إلى مصارعهم .

فقد قال جابر: فبينما أنا فى النظارين إذ جائت عمتى بأبى وخالى عادلتهما على ناضح، فدخلت بهما المدينة لتدفنهما فى مقابرنا، إذ لحق رجل ينادى، ألا إن النبى صلى الله عليه وسلم يأمركم أن ترجعوا بالقتلى فتدفنوها فى مصارعها حيث قتلت: فرجعنا بهما فدفناهما حيث قتلا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٦ص٢٧٨، مادة "شهيد")

مسئلہ...... حنفیہ کے نزدیک میت کو گھر یا عمارت کے اندر دفن کرنا مکروہ ہے، اور اس کے بجائے قبرستان میں دفن کرنے کا حکم ہے، البتہ انبیاء وشہداء کو اس جگہ دفن کرنے میں کراہت نہیں، جہاں ان کی شہادت ہوئی ہو، خواہ وہ کوئی عمارت ہو۔ [1]

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ وغیرہ کے نزدیک میت کو قبرستان میں دفن کرنا افضل ہے، اور ان کے نزدیک عمارت یا گھر وغیرہ میں دفن کرنا جائز ہے۔

البتہ اللہ کے نبی کو اس کی جائے وفات میں اور شہید کو اس کی جائے شہادت میں دفن کرنا ہی افضل ہے۔ [2]

---

[1] ولا يدفن صغير ولا كبير فى البيت الذى كان فيه فإن ذلك خاص بالأنبياء بل ينقل إلى مقابر المسلمين(فتح القدير، ج٢ ص ١٤١، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل فى الدفن)

ويدفن المقتول حيث قتل(الفتاوىٰ البزازية، ج ا ص ٣٨، كتاب الجنائز)

"ويكره الدفن فى البيوت لاختصاصه بالأنبياء عليهم الصلاة والسلام "قال الكمال لا يدفن صغير ولا كبير فى البيت الذى مات فيه فإن ذلك خاص بالأنبياء عليهم السلام بل يدفن فى مقابر المسلمين(مراقى الفلاح شرح نورالايضاح، ص ٢٢٦، باب احكام الجنائز، فصل فى حملها ودفنها)

[2] والدفن فى المقبرة أفضل من الدفن فى غيرها بل يكره فى البيت إلا الشهيد فيدفن موضع قتله(السراج الوهاج للعلامة محمد الزهرى الغمراوى، ص ١١٤، فصل فِى تكفين الْمَيِّت وَحمله)

ويكره الدفن فى البيت إلا فى نبى فيجب لأنه من خواصهم، وفى محل موته إلا الشهيد(حاشيتا قليوبى وعميرة،حاشية أحمد سلامة القليوبى علىٰ شرح العلامة جلال الدين المحلى على منهاج الطالبين للنووى، ج ا ص ٤٠٩، كتاب الجنائز)

والدفن فى المقبرة أفضل لأن النبى صلى الله عليه وسلم كان يدفن الموتى بالبقيع ولانه يكثر الدعاء له ممن يزوره.

ويجوز الدفن فى البيت لأن النبى صلى الله عليه وسلم دفن فى حجرة عائشة رضى الله عنها فان قال بعض الورثة يدفن فى المقابر وقال بعضهم فى البيت دفن فى المقبرة لان له حقا فى البيت فلا يجوز اسقاطه ويستحب ان يدفن فى أفضل مقبرة لان عمر رضى الله عنه استأذن عائشة رضى الله عنها ان يدفن مع صاحبيه(المجموع شرح المهذب،ج٥،ص ٢٨١،٢٨٢،كتاب الجنائز،باب حمل الجنازة والدفن)

(باب الدفن) للميت (وهو فى المقبرة أفضل) منه فى غيرها للاتباع ولنيل دعاء الطارقين وفى أفضل مقبرة بالبلد أولى، وإنما دفن -صلى الله عليه وسلم -فى بيته لاختلاف الصحابة فى مدفنه؛ ولأنهم خافوا من دفنه فى بعض المقابر التنازع فيه فتطلب كل قبيلة دفنه عندهم؛ ولأن من خواص

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس باب کا خلاصہ

خلاصہ یہ کہ احادیث میں قبروں کو پختہ کرنے اوران پر عمارت وگنبد قائم کرنے اورقبروں کو غیر معمولی اونچا کرنے کی ممانعت آئی ہے۔

البتہ ضرورت کے وقت قبروں پر مٹی ڈالنا، اوراگرقبر پر صاحبِ قبر کا نام لکھے بغیر اس کا تعارف وپہچان مشکل ہو، تو بقدرِضرورت نام لکھنا جائز ہے، لیکن قرآنی آیات، احادیثِ مبارکہ یا شعروشاعری لکھنا جائز نہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأنبياء أنهم يدفنون حيث يموتون واستثنى الأذرعي وغيره أيضا الشهيد فيستحب دفنه حيث قتل لخبر فيه؛ ولأن مضجعه يشهد له؛ ولأن بعضه، وهو ما سال من دمه قد صار فيه قال ولو كانت المقبرة مغصوبة أو سبلها ظالم اشتراها بمال خبيث أو نحوهما أو كان أهلها أهل بدعة أو فسق أو كانت تربتها فاسدة لملوحة أو نحوها أو كان نقل الميت إليها يؤدى لانفجاره فالأفضل اجتنابها قلت بل يجب فى بعض ذلك، وفى فتاوى القفال أن الدفن فى البيت مكروه قال الأذرعي :إلا أن تدعو إليه حاجة أو مصلحة كما مر على أن المشهور أنه خلاف الأولى لا مكروه(أسنى المطالب فى شرح روض الطالب، ج ۱،ص ۳۲۴،كتاب الجنائز، باب الدفن للميت)

يكره عند الحنفيين دفن الميت ولو صغيرا بالمنزل لأن هذا خاص بالأنبياء (وقالت) الشافعية والحنبلية: يجوز الدفن فى البيت لأن النبى صلى الله عليه وسلم كان يدفن الموتى بالبقيع وليكثر الدعاء للميت ممن يزور المقابر (فإن قيل) كيف يكون الدفن فى المقبرة أفضل والنبى صلى الله عليه وسلم دفن فى البيت (فالجواب) أنه صلى الله عليه وسلم فى الحجرة لقول أبى بكر من حديث ابن عباس الآتى: سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول: ما قبض نبى إلا دفن حيث يقبض (وحكمه) اختصاصه صلى الله عليه وسلم بذلك قصد كثرة زائرية والتخفيف عليهم بقرب زيارته ولئلا يتخذ قبره مسجدا (روت) عائشة أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: " لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد لولا ذلك أبرز قبره غير أنه خشى أن يتخذ مسجدا " أخرجه البخارى (الدين الخالص أو إرشاد الخلق إلى دين الحق ، لمحمود محمد خطاب السّبكى المالكى، ج۷ص ۴۵۸، ۴۵۹، الجنائز، مايتعلق بالميت، مكان الدفن)

فصل:ويجوز الدفن فى البيت؛ لأن النبى – صلى الله عليه وسلم – وأبا بكر وعمر دفنوا فى بيت. والدفن فى الصحراء أفضل؛ لأن النبى – صلى الله عليه وسلم – كان يدفن أصحابه بالبقيع وإنما دفن فى البيت كراهة أن يتخذ قبره مسجدا ولولا ذلك لأبرز قبره، كذلك قالت عائشة – رضى الله عنها – .متفق عليه .ويدفن الشهيد فى مصرعه؛ لأن النبى – صلى الله عليه وسلم – أمر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور انبیائے کرام اور شہدائے عظام کو جائے وفات یا جائے شہادت میں دفن کرنا جائز بلکہ افضل ہے، خواہ وہ جگہ آبادی وعمارت میں داخل ہو۔

اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں ہونا اور شیخین رضی اللہ عنہما کی قبروں کا بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے ساتھ تبعاً وضمناً ہونا جائز ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے والوں کے سامنے ہونے سے بچانے کے لیے جو دیواریں قائم کر کے مخفی رکھا گیا، یہ بھی شرعی مصالح کے تحت ہے۔

البتہ قبرِ نبوی پر گنبد کے قائم ہونے کے جواز میں متعدد اہلِ علم حضرات کی تصریح کے مطابق ممانعت وکراہت لازم آتی ہے، لیکن عوام کی طرف سے فتنہ سے حفاظت کی خاطر اس کو باقی رکھا گیا ہے۔

اور جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اولیاء و بزرگوں وغیرہ کی قبروں پر عمارات کا بنانا جائز نہیں، اور اگر بنادی گئی ہوں، تو فی نفسہٖ ان کے انہدام کا حکم ہے، لیکن جہاں فتنہ لازم آتا ہو، وہاں اس سے اجتناب کا حکم ہے۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بشهداء أحد أن يردوا إلى مصارعهم رواه أبو داود والنسائي وابن ماجه والترمذى وقال: صحيح وكان بعضهم قد حمل إلى المدينة(الكافى فى فقه الامام احمد، ج ا ص ۳۷۰، كتاب الجنائز، باب حمل الجنازة والدفن)

والدفن فى المقبرة أفضل؛ لأن النبى صلى الله عليه وسلم كان يدفن الموتى بالبقيع، ولأنه يكثر الدعاء له ممن يزوره، ولأنه أقل ضررا على الأحياء من ورثته، وأشبه بمساكن الآخرة .

الدفن فى البيوت :يجوز ولا يحرم الدفن فى البيت؛ لأن النبى صلى الله عليه وسلم دفن فى حجرة عائشة رضى الله عنها .

لكن الدفن فى البيوت لغير النبى ولو للسقط مكروه، لاختصاصه بالأنبياء عليهم الصلاة والسلام.

ويكره الدفن فى القباب ونحوها من البيوت المعقودة لجماعة، لمخالفته السنة(الفِقْهُ الإسلاميُّ وأدلَّتُهُ للزحيلى، ج۲، ص۱۵۴۸، القسم الأول :العبادات، الباب الثانى، الفصل العاشر، المبحث الثامن ،المطلب الثانى)

(الرسالةُ التاسعة)

قبرِ نبوی کی زیارت اور اس کے لیے سفر کی تحقیق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت اہم اور بڑی فضیلت والے اعمال میں سے ہے، اور یہ اکثر وجمہور اہلِ علم حضرات کے نزدیک سنت ومستحب اعمال میں سے ہے، جبکہ بعض حضرات نے اس کو سنتِ مؤکدہ کے قریب قرار دیا ہے۔ [1]

---

[1] زيارة قبره صلى الله عليه وسلم من أهم القربات وأفضل المندوبات، وقد نقل صاحب فتح القدير عن مناسک الفارسي وشرح المختار :أن زيارة قبره صلى الله عليه وسلم قريبة من الوجوب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٤،ص ٨٠، مادة ” زيارة “، زيارة قبر الرسول صلى الله عليه وسلم)

التعريف: الزيارة :اسم من زاره يزوره زورا وزيارة، قصده مكرما له.

وزيارة النبي صلى الله عليه وسلم بعد وفاته تتحقق بزيارة قبره صلى الله عليه وسلم.

الحكم التكليفي: أجمعت الأمة الإسلامية سلفا وخلفا على مشروعية زيارة النبي صلى الله عليه وسلم.

وقد ذهب جمهور العلماء من أهل الفتوى في المذاهب إلى أنها سنة مستحبة، وقالت طائفة من المحققين :هي سنة مؤكدة، تقرب من درجة الواجبات، وهو المفتى به عند طائفة من الحنفية .

وذهب الفقيه المالكي أبو عمران موسى بن عيسى الفاسي إلى أنها واجبة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٤،ص ٨٣،مادة ”زيارة“زيارة النبي صلى الله عليه وسلم)

ذهب جمهور العلماء إلى أن زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم مستحبة، وقالت طائفة إنها سنة مؤكدة تقرب من درجة الواجبات، وهو المفتى به عند طائفة من الحنفية.

وذهب الفقيه المالكي أبو عمران موسى بن عيسى الفاسي إلى أنها واجبة.

ومن أدلة مشروعيتها قوله تعالى :(ولو أنهم إذ ظلموا أنفسهم جاء وك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما) وقوله صلى الله عليه وسلم :من زارني بعد موتي فكأنما زارني في حياتي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٧،ص ٢٥٣،مادة ” المسجد النبوي“ ،زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم)

دليل مشروعية الزيارة:

من أدلة مشروعية زيارته صلى الله عليه وسلم :قوله تعالى :(ولو أنهم إذ ظلموا أنفسهم جاء وك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر آج کل اس سلسلہ میں افراط وتفریط دیکھنے میں آ رہی ہے، چنانچہ ایک فریق اس سلسلہ میں ہر طرح کی فضیلت کا منکر اور دوسرا فریق اس کے مقابلہ میں اس کو حج کی طرح فرض درجہ کا عمل قرار دینے کے درپے ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فإنه صلى الله عليه وسلم حي في قبره بعد موته، كما أن الشهداء أحياء بنص القرآن، وقد صح قوله صلى الله عليه وسلم :الأنبياء أحياء في قبورهم، وإنما قال :هم أحياء أي لأنهم كالشهداء بل أفضل، والشهداء أحياء عند ربهم، وفائدة التقييد بالعندية الإشارة إلى أن حياتهم ليست بظاهرة عندنا وهي كحياة الملائكة.

وفي صحيح مسلم في حديث الإسراء قال صلى الله عليه وسلم :مررت على موسى ليلة أسرى بي عند الكثيب الأحمر وهو قائم يصلي في قبره.

وقوله صلى الله عليه وسلم :فزوروا القبور، فإنها تذكر الموت فهو دليل على مشروعية زيارة القبور عامة، وزيارته صلى الله عليه وسلم أولى ما يمتثل به هذا الأمر، فتكون زيارته داخلة في هذا الأمر النبوي الكريم.

وقوله صلى الله عليه وسلم :من زارني بعد موتي فكأنما زارني في حياتي.

ومنها قوله صلى الله عليه وسلم في الحديث :من زار قبري وجبت له شفاعتي.

فاستدل بعض الفقهاء بهذه الأدلة على وجوب زيارته صلى الله عليه وسلم لما في الأحاديث الأخرى من الحض أيضا.

وحملها الجمهور على الاستحباب، ولعل ملحظهم في ذلك أن هذه الأدلة ترغب بتحصيل ثواب أو مغفرة أو فضيلة، وذلك يحصل بوسائل أخر، فلا تفيد هذه الأدلة الوجوب.

قال القاضي عياض في كتاب الشفاء :وزيارة قبره عليه الصلاة والسلام سنة من سنن المسلمين مجمع عليها، وفضيلة مرغب فيها.

فضل زيارة النبي صلى الله عليه وسلم:

دلت الدلائل السابقة على عظمة فضل زيارة النبي صلى الله عليه وسلم وجزيل مثوبتها فإنها من أهم المطالب العالية والقربات النافعة المقبولة عند الله تعالى، فبها يرجو المؤمن مغفرة الله تعالى ورحمته وتوبته عليه من ذنوبه، وبها يحصل الزائر على شفاعة خاصة من النبي صلى الله عليه وسلم يوم القيامة، وما أعظمه من فوز.

وعلى ذلك انعقد إجماع المسلمين في كافة العصور، كما صرح به عياض والنووي والسندي وابن الهمام.

قال الحافظ ابن حجر :إنها من أفضل الأعمال وأجل القربات الموصلة إلى ذي الجلال، وإن مشروعيتها محل إجماع بلا نزاع.

وكذلك قال القسطلاني :اعلم أن زيارة قبره الشريف من أعظم القربات وأرجى الطاعات، والسبيل إلى أعلى الدرجات (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص۸۴، مادة " زيارة ")

قبرِ نبوی کی زیارت سے متعلق احادیث وروایات

اس لئے اس سلسلہ میں چند احادیث وروایات کی اسنادی حیثیت پر روشنی ڈالی جاتی ہے، تاکہ حقیقتِ حال واضح ہو، اور افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال ملحوظ رہے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث مروی ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری زیارت کرنے کے لئے آیا، اور اس کو میری زیارت کے علاوہ کوئی اور ضرورت کھینچ کر نہیں لائی، تو مجھ پر قیامت کے دن اس کی شفاعت کرنے کا حق ہوگا (طبرانی، تاریخ اصبہان وغیرہ) [1]

اس حدیث کی سند پر محدثین نے کلام کیا ہے، اور اس حدیث میں مذکور ایک راوی مسلم بن سالم جہنی کو ضعیف قرار دیا ہے، جس کی وجہ سے اس حدیث کی سند فی نفسہٖ ضعیف قرار دی

---

[1] حدثنا عبدان بن أحمد قال :نا عبد الله بن محمد العبادى البصرى قال :نا مسلمة بن سالم الجهنى قال :حدثنى عبيد الله بن عمر، عن نافع، عن سالم، عن ابن عمر قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من جاء نى زائرا لا تعمله حاجة إلا زيارتى، كان حقا على أن أكون له شفيعا يوم القيامة (المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ۴۵۴۶)

حدثنا أبو محمد بن حيان، ثنا محمد بن أحمد بن سليمان الهروى، ثنا مسلم بن حاتم الأنصارى، ثنا مسلم بن سالم الجهنى، حدثنى عبد الله يعنى :العمرى ,حدثنى نافع، عن سالم، عن ابن عمر، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من جاء نى زائرا لم تنزعه حاجة إلا زيارتى، كان حقا على الله أن أكون له شفيعا يوم القيامة(تاريخِ اصبهان، ج۲ص۱۹۰)

حدثنا عبدان بن أحمد، ثنا عبد الله بن محمد العبادى البصرى، ثنا مسلم بن سالم الجهنى، حدثنى عبيد الله بن عمر، عن نافع، عن سالم، عن ابن عمر، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من جاء نى زائرا لا يعلمه حاجة إلا زيارتى كان حقا على أن أكون له شفيعا يوم القيامة(المعجم الكبير للطبرانى،رقم الحديث ۱۳۱۴۹)

جاسکتی ہے۔ ؎

؎ قال الهيثمي:

رواه الطبراني في الأوسط، والكبير وفيه مسلمة بن سالم، وهو ضعيف(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۸۴۲، باب زيارة سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم)

وقال ابن حجر:

مسلم بن سالم الجهني. كان يكون بمكة.قال أبو داود السجستاني :ليس بثقة.قلت :ما أبعد أن يكون مسلمة بن سالم الجهني البصري إمام مسجد بني حرام الذي أخرج له الدارقطني في سننه ما أخبرنا علي بن الفقيه وإسماعيل بن عبد الرحمن قالا :أخبرنا ابن الصباح أخبرنا ابن رفاعة .

أخبرنا الخلعي حَدَّثَنا أبو النعمان تراب بن عمر حَدَّثَنا أبو الحسن الدارقطني حَدَّثَنا يحيى بن صاعد حَدَّثَنا عبد الله بن محمد العبادي سنة خمسين ومئتين بالبصرة حدثنا مسلمة بن سالم إمام مسجد بني حرام حدثنا عبد الله بن عمر عن نافع عن سالم عن ابن عمر رضي الله عنهما رفعه قال :من جاء ني زائرا لم تنزعه حاجة إلا زيارتي كان حقا علي أن أكون له شفيعا يوم القيامة.

رواه أبو الشيخ، عَن مُحَمد بن أحمد بن سليمان الهروي حَدَّثَنا مسلم بن حاتم الأنصاري حَدَّثَنا مسلمة بهذا(لسان الميزان، ج۸ص۵۰، ۵۱، تحت رقم الترجمة ۷۷۰۵)

وقال ابن الملقن:

ورواه الطبراني في أكبر معاجمه من حديث عبيد الله بن عمر، عن نافع، (عن سالم) عن ابن عمر مرفوعا:

من جاء ني زائرا لا (تعمله) حاجة إلا زيارتي كان حقا علي أن أكون (له) شفيعا يوم القيامة .أخرجه عن عبدان بن (أحمد) ، نا عبد الله بن محمد العبادي البصري، ثنا (مسلمة) بن سالم الجهني، ثنا عبيد الله بن عمر به، وعزاه الضياء في أحكامه إلى رواية الطبراني بلفظ :من جاء ني زائرا لا ينزعه غير زيارتي، كان حقا على الله أن أكون له شفيعا يوم القيامة ثم قال :رواه من رواية عبد الله بن عمر العمري .قال الإمام أحمد :لا بأس به.وقال النسائي :ليس بالقوي .

والذي رأيته في الطبراني الكبير :عبيد الله بالتصغير كما أسلفته، فلعله في غير المعجم الكبير وذكره ابن السكن في سننه الصحاح المأثورة بلفظ :من جاء ني زائرا لا تنزعه حاجة إلا زيارتي كان حقا علي أن أكون له شفيعا يوم القيامة وصدر البيهقي في سننه لاستحباب زيارة قبره -عليه أفضل الصلاة والسلام -بحديث أبي هريرة المرفوع : ما من أحد يسلم علي :إلا رد الله علي روحي حتى أرد عليه السلام .(و) رواه أبو داود في سننه بإسناد جيد، ثم أردفه بحديث ابن عمر السالف(البدرالمنير، ج۶ص۲۹۸،۲۹۹، كتاب الحج، باب دخول مكة ومايتعلق به،الحديث السادس بعد التسعين)

لیکن اس حدیث کی تائید دیگر روایات سے ہوتی ہے، اس لئے دوسری روایات سے مل کر اس حدیث کو صحیح یا کم از کم حسن لغیرہ قرار دیا جاسکتا ہے، اور اسی لئے بعض محدثین نے اس حدیث کو صحیح یا حسن قرار دیا، ہمارے نزدیک یہی راجح ہے۔ [1]

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے ہی مروی ایک دوسری روایت میں اس طرح کا مضمون مروی ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی، تو اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جائے گی (دارقطنی، اصبہانی، بزار وغیرہ) [2]

---

[1] (وقال -صلّى الله عليه وسلم -من جاء نى زائراً لا يهمه إلا زيارتى كان حقاً على أن أكون له شفيعاً)

قال العراقى :رواه الطبرانى من حديث ابن عمر وصححه ابن السكن اهـ.

قلت :ورواه الدارقطنى والخلعى فى فوائده بلفظ لم تنزعه حاجة إلا زيارتى وتصحيح ابن السكن إياه وإيراده له فى أثناء الصحاح له وكذا صححه عبد الحق فى سكوته عنه والسبكى فى رد مسألة الزيارة لابن تيمية باعتبار مجموع الطرق (تخريج احاديث الاحياء للعراقى، تحت رقم الحديث ٧٧٢)

[2] ثنا القاضى المحاملى ,نا عبيد الله بن محمد الوراق ,نا موسى بن هلال العبدى ,عن عبيد الله بن عمر ,عن نافع ,عن ابن عمر ,قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من زار قبرى وجبت له شفاعتى (سنن الدارقطنى، رقم الحديث ٢٦٩٥)

أخبرنا أحمد بن على بن خلف، أنبأ أبو القاسم بن حبيب، ثنا أبو بكر أحمد بن سعد بن نصر بن بكار البخارى، ثنا أبو عبد الرحمن عبد الله، ثنا محمد بن إسماعيل الأحمسى، عن موسى بن هلال العنزى، عن عبيد الله، عن نافع، عن ابن عمر قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم(من زار قبرى وجبت له شفاعتى(الترغيب والترهيب، للأصبهانى، تحت رقم الحديث ١٠٨١)

حدثنا محمد بن عبد العزيز الدينورى ، نا محمد بن إسماعيل بن سمرة ، نا موسى بن هلال العبدى ، عن عبد الله بن عمر العمرى ، عن نافع ، عن ابن عمر ؛ أن النبى صلى الله عليه وسلم قال من زار قبرى وجبت له شفاعتى (المجالسة وجواهر العلم،رقم الحديث ١٢٩ ،ج ا ص ٤٣١)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس روایت کی سند پر بھی محدثین نے کلام کیا ہے، اور اس کو ضعیف وغیرہ قرار دیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حدثنا على بن معبد بن نوح قال :حدثنا موسى بن هلال، قال :حدثنا عبد الله بن عمر أبو عبد الرحمن، أخو عبيد الله عن نافع عن ابن عمر، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من زار قبرى وجبت له شفاعتى (الكنى والأسماء ،للدولابى ،رقم الحديث ۱۴۸۳)

حدثنا قتيبة، ثنا عبد الله بن إبراهيم، ثنا عبد الرحمن بن زيد، عن أبيه، عن ابن عمر، عن النبى صلى الله عليه وسلم :من زار قبرى حلت له شفاعتى.

قال البزار :عبد الله بن إبراهيم لم يتابع على هذا، وإنما يكتب ما يتفرد به (كشف الأستار عن زوائد البزار،رقم الحديث ۱۱۹۸ ، باب زيارة قبر سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم)

[1] حدثنا محمد بن عبد الله الحضرمى قال :حدثنا جعفر بن محمد البزورى قال :حدثنا موسى بن هلال البصرى ، عن عبيد الله بن عمر ، عن نافع ، عن ابن عمر قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من زار قبرى فقد وجبت له شفاعتى .والرواية فى هذا الباب فيها لين(الضعفاء الكبير للعقيلى،تحت رقم الحديث ۱۹۲۰)

موسى بن هلال .حدثنا محمد بن موسى الحلوانى، حدثنا محمد بن إسماعيل بن سمرة، حدثنا موسى بن هلال عن عبد الله العمرى عن نافع، عن ابن عمر، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم.

من زار قبرى وجبت له شفاعتى وقد روى غير بن سمرة هذا الحديث عن موسى بن هلال فقال عن عبيد الله عن نافع، عن ابن عمر.

قال، وعبد الله أصح ولموسى غير هذا وأرجو أنه لا بأس به(الكامل فى ضعفاء الرجال ،لا بن عدى، ج۸،ص ۷۹، تحت رقم الترجمة ۱۸۳۴)

حديث :من زار قبرى ، وجبت له شفاعتى .رواه موسى بن هلال :عن عبدالله العمرى ، عن نافع ، عن ابن عمر .ورواه عن موسى :محمد بن إسماعيل بن سمرة .ورواه عنه محمد بن موسى الحلوانى ، ورواه غير ابن سمره :عن موسى ، عن عبيدالله ، عن نافع ، عن ابن عمر .وأرجو أنه لا بأس به (ذخيرة الحفاظ لمحمد بن طاهر المقدسى، تحت رقم الحديث ۵۳۲۳)

أخبرنا أبو سعد المالينى، أخبرنا أبو أحمد بن عدى الحافظ، حدثنا محمد بن موسى الحلوانى، حدثنا محمد بن إسماعيل بن سمرة، حدثنا موسى بن هلال، عن عبد الله العمرى، عن نافع، عن ابن عمر، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من زار قبرى وجبت له شفاعتى ."وقيل عن موسى بن هلال العبدى، عن عبيد الله بن عمر.

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، أخبرنا أبو الفضل محمد بن إبراهيم، حدثنا محمد بن زنجويه القشيرى، حدثنا عبيد الله بن محمد بن القاسم بن أبى مريم الوراق، وكان نيسابورى الأصل سكن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن چونکہ اس مضمون کی گزشتہ اوراس کے علاوہ دیگر روایات سے تائید ہوتی ہے، اس لئے ان سے مل کر مذکورہ روایت کا ضعف کسی حد تک دور ہو جاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ببغداد، حدثنا موسى بن هلال العبدى، فذكره، وكذلك رواه الفضل بن سهل، عن موسى بن هلال، عن عبيد الله، وسواء قال عبيد الله أو عبد الله فهو منكر، عن نافع، عن ابن عمر لم يأت به غيره(شعب الايمان للبيهقى،رقم الحديث ٣٨٦٢، ورقم الحديث ٣٨٦٣)

وقال الهيثمى:رواه البزار وفيه عبد الله بن إبراهيم الغفارى، وهو ضعيف(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث، ٥٨٤١ باب زيارة سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم)

[1] عبد الله بن عمر، عن نافع عن ابن عمر قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من زار قبرى فقد وجبت له شفاعتى .تفرد بن موسى .وقد قال ابن عدى :أرجو أنه لا بأس به .وقال العقيلى :لا يصح حديثه ولا يتابع عليه .ثنا مطين، نا جعفر بن البزورى، نا موسى بن هلال البصرى، عن عبد الله بن عمر، عن نافع،) عن ابن عمر، فذكره .أخبرنا أبو الحسن الهاشمى، أنا ابن روزبة، أنا أبو الوقت، أنا أبو إسماعيل الأنصارى، أنا أبو الحسين بن العالى، نا بشر بن أحمد نا ابن ناجية، نا عبيد بن محمد الوراق، نا موسى بن هلال العبدى، عن عبد الله بن عمر، عن نافع، عن ابن عمر :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من زارنى بعد موتى وجبت له شفاعتى .ورواه القاضى المحاملى، عن عبيد مثله .وهو حديث منكر .وفى الباب الأخبار اللينة مما يقوى بعضه بعضاً، لأن ما فى رواتها متهم بالكذب، والله أعلم .ومن أجودها إسناداً ما صح عن وكيع، نا ابن عون، وغيره، عن الشعبى، وأسود بن ميمون، عن هارون، عن أبى وزعة، عن حاطب :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من زارنى بعد موتى فكأنما زارنى فى حياتى .وقال الطيالسى فى مسنده :حدثنى سوار بن ميمون العبدى :حدثنى رجل من آل عمر، عن عمر :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :من زار قبرى، أو قال من زارنى كنت له شفيعاً .الحديث .وقد أفردت أحاديث الزيادة فى جزء .

وعبد الله بن عمر لا يبلغ حديثه درجة الصحة .وقد قال ابن عدى :لا بأس به فى رواياته ولا يلحق أخاه (تاريخ الاسلام للامام الذهبى، ج٤ص ٢٦٣، تحت رقم الترجمة ١٥٥ ”٤“)

من زار قبرى وجبت له شفاعتى أشار ابن خزيمة إلى تضعيفه وروى كمن زارنى فى حياتى وضعفه البيهقى وكذا قال البيهقى طرقه كلها لينة ولكن يتقوى بعضها ببعض، وروى من زار قبرى كنت له شفيعا وشهيدا(تذكرة الموضوعات للفتنى، ج ١ ص ٧٥، باب فضل المدينة المشرفة وزيارتها)

من زار قبرى وجبت له شفاعتى.

قال فى الأصل رواه أبو الشيخ وابن أبى الدنيا وغيرهما عن ابن عمر وهو فى صحيح ابن خزيمة وأشار إلى تضعيفه ، وعند أبى الشيخ والطبرانى وابن عدى والدارقطنى والبيهقى ولفظهم كان كمن زارنى فى حياتى ، وضعفه البيهقى .وقال الذهبى طرقه كلها لينة لكن يتقوى بعضها ببعض لأن ما فى رواتها متهم بالكذب.

قال ومن أجودها إسناد حديث حاطب الذى أخرجه ابن عساكر وغيره من زارنى بعد فكأنما زارنى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بالخصوص جبکہ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کی فضیلت کے معاملہ تک محدود رکھا جائے، کیونکہ فضائل کے باب میں بعض شرائط کے ساتھ ضعیف حدیث قبول کر لی جاتی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی حیاتی.وللطیالسی عن عمر مرفوعا من زار قبری کنت له شفیعا أو شهیدا.
وللسبکی شفاء السقام فی زیارة خیر الأنام وذکر فیه أحادیث کثیرة فی هذا المعنی.
وکذا ذکر ابن حجر المکی فی کتابه الجوهر المنظم أحادیث من هذا النمط :منها قوله علیه السلام من زارنی أو من زار قبری إلی المدینة کنت له شفیعا وشهیدا ، وروی البیهقی عن أنس رضی الله تعالی عنه من زارنی فی المدینة محتسبا کنت له شهیدا وشفیعا یوم القیامة(کشف الخفاء ، للعجلونی، ج۲،ص ۲۵۰،تحت رقم الحدیث ۲۴۸۹)
والذی یبدو لی -والله تعالی أعلم -أن أصل حدیث موسی بن هلال عن عبد الله بن عمر عن نافع عن ابن عمر یرفعه " :من زار قبری وجبت له شفاعتی "هو الحدیث المتقدم من روایة عیسی بن حفص -وهو عم عبد الله العمری -وعبید الله بن عمر -وهو أخو عبد الله -کلاهما عن نافع ، فأخطأ موسی بن هلال -أو عبد الله العمری -فرواه باللفظ السابق ، وقد تقدم ذکر أمثلة کثیرة علی خطأ عبد الله العمری ، والله تعالی أعلم .
وهذه العلة -أی العلة الرابعة -لا تستغرب لأن کثیرًا من الأحادیث الضعیفة لها أصول صحیحة ، فیخطء الراوی الضعیف فی روایته إما من حیث اللفظ فیغیر اللفظ ، وإما من حیث الإسناد فیغیر الإسناد (تنقیح التحقیق لابن عبدالهادی،ص ۱۶۱، المقدمة، فصل: فی ذکر بعض کلام الحفاظ فی بیان أن من التفرد ما یعل به الخبر)
وعن ابن عمر عن النبی -صلی الله علیه وسلم : -من زار قبری وجبت له شفاعتی أخرجه الدارقطنی بإسناد فیه موسی بن هلال العبدی قال أبو حاتم :مجهول العدالة، ورواه ابن خزیمة فی "صحیحه "من طریقه، وقال :إن صح الخبر فإن فی القلب من إسناده، وأخرجه البیهقی وقال العقیلی :لا یصح حدیث موسی ولا یتابع علیه ولا یصح فی هذا الباب شیء .وقال أحمد :لا بأس به، وقد تابعه علیه مسلم بن سالم عند الطبرانی من طریقه، وقد صحح الحدیث ابن السکن، وعبد الحق وتقی الدین السبکی(فتح الغفار الجامع لأحکام سنة نبینا المختار للصنعانی،ج۲ص ۷۸۳، ۷۸۴، رقم الترجمة، ۲۴۴۷)

[1] فأما حدیث " :من زار قبری وجبت له شفاعتی . "
فإنه سکت عنه ، وهو فی إسناده العمری ، وموسی بن هلال ، ولم یعرض لواحد منهما ، ولکن لا أراه صححه ، لکن تسامح فیه ، لأنه من رغائب الأعمال (بیان الوهم والإیهام فی کتاب الأحکام،لابن القطان،ج۴،ص ۲۰۰،تحت رقم الحدیث ۱۶۹۲)
وذکر من طریق الدارقطنی عن ابن عمر قال :قال رسول الله -صلی الله علیه وسلم " : - من زار

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی تیسری حدیث

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے ہی مروی ایک تیسری روایت میں اس طرح کا مضمون آیا ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قبری وجبت له شفاعتی "قال :وذكره البزار أيضا .
هكذا سكت عنه ، وأراه تسامح فيه ؛ لأنه من الحث والترغيب على عمل .
وإسناده عند الدارقطنی هو هذا :حدثنا القاضی المحاملی ، حدثنا عبيد بن محمد الوراق ، حدثنا موسى بن هلال العبدی ، عن عبد الله بن عمر ، عن نافع ، عن ابن عمر ، قال :قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم " : - من زار قبری وجبت له شفاعتی . "
وموسى بن هلال العبدی ، بصری ، روى عن هشام بن حسان ، وعبد الله ابن عمر العمری ، قال فيه أبو حاتم :مجهول .
هذا ، على أنه قد ذكر أن جماعة روت عنه ، وهم :أبو بجير :محمد ابن جابر المحاربی ، ومحمد بن إسماعيل الأحمسی ، وأبو أمية :محمد بن إبراهيم الطرسوسی ، وهذا عبيد بن محمد فی نفس هذا الإسناد ، ومع ذلک قال فيه :مجهول ، وهو كما قال .
وقد ذكره العقيلی أيضا فقال :موسى بن هلال البصری ، سكن الكوفة ، عن عبد الله بن عمر ، لا يصح حديثه ، ولا يتابع عليه .
روى عنه جعفر بن محمد البزوری ، فهذه علة أخرى فيه -ولو كان معروفا -، وهو أنه لا يتابع .
فأما أبو أحمد بن عدی فإنه ذكر هذا الرجل بهذا الحديث ، ثم قال :ولموسى غير هذا ، وأرجو أنه لا بأس به .
وهذا من أبی أحمد قول صدر عن تصفح روايات هذا الرجل ، لا عن مباشرة لأحواله ، فالحق فيه أنه لم تثبت عدالته .
وإلى هذا ، فإن العمری قد عهد أبو محمد يرد الأحاديث من أجله ، كما تقدم ذكره فی هذا الباب .
وأما قوله :وذكره البزار ، فاعلم أن البزار ذكره كما قال ، ولكن من طريق غير طريق الدارقطنی .
قال :حدثنا قتيبة -هو ابن المرزبان -قال :حدثنا عبد الله بن إبراهيم -يعنی ابن أبی عمرو الغفاری -قال :حدثنا عبد الرحمن بن زيد بن أسلم ، عن أبيه ، عن ابن عمر ، عن النبی -صلى الله عليه وسلم - قال " :من زار قبری ؛ حلت له شفاعتی . "
قال :وعبد الله بن إبراهيم حدث بأحاديث لا يتابع عليها ، وكذا قال فيه أبو أحمد .
وعبد الرحمن بن زيد بن أسلم ضعيف ، وأبو محمد يرد الأحاديث من أجله ، فذلک منه صواب ، والله الموفق (بيان الوهم والإيهام فی كتاب الأحكام،لابن القطان، ج۴،ص ۲۲۵ ، تحت رقم الحديث ۱۸۹۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری موت کے بعد میری قبر کی زیارت کی، تو وہ ایسا ہے، جیسا کہ اس نے میری حیات میں میری زیارت کی (طبرانی) [1]

اس حدیث کی سند میں بھی فی نفسہٖ ضعف پایا جاتا ہے۔ [2]

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی چوتھی حدیث

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی ہی سند سے ایک چوتھی روایت میں اس طرح کا مضمون مروی ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے حج کیا، پھر میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی، تو وہ ایسا ہے، جیسا کہ اس نے میری حیات میں میری زیارت کی (طبرانی) [3]

اس حدیث کی سند میں بھی ضعف پایا جاتا ہے۔

---

[1] حدثنا أحمد بن رشدين، ثنا علي بن الحسن بن هارون الأنصاري، ثنا الليث ابن بنت الليث بن أبي سليم، قال :حدثتني جدتي عائشة بنت يونس امرأة الليث، عن ليث بن أبي سليم، عن مجاهد، عن ابن عمر، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من زار قبري بعد موتي كان كمن زارني في حياتي (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ١٣٤٩٦ ،المعجم الاوسط للطبراني، رقم الحديث ٢٨٧)

[2] قال الهيثمي:
رواه الطبراني في الصغير، والأوسط وفيه عائشة بنت يونس ولم أجد من ترجمها(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٥٨٤٤، باب زيارة سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم)

[3] حدثنا الحسين بن إسحاق التستري، ثنا أبو الربيع الزهراني، ثنا حفص بن أبي داود، عن ليث، عن مجاهد، عن ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال :من حج فزار قبري بعد وفاتي كان كمن زارني في حياتي(المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ١٣٤٩٧ ، المعجم الأوسط للطبراني، رقم الحديث ٣٣٧٦، دارقطني، رقم الحديث ٢٦٩٣)

مگر جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اس کی تائید دوسری روایات سے ہوتی ہے، جن کے ساتھ مل کر یہ روایت مقبول درجہ حاصل کرلیتی ہے۔ [1]

---

[1] قال الطبرانی:

لم یرو هذا الحدیث عن لیث إلا حفص.

وقال البیهقی:

وروی حفص بن أبی داود، وهو ضعیف، عن لیث بن أبی سلیم، عن مجاهد، عن ابن عمر، مرفوعا " :من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی " أخبرناه أبو سعد المالینی، أخبرنا أبو أحمد بن عدی، حدثنا عبد الله بن محمد البغوی، حدثنا أبو الربیع الزهرانی، حدثنا حفص بهذا الحدیث .وأخبرنا علی بن أحمد بن عبدان، أخبرنا أحمد بن عبید، حدثنی محمد بن إسحاق الصفار، حدثنا ابن بکار، حدثنا حفص بن سلیمان، فذکره، وقال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :تفرد به حفص وهو ضعیف فی روایة الحدیث(شعب الإیمان، تحت رقم الحدیث ۳۸۵۸)

وقال الهیثمی:

رواه الطبرانی فی الکبیر، والأوسط وفیه حفص بن أبی داود القارئ؛ وثقه أحمد، وضعفه جماعة من الأئمة (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۵۸۴۳، باب زیارة سیدنا رسول الله صلی الله علیه وسلم)

وقال البوصیری:

وعن ابن عمر -رضی اللّٰه عنهما -قال :قال رسول الله -صلی الله علیه وسلم " :-من حجَّ فزارنی بعد وفاتی کان کمن زارنی فی حیاتی ."

رواه أبو یعلی والبیهقی فی سننه بسند فیه لیث بن أبی سلیم، والجمهور علی ضعفه(اتحاف الخیرة المهرة للبوصیری، تحت رقم الحدیث ۲۶۹۴، باب فضل مسجد المدینة المشرفة والصلاة فیه وما جاء فی زیارة قبر سیدنا رسول اللّٰه قیل والأدب عند زیارته)

وقال ابن الملقن:

وله طریق ثان من حدیث ابن عمر قال :قال رسول الله -صلی الله علیه وسلم :-من حج فزار قبری بعد وفاتی فکأنما زارنی فی حیاتی رواه الدارقطنی أیضا من حدیث حفص بن أبی داود، عن لیث بن ابی سلیم، عن مجاهد، عن (ابن عمر) ، ورواه ابن عدی بلفظ :من حج (فزارنی) بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی وصحبنی .ولیث هذا حسن الحدیث، ومن ضعفه إنما ضعفه لاختلاطه بأخرة، وحفص هذا هو (ابن سلیمان) ، قال ابن عدی :وأبو الربیع الزهرانی یسمیه حفص بن أبی داود لضعفه، وهو حفص (بن سلیمان) (الغاضری) المقرء (الإمام .قال البخاری :ترکوه) (ووثقه وکیع،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کی زیارت کی بڑی فضیلت ہے، جو مجموعی طور پر کئی روایات سے ثابت ہے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی پانچویں حدیث

البتہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ایک روایت میں اس طرح کا مضمون آیا ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے حج کیا، پھر میری زیارت نہیں کی، تو اس نے میرے ساتھ ظلم وتعدی کی (ابن عدی) [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قال أحمد :صالح .وفي رواية عنه :ما به بأس) وقال يحيى بن معين في رواية أحمد بن محمد الحضرمي :ليس بشيء، ومن أحاديثه :صنائع المعروف تقي مصارع السوء، وصدقة السر تطفىء غضب الرب .وقال البيهقي :تفرد به حفص، وهو ضعيف .ورواه أبو يعلى الموصلي بزيادة كثير بن شنظير (بين) حفص و ليث بلفظ :من حج فزارني بعد وفاتي (عند) قبري فكأنما زارني في حياتي .و كثير هذا من رجال الصحيحين وإن لينه أبو زرعة، وصوب ابن عساكر الرواية التي بإسقاطه، على أن حفصا هذا تابعه على بن الحسن بن هارون الأنصاري .رواه الطبراني في أوسط معاجمه و أكبرها من حديث أحمد بن رشدين عنه، عن الليث ابن بنت الليث بن أبي سليم قال :حدثتني جدتي عائشة بنت يونس امرأة الليث، عن ليث بن أبي سليم، عن مجاهد، عن ابن عمر مرفوعا :من زار قبري كان كمن زارني في حياتي .ووهم بعضهم فجعل حفصا جعفر بن سليمان الضبعي، كما نبه عليه ابن عساكر أبو اليمن بن أبي الحسن في كتابه إتحاف الزائر، قال :وتفرد بقوله :وصحبني الحسن بن الطيب، وفيه نظر (البدرالمنير، ج٦ص ٢٩٣، الیٰ ٢٩٥، كتاب الحج، باب دخول مكة ومايتعلق به،الحديث السادس بعد التسعين)

[1] النعمان بن شبل الباهلي البصري .سمعت إبراهيم بن محمد بن عيسى يقول : سمعت موسى بن هارون الحمال يقول النعمان بن شبل البصري كان متهما...... حدثنا علي بن إسحاق، حدثنا محمد بن محمد بن النعمان بن شبل، حدثني جدي، حدثني مالك عن نافع، عن ابن عمر، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من حج البيت فلم يزرني فقد جفاني (الكامل في ضعفاء الرجال، ج٨، ص٢٤٨، تحت رقم ١٩٥٦)

مگراس روایت کی سند کو محدثین نے غیرصحیح اور موضوع یاشدید ضعیف قرار دیا ہے۔

اور انصاف ودیانت داری کی رُو سے واقعی یہ روایت شدید ضعیف ہے، جس کی کسی اور قابلِ ذکر روایت سے تائید بھی نہیں ہوتی، اور خود یہ روایت بھی اس قابل نہیں کہ اس کی وجہ سے ہرحج کرنے والے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت نہ کرنے کو ظلم وتعدی سے تعبیر کیا جاسکے، جس کا درجہ سخت گناہ سے کم نہیں ہے۔

بالخصوص جبکہ فقہائے کرام نے حج کی فرضیت کے لئے مدینہ منورہ حاضری کے اخراجات کو ضروری قرار نہیں دیا۔

چنانچہ اگرکسی کو مدینہ منورہ حاضری کے اخراجات میسر نہ ہوں، لیکن اس کو حج کی استطاعت ہو، تب بھی اس پر حج کی فرضیت کا حکم لگایا ہے، اسی طرح اگرکسی پر حج فرض نہ ہو، یا وہ فرض حج ادا کرچکا ہو، اور اُسے مدینہ منورہ حاضری کی استطاعت ہو، تو اس پر بھی مدینہ منورہ حاضری کو فرض وضروری قرار نہیں دیا۔

اور اسی وجہ سے اکثر اور جمہور فقہائے کرام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کو فرض یا واجب وغیرہ کے بجائے سنت ومستحب قرار دیا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ [1]

---

[1] قال العجلونی:

من لم یزرنی فقد جفانی .ذکره فی الإحیاء بلفظ من وجد سعة ولم یغد إلی فقد جفانی.ولم یخرجه العراقی بل أشار إلی ما أخرجه ابن النجار فی تاریخ المدینة عن أنس بلفظ ما من أحد من أمتی له سعة ثم لم یزرنی إلا ولیس له عذر.

ولابن عدی فی الکامل وابن حبان فی الضعفاء والدارقطنی فی العلل وغرائب مالک وآخرین جمیعا عن ابن عمر رفعه من حج ولم یزرنی فقد جفانی ولا یصح والله أعلم (کشف الخفاء للعجلونی، تحت رقم الحدیث ۲۶۱۲)

وقال السخاوی:

حدیث :من لم یزرنی فقد جفانی، ذکره الغزالی فی الإحیاء بلفظ :من وجد سعة ولم یغد إلی فقد جفانی، ولم یخرجه العراقی، بل أشار إلی ما أخرجه ابن النجار فی تاریخ المدینة مما هو فی معناه عن أنس بلفظ :ما من أحد من أمتی له سعة، ثم لم یزرنی إلا ولیس له عذر. قلت :ولابن عدی فی الکامل، وابن حبان فی الضعفاء، والدارقطنی فی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک روایت درجِ ذیل مفہوم کی مروی ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

العلل، وغرائب مالک، وآخرين، كلهم على ابن عمر مرفوعا :من حج ولم يزرني فقد جفاني، ولا يصح (المقاصد الحسنة،ص ٦٦٩، تحت رقم الحديث ١١٧٨)

وقال ابن العراق الكناني:

(حديث) من حج البيت ولم يزرني فقد جفاني (حب عد) من حديث ابن عمر وفيه محمد بن محمد بن النعمان بن شبل وهو المتهم به (تعقب) بأن الزركشي قال في تخريج أحاديث الرافعي :الحديث ضعيف وبالغ ابن الجوزي فذكره في الموضوعات .

(قلت) وأورده الذهبي في الميزان، في ترجمة النعمان بن شبل من عند ابن عدي، وأعقبه بقوله هذا موضوع فأوهم أنه من كلام ابن عدي، وقد تعقبه الحافظ ابن حجر في اللسان، فقال لم يقل ابن عدي هذا موضوع، وإنما هذا كلام المصنف .

وقد تبع في ذلك ابن الجوزي وقد قال ابن عدي لم أر في حديث النعمان حديثا غريبا جاوز الحد انتهى، وجاء من حديث أنس بلفظ ما من أحد من أمتي له سعة ثم لم يزرني فليس له عذر، أخرجه ابن النجار في تاريخ المدينة والله أعلم (تنزيه الشريعة المرفوعة، ج٢، ص١٧٢، تحت رقم الحديث ٨)

وقال السيوطي:

حديث من حج ولم يزرني فقد جفاني.

ابن عدي، والدار قطني في "العلل "وابن حبان في "الضعفاء ." والخطيب في " رواة مالك "بسند ضعيف جدا عن ابن عمر (الدررالمنتثرة في الاحاديث المشتهرة، ج ١، ص ١٩١، تحت رقم الحديث ٤١١، حرف الميم)

وقال الحافظ العسقلاني:

ورواه الخطيب في الرواة عن مالك في ترجمة النعمان بن شبل ، وقال :إنه تفرد به عن مالك ، عن نافع ، عن ابن عمر بلفظ :(من حج ولم يزرني فقد جفاني).

وذكره ابن عدي ، وابن حبان في ترجمة النعمان ، والنعمان ضعيف جدا ، وقال الدارقطني :الطعن في هذا الحديث على ابنه لا على النعمان (التلخيص الحبير، ج ٢، ص ٥٦٩، تحت رقم الحديث ١٠٧٥)

وقال الحافظ العسقلاني:

النعمان بن شبل الباهلي بصري : عن أبي عوانة ومالك قال موسى بن هارون :كان متهماً وقال بن حبان :يأتي بالطامات وقال ابن عدي :حدثنا علي بن إسحاق حدثنا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی، یا یہ فرمایا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

محمد بن النعمان بن شبل حدثنی أبی حدثنی مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنهما مرفوعاً "من حج فلم یذرنی فقد جفانی "هذا موضوع (لسان المیزان، ج۸ص ۲۸۴، ۲۸۵، من اسمه النعمان ونعمة)

وقال ابن طاهر المقدسی:

من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی. فیه النعمان بن شبل یأتی عن الثقات بما لیس من حدیثهم (کتاب معرفة التذکرة، تحت رقم الحدیث ۷۸۲، حرف الحاء مع من)

وقال ابن طاهر المقدسی:

حدیث :من حج البیت ؛فلم یزرنی ؛فقد جفانی،رواة النعمان بن شبل الباهلی:عن مالک بن أنس ، عن نافع ، عن ابن عمر،ولم یروه عن مالک غیره،وقال موسی بن هارون: کان النعمان هذا یتهم (ذخیرة الحفاظ، ج۴ص ۲۲۶۰، تحت رقم الحدیث ۵۲۴۸)

وقال ابن حبان:

النعمان بن شبل: من أهل البصرة، یروی عن أبی عوانة ومالک أخبرنا عنه الحسن بن سفیان، یأتی عن الثقات بالطامات، وعن الاثبات بالمقلوبات.

روی عن مالک عن نافع عن ابن عمر قال :قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " :من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی "أخبرناه أحمد بن عبید بهمدان قال :حدثنا محمد بن محمود بن النعمان بن شبل أبو شبل قال :حدثنا جدی قال :حدثنا مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنه (المجروحین، ج۳، ص۷۳، تحت رقم الترجمة ۱۱۲۸، حرف النون)

وقال ابن عثمان:

النعمان بن شبل الباهلی.بصری.عن أبی عوانة، ومالک .قال موسی بن هارون :کان متهما .وقال ابن حبان :یأتی بالطامات.وقال ابن عدی :حدثنا علی بن إسحاق، حدثنا محمد بن النعمان بن شبل، حدثنی أبی، حدثنی مالک، عن نافع، عن ابن عمر - مرفوعا :

من حج فلم یزرنی فقد جفانی.هذا موضوع (میزان الاعتدال، ج۴، ص۲۶۵، تحت رقم الترجمة ۹۰۹۵)

وقال برهان الدین الحلبی:

النعمان بن شبل الباهلی عن أبی عوانة ومالک قال الذهبی قال موسی بن هارون کان متهما وقال بن حبان یأتی بالطامات وقال بن عدی حدثنا علی بن إسحاق ثنا محمد بن النعمان بن شبل حدثنی جدی حدثنی مالک عن نافع عن بن عمر رضی اللہ عنهما مرفوعا من حج فلم یزرنی فقد جفانی هذا موضوع انتهی .

وقد ذکره بن الجوزی فی موضوعاته وأشرت إلیه فی ترجمة محمد بن محمد النعمان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کہ جس نے میری زیارت کی، تو میں اس کی شفاعت کروں گا، یا اس کا گواہ بنوں گا (مسند ابوداؤد طیالسی، بیہقی) [1]

اس حدیث کی سند میں بھی فی نفسہٖ ضعف پایا جاتا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ لأن الدارقطنی أتهمه به ولم يتهم به النعمان فأعلمه.
والظاهر من قول الذهبی عن موسى بن هارون أتهمه يعنى بالوضع ويرجح ذلک قول الدارقطنی الطعن فی هذا الحديث من محمد لا من النعمان والله أعلم (الكشف الحثيث عمن رمی بوضع الحديث، ج ا، ص ٢٦٧، تحت رقم الترجمة ٨٠٦)

[1] حدثنا أبو داود قال :حدثنا سوار بن ميمون أبو الجراح العبدى، قال :حدثنى رجل من آل عمر، عن عمر رضى الله عنه، قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :من زار قبرى أو قال :من زارنى كنت له شفيعا أو شهيدا ومن مات فى أحد الحرمين بعثه الله فى الآمنين يوم القيامة (مسند ابی داوٗد الطيالسی، رقم الحديث ٦٥)
أخبرنا أبو بكر بن فورک، أخبرنا عبد الله بن جعفر، حدثنا يونس بن حبيب، حدثنا أبو داود، حدثنا سوار بن ميمون أبو الجراح العبدى، حدثنى رجل من آل عمر، عن عمر، قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول " :من زار قبرى "أو قال " :من زارنى كنت له شفيعا أو شهيدا، ومن مات فى أحد الحرمين بعثه الله من الآمنين يوم القيامة (شعب الإيمان للبيهقى، رقم الحديث ٣٨٥٧)

[2] قال البيهقى:
أخبرنا أبو بكر بن فورک ,أنا عبد الله بن جعفر ,ثنا يونس بن حبيب ,ثنا أبو داود ,ثنا سوار بن ميمون أبو الجراح العبدى ,قال :حدثنى رجل من آل عمر ,عن عمر رضى الله عنه ,قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ,يقول " :من زار قبرى , "أو قال " :من زارنى ,كنت له شفيعا "أو "شهيدا ,ومن مات فى أحد الحرمين بعثه الله فى الآمنين يوم القيامة "هذا إسناد مجهول (السنن الكبرى للبيهقى، رقم الحديث ١٠٢٧٣)

وقال البوصيرى:
رواه أبو داود الطيالسى بسند ضعيف لجهالة التابعى، ورواه البزار بزيادة طويلة، ورواه البيهقى وقال :إسناد مجهول، وله شاهد من حديث سبيعة رواه أبو يعلى والطبرانى فى الكبير بسند صحيح (اتحاف الخيرة المهرة ،ج٣ص ٢٥٨،تحت رقم الحديث ٢٦٩١،باب فضل مسجد المدينة المشرفة والصلاة فيه وما جاء فى زيارة قبر سيدنا رسول الله قيل والأدب عند زيارته)

وقال ابن الملقن:
من زار قبرى -أو قال :من زارنى -كنت له شفيعا أو شهيدا، ومن مات فى أحد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی حدیث

اور حضرت حاطب کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث درجِ ذیل مفہوم کی مروی ہے کہ:

جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی، تو اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی (دارقطنی) [1]

اس حدیث کی سند میں بھی فی نفسہٖ ضعف پایا جاتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الحرمين بعثه الله فى الآمنين يوم القيامة .قال البيهقى :هذا إسناد مجهول .وقال المنذرى :فى إسناده نظر (البدرالمنير، ج٦ص٢٩٨، كتاب الحج، باب دخول مكة ومايتعلق به،الحديث السادس بعد التسعين)

قال الزبيدى:

وقال أبو داود الطيالسى فى مسنده حدثنا سوار بن ميمون أبو الجراح المعبرى قال حدثنى رجل من آل عمر عن عمر قال سمعت رسول الله -صلّى الله عليه وسلم -يقول من زارنى لا يهمه إلا زيارتى كنت له شفيعاً أو شهيداً ومن مات بأحد الحرمين بعثه الله من الآمنين فهذه ثلاثة أحاديث أوردها المصنف وفى الباب أحاديث أخر منها عن أنس رضى الله عنه قال لما خرج رسول الله -صلّى الله عليه وسلم -من مكة أظلم منها كل شىء ولما دخل المدينة أضاء منها كل شىء فقال رسول الله -صلّى الله عليه وسلم - المدينة بها قبرى وبها بيتى وتربتى وحق على كل مسلم زيارتها أخرجه أبو داود وعنه أيضاً من زارنى بالمدينة محتسباً كنت له شفيعا أو شهيداً يوم القيامة أخرجه البيهقى وابن الجوزى فى مثير العزم وأخرجه ابن أبى الدنيا فى كتاب القبور حدثنا سعيد بن عثمان الجرجانى حدثنا ابن أبى فديك أخبرنى أبو المثنى سليمان بن يزيد الكعبى عن أنس فساقه وسليمان ضعفه ابن حبان والدارقطنى (اتحاف السادة المتقين بشرح إحياء علوم الدين للزبيدى، ج٤ص٤١٦، كتاب الحج، الجملة العاشرة فى زيارة مسجد المدينة وآداب الزيارة)

[1] حدثنا أبو عبيد ،والقاضى أبو عبد الله ،وابن مخلد،قالوا :نا محمد بن الوليد البسرى ,نا وكيع، نا خالد بن أبى خالد ،وأبو عون عن الشعبى ، والأسود بن ميمون ، عن هارون بن أبى قزعة ،عن رجل من آل حاطب ،عن حاطب ،قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من زارنى بعد موتى فكأنما زارنى فى حياتى ،ومن مات بأحد الحرمين بعث من الآمنين يوم القيامة(سنن الدارقطنى، رقم الحديث ٢٦٩٤، شعب الايمان، رقم الحديث ٣٨٥٥)

کیونکہ اس میں ایک راوی مجہول ہے۔ [1]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث درجِ ذیل مفہوم کی مروی ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی تو وہ ایسا ہے، جیسا کہ اس نے میری حیات میں میری زیارت کی، اور جس نے میری زیارت کی، یہاں تک کہ وہ میری قبر تک پہنچ گیا تو میں قیامت کے دن اس

---

[1] قال البیهقی:

كذا وجدته فی كتابی، وقال غيره :سوار بن ميمون، وقيل ميمون بن سوار، ووكيع هو الذی يروی عنه أيضا، وفی تاريخ البخاری ميمون بن سوار العبدی، عن هارون أبی قزعة، عن رجل من ولد حاطب، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من مات فی احد الحرمين "، قال يوسف بن راشد :حدثنا وكيع، حدثنا ميمون(حواله بالا)

وقال ابن الملقن:

روى أنه -صلى الله عليه وسلم -قال :من زارنی بعد موتی فكأنما زارنی فی حياتی، ومن زار قبری فله الجنة .هذا الحديث مأخوذ من حديثين:

أحدهما :من حديث هارون أبی قزعة، عن رجل من آل حاطب، عن حاطب (قال) : قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-من زارنی بعد موتی فكأنما زارنی فی حياتی، ومن مات فی أحد الحرمين بعث من الآمنين يوم القيامة .(أخرجه الدارقطنی كذلك) ، وهذا الرجل مجهول كما (ترى) (البدرالمنير، ج۶ص۲۹۳، الیٰ ۲۹۹، کتاب الحج، باب دخول مكة ومايتعلق به،الحديث السادس بعد التسعين)

وقال الزبيدی:

وعن رجل من آل حاطب رفعه من زارنی متعمداً كان فی جواری يوم القيامة الحديث أخرجه البيهقی وهو مرسل والرجل المذكور مجهول وزاد عبد الواحد التميمی فی جواهر الكلام من زارنی إلى المدينة ورواه عن أنس وعن أبی هريرة مرفوعاً من جاء مسجدی هذا لم يأته إلا بخير يتعلمه أو يعلمه فهو بمنزلة المجاهد فی سبيل الله ومن جاء لغير ذلك فهو بمنزلة الرجل ينظر إلى متاع غيره أخرجه ابن أبی شيبة وابن ماجه والحاكم والبيهقی وعن ابن عباس من حج إلى مكة ثم قصدنی فی مسجدی كتب له حجتان مبرورتان أخرجه الديلمی (اتحاف السادة المتقين بشرح إحياء علوم الدين للزبيدی، ج۴ص۴۱۶،۴۱۷، کتاب الحج، الجملة العاشرة فی زيارة مسجد المدينة وآداب الزيارة)

کے لئے گواہ بنوں گا، یا یہ فرمایا کہ اس کی شفاعت کروں گا (ضعفاء الکبیر) [1]

اس حدیث کی سند کو محدثین نے شدید ضعیف اور بعض نے غیر محفوظ اور موضوع قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] فضالة بن سعيد بن زميل المأربى عن محمد بن يحيى المأربى ، وحديثه ، غير محفوظ ، ولا يعرف إلا به. حدثناه سعيد بن محمد الحضرمى ، حدثنا فضالة بن سعيد بن زميل المأربى ، حدثنا محمد بن يحيى المأربى ، عن ابن جريج ، عن عطاء ، عن ابن عباس قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من زارنى فى مماتى كان كمن زارنى فى حياتى ، ومن زارنى حتى ينتهى إلى قبرى كنت له شهيدا يوم القيامة أو قال : شفيعا وهذا يروى بغير هذا الإسناد من طريق أيضا فيه لين(الضعفاء الكبير للعقيلى، ج۳ص۴۵۷، رقم الحديث ۱۵۱۳)

[2] قال ابن الملقن:

قلت :(و) روى أيضا من حديث ابن عباس، رواه العقيلى فى تاريخ الضعفاء من حديث فضالة بن سعيد أبى زميل (المأربى) ، عن محمد بن يحيى (المأربى) ، عن ابن جريج، عن عطاء ، عن ابن عباس مرفوعا :من زارنى فى مماتى (فكان) كمن زارنى فى حياتى، ومن زارنى حتى ينتهى إلى قبرى كنت له يوم القيامة شهيدا -أو قال :شفيعا .قال العقيلى :فضالة بن سعيد عن محمد بن يحيى لا يتابع على حديثه، ولا يعرف إلا به .وفيه أيضا من حديث هارون بن قزعة عن رجل من آل الخطاب عن النبى -صلى الله عليه وسلم -قال :من زارنى (متعمدا) كان فى (جوارى) يوم القيامة .قال البخارى: (هارون) مدينى، لا يتابع عليه (البدر المنير، ج۶ص۲۹۳، الىٰ ۲۹۹، كتاب الحج، باب دخول مكة ومايتعلق به،الحديث السادس بعد التسعين)

وقال الحافظ العسقلانى:

فضالة بن سعيد بن زميل المازنى :عن محمد بن يحيى المازنى قال العقيلى :حديثه غير محفوظ حدثنا سعيد بن محمد الحضرمى حدثنا فضالة حدثنا محمد بن يحيى عن ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس رضى الله عنه مرفوعاً " :من زارنى فى مماتى كان كمن زارنى فى حياتى . "قلت :هذا موضوع على بن جريج ويروى فى هذا شىء أمثل من هذا انتهى وبقية كلام العقيلى ولا يعرف إلا به وكذا نقله بن عساكر عن العقيلى وقال أبو نعيم :روى المناكير لا شىء (لسان الميزان، ج۴، ص۴۳۵،۴۳۶،تحت رقم الترجمة ۱۳۳۰)

وقال الذهبى:

فضالة بن سعيد بن زميل المأربى. عن محمد بن يحيى المأربى. قال العقيلى :حديثه غير محفوظ، حدثناه سعيد بن محمد الحضرمى، حدثنا فضالة، حدثنا محمد بن يحيى، عن ابن جريج، عن عطاء ، عن ابن عباس -مرفوعا :من زارنى فى مماتى كان كمن زارنى فى حياتى. قلت :هذا موضوع على ابن جريج .ويروى فى هذا شء أمثل من هذا. (ميزان الاعتدال، تحت رقم الترجمة ۶۷۰۹، ج۳، ص۳۴۸، و ۳۴۹)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قبرِ نبوی پر آنے کی ایک روایت

تاریخ ابنِ عساکر میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ واقعہ مروی ہے کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جابیہ مقام میں داخل ہوئے، تو ان کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے شام میں آنے کی دعوت دی، جس کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام تشریف لے آئے، پھر اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، ان سے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قبر پر حاضری نہ دینے کی شکایت کی، جس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ قبرِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر تشریف لے گئے، اور اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ تشریف لے جا کر سحری میں اذان دی، تو اذان سن کر لوگوں کو رونا آ گیا، الخ۔ [1]

---

[1] أنبأنا أبو محمد بن الأكفاني نا عبد العزيز بن أحمد انا تمام بن محمد نا محمد بن سليمان نا محمد بن الفيض نا أبو إسحاق إبراهيم بن محمد بن سليمان بن بلال بن أبي الدرداء حدثني أبي محمد بن سليمان عن أبيه سليمان بن بلال عن أم الدرداء عن أبي الدرداء قال لما دخل عمر بن الخطاب الجابية سأل بلال أن يقدم الشام ففعل ذلك قال وأخي أبو رويحة الذي أخى بينه وبيني رسول الله (صلى الله عليه وسلم) فنزل داريا في خولان فأقبل هو وأخوه إلى قوم من خولان فقال لهم قد جئناكم خاطبين وقد كنا كافرين فهدانا الله ومملوكين فأعتقنا الله وفقيرين فأغنانا الله فأن تزوجونا فالحمد لله وأن تردونا فلا حول ولا قوة إلا بالله فزوجوهما ثم إن بلالا رأى في منامه النبي (صلى الله عليه وسلم) وهو يقول له (ما هذه الجفوة يا بلال أما ان لك أن تزورني يا بلال فانتبه حزينا وجلا خائفا فركب راحلته وقصد المدينة فأتى قبر النبي (صلى الله عليه وسلم) فجعل يبكي عنده ويمرغ وجهه عليه وأقبل الحسن والحسين فجعل يضمهما ويقبلهما فقالا له يا بلال نشتهي نسمع اذانك الذي كنت تؤذنه لرسول الله (صلى الله عليه وسلم) في السحر ففعل فعلا سطح المسجد فوقف موقفه الذي كان يقف فيه فلما أن قال (الله أكبر الله أكبر ارتجت المدينة فلما أن قال (أشهد أن لا إله إلا الله) زاد تعاجيجها فلما أن قال (أشهد أن محمدا رسول الله) خرج العواتق من خدورهن فقالوا أبعث رسول الله (صلى الله عليه وسلم) فما رئي يوم أكثر باكيا ولا باكية بعد رسول الله (صلى الله عليه وسلم) من ذلك اليوم (تاريخ دمشق لابن عساكر، ج٧، ص ١٣٦ و ١٣٧، تحت الترجمة: إبرهيم بن محمد بن سليمان بن بلال ابن أبي الدرداء الأنصاري)

مگر محدثین نے اس روایت اور واقعہ کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔

چنانچہ علامہ ذہبی نے اس روایت کی سند کو کمزور اور منکر قرار دیا۔ [1]

اور علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے اس واقعہ کو واضح طور پر منگھڑت قرار دیا۔ [2]

اور ابنِ عراق کنانی نے بھی اس واقعہ کو واضح منگھڑت قرار دیا ہے۔ [3]

اور امام عجلونی نے اس واقعہ کو بے اصل قرار دیا ہے۔ [4]

اور ملا علی قاری نے "الموضوعات الکبریٰ" اور "مرقاة المفاتيح" میں اور علامہ شوکانی نے "الفوائد المجموعه" میں اور علامہ محمد طاہر پٹنی نے "تذكرة الموضوعات" میں اور اس کے علاوہ دیگر اہلِ علم نے بھی مذکورہ واقعہ کی تردید فرمائی ہے۔ [5]

---

[1] إسناده لين، وهو منكر (سير أعلام النبلاء ، ج ا ،ص ٣٥٨،بلال بن رباح،مولى أبى بكر الصديق)

[2] إبراهيم بن محمد بن سليمان بن بلال بن أبى الدرداء .
فيه جهالة.حدث عنه محمد بن الفيض الغسانى .انتهى.
ترجم له ابن عساكر ثم ساق من روايته، عن أبيه، عن جده، عن أم الدرداء ، عن أبى الدرداء فى قصة رحيل بلال إلى الشام وفى قصة مجيئه إلى المدينة وأذانه بها وارتجاج المدينة بالبكاء لأجل ذلك وهى قصة بينة الوضع(لسان الميزان،لابن حجر العسقلانى ،ج ا ،ص ٣٥٩، تحت رقم الترجمة: ٢٩٤)

[3] إبراهيم بن محمد بن سليمان بن بلال بن أبى الدرداء ، ساق ابن عساكر له عن أبيه عن جده عن أم الدرداء قصة رحيل بلال إلى الشام ثم مجيئه إلى المدينة وأذانه بها وارتجاج المدينة بالبكاء ، وهى قصة بينة الوضع(تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة، لابن عراق الكنانى، ج ا ،ص ٢٤،حرف الهمزة)

[4] وفى "الذيل "أيضًا :أن قصة رحيل بلال ثم رجوعه إلى المدينة بعد رؤية النبى -عليه الصلاة والسلام -فى المنام وأذانه بها وارتجاج أهل المدينة له؛ لا أصل له .ولعل العلامة ابن حجر الهيثمى لم يطلع عليه حيث ذكره فى كتابه المصنف فى الزيارة المسمى "تحفة الزوار(كشف الخفاء ومزيل الإلباس، للعجلونى، ج٢، ص٥٠٦، خاتمة)

[5] وفى الذيل إن قصة رحيل بلال ثم رجوعه إلى المدينة بعد رؤيته عليه الصلاة والسلام فى المنام وأذانه بها وارتجاج أهل المدينة لا أصل له وهى بينة الوضع انتهى .
وكأن ابن حجر المكى ما اطلع عليه وذكره فى كتابه الموضوع للزيارة(الموضوعات الكبرى،للملا على القارى،ص ٤١٣،حرف النون)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس رسالہ کا خلاصہ

خلاصہ یہ کہ زیارتِ قبور کا احادیث میں حکم آیا ہے، اس قاعدہ وکلیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کی زیارت کرنا اور اس کے لیے سفر کا جائز ہونا بھی داخل ہے، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی۔

اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کی زیارت کی فضیلت مختلف احادیث وروایات میں مذکور ہے۔

جن میں سے اگرچہ بعض روایات سند کے لحاظ سے غیر صحیح، موضوع یا شدید ضعیف وکمزور ہیں، لیکن بعض روایات اتنی شدید ضعیف وکمزور نہیں ہیں، اور وہ روایات ایک دوسرے کی تائید کرنے کی وجہ سے صحیح یا کم از کم حسن ومقبول درجہ حاصل کرلیتی ہیں، اور ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کی زیارت کی فضیلت کے ثابت ہونے میں شبہ نہیں رہتا۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

أما حديث رحيل بلال، ثم رجوعه إلى المدينة بعد رؤيته -صلى الله عليه وسلم- في المنام وآذانه بها، وارتجاج المدينة به، فلا أصل له، وهي بينة الوضع ذكره السيوطي في الذيل(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۹، ص ۴۰۲۹، كتاب المناقب والفضائل، باب جامع المناقب)

قول أنس :في حكاية قصة رحيل بلال ثم رجوعه إلى المدينة بعد رؤيته صلى الله عليه وآله وسلم في المنام وأذانه بها وارتجاج المدينة. لا أصل له(الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة، للشوكاني، ص ۲۱، كتاب الصلاة)

قصة رحيل بلال ثم رجوعه إلى المدينة بعد رؤيته صلى الله عليه وسلم في المنام وأذانه بها وارتجاج المدينة به لا أصل له وهي بينة الوضع(تذكرة الموضوعات، لمحمد طاهر الفَتَّنِي، ص ۳۶، باب الأذان ومسح العينين فيه ونحوه)

قصة:رحيل سيدنا بلال -رضي الله عنه- إلى الشام، وأنه رجع بعد موته صلى الله عليه وسلم إلى المدينة بسبب رؤيته عليه السلام في المنام، وأذنه بها وارتجاج أهل المدينة لتذكرهم الأذان في حياة رسول الله صلى الله عليه وسلم، لا اصل له كما قاله القاري(أسنى المطالب في أحاديث مختلفة المراتب، لمحمد بن محمد درويش، ص ۳۴۷، باب في أمور اشتهرت بين الأنام وتناقلها الخاص والعام)

البتہ بعض روایات میں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت نہ کرنے کو ظلم وتعدی سے تعبیر کیا گیا ہے، اوران سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت نہ کرنے کا گناہ یا شدید ترین گناہ ہونا معلوم ہوتا ہے، اُن کی سند غیر معمولی ضعیف ہے۔

نیز فی نفسہٖ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کرنا باوجودیکہ انتہائی مبارک اور فضیلت والا عمل ہے، لیکن اس کا درجہ حج کے فرض کی طرح نہیں ہے، بلکہ جمہور اہلِ علم حضرات کے نزدیک سنت ومستحب درجہ کا عمل ہے۔ [1]

پس جولوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی حاضری کو حج کی طرح فرض یا ضروری سمجھتے ہیں، یا نعوذ باللہ تعالیٰ اس کو حج پر بھی ترجیح دیتے ہیں، یہ طرزِ عمل غلو اور حد سے تجاوز میں داخل ہے۔

اوراس کے برعکس جولوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضری کی فضیلت کا انکار کرتے ہیں، اوراس سے بڑھ کر نعوذ باللہ تعالیٰ اس کو بدعت خیال کرتے ہیں، یہ طرزِ عمل بھی اعتدال پر مبنی نہیں ہے، اور حق واعتدال ان دونوں طریقوں کے درمیان ہے، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضری سنت ومستحب درجہ کا عمل ہے، اور مدینہ منورہ حاضر ہونے والے کے لیے جس طرح مسجدِ نبوی کی زیارت کی نیت کرنا جائز ہے، اسی طرح قبرِ نبوی کی زیارت کی نیت کرنا بھی جائز ہے، البتہ دونوں کی نیت کرلینا ہمارے نزدیک زیادہ بہتر و افضل ہے، جس کی تفصیل پہلے ''شدِّ رحال اور زیارتِ قبور کی بحث'' میں ذکر کی جاچکی ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ .

---

[1] امدادُ الفتاویٰ میں ہے کہ:

ہے تو یہ مندوب، مگر اور مندوبات سے زیادہ متّہم بالشان، جس کو قربِ وجوب سے تعبیر کیا ہے، پس دونوں قول متطابق ہوگئے۔

لکن التطبیق بین الاول والثانی فبعید غایة البعد لأن بین کون الشیئ مندوبا ، وکونه واجبا او قریباً منه منافاة ظاهرة کما لا یخفیٰ، الا ان یؤول الواجب ویقال معناه انها واجبه من حیث الاخلاق لا من حیث الشرع .

(امداد الفتاویٰ، ج۲ص۱۶۹، کتاب الحج، مسائل منثورہ متعلقہ بالحج، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی)

(الرسالةُ العاشرة)

انبیاء وصلحاء کی برکت اوران کا توسّل

انبیاء وصلحاء کی برکت کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا، قرآن وسنت کے اصولوں سے اس کی بھی تائید ہوتی ہے، جس کی کچھ تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود، عذاب سے حفاظت کا باعث

سورہ انفال میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (سورة الأنفال، رقم الآية ٣٣)

ترجمہ: اور نہیں ہے اللہ کہ عذاب دے ان کو جبکہ آپ ان میں موجود ہوں، اور نہیں ہے اللہ عذاب دینے والا ان کو، جب کہ وہ استغفار کرنے والے ہوں (سورہ انفال)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود عذاب سے حفاظت کا ذریعہ ہے، جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی ذات کی برکات ہیں۔

حضرت عیسیٰ کے مبارک ہونے کا قرآن میں ذکر

سورہ مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق ارشاد ہے کہ:

وَجَعَلَنِيْ مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ (سورة مريم، رقم الآية ٣١)

ترجمہ: اور (اللہ نے) بنایا ہے مجھے مبارک، جہاں کہیں میں ہوں (سورہ مریم)

اس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا کسی جگہ موجود ہونے سے وہاں

برکت ہوتی ہے۔

مومنوں کی برکت سے عذاب سے حفاظت

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَمْ تَعْلَمُوْهُمْ أَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَاءُ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا (سورۃ الفتح، رقم الآیۃ ۲۵)

ترجمہ: اور اگر نہ ہوتے مومن مرد اور مومن عورتیں، جنہیں تم نہیں جانتے تھے کہ تم انہیں پامال کر دیتے، پھر ان کی طرف سے تم پر نادانستگی سے الزام آتا (تو تمہیں لڑنے سے نہ روکا جاتا) تاکہ اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہے داخل کرے اگر وہ ٹل گئے ہوتے تو ہم ان میں سے جو کافر ہیں انہیں دردناک عذاب دیتے (سورہ فتح)

اس سے معلوم ہوا کہ مومن مرد اور عورتوں کی برکت سے عذاب سے حفاظت ہوتی ہے، جس سے ایمان والوں کی برکت معلوم ہوئی۔

ایمان کی برکت سے آباءواجداد کے ساتھ الحاق

سورہ طور میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيْمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ. وَمَآ أَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (سورۃ الطور، رقم الآیۃ ۲۱)

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اور اتباع کی اُن کی، اُن کی اولاد نے ایمان کے ساتھ، ملا دیں گے ہم (جنت میں) اُن کے ساتھ اُن کی اولاد کو، اور نہیں کم کریں گے ہم ان کے لئے ان کے عمل میں سے کچھ بھی (سورہ طور)

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، فِيْ قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: "أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ"قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ ذُرِّيَّةَ الْمُؤْمِنِ مَعَهُ فِيْ دَرَجَتِهِ فِي الْجَنَّةِ، وَإِنْ كَانُوْا دُوْنَهُ فِي الْعَمَلِ، ثُمَّ قَرَأَ" وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيْمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ " يَقُوْلُ: وَمَا نَقَصْنَاهُمْ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے (سورہ طور میں مذکور) اللہ عزوجل کے اس قول کہ:

"أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ.وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ"

یعنی "ملادیں گے ہم (جنت میں) اُن کے ساتھ اُن کی اولاد کو، اورنہیں کم کریں گے ہم (آخر تک)"

کے بارے میں فرمایا کہ بے شک اللہ مومن کی اولاد کے درجہ کو بلند کرکے جنت میں اس کے ساتھ پہنچادے گا، اگرچہ اس مومن کی اولاد عمل میں اس مومن سے نیچے ہو، پھر حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے (سورہ طور کی) یہ آیت تلاوت فرمائی کہ:

"وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيْمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ.وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ"

یعنی "اور جو لوگ ایمان لاچکے ہیں اور اتباع کی اُن کی، اُن کی اولاد نے ایمان کے ساتھ، ملادیں گے ہم (جنت میں) اُن کے ساتھ اُن کی اولاد کو، اورنہیں کم

---

[1] رقم الحديث ٣٧٤٤، كتاب التفسير، تفسير سورة الطور.

قال الالبانی:

أخرجه هو (٥١/٢٧)والحاكم (٤٦٨/٢)من طرق عن الثورى عن عمرو بن مرة به موقوفا على ابن عباس، فهو صحيح الإسناد(سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ٢٤٩٠)

کریں گے ان کا درجہ“

یعنی اللہ فرماتا ہے کہ ہم ان میں کوئی کمی نہیں کریں گے (حاکم)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی مومن اور نیک ہونے کی وجہ سے جنت کا مستحق ہو، اور پھر اس کی پیروی کرتے ہوئے، اس کی اولاد بھی ایمان اور نیک عمل کا اہتمام کرنے کی وجہ سے جنت کی مستحق ہو، لیکن اولاد کے عمل میں کچھ کمزوری رہ جائے، تو اللہ تعالیٰ آخرت میں والدین کے ایمان اور اعمالِ صالحہ کی برکت سے اولاد کی کمی کو دور فرما کر، اس کے والدین کے ساتھ جنت میں معیت عطاء فرمادے گا، اور ان کے عمل و مرتبہ سے اولاد کو نوازنے کی وجہ سے ان کے درجہ یا اجر میں کوئی کمی نہ آئے گی۔

والد کے نیک ہونے کی برکت سے اولاد کے مال کی حفاظت

سورہ کہف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (سورة الكهف، رقم الآية ۸۲)

ترجمہ: اور رہی وہ دیوار، تو وہ تھی دو یتیم لڑکوں کی شہر میں، اور تھا اس کے نیچے خزانہ ان دونوں کا، اور تھا ان دونوں کا والد نیک صالح، پس چاہا آپ کے رب نے کہ پہنچ جائیں وہ دونوں (لڑکے) جوانی کو، اور نکال لیں اپنے خزانہ کو، آپ کے رب کی طرف سے رحمت کی وجہ سے (سورہ کہف)

مذکورہ واقعہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا ہے، جب وہ ایک شہر میں گئے تھے، شہر والوں نے ان کی ضیافت واکرام سے انکار کردیا تھا، اور حضرت خضر نے وہاں ایک ایسی دیوار کو جو گرنے کے قریب تھی، اللہ کے حکم سے سیدھا کردیا تھا، اور اس پر کوئی جائز اجر

ومعاوضہ بھی نہیں لیا تھا، جس سے اس وقت اپنی بھوک و پیاس کی ضرورت پوری کرسکیں۔

اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بطور تعجب فرمایا تھا:

"لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا"

"اگر آپ چاہتے، تو لے لیتے اس پر اجرت"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس تعجب کے جواب میں حضرت خضر علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا، اس کا مذکورہ آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یتیم بچوں کے لئے مدفون خزانے کی حفاظت کا سامان بذریعہ حضرت خضر اس لئے کرایا گیا تھا کہ ان یتیم بچوں کا والد نیک صالح تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے نیک صالح ہونے کا فائدہ اس کی اولاد کو پہنچایا، جس سے معلوم ہوا کہ انسان کے نیک صالح ہونے کی برکت اس کی آل واولاد کو بھی پہنچتی ہے۔ [1]

"وادِیِ سُرر" سے متعلق حدیث

حضرت عمران انصاری سے روایت ہے کہ:

---

[1] وأيا ما كان ففي الآية دلالة على أن صلاح الآباء يفيد العناية بالأبناء،وأخرج ابن أبي شيبة وأحمد في الزهد وابن أبي حاتم عن خيثمة قال: قال عيسى عليه السلام طوبى لذرية المؤمن ثم طوبى لهم كيف يحفظون من بعده وتلا خيثمة هذه الآية.

وأخرج عبد بن حميد وابن المنذر عن وهب قال: إن الله تعالى ليحفظ بالعبد الصالح القبيل من الناس(تفسير روح المعاني للآلوسي، ج٨ص ٣٣٦، سورة الكهف)

ففيه ما يدل على أن الله تعالى يحفظ الصالح في نفسه وفي ولده وإن بعدوا عنه .وقد روى أن الله تعالى يحفظ الصالح في سبعة من ذريته ، وعلى هذا يدل قوله تعالى: "إن وليي الله الذي نزل الكتاب وهو يتولى الصالحين "(تفسير القرطبي، ج ١١ ص٣٨، ٣٩، سورة الكهف)

وقوله: وكان أبوهما صالحا فيه دليل على أن الرجل الصالح يحفظ في ذريته وتشمل بركة عبادته لهم في الدنيا والآخرة بشفاعته فيهم، ورفع درجتهم إلى أعلى درجة في الجنة، لتقر عينه بهم، كما جاء في القرآن ووردت به السنة .قال سعيد بن جبير عن ابن عباس: حفظا بصلاح أبيهما، ولم يذكر لهما صلاحا، وتقدم أنه كان الأب السابق، فالله أعلم(تفسير ابنِ كثير، ج٥ص١٦٨، سورة الكهف)

عَدَلَ إِلَيَّ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَأَنَا نَازِلٌ تَحْتَ سَرْحَةٍ بِطَرِيْقِ مَكَّةَ ، فَقَالَ: مَا أَنْزَلَكَ تَحْتَ هٰذِهِ السَّرْحَةِ؟ فَقُلْتُ: أَرَدْتُ ظِلَّهَا ،فَقَالَ: هَلْ غَيْرُ ذٰلِكَ؟ قُلْتُ: لَا، مَا أَنْزَلَنِيْ غَيْرُ ذٰلِكَ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا كُنْتَ بَيْنَ الْأَخْشَبَيْنِ مِنْ مِنًى وَنَفَحَ بِيَدِهٖ نَحْوَ الْمَشْرِقِ ،فَإِنَّ هُنَاكَ وَادِياً يُقَالُ لَهُ السُّرَرَ، فَإِنَّ هُنَاكَ سَرْحَةً سُرَّ تَحْتَهَا سَبْعُوْنَ نَبِيًّا (موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، رقم الحديث ۱۰۲۹، كتاب الحج، باب في وادي السرر) [1]

ترجمہ: میرے پاس حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، اور میں مکہ کے راستہ میں ایک بڑے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا، انہوں نے مجھے فرمایا کہ آپ اس درخت کے نیچے کیوں بیٹھے ہو؟ میں نے کہا کہ اس سے سایہ حاصل کرنے کے لیے بیٹھا ہوں، تو انہوں نے فرمایا کہ کیا اس کے علاوہ بھی آپ کا کوئی مقصد ہے؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، میں اس کے علاوہ کسی اور مقصد سے نہیں بیٹھا، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب آپ منیٰ کی دو شاخوں کے درمیان ہوں، اور آپ نے اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ وہاں ایک وادی ہے کہ جس کو ''سُـــــرَر'' کہا جاتا ہے، وہاں ایک بڑا سایہ دار درخت ہے، جس کے نیچے ستر نبیوں نے آرام فرمایا (موارد الظمآن)

---

[1] قال حسين سليم اسد الداراني: إسناده حسن، محمد بن عمران الأنصاري بسطنا القول فيه عند الحديث (5723) في مسند الموصلي، وأبو عمران الأنصاري ما رأيت فيه جرحاً، وصحح حديثه ابن حبان، وقال مسلمة بن قاسم" :لا بأس به."
والحديث في الإحسان 47 /8برقم (6211)، وقد تحرفت فيه "بن حلحلة "إلى "عن حلحلة."
وأخرجه أبو يعلى -مختصراً -في المسند 87 /10برقم (5723) من طريق الحسن بن حماد الكوفي، حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن عبد الله بن ذكوان، عن ابن عمر ...وهناك استوفيت تخريجه .وانظر جامع الأصول .293 /9(حاشية موارد الظمآن)

مذکورہ حدیث میں بعض حضرات نے تو اس درخت کے نیچے ستّر نبیوں کے آرام کرنے کے معنیٰ بیان کیے ہیں، اور بعض نے ستّر نبیوں کے اس درخت کے نیچے وِلادت ہونے کے معنیٰ بیان کیے ہیں، اور بعض نے اس درخت کے نیچے ستّر نبیوں کو نبوت کی بشارت ہونے کے معنیٰ بیان کیے ہیں۔

جبکہ بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اس درخت کے نیچے، ایک نبی نے آرام کیا، اور وہاں دعاء کی، تو اس کی دعاء اللہ نے قبول فرمائی۔ [1]

بہرحال اس حدیث سے نبی اور نیک لوگوں کی آرام گاہ، جائے ولادت اور نزولِ وحی والی جگہ کا مبارک ہونا اور انبیاء وصالحین کے متبرک آثار سے برکت کا حاصل کرنا معلوم ہوا۔ [2]

---

[1] أخبرنا عبد الرزاق، عن معمر، عن زيد بن أسلم، قال: كان رجل من الأنصار مستظلا تحت سرحة، فمر عمر رضى الله عنه فسلم عليه، وقال: أتدرى لما يستحب ظل السرح؟ ، قال: نعم، قال: لم؟ ، قال: لأنه بارد ظلها، ولا شوک فيها، قال: ولغير ذلک، أرأيت إذا كنت بين المأزمين دون منى، فإن من هنالک إلى مطلع الشمس مكان السرر – أو قال: مسجد السرر – سر فيه سبعون نبيا، فاستظل نبى منهم تحت سرحة، دعا فاستجاب له، ودعا لها فكفى كما رأيت، لا يعتل كما يعتل السحر (جامع معمر بن راشد، رقم الحديث ٢٠٩٧٥)

[2] (فإن هناک واديا يقال له: السرر) بضم السين وكسرها (به شجرة سر تحتها سبعون نبيا) أى ولدوا تحتها، فقطع سرهم، بالضم، وهو ما تقطعه القابلة من سرة الصبى، كما فى النهاية وغيرها، فقول السيوطى: أى قمعت سرتهم إذ ولدوا تحتها، مجاز، سمى السر سرة لعلاقة المجاورة، وقال مالک: بشروا تحتها بما يسرهم، قال ابن حبيب: فهو من السرور، أى تنبئوا تحتها واحدا بعد واحد، فسروا بذلک وبه أقول، وفيه التبرک بمواضع النبيين(شرح الزرقانى على المؤطا، ج٢ص ١٠٦، كتاب الحج، باب جامع الحج)

وقوله سر تحتها سبعون نبيا قيل هو من السرور أى بشروا بالنبوئة وقيل ولدوا تحتها وقطعت سررهم والسر بكسر السين وضمها ما تقطعه القابلة من المولود عند الولادة من المشيمة فيبين وأحدها سر بالكسر وما بقى من أصلها فى الجوف فهو السرة وتسمية الوادى بما تقدم يعضد هذا التأويل وقال الكسائى قطع سره وسرره بالضم فيهما ولا يقال قطعت سرته وذكره ثعلب فى نوادره سر بالكسر لا غير وقوله فما كان يكلمه إلا كأخى السرار هى النجوى والكلام المستتر به ومنه قرائة السر فى الصلاة والتسرى فى النكاح لأنه من التسرر وأصله من السر وهو الجماع ويقال له الاستسرار أيضا ومنه السرية من التسرى والسرارى جمع سرية بتشديد الراء والياء وضم السين

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت اویس قرنی کا حدیث میں ذکر

حضرت اسیر بن جابر سے روایت ہے کہ:

كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِذَا أَتٰى عَلَيْهِ أَمْدَادُ أَهْلِ الْيَمَنِ، سَأَلَهُمْ أَفِيْكُمْ أُوَيْسُ بْنُ عَامِرٍ؟ حَتّٰى أَتٰى عَلٰى أُوَيْسٍ فَقَالَ: أَنْتَ أُوَيْسُ بْنُ عَامِرٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: مِنْ مُرَادٍ ثُمَّ مِنْ قَرَنٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَكَانَ بِكَ بَرَصٌ فَبَرَأْتَ مِنْهُ إِلَّا مَوْضِعَ دِرْهَمٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: لَكَ وَالِدَةٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: يَأْتِي عَلَيْكُمْ أُوَيْسُ بْنُ عَامِرٍ مَعَ أَمْدَادِ أَهْلِ الْيَمَنِ، مِنْ مُرَادٍ، ثُمَّ مِنْ قَرَنٍ، كَانَ بِهٖ بَرَصٌ فَبَرَأَ مِنْهُ إِلَّا مَوْضِعَ دِرْهَمٍ، لَهٗ وَالِدَةٌ هُوَ بِهَا بَرٌّ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهٗ، فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ يَّسْتَغْفِرَ لَكَ فَافْعَلْ فَاسْتَغْفِرْ لِيْ، فَاسْتَغْفَرَ لَهٗ، فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ: أَيْنَ تُرِيْدُ؟ قَالَ: اَلْكُوْفَةَ، قَالَ: أَلَا أَكْتُبُ لَكَ إِلٰى عَامِلِهَا؟ قَالَ: أَكُوْنُ فِيْ غَبْرَاءِ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَيَّ، قَالَ: فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ حَجَّ رَجُلٌ مِنْ أَشْرَافِهِمْ، فَوَافَقَ عُمَرَ، فَسَأَلَهٗ عَنْ أُوَيْسٍ، قَالَ: تَرَكْتُهٗ رَثَّ الْبَيْتِ، قَلِيْلَ الْمَتَاعِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ: يَأْتِيْ عَلَيْكُمْ أُوَيْسُ بْنُ عَامِرٍ مَعَ أَمْدَادِ أَهْلِ الْيَمَنِ مِنْ مُرَادٍ، ثُمَّ مِنْ قَرَنٍ، كَانَ بِهٖ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وفی حدیث مانع الزكاة فی الإبل تأتی كاسر ما كانت أی أسمنه كما جاء فی الرواية الأخرى قال الفراء السر من كل شیء الخالص وقال ثعلب السر بالضم السرور(مشارق الانوار علیٰ صحاح الآثار، ج۲ص ۲۱۲، ۲۱۳، حرف السين، فصل الاختلاف والوهم، مادة "س ر ر")

هذا الحديث دليل على التبرك بمواضع الأنبياء والصالحين ومساكنهم وآثارهم وإلى هذا قصد بن عمر بحديثه هذا والله أعلم(الاستذكار، ليوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمرى القرطبی، ج۴،ص۴۰۷،باب جامع الحج)

بَرَصٌ فَبَرَأَ مِنهُ، إِلَّا مَوْضِعَ دِرْهَمٍ لَهُ وَالِدَةٌ هُوَ بِهَا بَرٌّ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ، فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لَكَ فَافْعَلْ فَأْتَى أُوَيْسًا فَقَالَ: اِسْتَغْفِرْ لِي، قَالَ: أَنْتَ أَحْدَثُ عَهْدًا بِسَفَرٍ صَالِحٍ، فَاسْتَغْفِرْ لِي، قَالَ: اِسْتَغْفِرْ لِي، قَالَ: أَنْتَ أَحْدَثُ عَهْدًا بِسَفَرٍ صَالِحٍ، فَاسْتَغْفِرْ لِي، قَالَ: لَقِيتَ عُمَرَ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَاسْتَغْفَرَ لَهُ، فَفَطِنَ لَهُ النَّاسُ، فَانْطَلَقَ عَلَى وَجْهِهِ، قَالَ أُسَيْرٌ: وَكَسَوْتُهُ بُرْدَةً، فَكَانَ كُلَّمَا رَآهُ إِنْسَانٌ قَالَ: مِنْ أَيْنَ لِأُوَيْسٍ هٰذِهِ الْبُرْدَةُ (صحیح مسلم) [1]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس جب بھی یمن سے کوئی جماعت آتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے پوچھتے کہ کیا تم میں کوئی اویس بن عامر (یعنی حضرت اویس قرنی) ہے، یہاں تک کہ ایک جماعت میں حضرت اویس (قرنی) آگئے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا آپ اویس بن عامر ہیں؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ جی ہاں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا آپ قبیلۂ مراد کی شاخ قرن سے تعلق رکھتے ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ جی ہاں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا آپ کو برص کی بیماری تھی، جو کہ ایک درہم جگہ کے علاوہ ساری ٹھیک ہوگئی انہوں نے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا آپ کی والدہ حیات ہیں، انہوں نے جواب میں کہا کہ جی ہاں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ تمہارے پاس اویس بن عامر یمن کی ایک جماعت کے ساتھ آئیں گے، جو کہ قبیلۂ مراد اور علاقہ قرن سے ہوں گے، ان کو برص کی بیماری ہوگی، پھر ایک درہم جگہ کے علاوہ صحیح ہوجائے گی، ان کی

---

[1] رقم الحدیث ۲۵۴۲ "۲۲۵" کتاب فضائل الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم، باب من فضائل أویس القرنی رضی الله عنه.

والدہ ہوگی، اور وہ اپنی والدہ کے نہایت فرمانبردار ہوں گے، اگر وہ اللہ پر قسم کھالیں، تو اللہ ان کی قسم پوری فرمادے گا، اگر تم سے ہوسکے تو ان سے اپنے لئے دعائے مغفرت کروانا، تو آپ میرے لیے مغفرت کی دعا فرمادیں، حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے مغفرت کی دعاء کردی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب آپ کہاں جانا چاہتے ہیں؟ حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ کوفہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں وہاں کے حکمرانوں کو لکھ دوں (کہ یہ حضرت اویس قرنی ہیں، جو نیک صالح بزرگ ہیں) حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے مسکین لوگوں میں رہنا زیادہ پسند ہے، پھر جب آئندہ سال آیا تو حضرت اویس کے قبیلہ وعلاقہ کے بڑے لوگوں میں سے ایک آدمی حج کے لئے آیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں پوچھا، تو اس آدمی نے کہا کہ میں حضرت اویس کو ایسی حالت میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ ان کا گھر ٹوٹا پھوٹا اور ان کے پاس نہایت کم سامان تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ تمہارے پاس یمن کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت اویس بن عامر آئیں گے، جو کہ قبیلہ مراد اور علاقہ قرن سے ہوں گے، ان کو برص کی بیماری ہوگی، جس سے سوائے ایک درہم کی جگہ کے ٹھیک ہو جائیں گے، ان کی والدہ ہوں گی، وہ اپنی والدہ کے فرمانبردار ہوں گے، اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھالیں، تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری فرمادے، اگر آپ سے ہوسکے تو ان سے اپنے لئے مغفرت کی دعاء کروانا، تو اس آدمی نے واپس جا کر اسی طرح کیا کہ حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور ان سے کہا کہ میرے لئے مغفرت کی دعاء کردیں،

حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم ایک نیک سفر سے واپس آئے ہو، تم میرے لئے مغفرت کی دعا کرو، اس آدمی نے کہا کہ آپ میرے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں، حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ نے پھر فرمایا کہ تم ایک نیک سفر سے واپس آئے ہو، تم میرے لیے مغفرت کی دعاء کرو۔

حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ نے اس آدمی سے پوچھا کہ کیا تم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملے تھے؟ اس آدمی نے کہا کہ ہاں، تو پھر حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ نے اس آدمی کے لئے مغفرت کی دعاء کر دی، اس طرح لوگ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام سمجھ گئے تب آپ وہاں سے نکل کھڑے ہوئے (یعنی غائب ہو گئے)

راوی اسیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت اویس کو ایک چادر اوڑھا دی تھی تو جب بھی کوئی آدمی حضرت اویس کو دیکھتا تو کہتا کہ حضرت اویس کے پاس یہ چادر کہاں سے آ گئی؟ (مسلم)

یعنی حضرت اویس بن عامر نیک صالح بزرگ تھے، جن کے پاس اوڑھنے کے لیے کوئی نئی یا قیمتی چادر بھی نہیں تھی، اور لوگ ان کے مقام کو پہچانتے نہیں تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ ان کے مقام ومرتبہ کا بتلایا گیا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے بارے میں بتلایا تھا، اور مغفرت کی دعاء کرانے کا بھی حکم فرمایا تھا، وہ اتنے بڑے بزرگ تھے کہ اگر وہ اللہ کا نام لے کر کوئی کام وغیرہ کرنے کی قسم اٹھالیں، تو اللہ اس قسم کو ضرور پوری فرمائے۔

اس سے نیک لوگوں کی فضیلت وبرکت اور ان کے آثار مثلاً دعاؤں کے ذریعہ تبرک حاصل کرنا معلوم ہوا۔

اللہ کے بعض نیک بندوں کے قسم کھا لینے کی اہمیت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ الرُّبَيِّعَ وَهِيَ ابْنَةُ النَّضْرِ كَسَرَتْ ثَنِيَّةَ جَارِيَةٍ، فَطَلَبُوا الْأَرْشَ، وَطَلَبُوا الْعَفْوَ، فَأَبَوْا، فَأَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَرَهُمْ بِالْقِصَاصِ، فَقَالَ أَنَسُ بْنُ النَّضْرِ: أَتُكْسَرُ ثَنِيَّةُ الرُّبَيِّعِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، لَا وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، لَا تُكْسَرُ ثَنِيَّتُهَا، فَقَالَ: يَا أَنَسُ كِتَابُ اللّٰهِ الْقِصَاصُ، فَرَضِيَ الْقَوْمُ وَعَفَوْا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ (صحيح بخاری) [1]

ترجمہ: ربیع بنت نضر نے ایک بچی (یا باندی) کے دانت توڑ ڈالے تو اس کے آدمیوں نے اس سے دیت مانگی اور ربیع کے لوگوں نے معافی چاہی، لیکن وہ نہ مانے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قصاص کا حکم دیا، تو انس بن نضر نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ربیع کے دانت توڑے جائیں گے، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اس کے دانت نہیں توڑے جائیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے انس! کتاب اللہ تو قصاص کا حکم دیتی ہے پھر وہ لوگ راضی ہوگئے اور معاف کردیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر اللہ کے بھروسہ پر قسم کھالیں تو اللہ اس کو پورا کردیتا ہے (بخاری)

اس حدیث سے بعض بندوں کے اللہ سے تعلق کی برکت معلوم ہوئی، اس طرح کی فضیلت حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ کے بارے میں بھی گزرچکی، اور کئی دوسری احادیث میں بھی اس

---

[1] رقم الحديث ٢٧٠٣، كتاب الصلح، باب الصلح فى الدية.

فضیلت کا ذکر آیا ہے۔

حضرت حارثہ بن وھب خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعۡتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ یَقُوۡلُ: أَلاَ أُخۡبِرُکُمۡ بِأَھۡلِ الۡجَنَّۃِ؟ کُلُّ ضَعِیۡفٍ مُتَضَعِّفٍ، لَوۡ أَقۡسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَأَبَرَّہٗ، أَلاَ أُخۡبِرُکُمۡ بِأَھۡلِ النَّارِ: کُلُّ عُتُلٍّ، جَوَّاظٍ مُسۡتَکۡبِرٍ (صحیح البخاری) [1]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں اہلِ جنت کی خبر نہ دوں؟ ہر وہ شخص جو کمزور اور (دوسروں کی نظروں میں) بے وقعت و بے حیثیت ہو (اس کا اللہ کے نزدیک اتنا بڑا مقام ہے کہ وہ) اگر اللہ پر قسم کھالے تو اللہ ضرور اس کو پورا کرے، کیا میں تمہیں اہلِ جہنم کی خبر نہ دے دوں؟ ہر وہ شخص جو کہ بداخلاق ہو، اِترانے والا اور تکبر کرنے والا ہو (بخاری)

کمزور سے مراد وہ شخص ہے، جو متواضع اور عاجزی اختیار کرنے والا ہو، اور دوسروں سے مغلوب سے مراد وہ شخص ہے کہ جس پر دوسرے لوگ اپنا زور چلاتے ہوں، اور اس کو کمزور وحقیر سمجھتے ہوں۔

جیسا کہ کئی دوسری روایات میں اس کی وضاحت آئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ، قَالَ: رُبَّ أَشۡعَثَ مَدۡفُوۡعٍ بِالۡأَبۡوَابِ، لَوۡ أَقۡسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَأَبَرَّہٗ (صحیح مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت سے پراگندہ بال والے ایسے لوگ ہیں کہ جن کو دروازوں پر سے دھتکار دیا جاتا ہے، اگر وہ اللہ پر قسم کھالیں تو

---

[1] رقم الحدیث ۴۹۱۸، کتاب تفسیر القرآن، باب عتل بعد ذلک زنیم.

[2] رقم الحدیث ۲۸۵۴ "۴۸" کتاب الجنة وصفة نعیمها وأهلها، باب النار یدخلها الجبارون والجنة یدخلها الضعفاء.

اللہ ضرور ان کی قسم پوری فرمادے (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ وَأَهْلِ الْجَنَّةِ؟ أَمَّا أَهْلُ الْجَنَّةِ، فَكُلُّ ضَعِيفٍ مُتَضَعِّفٍ، أَشْعَثَ ذِي طِمْرَيْنِ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ، وَأَمَّا أَهْلُ النَّارِ، فَكُلُّ جَعْظَرِيٍّ جَوَّاظٍ، جَمَّاعٍ مَنَّاعٍ، ذِي تَبَعٍ (مسند احمد، رقم الحديث ١٢٤٧٦) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں اہل جہنم اور اہل جنت کے بارے میں نہ بتادوں؟ جنتی تو ہر کمزور، دوسروں سے مغلوب، پراگندہ حال اور فقر وفاقہ کا شکار شخص ہے، جو اگر اللہ کے نام پر قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم کو ضرور پورا کرے اور جہنمی ہر وہ بد اخلاق، متکبر، مال کو جمع کرنے والا اور دوسروں کو نہ دینے والا صاحبِ منصب ومرتبہ شخص ہے (مسند احمد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَمْ مِنْ أَشْعَثَ أَغْبَرَ ذِي طِمْرَيْنِ لَا يُؤْبَهُ لَهُ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ مِنْهُمُ الْبَرَاءُ بْنُ مَالِكٍ

(سنن الترمذی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت سے غبار آلود بالوں والے، اور پرانے کپڑے والے ایسے ہیں جن کی طرف کوئی توجہ بھی نہیں کرتا، لیکن اگر وہ کسی چیز پر اللہ کی قسم کھالیں، تو اللہ ان کی قسم کو سچا کردے انہی میں سے حضرت براء بن مالک بھی ہیں (ترمذی)

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره، وهذا إسناد ضعيف (حاشية مسند احمد)

[2] رقم الحديث ٣٨٥٤، ابواب المناقب، باب مناقب البراء بن مالک رضی الله عنه. قال الترمذی: هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه.

مذکورہ احادیث سے نیک اور متواضع لوگوں کی فضیلت وبرکت معلوم ہوئی۔

ضعفاء کی برکت سے رزق اور نصرت کا حصول

حضرت سعید بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَهَلْ تُرْزَقُوْنَ وَتُنْصَرُوْنَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ (مسند أحمد، رقم الحديث ۱۴۹۳) [1]

ترجمہ: تم کو جو رزق دیا جاتا ہے، اور تمہاری جو مدد کی جاتی ہے، وہ تمہارے ضعفاء اور کمزوروں ہی کے طفیل ہوتی ہے (مسند احمد)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اِبْغُوْنِيْ ضُعَفَاءَ كُمْ، فَإِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ وَتُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَائِكُمْ (سنن الترمذی) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے اپنے ضعیفوں میں تلاش کرو کیونکہ تم کو جو رزق دیا جاتا ہے، اور تمہاری جو مدد کی جاتی ہے، وہ تمہارے ضعفاء اور کمزوروں ہی کی برکت سے ہوتی ہے (ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ تم میری رضا کو اپنے کمزوروں میں تلاش کرو، کیونکہ ان کی برکت سے رزق کا حصول اور مصائب میں اعانت کی جاتی ہے۔ [3]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حسن لغيره، وهذا إسناد ضعيف (حاشية مسند احمد)

[2] رقم الحديث ۱۷۰۲، ابواب الجهاد، باب ما جاء فی الاستفتاح بصعاليک المسلمين.
قال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح.

[3] قال" :(ابغونی ") : بهمزة قطع مفتوحة، وفی بعض النسخ بهمزة وصل مكسورة أی : اطلبوا رضائی ("فی ضعفائكم ") أی :فقرائكم بالإحسان إليهم من أغنيائكم بالمساعدة لديهم (" فإنما ترزقون ") أی :رزقا حسيا أو معنويا (- "أو تنصرون " -) أی :على الأعداء الظاهرة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ احادیث سے کمزوروں کی فضیلت وبرکت معلوم ہوئی۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

إِنَّمَا يَنْصُرُ اللّٰهُ هٰذِهِ الْأُمَّةَ بِضَعِيفِهَا، بِدَعْوَتِهِمْ وَصَلَاتِهِمْ وَإِخْلَاصِهِمْ

(سنن النسائی، رقم الحدیث ۳۱۷۸، کتاب الجهاد، الاستنصار بالضعيف)

ترجمہ: بس اس امت کی مدد کی جائے گی، ان کے ضعیفوں کی دعاؤں، اوران کی نمازوں اوران کے اخلاص کی برکت سے (نسائی)

اس حدیث سے کمزوروں، نیکوکاروں کی دعاؤں اوران کی نماز اوراخلاص کی برکت معلوم ہوئی۔

حضرت ضریر کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے دعاء کرنا

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا ضَرِيرًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، أُدْعُ اللّٰهَ أَنْ يُعَافِيَنِيْ، فَقَالَ: إِنْ شِئْتَ أَخَّرْتُ ذٰلِكَ، فَهُوَ أَفْضَلُ لِآخِرَتِكَ، وَإِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ لَكَ، قَالَ: لَا بَلْ أُدْعُ اللّٰهَ لِيْ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ، وَأَنْ يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ، وَأَنْ يَدْعُوَ بِهٰذَا الدُّعَاءِ: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ إِنِّيْ أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلٰى رَبِّيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهٖ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والباطنة، وأو للتنويع، ويؤيده رواية الواو، ويحتمل أن تكون أو للشك من الراوى "بضعفائكم أى :ببركة وجودهم وإحسانهم، إذ منهم الأقطاب والأوتاد، وبهم نظام البلاد والعباد ."

قال ابن الملك :يعنى اطلبوا إلى حفظ حقوقهم وجبر قلوبهم، فإنى معهم بالصورة فى بعض الأوقات وبالقلب فى جميعها لا أعلم من شرفهم وعظيم منزلتهم عند الله، فمن أكرمهم فقد أكرمنى، ومن آذاهم فقد آذانى انتهى (مرقاة المفاتيح، ج۸، ص ۳۲۸۴، كتاب الرقاق، باب فضل الفقراء وما كان من عيش النبى صلى الله عليه وسلم)

فَتَقْضِيُ، وَتُشَفِّعُنِيْ فِيْهِ، وَتُشَفِّعُهُ فِيَّ، قَالَ: فَكَانَ يَقُوْلُ هٰذَا مِرَارًا، ثُمَّ قَالَ بَعْدُ: أَحْسِبُ أَنَّ فِيْهَا: أَنْ تُشَفِّعَنِيْ فِيْهِ، قَالَ: فَفَعَلَ الرَّجُلُ، فَبَرَأَ

(مسند احمد، رقم الحديث ۱۷۲۴۱) [1]

ترجمہ: ایک نابینا آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اللہ سے دعاء کر دیجئے کہ وہ مجھے عافیت عطاء فرمائے (میری آنکھوں کی بینائی لوٹا دے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم چاہو تو میں تمہارے حق میں دعاء کر دوں اور چاہو تو اسے آخرت کے لئے مؤخر کر دوں جو تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے؟ اس نابینا شخص نے کہا کہ آپ میری شفایابی کے لیے اللہ سے دعاء کر دیجئے، تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ وضو کر کے دو رکعت (نفل) نماز پڑھیں، اور پھر یہ دعاء کریں کہ اے اللہ! میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ نبی الرحمۃ ہیں کی برکت سے آپ سے سوال کرتا اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد! میں آپ کے طفیل و برکت سے اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں اور اپنی یہ ضرورت پیش کرتا ہوں، تاکہ آپ میری یہ ضرورت پوری کر دیں، اور میرے اس معاملہ میں میری سفارش فرمائیں، اور سفارش کریں اس کی (بینائی کی) میرے لیے، اس آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے مذکورہ طریقہ کے مطابق بار بار دعاء کی، اور اس کو صحت یابی حاصل ہوگئی (یعنی اس کی بینائی لوٹ آئی) (مسند احمد)

اس حدیث سے نبی کی برکت وطفیل سے دعا کرنا معلوم ہوا۔

ملحوظ رہے کہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے اس طرح کی ایک روایت، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تفصیلی واقعہ کے ساتھ بھی

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح: هو مكرر سابقه، إلا أن شيخ أحمد فی هذه الرواية هو روح: وهو ابن عبادة (حاشية مسند احمد)

مروی ہے، جس کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے، اور اس کو صحیح بھی قرار دیا ہے۔ [1]
لیکن بعض اہلِ علم حضرات نے وفاتِ نبوی کے بعد کے مذکورہ واقعہ کی اس روایت کی سند پر کلام کیا ہے۔ [2]

---

[1] حدثنا طاهر بن عيسى بن قيرس المقرى المصرى التميمى، حدثنا أصبغ بن الفرج، حدثنا عبد الله بن وهب، عن شبيب بن سعيد المكى، عن روح بن القاسم، عن أبى جعفر الخطمى المدنى، عن أبى أمامة بن سهل بن حنيف، عن عمه عثمان بن حنيف "أن رجلا كان يختلف إلى عثمان بن عفان رضى الله عنه فى حاجة له ,فكان عثمان لا يلتفت إليه ,ولا ينظر فى حاجته ,فلقى عثمان بن حنيف ,فشكا ذلك إليه ,فقال له عثمان بن حنيف :ائت الميضأة فتوضأ ,ثم ائت المسجد فصل فيه ركعتين ,ثم قل: اللهم ,إنى أسألك وأتوجه إليك بنبينا محمد صلى الله عليه وآله وسلم نبى الرحمة يا محمد إنى أتوجه بك إلى ربك عز وجل فيقضى لى حاجتى ,وتذكر حاجتك , ورح إلى حتى أروح معك ,فانطلق الرجل ,فصنع ما قال له عثمان ,ثم أتى باب عثمان ,فجاء البواب حتى أخذ بيده ,فأدخله على عثمان بن عفان ,فأجلسه معه على الطنفسة ,وقال :حاجتك؟ فذكر حاجته ,فقضاها له ,ثم قال له :ما ذكرت حاجتك حتى كانت هذه الساعة ,وقال :ما كانت لك من حاجة ,فأتنا ,ثم إن الرجل خرج من عنده ,فلقى عثمان بن حنيف ,فقال :له جزاك الله خيرا ,ما كان ينظر فى حاجتى , ولا يلتفت إلى حتى كلمته فى ,فقال عثمان بن حنيف :والله ,ما كلمته ولكن شهدت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وأتاه ضرير ,فشكا عليه ذهاب بصره ,فقال :له النبى صلى الله عليه وآله وسلم :أفتصبر؟ ,فقال :يا رسول الله ,إنه ليس لى قائد ,وقد شق على ,فقال له النبى صلى الله عليه وآله وسلم :ائت الميضأة ,فتوضأ ,ثم صل ركعتين ,ثم ادع بهذه الدعوات قال عثمان بن حنيف :فوالله ,ما تفرقنا وطال بنا الحديث حتى دخل علينا الرجل كأنه لم يكن به ضرر قط .
لم يروه عن روح بن القاسم إلا شبيب بن سعيد أبو سعيد المكى وهو ثقة وهو الذى يحدث عن أحمد بن شبيب ,عن أبيه ,عن يونس بن يزيد الأبلى ,وقد روى هذا الحديث شعبة عن أبى جعفر الخطمى واسمه عمير بن يزيد ,وهو ثقة تفرد به عثمان بن عمر بن فارس عن شعبة، والحديث صحيح وروى هذا الحديث عون بن عمارة ,عن روح بن القاسم ,عن محمد بن المنكدر ,عن جابر رضى الله عنه وهم فيه عون بن عمارة والصواب :حديث شبيب بن سعيد(المعجم الصغير للطبرانى،رقم الحديث ٥٠٨)

[2] قلت :وهذا سند ضعيف؛ فيه شبيب بن سعيد، وقد تُكُلِّمَ فيه؛ لسوء حفظه وغلطه، وقد رأيت لشيخنا ناصر السُّنة العلامة الألبانى -رحمه الله -كلامًا قويًا وبحثًا علميًا متينًا فى "التوسل"،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عباس کے توسل سے استسقاء کرنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أحببت أن أسوقه لعظيم فائدته؛ فقال فيه (ص 95 - 94)" :وأما شبيب؛ فملخص كلامهم فيه :أنه ثقة في حفظه ضعف؛ إلا في رواية ابنه أحمد هذا عنه عن يونس خاصّة؛ فهو حجة، فقال الذهبي في "الميزان" :"صدوق يغرب"، ذكره ابن عدى في "كامله"؛ فقال" :له نسخة عن يونس بن يزيد مستقيمة، حدث عنه ابن وهب بمناكير "، قال ابن المديني" :كان يختلف في تجارة إلى مصر، وكتابه صحيح قد كتبت عن ابنه أحمد"، قال ابن عدى" :كان شبيب لعله يغلط ويهم إذا حدث من حفظه، وأرجو أنه لا يتعمد، فإذا حدث عنه ابنه أحمد بأحاديث يونس؛ فكأنه يونس آخر، يعنى: يجوّد."

فهذا الكلام يُفيد أن شبيبًا هذا لا بأس بحديثه بشرطين اثنين:

الأول :أن يكون من رواية ابنه أحمد عنه.

والثاني :أن يكون من رواية شبيب عن يونس.

والسبب في ذلك :أنه كان عنده كتب يونس بن يزيد، كما قال ابن أبي حاتم في "الجرح والتعديل "عن أبيه :(359 /1 /2)فهو إذا حدث من كتبه هذه أجاد، وإذا حدث من حفظه وهم؛ كما قال ابن عدى.

وعلى هذا؛ فقول الحافظ في ترجمته من "التقريب" :"لا بأس بحديثه من رواية ابنه أحمد عنه، لا من رواية ابن وهب "فيه نظر؛ لأنه أوهم أنه لا بأس بحديثه من رواية أحمد عنه مطلقًا، وليس كذلك، بل هذا مقيد بأن يكون من روايته عن يونس لما سبق، ويؤيده :أن الحافظ نفسه أشار لهذا القيد؛ فإنه أورد شبيبًا هذا في "من طعن فيه من رجال البخارى "من "مقدمة فتح البارى "(ص 133)، ثم دفع الطعن عنه -بعد أن ذكر من وثقه، وقول ابن عدى فيه -بقوله" :قلت :أخرج البخارى من رواية ابنه عنه عن يونس أحاديث، ولم يخرج من روايته عن غير يونس، ولا من رواية ابن وهب عنه شيئًا"، فقد أشار -رحمه الله -بهذا الكلام إلى أن الطعن قائم في شبيب إذا كانت روايته عن غير يونس، ولو من رواية ابنه عنه، وهذا هو الصواب، كما بينته آنفًا، وعليه يجب أن يحمل كلامه في "التقريب "توفيقًا بين كلاميه، ورفعًا للتعارض بينهما "أ .هـ.

قلت :وهذا الكلام ينطبق على حديثنا هذا تمامًا؛ فإنه من رواية ابنه أحمد عنه، لكنه ليس من رواية شبيب عن يونس وإنما هو من رواية شبيب عن روح بن القاسم؛ فاختل الشرط الثاني لقبول رواية شبيب؛ فسنده ضعيف.

وأما الرواية الأخرى، ففيها إسماعيل بن شبيب لم أجد له ترجمة ولم أعرفه بعد بحث شديد.

وأخرجه البخارى في "التاريخ الكبير "(210 /6)، وابن قانع في "معجم الصحابة "(258 /2)،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، كَانَ إِذَا قَحَطُوْا اِسْتَسْقٰى

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وابن أبی حاتم الرازی فی "العلل "(190 /2)، والطبرانی فی "المعجم الكبير "(/31 - 30 /9 8311)، و"المعجم الصغير "(184 - 183 /1)، و"الدعاء "(1050 /1288 - 1287 /2)، وأبو نعيم الأصبهانی فی "معرفة الصحابة "(4928 /1960 - 1959 /4) بطرق عن عبد الله بن وهب عن شبيب بن سعيد به، لكنه زاد فی متنه قصة وملخصها " :أن رجلًا كان يختلف إلى عثمان بن عفان -رضى الله عنه -فی حاجة له، فكان عثمان لا يلتفت إليه ولا ينظر فی حاجته، فلقی عثمان بن حنيف فشكا ذلک إليه ...وعلمه عثمان أن يقول الدعاء الذی علمه النّبیّ -صلى الله عليه وسلم -لعثمان نفسه.

قلت :وروايته هذه منكرة؛ فقد قال ابن عدی :حدث عنه -يعنی :شبيبًا -ابن وهب بمناكير، وقال ابن حجر :لا بأس بحديثه من رواية ابنه أحمد عنه، لا من رواية ابن وهب.

وهذا منها؛ فإن راوی هذه الطريق عن شبيب هو ابن وهب، وأمر آخر وهو أن أحمد بن شبيب وهو أثبت من ابن وهب فی أبيه لم يذكر هذه الزيادة فی متنه، وأنه كان يفعل ذلک بعد وفاة النّبیّ -صلى الله عليه وسلم -؛ كما تقدم فی الرواية الأولى، ثم هو -أيضًا -مخالف للثقات الذين رووا هذه القصة، ولم يذكروا هذه الزيادة، كما سيأتی تفصيله.

ولذلک قال شيخنا ناصر السُّنة العلامة الألبانی -رحمه الله -فی "التوسل "(ص 96 - 95):
"وخلاصة القول :إن هذه القصة ضعيفة منكرة، لأمور ثلاثة :ضعف حفظ المتفرد بها، والاختلاف عليه فيها، ومخالفته للثقات الذين لم يذكروها فی الحديث، وأمر واحد من هذه الأمور كاف لإسقاط هذه القصة فكيف بها مجتمعه؟ "أ .هـ.

قلت :ثم إن شبيبًا هذا توبع عليه فی هذا الحديث، ولم يذكر هذه الزيادة المنكرة، فقد أخرجه أبو نعيم فی "معرفة الصحابة "(4929 /1960 /4)، والحاكم (526 /1) من طريق عون بن عمارة عن روح بن القاسم به.

وعون هذا، وإن كان ضعيفًا، لكن لا بأس به فی الشواهد والمتابعات، فهو متابع قوی لرواية أحمد بن شبيب عن أبيه، والتی هی خالية من الزيادة المشار إليها، وهی موافقة لها؛ فروايتهما أولى بلا شک من رواية ابن وهب المنكرة.

على أن روح بن القاسم لم يتفرد به، بل تابعه هشام الدستوائی عن أبی جعفر الخطمی به دون الزيادة المذكورة :أخرجه البخاری فی "التاريخ الكبير "(210 /6)، والنسائی فی "عمل اليوم والليلة" (660 /418) عن محمد بن المثنى عن معاذ بن هشام عن أبيه به.

قلت :وهشام ثقة ثبت؛ فصح السند إلى أبی جعفر الخطمی، لكنه فيه كلام، وفی "التقريب ": "صدوق"، فالسند حسن لذاته.

ولأبی جعفر الخطمی سند آخر، فأخرجه الترمذی فی "جامعه "(3578 /569 /5)- ومن طريقه ابن الأثير فی "أسد الغابة "(473 /3)- ، والنسائی فی "عمل اليوم والليلة "(659 /417)،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بِـالْـعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وابن ماجه (1385 /441 /1)، والبخارى فى "التاريخ الكبير "(210 /6)، وأحمد (138 /4) -ومن طريقه أبو نعيم فى "معرفة الصحابة "(4926 /1958 /4)، والمزى فى "تهذيب الكمال " (359 /19)- ، وعبد بن حميد فى "مسنده "(- 379 /341 /1منتخب)- ومن طريقه الحافظ ابن عساكر فى "أربعون حديثًا "(ص 54 - 53) ,- وابن خزيمة فى "صحيحه "(/226 - 225 /2 1219)، وابن قانع فى "معجم الصحابة "(258 - 257 /2)، والطبرانى فى "المعجم الكبير "(/9 8311 /32 - 31)، و"الدعاء "(1051 /1290 - 1289 /2)- وعنه أبو نعيم الأصبهانى فى "معرفة الصحابة "(4926 /1958 /4)- ، وابن أبى حاتم فى "العلل "(190 - 189 /2)، والحاكم (313 /1)- وعنه البيهقى (166 /6) - بطرق عن عثمان بن عمر، وأحمد (138 /4) -ومن طريقه أبو نعيم الأصبهانى فى "معرفة الصحابة "(4927 /1959 /4)، وابن عساكر فى "أربعون حديثًا "(ص 55) - عن روح بن عبادة، كلاهما عن شعبة عن أبى جعفر الخطمى عن عمارة بن خزيمة عن عثمان بن حنيف به.

قلت :وهذا سند حسن؛ رجاله ثقات، غير أبى جعفر الخطمى وهو صدوق.

وقال الترمذى" :هذا حديث حسن صحيح غريب."

وقد توبع شعبة :تابعه حماد بن سلمة عن أبى جعفر الخطمى به :أخرجه النسائى فى "عمل اليوم والليلة "(658 /417)، وأحمد (138 /4)، والبخارى فى "التاريخ الكبير "(210 - 209 /6)، وابن أبى خيثمة فى "تاريخه"، كما فى "التوسل "(ص 90) بنحوه وزاد" :وإن كانت حاجة فافعل مثل ذلك."

قلت :وسنده حسن -أيضًا -إلا هذه الزيادة؛ فإنها شاذة مردودة، قال شيخنا ناصرُ السُّنة العلامةُ الألبانى -رحمه الله -فى "التوسل "(ص 92 - 90) ما نصه" :وقد أعلَّ هذه الزيادة شيخ الإسلام ابن تيمية فى "القاعدة الجليلة "(ص 102) بتفرد حماد بن سلمة بها، ومخالفته لرواية شعبة، وهو أجلُّ مَن روى هذا الحديث، وهذا إعلال يتفق مع القواعد الحديثة ولا يخالفها ألبتة، وقول الغمارى فى "المصباح "(ص 30) :بأن حمادًا ثقة من رجال الصحيح، وزيادة الثقة مقبولة، غفلة منه أو تغافل عما تقرر فى المصطلح :أن القبول مشروط بما إذا لم يخالف الراوى من هو أوثق منه؛ قال الحافظ فى "نخبة الفكر" :"والزيادة مقبولة ما لم تقع منافية لمن هو أوثق، فإن خولف بأرجح فالراجح المحفوظ، ومقابله الشاذ."

قلت :وهذا الشرط مفقود هنا، فإن حماد بن سلمة وإن كان من رجال مسلم، فهو بلا شك دون شعبة فى الحفظ، ويتبين لك ذلك بمراجعة ترجمة الرجلين فى كتب القوم، فالأول أورده الذهبى فى "الميزان "وهو إنما يورد فيه من تكلم فيه، ووصفه بأنه "ثقة له أوهام "بينما لم يورد فيه شعبة مطلقًا، ويظهر لك الفرق بينهما بالتأمل فى ترجمة الحافظ لهما، فقال فى "التقريب ":" "حماد بن سلمة؛ ثقة عابد أثبت الناس فى ثابت، وتغير حفظه بآخره"، ثم قال" :شعبة بن الحجاج

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

فَتَسْقِيْنَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا، قَالَ: فَيُسْقَوْنَ (صحيح البخاری) [1]

ترجمہ: جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے، تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے دعا کرتے اور کہتے کہ اے اللہ! ہم پہلے تو اپنے نبی کے وسیلہ سے دعاء کرتے تھے، تو ہمیں بارش عطا کرتا تھا، اب ہم لوگ اپنے نبی کے چچا (حضرت عباس رضی اللہ عنہ) کے وسیلہ سے دعاء کرتے ہیں، ہمیں بارش عطاء فرما دیجئے۔

راوی کا بیان ہے کہ (اس طرح دعاء کرنے کی برکت سے) لوگوں کو بارش کی نعمت حاصل ہو جاتی تھی (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ثقة حافظ متقن، كان الثورى يقول :هو أمير المؤمنين بالحديث، وهو أول من فتش بالعراق عن الرجال وذبَّ عن السُّنة، وكان عابدًا."

قلت :إذا تبين لک هذا عرفت أن مخالفة حماد لشعبة فی هذا الحديث وزيادته عليه تلک الزيادة غير مقبولة؛ لأنها منافية لمن هو أوثق منه، فهی زيادة شاذة؛ كما يشير إليه كلام الحافظ السابق فی "النخبة"، ولعل حمادًا روی هذا الحديث حين تغير حفظه، فوقع فی الخطأ، وكأن الإمام أحمد أشار إلی شذوذ هذه الزيادة .فإنه أخرج الحديث من طريق مؤمل -وهو ابن إسماعيل -عن حماد -عقب رواية شعبة المتقدمة -إلا أنه لم يسق لفظ الحديث، بل أحال به علی لفظ حديث شعبة، فقال" :فذكر الحديث"، ويحتمل أن الزيادة لم تقع فی رواية مؤمل عن حماد؛ لذلک لم يشر إليها الإمام أحمد؛ كما هی عادة الحفاظ إذا أحالوا فی رواية علی أخری بينوا ما فی الرواية المحالة من الزيادة علی الأولی.

وخلاصه القول :إن الزيادة لا تصح لشذوذها ,ولو صحت لم تكن دليلًا علی جواز التوسل بذاته -صلی الله عليه وسلم -؛ لاحتمال أن يكون معنی قوله" :ففعل مثل ذلک"؛ يعنی :من إتيانه -صلی الله عليه وسلم -فی حاله حياته، وطلب الدعاء منه والتوسل به، والتوضؤ والصلاة، والدعاء الذی علمه رسول الله -صلی الله عليه وسلم -أن يدعو به، والله أعلم "أ .هـ.(عُجالةُ الرّاغِب المُتَمَنّی فی تخريج كِتابِ عَمَلِ اليَوم وَالليلة لابن السُّنّی، لسليم بن عيد الهلالی، ج٢، ص٧٠٦ الیٰ ٧١٠، تحت رقم الحديث ٦٢٩، باب ما يقول لمن ذهب بصره)

[1] رقم الحديث ١٠١٠، ابواب الاستسقاء، باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا.

كَانُوْا إِذَا قَحَطُوْا عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَسْقَوْا بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَسْتَسْقِيْ لَهُمْ فَيُسْقَوْنَ فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ وَفَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ إِمَارَةِ عُمَرَ قَحَطُوْا فَخَرَجَ عُمَرُ بِالْعَبَّاسِ يَسْتَسْقِيْ بِهٖ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا إِذَا قَحَطْنَا عَلٰى عَهْدِ نَبِيِّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتَسْقَيْنَا بِهٖ فَسَقَيْتَنَا وَأَنَا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ الْيَوْمَ بِعَمِّ نَبِيِّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْقِنَا قَالَ: فَسَقُوْا (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ٢٨٦١، كتاب الصلاة، باب صلاة الاستسقاء)[1]

ترجمہ: جب لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قحط میں مبتلا ہوتے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے بارش کی دعاء کیا کرتے تھے، جس سے بارش ہوجاتی تھی، پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا، تو قحط سالی واقع ہوگئی، تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعاء کرنے کے لیے ان کو لے کر نکلے، اور یہ دعاء کی کہ اے اللہ! ہم جب آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قحط میں مبتلا ہوجاتے تھے، تو اُن کے وسیلہ سے دعاء کرتے تھے، ہمیں بارش عطا کرتا تھا، آج ہم لوگ آپ کے نبی کے چچا (حضرت عباس رضی اللہ عنہ) کے وسیلہ سے دعاء کرتے ہیں، ہمیں بارش عطاء فرما دیجئے۔

راوی کا بیان ہے کہ (اس طرح دعاء کرنے کی برکت سے) لوگوں کو بارش کی نعمت حاصل ہوجاتی تھی (ابنِ حبان)

اس حدیث سے نیک وصالح لوگوں کی فضیلت وبرکت اور ان کے وسیلے سے دعاء کرنا اور اس دعاء کا قبول ہونا معلوم ہوا۔

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط البخارى (حاشية صحيح ابن حبان)

ایک شخص کا قبرِ نبوی ﷺ پر استسقاء کی دعاء کا ذکر

حضرت مالک الدار جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے غلہ کے لیے مقرر کیے ہوئے خازن تھے، ان سے روایت ہے کہ:

أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ ،فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ،فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ،اِسْتَسْقِ لِأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوْا ،فَأَتَى الرَّجُلَ فِي الْمَنَامِ فَقِيْلَ لَهُ: اِئْتِ عُمَرَ فَأَقْرِئْهُ السَّلَامَ، وَأَخْبِرْهُ أَنَّكُمْ مُسْتَقِيْمُوْنَ وَقُلْ لَهُ :عَلَيْكَ الْكَيْسُ ،عَلَيْكَ الْكَيْسُ، فَأَتٰى عُمَرَ فَأَخْبَرَهُ فَبَكٰى عُمَرُ،ثُمَّ قَالَ: يَا رَبِّ لَا آلُوْ إِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْهُ (مُصنف ابن أبی شيبة) [1]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگوں پر قحط سالی ہوگئی (اور بارش بند ہوگئی) تو ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس آیا، اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! اپنی امت کے لیے بارش طلب کیجئے، کیونکہ وہ ہلاک ہونے لگ رہے ہیں، پھر اس آدمی کو خواب میں کہا گیا کہ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جائیں، اور ان کو سلام کریں، اور ان کو خبر دیں کہ بے شک تم استقامت اختیار کرنے والے ہو، اور ان کو بتائیں کہ آپ بھرپور بیدار مغزی کو کام میں لائیں، یا آپ بھرپور بیدار مغزی برتیں، وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اور اس بات کی خبر دی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے، اور کہا کہ اے میرے رب! میں اپنی استطاعت کی حد تک کوتاہی نہ کروں گا (ابن شیبہ)

---

[1] رقم الحديث ٣٢٦٦٥، كتاب الفضائل، باب ما ذكر فى فضل عمر بن الخطاب رضى الله عنه.

علامہ ابنِ حجر اور علامہ ابنِ کثیر وغیرہ نے اس روایت کی سند کو صحیح اور قوی قرار دیا ہے۔ [1]

البتہ بعض حضرات نے اس روایت کو غیر معتبر قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ اس میں ''مالک دار'' راوی مجہول ہیں۔

لیکن ''مالک دار'' کے متعلق اس روایت کی سند میں یہ تصریح پائی جاتی ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے غلہ کے لیے خازن مقرر تھے، نیز متعدد محدثین نے ان کو معروف قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] روى بن أبى شيبة بإسناد صحيح من رواية أبى صالح السمان عن مالك الدار وكان خازن عمر (فتح البارى شرح صحيح البخارى، للعسقلانى، ج۲، ص۴۹۵، قوله باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا)

عن مالك الدار قال اصاب الناس قحط فى زمان عمر رضى الله عنه فجاء رجل الى قبر النبى فقال يارسول الله استسق الله لأمتك فانهم قد هلكوا فاتاه رسول الله صلى الله عليه وسلم فى المنام فقال انت عمر فأقرئه منى السلام وأخبره أنكم مسقون وقل له عليك بالكيس الكيس فأتى الرجل فأخبره عمر وقال يارب لا آلو ما عجزت عنه هذا اسناد جيد قوى (مسند أمير المؤمنين أبى حفص عمر بن الخطاب رضى الله عنه وأقواله على أبواب العلم، لا بن كثير، ج۱، ص۳۱۳، أحاديث الاستسقاء)

[2] مالك بن عياض المعروف بمالك الدار المدنى مولى عمر بن الخطاب ويقال الجبلانى سمع أبا بكر الصديق وعمر بن الخطاب وأبا عبيدة بن الجراح ومعاذ بن جبل وروى عنه أبو صالح السمان وعبد الرحمن بن سعيد بن يربوع وابناه عون بن مالك وعبد الله بن مالك وقدم مع عمر بن الخطاب الشام وشهد معه فتح بيت المقدس وخطبته بالجابية أخبرنا أبو غالب وأبو عبد الله ابنا البنا قالا أنا أبو الحسين بن الآبنوسى أنا أحد ابن عبيد بن الفضل إجازة أنا محمد بن الحسين بن محمد نا ابن أبى خيثمة نا أبى نا محمد بن خازم أبو معاوية الضرير نا الأعمش عن أبى صالح عن مالك الدار قال أصاب الناس قحط فى زمان عمر بن الخطاب فجاء رجل إلى قبر النبى (صلى الله عليه وسلم) فقال يا رسول الله (صلى الله عليه وسلم) استسق لأمتك فأتاه النبى (صلى الله عليه وسلم) فى المنام فقال ائت عمر فأقرئه السلام وقل له إنكم مسقون فعليك بالكيس قال فبكى عمر وقال يا رب ما آلوا إلا ما عجزت عنه.... فى الطبقة الأول من أهل المدينة مالك الدار مولى عمر با الخطاب وقد انتموا إلى جبلان من حمير.... ابن أبى حاتم قال مالك بن عياض مولى عمر بن الخطاب روى عن أبى بكر الصديق وعمر بن الخطاب روى عنه أبو صالح السمان سمعت أبى يقول ذلك أخبرنا أبو افتح نصر الله بن محمد الفقيه نا أبو الفتح نصر بن إبراهيم الزاهد أنا أبو الفتح سليم بن أيوب أنا طاهر بن محمد بن سليمان نا على بن إبراهيم بن أحمد نا يزيد ابن محمد بن إياس قال سمعت أبا عبد الله المقدمى يقول مالك الدار خازن عمر بن الخطاب هو مالك بن عياض حميرى (تاريخ دمشق، لاباين عساكر، ج۵۶، ص۴۸۹، الى، ۴۹۳، تحت ترجمة مالك بن عياض المعروف بمالك الدار)

اس روایت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت وفضیلت معلوم ہوئی۔

بنی اسرائیل کے چند لوگوں کا اعمالِ صالحہ سے توسل کرنا

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: بَيْنَمَا ثَلَاثَةُ نَفَرٍ يَتَمَاشَوْنَ أَخَذَهُمُ الْمَطَرُ، فَمَالُوْا إِلٰى غَارٍ فِى الْجَبَلِ، فَانْحَطَّتْ عَلٰى فَمِ غَارِهِمْ صَخْرَةٌ مِنَ الْجَبَلِ فَأَطْبَقَتْ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: اُنْظُرُوْا أَعْمَالًا عَمِلْتُمُوْهَا لِلّٰهِ صَالِحَةً، فَادْعُوا اللّٰهَ بِهَا لَعَلَّهٗ يُفْرِجُهَا. فَقَالَ أَحَدُهُمْ: اَللّٰهُمَّ إِنَّهٗ كَانَ لِىْ وَالِدَانِ شَيْخَانِ كَبِيْرَانِ، وَلِىْ صِبْيَةٌ صِغَارٌ، كُنْتُ أَرْعٰى عَلَيْهِمْ، فَإِذَا رُحْتُ عَلَيْهِمْ فَحَلَبْتُ بَدَأْتُ بِوَالِدَىَّ أَسْقِيْهِمَا قَبْلَ وَلَدِىْ، وَإِنَّهٗ نَاءَ بِىَ الشَّجَرُ، فَمَا أَتَيْتُ حَتّٰى أَمْسَيْتُ فَوَجَدْتُهُمَا قَدْ نَامَا، فَحَلَبْتُ كَمَا كُنْتُ أَحْلُبُ، فَجِئْتُ بِالْحِلَابِ فَقُمْتُ عِنْدَ رُءُوْسِهِمَا، أَكْرَهُ أَنْ أُوْقِظَهُمَا مِنْ نَوْمِهِمَا، وَأَكْرَهُ أَنْ أَبْدَأَ بِالصِّبْيَةِ قَبْلَهُمَا، وَالصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ قَدَمَىَّ، فَلَمْ يَزَلْ ذٰلِكَ دَأْبِىْ وَدَأْبَهُمْ حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ، فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّىْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ اِبْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ لَنَا فُرْجَةً نَرٰى مِنْهَا السَّمَاءَ: فَفَرَجَ اللّٰهُ لَهُمْ فُرْجَةً حَتّٰى يَرَوْنَ مِنْهَا السَّمَاءَ. وَقَالَ الثَّانِىْ: اَللّٰهُمَّ إِنَّهٗ كَانَتْ لِىَ ابْنَةُ عَمٍّ أُحِبُّهَا كَأَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرِّجَالُ النِّسَاءَ، فَطَلَبْتُ إِلَيْهَا نَفْسَهَا، فَأَبَتْ حَتّٰى آتِيَهَا بِمِائَةِ دِيْنَارٍ، فَسَعَيْتُ حَتّٰى جَمَعْتُ مِائَةَ دِيْنَارٍ فَلَقِيْتُهَا بِهَا، فَلَمَّا قَعَدْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا قَالَتْ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ اِتَّقِ اللّٰهَ، وَلَا تَفْتَحِ الْخَاتَمَ، فَقُمْتُ عَنْهَا، اَللّٰهُمَّ فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّىْ

قَدْ فَعَلْتُ ذٰلِکَ اِبْتِغَاءَ وَجْهِکَ فَافْرُجْ لَنَا مِنْهَا. فَفَرَجَ لَهُمْ فُرْجَةً: وَقَالَ الْآخَرُ: اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ کُنْتُ اِسْتَأْجَرْتُ أَجِیْرًا بِفَرَقِ أَرُزٍّ، فَلَمَّا قَضٰی عَمَلَهُ قَالَ: أَعْطِنِیْ حَقِّیْ، فَعَرَضْتُ عَلَیْهِ حَقَّهُ فَتَرَکَهُ وَرَغِبَ عَنْهُ، فَلَمْ أَزَلْ أَزْرَعُهُ حَتّٰی جَمَعْتُ مِنْهُ بَقَرًا وَرَاعِیَهَا، فَجَاءَ نِیْ فَقَالَ: اِتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَظْلِمْنِیْ وَأَعْطِنِیْ حَقِّیْ، فَقُلْتُ: اِذْهَبْ إِلٰی ذٰلِکَ الْبَقَرِ وَرَاعِیْهَا، فَقَالَ: اِتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَهْزَأْ بِیْ، فَقُلْتُ: إِنِّیْ لَا أَهْزَأُ بِکَ، فَخُذْ ذٰلِکَ الْبَقَرَ وَرَاعِیَهَا، فَأَخَذَهُ فَانْطَلَقَ بِهَا، فَإِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّیْ فَعَلْتُ ذٰلِکَ ابْتِغَاءَ وَجْهِکَ، فَافْرُجْ مَا بَقِیَ. فَفَرَجَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

(صحیح البخاری، رقم الحدیث ۵۹۷۴، کتاب الادب، باب إجابة دعاء من بر والدیه)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمی چلے جا رہے تھے کہ ان کو بارش نے آ گھیرا، تو وہ پہاڑ کے ایک غار میں پناہ کے لئے گئے، ان کے غار کے دہانے (اور منہ) پر ایک چٹان آ گری، جس سے اس کا راستہ بند ہو گیا، تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ تم لوگ اپنے اپنے نیک کاموں پر غور کرو، جو تم نے (خالص) اللہ کے لئے کئے ہوں، اور پھر اس عمل کے واسطہ سے اللہ سے دعاء کرو، امید ہے کہ اللہ اس چٹان کو ہٹا دے گا، ان میں سے ایک نے کہا کہ یا اللہ! میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے، میں ان کے لئے جانور چراتا تھا، جب شام کو واپس آتا تو ان جانوروں کا دودھ نکالتا اور اپنے بچوں سے پہلے اپنے والدین کو پینے کے لئے دیتا، ایک دن جنگل میں (جانوروں کو) دور تک چرانے کو لے گیا، واپسی میں شام ہو گئی، جب آیا تو وہ دونوں سو چکے تھے، میں نے حسبِ معمول جانوروں کا دودھ نکالا، اور دودھ لے کر آیا اور (والدین کے سو جانے کی وجہ سے) ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا، میں نے

ناپسند سمجھا کہ انہیں نیند سے بیدار کروں اور یہ بھی برا معلوم ہوا کہ میں پہلے اپنے بچوں کو دوں، حالانکہ بچے میرے قدموں کے پاس آ کر چیخ رہے تھے، صبح ہونے تک میرا اور میرے بچوں کا یہی حال رہا، اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ صرف تیری رضا کی خاطر کیا ہے تو یہ چٹان تھوڑی سے ہٹادے، تاکہ آسمان نظر آسکے، تو اللہ نے اس چٹان کو تھوڑا سا ہٹا دیا، یہاں تک کہ آسمان نظر آنے لگا، اور دوسرے آدمی نے کہا کہ یا اللہ میری ایک چچازاد بہن تھی، میں اسے بہت چاہتا تھا، جتنا کہ مرد عورتوں سے محبت کرتے ہیں، میں نے اس کی جان اس سے طلب کی (یعنی وہ اپنے آپ کو میرے حوالے کردے) لیکن اس نے انکار کیا، یہاں تک کہ میں اس کے پاس سو دینار لے کر آؤں، چنانچہ میں نے محنت کی یہاں تک کہ سو دینار ہو گئے، تو میں انہیں لے کر اس کے پاس آیا، جب میں اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھا تو اس نے کہا کہ اے اللہ کے بندے اللہ سے ڈر اور مہر (یعنی سیل) کو نہ کھولو، یہ سن کر میں کھڑا ہو گیا، یا اللہ اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ صرف تیری رضا کی خاطر کیا ہے، تو ہم سے اس چٹان کو ہٹادے، تو اللہ نے اس چٹان کو تھوڑا سا سرکا دیا، تیسرے آدمی نے کہا کہ یا اللہ میں نے ایک فرق (کی مخصوص مقدار) چاول پر ایک مزدور کو کام پر لگایا، جب وہ کام پورا کر چکا تو اس نے کہا کہ میرا حق دے دو، میں نے اس کی مزدوری دے دی، لیکن اس نے اپنی مزدوری چھوڑ دی اور لینے سے انکار کردیا، میں نے اس کو مسلسل کاشت کیا یہاں تک کہ میں نے مویشیوں اور ان کے چرواہے کو حاصل کیا (یعنی بڑھتے بڑھتے بہت سے مویشی ہو گئے اور اس کے لئے ایک چرواہا بھی رکھ لیا) پھر وہ (مزدور شخص) میرے پاس آیا اور کہا کہ اللہ سے ڈرو اور مجھ پہ ظلم نہ کرو اور مجھے میرا حق دے دو، میں نے کہا کہ ان مویشیوں اور چرواہے کے پاس جاؤ (اور ان سب کو لے جاؤ) اس نے کہا

اللہ سے ڈرو، اور میرے ساتھ مذاق نہ کرو، میں نے کہا کہ میں تجھ سے مذاق نہیں کررہا ہوں، یہ جانور اور چرواہا لے جاؤ، چنانچہ اس نے ان سب کو لے لیا اور وہ شخص چلا گیا، اس لئے اگر (اے اللہ) تو جانتا ہے کہ یہ میں نے صرف تیری رضا کی خاطر کیا ہے تو (غار کے منہ سے پتھر کا) باقی حصہ بھی دور کردے، چنانچہ اللہ نے اس (باقی ماندہ پتھر) کو بھی سرکا دیا (بخاری)

مذکورہ حدیث سے نیک اعمال میں برکت ہونا، اور نیک اعمال کے توسل سے دعاء کا قبول ہونا معلوم ہوا۔

سائلین وغیرہ کے حق سے دعاء

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ إِلَى الصَّلَاةِ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ، وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ مَمْشَايَ هٰذَا، فَإِنِّيْ لَمْ أَخْرُجْ أَشَرًا وَلَا بَطَرًا وَلَا رِيَاءً وَلَا سُمْعَةً، وَخَرَجْتُ اتِّقَاءَ سُخْطِكَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ، فَأَسْأَلُكَ أَنْ تُعِيْذَنِيْ مِنَ النَّارِ وَأَنْ تَغْفِرَ لِيْ ذُنُوْبِيْ، إِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ أَقْبَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بِوَجْهِهٖ، وَاسْتَغْفَرَ لَهٗ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ (سنن ابن ماجه) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو اپنے گھر سے نماز کے لئے نکلے تو (یہ دعاء پڑھے، جس کا ترجمہ یہ ہے) اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اس حق کی وجہ سے جو مانگنے والوں کا آپ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے اور آپ سے سوال کرتا ہوں اپنے اس چلنے کے حق کی وجہ سے کیونکہ میں غرور اور

[1] رقم الحديث ٧٧٨، ابواب المساجد والجماعات، باب المشى إلى الصلاة.

اِترانے اور دکھانے اور سنانے (شہرت) کی خاطر نہیں نکلا، بلکہ میں آپ کی ناراضگی سے بچنے کے لئے اور آپ کی رضا جوئی کے لئے نکلا ہوں تو میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھے جہنم سے بچادیں، اور میرے گناہوں کو بخش دیں، کیونکہ گناہوں کو آپ کے علاوہ کوئی نہیں بخشتا (ابنِ ماجہ)

اللہ تعالیٰ کے ذمہ کسی کا کوئی حق لازم نہیں ہے، البتہ اللہ نے اپنے فضل سے دوسروں کو بعض چیزوں کا استحقاق عطا فرمایا ہے، اور یہ استحقاق تفضلی واحسانی ہے، اس میں سوال کرنے یعنی دعاء کرنے والا بھی داخل ہے کہ اللہ نے دعاء کرنے والے کی دعاء کی قبولیت کا اپنے فضل سے وعدہ فرمایا ہے۔ [1]

اس حدیث سے دعاء اور دوسرے نیک اعمال کی فضیلت وبرکت معلوم ہوئی۔

تاہم مذکورہ حدیث کی سند کو اہلِ علم نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] بحق السائلين الخ اعلم انه لا حق لأحد فى الحقيقة على الله تعالى ولا يجب عليه شىء عند أهل السنة وإنما هو رأى المعتزلة ألا ان له معنيين أحدهما اللزوم والثانى الالتزام فالأول كما قلنا والثانى تفضل منه واحسان حيث التزم لنا بأعمالنا ما لسنا أهلا لذلك فهو الجواد والمنعم يفضل على عباده بما يشاء فهذا المعنى ورد فى الأحاديث فافهم (انجاح الحاجة شرح سنن ابنِ ماجه لشاه عبد الغنى المجددى الدهلوى، تحت رقم الحديث ٧٧٨، ص ٥٧، باب الترجيع)

[2] قال أحمد بن أبى بكر بن إسماعيل الكنانى:

هذا إسناد مسلسل بالضعفاء عطية هو العوفى وفضيل بن مرزوق والفضل بن الموفق كلهم ضعفاء لكن رواه ابن خزيمة فى صحيحه من طريق فضيل بن مرزوق فهو صحيح عنده وذكره رزين ورواه أحمد بن منيع فى مسنده حدثنا يزيد حدثنا الفضل بن مرزوق فذكره بإسناده ومتنه وزاد فى آخره حتى يفرغ من صلاته (مصباح الزجاجة، ج ١، ص ٩٩، كتاب الاذان، باب المشى الى الصلاة)

وقال شعيب الارنؤوط:

إسناده ضعيف لضعف عطية العوفى .ومع ذلك فقد حسنه الحافظ فى "نتائج الأفكار" 1/ 272.

وأخرجه أحمد بن حنبل فى "مسنده "(11156)، وأحمد بن منيع فى "مسنده "كما فى "مصباح الزجاجة "ورقة 53، وابن خزيمة فى "التوحيد "(15)، وأبو القاسم البغوى فى "الجعديات "(2118) و (2119)، والطبرانى فى "الدعاء "(421)، وابن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تاہم نیک اعمال کے توسل وتبرک کا ثبوت، اس پر موقوف نہیں ہے۔

ایک لمبی روایت میں دعاء کے یہ الفاظ آئے ہیں ’’بحقّ نبیک والانبیاء الذین من قبلی‘‘۔ [1]

جس کی سند کو اہلِ علم حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

السنی فی "عمل الیوم واللیلة "(85)، وأبو نعیم الأصبهانی فی "کتاب الصلاة "کما فی "نتائج الأفکار 273 /1"، والحافظ فی "نتائج الأفکار 272 /1 "من طریق فضیل ابن مرزوق، به .وأخرجه ابن أبی شیبة 211 /10عن وکیع بن الجراح، عن فضیل، به موقوفًا .قال أبو حاتم فیما نقله عنه ابنُه فی "العلل :184 /2 "الموقوفُ أشبه (حاشیة سنن ابن ماجه)

[1] حدثنا أحمد بن حماد بن زغبة قال: نا روح بن صلاح قال: نا سفیان الثوری، عن عاصم الأحول، عن أنس بن مالک قال: لما ماتت فاطمة بنت أسد بن هاشم أم علی، دخل علیها رسول الله صلی الله علیه وسلم، فجلس عند رأسها، فقال: رحمک الله یا أمی، کنت أمی بعد أمی، تجوعین وتشبعینی، وتعرین وتکسوننی، وتمنعین نفسک طیب الطعام وتطعمینی، تریدین بذلک وجه الله والدار الآخرة .ثم أمر أن تغسل ثلاثا وثلاثا، فلما بلغ الماء الذی فیه الکافور، سکبه علیها رسول الله صلی الله علیه وسلم بیده، ثم خلع رسول الله صلی الله علیه وسلم قمیصه فألبسها إیاه، وکفنت فوقه، ثم دعا رسول الله صلی الله علیه وسلم أسامة بن زید، وأبا أیوب الأنصاری، وعمر بن الخطاب، وغلاما أسود یحفروا، فحفروا قبرها، فلما بلغوا اللحد حفره رسول الله صلی الله علیه وسلم بیده، وأخرج ترابه بیده .فلما فرغ، دخل رسول الله صلی الله علیه وسلم، فاضطجع فیه، وقال: الله الذی یحیی ویمیت وهو حی لا یموت، اغفر لأمی فاطمة بنت أسد، ولقنها حجتها، ووسع علیها مدخلها، بحق نبیک والأنبیاء الذین من قبلی، فإنک أرحم الراحمین .ثم کبر علیها أربعا، ثم أدخلوها القبر، هو والعباس، وأبو بکر الصدیق رضی الله عنهم لم یرو هذا الحدیث عن عاصم الأحول إلا سفیان الثوری، تفرد به: روح بن صلاح (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۱۸۹)

[2] قال الهیثمی:

رواه الطبرانی فی الکبیر والأوسط، وفیه روح بن صلاح، وثقه ابن حبان والحاکم، وفیه ضعف، وبقیة رجاله رجال الصحیح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۱۵۳۹۹)

و قال الالبانی:

الله الذی یحیی ویمیت وهو حی لا یموت، اغفر لأمی فاطمة بنت أسد ولقنها حجتها ووسع علیها مدخلها، بحق نبیک والأنبیاء الذین من قبلی فإنک أرحم الراحمین ... ."ضعیف.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بر سبیلِ تسلیم بھی حق کا مطلب وہی ہے، جو پیچھے گزرا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رواه الطبرانی فی "الكبير "(24/351-352)و "الأوسط "(1/152-153-الرياض) ومن طريقه أبو نعيم فی "حلية الأولياء : (121 / 3) "حدثنا أحمد بن حماد بن زغبة قال روح بن صلاح قال: حدثنا سفيان الثورى عن عاصم الأحول ومن طريقه أبو نعيم فی "حلية الأولياء (121 / 3) "عن أنس بن مالك قال: لما ماتت فاطمة بنت أسد بن هاشم أم على رضی الله عنهما ...دعا أسامه بن زيد وأبا أيوب الأنصاری وعمر بن الخطاب وغلاما أسود يحفرون ...فلما فرغ، دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم فاضطجع فيه فقال ...فذكره، وقال الطبرانی: تفرد به روح بن صلاح.

قلت: قال الهيثمی فی "مجمع الزوائد : (257 / 9) "

وفيه روح بن صلاح وثقه ابن حبان والحاكم وفيه ضعف، وبقية رجاله رجال الصحيح.

وفی قوله: وبقية رجاله رجال الصحيح نظر رجيح، ذلك لأن زغبة هذا ليس من رجال الصحيح، بل لم يروله إلا النسائی، أقول هذا مع العلم أنه فی نفسه ثقة.

بقی النظر فی حال روح بن صلاح وقد تفرد به كما قال الطبرانی، فقد وثقه ابن حبان والحاكم كما ذكر الهيثمی، ولكن قد ضعفه من قولهم أرجح من قولهما لأمرين:

الأول: أنه جرح والجرح مقدم على التعديل بشرطه.

والآخر: أن ابن حبان متساهل فی التوثيق فإنه كثيرا ما يوثق المجهولين حتى الذين يصرح هو نفسه أنه لا يدرى من هو ولا من أبوه؟ كما نقل ذلك ابن عبد الهادی فی " الصارم المنكی "ومثله فی التساهل الحاكم كما لا يخفى على المتضلع بعلم التراجم والرجال فقولهما عند التعارض لا يقام له وزن حتى ولو كان الجرح مبهما لم يذكر له سبب، فكيف مع بيانه كما هو الحال فی ابن صلاح هذا؟ ! فقد ضعفه ابن عدی (1005 / 3) ، وقال ابن يونس: رويت عنه مناكير، وقال الدارقطنی: ضعيف فی الحديث، وقال ابن ماكولا: ضعفوه، وقال ابن عدی بعد أن خرج له حديثين: وفی بعض حديثه نكرة.

فأنت ترى أئمة الجرح قد اتفقت عباراتهم على تضعيف هذا الرجل، وبينوا أن السبب روايته المناكير، فمثله إذا تفرد بالحديث يكون منكرا لا يحتج به، فلا يغتر بعد هذا بتوثيق من سبق ذكره إلا جاهل أو مغرض.

ومما تقدم يتبين للمنصف أن الشيخ زاهدا الكوثری ما أنصف العلم حين تكلم على هذا الحديث محاولا تقويته حيث اقتصر على ذكر التوثيق السابق فی روح بن صلاح دون أن يشير أقل إشارة إلى أن هناك تضعيفا له ممن هم أكثر وأوثق ممن وثقه! انظر (ص 379) من "مقالات الكوثری "نفسه!

ومن عجيب أمر هذا الرجل أنه مع سعة علمه يغلب عليه الهوى والتعصب للمذهب ضد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ایک روایت میں حضرت آدم علیہ السلام کی دعاء میں ''بحق محمد'' کے الفاظ آئے ہیں، لیکن اس روایت کو علامہ ذہبی وغیرہ نے موضوع ومنگھڑت قرار دیا ہے۔ ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أنصار السنة وأتباع الحديث الذين يرميهم ظلما بالحشوية فتراه هنا يميل إلى تقوية هذا الحديث معتمدا على توثيق ابن حبان ما دام هذا الحديث يعارض ما عليه أنصار السنة! فإذا كان الحديث عليه لا له فتراه يرده وإن كان ابن حبان صححه أو وثق رواته!
فانظر إليه مثلا يقول فى حديث مضيه صلى الله عليه وسلم فى صلاته بعد خلع النعل النجسة وقد أخرجه ابن حبان والحاكم فى "صحيحيهما "قال: وتساهل الحاكم وابن حبان فى التصحيح مشهور! ! (انظر ص 185) من "مقالاته."
والحديث صحيح كما بينته فى "صحيح أبى داود "وإعلاله بتساهل المذكورين تدليس خبيث، لأنه ليس فيه من لم يوثقه غيرهما، بل رجاله كلهم رجال مسلم.
وانظر إليه فى كلامه على حديث الأوعال وتضعيفه إياه وهو فى ذلك مصيب تراه يعتمد فى ذلك على أن راويه عبد الله بن عميرة مجهول، ثم يستدرك فى التعليق فيقول (ص 309) : نعم ذكره ابن حبان فى الثقات، لكن طريقته فى ذلك أن يذكر فى الثقات من لم يطلع على جرح فيه، فلا يخرجه ذلك عن حد الجهالة عند الآخرين، وقد رد ابن حجر شذوذ ابن حبان هذا فى "لسان الميزان ."
قلت: فقد ثبت بهذه النقول عن الكوثرى أن من مذهبه عدم الاعتماد على توثيق ابن حبان والحاكم لتساهلهما فى ذلك، فكيف ساغ له أن يصحح الحديث الذى نحن فى صدد الكلام عليه لمجرد توثيقهما لراويه روح بن صلاح، ولاسيما أنه قد صرح غيرهما ممن هو أعلم منهما بالرجال بتضعيفه؟ ! اللهم لولا العصبية المذهبية لم يقع فى مثل هذه الخطيئة، فلا تجعل اللهم تعصبنا إلا للحق حيثما كان.
ومن الأحاديث الضعيفة فى التوسل وهى فى الوقت نفسه تدل على تعصب الكوثرى، الحديث الآتى (سلسلة الاحاديث الضعيفة، تحت رقم الحديث ٢٣)

؎ حدثنا أبو سعيد عمرو بن محمد بن منصور العدل، ثنا أبو الحسن محمد بن إسحاق بن إبراهيم الحنظلى، ثنا أبو الحارث عبد الله بن مسلم الفهرى، ثنا إسماعيل بن مسلمة، أنبأ عبد الرحمن بن زيد بن أسلم، عن أبيه، عن جده، عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " لما اقترف آدم الخطيئة قال: يا رب أسألك بحق محمد لما غفرت لى، فقال الله: يا آدم، وكيف عرفت محمدا ولم أخلقه؟ قال: يا رب، لأنك لما خلقتنى بيدك ونفخت فى من روحك رفعت رأسى فرأيت على قوائم العرش مكتوبا لا إله إلا الله محمد رسول الله فعلمت أنك لم تضف إلى اسمك إلا أحب الخلق إليك، فقال الله: صدقت يا آدم، إنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

برکت کا اکابر کے ساتھ ہونا

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْبَرَكَةُ مَعَ أَكَابِرِكُمْ (صحیح ابن حبان، رقم الحدیث ۵۵۹، کتاب البر والاحسان، باب الصحبة والمجالسة) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برکت تمہارے بڑوں، بزرگوں کے ساتھ ہے (ابنِ حبان)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بڑوں اور بزرگوں کے ساتھ برکت ہوتی ہے۔ [2]

صحابۂ کرام کا امت کے لیے باعثِ امن ہونا

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لأحب الخلق إلى ادعنى بحقه فقد غفرت لک ولولا محمد ما خلقتک (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۴۲۲۸)

قال الحاكم:

هذا حديث صحيح الإسناد وهو أول حديث ذكرته لعبد الرحمن بن زيد بن أسلم في هذا الكتاب

و قال الذهبي في التلخيص:

بل موضوع.

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية صحيح ابنِ حبان)

[2] (البركة مع أكابركم) المجربين للأمور المحافظين على تكثير الأجور فجالسوهم لتقتدوا برأيهم وتهتدوا بهديهم أو المراد من له منصب العلم وإن صغر سنه فيجب إجلالهم حفظا لحرمة ما منحهم الحق سبحانه وتعالى وقال شارح الشهاب: هذا حث على طلب البركة في الأمور والتبحبح في الحاجات بمراجعة الأكابر لما خصوا به من سبق الوجود وتجربة الأمور وسالف عبادة المعبود قال تعالى (قال كبيرهم) وكان في يد المصطفى صلى الله عليه وسلم سواک فأراد أن يعطيه بعض من حضر فقال جبريل عليه السلام: كبر كبر فأعطاه الأكبر وقد يكون الكبير في العلم أو الدين فيقدم على من هو أسن منه (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۳۲۰۵)

صَلَّيْنَا الْمَغْرِبَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قُلْنَا: لَوْ جَلَسْنَا حَتّٰى نُصَلِّيَ مَعَهُ الْعِشَاءَ قَالَ فَجَلَسْنَا، فَخَرَجَ عَلَيْنَا، فَقَالَ: مَا زِلْتُمْ هَاهُنَا؟ قُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّيْنَا مَعَكَ الْمَغْرِبَ، ثُمَّ قُلْنَا: نَجْلِسُ حَتّٰى نُصَلِّيَ مَعَكَ الْعِشَاءَ، قَالَ أَحْسَنْتُمْ أَوْ أَصَبْتُمْ، قَالَ فَرَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ، وَكَانَ كَثِيْرًا مِمَّا يَرْفَعُ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ، فَقَالَ: اَلنُّجُوْمُ أَمَنَةٌ لِلسَّمَاءِ، فَإِذَا ذَهَبَتِ النُّجُوْمُ أَتَى السَّمَاءَ مَا تُوْعَدُ، وَأَنَا أَمَنَةٌ لِأَصْحَابِيْ، فَإِذَا ذَهَبْتُ أَتٰى أَصْحَابِيْ مَا يُوْعَدُوْنَ، وَأَصْحَابِيْ أَمَنَةٌ لِأُمَّتِيْ، فَإِذَا ذَهَبَ أَصْحَابِيْ أَتٰى أُمَّتِيْ مَا يُوْعَدُوْنَ (صحيح مسلم)[1]

ترجمہ: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی، پھر ہم نے (اپنے دل میں) کہا کہ اگر ہم (مسجد میں ہی) بیٹھے رہیں (بجائے گھر جانے کے) یہاں تک کہ آپ کے ساتھ عشاء کی نماز بھی پڑھ لیں، تو اچھا ہے، حضرت ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ پھر ہم بیٹھے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم یہیں ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ہم نے آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی پھر ہم نے سوچا کہ ہم بیٹھے رہیں یہاں تک کہ عشاء کی نماز بھی آپ کے ساتھ پڑھ لیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اچھا یا درست کام کیا، حضرت ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا اور آپ بہت کثرت سے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے تھے پھر فرمایا کہ ستارے آسمان کے لئے امان ہیں، جب ستارے زائل ہو جائیں، تو پھر آسمان کی اجل موعود آ جائے

---

[1] رقم الحديث ۲۵۳۱ "۲۰۷" كتاب فضائل الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم، باب بيان أن بقاء النبى صلى الله عليه وسلم أمان لأصحابه، وبقاء أصحابه أمان للأمة.

گی (یعنی قیامت) اور میں اپنے صحابہ کے لئے امان ہوں، پھر جب میں چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ پر وہ فتنے آئیں گے جن سے ڈرایا گیا ہے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم میری امت کے لیے امان ہیں تو جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ فتنے آن پڑیں گے کہ جن سے ڈرایا جاتا ہے (مسلم)

اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آپ کے صحابۂ کرام کا امت پر امن کا ذریعہ ہونا معلوم ہوا، جس سے انبیاء وصلحاء کا باعثِ برکت ہونا معلوم ہوا۔

خیر القرون کے افراد کی برکت

حضرت عمرو، حضرت جابر اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: يَأْتِي زَمَانٌ يَغْزُوْ فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ، فَيُقَالُ: فِيْكُمْ مَنْ صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَيُقَالُ: نَعَمْ، فَيُفْتَحُ عَلَيْهِ، ثُمَّ يَأْتِي زَمَانٌ، فَيُقَالُ: فِيْكُمْ مَنْ صَحِبَ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَيُقَالُ: نَعَمْ، فَيُفْتَحُ، ثُمَّ يَأْتِي زَمَانٌ فَيُقَالُ: فِيْكُمْ مَنْ صَحِبَ صَاحِبَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَيُقَالُ: نَعَمْ، فَيُفْتَحُ (صحيح البخاري) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ جہاد کریں گے تو یہ کہا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی شخص ایسا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض یاب ہوا ہو (یعنی کوئی صحابی ہے) تو جواب دیا جائے گا کہ جی ہاں، پس اس (صحابی) کی برکت سے فتح (وکامیابی) عطا کی جائے گی، پھر ایک زمانہ ایسا

---

[1] رقم الحديث ٢٨٩٧، كتاب الجهاد والسير، باب من استعان بالضعفاء والصالحين في الحرب.

آئے گا کہ جس میں کہا جائے گا کیا تم میں کوئی ایسا ہے، جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی صحبت اٹھائی ہو (یعنی کوئی تابعی ہو) تو جواب دیا جائے گا کہ جی ہاں! پس اس کی برکت سے فتح (وکامیابی) عطا کی جائے گی، پھر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جس میں کہا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کی صحبت اٹھانے والوں (یعنی تابعین) کی صحبت اٹھائی ہو، تو جواب دیا جائے گا کہ جی ہاں! پس اس کی برکت سے فتح (وکامیابی) عطا کی جائے گی (بخاری)

اس حدیث سے صحابۂ کرام وتابعین اور خیر القرون کے دور کے لوگوں کی برکت کا ہونا معلوم ہوا، جوکہ نیک لوگوں کے باعثِ برکت ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَا تَزَالُوْنَ بِخَیْرٍ مَّا دَامَ فِیْکُمْ مَنْ رَّآنِیْ وَصَاحَبَنِیْ وَاللّٰہِ لَا تَزَالُوْنَ بِخَیْرٍ مَا دَامَ فِیْکُمْ مَنْ رَّأٰی مَنْ رَّآنِیْ وَصَاحَبَ مَنْ صَاحَبَنِیْ وَاللّٰہِ لَا تَزَالُوْنَ بِخَیْرٍ مَا دَامَ فِیْکُمْ مَنْ رَأٰی مَنْ رَّأٰی مَنْ رَّآنِیْ وَصَاحَبَ مَنْ صَاحَبَ مَنْ صَاحَبَنِیْ (السنة لابنِ ابی عاصم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس وقت تک خیر کی حالت میں رہو گے، جب تک تم میں وہ حضرات موجود ہوں گے، جنہوں نے مجھے دیکھا

---

[1] رقم الحدیث ۱۴۸۱، باب ذکر قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لا تزالون بخیر ما دام فیکم من رآنی، مصنف ابنِ ابی شیبة رقم الحدیث ۳۳۰۸۴، باب ما ذکر فی الکف عن أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مسند الشامیین للطبرانی، رقم الحدیث ۷۹۹.

قال ابن حجر: أخرجه بن أبی شیبة وإسناده حسن (فتح الباری لابنِ حجر، ج۷ص۵، قوله باب فضائل أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم)

وقال الالبانی: قلت: وهذا إسناد جید، رجاله رجال "الصحیح (سلسلة الاحادیث الصحیحة، تحت رقم الحدیث ۳۲۸۳)

اور میری صحبت اٹھائی ہو (یعنی صحابۂ کرام) اللہ کی قسم ! تم خیر کی حالت میں رہو گے، جب تک تم میں وہ لوگ موجود ہوں، جنہوں نے ان لوگوں کو دیکھا جنہوں نے مجھے دیکھا، اوران کی صحبت اختیار کی جنہوں نے میری صحبت اختیار کی (یعنی تابعین) اللہ کی قسم تم خیر کی حالت میں رہو گے، جب تک تم میں وہ لوگ موجود ہوں، جنہوں نے اُن لوگوں کو دیکھا کہ ان لوگوں نے مجھے دیکھنے والوں کو دیکھا، اوران لوگوں کی صحبت اختیار کی جنہوں نے میری صحبت اختیار کرنے والوں کی صحبت اختیار کی (یعنی تبع تابعین) (السنۃ لابنِ ابی عاصم، ابنِ ابی شیبہ، طبرانی)

اس حدیث سے بھی نیک وصالح لوگوں کی برکت اور بالخصوص صحابۂ کرام اورخیر القرون کے دور کے لوگوں کی برکت کا ہونا معلوم ہوا۔

اسی وجہ سے احادیث میں صحابہ وتابعین اوراتباعِ تابعین کے زمانہ کوخیرُ القرون یعنی بہترین زمانہ قرار دیا گیا ہے۔

خیرالقرون کی برکت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ يَجِيْءُ أَقْوَامٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِيْنَهُ، وَيَمِيْنُهُ شَهَادَتَهُ (صحيح البخاري)[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو میرے زمانہ میں ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر ایسی قوم پیدا ہوگی، جن کی گواہی ان کی قسموں پر اوران کی قسمیں

---

[1] رقم الحديث ۲۶۵۲، كتاب الشهادات، باب: لا يشهد على شهادة جور إذا أشهد.

ان کی گواہی پر پہل کریں گی (یعنی نہ قسم جھوٹی و سچی کھانے سے عار اور نہ گواہی دینے میں کوئی تردّد وادھار) (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

سَأَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ؟ قَالَ: اَلْقَرْنُ الَّذِيْ أَنَا فِيْهِ، ثُمَّ الثَّانِيْ، ثُمَّ الثَّالِثُ (صحیح مسلم) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ لوگوں میں سے سب سے بہترین لوگ کون سے ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس زمانے کے لوگ کہ جس میں میں ہوں، پھر دوسرے زمانے کے لوگ، پھر تیسرے زمانے کے لوگ (مسلم)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَطَبَ عُمَرُ النَّاسَ بِالْجَابِيَةِ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِيْ مِثْلِ مَقَامِيْ هٰذَا، فَقَالَ: أَحْسِنُوْا إِلٰى أَصْحَابِيْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ يَجِيْءُ قَوْمٌ يَحْلِفُ أَحَدُهُمْ عَلَى الْيَمِيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسْتَحْلَفَ عَلَيْهَا، وَيَشْهَدُ عَلَى الشَّهَادَةِ قَبْلَ أَنْ يُسْتَشْهَدَ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۷۷، المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۲۹۲۹) [2]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر ہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اس جگہ کھڑے ہو کر یہ بات فرمائی تھی کہ تم میرے صحابہ کے ساتھ نیک سلوک کرنا، پھر ان سے متصل آنے والوں

---

[1] رقم الحدیث ۲۵۳۶ "۲۱۲" کتاب فضائل الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، باب فضل الصحابۃ ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم.

[2] قال شعیب الارنؤوط: حدیث صحیح، رجالہ ثقات (حاشیۃ مسند احمد)

(یعنی تابعین) کے ساتھ، اور پھر ان سے متصل آنے والوں (یعنی تبع تابعین) کے ساتھ پھر ایسے لوگ آئیں گے کہ آدمی قسم لئے بغیر قسم کھائے گا اور گواہی دینے والا گواہی طلب کئے بغیر گواہی دے گا (مسند احمد، طبرانی)

جلیسِ صالح کی برکت

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيْسِ السَّوْءِ، كَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْكِ وَكِيْرِ الْحَدَّادِ، لَا يَعْدَمُكَ مِنْ صَاحِبِ الْمِسْكِ إِمَّا تَشْتَرِيْهِ، أَوْ تَجِدُ رِيْحَهُ، وَكِيْرُ الْحَدَّادِ يُحْرِقُ بَدَنَكَ، أَوْ ثَوْبَكَ، أَوْ تَجِدُ مِنْهُ رِيْحًا خَبِيْثَةً (صحيح البخاری، رقم الحديث ۲۱۰۱، كتاب البيوع، باب فی العطار وبيع المسک)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھے اور برے ساتھی کی مثال ایسی ہے جیسے مشک (یعنی خوشبو) والا اور لوہاروں کی بھٹی کہ مشک (خوشبو) والے کے پاس سے تم بغیر فائدے کے واپس نہ ہوگے یا تو اسے خریدو گے یا اس کی خوشبو پاؤ گے اور لوہار کی بھٹی تمہارے جسم کو یا کپڑے کو جلا دے گی یا تم اس کا مضر دھواں پھانکو گے (بخاری)

اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت ہے کہ:

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا، وَمَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ مَثَلُ الْعَطَّارِ إِنْ لَّمْ يُحْذِكَ مِنْ عِطْرِهٖ عَلَقَكَ مِنْ رِيْحِهٖ، وَمَثَلُ الْجَلِيْسِ السُّوْءِ مَثَلُ الْكِيْرِ إِنْ لَّمْ يُحْرِقْكَ نَالَكَ مِنْ شَرِّهٖ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ۱۹۶۲۴) [1]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: ایک مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کی طرح ہوتا ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔ اور اچھے ہم نشین کی مثال عطار (یعنی خوشبو فروش) کی سی ہے کہ اگر وہ اپنے عطر کی شیشی تمہارے قریب بھی نہ لائے تو اس کی خوشبو تم تک پہنچے گی اور برے ہم نشین کی مثال بھٹی کی سی ہے کہ اگر وہ تمہیں نہ بھی جلائے تب بھی اس کی تپش اور شعلے تو تم تک پہنچیں گے (مسند احمد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الْأُتْرُجَّةِ، رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ، وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ، وَلَا رِيْحَ لَهَا، وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِیْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ، رِيْحُهَا طَيِّبٌ، وَطَعْمُهَا مُرٌّ، وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِیْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ طَعْمُهَا مُرٌّ، وَلَا رِيْحَ لَهَا، وَمَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْكِ، إِنْ لَمْ يُصِبْكَ مِنْهُ شَیْءٌ أَصَابَكَ مِنْ رِيْحِهٖ، وَمَثَلُ جَلِيْسِ السُّوْءِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْكِيْرِ، إِنْ لَمْ يُصِبْكَ مِنْ سَوَادِهٖ أَصَابَكَ مِنْ دُخَانِهٖ (سنن ابی داؤد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مومن جو قرآن پڑھتا ہے، اس کی مثال ترنج کی طرح ہے کہ اس کی خوشبو بھی پاکیزہ ہے اور اس کا ذائقہ بھی عمدہ ہوتا ہے، اور وہ مومن جو قرآن نہیں پڑھتا، اس کی مثال کھجور کی طرح ہے کہ اس کا ذائقہ تو عمدہ ہوتا ہے، لیکن اس میں خوشبو نہیں، اور اس فاجر کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے، ریحانہ (یعنی تلسی یا Basil) کی طرح ہے کہ اس کی خوشبو عمدہ ہوتی

---

[1] رقم الحديث ۴۸۲۹، كتاب الادب، باب من يؤمر أن يجالس.
قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية سنن ابی داود)

ہے، لیکن اس کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے، اور وہ فاجر آدمی جو قرآن کی تلاوت نہیں کرتا، اس کی مثال حنظل (یعنی اندرائن کے پھل یا Colocynth) کی ہے کہ اس کا ذائقہ بھی کڑوا ہوتا ہے اور اس میں خوشبو نہیں ہوتی، اور نیک آدمی کے ہم نشین کی مثال مشک (یعنی کستوری) والے کی طرح ہے کہ اگر تجھے اس مشک میں سے کچھ بھی نہ ملے تو اس کی خوشبو تو تجھے پہنچ ہی جائے گی، اور برے آدمی کے ہم نشین کی مثال بھٹی والے کی طرح ہے کہ اگر اس کی کالک سے تو بچ بھی جائے، تو اس کا دھواں تو تجھے ضرور پہنچے گا (ابوداؤد)

مذکورہ احادیث سے نیک لوگوں کی مجالست ومصاحبت کے ذریعہ برکت حاصل کرنا معلوم ہوا۔

اور موجودہ سائنس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ نیک اور اچھے کردار کے لوگوں کے جسم سے اچھے اثرات اور شعاعیں خارج ہوتی ہیں، جس طرح برے لوگوں کے جسم سے برے اثرات اور شعاعیں خارج ہوتی ہیں، اور دونوں کے اچھے برے اثرات گردوپیش اور پورے ماحول کو متاثر کرتی ہیں۔

جس طرح بعض اہلِ سائنس کے بیان کردہ ''ایتھر'' (Ether) یعنی ''ایثر'' کی شعاعوں کا معاملہ ہے۔

اگلے زمانہ میں ان شاءاللہ یہ بات مزید واضح ہو جائے گی۔

چند متعلقہ مسائل

اب اس سلسلہ میں چند مسائل ملاحظہ فرمایئے۔

مسئلہ نمبر 1...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے، جب تک کسی خلافِ شریعت امر کا ارتکاب نہ کیا جائے، اور اس میں غلو وحد سے تجاوز نہ کیا جائے، البتہ

بعض اہلِ علم حضرات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار میں قصد وعدمِ قصد اور اہتمام وعدمِ اہتمام کی قید لگا کر تقسیم کرتے ہیں۔ [1]

اور بہت سے علماء کے نزدیک حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنا بھی جائز ہے۔

جبکہ بعض اہلِ علم اس سے اختلاف کرتے ہیں، لیکن دلائل کی رُو سے حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کا جواز ہمارے نزدیک راجح ہے، جس کی تفصیل دلائل کے ساتھ اپنے مقام پر ذکر کر دی گئی ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر 2...... ''تبرک'' کے علاوہ عربی زبان میں ایک لفظ ''توسل'' یا ''وسیلہ'' استعمال ہوتا ہے، جس کے معنیٰ تقرب حاصل کرنے کے ہیں۔

توسل کا اطلاق ان چیزوں پر بھی ہوتا ہے، جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے، مثلاً نیک اعمال کا بجالانا، اور گناہوں سے بچنا۔

اسی طرح توسل کا اطلاق دوسرے سے اپنے حق میں دعاء طلب کرنے پر بھی ہوتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ناموں یا کسی صفتِ الٰہی یا کسی نیک عمل یا نیک مخلوق کے ذریعہ سے

---

[1] التبرک بآثار النبی صلی اللہ علیہ وسلم:
اتفق العلماء علی مشروعیة التبرک بآثار النبی صلی اللہ علیہ وسلم وأورد علماء السیرة والشمائل والحدیث أخبارا کثیرة تمثل تبرک الصحابة الکرام رضی اللہ عنہم بأنواع متعددة من آثارہ صلی اللہ علیہ وسلم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٠، ص٧٠، مادة ''تبرک'')

[2] اتفق العلماء علی مشروعیة التبرک بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وبآثارہ، وأورد علماء السیرة والشمائل والحدیث أخبارا کثیرة تمثل تبرک الصحابة رضی اللہ عنہم بصور متعددة بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وآثارہ .

قال ابن رجب: والتبرک بالآثار إنما کان یفعله الصحابة رضی اللہ عنہم مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یکونوا یفعلونه مع بعضهم بعضا ولا یفعله التابعون مع الصحابة مع علو قدرهم فدل علی أن هذا لا یفعل إلا مع الرسول صلی اللہ علیہ وسلم مثل التبرک بالوضوء وغیرہ.

وقال ابن حجر والنووی: یقاس علیه غیرہ فی ذلک (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٤ ص ٥٩، ٦٠، مادة ''نبی'')

اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے پر بھی توسل کا اطلاق ہوتا ہے۔ [1]

اس کے علاوہ عربی زبان میں ''توسل'' کے لیے بعض اوقات دوسرے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ [2]

---

[1] التوسل لغة: التقرب .يقال: توسلت إلى الله بالعمل: أى تقربت إليه، وتوسل إلى فلان بكذا: تقرب إليه بحرمة آصرة تعطفه عليه .والوسيلة هى التى يتوصل بها إلى تحصيل المقصود.
قال الله تعالى(يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وابتغوا إليه الوسيلة)
ووسل إلى الله تعالى توسيلا: عمل عملا تقرب به إليه كتوسل.
والواسل: الراغب إلى الله تعالى.
ولا يخرج التوسل فى الاصطلاح عن معناه فى اللغة، فيطلق على ما يتقرب به إلى الله تعالى من فعل الطاعات وترك المنهيات، وعليه حمل المفسرون قوله تعالى: (وابتغوا إليه الوسيلة)
ويطلق التوسل أيضا على التقرب إلى الله بطلب الدعاء من الغير، وعلى الدعاء المتقرب به إلى الله تعالى باسم من أسمائه، أو صفة من صفاته، أو بخلقه كنبى، أو صالح، أو العرش، وغير ذلك على خلاف وتفصيل بين الفقهاء كما سيتضح.
وأطلقت الوسيلة فى الحديث على منزلة فى الجنة .قال النبى عليه الصلاة والسلام: سلوا الله لى الوسيلة فإنها منزلة فى الجنة لا تنبغى إلا لعبد من عباد الله وأرجو أن أكون أنا هو(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ص ۱۴۹، ۱۵۰،مادة "توسل")

[2] الألفاظ ذات الصلة:
أ – الاستعانة:
الاستعانة لغة طلب العون، وفى الاصطلاح كذلك .وتكون الاستعانة بالله وبغيره، أما الاستعانة بالله فهى مطلوبة فى كل خير، وأما الاستعانة بغير الله ففيها تفصيل يرجع إليه فى مصطلح (استعانة).
والتوسل والاستعانة لفظان متساويان لغة واصطلاحا.
ب – الاستغاثة:
الاستغاثة طلب الغوث والنصر، وفى الاصطلاح كذلك.
والاستغاثة غير التوسل؛ لأن الاستغاثة لا تكون إلا فى حال الشدة، والتوسل يكون فى حال الشدة وحال الرخاء قال ابن تيمية: ولم يقل أحد إن التوسل بنبى هو استغاثة به، بل العامة الذين يتوسلون فى أدعيتهم بأمور، كقول أحدهم: أتوسل إليك بحق الشيخ فلان أو بحرمته، أو أتوسل إليك باللوح والقلم أو بالكعبة، أو غير ذلك مما يقولونه فى أدعيتهم يعلمون أنهم لا يستغيثون بهذه الأمور، فإن المستغيث بالنبى صلى الله عليه وسلم طالب منه وسائل له.
والمتوسل به لا يدعى ولا يطلب منه ولا يسأل، وإنما يطلب به، وكل أحد يفرق بين المدعو والمدعو به (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ص ۱۵۰ ،مادة "توسل")

مسئلہ نمبر 3...... قرآن وسنت میں نیک اعمال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کا حکم آیا ہے، اس لیے نیک اعمال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کی صورت میں توسل کے جائز ہونے میں شبہ نہیں، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر 4...... اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور اللہ تعالیٰ کی صفاتِ بابرکات کے ذریعہ توسل حاصل کرنا جائز ہے، مثلاً یہ کہنا کہ یا اللہ میری اس دعاء کو اپنی صفتِ کریمی یا صفتِ غفوری وغیرہ کے توسل اور برکت سے قبول فرمالیجیے۔ [2]

---

[1] الحكم التكليفي للتوسل:
لقد أمر الله سبحانه وتعالى عباده المؤمنين بالتوسل إليه بالأعمال الصالحة مع التقوى المكللة بالإيمان الصادق فقال(يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وابتغوا إليه الوسيلة)
قال ابن تيمية وهذا التوسل بالإيمان به وطاعته فرض على كل أحد فى كل حال، باطنا وظاهرا، فى حياة رسول الله صلى الله عليه وسلم وبعد موته، فى مشهده ومغيبه، لا يسقط التوسل بالإيمان به وبطاعته عن أحد من الخلق فى حال من الأحوال بعد قيام الحجة عليه، ولا بعذر من الأعذار، ولا طريق إلى كرامة الله ورحمته والنجاة من عذابه إلا التوسل بالإيمان به وبطاعته.
وقد مدح الله المتوسلين إليه بما يرضيه سبحانه بقوله:(أولئک الذين يدعون يبتغون إلى ربهم الوسيلة أيهم أقرب ويرجون رحمته ويخافون عذابه إن عذاب ربک كان محذورا)
وهناک صور أخرى للتوسل منها: ما هو جائز، ومنها ما هو غير جائز، على خلاف وتفصيل بين الفقهاء يأتى بيانه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ ص ۱۵۰، ۱۵۱،مادة " توسل")

[2] أولا: التوسل بأسماء الله تعالى وصفاته:
اتفق الفقهاء على أن التوسل إلى الله تعالى بأسمائه وصفاته مستحب لأى شأن من أمور الدنيا والآخرة .قال الله تعالى: (ولله الأسماء الحسنى فادعوه بها وذروا الذين يلحدون فى أسمائه سيجزون ما كانوا يعملون)
وقد ورد فى السنة المطهرة أحاديث كثيرة يتوسل فيها النبى صلى الله عليه وسلم بأسمائه تعالى وصفاته منها: حديث أنس بن مالک قال: كان النبى صلى الله عليه وسلم إذا كربه أمر قال: يا حى يا قيوم برحمتک أستغيث ومنها: قوله صلى الله عليه وسلم: أسألک بكل اسم سميت به نفسک، أو أنزلته فى كتابک، أو علمته أحدا من خلقک، أو استأثرت به فى علم الغيب عندک أن تجعل القرآن ربيع قلبى، ونور بصرى، وجلاء حزنى، وذهاب همى .
ومنها: حديث عمران بن حصين رضى الله عنه أنه مر على قاص يقرأ ثم يسأل، فاسترجع عمران بن حصين أى قال: (إنا لله وإنا إليه راجعون) ثم قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من قرأ القرآن فليسأل الله به، فإنه سيجىء أقوام يقرئون القرآن يسألون به الناس .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر 5...... اعمالِ صالحہ کے ساتھ ساتھ ایمان کے ذریعہ سے توسل حاصل کرنا بھی جائز ہے، مثلاً یہ کہنا کہ یا اللہ میری اس دعاء کو میرے ایمان یا فلاں نیک عمل کے توسل اور برکت سے قبول فرمالیجیے، جیسا کہ صحیح حدیث میں کچھ لوگوں کے غار میں گِھر جانے اور پھر اپنے اپنے نیک اعمال کے توسل سے اللہ سے دعاء کرنے اور پھر ان کی دعاء قبول ہونے کا ذکر ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

کراهة أن يسأل بوجه الله غير الجنة:

لما كانت أسماؤه تعالى عظيمة القدر وصفاته جليلة مقدسة ناسب أن يسأل بها الشيء العظيم كالجنة والمغفرة والطاعة وغير ذلك، لكن خص الوجه بسؤال الجنة به، ولا يسأل به غير ذلك؛ لأن الجنة أعظم ما يسأل المسلم من ربه، إذ هي دار رحمته، ومستقر رضاه وأمنه.

عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يسأل بوجه الله إلا الجنة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ ص ۱۵۱، ۱۵۲، مادة "توسل")

[1] ثانيا: التوسل بالإيمان والأعمال الصالحة:

أجمع الفقهاء على جواز التوسل إلى الله تعالى بالأعمال الصالحة التي يعملها الإنسان متقربا بها إلى الله تعالى.

وقد ذهب المفسرون إلى أن الوسيلة المذكورة في القرآن الكريم في قوله تعالى (يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وابتغوا إليه الوسيلة) وفي قوله تعالى (أولئك الذين يدعون يبتغون إلى ربهم الوسيلة) تطلق على الأعمال الصالحة.

وقال الله تعالى: (إياك نعبد وإياك نستعين اهدنا الصراط المستقيم) فقد قدم ذكر الأعمال الصالحة ثم تلا ذلك بالدعاء.

وقال الله تعالى: (الذين يقولون ربنا إننا آمنا فاغفر لنا ذنوبنا وقنا عذاب النار) وقال الله تعالى (فلما أحس عيسى منهم الكفر قال من أنصاري إلى الله قال الحواريون نحن أنصار الله آمنا بالله وأشهد بأنا مسلمون ربنا آمنا بما أنزلت واتبعنا الرسول فاكتبنا مع الشاهدين)

وغير ذلك من الآيات الكريمة.

وأما السنة فمنها حديث عبد الله بن بريدة عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سمع رجلا يقول: اللهم إني أسألك أني أشهد أنك أنت الله لا إله إلا أنت الأحد الصمد الذي لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا أحد، فقال: لقد سألت الله بالاسم الذي إذا سئل به أعطى، وإذا دعي به أجاب.

ومنها حديث الغار المروي، عن عبد الله بن عمر بن الخطاب رضي الله عنهما قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: انطلق ثلاثة نفر ممن كان قبلكم حتى آواهم المبيت إلى غار فدخلوه، فانحدرت صخرة من الجبل فسدت عليهم الغار، فقالوا: إنه لا ينجيكم من هذه الصخرة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر 6...... علماء کا اس بارے میں قابلِ ذکر اختلاف نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیاوی حیاتِ طیبہ میں اللہ سے دعاء کی درخواست کرنا جائز تھا، جس کا تواتر سے ثبوت پایا جاتا ہے، مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کرنا کہ آپ میرے لیے اللہ سے مغفرت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إلا أن تدعوا الله بصالح أعمالكم .قال رجل منهم: اللهم كان لى أبوان شيخان كبيران وكنت لا أغبق قبلهما أهلا ولا مالا .فنأى بى طلب الشجر يوما فلم أرح عليهما حتى ناما، فحلبت لهما غبوقهما، فوجدتهما نائمين، فكرهت أن أوقظهما، وأن أغبق قبلهما أهلا أو مالا، فلبثت – والقدح على يدى – أنتظر استيقاظهما حتى برق الفجر والصبية يتضاغون عند قدمى، فاستيقظا فشربا غبوقهما .اللهم إن كنت فعلت ذلک ابتغاء وجهک ففرج عنا ما نحن فيه من هذه الصخرة، فانفرجت شيئا لا يستطيعون الخروج منه.

قال الآخر: اللهم إنه كانت لى ابنة عم كانت أحب الناس إلى، وفى رواية: كنت أحبها كأشد ما يحب الرجال النساء فأردتها على نفسها فامتنعت منى حتى ألمت بها سنة من السنين، فجائتنى، فأعطيتها عشرين ومائة دينار على أن تخلى بينى وبين نفسها ففعلت، حتى إذا قدرت عليها، وفى رواية: فلما قعدت بين رجليها قالت: اتق الله ولا تفض الخاتم إلا بحقه، فانصرفت عنها وهى أحب الناس إلى، وتركت الذهب الذى أعطيتها.

اللهم إن كنت فعلت ذلک ابتغاء وجهک فافرج عنا ما نحن فيه، فانفرجت الصخرة غير أنهم لا يستطيعون الخروج منها.

وقال الثالث: اللهم استأجرت أجراء وأعطيتهم أجرهم غير رجل واحد ترک الذى له وذهب، فثمرت أجره حتى كثرت منه الأموال، فجائنى بعد حين، فقال: يا عبد الله أد إلى أجرى، فقلت: كل ما ترى من أجرک من الإبل والبقر والغنم والرقيق .فقال: يا عبد الله لا تستهزء بى، فقلت: لا أستهزء بک، فأخذه كله فاستاقه فلم يترک منه شيئا .اللهم إن كنت فعلت ذلک ابتغاء وجهک فافرج عنا ما نحن فيه.فانفرجت الصخرة فخرجوا يمشون .

وعن ابن عباس رضى الله عنهما قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قام يتهجد قال: اللهم ربنا لک الحمد أنت قيم السموات والأرض ومن فيهن، ولک الحمد أنت الحق ووعدک الحق؛ ولقاؤک حق، وقولک حق، والجنة حق، والنار حق، والنبيون حق، ومحمد حق، والساعة حق، اللهم لک أسلمت، وبک آمنت، وعليک توكلت، وإليک أنبت، وبک خاصمت، وإليک حاكمت، فاغفر لى ما قدمت وما أخرت وما أسررت وما أعلنت .

وعن أبى سعيد الخدرى قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما خرج رجل من بيته إلى الصلاة فقال: اللهم إنى أسألک بحق السائلين عليک وبحق ممشاى . .فإنى لم أخرج أشرا ولا بطرا . . . "الحديث(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ ص ۱۵۲ الیٰ ۱۵۴ ،مادة "توسل")

وغیرہ کی دعاء فرمادیجیے۔ [1]

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے دن آپ کی شفاعت حاصل ہونے کی دعاء کرانا بھی جائز تھا، مثلاً یہ کہنا کہ اے اللہ کے نبی! آپ میرے لیے اللہ سے یہ دعاء کردیجیے کہ مجھے قیامت کے دن آپ کی شفاعت نصیب ہو۔ [2]

---

[1] التوسل بالنبى صلى الله عليه وسلم:
لا خلاف بين العلماء فى جواز التوسل بالنبى صلى الله عليه وسلم فى الأحوال التالية:
أولا – التوسل بالنبى بمعنى طلب الدعاء منا فى الدنيا والشفاعة فى الآخرة.
أ – طلب الدعاء من النبى فى الحياة الدنيا:
إن التوسل بالنبى صلى الله عليه وسلم بمعنى طلب الدعاء منه فى حياته قد ثبت بالتواتر، فقد كان الصحابة الكرام رضى الله عنهم يسألون النبى الدعاء فى الأمور الدنيوية والأخروية .وقد أرشدهم القرآن الكريم إلى ذلك قال الله تعالى:(ولو أنهم إذ ظلموا أنفسهم جاء وك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما .
وفى كتب السنة من ذلك الشىء الكثير، فعن عثمان بن حنيف أن رجلا ضرير البصر أتى النبى صلى الله عليه وسلم فقال: ادع الله أن يعافينى.
قال: إن شئت دعوت وإن شئت صبرت فهو خير لك، قال: فادعه .قال: فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوئه ويدعو بهذا الدعاء: اللهم إنى أسألك وأتوجه إليك بنبيك محمد نبى الرحمة .يا محمد إنى توجهت بك إلى ربى فى حاجتى هذه لتقضى . . .إلى قوله: اللهم فشفعه فى فقام وقد أبصر .
وزاد حماد بن سلمة وإن كانت لك حاجة فافعل مثل ذلك ومنها أن رجلا دخل المسجد يوم الجمعة ورسول الله صلى الله عليه وسلم قائم يخطب، فقال: يا رسول الله هلكت الأموال وانقطعت السبل فادع الله يغيثنا .فرفع رسول الله يديه، ثم قال: اللهم أغثنا .اللهم أغثنا .اللهم أغثنا.
قال أنس: ولا والله ما نرى فى السماء من سحاب ولا قزعة، وما بيننا وبين سلع من بيت ولا دار، فطلعت من ورائه سحابة مثل الترس، فلما توسطت السماء انتشرت ثم أمطرت، فلا والله ما رأينا الشمس سبتا، ثم دخل رجل من ذلك الباب فى الجمعة المقبلة، ورسول الله صلى الله عليه وسلم قائم يخطب فاستقبله قائما فقال: يا رسول الله هلكت الأموال وانقطعت السبل فادع الله يمسكها عنا.
فرفع رسول الله صلى الله عليه وسلم يديه ثم قال: اللهم حوالينا ولا علينا .اللهم على الآكام والظراب وبطون الأودية ومنابت الشجر .فأقلعت وخرجنا نمشى فى الشمس(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ ص ۱۵۴، ۱۵۵،مادة "توسل")

[2] ب – طلب الدعاء من النبى صلى الله عليه وسلم يوم القيامة:
اتفق العلماء على أن التوسل بالنبى صلى الله عليه وسلم يوم القيامة بسؤال الخلق له أن يشفع لهم عند ربهم فى المحشر واقع لا محالة خلافا للمعتزلة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر 7...... اس بارے میں اہلُ السنۃ والجماعۃ کے قابلِ ذکر حضرات کا کوئی اختلاف نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن، اللہ عزوجل کی طرف سے شفاعتِ کبریٰ حاصل ہوگی۔

اس لیے بندۂ مؤمن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت حاصل ہونے کی دعاء کرنا، یا اس شفاعتِ کبریٰ کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعاء کرنا جائز ہے، مثلاً دعاء میں یہ کہنا کہ یا اللہ! مجھے قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرما دیجیے، یا مجھے قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی برکت سے مستفید فرما دیجیے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والشفاعة العظمى يومئذ خصوصية منحها الله تعالى لحبيبه فى عرصات القيامة تكريما وتشريفا له عليه الصلاة والسلام.

عن أبى هريرة وحذيفة رضى الله عنهما قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يجمع الله تبارك وتعالى الناس يوم القيامة، فيقوم المؤمنون حتى تزلف لهم الجنة .فيأتون آدم فيقولون: يا أبانا استفتح لنا الجنة فيقول: وهل أخرجكم من الجنة إلا خطيئة أبيكم آدم؟ لست بصاحب ذلك اذهبوا إلى ابنى إبراهيم خليل الله .قال: فيقول إبراهيم عليه السلام: لست بصاحب ذلك إنما كنت خليلا من وراء وراء .اعمدوا إلى موسى عليه السلام الذى كلمه الله تكليما، فيأتون موسى فيقول: لست بصاحب ذلك اذهبوا إلى عيسى كلمة الله وروحه، فيقول عيسى عليه السلام: لست بصاحب ذلك، فيأتون محمدا صلى الله عليه وسلم فيقوم فيؤذن له، وترسل الأمانة والرحم فتقومان جنبتى الصراط يمينا وشمالا فيمر أولكم كالبرق . . .الحديث ."

وفى حديث أنس بن مالك رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا كان يوم القيامة ماج الناس بعضهم إلى بعض فيأتون آدم فيقولون له: اشفع لذريتك فيقول: لست لها .. فيؤتى عيسى فيقول: لست لها ولكن عليكم بمحمد صلى الله عليه وسلم فأوتى، فأقول: أنا لها، فأنطلق، فأستأذن على ربى، فيؤذن لى، فأقوم بين يديه، فأحمده بمحامد لا أقدر عليه الآن يلهمنيه الله ثم أخر له ساجدا، فيقال لى: يا محمد ارفع رأسك وقل يسمع لك وسل تعطه واشفع تشفع، فأقول: يا رب أمتى أمتى . . .الحديث "(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٤ ص١٥٥، ١٥٦، مادة ”توسل“)

[1] اتفق العلماء على أن التوسل بالنبى صلى الله عليه وسلم يوم القيامة بسؤال الخلق له أن يشفع لهم عند ربهم فى المحشر واقع لا محالة خلافا للمعتزلة.

والشفاعة العظمى يومئذ خصوصية منحها الله تعالى لحبيبه في عرصات القيامة تكريما وتشريفا له عليه الصلاة والسلام.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر 8...... اگر کوئی شخص خود اللہ سے دعاء کرے، اور اسی کے ساتھ دوسرے مومن وصالح بندہ سے بھی دعا کرائے، تو یہ جائز ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن أبی هريرة وحذيفة رضی الله عنهما قالا :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :يجمع الله تبارک وتعالى الناس يوم القيامة، فيقوم المؤمنون حتى تزلف لهم الجنة .فيأتون آدم فيقولون :يا أبانا استفتح لنا الجنة فيقول :وهل أخرجكم من الجنة إلا خطيئة أبيكم آدم؟ لست بصاحب ذلک اذهبوا إلى ابنى إبراهيم خليل الله .قال :فيقول إبراهيم عليه السلام :لست بصاحب ذلک إنما كنت خليلا من وراء وراء .اعمدوا إلى موسى عليه السلام الذى كلمه الله تكليما، فيأتون موسى فيقول :لست بصاحب ذلک اذهبوا إلى عيسى كلمة الله وروحه، فيقول عيسى عليه السلام : لست بصاحب ذلک، فيأتون محمدا صلى الله عليه وسلم فيقوم فيؤذن له، وترسل الأمانة والرحم فتقومان جنبتى الصراط يمينا وشمالا فيمر أولكم كالبرق . . الحديث ."

وفى حديث أنس بن مالک رضى الله عنه قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إذا كان يوم القيامة ماج الناس بعضهم إلى بعض فيأتون آدم فيقولون له :اشفع لذريتک فيقول :لست لها .. فيؤتى عيسى فيقول :لست لها ولكن عليكم بمحمد صلى الله عليه وسلم فأوتى، فأقول :أنا لها، فأنطلق، فأستأذن على ربى، فيؤذن لى، فأقوم بين يديه، فأحمده بمحامد لا أقدر عليه الآن يلهمنيه الله ثم أخر له ساجدا، فيقال لى :يا محمد ارفع رأسک وقل يسمع لک وسل تعطه واشفع تشفع، فأقول :يا رب أمتى أمتى . .الحديث (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴، ص۱۵۵، مادة "توسل")

طلب شفاعته صلى الله عليه وسلم:

طلب الشفاعة منه صلى الله عليه وسلم فى حياته جائز، كما شفع صلى الله عليه وسلم لمغيث زوج بريرة عندما خيرت لما عتقت بين البقاء معه وبين مفارقته، فشفع النبى صلى الله عليه وسلم له لترضى بالبقاء معه، فقالت " :لا حاجة لى فيه "

وكذلک يتشفع به بنو آدم يوم القيامة فيشفع لهم عند الله تعالى لتعجيل الحساب، كما ورد به الحديث الصحيح.

وأما بعد وفاته صلى الله عليه وسلم فإن طلب الشفاعة منه لا بأس به، بأن يتوجه العبد بالدعاء إلى الله تعالى فيقول :اللهم شفع فينا نبيک محمدا صلى الله عليه وسلم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص۵۹، مادة "نبى")

۱؎ استغاثة بالله واستغاثة بالشفيع أن يدعو الله له :وهو أن يسأل الله، ويسأل المتوسل به أن يدعو له، كما كان يفعل الصحابة، ويستغيثون ويتوسلون بالنبى صلى الله عليه وسلم فى الاستسقاء ، ثم من بعده بعمه العباس ، ويزيد بن الأسود الجرشى رضى الله عنهما، فهو استغاثة بالله، واستغاثة بالشفيع أن يسأل الله له .فهو متوسل بدعائه وشفاعته، وهذا مشروع فى الدنيا والآخرة فى حياة الشفيع، ولا يعلم فيه خلاف.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس کسی دوسرے مومن نیک صالح بندہ سے دعاء کی درخواست کرنا، مثلاً یہ کہ ''آپ میرے لیے فلاں چیز کی، اللہ سے دعاء فرمادیں'' یہ بھی جائز ہے، اوراس کو بعض حضرات نے توسل کی اقسام میں داخل مانا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر 9..... کسی غیرُ اللہ سے ایسی چیز کو طلب کرنا، جس پر اللہ کے علاوہ کسی کو قدرت حاصل نہیں، مثلاً کسی نبی یا ولی سے اولاد کے حصول یا بیماری کی شفاء کو طلب کرنا جائز نہیں، اور اس کو توسل قرار دینا بھی غلط فہمی پر مبنی ہے، کیونکہ دعاء اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اور مذکورہ صورت میں غیرُ اللہ سے دعاء کی جارہی ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فقد روى البخارى عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال :ألا أخبركم بأهل الجنة، كل ضعيف مستضعف، لو أقسم على الله لأبره قال العلماء :معناه لو حلف على الله ليفعلن كذا لأوقع مطلوبه، فيبر بقسمه إكراما له، لعظم منزلته عنده .

فدل ذلک على أن بعض الناس خصه الله بإجابة الدعوة، فلا بأس أن يسأل فيدعو للمستغيث، وقد ورد هذا فى آثار كثيرة عن الرسول صلى الله عليه وسلم والصحابة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴،ص۲۷،مادة '' استغاثة '')

[1] استغاثة فى سؤال الله :وهى أن يستغيث الإنسان بغيره فى سؤال الله له تفريج الكرب، ولا يسأل الله هو لنفسه .وهذا جائز لا يعلم فيه خلاف.

ومنه قول النبى صلى الله عليه وسلم :وهل تنصرون وترزقون إلا بضعفائكم أى بدعائهم، وصلاتهم،واستغفارهم.

ومن هذا أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يستفتح بصعاليک المهاجرين . أى يستنصر بهم . فالاستنصار والاسترزاق يكون بالمؤمنين بدعائهم، مع أن النبى صلى الله عليه وسلم أفضل منهم . لكن دعاء هم وصلاتهم من جملة الأسباب، ويقتضى أن يكون للمستنصر به والمسترزق به مزية على غيره من الناس .ومنه قوله صلى الله عليه وسلم :إن من عباد الله من لو أقسم على الله لأبره . منهم البراء بن مالک .

وقوله صلى الله عليه وسلم فى حديث أويس القرنى :فإن استطعت أن يستغفر لک فافعل وقول الرسول صلى الله عليه وسلم لعمر لما ودعه للعمرة :لا تنسنا من دعائک(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴،ص۲۷،مادة ''استغاثة'')

[2] أن يسأل المستغاث به ما لا يقدر عليه، ولا يسأل الله تبارک وتعالى، كأن يستغيث به أن يفرج الكرب عنه، أو يأتى له بالرزق .فهذا غير جائز وقد عده العلماء من الشرک، لقوله تعالى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر 10 ...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور آپ کی محبت کے توسل سے اللہ سے دعاء کرنا جائز ہے، مثلاً یہ کہنا کہ یا اللہ! میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور آپ کی محبت کے وسیلہ سے یہ دعاء کرتا ہوں، کیونکہ ایمان اور محبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اعمالِ صالحہ میں داخل ہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر 11 ...... اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے توسل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(ولا تدع من دون الله ما لا ينفعك ولا يضرك فإن فعلت فإنك إذا من الظالمين وإن يمسسك الله بضر فلا كاشف له إلا هو وإن يردك بخير فلا راد لفضله يصيب به من يشاء من عباده وهو الغفور الرحيم)

وفي الصحيح عن أنس رضي الله عنه قال :شج النبي صلى الله عليه وسلم يوم أحد وكسرت رباعيته، فقال :كيف يفلح قوم شجوا نبيهم ؟ فنزلت (ليس لك من الأمر شيء) فإذا نفى الله تعالى عن نبيه ما لا قدرة له عليه من جلب نفع أو دفع ضر، فغيره أولى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴،ص۲۸ ،مادة "استغاثة")

[1] ج – التوسل بالنبي على معنى الإيمان به ومحبته:

لا خلاف بين العلماء في التوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم على معنى الإيمان به ومحبته، وذلك كأن يقول: أسألك بنبيك محمد ويريد: إني أسألك بإيماني به وبمحبته، وأتوسل إليك بإيماني به ومحبته، ونحو ذلك.

قال ابن تيمية: من أراد هذا المعنى فهو مصيب في ذلك بلا نزاع، وإذا حمل على هذا المعنى كلام من توسل بالنبي صلى الله عليه وسلم بعد مماته من السلف – كما نقل عن بعض الصحابة والتابعين وعن الإمام أحمد وغيره – كان هذا حسنا .وحينئذ فلا يكون في المسألة نزاع، ولكن كثيرا من العوام يطلقون هذا اللفظ ولا يريدون هذا المعنى، فهؤلاء الذين أنكر عليهم من أنكر . وهذا كما أن الصحابة كانوا يريدون بالتوسل به التوسل بدعائه وشفاعته، وهذا جائز بلا نزاع، ثم إن أكثر الناس في زماننا لا يريدون هذا المعنى بهذا اللفظ.

وقال الألوسي: أنا لا أرى بأسا في التوسل إلى الله تعالى بجاه النبي صلى الله عليه وسلم عند الله تعالى حيا وميتا، ويراد من الجاه معنى يرجع إلى صفة من صفاته تعالى، مثل أن يراد به المحبة التامة المستدعية عدم رده وقبول شفاعته، فيكون معنى قول القائل: إلهي أتوسل بجاه نبيك صلى الله عليه وسلم أن تقضي لي حاجتي .إلهي اجعل محبتك له وسيلة في قضاء حاجتي، ولا فرق بين هذا وقولك: إلهي أتوسل برحمتك أن تفعل كذا، إذ معناه أيضا إلهي اجعل رحمتك وسيلة في فعل كذا، والكلام في الحرمة (أي المنزلة – والمراد حرمة النبي) كالكلام في الجاه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ ص۱۵۶ ،مادة "توسل")

سے دعاء کرنا، مثلاً اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتے وقت یہ کہنا کہ:

''اے اللہ! میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ میری اس دعاء کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت یا طفیل سے قبول فرمالیجئے'' یا ''ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل و برکت سے بارش یا فلاں نعمت عطا فرمادیجئے''۔

تو اس طرح کے توسل کی مشروعیت اور جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔

جمہور فقہائے کرام (یعنی مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور متاخرینِ حنفیہ) اور بہت سے اہلِ علم حضرات کے نزدیک اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل یا وسیلہ سے دعاء کرنا جائز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اس میں کوئی غلط عقیدہ شامل نہ ہو، اور کسی خلافِ شریعت کام کا ارتکاب نہ کیا جائے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ [1]

---

[1] البتہ بعض حضرات اس توسل کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات وموجودگی کے ساتھ خاص قرار دیتے ہیں، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ محمد رضوان۔

د – التوسل بالنبی بعد وفاته:

اختلف العلماء فی مشروعية التوسل بالنبی صلی الله عليه وسلم بعد وفاته كقول القائل: اللهم إنی أسألک بنبيک أو بجاه نبيک أو بحق نبيک، علی أقوال:

القول الأول:

ذهب جمهور الفقهاء (المالكية والشافعية ومتأخرو الحنفية وهو المذهب عند الحنابلة) إلی جواز هذا النوع من التوسل سواء فی حياة النبی صلی الله عليه وسلم أو بعد وفاته .

قال القسطلانی: وقد روی أن مالكا لما سأله أبو جعفر المنصور العباسی – ثانی خلفاء بنی العباس – يا أبا عبد الله أأستقبل رسول الله صلی الله عليه وسلم وأدعو أم أستقبل القبلة وأدعو؟

فقال له مالک: ولم تصرف وجهک عنه وهو وسيلتک ووسيلة أبيک آدم عليه السلام إلی الله عز وجل يوم القيامة؟ بل استقبله واستشفع به فيشفعه الله.

وقد روی هذه القصة أبو الحسن علی بن فهر فی كتابه "فضائل مالک "بإسناد لا بأس به وأخرجها القاضی عياض فی الشفاء من طريقه عن شيوخ عدة من ثقات مشايخه.

وقال النووی فی بيان آداب زيارة قبر النبی صلی الله عليه وسلم: ثم يرجع الزائر إلی موقف قبالة وجه رسول الله صلی الله عليه وسلم فيتوسل به ويستشفع به إلی ربه، ومن أحسن ما يقول (الزائر) ما حكاه الماوردی والقاضی أبو الطيب وسائر أصحابنا عن العتبی مستحسنين له قال: كنت جالسا عند قبر النبی صلی الله عليه وسلم فجائه أعرابی فقال: السلام عليک يا رسول الله .سمعت الله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ سبکی، علامہ کرمانی، امام نووی، علامہ قسطلانی، علامہ سمہودی، علامہ ابنِ حاج اور ابنِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تعالى يقول: (ولو أنهم إذ ظلموا أنفسهم جائوک فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما)وقد جئتک مستغفرا من ذنبی مستشفعا بک إلى ربی .ثم أنشأ يقول:

يا خير من دفنت بالقاع أعظمه وطاب من طيبهن القاع والأكم

نفسی الفداء لقبر أنت ساكنه فيه العفاف وفيه الجود والكرم.

وقال العز بن عبد السلام: ينبغی كون هذا مقصورا على النبی صلى الله عليه وسلم لأنه سيد ولد آدم، وأن لا يقسم على الله بغيره من الأنبياء والملائكة الأولياء؛ لأنهم ليسوا فی درجته، وأن يكون مما خص به تنبيها على علو رتبته.

وقال السبكی: ويحسن التوسل والاستغاثة والتشفع بالنبی إلى ربه.

وفی إعانة الطالبين: . . .وقد جئتک مستغفرا من ذنبی مستشفعا بک إلى ربی .

ما تقدم أقوال المالكية والشافعية.

وأما الحنابلة فقد قال ابن قدامة فی المغنی بعد أن نقل قصة العتبی مع الأعرابی: ويستحب لمن دخل المسجد أن يقدم رجله اليمنى. . .

إلى أن قال: ثم تأتی القبر فتقول . . .وقد أتيتک مستغفرا من ذنوبی مستشفعا بک إلى ربی . . . ."ومثله فی الشرح الكبير .

وأما الحنفية فقد صرح متأخروهم أيضا بجواز التوسل بالنبی صلى الله عليه وسلم .قال الكمال بن الهمام فی فتح القدير: ثم يقول فی موقفه: السلام عليک يا رسول الله . . .ويسأل الله تعالى حاجته متوسلا إلى الله بحضرة نبيه عليه الصلاة والسلام.

وقال صاحب الاختيار فيما يقال عند زيارة النبی صلى الله عليه وسلم . . .جئناک من بلاد شاسعة. . .والاستشفاع بک إلى ربنا . . .ثم يقول: مستشفعين بنبيک إليک.

ومثله فی مراقی الفلاح والطحاوی على الدر المختار والفتاوى الهندية.

ونص هؤلاء: عند زيارة قبر النبی صلى الله عليه وسلم اللهم . . .وقد جئناک سامعين قولک طائعين أمرک مستشفعين بنبيک إليک.

وقال الشوكانی: ويتوسل إلى الله بأنبيائه والصالحين .

وقد استدلوا لما ذهبوا إليه بما يأتی :

أ – قوله تعالى: (وابتغوا إليه الوسيلة)

ب – حديث الأعمى المتقدم وفيه: اللهم إنی أسألک وأتوجه إليک بنبيک محمد نبی الرحمة.

فقد توجه الأعمى فی دعائه بالنبی عليه الصلاة والسلام أی بذاته.

ج – قوله صلى الله عليه وسلم فی الدعاء لفاطمة بنت أسد: اغفر لأمی فاطمة بنت أسد ووسع عليها مدخلها بحق نبيک والأنبياء الذين من قبلی فإنک أرحم الراحمين .

د – توسل آدم بنبينا محمد عليهما الصلاة والسلام:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جوزی اورامام شوکانی وغیرہ کی طرف بھی جواز کا یہی قول منسوب ہے، بلکہ امام شوکانی کا اس توسل کے جواز پرایک مستقل رسالہ بھی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

روى البيهقى فى "دلائل النبوة" والحاكم وصححه عن عمر بن الخطاب قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لما اقترف آدم الخطيئة قال: يا رب أسألك بحق محمد لما غفرت لى فقال الله تعالى: يا آدم كيف عرفت محمدا ولم أخلقه؟

قال: يا رب إنك لما خلقتنى رفعت رأسى فرأيت على قوائم العرش مكتوبا لا إله إلا الله محمد رسول الله فعلمت أنك لم تضف إلى اسمك إلا أحب الخلق إليك، فقال الله تعالى: صدقت يا آدم، إنه لأحب الخلق إلى، وإذ سألتنى بحقه فقد غفرت لك، ولولا محمد ما خلقتك .

هـ - حديث الرجل الذى كانت له حاجة عند عثمان بن عفان رضى الله عنه: روى الطبرانى والبيهقى أن رجلا كان يختلف إلى عثمان بن عفان رضى الله عنه فى زمن خلافته، فكان لا يلتفت ولا ينظر إليه فى حاجته، فشكا ذلك لعثمان بن حنيف، فقال له: ائت الميضأة فتوضأ، ثم ائت المسجد فصل، ثم قل: اللهم إنى أسألك وأتوجه إليك بنبيك محمد نبى الرحمة يا محمد إنى أتوجه بك إلى ربك فيقضى لى حاجتى، وتذكر حاجتك، فانطلق الرجل فصنع ذلك ثم أتى باب عثمان بن عفان رضى الله عنه، فجاء البواب فأخذ بيده، فأدخله على عثمان رضى الله عنه فأجلسه معه وقال له: اذكر حاجتك، فذكر حاجته فقضاها له، ثم قال: ما لك من حاجة فاذكرها ثم خرج من عنده فلقى ابن حنيف فقال له: جزاك الله خيرا ما كان ينظر لحاجتى حتى كلمته لى، فقال ابن حنيف، والله ما كلمته ولكن شهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم وأتاه ضرير فشكا إليه ذهاب بصره . إلى آخر حديث الأعمى المتقدم.

قال المباركفورى: قال الشيخ عبد الغنى فى إنجاح الحاجة: ذكر شيخنا عابد السندى فى رسالته والحديث - حديث الأعمى - يدل على جواز التوسل والاستشفاع بذاته المكرم فى حياته، وأما بعد مماته فقد روى الطبرانى فى الكبير عن عثمان بن حنيف أن رجلا كان يختلف إلى عثمان . .إلى آخر الحديث.

وقال الشوكانى فى تحفة الذاكرين: وفى الحديث دليل على جواز التوسل برسول الله صلى الله عليه وسلم إلى الله عز وجل مع اعتقاد أن الفاعل هو الله سبحانه وتعالى وأنه المعطى المانع ما شاء كان وما لم يشأ لم يكن (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ ص ۱۵۶ الیٰ ۱۶۰ ،مادة "توسل")

[1] أن يسأل الله بالمتوسل به تفريج الكربة، ولا يسأل المتوسل به شيئا، كقول القائل :اللهم بجاه رسولك فرج كربتى .وهو على هذا سائل لله وحده، ومستغيث به، وليس مستغيثا بالمتوسل به.

وقد اتفق الفقهاء على أن هذه الصورة ليست شركا، لأنها استغاثة بالله تبارك وتعالى، وليست استغاثة بالمتوسل به.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض حضرات مذکورہ توسل کی کراہت کے قائل ہیں، کتبِ حنفیہ کی بعض عبارات سے اس طرح کے بعض الفاظ کی کراہت معلوم ہوتی ہے، جس سے بعض حضرات نے مذکورہ توسل کی کراہت پر استدلال کیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولكنهم اختلفوا فى المسألة من حيث الحل والحرمة على ثلاثة أقوال:

القول الأول :جواز التوسل بالأنبياء والصالحين حال حياتهم وبعد مماتهم .قال به مالك، والسبكى، والكرمانى، والنووى، والقسطلانى، والسمهودى، وابن الحاج، وابن الجزرى.

واستدل القائلون بجواز الاستغاثة بالأنبياء والصالحين بأدلة كثيرة، منها ما ورد من الأدعية المأثورة عن النبى صلى الله عليه وسلم مثل أسألك بحق السائلين عليك، وبحق ممشاى هذا إليك .

ومنها ما قاله الرسول صلى الله عليه وسلم فى الدعاء لفاطمة بنت أسد اغفر لأمى فاطمة بنت أسد، ووسع عليها مدخلها، بحق نبيك والأنبياء الذين من قبلى،

وكانوا من قبل يستفتحون على الذين كفروا) أنه قال :كان أهل خيبر تقاتل غطفان، كلما التقتا هزمت غطفان اليهود، فدعت اليهود بهذا الدعاء :اللهم إنا نسألك بحق الذى وعدتنا أن تخرجه لنا إلا نصرتنا عليهم .فكانوا إذا التقوا دعوا بهذا الدعاء فتهزم اليهود غطفان.

وقوله تعالى :(ولو أنهم إذ ظلموا أنفسهم جاء وک فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما) وهذا تفخيم للرسول صلى الله عليه وسلم وتعظيمه صلى الله عليه وسلم لا ينقطع بموته .

ويستدلون بحديث الأعمى المتوسل برسول الله فى رد بصره(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴،ص ۲۵ ،مادة "استغاثة")

[1] القول الثانى فى التوسل بالنبى صلى الله عليه وسلم بعد وفاته:

جاء فى التتارخانية معزيا للمنتقى: روى أبو يوسف عن أبى حنيفة: لا ينبغى لأحد أن يدعو الله إلا به (أى بأسمائه وصفاته) والدعاء المأذون فيه المأمور به ما استفيد من قوله تعالى:(ولله الأسماء الحسنى فادعوه بها)

وعن أبى يوسف أنه لا بأس به، وبه أخذ أبو الليث للأثر.وفى الدر: والأحوط الامتناع لكونه خبر واحد فيما يخالف القطعى، إذ المتشابه إنما يثبت بالقطعى.

أما التوسل بمثل قول القائل: بحق رسلك وأنبيائك وأوليائك، أو بحق البيت فقد ذهب أبو حنيفة وأبو يوسف ومحمد إلى كراهته .قال الحصكفى: لأنه لا حق للخلق على الله تعالى وإنما يخص برحمته من يشاء من غير وجوب عليه.

قال ابن عابدين: قد يقال: إنه لا حق لهم وجوبا على الله تعالى لكن الله سبحانه وتعالى جعل لهم حقا من فضله، أو يراد بالحق الحرمة والعظمة، فيكون من باب الوسيلة، وقد قال تعالى:(وابتغوا إليه الوسيلة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اور بعض دیگر علماء جن میں متاخرینِ حنابلہ اور عرب کے متعدد اہلِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقد عد من آداب الدعاء التوسل على ما في "الحصن، وجاء في رواية اللهم إني أسألك بحق السائلين عليك، وبحق ممشاي إليك، فإني لم أخرج أشرا ولا بطرا الحديث.

ويحتمل أن يراد بحقهم علينا وجوب الإيمان بهم وتعظيمهم .وفي "اليعقوبية :"يحتمل أن يكون الحق مصدرا لا صفة مشبهة، فالمعنى بحقية رسلك، فليتأمل .اهـ .أي: المعنى بكونهم حقا لا بكونهم مستحقين .أقول (أي ابن عابدين) : لكن هذه كلها احتمالات مخالفة لظاهر المتبادر من هذا اللفظ، ومجرد إيهام اللفظ ما لا يجوز كاف في المنع . . .فلذا والله أعلم أطلق أئمتنا المنع، على أن إرادة هذه المعاني مع هذا الإيهام فيها الإقسام بغير الله تعالى وهو مانع آخر، تأمل(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ ص ۱۶۰ ،مادة " توسل")

ويكره للرجل أن يقول في دعائه أسألك بحق أنبيائك ورسلك وبحق فلان لأنه لا حق لأحد على الله سبحانه وتعالى جل شأنه(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج۵، ص ۱۲۶، كتاب الاستحسان)

ويكره أيضا :أن يقول الرجل في دعائه :اللهم إني أسألك بحق أنبيائك ورسلك؛ لأنه لا حق لأحد من المخلوقين على الله تعالى .وفي المنتقى :عن أبي يوسف عن أبي حنيفة :لا ينبغي لأحد أن يدعو الله إلا به .ويكره أن يقول :أدعوك بمقعد العز من عرشك قال ثمة :والدعاء المأذون فيه، والمأثور به ما استفيد من قوله تعالى :(ولله الأسماء الحسنى فادعوه بها) (الأعراف) ، وإنما كره بمقعد العز من عرشك؛ لأنه لا يدعوه به(المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج۵، ص ۳۱۳، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الرابع)

قال :(ويكره أن يدعو الله إلا به) ؛ فلا يقول أسألك بفلان أو بملائكتك أو بأنبيائك ونحو ذلك لأنه لا حق للمخلوق على الخالق، (أو يقول في دعائه :أسألك بمعقد العز من عرشك) ؛ وعن أبي يوسف أنه يجوز، فقد جاء في الأثر :اللهم إني أسألك بمعقد العز من عرشك ومنتهى الرحمة من كتابك، وباسمك الأعظم وكلماتك التامة .ووجه الظاهر أنه يوهم تعلق عزه بالعرش، وصفات الله تعالى جميعها قديمة بقدمه، فكان الاحتياط في الإمساك عنه، وما رواه خبر آحاد لا يترك به الاحتياط(الاختيار لتعليل المختار، ج۴، ص ۱۶۴، كتاب الكراهية، فصل في مسائل مختلفة)

قال - :رحمه الله -(وبحق فلان) يعني لا يجوز أن يقول بحق فلان عليك وكذا بحق أنبيائك، وأوليائك ورسلك والبيت والمشعر الحرام لأنه لا حق للمخلوق على الخالق وإنما يخص برحمته من يشاء من غير وجوب عليه ولو قال رجل لغيره :بحق الله أو بالله افعل كذا لا يجب عليه أن يأتي بذلك شرعا ويستحب أن يأتي بذلك وفي التتارخانية وجاء في الآثار ما يدل على جواز ذلك(تكملة البحر الرائق ،للطوري، ج۸، ص ۲۳۵، كتاب الكراهية، فصل في البيع)

واعلم أن التوسل بين السلف لم يكن كما هو المعهود بيننا، فإنهم إذا كانوا يريدون أن يتوسلوا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علم بھی شامل ہیں، اس توسل کو جائز قرار نہیں دیتے ، علامہ ابنِ تیمیہ کا اس موضوع پر ایک

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بأحد، كانوا يذهبون بمن يتوسلون به أيضا معهم، ليدعوا لهم، يستغيثون بالله، ويدعونه، ويرجون الإجابة منه، ببركة شموله، ووجوده فيهم؛ وهو معنى الاستعانة بالضعفاء ، أى استنزال الرحمة ببركة كونه فيهم .أما التوسل بأسماء الصالحين، كما هو المتعارف فى زماننا، بحيث لا يكون للمتوسلين بهم علم بتوسلنا، بل لا تشترط فيه حياتهم أيضا، وإنما يتوسل بذكر أسمائم فحسب، زعما منهم أن لهم وجاهة عند الله، وقبولا، فلا يضيعهم بذكر أسمائهم، فذلك أمر لا أحب أن اقتحم فيه، فلا أدعى ثبوته عن السلف، ولا أنكره، وراجع له الشامى .أما قوله تعالى :(وابتغوا إليه الوسيلة)، فذلك .وان اقتضى ابتغاء واسطة، لكن لا حجة فيه على التوسل المعروف بالأسماء فقط .وذهب ابن تيمية إلى تحريمه؛ وأجازه صاحب الدر المختار، ولكن لم يأت بنقل عن السلف(فيض البارى على صحيح البخارى، ج۴، ص۱۸۸، ۱۸۹، كتاب الجهاد والسير، باب من استعان بالضعفاء والصالحين فى الحرب)

قوله :(اللهم أنا كنا نتوسل إليك بنبينا صلى الله عليه وسلم ليس فيه التوسل المعهود الذى يكون بالغائب حتى قد لايكون به شعور أصلا، بل فيه توسل السلف، وهو أن يقدم رجلا وذا وجاهة عند الله تعالى ويأمره أن يدعو لهم، ثم يحيل عليه فى دعائه، كما فعل بالعباس رضى الله عنه عم النبى صلى الله عليه وسلم ولو كان فيه توسل المتأخرين لما احتاجوا إلى إذهاب العباس رضى الله عنه معهم، ولكفى لهم التوسل بنبيهم بعد وفاته أيضا، أو بالعباس رضى الله عنه مع عدم شهوده معهم.

وهذا النحو جائز عند المتأخرين ومنع منه الحافظ ابن تيمية رحمه الله تعالى وإنى متردد فيه، لأنه أتى بعبارة عن الإمام من تجريد القدورى أن الإقسام على الله بغير أسمائه لا يجوز، فتمسك بنفى الإقسام على نفى التوسل .فإن كان التوسل إقساما فالمسألة فيه كما ذهب إليها ابن تيمية رحمه الله تعالى، وإن لم يكن إقساما يبقى جائزا .وأما التمسك بقوله صلى الله عليه وسلم إنما ترزقون بضعفائكم، فليس بناهض، لأنه ليس على التوسل، بل معناه أن الله تعالى يرزقكم برعاية الضعفاء ، والرعاية لكونهم فيكم لا للتوسل اللسانى فقط :اللهم ارزقنا بوسيلة فلان(فيض البارى على صحيح البخارى، ج۲، ص۴۹۶، ۴۹۷، كتاب الاستسقاء، باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا)

وبمثل هذا الحديث تمسك بعض أهل العصر على التوسل بالصالحين المتعارف فى زماننا، وصنف ابن تيمية كتابا فى عدم جواز التوسل بالصالحين المتعارف فى زماننا أى الدعاء بمثل أن يقول: اللهم اقبل دعائى بحق فلان وتوسله، والحال أن ذلك لم يأت إليه ولم يستدع منه دعاء وإنما هو توسل لسانى فقط، ولكن للشوكانى فى رسالة فى الجواز، ولقد أتى ابن تيمية بنقول العلماء من المذاهب الأربعة ونقل من الحنفية عن تجريد القدورى ما فى التتار خانية معزيا إلى المنتقى عن أبى يوسف عن أبى حنيفة لا ينبغى لأحد أن يدعو الله إلا به، وكره قوله بحق أنبيائك ورسلك وأوليائك، ولينظر فى مراده(العرف الشذى شرح سنن الترمذى للكشميرى، ج۳ص ۲۳۹، ۲۴۰، كتاب الجهاد، باب ما جاء فى الاستفتاح بصعاليك المسلمين)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مستقل رسالہ بھی طبع شدہ شکل میں موجود ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قوله: (حدثنا محمود بن غيلان نا عثمان بن عمر إلخ) استدل القائلون بالتوسل بالصالحين بحديث الباب ومر ابن تيمية على هذا وتركه بأنه لا مساس له بغرضهم، وأتى بنقول المذاهب الأربعة الدالة على النهى عن التوسل المعروف فى هذا الزمان، وأتى بنقل أبى حنيفة من تجريد القدورى وذلك موجود فى الدر المختار أيضا عن أبى يوسف عن أبى حنيفة بل هذا هو مراده، وأما التوسل فى السلف فكان بأن يدعو من يتوسل به فى حضرة الله كما توسلوا بالعباس فى عهد عمر الفاروق، وأقول: إن المذكور فى حديث الباب هو بيان التوسل المتعارف بين السلف فى حضرة الله تعالى، وللشوكانى رسالة فى جواز التوسل المعروف فى هذا العصر(العرف الشذى شرح سنن الترمذى للكشميرى، ج۴ص ۴۲۶، كتاب الدعوات،باب فى التوجه لإلى الله تعالى بالنبى صلى الله عليه وسلم)

[1] القول الثالث :عدم جواز الاستغاثة إلا بالله سبحانه وتعالى، ومنع التوسل فى تلك الاستغاثة بالأنبياء والصالحين، أحياء ا كانوا أو أمواتا.

وصاحب هذا الرأى ابن تيمية ، ومن سار على نهجه من المتأخرين .واستدلوا بقوله تعالى :(ومن أضل ممن يدعو من دون الله من لا يستجيب له إلى يوم القيامة وهم عن دعائهم غافلون) وبما رواه الطبرانى بسنده عن عبادة بن الصامت رضى الله عنه، أنه كان فى زمن النبى صلى الله عليه وسلم منافق يؤذى المؤمنين، فقال بعضهم :قوموا بنا نستغيث برسول الله صلى الله عليه وسلم من هذا المنافق، فقال النبى صلى الله عليه وسلم :إنه لا يستغاث بى وإنما يستغاث بالله(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴،ص ۲۶ ،مادة ”استغاثة“)

القول الثالث فى التوسل بالنبى صلى الله عليه وسلم بعد وفاته:

ذهب تقى الدين بن تيمية وبعض الحنابلة من المتأخرين إلى أن التوسل بذات النبى صلى الله عليه وسلم لا يجوز، وأما التوسل بغير الذات فقد قال ابن تيمية: ولفظ التوسل قد يراد به ثلاثة أمور.

أمران متفق عليهما بين المسلمين:

أحدهما: هو أصل الإيمان والإسلام، وهو التوسل بالإيمان به صلى الله عليه وسلم وبطاعته.

والثانى: دعاؤه وشفاعته صلى الله عليه وسلم (أى فى حال حياته) وهذا أيضا نافع يتوسل به من دعا له وشفع فيه باتفاق المسلمين.

ومن أنكر التوسل به بأحد هذين المعنيين فهو كافر مرتد يستتاب فإن تاب وإلا قتل مرتدا.

ولكن التوسل بالإيمان به وبطاعته هو أصل الدين، وهذا معلوم بالاضطرار من دين الإسلام للخاصة والعامة، فمن أنكر هذا المعنى فكفره ظاهر للخاصة والعامة.

وأما دعاؤه وشفاعته وانتفاع المسلمين بذلك فمن أنكره فهو كافر أيضا، لكن هذا أخفى من الأول، فمن أنكره عن جهل عرف ذلك، فإن أصر على إنكاره فهو مرتد.

أما دعاؤه وشفاعته فى الدنيا فلم ينكره أحد من أهل القبلة، وأما الشفاعة يوم القيامة فمذهب أهل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

صاحبِ تحفۃ الاحوذی، صاحبِ مرعاۃ اور شیخ ناصر الدین البانی صاحب وغیرہ بھی اسی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

السنة والجماعة وهم الصحابة والتابعون لهم بإحسان وسائر أئمة المسلمين الأربعة وغيرهم أن له شفاعات خاصة وعامة.

وأما التوسل بالنبى صلى الله عليه وسلم والتوجه به فى كلام الصحابة فيريدون به التوسل بدعائه وشفاعته.

والتوسل به فى عرف كثير من المتأخرين يراد به الإقسام به والسؤال به، كما يقسمون بغيره من الأنبياء والصالحين ومن يعتقد فيه الصلاح.

وحينئذ فلفظ التوسل به يراد به معنيان صحيحان باتفاق المسلمين، ويراد به معنى ثالث لم ترد به سنة.

ومن المعنى الجائز قول عمر بن الخطاب: اللهم إنا كنا إذا أجدبنا توسلنا إليك بنبينا فتسقينا وإنا نتوسل إليك بعم نبينا فاسقنا "أى: بدعائه وشفاعته.

وقوله تعالى: (وابتغوا إليه الوسيلة)

أى: القربة إليه بطاعته، وطاعة رسوله طاعته .قال تعالى: (من يطع الرسول فقد أطاع الله)فهذا التوسل الأول هو أصل الدين، وهذا لا ينكره أحد من المسلمين.

وأما التوسل بدعائه وشفاعته – كما قال عمر فإنه توسل بدعائه لا بذاته؛ ولهذا عدلوا عن التوسل به (أى بعد وفاته) إلى التوسل بعمه العباس، ولو كان التوسل هو بذاته لكان هذا أولى من التوسل بالعباس، فلما عدلوا عن التوسل به إلى التوسل بالعباس، علم أن ما يفعل فى حياته قد تعذر بموته . بخلاف التوسل الذى هو الإيمان به، والطاعة له، فإنه مشروع دائما.

والمعنى الثالث: التوسل به بمعنى الإقسام على الله بذاته، والسؤال بذاته، فهذا هو الذى لم يكن الصحابة يفعلونه فى الاستسقاء ونحوه، لا فى حياته ولا بعد مماته، لا عند قبره ولا غير قبره، ولا يعرف هذا فى شىء من الأدعية المشهورة بينهم، وإنما ينقل شىء من ذلك فى أحاديث ضعيفة مرفوعة وموقوفة، أو عمن ليس قوله حجة.

ثم يقول ابن تيمية: والحلف بالمخلوقات حرام عند الجمهور، وهو مذهب أبى حنيفة وأحد القولين فى مذهب الشافعى وأحمد، وقد حكى إجماع الصحابة على ذلك .وقيل: هو مكروه كراهة تنزيه .والأول أصح .

فالإقسام بالنبى صلى الله عليه وسلم على الله – والسؤال به بمعنى الإقسام – هو من هذا الجنس .

ويذهب ابن تيمية إلى أن التوسل بلفظ "أسألك بنبيك محمد "يجوز إذا كان على تقدير مضاف، فيقول فى ذلك: فإن قيل: إذا كان التوسل بالإيمان به ومحبته وطاعته على وجهين: تارة يتوسل بذلك إلى ثواب الله وجنته (وهذا أعظم الوسائل) وتارة يتوسل بذلك فى الدعاء – كما ذكرتم نظائره – فيحمل قول القائل: أسألك بنبيك محمد على أنه أراد: إنى أسألك بإيمانى به وبمحبته، وأتوسل إليك بإيمانى به ومحبته ونحو ذلك، وقد ذكرتم أن هذا جائز بلا نزاع .قيل:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عدمِ جواز کے قائل ہیں، بلکہ یہ حضرات سختی کے ساتھ توسل کی مذکورہ صورت کو ناجائز

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

من أراد هذا المعنى فهو مصيب فى ذلك بلا نزاع، وإذا حمل على هذا المعنى لكلام من توسل بالنبى صلى الله عليه وسلم بعد مماته من السلف، كما نقل عن بعض الصحابة والتابعين، وعن الإمام أحمد وغيره، كان هذا حسنا، وحينئذ فلا يكون فى المسألة نزاع، ولكن كثير من العوام يطلقون هذا اللفظ، ولا يريدون هذا المعنى، فهؤلاء الذين أنكر عليهم من أنكر، وهذا كما أن الصحابة كانوا يريدون بالتوسل به التوسل بدعائه وشفاعته وهذا جائز بلا نزاع.

ثم يقول: والذى قاله أبو حنيفة وأصحابه وغيرهم من العلماء – من أنه لا يجوز أن يسأل الله تعالى بمخلوق لا بحق الأنبياء ولا غير ذلك – يتضمن شيئين كما تقدم:

أحدهما: الإقسام على الله سبحانه وتعالى به، وهذا منهى عنه عند جماهير العلماء كما تقدم، كما ينهى أن يقسم على الله بالكعبة والمشاعر باتفاق الفقهاء.

والثانى: السؤال به فهذا يجوزه طائفة من الناس، ونقل فى ذلك آثار عن بعض السلف، وهو موجود فى دعاء كثير من الناس، لكن ما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم فى ذلك كله ضعيف بل موضوع، وليس عنه حديث ثابت قد يظن أن لهم فيه حجة إلا حديث الأعمى الذى علمه أن يقول: أسألك وأتوجه إليك بنبيك محمد نبى الرحمة وحديث الأعمى لا حجة لهم فيه، فإنه صريح فى أنه إنما توسل بدعاء النبى صلى الله عليه وسلم وشفاعته، وهو طلب من النبى صلى الله عليه وسلم الدعاء، وقد أمره النبى صلى الله عليه وسلم أن يقول: اللهم شفعه فى "ولهذا رد الله عليه بصره لما دعا له النبى صلى الله عليه وسلم وكان ذلك يعد من آيات النبى صلى الله عليه وسلم .ولو توسل غيره من العميان الذين لم يدع لهم النبى صلى الله عليه وسلم بالسؤال به لم تكن حالهم كحاله .

وساغ النزاع فى السؤال بالأنبياء والصالحين دون الإقسام بهم؛ لأن بين السؤال والإقسام فرقا، فإن السائل متضرع ذليل يسأل بسبب يناسب الإجابة، والمقسم أعلى من هذا، فإنه طالب مؤكد طلبه بالقسم، والمقسم لا يقسم إلا على من يرى أنه يبر قسمه، فإبرار القسم خاص ببعض العباد، وأما إجابة السائلين فعام، فإن الله يجيب دعوة المضطر ودعوة المظلوم، وإن كان كافرا، وفى الصحيح عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال: ما من مسلم يدعو بدعوة ليس فيها إثم ولا قطيعة رحم إلا أعطاه الله بها إحدى ثلاث: إما أن تعجل له دعوته، وإما أن يدخرها له فى الآخرة مثلها، وإما أن يصرف عنه من السوء مثلها قالوا: إذا نكثر، قال: الله أكثر .

وهذا التوسل بالأنبياء بمعنى السؤال بهم – وهو الذى قال أبو حنيفة وأصحابه وغيرهم أنه لا يجوز – ليس فى المعروف من مذهب مالك ما يناقض ذلك، فمن نقل عن مذهب مالك أنه جوز التوسل به بمعنى الإقسام أو السؤال به فليس معه فى ذلك نقل عن مالك وأصحابه.

ثم يقول: ولم يقل أحد من أهل العلم: إنه يسأل الله تعالى فى ذلك لا بنبى ولا بغير نبى .وكذلك من نقل عن مالك أنه جوز سؤال الرسول أو غيره بعد موتهم أو نقل ذلك عن إمام من أئمة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

وحرام قرار دیتے ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المسلمين – غير مالک – کالشافعي وأحمد وغيرهما فقد كذب عليهم .
ثم يقرر ابن تيمية أن هذه المسألة خلافية وأن التكفير فيها حرام وإثم.
ويقول بعد ذكر الخلاف فى المسألة: ولم يقل أحد: إن من قال بالقول الأول فقد كفر، ولا وجه لتكفيره، فإن هذه مسألة خفية ليست أدلتها جلية ظاهرة، والكفر إنما يكون بإنكار ما علم من الدين بالضرورة، أو بإنكار الأحكام المتواترة والمجمع عليها ونحو ذلک .بل المكفر بمثل هذه الأمور يستحق من غليظ العقوبة والتعزير ما يستحقه أمثاله من المفترين على الدين، لا سيما مع قول النبى صلى الله عليه وسلم: أيما رجل قال لأخيه: يا كافر فقد باء به أحدهما (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ ص ۱۶۰ الیٰ ۱۶۴ ،مادة "توسل")

[1] قلت الحق عندى أن التوسل بالنبى فى حياته بمعنى التوسل بدعائه وشفاعته جائز وكذا التوسل بغيره من أهل الخير والصلاح فى حياتهم بمعنى التوسل بدعائهم وشفاعتهم أيضا جائز وأما التوسل به بعد مماته وكذا التوسل بغيره من أهل الخير والصلاح بعد مماتهم فلا يجوز واختاره الإمام بن تيمية فى رسالته التوسل والوسيلة وقد أشبع الكلام فى تحقيقه وأجاد فيه فعليک أن تراجعها(تحفة الأحوذى ،لمحمد عبد الرحمن المباركفورى،المتوفى: 1353هـ، ج۱۰ ،ص۲۷ ،كتاب الدعوات،باب فى انتظار الفرج وغير ذلک)

قلت :الحق والصواب عندنا أن التوسل بالنبى -صلى الله عليه وسلم -فى حياته بمعنى التوسل بدعائه وشفاعته جائز وهذا هو الذى وقع فى حديث الأعمى الذى نحن فى شرحه كما تقدم وسيأتى أيضًا، وكذا التوسل بغيره -صلى الله عليه وسلم -من أهل الخير والصلاح فى حياتهم بمعنى التوسل بدعائهم وشفاعتهم جائز أيضًا، وأما التوسل به -صلى الله عليه وسلم -بعد وفاته وكذا التوسل بغيره من أهل الخير والصلاح بعد مماتهم فلا يجوز سواء كان بذواتهم أو جاههم أو حرمتهم أو كرامتهم أو حقهم أو نحو ذلک من الأمور المحدثة فى الإسلام، وكذا لا يجوز دعاء غير الله من الأموات والغائبين، وهذا هو الذى اختاره شيخ الإسلام تقى الدين أحمد بن تيمية فى رسالته فى التوسل والوسيلة، وقد أشبع الكلام فى تحقيقه وأجاد فعليک أن تراجعها(مرعاة المفاتيح ،لعبيد الله بن محمد عبد السلام بن خان المباركفورى ،المتوفى: 1414هـ، ج۸،ص ۲۶۶ ،باب جمع الدعاء ،الفصل الثالث)

فمما سبق تعلم أن التوسل المشروع الذى دلت عليه نصوص الكتاب والسنة، وجرى عليه عمل السلف الصالح، وأجمع عليه المسلمون وهو:
-1التوسل باسم من أسماء الله تبارک وتعالى أو صفة من صفاته.
-2التوسل بعمل صالح قام به الداعى.
-3التوسل بدعاء رجل صالح.
وأما ما عدا هذه الأنواع من التوسلات ففيه خلاف، والذى نعتقده وندين الله تعالى به أنه غير جائز،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ توسل کے مسئلہ میں اہلِ علم حضرات کا اختلاف ہے، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر نیک لوگوں کی ذات کے توسل میں بھی اختلاف ہے، بہت سے اہلِ علم حضرات اس کے جواز کے قائل ہیں، جبکہ بعض کراہت کے اور بعض عدمِ جواز کے قائل ہیں۔

جبکہ بعض حضرات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ توسل کے جواز کو مختص کرتے ہیں، کسی دوسرے کی ذات سے توسل کے جواز کے قائل نہیں۔ [1]

اور بعض اہلِ علم حضرات کی رائے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بزرگ کا دعاء میں توسل اختیار کرنا ان کی حیات وموجودگی میں تو جائز ہے، لیکن ان کی وفات کے بعد جائز نہیں۔

شافعیہ میں سے ''عز بن عبدالسلام'' کی طرف یہی قول منسوب ہے، جبکہ بعض حضرات نے ان کی طرف توسل کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہونے کے قول کو منسوب کیا ہے۔

واللہ اعلم۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولا مشروع، لأنه لم يرد فيه دليل، تقوم به الحجة -وقد أنكره العلماء المحققون فى العصور الإسلامية المتعاقبة، مع أنه قد قال ببعضه بعض الأئمة، فأجاز الإمام أحمد التوسل بالرسول صلى الله عليه وسلم وحده فقط، وأجاز غيره كالإمام الشوكانى التوسل به وبغيره من الأنبياء والصالحين :ولكنا -كشأننا فى جميع الأمور الخلافية -ندور مع الدليل حيث دار ولا نتعصب للرجال، ولا ننحاز لأحد إلا للحق كما نراه ونعتقده، وقد رأينا فى قضية التوسل التى نحن بصددها الحق مع الذين حظروا التوسل بمخلوق، ولم نر لمجيزيه دليلاً صحيحاً يعتد به، ونحن نطالبهم بأن يأتونا بنص صحيح صريح من الكتاب أو السنة فيه التوسل بمخلوق، وهيهات أن يجدوا شيئاً يؤيد ما يذهبون إليه، أو يسند ما يدعونه، اللهم إلا شبهاً واحتمالات، سنعرض للرد عليها بعد قليل(التوسل أنواعه وأحكامه، للألبانى،ص ۴۳،الفصل الثالث :التوسل المشروع وأنواعه)

[1] التوسل بالصالحين من غير النبى:

لا يخرج حكم التوسل بالصالحين من غير النبى عما سبق من الخلاف فى التوسل به صلى الله عليه وسلم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۴ ص ۱۶۴ ،مادة '' توسل'')

[2] اجاز العز بن عبد السلام وبعض العلماء الاستغاثة بالله متوسلا بالنبى صلى الله عليه وسلم والصالحين حال حياتهم .وروى عنه أنه قصر ذلک على النبى صلى الله عليه وسلم وحده .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اکثر مشائخِ دیوبند معہود توسل کے جواز کی طرف گئے ہیں۔

لیکن اس میں شبہ نہیں کہ توسل کی مذکورہ صورت فی الجملہ مجتہد فیہ ہے، اسی لیے اہلِ علم حضرات کا اس میں اختلاف ہے۔

''المهند على المفند''، جو متعدد مشائخ واکابرِ دیوبند کی تصدیق شدہ ہے، اس میں ہے:

ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء وصلحاء واولیاء وشہداء وصدیقین کا توسل جائز ہے، ان کی حیات میں یا بعد وفات، بایں طور کہ یہ کہے ''یااللہ! میں بوسیلہ فلاں بزرگ کے تجھ سے دعاء کی قبولیت اور حاجت براری چاہتا ہوں'' یا اسی جیسے اور کلمات کہے (المہند علی المفند، ص۳۷، تیسرا اور چوتھا سوال، مطبوعہ: ادارہ اسلامیات، لاہور، اشاعت:1984ء)

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ صحیح بخاری کی شرح ''فیض الباری'' میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

قوله :(اللهم أنا كنا نتوسل إليک بنبينا صلى الله عليه وسلم) ليس فيه التوسل المعهود الذى يكون بالغائب حتى قد لايكون به شعور أصلا، بل فيه توسل السلف، وهو أن يقدم رجلا وذا وجاهة عند الله تعالى ويأمره أن يدعو لهم، ثم يحيل عليه فى دعائه، كما فعل بالعباس رضى الله عنه عم النبى صلى الله عليه وسلم ولو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واستشهد لهذا بحديث الأعمى الذى دعا الله سبحانه متوسلا برسول الله فرد الله عليه بصره. فعن عثمان بن حنيف أن رجلا ضريرا أتاه عليه الصلاة والسلام .فقال :ادع الله تعالى أن يعافينى، فقال صلى الله عليه وسلم :إن شئت أخرت وهو خير، وإن شئت دعوت .فقال :ادع قال :فأمره أن يتوضأ ويحسن وضوءه ويدعو بهذا الدعاء :اللهم إنى أسألک وأتوجه إليک بحبيبک محمد نبى الرحمة، يا محمد، إنى أتوجه بک إلى ربک فى حاجتى لتقضى .اللهم شفعه فى وصححه البيهقى وزاد :فقام، وقد أبصر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴، ص ۲۶، مادة ''استغاثة'')

وقال العز بن عبد السلام :ينبغى كون هذا مقصورا على النبى صلى الله عليه وسلم لأنه سيد ولد آدم، وأن لا يقسم على الله بغيره من الأنبياء والملائكة الأولياء ؛ لأنهم ليسوا فى درجته، وأن يكون مما خص به تنبيها على علو رتبته(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ ص۱۵۷، مادة ''توسل'')

كان فيه توسل المتأخرين لما احتاجوا إلى إذهاب العباس رضى الله عنه معهم، ولكفى لهم التوسل بنبيهم بعد وفاته أيضا، أو بالعباس رضى الله عنه مع عدم شهوده معهم.

وهذا النحو جائز عند المتأخرين ومنع منه الحافظ ابن تيمية رحمه الله تعالى وإني متردد فيه (فيض البارى على صحيح البخارى، ج ٢،ص ٤٩٦، كتاب الاستسقاء، باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ ''اے اللہ! بے شک ہم تیری طرف (پہلے) اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے توسل کیا کرتے تھے''، اس میں اس توسل کا ذکر نہیں پایا جاتا، جو معہود ومتعارف ہے کہ اس میں غائب کے ساتھ توسل ہوتا ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات غائب کو اس کا قطعاً شعور بھی نہیں ہوتا، بلکہ اس میں تو سلف کے اس توسل کا ذکر ہے، جس میں ایک ایسے شخص کو آگے کیا جاتا تھا، جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وجاہت والا (یعنی مقبول) ہوتا تھا، اور اس کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ وہ ان کے لیے دعاء کرے، پھر اس کی دعاء کا حوالہ دیا جاتا تھا، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ توسل کیا گیا، اور اگر اس واقعہ میں متاخرین کا بیان کردہ توسل ہوتا، تو وہ حضرات، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے جانے کی ضرورت نہ سمجھتے، بلکہ وفات کے بعد بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل پر اکتفاء کرتے، یا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ توسل پر اکتفاء کرتے، اپنے ساتھ لے جائے بغیر ہی۔

البتہ یہ متعارف توسل متاخرین کے نزدیک جائز ہے، مگر حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا ہے، اور مجھے اس سلسلہ میں تردّد ہے (فیض الباری)

نیز علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ ''فیض الباری'' میں ہی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

واعلم أن التوسل بين السلف لم يكن كما هو المعهود بيننا، فإنهم

إذا كانوا يريدون أن يتوسلوا بأحد، كانوا يذهبون بمن يتوسلون به أيضا معهم، ليدعوا لهم، يستغيثون بالله، ويدعونه، ويرجون الإجابة منه، ببركة شموله، ووجوده فيهم؛ وهو معنى الاستعانة بالضعفاء ، أى استنزال الرحمة ببركة كونه فيهم .أما التوسل بأسماء الصالحين، كما هو المتعارف فى زماننا، بحيث لا يكون للمتوسلين بهم علم بتوسلنا، بل لا تشترط فيه حياتهم أيضا، وإنما يتوسل بذكر أسمائهم فحسب، زعما منهم أن لهم وجاهة عند الله، وقبولا، فلا يضيعهم بذكر أسمائهم، فذلك أمر لا أحب أن اقتحم فيه، فلا أدعى ثبوته عن السلف، ولا أنكره، وراجع له الشامى .أما قوله تعالى :(وابتغوا إليه الوسيلة). فذلك .وان اقتضى ابتغاء واسطة، لكن لا حجة فيه على التوسل المعروف بالأسماء فقط .وذهب ابن تيمية إلى تحريمه؛ وأجازه صاحب الدر المختار، ولكن لم يأت بنقل عن السلف (فيض البارى على صحيح البخارى، ج۴،ص۱۸۸، ۱۸۹، كتاب الجهاد والسير،باب من استعان بالضعفاء والصالحين فى الحرب)

ترجمہ: اور یہ بات جان لینی چاہئے کہ سلف کے درمیان جو توسل کی صورت تھی، وہ ہمارے درمیان معہود (ومعروف) توسل کی طرح نہیں تھی، بلکہ سلف کے درمیان توسل کی یہ صورت تھی کہ جب وہ کسی کے ذریعہ سے توسل کرنا چاہتے تھے، تو وہ اس شخص کو بھی جس سے توسل کرنا چاہتے تھے، اپنے ساتھ لے جاتے تھے (یا اس کی موجودگی میں توسل کرتے تھے، جیسا کہ استسقاء کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عباس کے توسل اور قصہ ٔضریر میں ہے)

تا کہ وہ شخص ان کے لیے دعاء کرے، وہ اللہ سے استغاثہ کریں، اور اللہ سے دعاء

کریں، اور اللہ سے قبولیت کی امید رکھیں، اس شخص کی شمولیت اور اپنے درمیان اس کے وجود کی برکت سے، اور یہی مطلب ضعفاء کے ذریعہ استعانت کا ہے، یعنی اللہ کی رحمت طلب کرنا، ان لوگوں کی اپنے اندر موجودگی کی برکت سے۔

جہاں تک نیک لوگوں کے ناموں کے ذریعہ سے توسل کا تعلق ہے، جیسا کہ ہمارے زمانہ میں توسل کی یہی صورت متعارف بھی ہے، اس طرح کہ جن کے ذریعہ سے توسل طلب کیا جائے، ان کو ہمارے توسل کا علم بھی نہیں ہوتا، بلکہ اس متعارف توسل میں ان کا زندہ ہونا بھی شرط نہیں ہوتا، صرف ان کے ناموں کا ذکر کر کے توسل کو کافی سمجھا جاتا ہے، یہ گمان کرتے ہوئے کہ ان کی اللہ کے نزدیک قدر ومنزلت اور قبولیت ہے، تو اللہ ان کے ناموں کے ذکر کی وجہ سے دعاء کو ضائع نہیں فرمائے گا، تو یہ ایسا توسل ہے کہ میں اس کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ پسند نہیں کرتا، پس میں نہ تو سلف سے اس کے ثبوت کا دعویٰ کرتا ہوں، اور نہ اس کا انکار کرتا ہوں، جس کے لیے شامی کی طرف رجوع کرنا چاہئے، جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس قول کا تعلق ہے کہ "وابتغوا إليه الوسيلة" تو یہ آیت اگرچہ واسطہ کو تلاش کرنے کا تقاضا کرتی ہے، لیکن اس میں اس توسل پر کوئی حجت نہیں پائی جاتی، جو صرف ناموں کے ذریعہ سے متعارف ہے، اور ابنِ تیمیہ توسل کی اس صورت کے حرام ہونے کی طرف گئے ہیں، لیکن صاحبِ درّ مختار نے اس کو جائز قرار دیا ہے، مگر انہوں نے سلف سے اس سلسلہ میں کوئی حوالہ نقل نہیں کیا (فیض الباری)

کفایتُ المفتی میں ہے:

توسل بالصالحین (یعنی نیک لوگوں کا وسیلہ پکڑنے) کے مسئلہ میں اختلاف ہے، بعض علماء منع کرتے ہیں، لیکن اکثر جواز کے قائل ہیں، قائلین بالجواز کا مطلب یہ ہے کہ حضرت حق تعالیٰ سے دعاء کی جائے کہ وہ فلاں اپنے مقرب ومقبول بندے

کی برکت سے یا اپنے عباد مقبولین مقربین کی برکت سے میری دعاء قبول فرمائے، تو اس میں مضائقہ نہیں (کفایتُ المفتی، جلد دوم، صفحہ ۸۵، کتاب السلوک والطریقۃ، فصل سوم: توسل، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی، سنِ اشاعت: جولائی 2001ء)

یہ بات یاد رہنا ضروری ہے کہ جو اہلِ علم حضرات اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتے وقت مذکورہ طریقہ پر نبی یا کسی نیک صالح کے توسل کو جائز قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک مذکورہ توسل کے جائز ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس طرح کے توسل میں کوئی غلط عقیدہ ونظریہ شامل نہ ہو، مثلاً یہ کہ اس طرح کے توسل یا وسیلہ کو ضروری نہ سمجھا جائے، اور نہ ہی یہ عقیدہ رکھا جائے کہ ہماری یہ دعاء پہلے اس غیرُ اللہ کے پاس پہنچتی ہے، پھر اس کے واسطہ سے اللہ کے پاس پہنچتی ہے، یا یہ کہ جس نبی یا ولی کا وسیلہ اختیار کیا جارہا ہے، اس کو ہماری مرادیں پوری کرنے پر قدرت حاصل ہے، یا یہ کہ وہ ہماری حالت سے واقف ہے یا دور اور قریب سے ہماری پکار کو سنتا ہے، یا یہ کہ جب کسی نبی یا ولی کا دعاء میں وسیلہ اختیار کیا جاتا ہے، تو پھر نعوذ باللہ، اس دعاء کا قبول کرنا اللہ پر لازم ہو جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح کا کوئی غلط عقیدہ ونظریہ شامل ہونے سے وسیلہ جائز نہیں رہتا۔

ملحوظ رہے کہ سماعِ موتیٰ کے بارے میں اہلِ علم کا اختلاف ہے، بعض حضرات عدمِ سماع کے اور بعض فی الجملہ سماع کے قائل ہیں۔

اور قرونِ اولیٰ سے اس میں اختلاف چلا آتا ہے۔[1]

مگر اس میں شبہ نہیں کہ سماعِ موتیٰ کی صورت میں بھی میت کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوتا کہ وہ

---

[1] چنانچہ امداد الفتاویٰ میں ایک سوال اور جواب درجِ ذیل طریقہ پر ہے:

سوال: اہلِ قبور سنتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: دونوں طرف اکابر اور دلائل ہیں، ایسے اختلافی امر کا فیصلہ کون کرسکتا ہے اور ضروریات علمی وعملی میں سے بھی نہیں، کہ ایک جانب کی ترجیح میں تدقیق کی جاوے، پھر اس میں بھی معتقدین سماعِ موتیٰ کے عقائد مختلف ہیں، اگر کسی اعتقادِ خاص کی تعیین ہوتی، تو کسی قدر جواب ممکن تھا (امداد الفتاوی جلد ۵، ص ۳۷۹، کتابُ العَقَائِد وَالکَلام، سماعِ موتیٰ) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بذاتِ خود کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکے، اس طرح کا عقیدہ رکھ کر سماعِ موتی کا قائل ہونا اوراس مسئلہ میں بے جا غلو کرنا یا ایک دوسرے کی تضلیل وتفسیق کرنا درست نہیں۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

اور کفایتُ المفتی میں ہے:

مسئلہ سماعِ موتیٰ قرونِ اولیٰ سے مختلف فیہ چلا آتا ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بھی، اس میں اختلاف تھا۔ قرنِ صحابہ کے بعد بھی ہمیشہ علماء اس میں مختلف رہے۔ اکثر صوفیہ سماعِ موتی کے قائل ہیں۔ لیکن علمائے حنفیہ کے نزدیک ثابت نہیں۔ ہاں میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اس قدر حیات اس میں ڈالی جاتی ہے کہ وہ آرام یا تکلیف کو محسوس کرے...... تاہم کسی فریق کو یہ حق نہیں کہ وہ دوسرے فریق کی تضلیل یا تفسیق یا تجہیل کرسکے۔ کیونکہ اس صورت میں کہ مسئلہ قرونِ اولیٰ میں بھی مختلف فیہ تھا، اس تضلیل یا تفسیق یا تجہیل کا اثر صحابۂ کرام تک پہنچے گا۔ **ولا شک فی فسادہ** (کفایت المفتی جلد۱، ص۲۰۱،۲۰۲، کتاب العقائد، آٹھواں باب، فصلِ ششم، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی، طباعت: جولائی 2011 عیسوی)

[1] امدادالفتاویٰ میں سماعِ موتی کے ثبوت پر ایک رسالہ کے متعلق رائے اس طرح مذکور ہے:

رسالہ مجملاً دیکھا، چونکہ اس ناکارہ کی رائے میں اس کی اشاعت میں کوئی دینی نفع نہیں معلوم ہوا، بلکہ احتمال قریب مضارِ کثیرہ کا ہے؛ لہٰذا اس کی ہرقسم کی خدمت سے معافی کا طالب ہوکر خدمت میں واپس بھیجتا ہوں، ونیز اس عدمِ سماع کو معتزلہ کا مذہب قرار دینا بھی میرے نزدیک صحیح نہیں ہے، وہ عدمِ سماع اور ہے اور نیز سماعِ موتیٰ کو مسئلہ اجماعیہ کہنا بھی صحیح نہیں؟ یقیناً صحابہ اس مسئلہ میں مختلف تھے، ونیز روایات ادراک واُنسِ میت سے اس متنازع فیہ پر استدلال کرنا بھی میرے نزدیک صحیح نہیں، اسی طرح وجود **ارواح فی القبور و ادراک الم وسرور** سے اس مدعا کو کوئی مس نہیں، اور تقریر تطبیق کی مثبتینِ سماع کی طرف ایک اچھی توجیہ ہے؛ لیکن اس سے اختلاف کے وجود کا انکار کرنا صحیح نہیں، البتہ جانبِ ثانی میں بھی مسئلہ کلام میت سے عدمِ سماع کو امام کا مذہب ٹھہرانا یہ بھی صحیح نہیں، یہ مسئلہ نہ عقائدِ ضروریہ سے ہے، نہ کسی عملِ دین کا موقوف علیہ ہے، نہ مجتہد کی نص کا، اس میں تتبع ضروری ہے، نہ کسی ایک جانب کا جزم ضروری ہے، اس میں **اشتغال مالا یعنی** کا اہتمام ہے، چونکہ بندہ کا عندیہ دریافت فرمایا ہے؛ اس لئے مجملاً اس قدر لکھ دیا اوراس بحث میں پڑنے کو میں خود اچھا نہیں سمجھتا؛ اس لئے تفصیل کی حاجت نہ سمجھی اور ردوقدح سے تو خود نفرت قدیم ہے، پھر اگر کسی وجہ سے اس کا لکھنا ہی تھا تو کم از کم اس کے ساتھ ساتھ جو مفاسد اس میں محتمل تھے، ان کا انسداد بھی تو ضروری تھا، مثلاً یہ لکھنا تھا کہ مقصود اس سے مذہبِ راجح عندنا کی ترجیح ہے، اس سے کوئی اس اختلافی مسئلہ کو اجماعی نہ سمجھ جاوے کہ تعدّی حدود ہے اور مثلاً یہ لکھنا تھا کہ اس سے کوئی اولیاء اللہ کے نداء واستغاثہ کو جائز نہ سمجھ جاوے، اُن کو حاضر ناظر نہ جان لے، اُن سے مرادیں نہ مانگنے لگے، اس سے آگے نہ بڑھے، کہ ان کی قبر پر کھڑا ہوکر کسی امر میں دعا کرنے کو کہہ دے، ان کی نذر نہ مانے (امدادالفتاوی، جلد۵، ص۴۳۷، **بَقِیّة کتابُ العَقَائِد وَالکَلام**، تنقید رسالہ ثبوتِ سماعِ موتیٰ)

اس سلسلہ میں دلائل میں غور وفکر کرنے سے ہمیں معتدل قول یہ معلوم ہوا کہ معتبر احادیث وآثار سے میت کا فی الجملہ سماع ثابت ہے، لیکن یہ سماع درحقیقت، اللہ کی مشیئت سے ہوتا ہے، خود کلام کرنے والے زندہ شخص کو یہ قدرت حاصل نہیں ہوتی کہ وہ اپنے اختیار سے میت کو اپنا کلام سنائے، اور میت کو خود سے دوسرے اختیارات، مثلاً چلنے پھرنے، بولنے چالنے، حس وحرکت کرنے وغیرہ کی طرح یہ قدرت بھی حاصل نہیں ہوتی کہ وہ اپنے اختیار سے اپنے کانوں کے ذریعہ کسی زندہ کے کلام کو سنے، اس کے بجائے جس کلام کو کسی میت کے لیے سنانے میں اللہ کی مشیئت وحکمت ہوتی ہے، وہ میت اس کلام کو باذنِ الٰہی سماع کرلیتی ہے، اور جس کلام کو کسی میت کے لیے سنانے میں اللہ کی مشیئت وحکمت نہیں ہوتی، وہ میت اس کلام کے سماع کرنے اور سننے پر قادر نہیں ہوتی، اور نہ ہی اس صورت میں کوئی انسان خود اپنے کلام کے اسماعِ میت (یعنی میت کو سنانے) پر قادر ہوتا ہے۔

چنانچہ بخاری کی شرح ''فیض الباری'' میں ہے:

فالسماع فيه إنما يحصل متى شاء الرب جل وعلا ولمن شاء (فيض البارى علىٰ صحيح البخارى للكشميرى، ج۲ ص ۶۴، كتاب الصلاة، باب كراهية الصلاة فى المقابر)

ترجمہ: پس مردہ کا سماع صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے، جب رب جل وعلا چاہتا ہے، اور جس میت کے لیے چاہتا ہے (فیض الباری)

متعدد محققین نے یہی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ معارف القرآن ادریسی میں ہے:

عالمِ اسباب میں مُردوں کو سنانا بشری قدرت سے باہر ہے، باقی حق تعالیٰ اگر اپنی قدرت سے کسی مردہ کو سنانا چاہیں، تو یہ بھی ممکن ہے (معارف القرآن، ج۶ ص۱۱، سورہ نمل، آیت نمبر ۸۱، مطبوعہ: فرید بک ڈپو، دہلی)

تفسیر عثمانی میں ہے کہ:

ٹھیک اسی طرح ''انک لا تسمع الموتیٰ'' کا مطلب سمجھو۔ یعنی تم یہ نہیں کرسکتے کہ کچھ بولو اور اپنی آواز مردے کو سنادو، کیونکہ یہ چیز ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہے، البتہ حق تعالیٰ کی قدرت سے ظاہری

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر کہیں عوامی توسل یا وسیلہ کے مفہوم واستعمال میں اس طرح کا مفسدہ ومنکر پایا جائے، تو اس صورت میں ''سداً للباب'' منع کیا جائے، تو مجوزین کے نزدیک بھی اس میں حرج نہیں۔

چنانچہ امداد ُالفتاویٰ میں ہے:

توسل، دعاء میں مقبولانِ حق کا خواہ وہ احیاء ہوں، یا اموات ہوں، درست

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ اسباب کے خلاف تمہاری کوئی بات مردہ سن لے، اس کا انکار کوئی مومن نہیں کرسکتا (تفسیر عثمانی، صفحہ ۳۱۹، سورہ روم، آیت نمبر ۵۲، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

فتاویٰ عثمانی میں ہے:

اصل یہ ہے کہ مُردوں میں موت کے بعد سننے کی طاقت نہیں ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں تصریح ہے، لیکن جس وقت اللہ تعالیٰ کسی مصلحت سے انہیں کوئی آواز سنانا چاہے، تو سنا دیتا ہے، حدیث میں جو جوتیوں کی آواز سننے کا ذکر ہے، وہ اسی پر محمول ہے کہ اللہ تعالیٰ عبرت کے لیے اس کو آواز سنا دیتا ہے (فتاوی عثمانی جلد ۱، ص ۶۶، ۶۷، کتاب الایمان والعقائد، فصل فی المتفرقات، مطبوعہ: مکتبہ معارف القرآن، کراچی، طبع جدید: جمادی الاولیٰ 1426 ہجری، جون 2005 عیسوی)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

یہاں تین چیزیں غور طلب ہیں: ایک: اسماع (یعنی سنا دینا) دوم: استماع (یعنی خود سے سننا) سوم: سماع (یعنی سن لینا)

(1) اسماع (یعنی سنانے) کی نفی صراحتاً کلامُ اللہ میں مذکور ہے: (**انک لا تسمع الموتیٰ**) (**وما انت بمسمع من فی القبور**) یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہلِ قبور کو بذاتِ خود مُردوں کو نہیں سنا پاتے، تا بدیگراں چہ رسد۔

(2) استماع (یعنی خود سے سننا) کا حاصل یہ ہے کہ مردے کان لگا کر خود کسی کی بات سنیں۔

جب جسم سے روح جدا ہو جائے، تو جسم کا یہ کان نہیں سن سکتا، اس لیے کہ ادراک کرنے والی اصل روح ہے، اور قوتِ سامعہ اس کے لیے آلۂ ادراک ہے، جب روح نے اس جسم کو اور اس جسم میں لگے ہوئے آلات کو ترک کر دیا، تو اس کے لیے یہ کارآمد نہیں، جس طرح قوتِ باصرہ، ذائقہ، لامسہ، باطشہ وغیرہ سے روح کام نہیں لے سکتی، اسی طرح استماع سے بھی قاصر وعاجز ہے۔ **وھذا ظاهر لایخفیٰ**۔

(3) سماع (یعنی فی الجملہ سننے) کا حاصل یہ ہے کہ کوئی خارجی آواز اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے ذریعہ سے میت کو ادراک کرا دیں، جس میں نہ صاحبِ صوت کو دخل ہو، نہ میت کو، یہ بالکل ممکن ہے، حق تعالیٰ کی قدرت سے خارج نہیں، اس کے لیے شواہدِ کثیرہ موجود ہیں (فتاویٰ محمودیہ، ج ۱ ص ۵۵۸، ۵۵۹، **کتاب الایمان والعقائد، باب العقائد، مایتعلق بحیاۃ الانبیاء وسماع الموتیٰ**، مطبوعہ: جامعہ فاروقیہ، کراچی، سنِ طباعت: ۱۴۲۶ھ مطابق 2005ء)

ہے...... ہاں اگر کہیں عوام کو اُن کا غلو دیکھ کر بالکل بھی باز رکھا جائے، یہ بھی درست ہے، مگر حق تعالیٰ پر اجابت کو ضروری سمجھنا یا ان بزرگوں سے سہارے کی امید رکھنا یا ان کے اسماء کو اسمائے الٰہیہ کے برابر سمجھنا، یہ زیادۃ علی الشرع ہے (امداد الفتاویٰ، ج۴ص۳۷۲، مسائلِ شتیٰ، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی)

بوادرُ النوادر میں ہے:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تفسیر روح المعانی میں ہے:

نقل عن العلامة ابن الهمام أنه قال :أكثر مشايخنا على أن الميت لا يسمع......وذهبت طوائف من أهل العلم إلى سماعهم فى الجملة......وقال بعض الأجلة :إن معناها لا تسمعهم إلا أن يشاء الله تعالى أو لا تسمعهم سماعا ينفعهم...... والحق أن الموتى يسمعون فى الجملة وهذا على أحد وجهين.

أولهما أن يخلق الله عز وجل فى بعض أجزاء الميت قوة يسمع بها متى شاء الله تعالى السلام ونحوه مما يشاء الله سبحانه سماعه إياه ولا يمنع من ذلك كونه تحت أطباق الثرى وقد انحلت منه هاتيك البنية وانفصمت العرى ولا يكاد يتوقف فى قبول ذلك من يجوز أن يرى أعمى الصين بقة أندلس.

وثانيهما أن يكون ذلك السماع للروح بلا وساطة قوة فى البدن ولا يمتنع أن تسمع بل أن تحس وتدرك مطلقا بعد مفارقتها البدن بدون وساطة قوى فيه وحيث كان لها على الصحيح تعلق لا يعلم حقيقته وكيفيته إلا الله عز وجل بالبدن كله أو بعضه بعد الموت وهو غير التعلق بالبدن الذى كان لها قبلة أجرى الله سبحانه عادته بتمكينها من السمع وخلقه لها عند زيارة القبر وكذا عند حمل البدن إليه وعند الغسل مثلا .ولا يلزم من وجود ذلك التعلق والقول بوجود قوة السمع ونحوه فيها نفسها أن تسمع كل مسموع لما أن السماع مطلقا وكذا سائر الإحساسات ليس الا تابعا للمشيئة فما شاء الله تعالى كان وما لم يشأ لم يكن .فيقتصر على القول بسماع ما ورد السمع بسماعه من السلام ونحوه. وهذا الوجه الذى يترجح عندى ولا يلزم عليه التزام القول بأن أرواح الموتى مطلقا فى أفنية القبور لما أن مدار السماع عليه مشيئة الله تعالى والتعلق الذى لا يعلم كيفيته وحقيقته إلا هو عز وجل فلتكن الروح حيث شاء ت أو لا تكن فى مكان كما هو رأى من يقول بتجردها......

ومشيئته عز وجل يسمع من سلم عليه فى قبره السلام ولا يختص السماع فى السلام عند الزيارة ليلة الجمعة ويومها وبكرة السبت أو يوم الجمعة ويوما قبلها ويوما بعدها بل يكون ذلك فى السلام عند الزيارة مطلقا فالميت يسمع الله تعالى روحه السلام عليه من زائره فى أى وقت كان ويقدره سبحانه على رد السلام كما صرح فى بعض الآثار(تفسير روح المعانى، ج۵۴ الیٰ ۵۸، سورة الروم، ملخصاً)

البتہ اگر عوام کی (دینی) مصلحت کے لیے، اس (توسل) سے منع کیا جائے، تو ہم بھی ابنِ تیمیہ کی مخالفت نہ کریں گے، لیکن کلام مسئلہ کی تحقیق میں ہے، سواس میں حق ہمارے ساتھ ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ (بوادر النوادر، صفحہ ۷۰۹، رسالہ ''الادراک والتوصل الیٰ حقیقۃ الاشراک والتوسل'' مطبوعہ: ادارہ اسلامیات، لاہور، سنِ اشاعت: 1985ء)

حق ہمارے ساتھ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اجتہادی دلائل سے جواز کا قول حق وصواب ہونے کی حیثیت سے ہمارے ساتھ ہے، اگرچہ دوسرا اپنے نزدیک اجتہادی دلائل سے حق وصواب اپنے ساتھ سمجھتا ہو، جیسا کہ اس طرح کے دیگر مجتہَد فیہا مسائل میں بھی یہی مطلب ہوتا ہے، اور فقہائے کرام کے درمیان ''صواب اور خطاء'' کی بنیاد پر ہی اجتہادی عمل ہوتا ہے۔

مجوزین کے نزدیک مفاسد کی صورت میں عوام کو منع کرنا غالباً اس قول پر مبنی ہے، جس کی رُو سے جائز، بلکہ مستحب عمل میں مفاسد ومنکرات شامل ہونے کی صورت میں اس سے منع کیا جاتا ہے، بلکہ بعض اوقات کسی عمل کے سنت وبدعت کے درمیان دائر ہونے کی وجہ سے ترک کرنے کا بھی حکم کردیا جاتا ہے، اور ضروری عمل میں مفاسد ومنکرات شامل ہونے کی صورت میں مفاسد ومنکرات کی اصلاح کی جاتی ہے، اور ظاہر ہے کہ مجوزین کے نزدیک مذکورہ توسل جائز یا مستحب ہے، فرض یا واجب نہیں، جبکہ بعض دیگر حضرات اس کو جائز بھی نہیں سمجھتے، واللہ اعلم۔ [1]

---

[1] ما تردد بين السنة والبدعة لا يؤتى به (المبسوط، للسرخسي، ج٣، ص ١٩٥، كتاب الحيض والنفاس ، باب الإضلال في الحيض)

والفعل إذا تردد بين السنة والبدعة تغلب جهة البدعة؛ لأن الامتناع عن البدعة فرض ولا فرضية في تحصيل السنة (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج ١، ص ٢٠٤، كتاب الصلاة، فصل في سنن حكم التكبير أيام التشريق)

الفعل متى دار بين السنة والبدعة كان ترك البدعة واجبا وتحصيل الواجب أولى من تحصيل السنة ومتى دار بين البدعة والفريضة كان التحصيل أولى؛ لأن ترك البدعة واجب والفرض أهم من الواجب (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج ١، ص ٢٥٠، كتاب الصلاة، فصل الكلام في مسائل السجدات يدور على أصول)

صرحوا بأن ما تردد بين الواجب والبدعة يأتي به احتياطا وما تردد بين السنة والبدعة يتركه (رد المحتار على الدر المختار، ج ٢، ص ٤٤١، كتاب الصوم، باب الاعتكاف)

مذکورہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ توسل بالانبیاء والصلحاء کا معہود فیہ مسئلہ، نیز سماعِ موتی کا مسئلہ مجتہَد فیہا ہے، اسی وجہ سے اس میں اصحابِ علم کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں، اور اکثر یا جمہور اہلِ علم کے قول کی وجہ سے دوسرے قول کا یقینی درجہ میں باطل ہونا لازم نہیں ہوتا، جس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں، اس لیے اگر کسی کا عدمِ جواز کے قول کی طرف میلان ہو، اور مجوزین پر لعن طعن اور گمراہی وغیرہ کی نسبت نہ کرے، بلکہ اجتہادی درجہ میں اس قول کو راجح سمجھے، تو یہ بھی مذموم نہیں، اور نہ ہی اس کی وجہ سے خود اس کا اہلُ السنۃ والجماعۃ سے خارج ہونا لازم آتا۔

لہٰذا اس سلسلہ میں مانعین اور مجوزین کا مذکورہ اختلاف اجتہادی نوعیت کا ہے، جس کو اس کے درجہ پر رکھنا ضروری ہے، اور اس میں بعض حضرات کا افراط وتفریط کر کے غلو وتشدد کرنا، اور بہر صورت یا قطعاً اپنے قول کو صواب اور دوسرے کے قول کے خطاء قرار دینے پر مُصر ہونا، معتدل طرزِ عمل معلوم نہیں ہوتا، جس کی تفصیل ہم نے دوسرے مقام پر کر دی ہے۔

یہاں زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں۔

افسوس کہ اس مسئلہ کو بعض حضرات نے ایمان وکفر کا مدار یا پھر اہلُ السنۃ والجماعۃ کے شعائر میں سے قرار دے دیا ہے، جس میں اپنے نزدیک راجح موقف سے اختلاف کرنے والے پر سخت حکم نافذ کیا جاتا ہے، اور مناظرہ ومجادلہ کا بازار گرم ہوتا ہے، جبکہ امتِ مسلمہ پہلے ہی اس قسم کے فروعی مسائل میں غیر معمولی اختلاف وتشدد سے اجتماعی نقصان اٹھا چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ فقہی مجتہد فیہ فروعی مسائل میں اعتدال کو ملحوظ رکھنے اور ایک دوسرے کے خلاف تشدد وتعصب سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اور بے جا تشدد وغلو سے حفاظت فرمائے۔ آمین

وَاللّٰہُ سُبُحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

(فصل نمبر 1)

ناخن اور موئے مبارک

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک اور ناخن مبارک سے بھی تبرک حاصل کرنے کا احادیث وروایات میں ذکر آیا ہے، جس کی کچھ تفصیل ملاحظہ ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن اور موئے مبارک کا ہاتھوں میں لینا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَلَّاقُ يَحْلِقُهُ، وَأَطَافَ بِهٖ أَصْحَابُهُ، فَمَا يُرِيْدُوْنَ أَنْ تَقَعَ شَعْرَةٌ إِلَّا فِيْ يَدِ رَجُلٍ

(صحیح مسلم)[1]

ترجمہ: میں نے بال کاٹنے والے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مونڈتے ہوئے دیکھا، اور آپ کے صحابۂ کرام نے نبی علیہ السلام کو گھیر رکھا تھا، ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ آپ کے بال مبارک اس کے ہاتھوں میں گریں (مسلم)

یعنی صحابۂ کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کو برکت کے طور پر حاصل کرنا چاہتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رَمٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ، ثُمَّ أَمَرَ بِالْبُدْنِ فَنُحِرَتْ وَالْحَلَّاقُ جَالِسٌ عِنْدَهُ، فَسَوّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَوْمَئِذٍ شَعْرَهُ بِيَدِهٖ، ثُمَّ قَبَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

---

[1] رقم الحديث ۲۳۲۵ "۷۵"، كتاب الفضائل، باب قرب النبى عليه السلام من الناس وتبركهم به.

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى شَقِّ جَانِبِهِ الْأَيْمَنِ عَلى شَعْرِهٖ ، ثُمَّ قَالَ لِلْحَلَّاقِ: اِحْلِقْ فَحَلَقَ، فَقَسَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَعْرَهٗ يَوْمَئِذٍ بَيْنَ مَنْ حَضَرَهٗ مِنَ النَّاسِ الشَّعَرَةَ وَالشَّعَرَتَيْنِ، ثُمَّ قَبَضَ بِيَدِهٖ عَلٰى جَانِبِ شِقِّهِ الْأَيْسَرِ عَلٰى شَعْرِهٖ، ثُمَّ قَالَ لِلْحَلَّاقِ: اِحْلِقْ ، فَحَلَقَ، فَدَعَا أَبَا طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيَّ، فَدَفَعَهٗ إِلَيْهِ (صحیح ابن حبان) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر میں (یعنی دس ذی الحجہ کے دن) جمرہ کی رَمی کی، پھر اپنے اونٹ کو ذبح کرنے کا حکم فرمایا، اور بال کاٹنے والا آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اپنے بالوں کو اپنے ہاتھ سے درست کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دائیں جانب سے اپنے بالوں کو مٹھی میں پکڑا، پھر بال کاٹنے والے کو فرمایا کہ آپ بال مونڈھیں، تو اس نے بال مونڈھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن اپنے بالوں کو وہاں پر موجود لوگوں کے درمیان ایک ایک دو دو کر کے تقسیم فرمایا، پھر اپنی بائیں جانب سے اپنے بالوں کو چنگل میں لیا، پھر بال کاٹنے والے سے فرمایا کہ آپ بال مونڈھیں، اس نے بال مونڈھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بلا کر وہ بال انہیں عنایت فرمادیئے (ابنِ حبان، ابویعلیٰ)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اپنے بالوں کو برکت کے طور پر صحابۂ کرام کو عنایت فرمایا ہے۔

---

[1] رقم الحديث ١٣٧١، كتاب الطهارة، باب النجاسة وتطهيرها، مسند ابى يعلىٰ الموصلى، رقم الحديث ٢٨٢٧.

قال شعيب الارنؤوط: سناده صحيح (حاشية ابنِ حبان)

وقال حسين سليم أسد الدارانى: إسناده صحيح (حاشية مسند ابى يعلىٰ)

حضرت محمد بن عبداللہ بن زید سے روایت ہے کہ:

أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ شَهِدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الْمَنْحَرِ وَرَجُلًا مِّنْ قُرَيْشٍ وَهُوَ يَقْسِمُ أَضَاحِيَّ فَلَمْ يُصِبْهُ مِنْهَا شَيْءٌ وَلَا صَاحِبَهُ، فَحَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ فِيْ ثَوْبِهٖ فَأَعْطَاهُ، فَقَسَمَ مِنْهُ عَلٰى رِجَالٍ، وَقَلَّمَ أَظْفَارَهُ، فَأَعْطَاهُ صَاحِبَهُ، قَالَ: فَإِنَّهُ لَعِنْدَنَا مَخْضُوْبٌ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ، يَعْنِيْ: شَعْرَهُ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١٦٤٧٤) [1]

ترجمہ: وہ اور ایک قریشی آدمی منیٰ کے میدان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کا گوشت تقسیم کررہے تھے، وہ گوشت انہیں یا ان کے ساتھی کو نہ مل سکا، اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے میں سر کے بال منڈوائے، اور وہ انہیں دے دیئے اور اس میں سے کچھ بال چند لوگوں کو بھی دیئے، پھر اپنے ناخن تراشے تو وہ ان کے ساتھی کو دے دیئے۔

حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ بال مہندی اور وسمہ کا خضاب کیے ہوئے، آج بھی ہمارے پاس موجود ہیں (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کے بال وناخن وغیرہ برکت کے طور پر رکھنا فی نفسہٖ جائز ہے۔

ابنِ سیرین کے پاس نبی ﷺ کے موئے مبارک کا ہونا

حضرت ابنِ سیرین سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ لِعَبِيدَةَ عِنْدَنَا مِنْ شَعَرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَبْنَاهُ مِنْ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الصحيح غير صحابيه (حاشية مسند احمد)

قِـبَـلِ أَنَـسٍ أَوْ مِنْ قِبَلِ أَهْلِ أَنَسٍ فَقَالَ: لَأَنْ تَكُوْنَ عِنْدِيْ شَعَرَةٌ مِنْهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا (صحيح البخاري) [1]

ترجمہ: میں نے عبیدہ سے کہا کہ ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بال ہیں، ہم نے انہیں حضرت انس کے پاس سے یا (یہ کہا کہ) انس کے گھر والوں کے پاس سے حاصل کیا ہے، ابوعبیدہ نے فرمایا کہ اگر ان بالوں میں سے ایک بال بھی میرے پاس ہو، تو وہ مجھے تمام دنیا وکائنات سے زیادہ محبوب ہوگا (بخاری)

اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں بلکہ ایک بال کی بھی مومن کے دل میں احترام واہمیت معلوم ہوئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک سے برکت حاصل کرنا

حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب سے روایت ہے کہ:

أَرْسَلَنِيْ أَهْلِيْ إِلٰى أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَدَحٍ مِنْ مَّاءٍ وَقَبَضَ إِسْرَائِيلُ ثَلَاثَ أَصَابِعَ مِنْ قُصَّةٍ، فِيْهِ شَعَرٌ مِّنْ شَعَرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَ إِذَا أَصَابَ الإِنْسَانَ عَيْنٌ أَوْ شَيْءٌ بَعَثَ إِلَيْهَا مِخْضَبَهُ، فَاطَّلَعْتُ فِي الجُلْجُلِ، فَرَأَيْتُ شَعَرَاتٍ حُمْرًا (بخاری، رقم الحديث ۵۸۹۶، كتاب اللباس، باب ما يذكر في الشيب)

ترجمہ: میرے گھر والوں نے مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پانی کا ایک پیالہ دے کر بھیجا، اور اسرائیل (راوی) نے تین انگلیوں سے پیشانی کے بال پکڑے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تھے (یعنی اسرائیل راوی کی عملی صراحت کے مطابق یہ نبی علیہ الصلاۃ

---

[1] رقم الحديث ۱۷۰، كتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان.

والسلام کی پیشانی کے بال تھے) جب کسی کو نظر لگ جاتی یا کوئی تکلیف ہوتی، تو وہ حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس (اپنا) برتن بھیج دیتا، حضرت عثمان کہتے ہیں کہ میں نے اس جلجل (گھنگرو کے خول، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک رکھے تھے) میں جھانک کر دیکھا تو مجھے چند سرخ بال نظر آئے (بخاری)

بعض دوسری روایات میں بھی اس واقعہ کا ذکر آیا ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی کو نظر لگتی یا بخار وغیرہ ہوتا، تو برتن میں پانی لے کر اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک ڈال دیئے جاتے، پھر اس پانی کو برکت کے طور پر استعمال کیا جاتا، جس کی برکت سے نظر وغیرہ سے شفاء حاصل ہو جاتی۔ [1]

خالد بن ولید کا موئے مبارک کی برکت سے فتح یاب ہونا

حضرت عبدالحمید بن جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:

قَالَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ: اِعْتَمَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ عُمْرَةٍ اِعْتَمَرَهَا، فَحَلَقَ شَعَرَهُ، فَاسْتَبَقَ النَّاسُ إِلٰى شَعَرِهٖ، فَسَبَقْتُ إِلَى النَّاصِيَةِ فَأَخَذْتُهَا، فَاتَّخَذْتُ قَلَنْسُوَةً فَجَعَلْتُهَا فِيْ مُقَدَّمَةِ

---

[1] أخبرنا محمد بن عبد الله الحافظ، قال: حدثنا أبو العباس: محمد بن يعقوب، أخبرنا محمد بن إسحاق الصغاني، قال: حدثنا يحيى بن أبى بكير، قال: حدثنا إسرائيل، عن عثمان بن عبد الله بن موهب، قال: كان عند أم سلمة جلجل من فضة ضخم، فيه من شعر النبى، صلى الله عليه وسلم، فكان إذا أصاب إنسانا الحمى بعث إليها فخضخضته فيه، ثم ينضحه الرجل على وجهه .قال: بعثنى أهلى إليها فأخرجته فإذا هو هكذا، وأشار إسرائيل بثلاث أصابع، وكان فيه شعرات حمراء(دلائل النبوة للبيهقى، ج ١ ص ٢٣٦، جماع أبواب صفة رسول الله صلى الله عليه وسلم،باب ذكر شيب النبى صلى الله عليه وسلم وما ورد فى خضابه)

قوله بعث إليها مخضبه بكسر الميم وسكون المعجمة وفتح الضاد المعجمة بعدها موحدة هو من جملة الآنية وقد تقدم بيانه فى كتاب الطهارة والمراد أنه كان من اشتكى أرسل إناء إلى أم سلمة فتجعل فيه تلك الشعرات وتغسلها فيه وتعيده فيشربه صاحب الإناء أو يغتسل به استشفاء بها فتحصل له بركتها(فتح البارى لابنِ حجر، ج٣ص ٣٥٣، قوله باب ما يذكر فى الشيب)

الْقَلَنْسُوَةِ، فَمَا وُجِّهْتُ فِيْ وَجْهٍ إِلَّا فُتِحَ لِيْ (مسند ابی یعلیٰ الموصلی) [1]

ترجمہ: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمرہ کیا، اس عمرہ کے واقعہ میں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (احرام سے فراغت کے وقت) اپنے سر کا حلق فرمایا (یعنی سر منڈوایا) تو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی طرف سبقت کرنے لگے (تاکہ آپ کے بالوں کو حاصل کریں) میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشانی کے بالوں کو حاصل کیا، پھر میں نے اپنی ٹوپی لی، اور ان بالوں کو میں نے اپنی ٹوپی کے سامنے کی جانب ٹانک لیا، پھر جب مجھے کسی محاذ پر بھی بھیجا گیا، تو مجھے (ان بالوں کی برکت سے) فتح عطا کی گئی (ابو یعلیٰ)

امام حاکم، امام طبرانی اور امام بیہقی رحمہم اللہ نے حضرت خالد بن ولید کے مذکورہ واقعہ کو مندرجہ ذیل طریقہ پر روایت کیا ہے کہ:

أَنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ، فَقَدَ قَلَنْسُوَةً لَهُ يَوْمَ الْيَرْمُوْكِ فَقَالَ: اُطْلُبُوْهَا فَلَمْ يَجِدُوْهَا، ثُمَّ طَلَبُوْهَا فَوَجَدُوْهَا، وَإِذَا هِيَ قَلَنْسُوَةٌ خَلِقَةٌ، فَقَالَ خَالِدٌ: اِعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَلَقَ رَأْسَهُ، وَابْتَدَرَ النَّاسُ جَوَانِبَ شَعْرِهِ، فَسَبَقْتُهُمْ إِلٰى نَاصِيَتِهِ فَجَعَلْتُهَا فِيْ هٰذِهِ الْقَلَنْسُوَةِ، فَلَمْ أَشْهَدْ قِتَالًا وَهِيَ مَعِيْ إِلَّا رُزِقْتُ النَّصْرَ (مستدرک حاکم) [2]

---

[1] رقم الحدیث ۷۱۸۳، ج۱۳ ص۱۳۸، حدیث خالد بن الولید.

قال حسین سلیم اسد الدارانی: رجاله ثقات غیر أنه منقطع (حاشیة ابی یعلیٰ)

[2] رقم الحدیث ۵۲۹۹، کتاب قسم الفیء، المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۳۸۰۴، ج۴ ص۱۰۴، دلائل النبوة للبیهقی، ج۶ ص۲۴۹، باب ما جاء فی قلنسوة خالد بن الولید واستنصاره بما جعل فیها من شعر رسول الله صلی الله علیه وسلم.

قال الهیثمی: رواه الطبرانی وأبو یعلی بنحوه ورجالهما رجال الصحیح (مجمع الزوائد، جزء۹ صفحه ۳۴۹، تحت رقم الحدیث ۱۵۸۸۲)

ترجمہ: یرموک کے دن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی گم ہوگئی، تو انہوں نے فرمایا کہ اس کو تلاش کرو، تو (تلاش کرنے سے) لوگوں کو وہ ٹوپی نہیں مل سکی، پھر تلاش کرتے کرتے وہ ٹوپی مل گئی، اور وہ ایک بوسیدہ اور پرانی ٹوپی تھی (لوگوں کو تعجب ہوا ہوگا کہ اتنی بے وقعت ٹوپی کی تلاش کا اتنا اہتمام؟) تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا، پھر اپنا سر منڈوایا، تو لوگ آپ کے بال حاصل کرنے کے لئے دوڑے، تو میں نے آپ کی پیشانی کے بال حاصل کرلئے، پھر میں نے ان کو اس ٹوپی میں محفوظ کرلیا، پس وہ دن ہے، اور آج کا دن ہے کہ اس ٹوپی کے ساتھ جب بھی میں کسی جنگ کے موقع پر حاضر ہوا، تو (اس کی برکت سے) مجھ کو فتح یابی حاصل ہوتی رہی (حاکم، طبرانی، بیہقی)

مذکورہ روایات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں سے برکت اور فتح وکامیابی کا حاصل ہونا معلوم ہوا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک برکت کے طور پر حاصل کرتے تھے، جو پھر تابعین اور اگلے لوگوں کی طرف بھی منتقل ہوئے، جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء وصلحاء کے بالوں کو برکت کے طور پر رکھنا جائز ہے۔ [1]

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

---

[1] قال أبو حاتم رضى الله عنه: فى قسمة النبى صلى الله عليه وسلم شعره بين أصحابه أبين البيان بأن شعر الإنسان طاهر، إذ الصحابة إنما أخذوا شعره صلى الله عليه وسلم ليتبركوا به، فبين شاد فى حجزته، وممسك فى تكته، وآخذ فى جيبه، يصلون فيها، ويسعون لحوائجهم وهى معهم، وحتى إن عامة منهم أوصوا أن تجعل تلك الشعرة فى أكفانهم ولو كان نجسا لم يقسم عليهم صلى الله عليه وسلم الشىء النجس (صحيح ابن حبان، تحت رقم الحديث ۱۳۷۱)

وفيه التبرك بشعره صلى الله عليه وسلم وجواز اقتنائه (فتح البارى شرح صحيح البخارى، للعسقلانى، ج ۱، ص ۲۷۴، قوله باب الماء)

إنما قسم الشعر للتبرك (البناية شرح الهداية، ج ۱ ص ۴۲۵، كتاب الطهارة)

(فصل نمبر 2)

پس خوردہ اور لعابِ دہن

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پس خوردہ اور لعابِ دہن کی فضیلت و برکت کا بھی بعض احادیث و روایات سے ثبوت ملتا ہے۔

جس کی تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بچوں کی تحنیک وتبریک فرمانا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُؤْتٰی بِالصِّبْیَانِ فَیُبَرِّکُ عَلَیْہِمْ وَیُحَنِّکُھُمْ (صحیح مسلم)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نومولود بچوں کو لایا جاتا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے برکت کی دعا فرماتے، اور ان کی تحنیک فرماتے تھے (مسلم)

''تحنیک'' کا مطلب یہ ہے کہ اپنے منہ میں کھجور وغیرہ رکھ کر اس کو چبایا جائے، جب اس میں منہ کا لعاب شامل ہو جائے، وہ بچہ کے منہ میں ڈال دی جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لعابِ دہن کو بچہ کے پیٹ میں پہنچانے کے لیے یہ عمل کیا کرتے تھے، جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لعابِ دہن کا باعثِ برکت ہونا معلوم ہوا۔

تحنیک کے ذریعہ سے نیک صالح انسان کے لعابِ دہن کی برکات بچے کے پیٹ میں پہنچ

[1] رقم الحدیث ۲۱۴۷ ''۲۷''، کتاب الآداب، باب استحباب تحنیک المولود عند ولادته وحمله إلى صالح یحنکه الخ.

جاتی ہیں۔[1]

اور بھی کئی احادیث وروایات میں تحنیک کا ذکر آیا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

وُلِدَ لِیْ غُلَامٌ فَأَتَیْتُ بِهِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَمَّاهُ إِبْرَاهِیْمَ فَحَنَّکَهُ بِتَمْرَةٍ وَدَعَا لَهُ بِالْبَرَکَةِ وَدَفَعَهُ إِلَیَّ وَکَانَ أَکْبَرَ وَلَدِ أَبِیْ مُوْسٰی (صحیح البخاری)[2]

ترجمہ: میرے یہاں بیٹا پیدا ہوا، تو میں اس کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ابراہیم رکھا، اوراس کی کھجور کے ساتھ تحنیک فرمائی، اوراس کے لئے برکت کی دعا فرمائی، اور پھر بچہ مجھے دے دیا، اور یہ حضرت ابوموسیٰ کا سب سے بڑا بیٹا تھا (مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَوَّلُ مَوْلُوْدٍ وُلِدَ فِی الْإِسْلَامِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَیْرِ أَتَوْا بِهِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَأَخَذَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَمْرَةً فَلَاکَهَا ثُمَّ أَدْخَلَهَا فِیْ فِیْهِ فَأَوَّلُ مَا دَخَلَ بَطْنَهُ رِیْقُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (صحیح البخاری)[3]

---

[1] أما أحكام الباب ففيه استحباب تحنيك المولود وفيه التبرك بأهل الصلاح والفضل (شرح النووى على مسلم، ج۳، ص ۱۹۴، كتاب الطهارة، باب حكم بول الطفل الرضيع وكيفية غسله) ومنها أن يحنكه صالح من رجل أو امرأة ومنها التبرك بآثار الصالحين وريقهم وكل شىء منهم(شرح النووى على مسلم، ج۱۴، ص ۱۲۴، باب استحباب تحنيك المولود عند ولادته وحمله إلى صالح يحنكه)

[2] رقم الحديث ۵۴۶۷، كتاب العقيقة، باب تسمية المولود غداة يولد، لمن لم يعق عنه، وتحنيكه، مسلم ، رقم الحديث ۲۱۴۵"۲۴"كتاب الآداب،باب استحباب تحنيك المولود عند ولادته وحمله إلى صالح يحنكه، مسند احمد رقم الحديث ۱۹۵۷۰.

[3] رقم الحديث ۳۹۰۰،كتاب مناقب الانصار،باب هجرة النبى صلى الله عليه وسلم وأصحابه إلى المدينة.

ترجمہ: (مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد مہاجرین) مسلمانوں میں سب سے پہلے پیدا ہونے والے بچے حضرت عبداللہ بن زبیر تھے، جن کو ان کے اہلِ خانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کھجور لی، اور اس کو چبایا، پھر عبداللہ بن زبیر کے منہ میں ڈالا، پس ان کے پیٹ میں سب سے پہلی چیز جو داخل ہوئی، وہ (کھجور کے ساتھ لگا ہوا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تھوک مبارک تھا (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ان کے بھائی کی ولادت سے متعلق طویل حدیث میں روایت ہے کہ:

قَالَ لِیْ أَبُوْ طَلْحَةَ: اَحْمِلْهُ فِیْ خِرْقَةٍ حَتّٰی تَأْتِیَ بِهٖ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، وَاحْمِلْ مَعَکَ تَمْرَ عَجْوَةٍ، قَالَ: فَحَمَلْتُهٗ فِیْ خِرْقَةٍ، قَالَ: وَلَمْ یُحَنَّکْ ، وَلَمْ یَذُقْ طَعَامًا وَلَا شَیْئًا، قَالَ: فَقُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَلَدَتْ أُمُّ سُلَیْمٍ، قَالَ: اَللّٰهُ أَکْبَرُ مَا وَلَدَتْ ؟ قُلْتُ: غُلَامًا، قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، فَقَالَ: هَاتِهٖ إِلَیَّ، فَدَفَعْتُهٗ إِلَیْهِ، فَحَنَّکَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ لَهٗ: مَعَکَ تَمْرُ عَجْوَةٍ ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، فَأَخْرَجْتُ تَمَرًا ، فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَمْرَةً وَأَلْقَاهَا فِیْ فِیْهِ، فَمَا زَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَلُوْکُهَا حَتّٰی اِخْتَلَطَتْ بِرِیْقِهٖ، ثُمَّ دَفَعَ الصَّبِیَّ، فَمَا هُوَ إِلَّا أَنْ وَجَدَ الصَّبِیُّ حَلَاوَةَ التَّمْرِ جَعَلَ یَمُصُّ حَلَاوَةَ التَّمْرِ وَرِیْقَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَکَانَ أَوَّلُ مَا تفَتَّحَتْ أَمْعَاءُ ذٰلِکَ الصَّبِیِّ عَلٰی رِیْقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: حُبُّ الْأَنْصَارِ التَّمْرَ ، فَسَمّٰی عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَبِیْ

طَلْحَةَ (مسند احمد رقم الحدیث ۱۲۸۶۵) [1]

ترجمہ: مجھے ابوطلحہ نے فرمایا کہ اس بچے کو کپڑے میں اٹھا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ، اور اپنے ساتھ عجوہ کھجور بھی لے جاؤ، تو حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں اس بچے کو کپڑے میں لپیٹ کر لے گیا، اور اس وقت تک ان کے تالو کو کوئی چیز نہیں لگائی گئی تھی، اور نہ اس بچے نے کوئی کھانا پینا چکھا تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت امِ سُلیم کے ولادت ہوئی ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اکبر! کس کی ولادت ہوئی ہے؟ تو میں نے کہا کہ بیٹے کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الحمد للہ، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو میرے پاس لے آ ؤ، حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے اس بچے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تحنیک فرمائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا آپ کے پاس عجوہ کھجور ہے؟ تو میں نے کہا کہ جی ہاں، میں نے کھجور نکالی، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا، اور اپنے منہ میں رکھا، اور اس کو چباتے رہے، یہاں تک کہ اس کھجور میں آپ کا لعابِ دہن شامل ہوگیا، پھر وہ بچے کے منہ میں ڈال دی، اور اس بچے نے کھجور کی مٹھاس کو محسوس کیا، اور وہ کھجور کی مٹھاس اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعابِ دہن کو چوسنے لگا، پس اس بچے کی آنتیں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعابِ دہن پر کھلیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھجور انصار کو محبوب ہے (اور یہ انصار کا بیٹا ہے) اور اس بچے کا نام عبداللہ بن ابی طلحہ رکھا (مسند احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن من أجل موسى بن هلال العبدى (حاشية مسند احمد)

لَـمَّـا وُلِـدَ عَبْـدُ الـلّٰـهِ بْنُ الزُّبَيْرِ أَتَيْتُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَفَلَ فِيْ فِيْهِ فَكَانَ أَوَّلَ شَيْءٍ دَخَلَ جَوْفَهُ (صحيح ابن حبان) [1]

ترجمہ: جب حضرت عبداللہ بن زبیر کی ولادت ہوئی، تو میں ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہ میں لعاب داخل کیا یا اپنا لعاب ڈالا، اوران کے پیٹ میں سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تھوک داخل ہوا (ابنِ حبان)

لعابِ دہن کی برکت سے آنکھوں کی تکلیف کا دور ہونا

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَـمِـعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ:يَوْمَ خَيْبَرَ: لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ رَجُلًا يَـفْتَـحُ الـلّٰـهُ عَـلٰـى يَـدَيْهِ، فَقَامُوْا يَرْجُوْنَ لِذٰلِكَ أَيُّهُمْ يُعْطٰى، فَـغَـدَوْا وَكُـلُّـهُـمْ يَـرْجُوْ أَنْ يُعْطٰى، فَقَالَ: أَيْنَ عَلِيٌّ؟، فَقِيلَ: يَشْتَكِيْ عَيْـنَيْـهِ، فَـأَمَـرَ، فَدُعِيَ لَهُ، فَبَصَقَ فِيْ عَيْنَيْهِ، فَبَرَأَ مَكَانَهُ حَتّٰى كَأَنَّهُ لَمْ يَـكُـنْ بِـهٖ شَـيْءٌ، فَـقَـالَ: نُـقَـاتِـلُهُـمْ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مِثْلَنَا؟ فَقَالَ: عَلٰى رِسْـلِكَ، حَتّٰـى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الإِسْلَامِ، وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ، فَوَاللّٰهِ لَأَنْ يُهْدٰى بِكَ رَجُلٌ وَاحِدٌ خَيْرٌ لَّكَ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ (صحيح البخاري) [2]

ترجمہ: انہوں نے جنگِ خیبر کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا

---

[1] رقم الحديث ٧١١٧، كتاب إخباره صلى الله عليه وسلم عن مناقب الصحابة رضى الله عنهم أجمعين،مناقب الصحابة رضى الله عنهم أجمعين.
قال شعيب الارنؤوط:إسناده قوى (حاشية صحيح ابن حبان)

[2] رقم الحديث ٢٩٤٢، كتاب الجهاد والسير، باب دعاء النبى صلى الله عليه وسلم الناس إلى الإسلام والنبوة، وأن لا يتخذ بعضهم بعضا أربابا من دون الله.

کہ میں ضرور بالضرور جھنڈا اس شخص کو دوں گا، جس کے ہاتھ پر اللہ فتح عطا فرمائے گا، صحابہ میں سے ہر ایک اس بات کی امید کرنے لگا کہ جھنڈا اس کو دیا جائے گا، پھر اگلے دن سب لوگ یہ امید کرنے لگے کہ جھنڈا ان کو دیا جائے گا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علی کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا کہ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلانے کا حکم فرمایا، اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دونوں آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن لگایا، جس کے نتیجہ میں ان کی آنکھیں اسی وقت ٹھیک ہوگئیں، گویا کہ کوئی تکلیف نہیں تھی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم ان کافروں سے جنگ کریں گے یہاں تک کہ وہ ہماری طرح ہو جائیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم چلتے جاؤ، یہاں تک کہ (ان کے قلعوں کے سامنے) صحن یا دالان میں اتر جاؤ، پھر تم ان کو اسلام کی دعوت دینا، اور جو کام اللہ کی طرف سے ان پر فرض ہیں، ان کو ان کی خبر کرنا، قسم ہے اللہ کی کہ تمہارے ذریعہ کسی ایک شخص کو بھی ہدایت مل گئی، تو یہ عمل تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ بہتر ہے (بخاری)

اس واقعہ سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لعابِ دہن کا باعثِ برکت ہونا معلوم ہوا۔

لعابِ دہن کی برکت سے شیطان کی تلبیس سے حفاظت

حضرت ابن ابوالعاص سے روایت ہے کہ:

لَمَّا اسْتَعْمَلَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الطَّائِفِ، جَعَلَ یَعْرِضُ لِیْ شَیْءٌ فِیْ صَلَاتِیْ، حَتّٰی مَا أَدْرِیْ مَا أُصَلِّیْ، فَلَمَّا رَأَیْتُ ذٰلِکَ، رَحَلْتُ إِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: اِبْنُ

أَبِی الْعَاصِ؟ قُلْتُ: نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، قَالَ: مَا جَاءَ بِکَ؟ قُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، عَرَضَ لِیْ شَیْءٌ فِیْ صَلَاتِیْ، حَتّٰی مَا أَدْرِیْ مَا أُصَلِّیْ: قَالَ: ذَاکَ الشَّیْطَانُ، اُدْنُہْ فَدَنَوْتُ مِنْہُ، فَجَلَسْتُ عَلٰی صُدُوْرِ قَدَمَیَّ، قَالَ: فَضَرَبَ صَدْرِیْ بِیَدِہٖ، وَتَفَلَ فِیْ فَمِیْ، وَقَالَ: اُخْرُجْ عَدُوَّ اللّٰہِ، فَفَعَلَ ذٰلِکَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ قَالَ: اِلْحَقْ بِعَمَلِکَ قَالَ: فَقَالَ عُثْمَانُ: فَلَعَمْرِی مَا أَحْسِبُہٗ خَالَطَنِیْ بَعْدُ (سنن ابن ماجہ) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طائف کا عامل (یعنی گورنر) مقرر فرمایا، تو مجھے جو نماز پڑھ رہا ہوں، اس سے ذہول ہو جاتا، میں نے یہ حالت دیکھی تو سفر کر کے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا کہ ابن ابی العاص؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں، اے اللہ کے رسول، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیسے آنا ہوا، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے نماز میں کچھ خیالات آنے لگے، یہاں تک کہ یہ بھی دھیان نہیں رہتا کہ کون سی نماز پڑھ رہا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شیطان (کا اثر) ہے، قریب ہو جاؤ میں آپ کے قریب ہوا، اور پنجوں کے بل (مودب) بیٹھ گیا، پھر آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور میرے منہ میں اپنا لعابِ دہن ڈالا، اور فرمایا اے اللہ کے دشمن نکل جا، تین بار ایسا ہی کیا پھر فرمایا (جاؤ) اپنے فرائض سرانجام دو۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قسم ہے کہ اس کے بعد شیطان نے مجھے وسوسہ نہ ڈالا (ابن ماجہ)

---

[1] رقم الحدیث ۳۵۴۸، ابواب الطب، باب الفزع والأرق وما یتعوذ منہ.
قال شعیب الارنؤوط: إسنادہ قوی (حاشیۃ سنن ابن ماجہ)

لعابِ دہن کی برکت سے آنکھ دکھنے سے حفاظت

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مَا رَمِدْتُ مُنْذُ تَفَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ عَيْنِيْ (مسند احمد، رقم الحديث ۵۷۹) [1]

ترجمہ: میری آنکھ اس وقت کے بعد سے کبھی نہیں دُکھی، جب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میری آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن ڈالا تھا (مسند احمد)

اس واقعہ سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لعابِ دہن کا بابرکت ہونا معلوم ہوا۔

لعابِ دہن کی برکت سے زخم کا درست ہونا

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَفَلَ فِيْ رِجْلِ عَمْرِو بْنِ مُعَاذٍ حِيْنَ قُطِعَتْ رِجْلُهُ، فَبَرَأَ (صحيح ابن حبان) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن معاذ کے پیر پہ اپنا لعابِ دہن لگادیا، جب ان کا پیر کاٹ دیا گیا تھا، تو اس سے وہ صحت یاب ہوگئے (ابنِ حبان)

اس قسم کے واقعات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تھوک مبارک کا باعثِ برکت ہونا معلوم ہوتا ہے۔

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية مسند احمد)

[2] رقم الحديث ۶۵۰۹، كتاب التاريخ، باب المعجزات.
قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية صحيح ابن حبان)

غارِ ثور میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لعابِ دہن لگانے کے واقعہ کی حیثیت

ملحوظ رہے کہ بعض حضرات نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے واقعات کے ضمن میں ایک واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ غار کے اندر چھپنے کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غار کے ایک سوراخ پر پاؤں رکھ دیا، تاکہ کوئی موذی چیز نکل کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کا باعث نہ بن جائے، اور اس سوراخ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سانپ وغیرہ نے ڈسنا شروع کیا، جس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آنسو بہہ پڑے، اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر پڑے، جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا پتہ چلا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر اپنا تھوک مبارک لگا دیا، جس سے وہ صحت یاب ہو گئے۔

اس واقعہ کو ''محبّ طبری'' نے ''نسائی'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ [1]

---

[1] وعن عمر بن الخطاب –رضى الله عنه– وقد ذكر عنده أبو بكر فبكى وقال: وددت لو أن عملى كله من عمله يومًا واحدًا من أيامه, وليلة من لياليه, أما الليلة فليلة سار مع رسول الله –صلى الله عليه وسلم– إلى الغار فلما انتهيا إليه قال: والله لا تدخله حتى أدخل قبلک, فإن كان فيه شيء أصابنى دونک فدخله فكسحه فوجد فى جوانبه ثقبًا فشق إزاره وسد بها تلک الثقب, وبقى منها اثنان فألقمهما رجله ثم قال لرسول الله –صلى الله عليه وسلم: ادخل فدخل رسول الله –صلى الله عليه وسلم– فوضع رأسه فى حجره فنام, فلدغ أبو بكر فى رجله من الجحر, ولم يتحرک مخافة أن يستنبه رسول الله –صلى الله عليه وسلم– فسقطت دموعه على وجه رسول الله –صلى الله عليه وسلم– فانتبه رسول الله –صلى الله عليه وسلم– فقال:" ما لک يا أبا بكر؟ "قال: لدغت فداک أبى وأمى, فتفل عليه رسول الله –صلى الله عليه وسلم– فذهب ما يجده ثم انتفض عليه فكان سبب موته, فلما قبض رسول الله –صلى الله عليه وسلم– ارتدت العرب وقالوا: لا نؤدى زكاة, فقال: لو منعونى عقالًا لجاهدتهم عليه, فقلت: يا خليفة رسول الله –صلى الله عليه وسلم– تألف الناس وارفق بهم فقال: أجبار فى الجاهلية, وخوار فى الإسلام؟ إنه قد انقطع الوحى وتم الدين, ثم انتفض وأنا حى, خرجه النسائى(الرياض النضرة فى مناقب العشرة، لمحب الدين الطبرى، ج ١ ص ١٠٤، ١٠٥، القسم الثانى: فى مناقب الأفراد،الباب الأول: فى مناقب خليفة رسول الله أبى بكر الصديق،الفصل الثامن:فى هجرته مع النبى صلى الله عليه وسلم وخدمته له فيها)

لیکن ''نسائی'' کے حوالہ سے یہ واقعہ ہمیں باسند طریقہ پر دستیاب نہیں ہوا۔

جبکہ ''صاحبِ مواہب اللدنیۃ'' نے اس واقعہ کو ''رزین'' کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ [1]

صاحبِ مشکاۃ نے بھی ''رزین'' کے حوالہ سے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ [2]

لیکن ''رزین'' کے حوالہ سے بھی باسند طریقہ پر یہ واقعہ دستیاب نہیں ہوا۔

اسی وجہ سے بعض اہلِ علم نے تحقیق کے بعد اس واقعہ کو ''موضوع'' قرار دیا ہے۔ [3]

---

[1] وروى أيضا أن أبا بكر دخل الغار قبل رسول الله –صلى الله عليه وسلم– ليقيه بنفسه، وأنه رأى جحرا فيه، فألقمه عقبه لئلا يخرج منه ما يؤذى رسول الله –صلى الله عليه وسلم فجعلت الحيات والأفاعى تضربنه وتلسعنه، فجعلت دموعه تتحدر .وفى رواية: فدخل رسول الله –صلى الله عليه وسلم– ووضع رأسه فى حجر أبى بكر ونام، فلدغ أبو بكر فى رجله من الجحر ولم يتحرك فسقطت دموعه على وجه رسول الله –صلى الله عليه وسلم– فقال: " ما لک يا أبا بكر "؟ قال لدغت فداک أبى وأمى، فتفل عليه رسول الله –صلى الله عليه وسلم– فذهب ما يجده .رواه ابن رزين(المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، لاحمد بن محمد القسطلانى، ج ا ص ۱۷۴ ،المقصد الاول،هجرته صلى الله عليه وسلم)

[2] عن عمر ذكر عنده أبو بكر فبكى وقال: وددت أن عملى كله مثل عمله يوما واحدا من أيامه وليلة واحدة من لياليه أما ليلته فليلة سار مع رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى الغار فلما انتهينا إليه قال: والله لا تدخله حتى أدخل قبلک فإن كان فيه شیء أصابنى دونک فدخل فكسحه ووجد فى جانبه ثقبا فشق إزاره وسدها به وبقى منها اثنان فألقمها رجليه ثم قال لرسول الله صلى الله عليه وسلم ادخل فدخل رسول الله صلى الله عليه وسلم ووضع رأسه فى حجره ونام فلدغ أبو بكر فى رجله من الجحر ولم يتحرک مخافة أن ينتبه رسول الله صلى الله عليه وسلم فسقطت دموعه على وجه رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: ما لک يا أبا بكر؟ قال: لدغت فداک أبى وأمى فتفل رسول الله صلى الله عليه وسلم فذهب ما يجده ثم انتقض عليه وكان سبب موته وأما يومه فلما قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم ارتدت العرب وقالوا: لا نؤدى زكاة .فقال: لو منعونى عقالا لجاهدتهم عليه .فقلت: يا خليفة رسول الله صلى الله عليه وسلم تألف الناس وارفق بهم .فقال لى: أجبار فى الجاهلية وخوار فى الإسلام؟ إنه قد انقطع الوحى وتم الدين أينقص وأنا حى؟ .رواه رزين (مشكاة المصابيح، ج۳ص ۱۷۰۰ ،كتاب المناقب، باب مناقبِ ابى بكر)

[3] إذ هما فى الغار:قوله: (ولما انتهيا إلى الغار قال أبو بكر: والله لا تدخله حتى أدخل قبلک، فإن كان فيه شیء أصابنى دونک، فدخل فكسحه، ووجد فى جانبه ثقبا فشق إزاره وسدها به، وبقى منها اثنان فألقمهما رجليه، ثم قال لرسول الله – صلى الله عليه وسلم –: ادخل، فدخل رسول الله – صلى الله عليه وسلم –، ووضع رأسه فى حجره ونام، فلدغ أبو بكر فى رجله من الجحر، ولم يتحرک مخافة أن ينتبه رسول الله – صلى الله عليه وسلم –، فسقطت دموعه على وجه رسول الله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بلکہ امام بیہقی وغیرہ نے ''دلائل النبوۃ'' میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیر میں ڈَسنے کا جو واقعہ روایت کیا ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تھوک مبارک کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

– صلى الله عليه وسلم –، فقال: (ما لک يا أبا بكر؟) قال: لدغت، فداک أبي وأمي، فتفل رسول الله – صلى الله عليه وسلم –، فذهب ما يجده).

التعليق: موضوع.

قال الشيخ: علي بن إبراهيم حشيش – حفظه الله – في كتابه تحذير الداعية من القصص الواهية ص (9 - 7)ط .دار العقيدة: (وقد أورد هذه القصة التبريزي في (مشكاة المصابيح) (3/1700) ح (6034)

مناقب أبي بكر ح (16)تحقيق الشيخ الألباني رحمه الله.

قلت: بالنظر إلى حاشية الكتاب لم نجد لهذه القصة تخريجا ولا تحقيقا(التعليق على الرحيق المختوم ،لابی عبد الرحمن محمود بن محمد الملاح، ص۱۰۴، ۱۰۵، الباب الثانی، اذ هما فی الغار)

[1] وأخبرنا أبو الحسين علي بن محمد بن عبد الله بن بشران العدل ببغداد قال: حدثنا أحمد بن سلمان النجار الفقيه إملاء قال: قرء علي يحيى بن جعفر وأنا أسمع قال: أخبرنا عبد الرحمن بن إبراهيم الراسبي قال: حدثني فرات بن السائب، عن ميمون بن مهران، عن ضبة بن محصن العنزي، عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه في قصة ذكرها قال: فقال عمر: والله لليلة من أبي بكر ويوم خير من عمر عمر، هل لک أن أحدثک بليلته ويومه؟ قال: قلت نعم , يا أمير المؤمنين قال: أما ليلته فلما خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم هاربا من أهل مكة خرج ليلا فتبعه أبو بكر، فجعل يمشي مرة أمامه، ومرة خلفه، ومرة عن يمينه، ومرة عن يساره، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما هذا يا أبا بكر؟ ما أعرف هذا من فعلک؟ قال: يا رسول الله، أذكر الرصد فأكون أمامک، وأذكر الطلب فأكون خلفک، ومرة عن يمينک ومرة عن يسارک، لا آمن عليک قال: فمشى رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلته على أطراف أصابعه حتى حفيت رجلاه، فلما رآه أبو بكر رضي الله عنه أنها قد حفيت حمله على كاهله، وجعل يشتد به حتى أتى به فم الغار، فأنزله، ثم قال: والذي بعثک بالحق لا تدخله حتى أدخله، فإن كان فيه شيء نزل بي قبلک، فدخل فلم ير شيئا، فحمله فأدخله، وكان في الغار خرق فيه حيات وأفاع، فخشي أبو بكر أن يخرج منهن شيء يؤذي رسول الله صلى الله عليه وسلم فألقمه قدمه فجعلن يضربنه ويلسعنه: الحيات والأفاعي، وجعلت دموعه تنحدر ورسول الله صلى الله عليه وسلم يقول له: يا أبا بكر لا تحزن، إن الله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس کی سند میں بھی غیر معمولی ضعیف راوی پائے جاتے ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

معنا ، فأنزل الله سكينته وطمأنينته لأبى بكر، فهذه ليلته .وأما يومه فلما توفى رسول الله صلى الله عليه وسلم وارتدت العرب، فقال بعضهم: نصلى، ولا نزكى , وقال بعضهم: لا نصلى ولا نزكى، فأتيته ولا آلوه نصحا، فقلت: يا خليفة رسول الله، تألف الناس وارفق بهم، فقال: جبار فى الجاهلية خوار فى الإسلام، فبماذا أتألفهم أبشعر مفتعل أو بشعر مفترى؟ قبض النبى صلى الله عليه وسلم وارتفع الوحى، فوالله لو منعونى عقالا مما كانوا يعطون رسول الله صلى الله عليه وسلم لقاتلتهم عليه .قال: فقاتلنا معه فكان والله رشيد الأمر فهذا يومه "(دلائل النبوة للبيهقى، ج۲ص۴۷۶، باب خروج النبى صلى الله عليه وسلم مع صاحبه أبى بكر الصديق رضى الله عنه إلى الغار وما ظهر فى ذلك من الآثار)

[1] المسالة الثانية: تخريج القصة.

الحديث أورده البيهقى فى (دلائل النبوة) (2/476-477)

قال: " أخبرنا أبو الحسين على بن محمد بن عبد الله بن بشران العدل ببغداد، قال: حدثنا أحمد بن سلمان النجار الفقيه إملاء قال: قرء على يحيى بن جعفر وأنا أسمع، قال: أخبرنا عبد الرحمن بن إبراهيم الراسبى، قال: حدثنى فرات بن السائب، عن ميمون بن مهران، عن ضبة بن محصن العنزى، عن عمر بن الخطاب – رضى الله عنه – فذكر القصة.

المسألة الثالثة: تحقيق القصة:

القصة (موضوعة .والموضوع هو الكذب المختلق المصنوع المنسوب إلى رسول الله – صلى الله عليه وسلم –، وأجمع العلماء على أنه لا تحل روايته لأحد علم حاله فى أى معنى كان إلا مع بيان سبب وضعه (كذا فى التدريب) .(274 /1)

وآفات القصة:

1– عبد الرحمن بن إبراهيم الراسبى.

أورده الإمام الذهبى فى "الميزان (545 /2) "ترجمة (4804)ثم قال:(عبد الرحمن بن إبراهيم الراسبى عن مالك أتى بخبر باطل طويل، وهو المتهم به، وأتى عن فرات بن السائب، عن ميمون بن مهران، عن ضبة بن محصن، عن أبى موسى بقصة الغار – وهو يشبه وضع الطرقية).

قلت: وأقر الحافظ ابن حجر فى (لسان الميزان) (491 /3)ترجمة (4953 /602)قول الإمام الحافظ الذهبى فى قصة الغار بأنه شبه وضع الطرقية .

2– فرات بن السائب

أورده الإمام الذهبى فى (الميزان) (341 /3)ترجمة (6689)ثم قال: (فرات بن السائب عن ميمون بن مهران).

قال البخارى: منكر الحديث.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض روایات میں صرف اتنا مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غار میں موجود سوراخ پر پاؤں رکھ دیا تھا، تاکہ کوئی موذی چیز نکل کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کا باعث نہ بن جائے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال ابن معين: ليس بشیء.
وقال الدارقطنی وغيره: متروک.
وقال أحمد بن حنبل: قريب من محمد بن زياد الطحان فی ميمون يتهم بما يتهم به ذلک)، قلت: وأقر الحافظ ابن حجر فی (لسان الميزان)(4/503-504)ترجمة (11/ 6522)قول الإمام الذهبی ثم قال: (وقال أبو حاتم الرازی: ضعيف الحديث، منكر الحديث.
وقال الساجی: تركوه.
وقال النسائی: متروک الحديث).
قلت: وقول النسائی فی فرات: (متروک الحديث) أورده فی (الضعفاء والمتروكين) ترجمة (488)وحسبک قول الحافظ ابن حجر فی (شرح النخبة)(ص 69)كان مذهب النسائی أن لا يترک حديث الرجل حتى يجتمع الجميع على تركه)
قلت: وما نقله الذهبی عن البخاری فی فرات أنه منكر الحديث وإقرار الحافظ ابن حجر له فی " اللسان "حققناه فوجدناه فی التاريخ الكبير (7/ 130) "حيث قال البخاری: " فرات بن السائب أبو سليمان عن ميمون بن مهران تركوه منكر الحديث."
قلت: وهذا التحقيق يحسبه القارء الكريم أنه هين، ولكنه عند علماء هذا الفن العظيم، خاصة فی علم الحديث التطبيقی فی مثل هذه المسائل .
حيث يظهر هذا من تنبيهات السيوطی فی "التدريب (1/ 349) "حيث قال: " البخاری يطلق منكر الحديث على من لا تحل الرواية عنه ."
قلت: وزيادة للفائدة لطالب هذا الفن نبين ما نقله الذهبی عن ابن معين فی فرات أنه "ليس بشیء ".
قال ابن أبی حاتم فی كتابه "الجرح والتعديل (3/ 321) "ترجمة " :(1439)عن يحيی بن معين أنه قال: لا شیء يعنی – ليس بثقة ."
قلت: بهذا التحقيق فی فرات يتضح ما أورده الإمام ابن حبان فی "المجروحين (2/ 207) "حيث قال: " الفرات بن السائب الجزری، يروی عن ميمون بن مهران، كان ممن يروی الموضوعات عن الأثبات، ويأتی بالمعضلات عن الثقات، لا يجوز الاحتجاج به، ولا الرواية عنه، ولا كتابة حديثه إلا على سبيل الاختبار ."
قلت: وهذا التحقيق له فائدة عظيمة لطالب هذا الفن، وعندما يقارن بين قول ابن حبان الذی ذكرناه آنفا فی فرات بن السائب، وبين ما قاله الحافظ ابن حجر فی: " التقريب (1/ 292) "فی ميمون

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر ان روایات میں نہ تو سوراخ سے ڈَسنے کا ذکر ہے، اور نہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لعابِ دہن لگانے کا ذکر ہے۔

مزید براں ان روایات کی اسناد پر بھی کلام ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بن مهران حيث قال: " ميمون بن مهران الجزرى، أبو أيوب – أصله كوفى، نزل الرقة، ثقة فقيه، ولى الجزيرة لعمر بن عبد العزيز ."ا .هـ

فائدة:

قصة العنكبوت والحمامتين عند الغار لم تثبت فقد حكم عليها بالضعف كل من:

– العلامة أحمد شاكر فى تحقيقه للمسند (193 /4، 87 /5).

– العلامة الألبانى فى الضعيفة حديث رقم .(1128)

– العلامة ابن عثيمين فى شرح رياض الصالحين .(525 /2)

– الدكتور أكرم العمرى فى "السيرة النبوية الصحيحة .(208 /1) "

– الشيخ على حشيش فى تحذير الداعية ص .(77 - 70)

(التعليق على الرحيق المختوم ،لابى عبد الرحمن محمود بن محمد الملاح، ص١٠٥ الىٰ ١٠٨، الباب الثانى، اذ هما فى الغار)

[1] حدثنا محمد بن معمر، ثنا يعقوب بن محمد، ثنا عبد الرحمن بن عقبة بن عبد الرحمن بن جابر بن عبد الله، قال :ثنا أبى، عن أبيه، عن جابر، قال :لما خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبو بكر رضى الله عنه مهاجرين فدخلا الغار، فإذا فى الغار جحر، فألقمه أبو بكر رضى الله عنه عقبه حتى أصبح مخافة أن يخرج على رسول الله صلى الله عليه وسلم منه شىء ، فأقاما فى الغار ثلاث ليال، ثم خرجا حتى نزلا بخيمات أم معبد، فأرسلت إليه أم معبد :إنى أرى وجوها حسانا، وإن الحى أقوى على كرامتكم منى، فلما أمسوا عندها، بعثت مع ابن لها صغير بشفرة وشاة، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :اردد الشفرة وهات لى فرقا، يعنى :القدح "، فأرسلت إليه أن لا لبن فيها ولا ولد، قال :هات لى فرقا(كشف الأستار عن زوائد البزار، رقم الحديث ١٧٤٢)

قال الهيثمى:رواه البزار، وفيه من لم أعرفه(مجمع الزوائد، ج٦ ص٥٥، رقم الحديث ٩٩٠٧)

وقال ابوحذيفة نبيل بن منصور البصارة الكويتى:قلت: يعقوب بن محمد هو الزهرى قال أبو زرعة: منكر الحديث، وقال أيضاً: واهى الحديث .وقال صالح جزرة: حديثه يشبه حديث الواقدى. وقال ابن عدى: أحاديثه لا يتابع عليها .وقال الذهبى: ما هو بحجة(انيس السارى تخريج احاديث فتح البارى، ج١٠ ص ٩٧٨، ٩٧٩، رقم الحديث ٨٥١، باب هجرة النبى –صلى الله عليه وسلم– وأصحابه إلى المدينة)

حدثنا يعقوب بن حميد بن كاسب قال :ثنا بشر بن السرى قال :ثنا نافع بن عمر، عن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لعابِ دہن کے مبارک ہونے کے مسئلہ کا ثبوت مذکورہ واقعہ پر موقوف نہیں، بلکہ وہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے، اس لیے مسئلہ ہٰذا کے ثبوت کے لیے اس واقعہ کے ثبوت کے درپے ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک شخص کے منہ پر کلی کرنا

حضرت محمود بن ربیع سے روایت ہے کہ:

عَقَلْتُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَجَّةً مَجَّهَا فِيْ وَجْهِيْ وَأَنَا ابْنُ خَمْسِ سِنِيْنَ مِنْ دَلْوٍ (صحیح البخاری) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ابن أبي مليكة قال :إن النبى صلى الله عليه وسلم خرج إلى ثور، وأبو بكر رضى الله عنه، فجعل أبو بكر رضى الله عنه يكون أمامه مرة، وخلفه مرة، فسأله النبى صلى الله عليه وسلم عن ذلك، فقال رضى الله عنه :إذا كنت أمامك خشيت تؤتى من خلفك، وإذا كنت خلفك خشيت تؤتى من أمامك، حتى انتهينا إلى الغار .قال أبو بكر رضى الله عنه :كما أنت يا رسول الله، حتى أدخل يدى فأحسه وأقمه، فإن كانت فيه دابة أصابتنى قبلك قال :وبلغنى أنه كان فى الغار جحر، فألقم أبو بكر رضى الله عنه رجله ذلك الجحر، فرقا أن يخرج منه شىء يؤذى رسول الله صلى الله عليه وسلم "(اخبارِ مكة للفاكهى، رقم الحديث ٢٤١٠)

حدثنا أبو الوليد، قال: حدثنى محمد بن أبى عمر العدنى، عن سعيد بن سالم القداح، عن عمر بن جميل الجمحى، عن ابن أبى مليكة، أن النبى صلى الله عليه وسلم "لما خرج هو وأبو بكر إلى ثور، جعل أبو بكر يكون أمام النبى صلى الله عليه وسلم مرة، وخلفه مرة قال: فسأله النبى صلى الله عليه وسلم عن ذلك، فقال: إذا كنت أمامك خشيت أن تؤتى من خلفك، وإذا كنت خلفك خشيت أن تؤتى من أمامك حتى انتهى إلى الغار، وهو فى ثور، قال أبو بكر رضى الله عنه لما انتهيا: حتى أدخل يدى فأحسه، فإن كانت فيه دابة أصابتنى قبلك , قال: وبلغنى أنه كان فى الغار جحر، فألقم أبو بكر رضى الله عنه رجله ذلك الجحر فرقا أن يخرج منه دابة أو شىء يؤذى رسول الله صلى الله عليه وسلم "(اخبارِ مكة للازرقى، ج٢ص٢٠٥، باب ذكر ثور وما جاء فيه)

[1] رقم الحديث٧٧، كتاب العلم، باب: متى يصح سماع الصغير؟

ترجمہ: مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ کلی کرنا یاد ہے، جب آپ نے ایک ڈول سے منہ میں پانی لیا تھا، اور پھر میرے منہ پر کلی کی تھی اور میں اس وقت پانچ سال کا بچہ تھا (بخاری)

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ سے مَس شدہ بابرکت پانی کی ان کے چہرے پر پچکاری پھینکی۔ [1]

بئرِ زمزم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلی کیا ہوا پانی شامل کرنا

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِدَلْوٍ مِنْ مَّاءٍ فَشَرِبَ مِنْهُ، ثُمَّ مَجَّ فِي الدَّلْوِ، ثُمَّ صَبَّ فِي الْبِئْرِ أَوْ شَرِبَ مِنَ الدَّلْوِ، ثُمَّ مَجَّ فِي الْبِئْرِ، فَفَاحَ مِنْهَا مِثْلُ رِيْحِ الْمِسْكِ (مسند احمد، رقم الحديث ١٨٨٣٨) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانی کا ایک ڈول لایا گیا، جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پیا، پھر ڈول میں کلی کردی، پھر وہ ڈول کنویں میں ڈال دیا، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈول سے پانی پیا، پھر کنویں میں کلی کردی، تو اس کنویں سے مشک کی طرح کی خوشبو پھوٹ پڑی (مسند احمد)

---

[1] قوله:" عقَلت "هو بفتح القاف أى: حفظت وقوله: مَجّة بفتح الميم، وتشديد الجيم، والمج هو إرسال الماء من الفم، وقيل: لا يسمى مجًا إلا إن كان على بعد، وفعله النبى صلى الله تعالى عليه وسلم مع محمود، إما مداعبة معه، أو ليبارک عليه بها .كما كان ذلک من شأنه مع أولاد الصحابة وفيه دلالة على إباحة مجّ الريق على الوجه لمصلحة، وطهارته، وثبوت الصحبة بذلک، وجواز مداعبة الصغير .وقوله:" وأنا ابن خمس سنين "جملة من المبتدأ والخبر وقعت حالاً، إمّا من الضمير فى عقلتُ، أو من الياء من وجهى(كوثر المعانى الدرار فى كشف خبايا صحيح البخارى للشنقيطى، ج٣ص ٢٣٦، كتاب العلم، باب متى يصح سماع الصغير، الحديث التاسع عشر)

[2] قال شعيب الارنؤوط:حديث حسن، ولا تضر جهالة الرواة الذين حدث عنهم عبد الجبار لأنهم جمع (حاشية مسند احمد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابنِ عباس کے ڈول میں کلی فرمانا

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ نَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيه وَسَلَّم إِلٰى مَنْزِلِنَا فَنَاوَلْتُهُ دَلْوًا فَشَرِبَ، ثُمَّ مَجَّ فِى الدَّلْوِ (مسند البزار، رقم الحديث ۴۹۳۳) [1]

ترجمہ: ہمارے پاس گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، پھر ہم نے آپ کو پانی کا ایک ڈول پیش کیا، جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی نوش فرمایا، پھر آپ نے ڈول میں کلی کردی (بزار)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈول میں کلی کرنا، بطور برکت کے تھا، جس کی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم خواہش رکھا کرتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بئرِ بضاعۃ میں لعابِ دہن شامل فرمانا

حضرت ابو یحییٰ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

دَخَلْنَا عَلٰى سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ فِىْ نِسْوَةٍ، فَقَالَ: لَوْ أَنِّيْ سَقَيْتُكُمْ مِنْ بِئْرِ بُضَاعَةَ لَكَرِهْتُمْ ذٰلِكَ، وَقَدْ وَاللّٰهِ سَقَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَائِهَا (مسند ابی یعلیٰ الموصلی) [2]

ترجمہ: ہم حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کے پاس چند عورتوں کے ساتھ آئے، تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں بضاعہ نامی چشمہ (یا تالاب) کا

---

[1] قال الهيثمی:
رواه البزار، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۸۲۷۲، باب المج فی الإناء رجاء البركة)

[2] رقم الحديث ۷۵۱۹، ج۱۳ ص ۵۱۱، مسند طلحة بن عبيدالله.
قال حسين سليم أسد الدارانی: إسناده صحيح (حاشية مسند ابی یعلیٰ)

پانی پلاؤں، تو تم اس کو ناپسند کرو گے، اور اللہ کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس (چشمہ یا تالاب) کا پانی پلایا ہے (ابویعلیٰ)

''بئرِ بضاعہ'' نامی چشمہ یا تالاب کے بارے میں بعض اہلِ علم حضرات فرماتے ہیں کہ وہ ایک جاری وچالو (یعنی بہتا) پانی تھا، جیسا کہ عام بہتا چشمہ اور دریا ہوتا ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ بڑا تالاب تھا، جس میں غیر معمولی پانی تھا۔

اسی کے نتیجہ میں شافعیہ اور حنفیہ وغیرہ کا ماءِ کثیر وقلیل وغیرہ میں اختلاف واقع ہوگیا، جس کی تفصیل کتبِ فقہ میں مذکور ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَصَقَ فِيُ بُضَاعَةَ (تاريخ المدينة لابن شبة، ج ا ص۱۵۷، باب ما جاء فى البئار التى يستقى منها)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''بضاعہ'' نامی چشمہ یا تالاب میں اپنا لعاب ڈالا تھا (تاریخ المدینہ)

حضرت ابواُسید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

وَلَهُ بِئْرٌ بِالْمَدِيْنَةِ يُقَالُ لَهَا بِئْرُ بُضَاعَةَ قَدْ بَصَقَ فِيُهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَهُوَ يُبْشِرُ بِهَا وَيَتَيَمَّنُ بِهَا (المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۵۸۵، ج۱۹ ص۲۶۳)

ترجمہ: مدینہ میں ایک چشمہ تھا، جس کو ''بیرِ بضاعہ'' کہا جاتا تھا، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوک دیا تھا، پس لوگ اس کی وجہ سے بشارت، نیک شگون لیتے تھے، اور اس کی وجہ سے برکت حاصل کرتے تھے (طبرانی)

مذکورہ روایات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لعابِ دہن سے برکت کا حاصل کرنا معلوم ہوا۔

بِرِیقَةِ بَعْضِنَا، لِیُشْفَی بِهِ سَقِیمُنَا دعاء سے دَم کرنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اشْتَكَى الْإِنْسَانُ الشَّيْءَ مِنْهُ، أَوْ كَانَتْ بِهِ قَرْحَةٌ أَوْ جُرْحٌ، قَالَ: النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِصْبَعِهِ هٰكَذَا، وَوَضَعَ سُفْيَانُ سَبَّابَتَهُ بِالْأَرْضِ، ثُمَّ رَفَعَهَا بِاسْمِ اللّٰهِ، تُرْبَةُ أَرْضِنَا، بِرِيقَةِ بَعْضِنَا، لِيُشْفٰى بِهٖ سَقِيمُنَا، بِإِذْنِ رَبِّنَا (صحیح مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کوئی آدمی کسی بیماری وغیرہ کی شکایت کیا کرتا تھا، یا اس کو کوئی پھوڑا یا زخم ہوتا تھا، تو اپنی شہادت کی انگلی متاثرہ مقام پر رکھ کر یہ دعاء پڑھتے تھے کہ:

بِسْمِ اللّٰهِ، تُرْبَةُ أَرْضِنَا، بِرِيقَةِ بَعْضِنَا، لِيُشْفَى بِهِ سَقِيمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا.

''اللہ کے نام کے ساتھ ہماری زمین کی مٹی، ہم میں سے بعض کے تھوک کے ساتھ، تاکہ ہمارے بیماروں کو شفادی جائے، ہمارے رب کے حکم سے'' (مسلم)

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُنگلی پر اپنا لعاب لگانے کے بعد اُنگلی کو زمین کی مٹی پر پھیر کر مریض کی تکلیف والی جگہ پر پھیرتے ہوئے مذکورہ دعا پڑھتے تھے۔ [2]

اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لعابِ دہن کا باعثِ برکت ہونا معلوم ہوتا ہے، اور

---

[1] رقم الحدیث ۲۱۹۴ ''۵۴'' کتاب السلام، باب استحباب الرقیة من العین والنملة والحمة والنظرة.

[2] عن عائشة، قالت :کان النبی -صلی اللہ علیہ وسلم -یقول للإنسان إذا اشتکی، یقول بریقه، ثم قال به فی التراب " :تربة أرضنا بریقة بعضنا یشفی سقیمنا بإذن ربنا (ابوداوٗد، رقم الحدیث ۳۸۹۵)

قال شعیب الارنؤوط : إسناده صحیح (حاشیة سنن ابی داوٗد)

لفظِ ''بسم اللہ'' اور ''باذنِ ربنا'' سے اس طرف اشارہ ہے کہ لعابِ دہن یا دَم وغیرہ کے دوسرے جائز طریقوں میں شفاء اللہ کی طرف سے اور اس کے حکم سے ہوتی ہے، اور اس طرح کی چیزیں اللہ کی طرف سے شفاء حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتی ہیں۔

بعض دوسری احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَوِّذُ بَعْضَ أَهْلِهِ، يَمْسَحُ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى وَيَقُولُ: اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ أَذْهِبِ الْبَاسَ، اِشْفِهِ وَأَنْتَ الشَّافِيُ، لاَ شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ، شِفَاءً لاَ يُغَادِرُ سَقَمًا (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعض گھر والوں کو اپنا دایاں ہاتھ پھیر کر اس طرح دَم کیا کرتے تھے:

''اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ أَذْهِبِ الْبَاسَ، اِشْفِهِ وَأَنْتَ الشَّافِيُ، لاَ شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ، شِفَاءً لاَ يُغَادِرُ سَقَمًا''

''اے اللہ! لوگوں کے رب، تکلیف دور فرما دیجیے، اس کو شفاء دے دیجیے، آپ ہی شفاء دینے والے ہیں، آپ کی شفاء کے علاوہ کوئی شفاء نہیں، ایسی شفاء دے دیجیے، جو کوئی بیماری نہ چھوڑے'' (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مذکورہ دعاء پڑھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دَم کیا تھا۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۵۷۴۳، کتاب الطب، باب رقیة النبی صلی اللہ علیه وسلم.

[2] عن عائشة، قالت: کان النبی – صلی اللہ علیه وسلم – یتعوذ بهؤلاء الکلمات: أذهب الباس، رب الناس، واشف أنت الشافی، لا شفاء إلا شفاؤک، شفاء لا یغادر سقما ."فلما ثقل النبی – صلی اللہ علیه وسلم – فی مرضه الذی مات فیه أخذت بیده فجعلت أمسحه وأقولها(سنن ابنِ ماجه، رقم الحدیث ۱۶۱۹)

قال شعیب الارنؤوط: اسناده صحیح(حاشیة سنن ابنِ ماجه)

اور بعض روایات میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مریض پر مذکورہ دعاء پڑھا کرتے تھے۔ [1]

مذکورہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دَم وتعویذ اس صورت میں جائز ہے، جبکہ اس میں کوئی شرکیہ بات نہ پائی جائے، بعض احادیث میں بھی اس کی تصریح آئی ہے۔

چنانچہ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنَّا نَرْقِيْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَرٰى فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ: اِعْرِضُوا عَلَيَّ رُقَاكُمْ، لَا بَأْسَ بِالرُّقٰى مَا لَمْ يَكُنْ فِيْهِ شِرْكٌ (صحیح مسلم) [2]

ترجمہ: ہم جاہلیت کے زمانہ میں دَم کیا کرتے تھے، ہم نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے معلوم کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنا دَم میرے سامنے پیش کرو، دَم کرنے میں کوئی حرج نہیں، جب تک کہ اس میں شرک نہ پایا جائے (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرُّقٰى، فَجَاءَ آلُ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّهُ كَانَتْ عِنْدَنَا رُقْيَةٌ نَرْقِيْ بِهَا مِنَ الْعَقْرَبِ، وَإِنَّكَ نَهَيْتَ عَنِ الرُّقٰى، قَالَ: فَعَرَضُوْهَا عَلَيْهِ، فَقَالَ: مَا أَرٰى بَأْسًا مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَّنْفَعَ أَخَاهُ فَلْيَنْفَعْهُ (صحیح مسلم) [3]

---

[1] عن عائشة، قالت: كان رسول الله -صلى الله عليه وسلم -إذا أتى المريض فدعا له قال ":أذهب البأس، رب الناس، واشف أنت الشافي، لا شفاء إلا شفاؤك، شفاء لا يغادر سقما (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ٣٥٢٠)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح .جرير :هو ابن عبد الحميد، ومنصور :هو ابن المعتمر، وأبو الضحى :هو مسلم بن صبيح (حاشيه سنن ابنِ ماجه)

[2] رقم الحديث ٢٢٠٠ "٦٤" كتاب السلام، باب لا بأس بالرقى ما لم يكن فيه شرك.

[3] رقم الحديث ٢١٩٩ "٦٣" كتاب السلام، باب استحباب الرقية من العين والنملة والحمة والنظرة.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دَم سے منع فرمایا، تو عمرو بن حزم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہمارے پاس ایک دَم تھا جو ہم بچھو کے کاٹنے پر کیا کرتے تھے، اور آپ نے دَم سے منع فرمادیا ہے، انہوں نے اپنا دَم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا (جس میں کوئی شرکیہ وکفریہ بات نہیں تھی) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس دَم میں کوئی حرج نہیں، جو شخص تم میں سے اس بات کی طاقت رکھتا ہو کہ وہ اپنے بھائی کو (جائز دَم وغیرہ کے ذریعہ) فائدہ پہنچادے، تو اسے چاہیے کہ وہ اسے فائدہ پہنچائے (مسلم)

حضرت عمر بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عُرِضَتُ أَو قَالَ: عَرَضْتُ رُقَيَّةَ النَّهْشَةِ مِنَ الْحَيَّةِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَرَ بِهَا (مسند الإمام أحمد بن حنبل) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سانپ کے ڈسنے کا دَم پیش کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دَم کو اختیار کرنے کا حکم فرمایا (مسند احمد)

علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بخاری کی شرح میں فرمایا کہ علماء کا جھاڑ پھونک اور دَم کے جائز ہونے پر اجماع ہے، جبکہ تین شرائط پائی جائیں، ایک تو یہ کہ وہ اللہ کے کلام یا اس کے اسماء اور صفات کے ساتھ ہو، اور دوسرے یہ کہ عربی زبان میں ہو، یا اس کے معنیٰ دوسرے سے سمجھے جاسکتے ہوں، اور تیسرے یہ اعتقاد رکھا جائے کہ یہ بذاتِ خود مؤثر نہیں ہوتا، بلکہ اصل تاثیر، اللہ کے حکم کی ہوتی ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ١ ۴١، زوائد، الملحق المستدرک من مسند الأنصار بقية خامس عشر الأنصار.
قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح رجاله ثقات (حاشية مسند احمد)

[2] وقد أجمع العلماء على جواز الرقى عند اجتماع ثلاثة شروط أن يكون بكلام الله تعالى أو بأسمائه وصفاته وباللسان العربى أو بما يعرف معناه من غيره وأن يعتقد أن الرقية لا تؤثر بذاتها بل بذات الله تعالى واختلفوا فى كونها شرطا والراجح أنه لا بد من اعتبار الشروط المذكورة (فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج١٠، ص١٩٥، قوله باب الرقى)

سورہ فاتحہ پڑھ کر دَم کرنے سے پاگل کو صحت حاصل ہونا

حضرت خارجہ بن صلت کے چچا (حضرت علاقہ بن صحار رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ:

أَقْبَلْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَيْنَا عَلٰى حَيٍّ مِّنَ الْعَرَبِ، فَقَالُوْا : إِنَّا أُنْبِئْنَا أَنَّكُمْ قَدْ جِئْتُمْ مِنْ عِنْدِ هٰذَا الرَّجُلِ بِخَيْرٍ، فَهَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ دَوَاءٍ أَوْ رُقْيَةٍ فَإِنَّ عِنْدَنَا مَعْتُوْهًا فِي الْقُيُوْدِ؟ قَالَ: فَقُلْنَا: نَعَمْ قَالَ: فَجَاءُوْا بِمَعْتُوْهٍ فِي الْقُيُوْدِ، قَالَ: فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ غُدْوَةً، وَعَشِيَّةً، كُلَّمَا خَتَمْتُهَا أَجْمَعُ بُزَاقِيْ ثُمَّ أَتْفُلُ فَكَأَنَّمَا نَشَطَ مِنْ عِقَالٍ، قَالَ: فَأَعْطَوْنِيْ جُعْلًا، فَقُلْتُ: لَا، حَتّٰى أَسْأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: كُلْ فَلَعَمْرِيْ مَنْ أَكَلَ بِرُقْيَةِ بَاطِلٍ لَقَدْ أَكَلْتَ بِرُقْيَةِ حَقٍّ (سنن ابی داؤد) [1]

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے واپس آ رہے تھے کہ ہمارا عرب کے ایک قبیلے پر سے گذر ہوا، انہوں نے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ ان (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس سے خیر کے ساتھ آ رہے ہو، تو کیا آپ لوگوں کے پاس کوئی دوائی یا دَم ہے، اس لئے کہ ہمارا ایک پاگل آدمی ہے، جو بندھا ہوا ہے، حضرت علاقہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے کہا کہ جی ہاں! تو وہ لوگ بندھے ہوئے آدمی کو لائے، حضرت علاقہ فرماتے ہیں کہ میں نے اُس آدمی پر تین دن تک صبح اور رات کو سورہ فاتحہ پڑھ کر دَم کیا، جب بھی میں سورہ فاتحہ ختم کرتا، تو اپنا لعاب جمع کرتا، پھر اُس پر تھتکار دیتا، تو وہ آدمی (اس طرح

---

[1] رقم الحديث ۳۹۰۱، كتاب الطب، باب، كيف الرقى؟ مسند احمد، رقم الحديث ۲۱۸۳۶.

قال شعيب الارنؤوط: إسناده محتمل للتحسين من أجل خارجة بن الصلت، وباقي رجاله ثقات (حاشية مسند احمد)

ٹھیک ہوگیا) گویا کہ بندھی ہوئی رسّی سے کھول دیا گیا ہو، اُن لوگوں نے مجھے ایک بکریوں کا ریوڑ عطیہ کیا، تو میں نے کہا کہ میں اُس وقت تک نہیں لوں گا، جب تک کہ میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ نہ لوں (پھر پوچھنے پر رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا کہ کھایئے! قسم ہے! لوگ باطل طریقہ سے دَم درود کر کے کھالیتے ہیں، آپ نے تو حق طریقہ سے تعویذ وغیرہ کر کے کھایا ہے (ابوداؤد، مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ نیک آدمی کا لعابِ دہن بھی باعثِ برکت ہوتا ہے، بالخصوص جب اللہ کا کلام پڑھا جائے، تو اس وقت منہ کے اندر موجود لعابِ دہن بابرکت ہوجاتا ہے، جس کے مریض پر پھونکنے اور تھوکنے سے فائدہ ہوتا ہے۔ [1]

اگر کچھ پڑھ کر متاثرہ مقام پر بغیر تھوک کے پھونک ماری جائے یا اس طرح پھونک ماری جائے کہ جس میں تھوک بھی شامل ہو، یا ہاتھ پھیرا جائے، تو یہ سب دم کے قبیل سے ہیں، جس میں دَم کرنے والے کے آثار کی برکت شامل ہوتی ہے۔ [2]

---

[1] قال بن أبی حمزة محل التفل فی الرقية يكون بعد القراء ة لتحصيل بركة القراء ة فی الجوارح التی يمر عليها الريق فتحصل البركة فی الريق الذی يتفله (فتح الباری لابنِ حجر، ج۴ ص ۴۵۶، قوله باب ما يعطى فی الرقية على أحياء العرب)

[2] (باب النفث فی الرقية) بفتح النون وسكون الفاء بعدها مثلثة وهو كالنفخ وأقل من التفل معه ريق قليل أو بلا ريق (ارشاد الساری لشرح صحيح البخاری، ج۸، ص ۳۹۳، باب النفث فی الرقية)

فجعل يتفل ويقرأ وقد قدمت أن النفث دون التفل وإذا جاز التفل جاز النفث بطريق الأولى (فتح الباری شرح صحيح البخاری، ج۱۰، ص ۲۱۰، قوله باب النفث)

وقد ورد بثلاثة ألفاظ التفث والتفل والبصق قال النووی فی الكلام على النفث فی الرقية تبعا لعياض اختلف فی التفث والتفل فقيل هما بمعنى ولا يكونان إلا بريق وقال أبو عبيد يشترط فی التفل ريق يسير ولا يكون فی التفث وقيل عكسه وسئلت عائشة عن التفث فی الرقية فقالت كما ينفث آكل الزبيب لا ريق معه قال ولا اعتبار بما يخرج معه من بلة بغير قصد قال وقد جاء فی حديث أبی سعيد فی الرقية بفاتحة الكتاب فجعل يجمع بزاقه قال عياض وفائدة التفل التبرك بتلك الرطوبة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معوذتین وغیرہ سے دَم فرمانا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَوٰى إِلٰى فِرَاشِهٖ، نَفَثَ فِيْ كَفَّيْهِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ وَبِالْمُعَوِّذَتَيْنِ جَمِيْعًا، ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا وَجْهَهٗ، وَمَا بَلَغَتْ يَدَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ قَالَتْ عَائِشَةُ: فَلَمَّا اشْتَكٰى كَانَ يَأْمُرُنِيْ أَنْ أَفْعَلَ ذٰلِكَ بِهٖ (صحیح البخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر (نیند کے لئے) تشریف لے جاتے (یعنی سونے کا ارادہ فرماتے) تو اپنے ہاتھوں پر **قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ** (یعنی سورہ اخلاص) اور معوذتین (یعنی سورہ فلق اور سورہ ناس) پڑھ کر دم کرتے (یعنی اپنے ہاتھوں پر پھونک مارتے) پھر دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر اور جسم کے جس حصہ تک ہاتھ پہنچ سکتا، پھیر لیتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوتے تو مجھے اسی طرح کرنے (کہ میں اپنے ہاتھوں پر دَم کر کے آپ کے جسمِ اطہر پر پھیروں) کا حکم فرماتے تھے (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والهواء والتفث للمباشر للرقية المقارن للذكر الحسن كما يتبرك بغسالة ما يكتب من الذكر والأسماء وقال النووى أيضا أكثر الروايات فى الرؤيا فلينفث وهو نفخ لطيف بلا ريق فيكون التفل والبصق محمولين عليه مجازا قلت لكن المطلوب فى الموضعين مختلف لأن المطلوب فى الرقية التبرك برطوبة الذكر كما تقدم والمطلوب هنا طرد الشيطان وإظهار احتقاره واستقذاره كما نقله هو عن عياض كما تقدم فالذى يجمع الثلاثة الحمل على التفل فإنه نفخ معه ريق لطيف فبالنظر إلى النفخ قيل له تفث وبالنظر إلى الريق قيل له بصاق (فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج١٢،ص ٣٧١،قوله باب بالتنوين الرؤيا من الله)

[1] رقم الحديث ٥٧٤٨، كتاب الطب،باب النفث فى الرقية.

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اشْتَكٰى نَفَثَ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ، وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهٖ، فَلَمَّا اشْتَكٰى وَجَعَهُ الَّذِىْ تُوُفِّيَ فِيْهِ، طَفِقْتُ أَنْفِثُ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِىْ كَانَ يَنْفِثُ، وَأَمْسَحُ بِيَدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ (صحيح البخارى) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی تکلیف ہوتی، تو اپنے آپ پر ''معوذات'' (یعنی سورہ فلق، سورہ ناس اور سورہ اخلاص) پڑھ کر پھونک مارتے تھے، اوران کو اپنے ہاتھ پر پڑھ کر جسم پر پھیرتے تھے، پھر جب آپ کو اس تکلیف کی شکایت ہوئی، جس میں آپ کی وفات ہوئی، تو میں نے ''معوذات'' کو آپ پر پڑھ کر دَم کیا، جس طرح سے آپ پڑھ کر دَم کرتے تھے، اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو (اس میں برکت زیادہ ہونے کی وجہ سے) آپ کے جسم پر پھیر دیا (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَرِضَ أَحَدٌ مِّنْ أَهْلِهٖ نَفَثَ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ (صحيح مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ خانہ میں سے کوئی جب بیمار ہو جاتا، تو اس پر معوّذات پڑھ کر دَم کیا کرتے تھے (مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَانَ يَنْفُثُ فِي الرُّقْيَةِ (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ٣٥٢٨، كتاب الطب، باب النفث فى الرقية) [3]

---

[1] رقم الحديث ٤٤٣٩، كتاب المغازى، باب مرض النبى صلى الله عليه وسلم ووفاته.

[2] رقم الحديث ٢١٩٢ "٥٠" كتاب السلام، باب رقية المريض بالمعوذات والنفث.

[3] قال شعيب الانؤوط: إسناده صحيح (حاشية سنن ابنِ ماجه)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم دَم کرتے وقت پھونک مارا کرتے تھے (ابنِ ماجہ)

حضرت قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّهُ دَخَلَ عَلٰى ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ: أَحْمَدُ وَهُوَ مَرِيضٌ، فَقَالَ: اِكْشِفِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ عَنْ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ ثُمَّ أَخَذَ تُرَابًا مِنْ بَطْحَانَ فَجَعَلَهُ فِيْ قَدَحٍ ثُمَّ نَفَثَ عَلَيْهِ بِمَاءٍ وَصَبَّهُ عَلَيْهِ (سنن أبی داود) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ثابت بن قیس کے پاس تشریف لے گئے، احمد (راوی) نے فرمایا کہ وہ بیمار تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعاء کی کہ:

"اِكْشِفِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ عَنْ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ"

"اے لوگوں کے رب! ثابت بن قیس بن شماس سے تکلیف کو دور فرما دیجیے"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطحان کی مٹی اٹھائی پھر اسے ایک پیالہ میں ڈال دیا، پھر اس پر پانی پڑھ کر پھونک ماری، پھر وہ پانی ان کے اوپر بہا دیا (ابوداؤد)

اس حدیث کو سند کے اعتبار سے بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [2]

لیکن بعض حضرات نے اس حدیث کو مقبول وحسن قرار دیا ہے، ہمارا رجحان بھی اسی قول

---

[1] رقم الحديث ٣٨٨٥، كتاب الطب، باب ما جاء فی الرقی.

[2] قال شعيب الارنؤوط:

إسناده ضعيف لجهالة يوسف بن محمد بن ثابت بن قيس بن شماس .عمرو ابن يحيى: هو ابن عمارة المازنی، وابن وهب :هو عبد الله، وابن السَّرح :هو أحمد ابن عمرو بن عبد الله المصری.

وأخرجه النسائی فی "الكبرى "(15789) و 15812)) من طريق عبد الله بن وهب، بهذا الإسناد.

وأخرجه النسائی (10790) و (10813) من طريق ابن جريج، قال :أخبرنی عمرو بن يحيى، قال :أخبرنی يوسف بن محمد بن ثابت بن قيس بن شماس، أن النبی -صلَّى الله عليه وسلم -أتى ثابتَ بن قيس ...نحوه مرسلاً(حاشية سنن ابی داؤد)

کی طرف ہے۔ [1]

اس حدیث سے پانی وغیرہ پر کچھ پڑھ کر دَم کرنے کا ثبوت ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] قال ابن حجر: يوسف ابن محمد ابن ثابت ابن قيس ابن شماس بفتح المعجمة وتشديد الميم مقبول من السابعة وقد [ينسب إلى جده] قيل فيه محمد ابن يوسف د س (تقريب التهذيب، ص ۶۱۱، تحت رقم الترجمة ۷۸۷۹)

وقال المزى: د سى: يوسف بن محمد بن ثابت بن قيس بن شماس، ويقال: محمد بن يوسف بن ثابت بن قيس بن شماس الأنصارى الخزرجى المدنى.

روى عن: أبيه (د سى)، عن جده، عن النبى صلى الله عليه وسلم.

روى عنه: عمرو بن يحيى بن عمارة الأنصارى (د سى).

ذكره ابن حبان فى كتاب "الثقات"

روى له أبو داود، والنسائى فى "اليوم والليلة" وقد كتبنا حديثه فى ترجمه محمد بن ثابت بن قيس بن شماس (تهذيب الكمال، ج ۳۲ ص ۴۵۴، رقم الترجمة ۷۱۵۱)

وقال عبدالمحسن العباد: تراجم رجال إسناد حديث (اكشف البأس رب الناس)

قوله: (حدثنا أحمد بن صالح). أحمد بن صالح المصرى ثقة، أخرج له البخارى وأبو داود والترمذى فى الشمائل.

(وابن السرح). أحمد بن عمرو بن السرح وهو ثقة، أخرج له مسلم وأبو داود والنسائى وابن ماجه.

(قال أحمد: حدثنا ابن وهب، وقال ابن السرح: أخبرنا ابن وهب).

يعنى: اختلفا فى الصيغة، فالأول قال: حدثنا، والثانى قال أخبرنا، وكلاهما يروى عن ابن وهب، وهو عبد الله بن وهب ثقة، أخرج له أصحاب الكتب الستة.

(حدثنا داود بن عبد الرحمن). داود بن عبد الرحمن وهو ثقة أخرج له أصحاب الكتب الستة.

(عن عمرو بن يحيى). عمرو بن يحيى المازنى ثقة، أخرج له أصحاب الكتب الستة.

(عن يوسف بن محمد، وقال ابن صالح: محمد بن يوسف). محمد بن يوسف مقلوب، وقد رجح أبو داود أنه يوسف بن محمد، وهو مقبول، أخرج له أبو داود.

(عن أبيه). وهو محمد بن ثابت له رؤية، أخرج له أبو داود والنسائى.

(عن أبيه). هو ثابت بن قيس بن شماس رضى الله عنه، أخرج له البخارى وأبو داود والنسائى (شرح سنن أبى داود، لعبد المحسن العباد، كتاب الطب، ما جاء فى الرقى)

[2] شرح حديث: (اكشف البأس رب الناس) قال المصنف رحمه الله تعالى: (باب ما جاء فى الرقى.

حدثنا أحمد بن صالح وابن السرح قال أحمد: حدثنا ابن وهب وقال ابن السرح: أخبرنا ابن وهب، قال: حدثنا داود بن عبد الرحمن عن عمرو بن يحيى عن يوسف بن محمد، وقال ابن صالح: محمد بن يوسف بن ثابت بن قيس بن شماس عن أبيه عن جده رضى الله عنهما: (عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم أنه دخل على ثابت بن قيس، قال أحمد: وهو مريض، فقال: اكشف البأس رب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پانی وغیرہ پر دَم کرنے کی روایت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابومعشر سے روایت ہے کہ:

عَنُ عَـائِشَةَ ؛ أَنَّهَـا كَانَتُ لَا تَرٰى بَأُسًا أَنُ يُّعَوَّذَ فِي الُمَاءِ ، ثُمَّ يُصَبَّ عَلَى الُمَرِيُضِ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتی تھیں کہ پانی میں دَم کریں، پھر وہ مریض پر ڈالیں (ابنِ ابی شیبہ)

معلوم ہوا کہ جس طرح دَم کرتے وقت مریض یا متاثرہ مقام پر ہاتھ رکھنا یا پھیرنا یا لعابِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الناس عن ثابت بن قيس بن شماس، ثم أخذ تراباً من بطحان فجعله فى قدح ثم نفث عليه بماء وصبه عليه).

قال أبو داود :قال ابن السرح :يوسف بن محمد، وهو الصواب).

أورد أبو داود باب فى الرقى، والرقى منها ما هو سائغ ومنها ما هو غير سائغ، فالسائغ ما كان بالقرآن وبالأذكار والأدعية المباحة، وغير السائغ ما كان فيه شرك وتعلق بغير الله، أو فيه أمور مجهولة بلغة غير معروفة، أو بكلام غير معروف.

وأورد أبو داود حديث ثابت بن قيس بن شماس رضى الله تعالى عنه (أن النبى صلى الله عليه وسلم جاء إليه يعوده وهو مريض، فقال :اكشف البأس رب الناس عن ثابت بن قيس بن شماس)، وهذا دعاء .

قوله :((ثم أخذ تراباً من بطحان فجعله فى قدح، ثم نفث عليه بماء وصبه عليه).

محل الشاهد قوله :(نفث عليه) يعنى :نفث على الماء رقية، وصبه عليه، وهذا الحديث فيه دلالة على جواز النفث فى الماء ، وعلى الرقية فى الماء واستعمال المريض لها، لكن هذا الحديث فى إسناده ضعف؛ لأن فيه يوسف بن محمد وهو مقبول، وقد جاء عن عائشة رضى الله عنها وأرضاها أثر صحيح فى مصنف ابن أبى شيبة أنها كانت لا ترى بأساً أن يقرأ فى الماء ، ثم يسقى المريض أو يصب على المريض، وأما صب الماء على التراب فلم يأت إلا من هذه الطريق التى فيها يوسف، فيكون غير ثابت، والذى ثبت هو أثر عائشة أنها كانت ترى أن ينفث فى الماء ، ويشربه المريض أو يصب على المريض(شرح سنن أبى داود،لعبد المحسن العباد، كتاب الطب،ما جاء فى الرقى)

[1] رقم الحديث ٢٣٩٧٥، كتاب الطب،باب فى الرخصة فى القرآن ، يكتب لمن يسقاه.

دہن ڈالنا ثابت ہے، اسی طرح مریض کے بجائے پانی وغیرہ پر پھونک مار کر مریض کو پلانا یا مریض پر ڈالنا بھی ثابت اور جائز ہے۔

اسی وجہ سے جمہور علماء کے نزدیک جائز طریقہ پر دَم کرنے کی ممانعت نہیں۔ [1]

لعابِ دہن والے مشکیزہ کے ٹکڑے سے برکت کا حصول

حضرت کبشہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا قِرْبَةٌ مُعَلَّقَةٌ، فَشَرِبَ مِنْهَا وَهُوَ قَائِمٌ، فَقَطَعَتْ فَمَ الْقِرْبَةِ؛ تَبْتَغِيْ بَرَكَةَ مَوْضِعِ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (سنن ابن ماجه) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے، اور وہاں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ لگا کر کھڑے کھڑے پانی

---

[1] البصاق :ماء الفم إذا خرج منه .يقال :بصق يبصق بصاقا .ويقال فيه أيضا :البزاق، والبساق.وهو من الإبدال.

الألفاظ ذات الصلة:

أ -التفل:

التفل لغة :البصق .يقال :تفل يتفل ويتفل تفلا :بصق.

والتفل بالفم :نفخ معه شيء من الريق .فإذا كان نفخا بلا ريق فهو النفث .والتفل شبيه بالبزاق، وهو أقل منه .أوله البزق، ثم التفل، ثم النفخ.

ب -اللعاب:

اللعاب :الريق الذى يسيل من الفم.

الأصل فى ماء فم الإنسان طهوريته ما لم ينجسه نجس(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۸،ص ۹۶ ،مادة "بصاق")

واختلف العلماء فى حكم النفث وغيره عند الرقى والتعاويذ، فمنعه قوم، وأجازه آخرون .قال النووى :وقد أجمعوا على جوازه، واستحبه الجمهور من الصحابة والتابعين ومن بعدهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۳ ،ص ۲۴ ،مادة " تعويذ")

[2] رقم الحديث ۳۴۲۳ ،كتاب الاشربة، باب الشرب قائما.

قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح(حاشية سنن ابنِ ماجه)

پیا، تو حضرت کبشہ انصاریہ رضی اللہ عنہا نے اس مشکیزے کا منہ کاٹ لیا (اور یہ حصہ تبرک کے طور پر محفوظ رکھ لیا) تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منہ مبارک لگی ہوئی جگہ سے برکت حاصل کریں (ابنِ ماجہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت اِم سلیم رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی اسی طرح کا قصہ منقول ہے۔ [1]

مذکورہ صحابیہ نے برکت کے طور پر اس مشکیزہ کا منہ کاٹ کر اپنے پاس رکھا تھا، کیونکہ اس جگہ کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منہ مبارک اور لعابِ دہن مَس ہوا تھا۔ [2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مستعمل مسواک سے برکت کا حصول

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كَانَ نَبِيُّ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَاكُ، فَيُعْطِيْنِي السِّوَاكَ لِأَغْسِلَهُ، فَأَبْدَأُ بِهٖ فَأَسْتَاكُ، ثُمَّ أَغْسِلُهُ وَأَدْفَعُهُ إِلَيْهِ (سنن أبی داود) [3]

ترجمہ: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کرتے، اور پھر مسواک مجھے دیتے،

---

[1] عن أنس بن مالك، "أن النبی صلی الله علیه وسلم، دخل علی أم سلیم وفی البیت قربة معلقة، فشرب من فیها وهو قائم "قال: فقطعت أم سلیم فم القربة فهو عندنا (مسند أحمد، حدیث نمبر ۱۲۱۸۸)

قال شعیب الارنؤوط: إسناده ضعیف لجهالة ابن بنت أنس -واسمه البراء بن زید -فإنه لم یرو عنه غیر عبد الکریم الجزری، والصحیح أن هذه القصة وقعت لکبشة بنت ثابت الأنصاریة کما سیأتی فی مسندها ۶/۴۳۴ بإسناد صحیح (حاشیة مسند احمد)

وقال الهیثمی:

رواه أحمد والطبرانی وفیه البراء بن زید ولم یضعفه أحد، وبقیة رجاله رجال الصحیح (مجمع الزوائد ج۵ ص ۷۹، تحت رقم الحدیث ۸۲۴۶، باب الشرب قائما، مکتبة القدسی، قاهرة)

[2] وإنما قطعت فم القربة لیکون عندها للتبرک (منیة المصلی، ص ۱۶، کتاب الطهارة)

[3] رقم الحدیث ۵۲، کتاب الطهارة، باب فی غسل السواک.

قال شعیب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشیة سنن ابی داوُد)

تاکہ میں اس کو دھودوں، پس میں پہلے اس سے مسواک کرلیا کرتی تھی، پھر اس کو دھوکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا کرتی تھی (ابوداؤد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی استعمال شدہ مسواک کو دھوئے بغیر اس لیے استعمال کرتی تھیں، تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لعابِ دہن کی برکت کو حاصل کریں۔ [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پس خوردہ سے برکت کا حصول

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ عَلَيْهِ، فَنَزَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السُّفْلِ، وَأَبُوْ أَيُّوْبَ فِي الْعُلُوِّ، قَالَ: فَانْتَبَهَ أَبُوْ أَيُّوْبَ لَيْلَةً، فَقَالَ: نَمْشِيْ فَوْقَ رَأْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَنَحَّوْا فَبَاتُوْا فِيْ جَانِبٍ، ثُمَّ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلسُّفْلُ أَرْفَقُ، فَقَالَ: لَا أَعْلُوْ سَقِيْفَةً أَنْتَ تَحْتَهَا، فَتَحَوَّلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعُلُوِّ، وَأَبُوْ أَيُّوْبَ فِي السُّفْلِ، فَكَانَ يَصْنَعُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا فَإِذَا جِيْءَ بِهٖ إِلَيْهِ سَأَلَ عَنْ مَوْضِعِ أَصَابِعِهٖ فَيَتَتَبَّعُ مَوْضِعَ أَصَابِعِهٖ (صحيح مسلم) [2]

---

[1] قوله :(لأغسله) للتليين، أو للتطيب والتنظيف .قال ابن حجر :يؤخذ منه أن غسل السواک فی أثناء التسوک به وبعده قبل وضعه سنة .(فأبدأ به) أی باستعماله قبل الغسل لنيل البركة، ولا أرضی أن يذهب بالماء ما صحبه السواک من ماء أسنانه .(فأستاک) أی قبل الغسل أستاک به تبركاً، وهذا دال على عظيم أدبها، وكبير فطنتها؛ لأنها لم تغسله ابتداء حتى لا يفوتها الاستشفاء بريقه، ثم غسلته تأدباً وامتثالاً، وفيه التبرک بآثار الصالحين، والتلذذ بها .وفيه أن استعمال سواک الغير برضاه جائز(مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۲،ص۸۴، كتاب الطهارة،باب السواک)

[2] رقم الحديث ۲۰۵۳ "۱۷۱" كتاب الاشربة، باب إباحة أكل الثوم، وأنه ينبغی لمن أراد خطاب الكبار تركه، وكذا ما فی معناه.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر کی نچلی منزل میں ٹھہرے اور حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ اوپر والی منزل میں، راوی کہتے ہیں کہ ایک رات کو حضرت ابوایوب کو اس کا بات احساس ہوا کہ ہم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر سے اوپر چلتے ہیں (جو کہ ادب کے خلاف ہے) وہ رات کو ہٹ سمٹ کر ایک کونے میں دبک کر سو گئے، اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اوپر والے حصے میں قیام فرمائیں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیچے والے گھر میں زیادہ آسانی ہے، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں تو اس چھت پر نہیں رہ سکتا کہ جس چھت کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر) اوپر والے حصے میں تشریف لے گئے اور حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نیچے والے گھر میں آ گئے، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھانا تیار کرتے تھے، تو جب وہ (بچا ہوا کھانا) واپس آتا اور حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھا جاتا تو حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ اس جگہ کے بارے میں پوچھتے جس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیاں ڈال کر کھانا کھایا اور پھر اس جگہ سے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ خود کھاتے (مسلم)

بعض دوسری روایات میں بھی اس واقعہ کا ذکر آیا ہے۔ [1]

---

[1] عن أبی رهم السماعی، أن أبا أيوب حدثه: أن نبی الله صلی الله عليه وسلم نزل فی بيتنا الأسفل، وكنت فی الغرفة، فأهريق ماء فی الغرفة، فقمت أنا وأم أيوب بقطيفة لنا نتبع الماء شفقة أن يخلص الماء إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فنزلت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنا مشفق، فقلت: يا رسول الله، إنه ليس ينبغی أن نكون فوقک، انتقل إلى الغرفة، فأمر النبی صلى الله عليه وسلم بمتاعه فنقل، ومتاعه قليل، فقلت: يا رسول الله، كنت ترسل إلی بالطعام، فأنظر فإذا رأيت أثر أصابعک وضعت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تناول کردہ مقام سے اس لیے کھاتے تھے، تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پس خوردہ کی برکت حاصل کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء وصلحاء کے آثار مثلاً لعابِ دہن وغیرہ سے برکت حاصل کرنا جائز ہے۔ [1]

ناقۂ ثمود والے بابرکت پانی کو استعمال کرنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّاسَ نَزَلُوْا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْضَ ثَمُوْدَ، اَلْحِجْرَ، فَاسْتَقَوْا مِنْ بِئْرِهَا، وَاعْتَجَنُوْا بِهٖ، فَأَمَرَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُّهَرِيْقُوْا مَا اسْتَقَوْا مِنْ بِئْرِهَا، وَأَنْ يَّعْلِفُوا الْإِبِلَ الْعَجِيْنَ، وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَّسْتَقُوْا مِنَ الْبِئْرِ الَّتِيْ كَانَتْ تَرِدُهَا النَّاقَةُ (صحيح البخارى) [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يدى فيه، حتى إذا كان هذا الطعام الذى أرسلت به إلى فنظرت فيه فلم أر فيه أثر أصابعك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " أجل إن فيه بصلا، فكرهت أن آكله من أجل الملك الذى يأتينى، وأما أنتم فكلوه " (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ٢٣٥٧٠)

قال شعيب الارنؤوط:

إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غير أبى رُهم السَّماعى -ويقال :السَّمَعى، وهو المشهور -فقد روى له أصحاب السنن غير الترمذى، وهو ثقة (حاشية مسند احمد)

[1] قوله (فكان يصنع للنبى صلى الله عليه وسلم طعاما فإذا جىء به إليه سأل عن موضع أصابعه فيتتبع موضع أصابعه) يعنى إذا بعث إليه فأكل منه حاجته ثم رد الفضلة أكل أبو أيوب من موضع أصابع النبى صلى الله عليه وسلم تبركا ففيه التبرك بآثار أهل الخير فى الطعام وغيره (شرح النووى على مسلم، ج١٤، ص١٠، كتاب الاشربة، باب إباحة أكل الثوم وأنه ينبغى لمن أراد خطاب الكبار تركه وكذا ما فى معناه)

[2] رقم الحديث ٣٣٧٩، كتاب احاديث الانبياء، باب قول الله تعالى: وإلى ثمود أخاهم صالحا.

ترجمہ: لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ثمود کی جگہ مقامِ حجر میں اترے تو وہاں کے کنویں سے انہوں نے پانی بھر کر رکھ لیا اور اس پانی سے آٹا بھی گوندھ لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ اس کنویں کا جو پانی بھر کر رکھا ہے اسے گرادیں، اور گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دیں اور انہیں حکم دیا کہ اس کنویں سے پانی بھریں جس سے (حضرت صالح علیہ السلام) کی اونٹنی پیتی تھی (بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمود کو عذاب دیے جانے والے مقام کے کنویں کے پانی کو استعمال کرنا، ناپسند فرمایا، کیونکہ وہاں قومِ ثمود پر عذاب آیا تھا، اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی جہاں سے پانی پیتی تھی، اس جگہ کے پانی کے استعمال کو بابرکت ہونے کی وجہ سے اور اس میں بابرکت اونٹنی کا لعابِ دہن شامل ہونے کی وجہ سے پسند فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء و صلحاء کے آثار باعثِ برکت ہوتے ہیں، جس طرح سے بدعملی کے مرتکبین کے آثار، اس کے برعکس برکت سے خالی اور بے برکتی کا باعث ہوتے ہیں۔ [1]

اسی وجہ سے حج کے دوران وادیٔ محسّر یا بطنِ محسّر میں وقوف کرنے سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ یہاں اصحابِ فیل کو بیتُ اللہ پر چڑھائی کی کوشش کرتے وقت عذاب دیا گیا تھا۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِرْفَعُوْا عَنْ بَطْنِ مُحَسِّرٍ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١٨٩٦) [2]

---

[1] أمره صلى الله عليه وسلم أن يستقوا من بئر الناقة دليل على التبرك بآثار الأنبياء والصالحين، وإن تقادمت أعصارهم وخفيت آثارهم، كما أن في الأول دليلا على بعض أهل الفساد وذم ديارهم وآثارهم .هذا، وإن كان التحقيق أن الجمادات غير مؤاخذات، لكن المقرون بالمحبوب محبوب، والمقرون بالمكروه المبغوض مبغوض(تفسير القرطبي،ج١٠،ص٤٧،سورة الحجر)

[2] قال شعيب الارنؤوط:
إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بطنِ محسر (یعنی وادیِ محسر) سے الگ رہو (مسند احمد)

اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی قوم کو عذاب دیے گئے مقام میں نماز پڑھنے کی کراہت مروی ہے۔ [1]

بہرحال مذکورہ اور اس جیسے واقعات واحادیث سے انبیاء وصلحاء کے لعابِ دہن کی شکل میں آثار سے تبرک حاصل کرنا ثابت ہوتا ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

---

[1] عن حجر بن ، عنبس الحضرمی ، قال : خرجنا مع علی إلى النهروان حتى إذا كنا ببابل حضرت صلاة العصر قلنا : الصلاة فسكت ، ثم قلنا الصلاة فسكت ، فلما خرج منها صلى ، ثم قال : ما كنت أصلى بأرض خسف بها ثلاث مرات(مُصنف ابن أبی شيبة، رقم الحديث ۷۶۳۸،باب فی الصلاة فی الموضع الذی قد خسف به)

عن عبد الله أبی المحل ، عن علی ، أنه كره الصلاة فی الخسوف(ایضاً، رقم الحديث ۷۶۳۹)

عن ابن أبی المحل ، أن عليا مر بجانب من بابل فلم يصل بها(ایضاً، رقم الحديث ۷۶۴۰)

(فصل نمبر 3)

پسینۂ مبارک

لعابِ دہن کی طرح پسینہ مبارک بھی دراصل جسم سے نکلنے والا ایک فضلہ یا رطوبت ہے۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ مبارک سے تبرک حاصل کرنے کا بھی بعض روایات میں ذکر آیا ہے۔

امِ سلیم کا پسینۂ مبارک کو برکت کے لیے جمع کرنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ بَيْتَ أُمِّ سُلَيْمٍ فَيَنَامُ عَلٰى فِرَاشِهَا، وَلَيْسَتْ فِيْهِ، قَالَ: فَجَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ فَنَامَ عَلٰى فِرَاشِهَا، فَأُتِيَتْ فَقِيْلَ لَهَا: هٰذَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ فِيْ بَيْتِكِ، عَلٰى فِرَاشِكِ، قَالَ فَجَاءَتْ وَقَدْ عَرِقَ، وَاسْتُنْقِعَ عَرَقُهُ عَلٰى قِطْعَةِ أَدِيْمٍ، عَلَى الْفِرَاشِ، فَفَتَحَتْ عَتِيْدَتَهَا فَجَعَلَتْ تُنَشِّفُ ذٰلِكَ الْعَرَقَ فَتَعْصِرُهُ فِيْ قَوَارِيْرِهَا، فَفَزِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَا تَصْنَعِيْنَ؟ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَرْجُوْ بَرَكَتَهُ لِصِبْيَانِنَا، قَالَ: أَصَبْتِ (صحیح مسلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امِ سُلیم (جو حضرت انس کی والدہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ کی خالہ تھیں) کے گھر میں تشریف لاتے تھے، پھر ان کے بستر پر سو جاتے تھے، اور امِ سلیم اس وقت گھر پر نہیں ہوتی تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف لائے، پھر ان کے بستر پر سو گئے، پھر امِ سلیم آئیں، ان سے کہا

[1] رقم الحدیث ۲۳۳۱ "۸۴" کتاب الفضائل، باب طیب عرق النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتبرک به.

گیا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جو آپ کے بستر پر سو گئے ہیں، تو وہ ایک شیشی لائیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پسینہ آیا ہوا تھا، اور آپ کا پسینہ چمڑے کے بستر کے ٹکڑے پر جمع تھا، تو ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنا سنگھاردان کھولا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک پونچھ پونچھ کر اس میں ڈالنے لگیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا گئے اور فرمانے لگے، اے ام سلیم یہ کیا کر رہی ہو، ام سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم اپنے بچوں کے لئے اس پسینے سے برکت کی امید رکھتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ كَانَتْ تَبْسُطُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِطَعًا، فَيَقِيْلُ عِنْدَهَا عَلٰى ذٰلِكَ النِّطَعِ قَالَ: فَإِذَا نَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَتْ مِنْ عَرَقِهٖ وَشَعَرِهٖ، فَجَمَعَتْهُ فِيْ قَارُوْرَةٍ، ثُمَّ جَمَعَتْهُ فِيْ سُكٍّ قَالَ: فَلَمَّا حَضَرَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ الْوَفَاةُ، أَوْصٰى إِلَيَّ أَنْ يُّجْعَلَ فِيْ حَنُوْطِهٖ مِنْ ذٰلِكَ السُّكِّ، قَالَ: فَجُعِلَ فِيْ حَنُوْطِهٖ (صحیح البخاری)[1]

ترجمہ: ام سلیم رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چمڑے کا بستر بچھایا کرتی تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں اس بستر پر (دوپہر کو بعض دفعہ) قیلولہ فرماتے تھے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سو جاتے، تو حضرت امِ سلیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ اور ٹوٹے ہوئے بال لے کر ایک شیشی میں جمع کر لیتیں، پھر اس کو خوشبو میں ملا لیتیں (راوی کا بیان ہے کہ) جب حضرت انس کی وفات کا وقت قریب آیا، تو انہوں نے مجھے یہ وصیت کی کہ اس خوشبو میں سے میرے حنوط (یعنی غسل کے بعد میت کے جسم پر لگائی جانے والی خوشبو) میں ملا دینا، چنانچہ ان کے حنوط میں وہ ملائی گئی (بخاری)

---

[1] رقم الحديث ٦٢٨١، كتاب الاستئذان، باب من زار قوما فقال عندهم.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بچے ہوئے حنوط سے متعلق ایک روایت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بچے ہوئے حنوط کو، اپنے حنوط میں شامل کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔ [1]

اور حنوط سے مراد وہ خوشبو ہے، جو کفن ودفن کے وقت میت اور کفن پر لگائی جاتی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بچی ہوئی خوشبو کو برکت کے طور پر اپنے لیے استعمال کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء وصلحاء کے آثار باعثِ برکت ہوتے ہیں، جن میں پسینہ بھی داخل ہے۔ [2]

---

[1] حدثنا حميد بن عبد الرحمن ، عن حسن ، عن هارون بن سعد ، أن عليا أوصى أن يجعل فى حنوطه مسك ، وقال هو فضل حنوط النبى صلى الله عليه وسلم(مُصنف ابن أبى شيبة، رقم الحديث ١١١٤٦)

[2] قوله" :نرجو بركته لصبياننا، قال :أصبت."البركة :كثرة الخير ونماؤه(تتمة المفاتيح فى شرح المصابيح،لمظهر الدينُ الشِّيرازيُّ الحَنَفيُّ المشهورُ بالمُظْهِرى،ج٦،ص١٢٨،كتاب الفتن،باب أسماء النبى -صلى الله عليه وسلم -وصفاته)

(وفى رواية، قالت :يا رسول الله !نرجو بركته) أى :كثرة خيره (لصبياننا .قال (أصبت) أى: فعلت الصواب، وفيه استحباب التبرك والتقرب بآثار الصالحين .قيل :لما حضر أنس بن مالك الوفاة أوصى أن يجعل فى حنوطه من ذلك الطيب (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح،ج٩،ص٣٧٠٣،كتاب الفضائل،باب أسماء النبى صلى الله عليه وسلم وصفاته)

(قال) ثمامة (فلما حضر أنس بن مالك الوفاة أوصى أن) ولأبى ذر أوصى إلى أن (يجعل فى حنوطه) بفتح الحاء المهملة وهو الطيب الذى يصنع للميت خاصة وفيه الكافور يجعل فى أكفانه (من ذلك السك) الذى فيه من عرقه وشعره (قال :فجعل) بضم الجيم (فى حنوطه) كما أوصى تبركا به وعوذة من المكاره(إرشاد السارى لشرح صحيح البخارى،للقسطلانى، ج٩، ص١٦٣، باب من زار قوما فقال عندهم)

إن كان المراد أنهم كانوا يأخذون ما فضل من وضوئه صلى الله عليه وسلم فى الإناء فيكون المراد منه التبرك بذلك، والماء طاهر فازداد طهارة ببركة وضع النبى صلى الله عليه وسلم، يده المباركة فيه .الثانى :فيه الدلالة على جواز التبرك بآثار الصالحين (عمدة القارى، ج٣، ص ٧٥، باب استعمال فضل وضوء الناس)

ولا معارضة بين قولها إنها كانت تجمعه لأجل طيبه وبين قولها للبركة بل يحمل على أنها كانت تفعل ذلك للأمرين معا(فتح البارى ،لابن حجر العسقلانى،ج١١،ص٧٢،قوله باب من زار قوما فقال عندهم)

(فصل نمبر 4)

غسالۂ مبارک

بعض احادیث وروایات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور نیک لوگوں کے غسالہ یعنی استعمال شدہ پانی یا جسم سے مَس شدہ پانی سے برکت کا حاصل کرنا بھی ثابت ہے، جس کی کچھ تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ڈبوئے ہوئے پانی سے برکت کا حصول

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ جَاءَ خَدَمُ الْمَدِيْنَةِ بِآنِيَتِهِمْ فِيْهَا الْمَاءُ، فَمَا يُؤْتٰى بِإِنَاءٍ إِلَّا غَمَسَ يَدَهٗ فِيْهَا، فَرُبَّمَا جَاءُ وْهُ فِي الْغَدَاةِ الْبَارِدَةِ، فَيَغْمِسُ يَدَهٗ فِيْهَا (صحیح مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز پڑھ لیتے تھے، تو مدینہ کے خدام اپنے برتن لاتے تھے، جس میں پانی ہوتا تھا، پس جو برتن بھی لایا جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اپنا ہاتھ ڈبو دیتے تھے، بسا اوقات ٹھنڈی صبح کے وقت پانی لے آتے تھے، اس وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ہاتھ ڈبو دیا کرتے تھے (مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کو پانی میں ڈبونے کے بعد، صحابۂ کرام اس سے برکت حاصل کیا کرتے تھے، کیونکہ وہ پانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کے ایک حصہ سے مَس ہو جاتا تھا، جس طرح استعمال شدہ پانی بھی اعضاء سے مَس شدہ ہوتا ہے۔

---

[1] رقم الحدیث ۲۳۲۴ "۷۴" کتاب الفضائل، باب قرب النبی علیہ السلام من الناس وتبرکھم بہ.

جس سے صالحین کے آثار سے برکت حاصل کرنا ثابت ہوتا ہے۔ [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا غسالۂ مبارک مریض کے اوپر ڈالنا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُنِىْ، وَأَنَا مَرِيْضٌ لاَ أَعْقِلُ، فَتَوَضَّأَ وَصَبَّ عَلَىَّ مِنْ وَضُوْئِهِ، فَعَقَلْتُ (صحيح البخارى) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری بیماری کی حالت میں میری عیادت کرنے تشریف لائے، میں غنودگی کے عالم میں تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، اور میرے اوپر اپنے وضو کا استعمالی پانی ڈالا، جس سے میری غنودگی دور ہوگئی، اور میں صحت مند ہوگیا (بخاری)

اس سے محدثین نے انبیاء وصلحاء کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ [3]

---

[1] وفيه التبرک بآثار الصالحين وبيان ما كانت الصحابة عليه من التبرک بآثاره صلى الله عليه وسلم وتبركهم بإدخال يده الكريمة فى الآنية وتبركهم بشعره الكريم وإكرامهم إياه أن يقع شىء منه إلا فى يد رجل سبق إليه (شرح النووى على مسلم، ج١٥، ص ٨٢، باب قرب النبى عليه السلام من الناس وتبركهم به)

(وعن أنس قال :كان رسول الله -صلى الله عليه وسلم -إذا صلى الغداة) أى :الفجر (جاء) : وفى الجامع جاءه (خدم المدينة) : جمع خادم من غلام أو جارية (بآنيتها) : جمع إناء (فيها الماء) ، أى فيطلبون البركة والنماء والعافية والشفاء (فما يأتون) : وفى الجامع فما يؤتى (بإناء إلا غمس يده فيها) ، أى تطييبا لخواطرهم وتحصيلا لمقاصدهم (فربما جاء وه بالغداة) أى :فى الغدوة (البارد فيغمس يده فيها) . قال الطيبى :فيه تكلف المشاق لتطييب قلوب الناس، لا سيما مع الخدم والضعفاء، وليتبركوا بإدخال يده الكريمة فى أوانيهم، وبيان تواضعه مع الضعفاء (مرقاة المفاتيح، ج٩، ص ٣٧١٣، كتاب الفضائل، باب فى أخلاقه وشمائله صلى الله عليه وسلم)

[2] رقم الحديث ١٩٤، كتاب الوضوء، باب صب النبى صلى الله عليه وسلم وضوئه على المغمى عليه.

[3] وفيه التبرک بآثار الصالحين وفضل طعامهم وشرابهم ونحوهما وفضل مؤاكلتهم ومشاربتهم ونحو ذلک (شرح النووى على مسلم، ج ١١، ص ٥٥، كتاب الفرائض)

وفيه :التبرک بآثار الصالحين لا سيما سيد الصالحين؛ فإنه صب على جابر من وضوئه المبارک. وفيه :بركة ما باشروه أو لمسوه (التوضيح لشرح الجامع الصحيح، لابن الملقن، ج٤، ص٣٢٧، كتاب الضوء، باب صب النبى صلى الله عليه وسلم وضوئه على المغمى عليه)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غسالۂ مبارک جسم پر پھیرنا

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ أَدَمٍ، وَرَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ وَضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَأَيْتُ النَّاسَ يَبْتَدِرُوْنَ ذَاكَ الْوَضُوْءَ، فَمَنْ أَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهِ، وَمَنْ لَمْ يُصِبْ مِنْهُ شَيْئًا أَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهِ (صحيح البخاری) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چمڑے کے سرخ خیمہ میں دیکھا، اور میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی لیا اور دوسرے لوگ بھی پانی لینے میں سبقت کرنے کی کوشش کررہے تھے جس کو اس میں سے کچھ مل جاتا تو وہ اس کو اپنے منہ پر مل لیتا، اور جس کو نہ ملتا تو وہ اپنے ساتھی کے ہاتھ کی تری سے لیتا (بخاری)

اور ایک روایت میں ہے کہ:

دُفِعْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِالْأَبْطَحِ فِيْ قُبَّةٍ كَانَ بِالْهَاجِرَةِ، خَرَجَ بِلَالٌ فَنَادٰى بِالصَّلَاةِ ثُمَّ دَخَلَ، فَأَخْرَجَ فَضْلَ وَضُوْءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَقَعَ النَّاسُ عَلَيْهِ يَأْخُذُوْنَ مِنْهُ (صحيح البخاری) [2]

ترجمہ: میں ایک مرتبہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دوپہر کے وقت پہنچا، اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابطح میں خیمہ کے اندر تھے، حضرت بلال باہر نکلے، انہوں نے اذان کہی، پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو

---

[1] رقم الحديث ٣٧٦، كتاب الصلاة، باب الصلاة فی الثوب الأحمر.

[2] رقم الحديث ٣٥٦٦، كتاب المناقب، باب صفة النبی صلى الله عليه وسلم.

کا بچا ہوا پانی نکالا، اور لوگ اس پر ٹوٹ پڑے (بخاری)

حضرت عروہ بن مسعود صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار کی طرف سے قاصد کی حیثیت سے آئے تھے، صحابہ کے اپنے نبی کے ساتھ عقیدت وتعظیم کے درج ذیل احوال ملاحظہ کیے، اور جا کر اپنے لوگوں سے شدتِ تاثر کے ساتھ بیان کیے اور کہا کہ:

فَوَاللّٰـهِ مَا تَنَخَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِيْ كَفِّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ وَإِذَا أَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوْا أَمْرَهُ وَإِذَا تَوَضَّأَ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلٰى وَضُوئِهِ وَإِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوْا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ وَمَا يُحِدُّوْنَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيْمًا لَهُ فَرَجَعَ عُرْوَةُ إِلٰى أَصْحَابِهٖ فَقَالَ أَيْ قَوْمِ وَاللّٰهِ لَقَدْ وَفَدْتُ عَلَى الْمُلُوْكِ وَوَفَدْتُ عَلٰى قَيْصَرَ وَكِسْرٰى وَالنَّجَاشِيِّ وَاللّٰهِ إِنْ رَأَيْتُ مَلِكًا قَطُّ يُعَظِّمُهُ أَصْحَابُهُ مَا يُعَظِّمُ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحَمَّدًا وَاللّٰـهِ إِنْ تَنَخَّمَ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِيْ كَفِّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ وَإِذَا أَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوْا أَمْرَهُ وَإِذَا تَوَضَّأَ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلٰى وَضُوئِهِ وَإِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوْا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ وَمَا يُحِدُّوْنَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيْمًا لَّهُ (صحیح البخاری) [1]

ترجمہ: اللہ کی قسم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوکتے ہیں، تو تھوک صحابہ میں سے کسی کے ہاتھ پر گرتا ہے، اور وہ اس کو اپنے چہرے اور جسم پر مَل لیتا ہے، اور جب وہ ان کو کسی چیز کا حکم فرماتے ہیں، تو آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے سب آگے بڑھ جاتے ہیں، اور جب وہ وضو کرتے ہیں، تو وضو کے استعمال شدہ پانی کو لینے کے لئے لڑنے کے قریب ہوجاتے ہیں، اور جب وہ کلام کرتے ہیں، تو سب کی

---

[1] رقم الحدیث ۲۷۳۱، ج۳ص۱۹۳، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب وكتابة الشروط، دارطوق النجاة، بيروت.

آوازیں ان کی آواز کے سامنے خاموش ہوجاتی ہیں، اور وہ ان کی طرف تعظیم کی وجہ سے نظر اٹھا کرنہیں دیکھتے، پھر جب حضرت عروہ اپنے لوگوں کی طرف لوٹے، توانہوں نے کہا کہ اے قریش میں بڑے بڑے بادشاہوں کے یہاں سفارت میں گیا ہوں، قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے یہاں بھی گیا ہوں، اور اللہ کی قسم میں نے کسی بادشاہ کے یہاں یہ بات نہیں دیکھی کہ اس کے دربار میں اس قدر (غیر رسمی) تعظیم ہوتی ہو جتنی تعظیم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت ان کی کرتی ہے، کبھی ان کا تھوک زمین پرنہیں گرنے دیتی، وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ پر پڑتا ہے اور وہ اس کو منہ اور بدن پر مَل لیتا ہے، جب وہ کوئی حکم کرتے ہیں تو ہر شخص دوڑتا ہے کہ تعمیل کرے، جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کے پانی پر (زمین پر گرنے سے پہلے خود لینے کے لئے) لڑنے کے قریب ہوجاتے ہیں، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کلام کرتے ہیں، تو ان کے سامنے ان کی آوازیں خاموش ہوجاتی ہیں، اور ان کی طرف تعظیم کی وجہ سے نظر اُٹھا کرنہیں دیکھتے (بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مستعمل پانی سے برکت کا حصول

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنتُ عِندَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ نَازِلٌ بِالۡجِعۡرَانَةِ بَيۡنَ مَكَّةَ وَالۡمَدِيۡنَةِ، وَمَعَهُ بِلَالٌ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ أَعۡرَابِيٌّ فَقَالَ: أَلَا تُنۡجِزُ لِيۡ مَا وَعَدۡتَنِيۡ؟ فَقَالَ لَهُ: أَبۡشِرۡ فَقَالَ: قَدۡ أَكۡثَرۡتَ عَلَيَّ مِنۡ أَبۡشِرۡ، فَأَقۡبَلَ عَلٰى أَبِيۡ مُوۡسٰى وَبِلَالٍ كَهَيۡئَةِ الۡغَضۡبَانِ، فَقَالَ: رَدَّ الۡبُشۡرٰى، فَاقۡبَلَا أَنۡتُمَا قَالَا: قَبِلۡنَا، ثُمَّ دَعَا بِقَدَحٍ فِيۡهِ مَاءٌ، فَغَسَلَ يَدَيۡهِ وَوَجۡهَهُ فِيۡهِ وَمَجَّ فِيۡهِ، ثُمَّ قَالَ: اِشۡرَبَا مِنۡهُ، وَأَفۡرِغَا عَلٰى

وُجُوهِكُمَا وَنُحُورِكُمَا وَأَبْشِرَا، فَأَخَذَا القَدَحَ فَفَعَلَا، فَنَادَتْ أُمُّ سَلَمَةَ مِنْ وَرَاءِ السِّتْرِ: أَنْ أَفْضِلَا لِأُمِّكُمَا، فَأَفْضَلَا لَهَا مِنْهُ طَائِفَةً(صحیح البخاری، رقم الحدیث ۴۳۲۸، کتاب المغازی، باب غزوة الطائف)

ترجمہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا جب آپ مکہ اور مدینہ کے درمیان ''جعر انہ'' میں تشریف فرما تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بلال بھی تھے، ایک دیہاتی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ کیا آپ مجھ سے کیا ہوا وعدہ پورا نہ فرمائیں گے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دیہاتی سے فرمایا کہ بشارت حاصل کرو، اس نے عرض کیا کہ آپ بارہا بشارت بشارت فرما چکے ہیں، تو آپ نے غصہ کی حالت میں ابوموسیٰ اور بلال کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اس نے تو بشارت کو قبول نہ کیا، لہٰذا تم اسے قبول کرو، انہوں نے کہا کہ ہم نے بشارت کو قبول کیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا ایک پیالہ منگوایا اور اپنے ہاتھ اور منہ دھو کر اس میں کلی کی، پھر ان دونوں سے فرمایا کہ اس سے پیو، اور اپنے چہروں اور سینوں پر چھڑک لو اور بشارت حاصل کرو، انہوں نے پیالہ لے لیا اور ایسا ہی کیا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پردہ کے پیچھے سے پکار کر کہا کہ اپنی ماں کے (یعنی میرے) لئے بھی کچھ چھوڑ دینا تو انہوں نے ان کے لئے بھی ایک حصہ چھوڑ دیا (بخاری)

مذکورہ احادیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غسالۂ مبارکہ اور مستعمل پانی سے برکت کا حاصل کرنا معلوم ہوا۔ [1]

---

[1] قوله ومج فيه أى صب ما تناوله من الماء فى الإناء والغرض بذلك إيجاد البركة بريقه المبارك(فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج ۱، ص ۲۹۵، قوله باب استعمال فضل وضوء الناس)

وقال ابن بطال :فيه دليل على أن لعاب البشر ليس بنجس ولا بقية شربه، وذلك يدل على أن نهيه،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مستعمل پانی کی جستجو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر سوال فرمانا

حضرت ابوقرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا بِطَهُوْرٍ، فَغَمَسَ يَدَهُ فِيْهِ، ثُمَّ تَوَضَّأَ، فَتَتَبَّعْنَاهُ، فَحَسَوْنَاهُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا حَمَلَكُمْ عَلٰى مَا صَنَعْتُمْ؟ قُلْنَا، حُبُّ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ قَالَ: فَإِنْ أَحْبَبْتُمْ أَنْ يُحِبَّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ فَأَدُّوْا إِذَا ائْتُمِنْتُمْ، وَاصْدُقُوْا إِذَا حَدَّثْتُمْ، وَأَحْسِنُوْا جِوَارَ مَنْ جَاوَرَكُمْ (المعجم الأوسط للطبرانی) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عليه الصلاة والسلام، عن النفخ فى الطعام والشراب ليس على سبيل أن ما تطاير فيه من اللعاب نجس، وإنما هو خشية أن يتقذرة الآكل منه، فأمر بالتأدب فى ذلك .وقال أيضا :وحديث ابى موسى يحتمل أن يكون النبى صلى الله عليه وسلم أمر بالشرب من الذى مج فيه، والإفراغ على الوجوه والنحور من أجل مرض أو شيء أصابهما .قال الكرمانى :لم يكن ذلك من أجل ما ذكره، بل كان لمجرد التيمن والتبرك به، وهذا هو الظاهر .قلت :فعلى هذا لا تطابق بينه وبين ترجمة الباب، والعجب من ابن بطال حيث يقول بالاحتمال فى الذى يدل على هذا الحديث على التبرك والتيمن ظاهرا، ويقول بالجزم فى الذى يحتمل غيره(عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج۳،ص ۷٦،باب استعمال فضل وضوء الناس)

[1] رقم الحديث ۶۵۱۷،معرفة الصحابة لابى نعيم، رقم الحديث ۶۶۳۹،شعب الايمان للبيهقى، رقم الحديث ۱۴۴۰ ح

قال الهيثمى: رواه الطبرانى فى الأوسط، وفيه عبيد بن واقد القيسى، وهو ضعيف (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۶۷۰۵)

و قال الالبانى:قلت :وهو ضعيف

كما قال الهيثمى (4/145) ، والحافظ فى "التقريب ."ومن هذا الوجه أخرجه فى "المعجم الكبير "أيضا (ق 47/ - 1 مجموع 6) ، وعنه ابن منده فى " المعرفة "(2/ 259 /2) . وخالفه فى إسناده الحسن بن أبى جعفر، فقال :عن أبى جعفر الأنصارى (وهو عمير بن يزيد) عن الحارث بن فضيل عن عبد الرحمن بن أبى قراد أن النبى صلى الله عليه وسلم توضأ يوما ـ الحديث .أخرجه ابن منده (2/ 21 /1) وكذا أبو نعيم فى "فوائد ميمونة "كما فى "الإصابة ."قلت: فاختلف عبيد بن واقد والحسن بن أبى جعفر فى إسناده، فالأول سمى الصحابى أبا قراد،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا، پھر آپ نے اس میں ہاتھ ڈبو کر وضو کیا، پھر ہم نے آپ کے استعمال شدہ پانی کی جستجو کی، اور اس کو حاصل کیا، تو رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں اس فعل پر کس چیز نے ابھارا، ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت نے ابھارا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کا رسول تم سے محبت کرے، تو جب تمہارے پاس امانت رکھوائی جائے، تو اسے ادا کیا کرو، اور جب بات کرو تو سچ بولا کرو، اور جو تمہاری ہمسائیگی اختیار کرے، تو ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو (طبرانی، ابونعیم، بیہقی)

حضرت زہری رحمہ اللہ انصار کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا تَوَضَّأَ أَوْ تَنَخَّمَ اِبْتَدَرُوْا نُخَامَتَهُ، وَوَضُوْءَهُ، فَمَسَحُوْا بِهَا وُجُوْهَهُمْ وَجُلُوْدَهُمْ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِمَ تَفْعَلُوْنَ هٰذَا؟ قَالُوْا: نَلْتَمِسُ بِهِ الْبَرَكَةَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُّحِبَّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ فَلْيَصْدُقِ الْحَدِيْثَ، وَلْيُؤَدِّ الْأَمَانَةَ، وَلَا يُؤْذِ جَارَهُ (جامع معمر بن راشد، مشمولة: مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ۹۷۴۸، باب الغناء والدف) ؎1

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والراوى عنه عبد الرحمن بن الحارث، والآخر عن الحارث بن فضيل عن عبد الرحمن بن أبى قراد، فسماه عبد الرحمن بن أبى قراد، وهو ضعيف أيضا أعنى الحسن بن أبى جعفر، ولذلك لا يمكن ترجيح إحدى الروايتين على الأخرى .وبالجملة، فالحديث عندى حسن على الأقل بمجموع هذه الطرق .والله أعلم (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۲۹۹۸)

؎1 قال الالبانى:

قلت :وهذا الإسناد رجاله ثقات غير الرجل الأنصارى، فإن كان تابعيا، فهو مرسل، ولا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو کیا کرتے تھے، یا تھوکا کرتے تھے، تو صحابۂ کرام آپ کے استعمال شدہ پانی اور تھوک کو لے کر اپنے چہروں اور جسم پر مَل لیا کرتے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم اس کے ذریعہ سے برکت کو تلاش کرتے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہو کہ اس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرے، تو اسے چاہیے کہ وہ سچ بولا کرے، اور امانت کو ادا کیا کرے، اور اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچایا کرے (عبدالرزاق)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کی طرف سے غسالۂ وضو کے ساتھ برکت حاصل کرنے کے مقصود کی تردید نہیں فرمائی، البتہ اسی کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے مقتضی بعض اہم اعمال کی طرف متوجہ فرمایا۔

جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء وصلحاء کے آثار سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس میں اتنا غلو نہ ہو کہ اسی کو نجات کا ذریعہ خیال کرلیا جائے، بلکہ شریعت کے دوسرے اہم اعمال کا اہتمام بھی ضروری ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بأس به فی الشواهد، وإن كان صحابيا، فهو مسند صحيح لأن جهالة اسم الصحابی لا تضر، كما هو مقرر فی علم الحديث، ويغلب على الظن أنه أنس بن مالك رضی الله عنه الذی فی الطريق الأولى فإنه أنصاری، ويروی عنه الإمام الزهری كثيرا .ويشهد له ما قبله على ضعفه (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ٢٩٩٨)

[1] مولانا محمد زاہد صاحب زیدمجدہٗ (نائب صدر: جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد، پاکستان) ''اشرف التوضیح'' میں فرماتے ہیں کہ:

تبرک کا ثبوت ہے، بے ثبوت چیز نہیں ہے، البتہ یہ بات بھی ہے کہ اس میں غلطی سے افراط وتفریط ہوجاتا ہے کہ بعض لوگ تبرکات کا ویسے ہی انکار کردیتے ہیں، یہ بھی ٹھیک نہیں ہے، اور بعض لوگ سب کچھ سمجھتے ہی تبرکات کو ہیں، اور ان کے ہوتے ہوئے نہ عقائد کی اصلاح کی فکر ہوتی ہے، اور نہ ہی اعمال واخلاق کی اصلاح کی، تو یہ بھی ٹھیک نہیں ہے، اصل چیز اعمال اور اخلاق کی اصلاح ہے، اور خاص طور پر عقائد کی اصلاح

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مستعمل پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ [1]

نیک لوگوں کے مستعمل پانی کی برکت

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اَلْوُضُوْءُ مِنْ جَرٍّ جَدِيْدٍ مُخَمَّرٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ أَمْ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ہے، اس کے ساتھ ساتھ اگر برکت بھی مل جائے، تو اچھی بات ہے، لیکن سب سے اہم چیز عقائد واعمالِ اخلاق ہیں، ان کی قربانی نہیں دی جاسکتی، یہی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمائی کہ آپ کے وضو کے پانی کو اپنے جسم پر لگا رہے ہیں، تو آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا، معلوم ہوا کہ تبرک کی اصل ہے، لیکن ساتھ ہی آپ نے یہ بھی فرمادیا کہ اپنے اعمال اور اخلاق بھی ٹھیک کرو کہ میرے ساتھ محبت کا تقاضا یہ نہیں کہ صرف میرے ساتھ نسبت رکھنے والی چیزوں کو چوم چاٹ لو، بلکہ میرے ساتھ محبت کا اصل تقاضا یہ ہے کہ جو کام میں نے کیے ہیں، وہ کرو، بات کرو تو سچی کرو، اور وعدہ کرو تو پورا کرو، اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، اس لیے کہ اس چیز میں برکت اس لیے آئی کہ اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت کی وجہ سے یہ چیز متبرک ہوگئی، حالانکہ وہ بے جان ہے، تو اگر کوئی اشرف المخلوقات کا فرد اپنی نسبت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قائم کرلے گا، تو کیا وہ بابرکت نہیں ہوجائے گا، وہ بطریقِ اولیٰ بابرکت ہوجائے گا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت اس طرح حاصل ہوگی کہ آپ کے طریقے پر چلا جائے، اس لیے تبرکات کی بالکل نفی کرنا یہ بھی ٹھیک نہیں ہے، اور سب کچھ انہیں کو سمجھنا، یہ بھی ٹھیک نہیں ہے (اشرف التوضیح، ج ۳ ص ۳۳۴، کتاب اللباس، الفصل الاول، طبع اول: ذوالقعدۃ ۱۴۲۵ ہجری، مطبوعہ: مکتبۃ العارفی، فیصل آباد)

[1] وفيه :التبرك بآثار الصالحين (عمدة القارى، ج۴، ص ۱۰۰، باب الصلاة فى الثوب الأحمر)

فرأيت الناس يأخذون من فضل وضوئه ففيه التبرك بآثار الصالحين واستعمال فضل طهورهم وطعامهم وشرابهم ولباسهم (شرح النووى على مسلم، ج۴، ص ۲۱۹، كتاب الطهارة، باب سترة المصلى والندب إلى الصلاة إلى سترة والنهى عن المرور)

ومنها التبرك بالصالحين وآثارهم والصلاة فى المواضع التى صلوا بها وطلب التبريك منهم (شرح النووى على مسلم، ج۵، ص ۲۱۶، كتاب الصلاة، باب الرخصة فى التخلف عن الجماعة لعذر)

فهذه الاخبار وامثالها تدل على طهارة الماء المستعمل والا لم يكن للتبرك التمسح ونحو ذلك معنى(السعاية فى كشف ما فى شرح الوقاية ، ص ۴۰۲، كتاب الطهارة)

مِّنَ الْمَطَاهِرِ؟ فَقَالَ: لَا، بَلْ مِنَ الْمَطَاهِرِ، إِنَّ دِيْنَ اللّٰهِ الْحَنِيْفِيَّةُ السَّمْحَةُ، قَالَ: وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْعَثُ إِلَى الْمَطَاهِرِ، فَيُؤْتٰى بِالْمَاءِ، فَيَشْرَبُهٗ، يَرْجُوْ بَرَكَةَ أَيْدِي الْمُسْلِمِيْنَ (المعجم الأوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۷۹۴) [1]

ترجمہ: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ڈھکے ہوئے کنویں وغیرہ سے نکالے ہوئے پانی سے وضو کرنا آپ کو زیادہ پسند ہے یا حوض سے وضو کرنا زیادہ پسند ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حوض سے وضو کرنا زیادہ پسند ہے، بے شک اللہ کا دین نرم اور سہل ہے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حوضوں سے پانی لینے کے لیے بھیجا کرتے تھے، پھر اس کو استعمال فرماتے تھے، مسلمانوں کے ہاتھوں کی (اس پانی میں شامل ہونے کی وجہ سے) برکت کی امید پر (طبرانی)

اس سے معلوم ہوا کہ جو پانی وضو اور پاکی حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، وہ

---

[1] قال الالبانی:
"كان يبعث إلى المطاهر، فيؤتى بالماء، فيشربه يرجو بركة أيدى المسلمين."
أخرجه الطبرانی فی "الأوسط "(ص 35) وأبو نعيم فی "الحلية "(8/203) عن حسان بن إبراهيم الكرمانی عن عبد العزيز بن أبی رواد عن نافع عن ابن عمر قال ": قلت :يا رسول الله !الوضوء من جر جديد مخمر أحب إليک، أم من المطاهر ؟ قال: لا بل من المطاهر، إن دين الله يسر، الحنيفية السمحة "، قال :فذكره، وقال " :لم يروه عن عبد العزيز إلا حسان ."قلت :وهو مختلف فيه والأكثرون على توثيقه، والذی يترجح عندی أنه وسط حسن الحديث، ولاسيما وقد خرج له البخاری فی " صحيحه "، وقال الحافظ " :صدوق يخطىء ."والحديث قال الهيثمی (1/214) : "رواه الطبرانی فی "الأوسط "، ورجاله موثقون، وعبد العزيز بن أبی رواد ثقة ينسب إلى الإرجاء ."قلت :واحتج به مسلم وإرجاؤه لا يضر حديثه كما هو مقرر فی " مصطلح الحديث ."(المطاهر) : جمع (المطهرة) : كل إناء يتطهر منه كالإبريق والسطل والركوة وغيرها كما فی "المعجم الوسيط "(سلسلة الأحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۲۱۱۸)

ناپاک نہیں ہوتا، اور بابرکت ہوتا ہے۔ [1]

خلاصہ یہ کہ غسالۂ مبارکہ سے برکت حاصل کرنا بھی ثابت ہے، فقہائے امت نے انبیاء وصلحاء کے آثار سے برکت حاصل کرنے کی دلیل پکڑی ہے۔

چند متعلقہ مسائل

اس سلسلہ میں چند متعلقہ مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر 1...... ماءِ مستعمَل یعنی وضو اور غسل کے استعمال شدہ پانی کے متعلق حنفیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ پانی بذاتِ خود تو پاک ہوتا ہے، لیکن اس سے دوبارہ غسل یا وضو کرنا درست نہیں ہوتا، لہٰذا اگر یہ پانی کسی برتن یا کپڑے وغیرہ پر لگ جائے، یا پانی میں گر جائے، تو وہ برتن یا کپڑا اور پانی وغیرہ ناپاک نہیں ہوتا، البتہ حنفیہ کے نزدیک اس پانی سے ظاہری نجاست (مثلاً کپڑے یا جسم پر لگے ہوئے پیشاب، پاخانہ وغیرہ) کو پاک کرنا درست ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] (كان يبعث إلى المطاهر) جمع مطهرة بكسر الميم كل إناء يتطهر منه والمراد هنا نحو الحياض والفساقي والبرك المعدة للوضوء (فيؤتى) إليه (بالماء) منها (فيشربه) وكان يفعل ذلك (يرجو بركة أيدى المسلمين) أى يؤمل حصول بركة أيدى الذين تطهروا من ذلك الماء وهذا فضل عظيم وفخر جسميم للمتطهرين فيا له من شرف ما أعظمه كيف وقد نص الله فى التنزيل على محبتهم صريحا حيث قال: } إن الله يحب التوابين ويحب المتطهرين {وهذا يحمل من له أدنى عقل على المحافظة على إدامة الوضوء ومن ثم صرح بعض أجلاء الشافعية بتأكد ندبه وأما الصوفية فعندهم واجب.

(طس عن ابن عمر) بن الخطاب .قال الهيثمي: رجاله موثقون ومنهم عبد العزيز بن أبى رواد ثقة نسب إلى الإرجاء(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٦٩٥٩)

[2] ملحوظ رہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف ماءِ مستعمَل کے بارے میں تین قسم کی روایات منسوب ہیں، ایک نجسِ غلیظ ہونے کی، دوسری نجسِ خفیف ہونے کی، تیسری طاہر غیر مطہّر ہونے کی۔

محققین مشائخ نے تیسری روایت کو ترجیح دی ہے، اور بعض نے اسی پر فتوے کا حکم بیان فرمایا ہے، بغیر اس تفصیل کے کہ وہ مستعمَل پانی وضو کا ہو، یا جنبی کے غسل کا، اور احادیث سے بھی اسی قول کی تائید ہوتی ہے، جیسا کہ گزرا۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر 2...... انسان کے جسم سے خارج ہونے والے پسینہ کے پاک ہونے پر فقہائے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ماء طاهر فى نفسه غير مطهر، وهو عند الحنفية الماء المستعمل، وعرفوه بأنه :ما أزيل به حدث أو استعمل فى البدن على وجه القربة، ولا يجوز استعماله فى طهارة الأحداث، بخلاف الخبث، ويصير مستعملا عندهم بمجرد انفصاله عن الجسد ولو لم يستقر بمحل.

وعند جمهور الفقهاء -المالكية والشافعية والحنابلة -هو :الماء المغير طعمه أو لونه أو ريحه بما خالطه من الأعيان الطاهرة تغيرا يمنع إطلاق اسم الماء عليه، وهو كذلك عند الشافعية :الماء المستعمل فى فرض الطهارة ونفلها على الجديد.

وصرح جمهور الفقهاء -المالكية والشافعية والحنابلة -بأن هذا النوع لا يرفع حكم الخبث أيضا، وعند الحنفية يرفع حكم الخبث (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹، ص۹۷، وص۹۸، مادة "طهارة")

والماء المستعمل عند الحنفية ليس بطهور لحدث بل لخبث على الراجح المعتمد فإنه يجوز إزالة النجاسة الحقيقية به (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۹، ص۳۶۰، مادة "مياه")

وقد صحح المشايخ رواية محمد حتى قال فى المجتبى وقد صحت الروايات عن الكل أنه طاهر غير طهور إلا الحسن وقال فخر الإسلام فى شرح الجامع الصغير هو المختار عندنا، وهو المذكور فى عامة كتب محمد عن أصحابنا فاختاره المحققون من مشايخ ما وراء النهر وفى المحيط أنه المشهور عن أبى حنيفة وفى كثير من الكتب وعليها الفتوى من غير تفصيل بين المحدث والجنب المذكور فى فتاوى الولوالجى والتجنيس فى مواضع أن الفتوى على رواية محمد لعموم البلوى إلا فى الجنب وقد ذكر النووى أن الصحيح من مذهب الشافعى أنه طاهر غير طهور وبه قال أحمد، وهو رواية عن مالك ولم يذكر ابن المنذر عنه غيرها، وهو قول جمهور السلف والخلف اهـ . وجه رواية النجاسة قوله -صلى الله عليه وسلم -لا يبولن أحدكم فى الماء الدائم ولا يغتسلن فيه من الجنابة كذا فى الهداية وكثير من الكتب (البحر الرائق، ج ۱، ص ۹۹، احكام المياه، صفة الماء المستعمل)

والمختار أنه طاهر كما هو اختيار أكثر المشايخ .وظاهر الرواية عن الإمام وعليه الفتوى وإطلاق قول أبى حنيفة -رحمه الله -على أن الماء المستعمل نجس ليس بسديد؛ لأن رواية كونه نجسا عنه رواية شاذة كما بين آنفا تدبر(مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج ۱، ص ۳۱، كتاب الطهارة)

وقال مشايخ العراق :إنه طاهر عند أصحابنا .واختار المحققون من مشايخ ما وراء النهر طهارته، وعليه الفتوى(فتح القدير، ج ۱، ص ۸۵، كتاب الطهارات)

(قوله :وهو الظاهر) كذا فى الذخيرة أى ظاهر الرواية، وممن صرح بأن رواية الطهارة ظاهر الرواية وعليها الفتوى فى الكافى والمصفى كما فى شرح الشيخ إسماعيل(رد المحتار على الدر المختار، ج ۱، ص ۲۰۱، كتاب الطهارة، باب المياه)

کرام کا اتفاق ہے، خواہ وہ انسان مسلم ہو یا غیر مسلم، ہوش میں ہو یا بے ہوش، جاگتا ہوا ہو یا سوتا ہوا ہو، جنابت یا حیض ونفاس کی حالت میں ہو یا عام حالت میں، بہرحال ہر انسان کا پسینہ پاک شمار ہوتا ہے۔ [1]

اسی طرح ہر انسان کا پس خوردہ (یا جوٹھا) اور منہ کا لعاب بھی پاک ہے، اگرچہ وہ انسان جنابت یا حیض ونفاس کی حالت میں ہو، یا وہ غیر مسلم ہو۔ [2]

مسئلہ نمبر 3...... فقہائے کرام کی ایک جماعت نے بعض روایات وآثار کے پیشِ نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فضلات بشمول خون اور بول وبراز کو پاک قرار دیا ہے۔

جبکہ بعض حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ دوسرے انسانوں کے جو فضلات شرعاً ناپاک ہیں، مثلاً خون اور بول وبراز، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن فضلات کو بھی یہی حکم حاصل ہے، کیونکہ انسان کے اِن فضلات کا علی الاطلاق ناپاک ہونا، شریعت کے مستحکم ومضبوط دلائل سے

---

[1] ذهب الفقهاء إلى طهارة عرق الإنسان مطلقا، لا فرق في ذلك بين المسلم والكافر، الصاحي والسكران، والطاهر والحائض والجنب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٠، ص ١٦١، مادة "عرق")

وممن مذهبه أن عروق الجنب والحائض طاهر الشافعي وأبو ثور وأصحاب الرأى وهذا قول كل من نحفظ عنه من أهل العلم .قال أبو بكر :وعرق اليهودى والنصرانى والمجوسى كذلك طاهر ولا أعلم شيئا يدل على أن ذلك نجس والله أعلم .قال أبو بكر :ودلت السنة الثابتة عن نبى الله صلى الله عليه وسلم على طهارة الجنب فمن ذلك قوله صلى الله عليه وسلم لأبى هريرة :إن المؤمن لا ينجس(الأوسط ،لابن المنذر، ج٢ص١٧٨، تحت رقم الحديث ٧٥١،كتاب طهارات الابدان والثياب ، باب ذكر عرق الجنب والحائض)

[2] سور متفق على طهارته وهو سؤر الآدمى بجميع أحواله مسلما كان أو كافرا، صغيرا كان أو كبيرا، ذكرا أو أنثى، طاهرا أو نجسا حائضا أو نفساء أو جنبا .وقد أتى عليه الصلاة والسلام بلبن فشرب بعضه وناول الباقى أعرابيا كان على يمينه فشرب، ثم ناوله أبا بكر رضى الله عنه فشرب، وقال :الأيمن فالأيمن.

وعن عائشة رضى الله عنها قالت :كنت أشرب وأنا حائض، ثم أناوله النبى صلى الله عليه وسلم فيضع فاه على موضع فى فيشرب .

ولأن سؤر الآدمى متحلب من لحمه، ولحمه طاهر، فكان سؤره طاهرا، إلا فى حال شرب الخمر فيكون سؤره نجسا؛ لنجاسة فمه بالخمر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٤ص١٠٠، ١٠١، مادة "سؤر")

ثابت ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل المخلوقات ہونے کے باوجود مذکورہ فضلات کے پاک ہونے کا استثناء اس طرح کے مستحکم ومضبوط دلائل سے ثابت نہیں۔ [1]

جن حضرات نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کے پاک ہونے کا حکم لگایا ہے، انہوں نے متعدد واقعات اور روایات سے استدلال فرمایا ہے، اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں شمار کیا ہے۔ [2]

---

[1] ثم مسألة طهارة فضلات الأنبياء توجد فی کتب المذاهب الأربعة، ولکن لا نقل فيها عندی عن الأئمة إلا ما فی المواهب عن أبی حنيفة رحمه الله تعالی نقلا عن العينی، ولکنی ما وجدته فی العينی(فيض الباری علی صحيح البخاری، ج ۱،ص ۳۴۲، کتاب الوضوء ،باب لا تستقبل القبلة بغائط أو بول، إلا عند البناء جدار أو نحوه)

وقد مر معنا أن طهارة فضلات النبی صلی الله عليه وسلم توجد فی کتب المذاهب الأربعة، ثم لا أدری أنها منقولة عن الأئمة أم لا؟ إلا أن القسطلانی نقل طهارتها عن أبی حنيفة رحمه الله تعالی بحوالة العينی ولم أجدها فيه، ولخفاء تلک المسألة لم يفصح بها البخاری فی کتابه، ومشی فی کتابه علی التسوية بينها وبين فضلات سائر الناس فی أمر الطهارة والنجاسة، وهکذا فعل فی الماء المستعمل(فيض الباری علی صحيح البخاری، ج ۱،ص ۴۴۳، کتاب الوضوء ،باب البزاق والمخاط ونحوه فی الثوب)

(وقال قوم من أهل العلم بطهارة هذين الحدثين) ؛ أی :البول والغائط (منه صلی الله عليه وسلّم) . وعبّر عن الخارج ب الحدثين !!استهجانا للتصريح باسمهما، بل اختار جمع متقدّمون ومتأخّرون من الشافعية طهارة جميع فضلاته صلی الله عليه وسلّم؛ منهم القاضی حسين، والبغوی، والسبکی، والبارزی، والزرکشی، وابن الرّفعة، والبلقينی، والقاياتی ...وأطالوا فيه.

وقال السبکی :إنه الذی أدين الله به .واعتمده الجمال الرملی فی النهاية ، والخطيب الشربينی فی المغنی ؛ وفاقا للشهاب الرملی .بل قال الزرکشی:وشاهد هذا أنّه صلّی الله عليه وسلّم لم يکن منه شیء يکره، ولا غير طيّب .ومن هذا حديث علیّ رضی الله (تعالی) عنه :غسّلت النّبیّ صلّی الله عليه وسلّم فذهبت أنظر ما يکون من الميت، ...

وينبغی طرد الطهارة فی فضلات سائر الأنبياء .انتهی .

لکن الشيخان :الرافعی والنووی علی خلافه، وإنّ حکمها منه کغيره .أی :أنّ حکم فضلاته صلی الله عليه وسلّم کفضلات غيره فی النجاسة، وجری عليه ابن حجر الهيتمی فی التحفة(منتهی السؤل علی وسائل الوصول إلی شمائل الرسول صلی الله عليه وآله وسلم،لعبد الله بن سعيد الحضرمیّ ،ج۳،ص ۱۳۲،۱۳۳، الباب السابع، الفصل الأوّل فی أخبار شتّی من أحواله ﷺ)

[2] ويؤيّد الأوّل أنّه صلی الله عليه وسلّم لم ينکر علی ابن الزّبير حين شرب دمه، ولا علی أم أيمن حين شربت بوله، ولا علی من فعل مثل فعلهما، ولا أمرهم بغسل الفم، ولا نهاهم عن العود إلی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جن حضرات نے اس سے اختلاف کیا، انہوں نے مذکورہ روایات کو سند کے اعتبار سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مثله، بل أخبرهم بما لعلّه يحملهم على الحرص على التبرک بفضلاته.
ومن حمل ذلک على التداوى قيل له :قد أخبر النبى صلى الله عليه وسلّم أنّ الله تعالى لم يجعل شفاء الأمّة فيما حرم عليها .رواه ابن حبان فى صحيحه ، فلا يصحّ حمل الأحاديث التى بعضها حسن على ذلک، بل هى ظاهرة فى الطهارة.
قال الحافظ ابن حجر :قد تكاثرت الأدلّة على طهارة فضلاته صلى الله عليه وسلّم، وعدّ الأئمة ذلک من خصوصيّاته .انتهى.
(وشاهد هذا) ؛ أى :دليل القول بالطهارة (أنّه صلى الله عليه وسلّم لم يكن منه شىء يكره) عند ذوى الطباع السليمة، (ولا غير طيّب) وهذا دليل عقلىّ مؤيّد لنظر الشرع.
(ومن هذا) ؛ أى :ومن الشاهد بأنه لم يكن منه شىء يكره؛ ولا غير طيّب (حديث علىّ) أمير المؤمنين (رضى الله عنه) الذى رواه ابن ماجه، وأبو داود فى مراسيله أنّه قال:
(غسّلت النّبىّ صلى الله عليه وسلّم) - بتشديد السين المهملة -لأنه المستعمل فى الميت، ويخفّف فى غيره كالثياب، (فذهبت أنظر ما يكون من الميت) ؛ من تغيّر رائحة فلم أجد شيئا، فقلت :طبت حيّا وميتا .وسطعت منه ريح طيّبة لم نجد مثلها قطّ.
ومثله قال أبو بكر حين قبّل النّبىّ صلّى الله عليه وسلّم بعد موته.
ومنه شرب مالک بن سنان دمه يوم أحد، ومصّه إيّاه، ...
وخروج فضلات (فلم أجد شيئا !) ، وقد مكث صلى الله عليه وسلّم بعد موته يومين؛ فلم يتغيّر منه شىء .
(فقلت :طبت) - بفتح تاء الخطاب -(حيّا وميتا) ونصبهما على الحال.
قال على :(وسطعت) أى :ارتفعت وانتشرت وفاحت (منه ريح طيّبة لم نجد مثلها قطّ) ، لأن طيبه يدلّ على طيب ما يحصل منه، وكلّ إناء بالذى فيه ينضح.
(ومثله) ؛ أى :ومثل قول على طبت حيا وميتا .
(قال أبو بكر) الصدّيق رضى الله تعالى عنه (حين قبّل النّبىّ صلى الله عليه وسلّم بعد موته) رواه البزار؛ عن ابن عمر بسند صحيح، وهو بعض خبر فى البخارى.
(ومنه) ؛ أى :ومن الشواهد على ما ذكر (شرب مالک بن سنان) بن سنان بكسر السين المهملة - والد أبى سعيد الخدرى، وهو من كبار الصحابة؛ قتل شهيدا يوم أحد رضى الله تعالى عنهما (دمه) أى :دم النبى صلى الله عليه وسلّم (يوم أحد) بضمتين :-اسم جبل وقعت عنده الوقعة العظيمة المشهورة بغزوة أحد.
(ومصّه إيّاه) . رواه البيهقى، والطبرانى فى معجمه الأوسط ؛ عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالى عنه، والمصّ -بالميم والصاد المهملة :-أخذ المائع القليل بجذب النفس .وأشار بقوله شربه ومصّه إلى أنّه كان يفيض أوّلا، فلذا جعل أخذه بفيه وابتلاعه إيّاه شربا، ولما قلّ وجعل يجذبه منه بالمشقة جعله مصّا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ضعیف اور حلت وحرمت کے معاملہ میں ناقابلِ استدلال قرار دیتے ہوئے، انسانوں کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وتسويغه صلّى الله عليه وسلّم ذلك له، وقوله :لن تصيبه النّار .
ومثله شرب عبد الله بن الزّبير ...
وروى ذلك مرفوعا :من مسّ دمه دمى لم تصبه النّار .
(وتسويغه صلى الله عليه وسلّم) ؛ أى :تجويزه (ذلك) ؛ أى :شرب دمه ومصّه (له) ، أى: لمالك بن سنان رضى الله تعالى عنه؛ من غير إنكار، فلو كان دمه الشريف غير طاهر لنهاه عن ازدراده.
(وقوله) أى :النبى صلى الله عليه وسلّم لمالك (لن تصيبه النّار) كناية عن فوزه بنعيم الجنان.
وفى رواية سعيد بن منصور :من سرّه أن ينظر إلى من خالط دمه دمى؛ فلينظر إلى مالك بن سنان .
وفى رواية :من أراد أن ينظر إلى رجل من أهل الجنّة؛ فلينظر إلى هذا ، فاستشهد .رواها سعيد بن منصور؛ من طريق عمرو بن السائب بلاغا.
(ومثله) - وفى نسخة من الشفاء :و منه -أى :ومن الشاهد؛ كما رواه الحاكم، والبزّار، والبيهقى، والبغوى، والطبرانى، والدارقطنى، وغيرهم؛ من طرق يقوّى بعضها بعضا.
والعجب من قول ابن الصلاح إنّ هذا الحديث لم أجد له أصلا! وهو مذكور فى هذه الأصول.!!
(شرب) - بضم الشين المعجمة -(عبد الله بن الزّبير) - بضمّ الزاى والتصغير -أحد العبادلة، الإمام الزاهد العابد، الشجاع بن الشجاع، أوّل مولود ولد للمهاجرين، وحنّكه النبىّ صلى الله عليه وسلّم بتمرة لاكها بفمه؛ فخالط ريقه ريقه.
وله رضى الله عنه من شرف النسب ما لا يوصل إليه؛ لأن أمّه أسماء بنت أبى بكر ذات النطاقين ، وأبوه الزبير بن العوّام رضى الله تعالى عنهما أحد العشرة؛ سيف الله ، وجدّته صفيّة رضى الله تعالى عنها بنت عبد المطلب، وخالته عائشة رضى الله تعالى عنها، وجدّه لأمّه أبو بكر الصديق رضى الله تعالى عنه .وكان دم حجامته، وقال له عليه الصّلاة والسّلام :ويل لك من النّاس، وويل لهم منك ، ...
صوّاما قوّاما لا ينام ليله، وكان أطلس :لا لحية له رضى الله تعالى عنه .(دم حجامته) صلى الله عليه وسلّم.
ولفظ الحديث؛ عن عامر بن عبد الله بن الزبير؛ عن أبيه؛ قال:
احتجم رسول الله صلى الله عليه وسلّم فأعطانى الدم بعد فراغه من الحجامة؛ وقال :اذهب؛ يا عبد الله فغيّبه .
وفى رواية :اذهب بهذا الدم فواره حيث لا يراه أحد .فذهبت فشربته، ثم أتيته صلى الله عليه وسلّم؛ فقال ما صنعت؟ قلت :غيّبته .قال :لعلّك شربته!! .قلت:شربته.
وفى رواية :قلت :جعلته فى أخفى مكان ظننت أنّه خاف عن الناس .قال :لعلّك شربته !! .قلت: شربته.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مطلق بول وبراز وفضلات کی نجاست کے اصولی دلائل کو راجح سمجھا، جس سے یہ بات معلوم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(وقال له عليه (الصّلاة) والسّلام :ويل) - للتّحسّر والتألّم -(لک من النّاس) ؛ إشارة إلى محاصرته وتعذيبه، وقتله وصلبه على يد الحجاج، وقصّته مشهورة -(وويل لهم) - أى :للناس -(منک) لما أصابهم من حروبه؛ ومحاصرة مكّة بسببه، وقتل من قتل، وما أصاب أمّه وأهله من المصائب، وما لحق قاتليه من الإثم العظيم وتخريب الكعبة، فهو بيان لما تسبّب عن شرب دمه، فإنّه بضعة من النبوة نورانية قوّت قلبه حتى زادت شجاعته، وعلت همّته عن الانقياد لغيره ممن لا يستحقّ إمارة؛ فضلا عن الخلافة.

وزعم أنّه إشارة إلى ما يلحقه من قدح الجهلة فيه بسبب شرب الدم !!مما لا ينبغى ذكره، وسقوطه مغن عن ردّه.

وقد ورد عند الدارقطنى فى سننه ؛ من حديث أسماء بنت أبى بكر رضى الله تعالى عنهما نحوه؛ ولفظه :قالت :احتجم صلى الله عليه وسلّم فدفع دمه لابنى فشربه، فأتاه ولم ينكره.

جبريل فأخبره؛ فقال :ما صنعت؟ .قال :كرهت أن أصبّ دمک .فقال صلى الله عليه وسلّم لا تمسّک النّار ، ومسح على رأسه .وقال :ويل للنّاس منک، وويل لک من النّاس .

(ولم ينكره) عليه !وهذا هو محطّ الدليل .فإنّ عدم إنكاره صلى الله عليه وسلّم دليل على جوازه وطهارته.

وقد سئل الحافظ ابن حجر عن الحكمة فى تنوّع القول لابن الزبير ومالک بن سنان؛ مع اتحاد السبب!؟.

فأجاب بأن ابن الزبير شرب دم الحجامة، وهو قدر كثير يحصل به الاغتذاء ، وقوّة جذب المحجمة تجلبه من سائر العروق؛ أو كثير منها، فعلم صلى الله عليه وسلّم أنّه يسرى فى جميع جسده؛ فتكتسب جميع أعضائه منه قوى من قوى النبى صلى الله عليه وسلّم فتورثه غاية قوّة البدن والقلب، وتكسبه نهاية الشهامة والشجاعة؛ فلا ينقاد لمن هو دونه بعد ضعف العدل وقلّة ناصره، وتمكّن الظّلمة وكثرة أعوانهم، فحصل له ما أشار إليه صلى الله عليه وسلّم من تلک الحروب الهائلة التى تنتهک بها حرمته الناشئة من حرمته صلى الله عليه وسلّم؛ وحرمة البيت العتيق، فقيل له ويل له لقتله وانتهاک حرمته، و ويل لهم لظلمهم وتعدّيهم عليه وتسفيههم.

وأما مالک بن سنان !!فازدرد ما مصّه من الجرح الذى فى وجهه صلى الله عليه وسلّم؛ وهو أقلّ من دم الحجامة، وكأنه علم أنه يستشهد فى ذلک اليوم، فلم يبق له من أحوال الدنيا ما يخبره به، فأعلمه بالأهمّ له ممّا يتلقاه من أنواع مسرّات الجنان .انتهى.

ولا عطر بعد عروس.!

وحاصله :أنّه اقتصر لمالک على التبشير بالجنة، وأنه لا تصيبه النار؛ لعدم بقاء شىء له من الدنيا، بخلاف ابن الزبير فأخبره بما يقع له فى الدنيا على سبيل الإشارة، كما أشار له أيضا بأنّه من أهل الجنة؛ بقوله لا تمسّک النّار .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہوتی ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادی نوعیت کا ہے۔ ؎۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فزعم أن مقتضاه أنه لم يخاطب بهذا ابن الزبير؛ بل مالكا ساقط، إذ محطّ
وقد روى نحو من هذا عنه صلّى الله عليه وسلّم فى امرأة شربت بوله، فقال لها :لن تشتكى وجع بطنك أبدا .
ولم يأمر واحدا منهم بغسل فم، ولا نهاه عن عوده) انتهى ملخّصا.
الفرق إنما هو قوله ويل لك ..الخ .انتهى زرقانى على المواهب .
(وقد روى نحو من هذا) المذكور فى شرب دمه صلى الله عليه وسلّم (عنه صلى الله عليه وسلّم فى امرأة شربت بوله) ، واسم هذه المرأة بركة فقيل :هى بنت يسار مولاة أبى سفيان بن حرب بن أمية ، كانت تخدم أمّ حبيبة؛ وتخدم النبى صلى الله عليه وسلّم، وقيل :هى بركة المعروفة ب أمّ أيمن الحبشية مولاته وحاضنته ومرضعته، ورثها من أبيه؛ ثم أعتقها لمّا تزوّج خديجة؛ فتزوّجها عبيد بن زيد بن الحارث، فولدت له أيمن، وبه كنّيت، ثم تزوّجها بعد النبوة زيد بن حارثة؛ فولدت له أسامة حبّه صلى الله عليه وسلّم، وإلى هذا القول ذهب ابن عبد البرّ وغيره؛ قاله فى شرح الشفاء .
(فقال لها :لن تشتكى وجع بطنك أبدا) وفى رواية :لن تلج النّار بطنك والحديث صحيح رواه الحاكم؛ وأقرّه الذهبى، ورواه الدارقطنى، وألزم البخارىّ ومسلما إخراجه فى الصحيح ؛ قاله فى الشفاء .
وفى رواية بعدها زيادة :(ولم يأمر واحدا منهم) أى :أحدا ممن شرب دمه وبوله (بغسل فم) !! ولو كان نجسا لأمر به، (ولا نهاه) ؛ أى :الأحد (عن عوده) ؛ أى :عن عود شرب بوله، ولو كان نجسا لنهاه عن عوده، ولحرم تناوله ووجب تطهير محلّه، ولم يقرّ النبىّ صلى الله عليه وسلّم على مثله، وكونه للتداوى والعلاج !!خلاف الظاهر .والضمير فى نهاه وكذا الضمير فى عوده كلاهما للواحد.
وفى نسخة صحيحة من الشفاء :عودة بالتاء المربوطة ك دولة ، فكأنه رواية .والله أعلم .
(انتهى) كلام الشفاء للقاضى عياض (ملخّصا) بتشديد الخاء المعجمة المفتوحة؛ على صيغة اسم المفعول -أى :مؤتى من ألفاظه بما هو المقصود(منتهى السؤل على وسائل الوصول إلى شمائل الرسول صلى الله عليه وآله وسلم،لعبد الله بن سعيد الحضرمىّ ،ج۳،ص ۱۳۳ الیٰ ۱۳۸ ، الباب السابع، الفصل الأوّل فى أخبار شتّى من أحواله صلّى الله عليه وسلّم)

؎۱ باب طهارة دمه وبوله –صلى الله عليه وسلم–
قال أبو يعلى :حدثنا موسى بن محمد بن حيان، ثنا موسى بن إسماعيل، ثنا هنيد بن القاسم قال: سمعت عامر بن عبد الله بن الزبير يحدث أن أباه رضى الله عنه حدثه، أنه أتى النبى –صلى الله عليه وسلم– وهو يحتجم .فلما فرغ قال: يا عبد الله، اذهب بهذا الدم فادفنه حيث لا يراك أحد، فلما برز عن رسول الله –صلى الله عليه وسلم– عمد إلى الدم فشربه، فلما رجع قال –صلى الله عليه وسلم–: يا عبد الله ما صنعت؟ قال: جعلته فى أخفى مكان علمت أنه يخفى عن الناس .قال –صلى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر افسوس کہ اس سلسلہ میں آج کل کافی زیادہ افراط وتفریط کے مناظر سامنے آتے ہیں، اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الله عليه وسلم-: لعلك شربته؟ قال: نعم .قال -صلى الله عليه وسلم-: ولم شربت الدم، ويل للناس منك وويل لك من الناس.

قال أبو سلمة :فحدثت به أبا عاصم فقال: كانوا يرون أن القوة التى به رضى الله عنه من ذلك الدم.وقال البزار :حدثنا محمد بن المثنى، ثنا موسى بن إسماعيل به.

درجته:

الطريق الأول: ضعيف لضعف موسى بن محمد، وجهالة هنيد بن القاسم.

الطريق الثاني: ضعيف لجهالة هنيد بن القاسم .وقد ذكره البوصيرى فى الإتحاف (/3ق 35ب) وقال: رواه أبو يعلى والبزار بإسناد حسن .اهـ .وقال الهيثمى فى المجمع (273 /8)، باب من الخصائص: رواه أبو يعلى، والبزار باختصار، ورجال البزار رجال الصحيح غير هنيد بن القاسم، وهو ثقة .اهـ .وهو تساهل .

وقال أبو يعلى :حدثنا إبراهيم بن محمد بن عرعرة، ثنا ابن أبى فديك.

وقال البزار :حدثنا إسحاق بن حاتم، ثنا محمد بن إسماعيل -هو ابن أبى فديك- حدثنى بريه بن عمر بن سفينة، حدثنى أبى عن جدى سفينة رضى الله عنه قال: إن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- احتجم، ثم قال لى: خذ هذا الدم وادفنه من الدواب والناس، فذهبت فبغيت له ثم جئت. فقال -صلى الله عليه وسلم-:" ما صنعت؟ "قلت: شربته .فتبسم -صلى الله عليه وسلم- .

درجته:

الحديث ضعيف بالإسنادين: أما إسناد أبى يعلى فلضعف بريه.

وأما إسناد البزار فلضعف إسحاق بن حاتم، وبريه.

قال البوصيرى فى الإتحاف (/3ق 36أ)، رواه أبو يعلى والبزار بسند ضعيف لجهالة بعض رواته. اهـ.وقال الهيثمى فى المجمع (273 /8)، رواه الطبرانى والبزار باختصار الضحك.

ورجال الطبرانى ثقات .

تخريجه:

الحديث مروى عن عبد الله بن الزبير، وسفينة، وعن غلام لبعض قريش، وعن أبى هند.

1- حديث عبد الله بن الزبير: أخرجه أبو يعلى والبزار كما سبق من طريق موسى بن إسماعيل . وأخرجه ابن أبى عاصم فى الآحاد والمثانى (578 :414 /1)،عن محمد بن المثنى، عن موسى به بنحوه.

كما أخرجه القرطبى فى تفسيره (103 /2)، تفسير قوله تعالى: (وإذ ابتلى إبراهيم ربه)" عنه به." وأبو نعيم فى الحلية (330 /1)، مناقب عبد الله، عن سليمان بن أحمد، عن دران بن سفيان البصرى.

ولم أقف عليه عند الطبرانى كما عزاه إليه فى المجمع إذ مسند عبد الله ليس فى المطبوع.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأخرجه الحاكم فى المستدرك (3/ 554)، معرفة الصحابة، باب ذكر عبد الله بن الزبير، من طريق السرى بن خزيمة.

والبيهقى فى السنن، كتاب النكاح، باب تركه –صلى الله عليه وسلم– الإنكار على من شرب بوله ودمه (7/ 67)، من طريق محمد بن غالب.

وابن عساكر فى تاريخه، ترجمة عبد الله (9/ 242)، من ثلاث طرق.

كلهم عن موسى به بنحوه.

وهو ضعيف كما تقدم، من أصل موسى وهنيد.

لكن له شواهد، عن أسماء، وعن سلمان رضى الله عنهما.

أما المروى عن أسماء، فلفظه:" أن النبى –صلى الله عليه وسلم– احتجم، فدفع دمه إلى ابنى فشربه .فأتاه جبرئيل عليه السلام فأخبره فقال: ما صنعت؟ قال: كرهت أن أصب دمك .فقال النبى –صلى الله عليه وسلم–: " لا تمسك النار، ومسح على رأسه"، وقال:" ويل للناس منك. وويل لك من الناس ."قالت ذلك للحجاج.

أخرجه الدارقطنى فى السنن (1/ 228)، كتاب الطهارة، باب بيان الموضع الذى تجوز فيه الصلاة. عن عبد الله بن محمد بن عبد العزيز، عن محمد بن حميد، عن على بن مجاهد، عن رباح، عن أسماء.

وفيه على بن مجاهد: متروك .انظر: التقريب .(2/ 43: 403)

ومن طريقه أخرجه ابن عساكر فى تاريخ دمشق (9/ 242)، ترجمة عبد الله.

وأما المروى عن سلمان فلفظه أنه دخل على النبى –صلى الله عليه وسلم– فإذا عبد الله بن الزبير معه طشت يشرب ما فيه، فقال له رسول الله –صلى الله عليه وسلم–: ما شأنك يا ابن أخى؟ قال: إنى أحببت أن يكون من دم رسول الله –صلى الله عليه وسلم– فى جوفى .فقال: ويل لك من الناس وويل للناس منك .لا تمسك النار إلا قسم اليمين.

أخرجه أبو نعيم فى الحلية (1/ 330)، ترجمة عبد الله عن محمد بن على بن حبيش، عن أحمد بن حماد بن سفيان، عن محمد بن موسى الحرشى، عن سعد أبى عاصم مولى سليمان بن على، عن كيسان مولى عبد الله بن الزبير، عن سلمان باللفظ المتقدم.

وسعد أبو عاصم: ضعيف .انظر: اللسان .(3/ 21)وكيسان لم أجد له ترجمة.

وأخرجه ابن عساكر فى تاريخه (9/ 242)، من طريق عبد الرحمن بن المبارك، عن سعد به بنحوه.

وذكر الحافظ فى التلخيص (1/ 42)، أن الحديث فى جزء الغطريف، عن أبى خليفة، عن عبد الرحمن بن المبارك، عن سعد به بنحوه.

وهذا الشاهد يشهد للمروى عن عبد الله .ويرتقى به إلى درجة الحسن لغيره.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہوگی، وہ بھی ایسے مسائل میں غور وخوض اور بحث ومباحثہ میں پیش پیش نظر آتے ہیں، جن

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

2– المروی عن سفینة.
أخرجه أبو یعلی، والبزار کما سبق من طریق ابن أبی فدیک.
وأخرجه البخاری فی التاریخ الکبیر (209 /4)، ترجمة سفینة، عن عبد العزیز.
وابن عدی فی الکامل (64 /2)، ترجمة بریة .من طریق شریح بن یونس.
والبیهقی فی السنن (67 /7)، کتاب النکاح، من طریقه .
وأخرجه ابن عدی فی (53 /5)، ترجمة عمر بن سفینة .من طریق الحسین بن عیسی والبیهقی فی الشعب، باب فی الملابس والأوانی، فصل فی دفنه الشعر والظفر والدم (1489 :233 /5)، من طریق محمد بن عمر بن الولید.أربعتهم عن ابن أبی فدیک به بنحوه.
وأخرجه ابن حبان فی المجروحین (111 /1)، ترجمة إبراهیم بن عمر .من طریق إبراهیم بن عبد الرحمن بن مهدی، عن إبراهیم بن عمر بن سفینة به بنحوه.
ویبقی فیه إبراهیم هذا ضعیف.
3– المروی عن غلام لبعض قریش .لفظه عن ابن عباس: حجم رسول الله –صلی الله علیه وسلم– غلام لبعض قریش، فلما فرغ من حجامته أخذ الدم فذهب به إلی ما وراء الحائط، فنظر یمینا وشمالا، فلما لم یر أحدا تحسی دمه حتی فرغ، ثم أقبل، فنظر رسول الله –صلی الله علیه وسلم– فی وجهه فقال: ویحک ما صنعت بالدم؟ قال: غیبته من وراء الحائط .قال: این غیبته؟ قال: یا رسول الله –صلی الله علیه وسلم– نفست علی دمک أن أهرقه فی الأرض، فهو فی بطنی. قال: اذهب فقد أحرزت نفسک من النار."
أخرجه ابن حبان فی المجروحین (59 /3)، ترجمة نافع أبی هرمز: عن أیوب السختیانی، عن شیبان، عن نافع أبی هرمز، عن عطاء، عن ابن عباس باللفظ المتقدم.
ونافع هذا ضعیف کما فی اللسان .(174 /6)
4– المروی عن أبی هند الحجام، واسمه سالم .نحو الحدیث السابق.
ذکره الحافظ فی التلخیص (41 /1)، وعزاه لأبی نعیم فی معرفة الصحابة، وقال: فیه أبو الحجاف. وفیه مقال .اهـ .وهو عند أبی نعیم فی معرفة الصحابة (/3ق 1293)، لکن لیس فیه أبو الحجاف هذا .وقد نقل فی التلخیص (42 /1)، عن ابن الصلاح فی مشکل الوسیط قوله: لم نجد لهذا الحدیث أصلا بالکلیة .قال: وهو متعقب .اهـ .
وقال أبو یعلی :حدثنا محمد ابن أبی بکر، ثنا سلم بن قتیبة، عن الحسن بن حرب، عن یعلی بن عطاء، عن الولید بن عبد الرحمن، عن أم أیمن رضی الله عنها: قالت: کان لرسول الله –صلی الله علیه وسلم– فخارة یبول فیها .فکان –صلی الله علیه وسلم– إذا أصبح یقول: یا أم أیمن .صبی ما فی الفخارة .فقمت لیلة وأنا عطشی فشربت ما فیها فقال النبی –صلی الله علیه وسلم–: یا أم أیمن: صبی ما فی الفخارة .فقلت: یا رسول الله .قمت وأنا عطشی فشربت ما فیها .قال –صلی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کے متعلق عنداللہ باز پرس نہ ہوگی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الله عليه وسلم-: إنک لن تشتكى بطنک بعد يومک هذا أبدا .

درجته:

فيه الحسن بن حرب لم أستطع معرفته .وبقية رجاله ثقات .وقد أورده البوصيرى فى الإتحاف (3/ ق 36أ)، وسكت عليه .وأورده الهيثمى فى المجمع (284 /8)، وقال: رواه الطبرانى. وفيه أبو مالک النخعى، وهو ضعيف .اهـ .وهو ليس فى سند أبى يعلى .

تخريجه:

الحديث مروى عن أم أيمن بإسنادين:الأول: تقدم عند أبى يعلى .وقد ذكر الحافظ الإصابة (4/ 433)، ترجمة أم أيمن أن ابن السكن أخرجه من طريق ابن حسين، عن نافع بن عطاء، عن الوليد بن عبد الرحمن.والثانى: أخرجه الطبرانى فى الكبير (230 :89 /25)، من طريق أبى مالک، عن الأسود بن قيس، عن نبيح العنزى، عن أم أيمن بنحوه.وأبو مالک النخعى: متروک .انظر: التقريب .(11 :468 /2) وعن الطبرانى أخرجه أبو نعيم فى الدلائل .(365 :444 /2)كما أخرجه فى الحلية (67 /2)، ترجمة أم أيمن، من طريق شبابة .وكذا الحاكم فى المستدرک (4/ 63)، فضائل الصحابة، ذكر أم أيمن، من طريقه.قال الحافظ فى التلخيص (43 /1)، وأبو مالک ضعيف، ونبيح لم يلحق أم أيمن .اهـ.وله شاهد من حديث أميمة بنت رقيقة .بنحوه .ولفظه:" إن النبى -صلى الله عليه وسلم- كان يبول فى قدح من عيدان، ثم يوضع تحت سريره، فجاء فإذا القدح ليس فيه شىء، فقال لامرأة يقال لها بركة، كانت تخدم أم حبيبة جائت معها من أرض الحبشة: أين البول الذى كان فى القدح؟ قالت: شربته، قال: صحة يا أم يوسف، وكانت تكنى أم يوسف .فما مرضت قط حتى كان مرضها الذى ماتت فيه."أخرجه أبو داود فى السنن، كتاب الطهارة، باب فى الرجل يبول بالليل فى الإناء ثم يضعه عنده(4 :28 /1).، عن محمد بن عيسى، عن حجاج، عن ابن جريج، عن حكيمة، عن أمها أميمة .فذكر جزأه الأول.

ورجاله كلهم ثقات إلا حكيمة فقد قال عنها فى التقريب (11 :595 /2)، لا تعرف.

ومن طريق أبى داود أخرجه البغوى فى شرح السنة، كتاب الطهارة، باب البول فى الإناء (:388/1 194) .به بنحوه .كما أخرجه الطبرانى فى الكبير (477 :189 /24)، عن أحمد بن زياد الحذاء الرقى .والنسائى فى السنن "كتاب الطهارة، باب البول فى الإناء (31 /1)، عن أيوب بن محمد الوزان.وابن حبان فى صحيحه الإحسان، باب الاستطابة، ذكر الزجر عن أن يبول المرء وهو قائم (1423 :348 /2)، عن أبى حاتم، عن أحمد بن الحسن بن عبد الجبار الصوفى، عن يحيى بن معين.وابن عبد البر فى الاستيعاب (251 /4)، ترجمة أم أيمن .من طريق أحمد بن الحسن بن عبد الجبار به.والبيهقى فى السنن (67 /7)، كتاب النكاح، باب تركه الإنكار على من شرب بوله ودمه،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امداد الفتاویٰ میں اس کے متعلق ایک سوال وجواب درجِ ذیل ہے:

سوال: ایک واعظ صاحب یہاں تشریف لائے تھے، انہوں نے حسبِ ذیل روایات بیان کیں، جن کے متعلق یہاں اکثر اصحاب اختلاف کرتے ہیں۔ حضور براہِ کرم برائے اطمینانِ اہلِ اسلام، ان روایات کے متعلق تحریر فرماویں کہ وہ صحیح ہیں، یا غلط، اور اگر تکلیف نہ ہو، تو کسی کتاب کا حوالہ بھی تحریر فرماویں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

من طريقه أيضا .والحاكم في المستدرك، كتاب الطهارة (167 /1)، عن أبي بكر إسماعيل بن محمد، عن محمد بن الفرح الأزرق .وقال: هذا حديث صحيح الإسناد، وسنة غريبة، وأميمة بنت رقيقة صحابية مشهورة مخرج حديثها في الوحدان للأئمة ولم يخرجاه .ووافقه الذهبي.

أربعتهم عن حجاج به بنحوه .وفيه ما تقدم من جهالة حكيمة.

وقد ذهب بعض الأئمة إلى تصحيحه، لما روى النسائي عن عائشة رضي الله عنها في كتاب الطهارة، باب البول في الطست (32 /1)، عن عمرو بن علي، عن أزهر، عن ابن عون، عن إبراهيم، عن الأسود، عن عائشة رضي الله عنها قالت: يقولون إن النبي –صلى الله عليه وسلم– أوصى إلى علي .لقد دعا بالطست ليبول فيها فانخنثت نفسه وما أشعر، فإلى من أوصى؟ ."

فقالوا: هذا شاهد صحيح يرقى حديث الباب إلى الصحة.

ذهب إلى ذلك القاضي عياض في الشفا (90 /1)، وذكر أن الدارقطني ألزم مسلما والبخاري إخراجه في الصحيح .اهـ .أي حديث أم أيمن .دون تعرض لغيره.

لكن كما هو واضح فحديث عائشة لا يشهد إلا للشطر الأول من حديث أميمة .وهو أنه –صلى الله عليه وسلم– كان يبول في الإناء.

قال المناوي في فيض القدير (6858 :177 /5)، بعد أن صححه تبعا للسيوطي: قال عبد الحق عن الدارقطني: هذا الحديث ملحق بالصحيح، جار مجرى مصححات الشيخين .وتعقبه ابن القطان بأن الدارقطني لم يقض فيه بصحة ولا ضعف .والخبر متوقف الصحة على العلم بحال الرواية فإن ثبت ثقتها صحت روايتها . وهي لم تثبت .اهـ .قال: وفي اقتفاء السنن: هذا الحديث لم يضعفوه، وهو ضعيف.ففيه حكيمه وفيها جهالة، فإنه لم يرو عنها إلا ابن جريج، ولم يذكرها إلا ابن حبان في الثقات .اهـ .قال: ونوزع مما فيه طول .والتوسط ما جزم به النووي من أنه حسن .اهـ .وعلى كل فبانضمام طريق أميمة إلى طريق أم أيمن يكون الحديث في درجة الحسن لغيره .ولكن بعد الجزم يكون بركة في الحديثين واحدة، إذ نقل الحافظ في الإصابة (250 /4)، ترجمة بركة وفي (/4 432)، ترجمة أم أيمن عن ابن السكن الجزم بان القصتين مختلفتان، وأن بركة أم أيمن غير بركة أم يوسف، ولم يجزم الحافظ بشيء .ونقل في التلخيص الحبير (43 /1)، عن ابن دحية تصحيح ذلك، وأيده .وهو الظاهر .والله أعلم (حاشية المطالب العالية محققا، ج١٥، ص ٥٧٥ الى ٥٨٣، رقم الحديث ٣٨٢١ الیٰ ٣٨٢٣، كتاب المناقب، باب طهارة دمه وبوله ﷺ)

روایات

نمبر(1): انبیاء علیہم السلام کا بول وبراز پاک ہوتا ہے اور خصوصاً ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات بالکل پاک تھے، کیونکہ آپ سراپا نور تھے۔

نمبر(2): انبیاء علیہم السلام کے بول وبراز کو زمین فوراً ہضم کر جاتی ہے۔

جواب: خواہ مخواہ، انہوں نے ایسی باتیں بیان کر کے مسلمانوں کو پریشان کیا، جو نہ عقائدِ ضروریہ میں سے ہیں، نہ احکام میں سے۔

بیان کرنے کی چیز عقائد واحکام ہیں، نہ کہ ایسی روایات جن پر دوسری اقوام بھی ہنسیں، ایسی روایات بعض غیر معتبر کتابوں میں آئی ہیں، جن کی نہ تصدیق واجب ہے، کیونکہ سند صحیح نہیں، اور نہ تکذیب واجب ہے، اس لئے کہ فی نفسہٖ ممکن ہیں؛ اس لئے ایسے اُمور میں مشغول ہی نہ ہونا چاہئے، نہ تصدیقاً نہ تکذیباً، اور ایسے واعظوں کا وعظ ہی کیوں سنا جاتا ہے، اور اُن سے مطالبہ سند کا کیوں نہ کیا گیا؟ اسی جلسہ میں حقیقت کھل جاتی۔

۸ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ (النور رمضان ۱۳۵۰ھ صفحہ ۱۰)

اس کے بعد اس کے متعلق دوسرا خط آیا، جو ذیل میں منقول ہے:

السوال: جناب ماسٹر محمد شریف خان صاحب نے حال میں ایک استفتاء، خدمتِ عالی میں پیش کیا تھا، جو ہمرشتہ عریضہ ھذا ہے، جواب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ روایاتِ مذکورہ ضعیف ہیں، اور ان کی کوئی سند نہیں، حسبِ اتفاق ایک صاحب کو (آپ کی تالیف) نشرُ الطیب میں انہیں روایات کو دیکھنے کا اتفاق پیش آ گیا، انہوں نے نشرُ الطیب کے صفحات 135 و 136 مجھ کو دکھلائے.

اب وہ فتویٰ اور یہ تحریر متضاد معلوم ہوتی ہیں۔ نشرُ الطیب میں روایت بقول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کی گئی ہے، جواب جلد عنایت فرمایئے،

تا کہ تسکین ہو۔

۲۲ اگست، ۱۹۳۱ عیسوی

الجواب: ضعیف بلاسند نہیں ہوتی، بلکہ بسندِ ضعیف ہوتی ہے، جو عقائد میں حجت نہیں، فضائل میں کھپ جاتی ہے۔

میں نے تحریرِ سابق میں یہی لکھا ہے کہ سند صحیح نہیں۔

تو دونوں تحریروں میں تضاد نہیں، کیونکہ ضعیف کی نفی نہیں کی، اور اس ضُعفِ سند ہی سے ایسی کتابوں کو غیر معتبر بتلایا تھا، کیونکہ معتبر ''صحیح'' کو کہتے ہیں، ''ضعیف'' کو نہیں کہتے، باقی یہ کہ پھر کتاب میں کیوں لکھا؟

سو، کتاب تو فضائل میں ہے، عقائد واحکام میں نہیں۔

اگر شاذ ونادر ایسی بھی کوئی روایت لکھی جائے، کھپت ہو جاتی ہے، بخلاف وعظ کے کہ وہ عقائد واحکام کی تعلیم کے لئے ہوتا ہے، اس میں ایسے مضامین نہیں کھپتے۔ دوسرے وعظ سننے والے اکثر کم فہم ہوتے ہیں، اور کتاب پڑھنے والے اکثر فہیم۔

۸ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ

اضافہ: بعد تحریرِ جواب ھٰذا ''شرح الشفا لملا علی القاری'' میں یہ بحث نظر سے گزری۔ انہوں نے فصل، نظافتِ جسمِ نبوی میں اس پر بہت مبسوط لکھا ہے۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ بعض روایات کا تو ثبوت مقدوح ہے، اور بعض کی دلالت، اور بعض روایات میں شاربین کا یہ قول مذکور ہے۔

'' شربته وانالااعلم'' یا ''لااشعر'' [1]

---

[1] وقال الشیخ تقی الدین بن الصلاح فی کلامه علی الوسیط – عند قول حجة الإسلام فیه: روی أن (أم) أیمن شربت بول النبی – صلی الله علیه وسلم – ولم ینکر علیها، وقال: إذا لا تلج النار بطنک : هذا حدیث ورد متلونا ألوانا، ولم یخرج فی الکتب (الأصول) ، فروی بإسناد جید، عن حکیمة بنت أمیمة بنت (رقیقة) أن النبی –

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے متعلق نہی فرمانا مذکور ہے، اوروہ یہ ہے:

روی ابن عبدالبر ان سالم بن ابی الحجاج حجمه صلی الله علیه وسلم ثم ازدردای ابتلع فقال اماعلمت ان الدم کله حرام وفی روایة لاتعد فان الدم کله حرام۔ ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

صلى الله عليه وسلم – كان يبول فى قدح من عيدان، ويوضع تحت السرير، فبال فيه ليلة، فوضع تحت السرير، فجاء فإذا القدح ليس (فيه شيء) ، فقال لامرأة يقال لها بركة كانت تخدمه، لأم حبيبة، جائت معها من أرض الحبشة: البول الذى كان فى القدح، ما فعل؟ قالت: شربته يا رسول الله .زاد بعضهم، فقالت: قمت وأنا عطشانة فشربته، وأنا لا أعلم .وفى رواية لأبى عبد الله بن منده الحافظ: لقد احتظرت من النار بحظار فهذا القدر منه اتفقت عليه الروايات، وأما ما اضطربت فيه منه، فالاضطراب مانع من تصحيحه.

قلت: وأمر آخر، وهو: جهالة حكيمة بنت أميمة، فإنه لا يعرف لها حال (البدرالمنير، ج ا، ص ۴۸۴، و ۴۸۵، كتاب الطهارة، باب بيان النجاسات، الحديث التاسع)

؎ ووقع فى الرافعى :أن النبى -صلى الله عليه وسلم -قال لأبى طيبة بعدما شرب الدم :لا تعد، الدم كله حرام ولم أر من روى ذلك فى حديثه.

قلت :وأبو طيبة اسمه :نافع، وقيل :ميسرة، وقيل :دينار .كان عبدا لبنى بياضة، صح أنه حجمه، وكلم أهله أن يخففوا عنه من خراجه، كما سيأتى فى آخر باب الأطعمة -حيث ذكره المصنف -إن شاء الله تعالى.

نعم ورد (هذا) فى حق أبى هند، سالم بن أبى الحجاج الصحابى، قيل :اسمه سنان، قال أبو نعيم فى معرفة الصحابة :ثنا محمد، (ثنا) موسى بن عبد الرحمن الهمذانى، ثنا محمد بن المغيرة، ثنا القاسم بن (الحكم) العرنى، عن يوسف بن صهيب، ثنا أبو الجحاف، عن سالم، قال :حجمت رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فلما وليت المحجمة عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -شربته، فقلت :يا رسول الله -صلى الله عليه وسلم -شربته) ، فقال :ويحک يا سالم، أما علمت أن الدم حرام؟ !لا تعد قال أبو نعيم :ورواه سعيد بن واقد، والخضر بن محمد بن شجاع، عن عفيف بن سالم، عن يوسف بن صهيب.

قلت :وأبو الجحاف هذا هو :داود بن أبى عوف، فيه خلاف، وثقه يحيى .وقال أحمد: حديثه مقارب .وقال الأزدى :زائغ ضعيف (البدرالمنير، ج ا، ص ۴۷۶، كتاب الطهارة، باب بيان النجاسات،الحديث الثامن)

پس مسئلہ بالکل منقح ہوگیا کہ طہارت کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔

۸ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ (النور ۱۳۵۰ھ، ص ۷)

(امداد الفتاوی، ج ۱، ص ۸۰ تا ۸۲، کتاب الطہارات، نجاست کے احکام اور پاکی کا طریقہ، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم، کراچی)

کفایت المفتی میں فضلات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ میں ہے:

''طہارت کے بہت سے علمائے شافعیہ وحنفیہ قائل ہیں، یہ مسئلہ قیاس کی حدود سے باہر ہے، اوراس میں کلام کرنا مفید نہیں، جولوگ کہ طہارتِ فضلات کے قائل نہیں، وہ عموماتِ شرعیہ سے استدلال کرتے ہیں، اور جو قائل ہیں، وہ تخصیص کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ ولکل وجهة هو موليها (کفایت المفتی، ج ۱ ص ۱۱۴، کتاب العقائد، دوسرا باب، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی، سنِ طباعت: جولائی 2001ء)

مذکورہ فتاویٰ سے مندرجہ ذیل اہم باتیں معلوم ہوئیں:

(1)...... فضلاتُ النبی کے پاک یا ناپاک ہونے کا تعلق ایمانیات وعقائدِ ضروریہ میں سے نہیں۔

(2)...... اس مسئلہ میں اہلِ علم حضرات کا اختلاف ہے۔

(3)...... دونوں طرف شرعی وفقہی دلائل ہیں، کیونکہ مسئلہ اجتہادی ہے۔

(4)...... ایسی باتوں کو عوام میں بیان کر کے تشویش پیدا کرنا درست نہیں۔

(5)...... فضلاتُ النبی کے پاک ہونے کا حکم مستند ومضبوط احادیث سے ثابت نہیں، لہٰذا فضلاتُ النبی کے پاک ہونے سے اختلاف کرنے والے پر نکیر کرنا اور اس کو گمراہ قرار دینا درست نہیں، جس طرح اس کے برعکس طرزِ عمل درست نہیں۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ

(فصل نمبر 5)

ملبوساتِ مبارکہ

انبیاء وصلحاء کے جسم مبارک سے مَس شدہ لباس بھی باعثِ برکت ہوتے ہیں، اوران سے برکت حاصل کرنا بھی ثابت وجائز ہے، جس کی کچھ تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

قمیصِ یوسف کی برکت سے بینائی کا حصول

سورہ یوسف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَأَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ أَبِيْ يَأْتِ بَصِيْرًا وَأْتُوْنِيْ بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِيْنَ .وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ أَبُوْهُمْ إِنِّيْ لَأَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُوْنِ.قَالُوْا تَاللّٰهِ إِنَّكَ لَفِيْ ضَلَالِكَ الْقَدِيْمِ.فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيْرُ أَلْقَاهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ إِنِّيْ أَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (سورة يوسف، رقم الآيات ۹۳ الىٰ ۹۶)

ترجمہ: (حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ) لے جاؤ میری یہ قمیص، پھر ڈال دو میرے والد کے چہرہ پر، ان کی بینائی لوٹ آئے گی، اور لے آؤ تم میرے پاس اپنے سب گھر والوں کو پھر جب (حضرت یوسف کے پاس سے) قافلہ روانہ ہوا تو کہا ان کے باپ (حضرت یعقوب) نے کہ بے شک پاتا ہوں میں یوسف کی خوشبو، اگر تم مجھے دیوانہ نہ سمجھو، لوگوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! بے شک تو یقیناً پرانی بھول بھلیوں میں مبتلا ہے۔ پھر جب خوشخبری دینے والا آیا تو اس نے وہ

کرتہ اس (یعقوب) کے منہ پر ڈال دیا، جس سے ان کی دونوں آنکھوں کی بینائی لوٹ آئی، انہوں نے کہا کہ میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے (سورہ یوسف)

حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی قمیص کے چہرہ پر ڈالنے سے بصارت کا واپس آ جانا اس بات کی علامت ہے کہ انبیاء وصلحاء کے آثار باعثِ برکت ہوتے ہیں۔

آلِ موسیٰ وآلِ ہارون کی باقیات کی برکت

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ، إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ (سورة البقرة، رقم الآية ۲۴۸)

ترجمہ: اور کہا ان (بنی اسرائیل) کو ان کے نبی نے کہ بے شک اس کی حکومت کی نشانی یہ ہے کہ آئے گا تمہارے پاس صندوق، جس میں ہوگا سکون تمہارے رب کی طرف سے، اور بقیہ ان چیزوں کا جو چھوڑا موسیٰ کی آل نے اور ہارون کی آل نے، اٹھائیں گے اس کو فرشتے، بے شک اس میں نشانی ہے تمہارے لیے اگر ہو تم مومن (سورہ بقرہ)

حضرت طالوت کی حکومت و بادشاہت کی نشانی میں آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کے باقیات کا ذکر کیا گیا ہے، جس میں ان کے ملبوسات بھی تھے، جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء وصلحاء کے مستعمَل لباس باعثِ خیر و برکت ہوتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کفن کے لیے قمیصِ مبارک دینا

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أُبَيٍّ لَمَّا تُوُفِّيَ، جَاءَ ابْنُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَعْطِنِيْ قَمِيْصَكَ أُكَفِّنْهُ فِيْهِ، وَصَلِّ عَلَيْهِ، وَاسْتَغْفِرْ لَهُ، فَأَعْطَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَمِيْصَهُ (صحيح البخاری) [1]

ترجمہ: عبداللہ ابن ابی جب مرا، تو اس کا بیٹا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اپنا کرتہ عنایت کیجئے کہ میں اس میں اس (یعنی عبداللہ بن ابی) کا کفن بناؤں، اور آپ اس پر نماز پڑھیں اور اس کے لئے مغفرت کی دعاء کریں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنا کرتہ عنایت کیا (بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتہ مبارک اس لیے حاصل کیا گیا، تاکہ برکت کے طور پر وہ کفن کے ساتھ استعمال کیا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کے استعمالی ملبوسات اور ان پر قیاس کرتے ہوئے صلحاء وعلماء کے ملبوسات باعثِ برکت ہوتے ہیں، لیکن یہ بات مسلّم ہے کہ بغیر ایمان کے صرف انبیاء وصلحاء کے تبرکات انسان کی نجات کے لیے کافی نہیں ہیں۔ [2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک کا، کفن کے لیے حاصل کرنا

حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبُرْدَةٍ، فَقَالَ سَهْلٌ لِلْقَوْمِ: أَتَدْرُوْنَ مَا الْبُرْدَةُ؟ فَقَالَ الْقَوْمُ: هِيَ الشَّمْلَةُ، فَقَالَ سَهْلٌ:

---

[1] رقم الحديث ١٢٦٩، كتاب الجنائز، باب الكفن في القميص الذي يكف أو لا يكف، ومن كفن بغير قميص.

[2] فكأنه يقول يؤخذ من هذا التبرك بآثار الصالحين سواء علمنا أنه مؤثر في حال الميت أو لا (فتح الباري شرح صحيح البخاري، للعسقلاني، ج٣، ص ١٣٩، قوله باب الكفن في القميص الذي يكف أو لا يكف)

هِيَ شَمْلَةٌ مَنْسُوجَةٌ فِيهَا حَاشِيَتُهَا، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَكْسُوكَ هٰذِهِ، فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْتَاجًا إِلَيْهَا فَلَبِسَهَا، فَرَآهَا عَلَيْهِ رَجُلٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَا أَحْسَنَ هٰذِهِ، فَاكْسُنِيهَا، فَقَالَ: نَعَمْ فَلَمَّا قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَامَهُ أَصْحَابُهُ، قَالُوا: مَا أَحْسَنْتَ حِينَ رَأَيْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَهَا مُحْتَاجًا إِلَيْهَا، ثُمَّ سَأَلْتَهُ إِيَّاهَا، وَقَدْ عَرَفْتَ أَنَّهُ لَا يُسْأَلُ شَيْئًا فَيَمْنَعَهُ، فَقَالَ: رَجَوْتُ بَرَكَتَهَا حِينَ لَبِسَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَعَلِّي أُكَفَّنُ فِيهَا (صحيح البخاری) [1]

ترجمہ: ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بردہ لے کر آئی، حضرت سہل نے لوگوں سے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ بردہ کیا چیز ہے؟ لوگوں نے کہا کہ شملہ (یعنی چادر) حضرت سہل نے فرمایا کہ جی ہاں، وہ ایسی چادر تھی، جو بُنی ہوئی تھی اور اس میں حاشیہ تھا، پھر اس عورت نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے اسے آپ کے پہننے کے لیے بنایا ہے، تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لیا، اور آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی، پھر آپ نے اس کو پہن لیا، پھر صحابۂ کرام میں سے ایک آدمی نے اس چادر کو دیکھا، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ چادر بہت اچھی ہے، آپ مجھے اسے پہننے کے لیے دے دیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چادر اس کو دے دی، پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، تو لوگوں نے اس آدمی کو ملامت کی کہ تم نے یہ اچھا نہیں کیا، جبکہ تمہیں یہ بھی معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ضرورت ہے، پھر بھی تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو مانگ لیا، اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو چیز بھی مانگی

---

[1] رقم الحديث ٦٠٣٦، كتاب الادب، باب حسن الخلق والسخاء، وما يكره من البخل.

جاتی ہے، تو آپ اس کو منع نہیں فرماتے، تو اس آدمی نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کو پہننے کی وجہ سے برکت کی بناء پر لیا ہے، شاید کہ یہ میرے کفن کے کام آجائے (بخاری)

اور حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ:

أَنَّ امْرَأَةً جَائَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبُرْدَةٍ مَنْسُوجَةٍ، فِيهَا حَاشِيَتُهَا، أَتَدْرُونَ مَا الْبُرْدَةُ؟ قَالُوا: اَلشَّمْلَةُ، قَالَ: نَعَمْ، قَالَتْ: نَسَجْتُهَا بِيَدِيْ فَجِئْتُ لِأَكْسُوَكَهَا، فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْتَاجًا إِلَيْهَا، فَخَرَجَ إِلَيْنَا وَإِنَّهَا إِزَارُهُ، فَحَسَّنَهَا فُلَانٌ، فَقَالَ: اُكْسُنِيْهَا، مَا أَحْسَنَهَا، قَالَ الْقَوْمُ: مَا أَحْسَنْتَ، لَبِسَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْتَاجًا إِلَيْهَا، ثُمَّ سَأَلْتَهُ، وَعَلِمْتَ أَنَّهُ لَا يَرُدُّ، قَالَ: إِنِّيْ وَاللّٰهِ، مَا سَأَلْتُهُ لِأَلْبَسَهُ، إِنَّمَا سَأَلْتُهُ لِتَكُوْنَ كَفَنِيْ، قَالَ سَهْلٌ: فَكَانَتْ كَفَنَهُ (صحيح البخاري) [1]

ترجمہ: ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بردہ لے کر آئی جو بُنا ہوا تھا اور اس میں حاشیہ تھا تم جانتے ہو کہ بردہ کیا چیز ہے؟ لوگوں نے کہا کہ شملہ (چادر) حضرت سہل نے فرمایا کہ جی ہاں! پھر اس عورت نے کہا کہ میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے بُنا ہے اور میں اسے اس لئے لائی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہنیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لے لیا اور آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی پھر آپ ہمارے پاس تشریف لائے اس حال میں کہ اس چادر کو ازار بنا کر پہنے ہوئے تھے، پھر اس کی فلاں شخص نے تعریف کی اور کہا کہ آپ ہمیں یہ دے دیں، یہ چادر کتنی اچھی ہے، لوگوں نے کہا کہ تو نے اچھا نہیں کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] رقم الحديث ١٢٧٧، كتاب الجنائز، باب من استعد الكفن فى زمن النبى صلى الله عليه وسلم فلم ينكر عليه.

نے ضرورت کی حالت میں اسے پہنا تھا اور تو نے اسے مانگ لیا، حالانکہ تو جانتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے سوال کو رد نہیں فرماتے تھے۔اس آدمی نے کہا کہ میں نے واللہ اس لئے نہیں مانگا تھا کہ اس کا لباس پہنوں بلکہ اس لئے مانگا کہ میرا کفن ہو جائے، سہل نے کہا کہ وہ چادر اس شخص کا کفن بنی (بخاری)

مذکورہ روایات سے بھی انبیاء کے ملبوسات اوران پر قیاس کرتے ہوئے صلحاء کے ملبوسات کا باعثِ برکت ہونا معلوم ہوا۔[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تہبند مبارک، کفن کے لیے دینا

حضرت امِ عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

دَخَلَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَغْسِلُ ابْنَتَهُ، فَقَالَ: اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا، أَوْ خَمْسًا، أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ، إِنْ رَأَيْتُنَّ ذٰلِكَ، بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَاجْعَلْنَ فِي الْآخِرَةِ كَافُوْرًا أَوْ شَيْئًا مِّنْ كَافُوْرٍ، فَإِذَا فَرَغْتُنَّ فَآذِنَّنِيْ فَلَمَّا فَرَغْنَا آذَنَّاهُ فَأَلْقٰى إِلَيْنَا حَقْوَهُ، فَقَالَ: أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ (صحيح مسلم) [2]

ترجمہ: ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی (حضرت زینب) کو نہلا رہی تھیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ تین یا پانچ یا اس سے زیادہ مرتبہ نہلاؤ، اور

---

[1] وفی رواية أبی غسان، فقال :رجوت بركتها حين لبسها النبی، -صلى الله عليه وسلم-، وفيه التبرك بآثار الصالحين، وجواز إعداد الشیء قبل وقت الحاجة إليه(إرشاد السارى لشرح صحيح البخارى،للقسطلانى،ج٢،ص٣٩٦،كتاب الجنائز،باب من استعد الكفن فی زمن النبی -صلى الله عليه وسلم -فلم ينكر عليه)

وفيه التبرك بآثار الصالحين (فتح البارى شرح صحيح البخارى،للعسقلانى،ج٣،ص١٤٤،قوله باب من استعد الكفن فی زمن النبی صلى الله عليه وسلم فلم ينكر عليه)

[2] رقم الحديث ٩٣٩ "٣٦" كتاب الجنائز، باب فی غسل الميت.

آخری مرتبہ پانی میں کچھ کافور بھی ملا لینا، پھر جب تم اس کو نہلا کر فارغ ہو جاؤ، تو مجھے اطلاع دے دینا، پھر جب ہم اس کو نہلا کر فارغ ہو گئیں، تو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف اپنا تہبند بھیج کر فرمایا کہ اس کو اس میں لپیٹ دو (مسلم)

اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمالی لباس کا باعثِ برکت ہونا معلوم ہوا۔ [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ سے مریضوں کا علاج

حضرت عبداللہ مولیٰ اسماء بنتِ ابی بکر سے روایت ہے کہ حضرت اسماء نے فرمایا کہ:

هٰذِهِ جُبَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْرَجَتْ إِلَيَّ جُبَّةَ طَيَالِسَةٍ كِسْرَوَانِيَّةٍ لَهَا لِبْنَةُ دِيْبَاجٍ، وَفَرْجَيْهَا مَكْفُوْفَيْنِ بِالدِّيْبَاجِ، فَقَالَتْ: هٰذِهٖ كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ حَتّٰى قُبِضَتْ، فَلَمَّا قُبِضَتْ قَبَضْتُهَا، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهَا، فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰى يُسْتَشْفٰى بِهَا (صحيح مسلم) [2]

ترجمہ: یہ رسول اللہ کا جبہ ہے، پھر میرے سامنے ایک جبہ نکالا، جو طیالسی کسروانی جبہ تھا، اور اس کا گریبان دیباج کا تھا، اور اس کے دامن پر دیباج کی سلائی تھی، حضرت اسماء کہتی ہیں کہ یہ جبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا، یہاں تک

---

[1] قولها (فألقى إلينا حقوه فقال أشعرنها إياه) هو بكسر الحاء وفتحها لغتان يعنى إزاره وأصل الحقو معقد الإزار وجمعه أحق وحقى وسمى به الإزار مجازا لأنه يشد فيه ومعنى أشعرنها إياه اجعلنه شعارا لها وهو الثوب الذى يلى الجسد سمى شعارا لأنه يلى شعر الجسد والحكمة فى إشعارها به تبريكها به ففيه التبرك بآثار الصالحين ولباسهم وفيه جواز تكفين المرأة فى ثوب الرجل (شرح النووى على مسلم، ج٧، ص ٣، كتاب الجنائز،باب فى غسل الميت)

[2] رقم الحديث ٢٠٦٩ "١٠" كتاب اللباس والزينة ، باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة على الرجال والنساء، وخاتم الذهب والحرير على الرجل، وإباحته للنساء، وإباحة العلم ونحوه للرجل ما لم يزد على أربع أصابع.

کہ ان کا انتقال ہوگیا، پھران کے انتقال کے بعد یہ میں نے لے لیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو زیبِ تن فرمایا کرتے تھے، پھر ہم اس جبہ کو دھو کر (اس کا پانی) شفاء کے لئے بیماروں کو پلاتے ہیں (مسلم)

مذکورہ حدیث سے انبیاء وصلحاء کے لباس کا باعثِ برکت ہونا معلوم ہوا۔ [1]

خلاصہ یہ کہ انبیاء وصلحاء کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کی ایک صورت ان کے ملبوساتِ مبارکہ سے برکت حاصل کرنے کی ہے، جس کا احادیث وروایات سے ثبوت ملتا ہے۔

وَاللہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

---

[1] وفی هذا الحديث دليل على استحباب التبرک بآثار الصالحين وثيابهم (شرح النووی على مسلم، ج۱۴، ص۴۴، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة على الرجال والنساء وخاتم الذهب والحرير على الرجل وإباحته للنساء)

وفيه التبرک بآثار الصالحين وبيان ما كانت الصحابة عليه من التبرک بآثاره صلى الله عليه وسلم وتبركهم بإدخال يده الكريمة فی الآنية وتبركهم بشعره الكريم وإكرامهم إياه أن يقع شیء منه إلا فی يد رجل سبق إليه (شرح النووی على مسلم، ج۱۵، ص۸۲، باب قرب النبی عليه السلام من الناس وتبركهم به)

(فصل نمبر 6)

نعل مبارک

عربی زبان میں جوتے کو ''نعل'' کہا جاتا ہے، اور دونوں پاؤں کے جوتوں کو ''نعلین'' کہا جاتا ہے۔

جوتے بھی لباس کا حصہ ہیں، کیونکہ وہ جسم کے ایک مستقل عضو یعنی پاؤں کی تکلیف اور گرمی وسردی سے حفاظت کے لیے پہنے جاتے ہیں، جس طریقہ سے دوسرے اعضاء کی تکلیف اور گرمی وسردی سے حفاظت کے لیے کرتہ، پائجامہ، ٹوپی وغیرہ کی شکل میں لباس پہنا جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نعل یعنی جوتا مبارک بعض صحابۂ کرام اور ان کے بعد تابعین وسلف نے تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے مبارک کی طرح کا جوتا استعمال کیا ہے، جس کی کچھ تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

نبی ﷺ کا سبتی جوتے استعمال فرمانا

حضرت عبید بن جریج سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ قَالَ: لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ رَأَيْتُکَ تَصْنَعُ أَرْبَعًا لَمْ أَرَ أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِکَ يَصْنَعُهَا، قَالَ: وَمَا هِيَ يَا ابْنَ جُرَيْجٍ قَالَ: رَأَيْتُکَ لَا تَمَسُّ مِنَ الْأَرْكَانِ إِلَّا الْيَمَانِيَّيْنِ، وَرَأَيْتُکَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ، وَرَأَيْتُکَ تَصْبُغُ بِالصُّفْرَةِ، وَرَأَيْتُکَ إِذَا كُنْتَ بِمَكَّةَ أَهَلَّ النَّاسُ إِذَا رَأَوُا الْهِلَالَ وَلَمْ تُهِلَّ أَنْتَ حَتّٰى كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: أَمَّا الْأَرْكَانُ: فَإِنِّيْ لَمْ أَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَـمَـسُّ إِلَّا اليَـمَـانِيَّيْـنِ، وَأَمَّـا النِّعَالُ السِّبْتِيَّةُ: فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّـى اللّٰـهُ عَلَيْـهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النَّعْلَ الَّتِيْ لَيْسَ فِيْهَا شَعَرٌ وَيَتَوَضَّأُ فِيْهَـا، فَـأَنَـا أُحِـبُّ أَنْ أَلْبَسَهَـا، وَأَمَّا الصُّفْرَةُ: فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّـى اللّٰـهُ عَلَيْـهِ وَسَلَّـمَ يَصْبُغُ بِهَا، فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَصْبُغَ بِهَا، وَأَمَّا الْإِهْلَالُ: فَـإِنِّـيْ لَـمْ أَرَ رَسُـوْلَ الـلّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ حَتّٰى تَنْبَعِثَ بِهٖ رَاحِلَتُهٗ (صحيح البخاری) [1]

ترجمہ: انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! میں نے آپ کو چار ایسے کام کرتے ہوئے دیکھا ہے، جنہیں آپ کے ساتھیوں کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا، حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابن جریج! وہ کون سے چار کام ہیں؟ ابن جریج نے کہا کہ میں نے آپ کو دیکھا کہ (طواف کرتے ہوئے) دو یمانی (رکنوں) کے علاوہ اور کسی رکن کو آپ نہیں چھوتے، اور میں نے دیکھا کہ آپ سبتی (یعنی گائے کے یا ایسے چمڑے کی کہ جس میں بال نہ ہوں) جوتیاں پہنتے ہیں، اور میں نے دیکھا کہ آپ زرد رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں، اور میں نے دیکھا کہ اور لوگ تو جب (ذی الحجہ کا) چاند دیکھتے ہیں تو (حج کا) احرام باندھ لیتے ہیں اور آپ جب تک کہ ترویہ (یعنی آٹھ ذی الحجہ) کا دن نہیں آجاتا، احرام نہیں باندھتے، حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے شک میں یہ کام کرتا ہوں، جس کی وجہ یہ ہے کہ (طواف کرتے ہوئے) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو یمانی (رکنوں) کے علاوہ کسی اور رکن کو چھوتے ہوئے نہیں دیکھا، اور سبتی جوتیاں پہننے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی جوتیاں پہنے ہوئے دیکھا ہے، جن میں بال نہ

---

[1] رقم الحديث ١٦٦، كتاب الوضوء، باب غسل الرجلين فى النعلين، ولا يمسح على النعلين.

ہوں اور ان کو پہن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تھے، اس لیے میں یہ بات پسند کرتا ہوں کہ انہی جوتیوں کو پہنوں، جہاں تک زرد رنگ کے کپڑے پہننے کا تعلق ہے، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا ہے، اس لیے میں بھی اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اس رنگ کے کپڑے پہنوں، جہاں تک احرام باندھنے کا تعلق ہے، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ نے (آٹھ ذی الحجہ کو منیٰ کی طرف) سواری چلنے سے پہلے احرام باندھا ہو (بخاری)

''سبتی'' جوتوں سے مراد گائے کے چمڑے کے جوتے ہیں، جن کے بال دباغت کے بعد، الگ کر دیے گئے ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اتباع میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ، اسی طرح کے چمڑے کے جوتے پہنا کرتے تھے۔

جس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتوں سے برکت حاصل کرنے کی ایک شکل یہ ہے کہ آپ کی طرح کے جوتے پہنے جائیں، جس کی ایک شکل یہ ہے کہ گائے کے چمڑے کے جوتے پہنے جائیں، جن پر بال نہ ہوں۔ [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چمڑے کے جوتے استعمال فرمانا

حضرت مطرف بن شخیر سے روایت ہے کہ:

عَنْ أَعْرَابِيٍّ: أَنَّهُ رَاٰى عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعْلَيْنِ

---

[1] عن ابن عمر رضى الله عنهما :قوله السبتية نه :السبت بالكسر جلود البقر المدبوغة بالقرظ، يتخذ منها النعال، سميت ذلک؛ لأن شعرها قد سبت عنها، أى حلق وأزيل وقيل :لأنها انسبتت بالدباغ أى لانت .وفى تسميتهم النعال المتخذة من السبت سبتيا اتساع، مثل قولهم :فلان يلبس الصوف والقطن والإبريسم أى الثياب المتخذة منها(شرح الطيبى على مشكاة المصابيح، ج۹، ص۲۹۳۳، كتاب اللباس، باب النعال)

مَخْصُوْفَتَيْنِ (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ٢٠٥٨٧) [1]

ترجمہ: ہمیں ایک دیہاتی صحابی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چمڑے کے جوتے پہنے ہوئے دیکھا (مسند احمد)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کا جوتا استعمال فرمایا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تسمے یا گھنڈی والے جوتے استعمال فرمانا

حضرت عیسیٰ بن طہمان سے روایت ہے کہ:

أَخْرَجَ إِلَيْنَا أَنَسٌ نَعْلَيْنِ جَرْدَاوَيْنِ لَهُمَا قِبَالاَنِ، فَحَدَّثَنِي ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ بَعْدُ، عَنْ أَنَسٍ أَنَّهُمَا نَعْلاَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری) [2]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہمارے سامنے دو جوتے بال کے بغیر چمڑے کے نکالے جس میں دو تسمے لگے ہوئے تھے، پھر حضرت ثابت بنانی راوی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ جوتے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے (بخاری)

حضرت عیسیٰ بن طہمان سے ہی روایت ہے کہ:

خَرَجَ إِلَيْنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، بِنَعْلَيْنِ لَهُمَا قِبَالاَنِ فَقَالَ ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ: هٰذِهِ نَعْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (صحيح البخاری) [3]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ میرے پاس دو جوتیاں لائے، ان میں سے ہر ایک جوتے میں دو تسمے تھے۔

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

[2] رقم الحديث ٣١٠٧، كتاب فرض الخمس، باب ما ذكر من درع النبی صلی الله علیه وسلم، وعصاه، وسیفه وقدحه، وخاتمه، وما استعمل الخلفاء بعده من ذلک مما لم یذكر قسمته، ومن شعره، ونعله، وآنيته مما يتبرک أصحابه وغيرهم بعد وفاته.

[3] رقم الحديث ٥٨٥٨، كتاب اللباس، باب قبالان فی نعل، ومن رأى قبالا واحدا واسعا.

ثابت بنانی نے کہا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے مبارک ہیں (بخاری)

ہر ایک جوتے میں دو تسمے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک جوتے میں دو گھنڈیاں تھیں، جن کو پیر کی انگلیوں میں پھنسایا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریفین کو برکت کے طور پر اپنے پاس رکھا ہوا تھا، جن کی حضرت ثابت بنانی نے زیارت کی۔

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال شدہ جوتوں کو اپنے پاس برکت کے طور پر رکھنا اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے ان کی زیارت کرنا جائز ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ نَعْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَهَا قِبَالاَنِ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیوں میں دو تسمے تھے (بخاری)

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: كَيْفَ كَانَ نَعْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: لَهُمَا قِبَالَانِ (سنن الترمذی) [2]

ترجمہ: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک کیسے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ان میں دو، دو، تسمے لگے ہوئے تھے (ترمذی)

مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ نَعْلُهُ لَهَا قِبَالَانِ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۳۵۶۸) [3]

---

[1] رقم الحديث ۵۸۵۷، كتاب اللباس، باب قبالان فی نعل، ومن رأى قبالا واحدا واسعا.

[2] رقم الحديث ۱۷۷۲، ابواب اللباس، باب ما جاء فی نعل النبی صلی الله علیه وسلم.
قال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح.

[3] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کے دو تسمے تھے (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ لِنَعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ، مَثْنِيٌّ شِرَاكُهُمَا (سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ٣٦١۴، ابواب اللباس، باب صفة النعال) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے میں دو تسمے تھے دوہرے (ابن ماجہ)

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک جوتے میں دو دو تسمے یعنی دو دو گھنڈیاں یا دائیں بائیں دو پٹیاں تھیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایڑیوں والے جوتے استعمال فرمانا

حضرت ابو جعفر سے روایت ہے کہ:

كَانَ حَذْوُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُخَصَّرَتَيْنِ مُعَقَّبَتَيْنِ

(مُصنف ابن أبی شیبة) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے پتلے تھے، ایڑیوں والے تھے (ابن ابی شیبہ)

حضرت یزید بن ابی زیاد سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ نَعْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَدِيْنَةِ مُخَصَّرَةً، مُلَسَّنَةً، لَهَا عَقِبٌ خَارِجٌ (مُصنف ابن أبی شیبة) [3]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ میں جوتا دیکھا، جو کہ پتلا تھا، آگے سے زبان نما تھا، ایڑی دار تھا (ابن ابی شیبہ)

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية سنن ابن ماجه)

[2] رقم الحديث ٢٥۴۴٠، كتاب اللباس، باب فی صفة نعالهم، كيف كانت ؟

[3] رقم الحديث ٢٥۴۴٢، كتاب اللباس، باب فی صفة نعالهم، كيف كانت ؟

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے مبارک کا تلوا پتلا تھا، اور ایڑی کی طرف سے کچھ اونچا تھا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے مبارک کی لوگ زیارت کر کے تبرک حاصل کیا کرتے تھے۔ [1]

حضرت ہمام رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

نَظَرَ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ إِلٰى نَعْلِ الصَّلْتِ بْنِ دِيْنَارٍ، وَلَهُمَا قِبَالَانِ، فَقَالَ هِشَامٌ: عِنْدَنَا نَعْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَقَّبَةٌ مُخَصَّرَةٌ مُلَبَّسَةٌ

(معجم ابن الأعرابی، رقم الحديث ۲۰۹۹، ج۳ص ۹۸۶، باب الدال)

ترجمہ: ہشام بن عروہ نے صلت بن دینار کے جوتے کو دیکھا، جس کے دو تسمے تھے، تو حضرت ہشام نے فرمایا کہ ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے ہیں، جو ایڑی کی طرف سے نکلے ہوئے ہیں، پتلے ہیں، اور بند ہیں (ابنِ اعرابی)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ہشام کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے موجود تھے۔

حضرت ابنُ القاسم سے روایت ہے کہ:

عَنْ مَالِكٍ وَسُئِلَ عَنْ نَعْلِ النَّبِيِّ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ رَآهَا! كَيْفَ حَذْوُهَا؟ قَالَ: كَانَتْ إِلَى التَّدْوِيرِ مَا هُوَ وَتَخْصِيرُهَا فِيْ مُؤَخَّرِهَا، وَهِيَ مُخَصَّرَةٌ وَمُعَقَّبَةٌ مِنْ خَلْفِهَا، فَقُلْتُ: أَكَانَ لَهَا زِمَامَانِ؟ قَالَ: ذَاكَ الَّذِيْ أَظُنُّ عِنْدَ آلِ رَبِيْعَةَ الْمَخْزُومِيِّ مِنْ قِبَلِ أُمِّهِمْ أُمِّ كُلْثُوْمٍ (المراسيل، لابی داود، رقم الحديث ۴۴۱، ما جاء فی اللباس)

ترجمہ: حضرت امام مالک سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کے بارے میں

---

[1] رأيت نعل النبی صلى الله عليه وسلم، مخصرة ملسنة ليس لها عقب خارج، والمخصرة التی لها خصر دقيق، قال الجوهری: والملسن من النعال الذی فيه طول ولطافة على هيئة اللسان، وقال صاحب (النهاية): وقيل: هی التی جعل لها لسان ولسانها الهيئة الناتئة فی مقدمها (عمدة القاری شرح صحيح البخاری، ج۲۲، ص۲۷، باب قبالان فی نعل، ومن رأى قبالا واحدا واسعا)

سوال کیا گیا، جس کو انہوں نے دیکھا تھا کہ وہ جوتا کیسا تھا؟ حضرت مالک نے فرمایا کہ وہ مدوّر تھا، اور وہ درمیان میں سے پتلا تھا، اور پیچھے سے ایڑی دار تھا، میں نے کہا کہ کیا اس کے دو تسمے تھے؟ حضرت مالک نے فرمایا کہ میرا گمان یہی ہے، وہ آلِ ربیعہ مخزومی کے پاس تھے، جو ان کو ان کی ماں، ام کلثوم کی طرف سے حاصل ہوئے تھے (مراسیلِ ابی داود)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے، آگے اور درمیان میں سے پتلے تھے، اور پیچھے سے ایڑی دار تھے، اور ہر جوتے میں دو تسمے یعنی دو گھنڈیاں یا دائیں بائیں دو پٹیاں تھیں، جن میں پیروں کی انگلیاں داخل ہوتی تھیں۔ [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کے جوتوں کی کیفیت

حضرت ابنِ عون سے روایت ہے کہ:

أَتَيْتُ حَذَّاءً بِالْمَدِيْنَةِ فَأَمَرْتُ أَنْ يُشَرِّكَ نَعْلَيَّ مُقَابَلَيْنِ، فَقَالَ: لِي! أَفَلَا أُشَرِّكُهُمَا كَمَا رَأَيْتُ نَعْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قُلْتُ: عِنْدَ مَنْ رَأَيْتَهَا؟ قَالَ: عِنْدَ فَاطِمَةَ بِنْتِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قُلْتُ: فَشَرِّكْهُمَا كَذٰلِكَ، فَشَرَّكَهُمَا كِلْتَيْهِمَا عَلَى الْيَمِيْنِ

---

[1] من المجاز :(نعل مخصرة) ، أى (مستدقة الوسط) . وخصر النعل :ما استدق فى قدام الأذنين منها .قال ابن الأعرابى :الخصران من النعل :مستدقها .ونعل مخصرة :لها خصران .وفى الحديث (أن نعله ت كانت مخصرة) ، أى قطع خصراها حتى صارا مستدقين(تاج العروس من جواهر القاموس، ج ١١، ص ١٧٥، مادة" خصر")

وخصر النعل :ما استدق من قدام الأذنين منها .ابن الأعرابى :الخصران من النعل مستدقها .ونعل مخصرة :لها خصران .وفى الحديث :أن نعله، عليه السلام، كانت مخصرة.أى قطع خصراها حتى صارا مستدقين(لسان العرب، ج٤، ص ٢٤١، فصل الخاء المعجمة)

وخصر النعل :ما استدق من قدام الاذنين منها(المحكم والمحيط الأعظم، ج٥، ص ٥٤، الخاء والصاد والراء)

(خصر) الثوب أو النعل دقق جانبيه(المعجم الوسيط، ج ١، ص٢٣٧، باب الخاء)

(المراسیل لابی داود، رقم الحدیث ۴۴۲،ما جاء فی اللباس) ۱؎

ترجمہ: میں مدینہ میں موچی کے پاس آیا، اور میں نے اسے کہا کہ میرے جوتوں کو شراک دار (یعنی تسمے والے) بنادیں، انہوں نے مجھے کہا کہ کیا میں ان میں ایسے تسمے نہ لگادوں، جیسا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے میں دیکھا ہے، میں نے کہا کہ آپ نے کس کے پاس دیکھا، تو انہوں نے کہا کہ فاطمہ بنتِ عبیداللہ بن عباس کے پاس دیکھا ہے، میں نے کہا کہ آپ اسی طریقہ سے شراک دار (یعنی تسمے والے) بنادیں، تو انہوں نے دونوں جوتوں میں سیدھی طرف، تسمے (یعنی گھنڈیاں) لگادیئے (مراسیلِ ابی داؤد)

اس سے معلوم ہوا کہ بعض صحابۂ کرام وصحابیات رضی اللہ عنہم کے واسطہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے بعد کے حضرات کے پاس پہنچے تھے، جن کو انہوں نے اپنے پاس برکت ونمونہ کے طور پر رکھا تھا۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جوتوں کی لوگ زیارت بھی کرلیا کرتے تھے، جس سے متبرک آثار کی زیارت کا ثبوت بھی ملتا ہے، لیکن خیر القرون کے مبارک دور میں ان جوتوں کے معاملہ میں غلو ومبالغہ کرنے کا ثبوت نہیں ملتا۔

حضرت عمرو بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ، وَنَعْلِ أَبِیْ بَكْرٍ قِبَالَانِ، وَنَعْلِ عُمَرَ قِبَالَانِ (السنن الکبریٰ للنسائی) ۲؎

۱؎ قال الدکتور سعد بن ناصر بن عبد العزیز الشّثری:

الأثر بهذا الإسناد حسن إلى ابن عون من أجل حال "أشهل بن حاتم "فإنه صدوق حسن الحديث، ولكنه يرتقي إلى درجة الصحة حيث تابع أشهلا الثقات الأثبات كمعاذ العنبری، وسليم ابن أخضر، والله أعلم (حاشية المطالب العالية محققا، تحت رقم الحديث ۲۲۸۰، ج۱۰، ص ۴۲۸، كتاب اللباس و الزينة، باب النعال)

۲؎ رقم الحديث ۹۷۱۷، كتاب الزينة، باب الأمر بالاستكثار من النعال.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے میں دو تسمے (یعنی پٹے) تھے، اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے جوتوں میں بھی دو تسمے (یعنی پٹے) تھے (نسائی)

اس سے معلوم ہوا کہ شیخین رضی اللہ عنہما کے جوتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتوں کے مثل تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ، وَلِنَعْلِ أَبِىْ بَكْرٍ قِبَالَانِ، وَلِنَعْلِ عُمَرَ قِبَالَانِ ، وَأَوَّلُ مَنْ عَقَدَ عَقْدًا وَاحِدًا عُثْمَانُ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ (المعجم الصغير للطبرانى، رقم الحديث ۲۵۴) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کے دو تسمے تھے، ایسے ہی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے جوتہ میں بھی دو تسمے تھے،

---

[1] قال الهيثمى:
رواه الطبرانى فى الصغير والبزار باختصار ورجال الطبرانى ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۸۶۱۹)
قال ابوحذيفة نبيل منصور البصارة الكويتى:
قلت :صالح مولى التوأمة صدوق اختلط بأخرة، وسماع ابن أبى ذئب منه قبل اختلاطه.
وشيخ الطبرانى لم أر من ترجمه، والباقون ثقات.
ولم ينفرد الطهرانى به بل تابعه إسحاق بن منصور الكَوْسج ثنا عبد الرزاق به.
إلا أنه ساقه بلفظ :كان لنعل رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قبالان .ولم يذكر الزيادة.
أخرجه الترمذى فى "الشمائل(75) "وإسناده حسن (انيس السارى تخريج احاديث فتح البارى، تحت رقم الحديث ۱۱۱۴، ج ۱۱، ص ۱۲۴۳، كتاب اللباس، باب قِبالان فى نعل)
و قال ايضاً:
وهذا مرسل رواته ثقات، وهو أصح من حديث عبد الرحمن بن قيس (انيس السارى تخريج احاديث فتح البارى، تحت رقم الحديث ۱۱۱۴، ج ۱۱، ص ۱۲۴۴، كتاب اللباس، باب قِبالان فى نعل)

ایک تسمہ کی ابتداء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمائی (طبرانی)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک گھنڈی والے جوتے کا استعمال بھی جائز ہے، اور اس کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے استعمال فرمایا ہے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفۂ راشد ہیں، جن کا عمل بھی سنت کے خلاف نہیں۔ [1]

حضرت ابواسحاق سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ نَعْلَ ابْنِ عُمَرَ لَهَا قِبَالاَنِ (مصنف ابن ابی شیبة) [2]

ترجمہ: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے جوتے دیکھے جس کے دو تسمے تھے (ابن ابی شیبہ)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ اپنے جوتے دو تسمے والے استعمال کرتے تھے، اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں تھا، جیسا کہ پہلے گزرا۔

بعض صحابۂ کرام کا ''صاحبُ النعلین'' ہونا

بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، ضرورت کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے مبارک سنبھال کر اور اٹھا کر رکھا کرتے تھے، اور ضرورت کے وقت اپنے پاؤں میں پہن بھی لیا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ، اس لیے ان کو بعض روایات میں ''صاحبِ نعلین'' کہا گیا ہے۔ [3]

---

[1] ایک گھنڈی یا گرہ والے جوتے کی شکل وہی ہوگی، جو آج کل قینچی چپل کی ہے کہ اس کے دونوں پٹے آر پار کراس میں نہیں ہوتے، بلکہ غلیل کے شاخچے کی طرح آگے سے ایک گھنڈی سے دونوں طرف کو نکلتے ہیں۔

[2] رقم الحدیث ۲۵۴۳۹، کتاب اللباس، باب فی صفة نعالهم، کیف کانت ؟

[3] قولـه صـاحـب الـنعلين أى نعلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان بن مسعود يحملهما ويتعاهدهما (فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج۷، ص ۹۱، قوله باب مناقب عمار وحذيفة)
قولـه صـاحـب النعلين أى صاحب نعلى رسول الله عليه الصلاة والسلام لأن عبد الله كان يلبسهما إياه إذا قام فإذا جلس أدخلهما فى ذراعيه وإسناد النعلين إليه مجاز لأجل الملابسة وفى الحقيقة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ حضرت علقمہ سے روایت ہے کہ:

قَدِمْتُ الشَّأْمَ فَصَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ قُلْتُ: اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ لِيْ جَلِيْسًا صَالِحًا، فَأَتَيْتُ قَوْمًا فَجَلَسْتُ إِلَيْهِمْ، فَإِذَا شَيْخٌ قَدْ جَاءَ حَتّٰى جَلَسَ إِلٰى جَنْبِيْ، قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالُوْا: أَبُوْ الدَّرْدَاءِ، فَقُلْتُ: إِنِّيْ دَعَوْتُ اللّٰهَ أَنْ يُيَسِّرَ لِيْ جَلِيْسًا صَالِحًا، فَيَسَّرَكَ لِيْ، قَالَ: مِمَّنْ أَنْتَ؟ قُلْتُ مِنْ أَهْلِ الْكُوْفَةِ، قَالَ: أَوَلَيْسَ عِنْدَكُمْ ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ صَاحِبُ النَّعْلَيْنِ وَالْوِسَادِ، وَالْمِطْهَرَةِ (صحیح البخاری) [1]

ترجمہ: میں ملکِ شام میں گیا، تو میں نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر میں نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! مجھے یہاں کوئی صالح ہم نشین عطا فرما دیجیے، پھر میں ایک جماعت میں پہنچا، اور ان کے ساتھ بیٹھ گیا، پھر اچانک ایک بڑی عمر کے صاحب آئے، اور میرے پہلو میں بیٹھ گئے، میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

صاحب النعلين هو رسول الله عليه الصلاة والسلام (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج۲، ص ۲۹۱، كتاب الوضوء، باب من حمل معه الماء لطهوره)

قال ابن العربى :النعل لباس الأنبياء ، وإنما اتخذ الناس غيره لما فى أرضهم من الطين اهـ .ولعله أخذه من قوله تعالى لموسى -عليه الصلاة والسلام :(فاخلع نعليك) مع ما ثبت من لبس نعليه -صلى الله عليه وسلم -وكان ابن مسعود -رضى الله عنه -صاحب النعلين والوسادة والسواك والطهور، وكان يلبس نعليه إذا قام وإذا جلس جعلهما فى ذراعيه حتى يقوم (مرقاة المفاتيح، ج۷، ص ۲۸۰۸، كتاب اللباس، باب النعال)

قوله صاحب النعلين :يريد أنه كان يخدم الرسول صلى الله عليه وسلم ويلازمه فى الحالات كلها، فيصاحبه فى المجالس، ويأخذ نعله، ويضعها إذا جلس، وحين ينهض، ويكون معه فى الخلوات، فيسوى مضجعه، ويضع وسادته إذا أراد أن ينام، ويهيء طهوره، ويحمل معه المطهرة إذا قام إلى الوضوء .قوله :(صاحب السر) قيل :من تلك الأسرار أسماء المنافقين وأنسابهم، أسر بهم إليه رسول الله صلى الله عليه وسلم(شرح الطيبى على مشكاة المصابيح، ج۱۲، ص۳۹۲۷، كتاب المناقب، باب جامع المناقب)

[1] رقم الحديث ۳۷۴۲، كتاب اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم، باب مناقب عمار وحذيفة رضى الله عنهما.

ہیں؟ لوگوں نے بتلایا کہ ابودرداء رضی اللہ عنہ ہیں، میں نے ان سے کہا کہ میں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ وہ مجھ کو صالح ہم نشین عطا فرمائے، پس اللہ نے آپ کو میسر فرمادیا، حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا کہ کوفہ سے آیا ہوں، انہوں نے فرمایا کہ کیا تم میں ابنِ امِ عبد (یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) نہیں ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے، تکیہ اور مسواک بردار تھے (بخاری)

حضرت خثیمہ بن ابی سبرہ سے روایت ہے کہ:

أَتَيْتُ الْمَدِيْنَةَ فَسَأَلْتُ اللّٰهَ أَنْ يُيَسِّرَ لِيْ جَلِيْسًا صَالِحًا، فَيَسَّرَ لِيْ أَبَا هُرَيْرَةَ، فَجَلَسْتُ إِلَيْهِ، فَقُلْتُ لَهُ: إِنِّيْ سَأَلْتُ اللّٰهَ أَنْ يُيَسِّرَ لِيْ جَلِيْسًا صَالِحًا فَوُفِّقْتَ لِيْ، فَقَالَ: مِنْ أَيْنَ أَنْتَ؟ قُلْتُ: مِنْ أَهْلِ الْكُوْفَةِ، جِئْتُ أَلْتَمِسُ الْخَيْرَ وَأَطْلُبُهُ فَقَالَ: أَلَيْسَ فِيْكُمْ سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ مُجَابُ الدَّعْوَةِ، وَابْنُ مَسْعُوْدٍ صَاحِبُ طَهُوْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَعْلَيْهِ، وَحُذَيْفَةُ صَاحِبُ سِرِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعَمَّارٌ الَّذِيْ أَجَارَهُ اللّٰهُ مِنَ الشَّيْطَانِ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهِ، وَسَلْمَانُ صَاحِبُ الْكِتَابَيْنِ؟ قَالَ قَتَادَةُ، وَالْكِتَابَانِ الْإِنْجِيْلُ وَالْقُرْآن

(سنن الترمذی)[1]

ترجمہ: میں مدینہ آیا تو اللہ سے دعا کی کہ مجھے کوئی صالح ہم نشین عطاء فرمادے، پھر اللہ نے مجھے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملوادیا، میں ان کے پاس بیٹھا اور اپنی دعاء کے متعلق ان کو بتایا، انہوں نے مجھ سے معلوم کیا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ کوفہ کا رہنے والا ہوں، اور خیر کی طلب مجھے یہاں لائی

[1] رقم الحديث ٣٨١١، ابواب المناقب، باب مناقب عبد الله بن مسعود رضى الله عنه.
قال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح غريب: وخيثمة هو ابن عبد الرحمن بن أبى سبرة نسب إلى جده.

ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کوفہ میں حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ نہیں ہیں، جن کی دعا قبول ہوتی ہے، کیا تمہارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے (وضو واستنجے وغیرہ کا) پانی رکھنے اور جوتیاں اٹھانے والے (کوزہ وجوتہ بردار) ابن مسعود رضی اللہ عنہ نہیں ہیں؟ کیا تمہارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دار حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نہیں ہیں؟ اور کیا تمہارے پاس حضرت عمار رضی اللہ عنہ نہیں ہیں، جنہیں اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے مطابق شیطان سے دور کر دیا ہے؟ اور کیا تمہارے پاس دو کتابوں والے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نہیں ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ دو کتابوں سے مراد انجیل اور قرآن ہیں (کیونکہ حضرت سلمان پہلے عیسائی تھے) (ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کا موقع ملنا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں شرف وسعادت کا باعث سمجھا جاتا تھا، ایسے شخص کو جسے نبی علیہ السلام کی خدمت کا موقع ملا ہو، اسے صاحبِ شرف ومرتبہ سمجھا جاتا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ضرورت کے موقع پر جوتے اٹھانا اور محفوظ رکھنا بھی فضیلت کا باعث ہے۔

لیکن اس کے ساتھ یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے اٹھانے والے صحابی سے، ان جوتوں کے متعلق غلو ومبالغہ کرنا ثابت نہیں، بلکہ ضرورت کے وقت پاؤں میں پہن لینا بھی ثابت ہے۔ [1]

بعض صحابۂ کرام کا ''خاصفُ النعلین'' ہونا

اس کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے ٹوٹنے پر درست کیا

---

[1] فيكم صاحب النعلين والطهور، والوسادة .يعني عبد الله بن مسعود، فأراد بذلك الثناء عليه والمدح له، لخدمة النبى (صلى الله عليه وسلم) (شرح صحيح البخارى لابن بطال، ج ۱، ص ۲۴۳، كتاب الوضوء، باب الاستنجاء بالماء)

کرتے تھے، جس کا احادیث وروایات میں ذکر آیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنَّا جُلُوسًا نَنْتَظِرُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَخَرَجَ عَلَيْنَا مِنْ بَعْضِ بُيُوتِ نِسَائِهِ، قَالَ: فَقُمْنَا مَعَهُ، فَانْقَطَعَتْ نَعْلُهُ، فَتَخَلَّفَ عَلَيْهَا عَلِيٌّ يَخْصِفُهَا، فَمَضٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَضَيْنَا مَعَهُ، ثُمَّ قَامَ يَنْتَظِرُهُ وَقُمْنَا مَعَهُ، فَقَالَ: إِنَّ مِنْكُمْ مَنْ يُقَاتِلُ عَلٰى تَأْوِيلِ هٰذَا الْقُرْآنِ، كَمَا قَاتَلْتُ عَلٰى تَنْزِيلِهٖ ، فَاسْتَشْرَفْنَا وَفِينَا أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ فَقَالَ: لَا، وَلٰكِنَّهُ خَاصِفُ النَّعْلِ ، قَالَ: فَجِئْنَا نُبَشِّرُهُ، قَالَ: وَكَأَنَّهُ قَدْ سَمِعَهُ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۱۷۷۳) [1]

ترجمہ: ایک مرتبہ ہم لوگ بیٹھے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی اہلیہ محترمہ کے گھر سے ہمارے پاس تشریف لائے، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل پڑے، راستے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتی ٹوٹ گئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ رک کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتی کو مرمت کرنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے چل پڑے، ہم بھی چلتے رہے، ایک جگہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتظار کرنے لگے، ہم بھی کھڑے ہوگئے، اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں ایک آدمی ایسا ہوگا، جو قرآن کی (غلط) تاویل وتفسیر کرنے پر اسی طرح قتال کرے گا، جیسا کہ میں نے اس کی تنزیل پر قتال کیا ہے، یہ سن کر ہم جھانک جھانک کر دیکھنے لگے (کہ آخر وہ کون شخص ہے) اس وقت ہمارے درمیان حضرت ابوبکر وعمر رضی

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن (حاشية مسند احمد)

اللہ عنہما بھی موجود تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جوتی سینے والا ہے، اس پر ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خوشخبری سنانے کے لئے گئے (کیونکہ وہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتی سی رہے تھے) تو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات پہلے ہی سن لی ہے (مسند احمد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنْكُمْ مَنْ يُّقَاتِلُ عَلٰى تَأْوِيْلِهٖ، كَمَا قَاتَلْتُ عَلٰى تَنْزِيْلِهٖ ، قَالَ: فَقَامَ أَبُوْ بَكْرٍ، وَعُمَرُ فَقَالَ: لَا وَلٰكِنَّهٗ خَاصِفُ النَّعْلِ، وَعَلِيٌّ يَخْصِفُ نَعْلَهٗ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١١٢٨٩) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص قرآن کی (غلط تفسیر و) تاویل پر اسی طرح قتال کرے گا، جس طرح میں نے اس کی تنزیل پر قتال کیا، تو حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما اٹھے (کہ شاید ان کے بارے میں یہ بات فرمائی ہو) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم وہ نہیں ہو، لیکن وہ جوتا سینے والا ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹوٹا ہوا) جوتا مرمت کر رہے تھے (مسند احمد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے سینے کا ذکر دیگر احادیث میں بھی آیا ہے۔ [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن (حاشية مسند احمد)

[2] عن ربعي بن حراش، ثنا علي بن أبي طالب، رضي الله عنه قال :لما افتتح رسول الله صلى الله عليه وسلم مكة أتاه ناس من قريش فقالوا :إنه قد لحق بك ناس من موالينا وأرقائنا ليس لهم رغبة في الدين إلا فرارا من مواشينا وزرعنا .فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :والله يا معشر قريش لتقيمن الصلاة ولتؤتن الزكاة أو لأبعثن عليكم رجلا فيضرب أعناقكم على الدين ثم قال :أنا أو خاصف النعل قال علي :وأنا أخصف نعل رسول الله صلى الله عليه وسلم (مستدرك حاكم، رقم الحديث ٧٤١٩)
قال الذهبي في التلخيص: على شرط مسلم.

معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے ٹوٹنے کے بعد ان کو سی کر درست کیا کرتے تھے، اور اس سے پہلے بعض صحابہ کرام کا ضرورت کے وقت جوتے اٹھا کر رکھنا بھی ذکر کیا جا چکا ہے۔

مگر ان میں سے کسی سے جوتوں کے ساتھ کوئی غیر شرعی حرکت یا غلو و مبالغہ ثابت نہیں، اصل عقیدت، خدمت و محبت ان ہی چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔

جوتوں سے متعلق بعض شرعی احکام

اس کے بعد عرض ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتوں سے متعلق جو احکامات و ہدایات بیان فرمائی ہیں، ان پر عمل کرنے کی برکات بہت زیادہ ہیں، لہٰذا ان پر عمل کرنا چاہئے، جس کی کچھ تفصیل ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر جوتے پہن کر رکھنے کی ترغیب دی ہے، اور فرمایا ہے کہ جب تک انسان جوتے پہنے رکھتا ہے، اس وقت تک وہ ایسا ہوتا ہے، جیسا کہ وہ سواری پر سوار ہو، یعنی وہ جوتے پہن کر تکلیف دہ اور مضر چیزوں سے محفوظ رہتا ہے، اور اس کو چلنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آتی۔ [1]

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی کا ایک جوتا ٹوٹ جائے، یا ایک موزہ پھٹ جائے، تو وہ ایک جوتے یا ایک موزہ کو پہن کر نہ چلے، یہاں تک کہ دوسرے کی اصلاح نہ کرلے۔ [2]

---

[1] عن جابر، قال :سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول فی غزوة غزوناها : استکثروا من النعال، فإن الرجل لا یزال راکبا ما انتعل(مسلم،رقم الحدیث،٦ ٩ ٠ ٢ "٦٦")

[2] عن جابر، قال: قال النبی -صلی الله علیه وسلم-:" إذا انقطع شسع أحدکم، فلا یمش فی نعل واحدة حتی یصلح شسعه، ولا یمش فی خف واحد، ولا یأکل بشماله "(سنن ابی داود، رقم الحدیث ٤١٣٧)

قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحیح (حاشیة سنن ابی داود)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک ایک جوتے یا موزہ کی اصلاح ہوکر، وہ پہننے کے قابل نہ ہوجائے، اس وقت تک دوسرا جوتا یا موزہ بھی اتاردو۔ [1]

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے، تو دایاں جوتا پہلے پہنے، اور جب جوتا اتارے، تو بایاں جوتا پہلے اتارے۔ [2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس کے مطابق عمل کیا کرتے تھے۔ [3]

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر جوتے پہننے کو پسند نہیں فرمایا۔

کیونکہ کھڑے ہوکر جوتے پہننے میں دشواری پیش آتی ہے۔ [4]

---

[1] عن أبی هريرة، قال: قال رسول الله – صلى الله عليه وسلم –: " لا يمش أحدكم فی نعل واحد ولا خف واحد، ليخلعهما جميعا، أو ليمش فيهما جميعا "(سنن ابن ماجه، رقم الحديث ٣٦١٧، بَابُ الْمَشْيِ فِي النَّعْلِ الْوَاحِدِ)

قال شعيب الارنؤوط:

حديث صحيح، وهذا إسناد قوی (حاشية سنن ابن ماجه)

[2] عن أبی هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا انتعل أحدكم فليبدأ باليمنى، وإذا خلع فليبدأ بالشمال، ولينعلهما جميعا، أو ليخلعهما جميعا(مسلم، رقم الحديث ٢٠٩٧"٦٧")

[3] عن عائشة، قالت: كان رسول الله – صلى الله عليه وسلم – يحب التيمن ما استطاع فی شأنه كله: فی طهوره، وترجله، ونعله .قال مسلم: وسواكه، ولم يذكر: شأنه كله (سنن أبی داود، رقم الحديث ٤١٤٠)

قال شعيب الارنؤوط:

إسناده صحيح(حاشية سنن ابی داوٗد)

[4] عن ابن عمر، قال: نهى النبی – صلى الله عليه وسلم – أن ينتعل الرجل قائما(سنن ابن ماجه، رقم الحديث ٣٦١٩)

قال شعيب الارنؤوط:

إسناده صحيح .وصححه أيضًا البوصيری فی "مصباح الزجاجة."

وفی الباب أيضًا حديث جابر بن عبد الله عند أبی داود (4135)، ورجاله ثقات.

قال الخطابی فی "معالم السُّنن :203 /4 "يشبه أن يكون إنما نُهِيَ عن لبس النعل قائمًا، لأن لبسها قاعدًا أسهل عليه وأمكن له، وربما كان ذلک سببا لانقلابه إذا لبسها قائمًا، فأُمر بالقعود له والاستعانة باليد ليأمن غائلته، والله أعلم (حاشية سنن ابن ماجه)

اس کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض اوقات پاک جوتے پہن کر نماز پڑھنا بھی ثابت ہے۔ [1]

کسی ضرورت کے وقت اس پر بھی عمل کر لینا جائز ہے۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک اپنی حاجت کا اپنے رب سے

---

[1] عن ابن أبی أوس قال: كان جدی أوس أحيانا يصلی فيشير إلی وهو فی الصلاة، فأعطيه نعليه، ويقول :رأيت رسول الله صلی الله عليه وسلم يصلی فی نعليه(سنن ابن ماجه، رقم الحديث ١٠٣٧)

قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره، وهذا إسناد ضعيف (حاشية سنن ابن ماجه)

عن عمرو بن شعيب، عن أبيه عن جده، قال :رأيت رسول الله -صلی الله عليه وسلم - يصلی حافيا ومنتعلا (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ١٠٣٨)

قال شعيب الارنؤوط:صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن من أجل عمرو بن شعيب (حاشية سنن ابن ماجه)

حدثنا آدم بن أبی إياس، قال :حدثنا شعبة، قال :أخبرنا أبو مسلمة سعيد بن يزيد الأزدی، قال :سألت أنس بن مالك :أكان النبی صلی الله عليه وسلم يصلی فی نعليه؟ قال :نعم(صحيح البخاری، رقم الحديث ٣٨٦)

عن عبد الله، قال :لقد رأينا رسول الله -صلی الله عليه وسلم -يصلی فی النعلين والخفين (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ١٠٣٩)

قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية سنن ابن ماجه)

عن أبی سعيد الخدری قال: بينما رسول الله – صلی الله عليه وسلم – يصلی بأصحابه إذ خلع نعليه، فوضعهما عن يساره، فلما رأی ذلك القوم ألقوا نعالهم، فلما قضی رسول الله – صلی الله عليه وسلم – صلاته قال: " ما حملكم علی إلقائكم نعالكم؟ " قالوا: رأيناك ألقيت نعليك فألقينا نعالنا، فقال رسول الله – صلی الله عليه وسلم –: "إن جبريل عليه السلام أتانی فأخبرنی أن فيهما قذرا "وقال:" إذا جاء أحدكم إلی المسجد فلينظر، فإن رأی فی نعليه قذرا أو أذی فليمسحه وليصل فيهما "(سنن أبی داود،رقم الحديث ٦٥٠)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح (حاشية سنن ابی داود)

عن زياد الحارثی، قال:سمعت رجلا سأل أبا هريرة :أنت الذی تنهی الناس أن يصلوا فی نعالهم؟ قال :ها ورب هذه الحرمة، ها ورب هذه الحرمة، لقد "رأيت محمدا صلی الله عليه وسلم يصلی إلی هذا المقام فی نعليه، ثم انصرف وهما عليه(مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١٠٩٣٧)

قال شعيب الارنؤوط:صحيح لغيره (حاشية مسند احمد)

سوال کرے، یہاں تک کہ اگر اس کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے، اس کا بھی اپنے رب سے سوال کرے۔ [1]

---

[1] أخبرنا أبو يعلى، حدثنا قطن بن نسير، حدثنا جعفر بن سليمان، عن ثابت .عن أنس قال: قال رسول الله –صلى الله عليه وسلم–: " ليسأل أحدكم ربه حاجته كلها، حتى شسع نعله إذا انقطع"(موارد الظمآن الیٰ زوائد ابن حبان، رقم الحديث ٢٤٠٢)

قال حسين سليم اسد الداراني: إسناده صحيح على شرط مسلم، وهو فی الإحسان 2/114,16 برقم (891، 892).

وأخرجه ابن السنى فی "عمل اليوم والليلة "برقم (356)من طريق أبی يعلی، بهذا الإسناد .

وأخرجه الترمذی فی الدعوات (3607)باب: ليسأل الحاجة مهما صغرت، من طريق أبی داود سليمان بن الأشعث.

وأخرجه ابن عدی فی كامله 2076 /6، والمزی فی "تهذيب الكمال 1131 /2 "نشر دار المأمون للتراث، من طريق عبد الله بن محمد البغوی، وأخرجه ابن عدی أيضا 2076 /6من طريق إبراهيم بن يوسف الهسنجانی، جميعهم حدثنا قطن بن نسير، بهذا الإسناد.

وقال الترمذی: " وهذا حديث غريب .وروى غير واحد هذا الحديث عن جعفر بن سليمان، عن ثابت البنانی، عن النبی –صلى الله عليه وسلم– ولم يذكروا فيه: عن أنس."

وأخرجه الترمذی (3608)من طريق صالح بن عبد الله الترمذی، حدثنا جعفر بن سليمان، عن ثابت البنانی: أن رسول الله –صلى الله عليه وسلم– قال:...

وقال الترمذی:" وهذا أصح من حديث قطن، عن جعفر بن سليمان."

وقال ابن عدی فی كامله 2076 /6:" وحدثنا البغوی، حدثنا القواريری، حدثنا جعفر، عن ثابت، عن أنس، عن النبی –صلى الله عليه وسلم– نحوه، فقال رجل للقواريری: إن لی شيخا يحدث به عن جعفر، عن ثابت، عن أنس، فقال القواريری: باطل .وهذا كما قال ."وقال ابن عدی:" قطن بن نسير أبو عباد، بصری، يسرق الحديث ويوصله ."

وقال ابن أبی حاتم فی "الجرح والتعديل " :138 /7 "سئل أبو زرعة عنه فرأيته يحمل عليه .ثم ذكر أنه روى أحاديث عن جعفر بن سليمان، عن ثابت، عن أنس، مما أنكر عليه."

نقول: لقد وصفه الترمذی بالغرابة لتفرد جعفر بن سليمان به، وهذا لا يضر، فإن جعفر بن سليمان من رجال مسلم، وقد وثقه أحمد، وابن معين، وابن سعد، وابن المدينی، وابن حبان وغيرهم.

وأخرجه البزار 37 /4برقم (3135)من طريق سليمان بن عبد الله الغيلانی، حدثنا سيار بن حاتم– تحرف فيه إلی: بشار– حدثنا جعفر بن سليمان، به مرفوعا.

وذكره الهيثمی فی "مجمع الزوائد 150 /10"باب: سؤال العبد حوائجه كلها والإكثار من السؤال، وقال:" قلت: رواه الترمذی غير قوله: (وحتى يسأله الملح) – رواه البزار ورجاله رجال الصحيح غير سيار بن حاتم وهو ثقة."

نقول: وهذه متابعة جيدة لقطن بن نسير، سيار بن حاتم ترجمه البخاری فی الكبير 161 /4ولم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ اپنی حاجت روائی کے لیے، اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنا چاہئے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مَشْيَخَةٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ بِيْضٌ لِحَاهُمْ فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ حَمِّرُوْا وَصَفِّرُوْا، وَخَالِفُوْا أَهْلَ الْكِتَابِ ، قَالَ: فَقُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ يَتَسَرْوَلُوْنَ وَ لَا يَأْتَزِرُوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَسَرْوَلُوْا وَائْتَزِرُوْا وَخَالِفُوْا أَهْلَ الْكِتَابِ ، قَالَ: فَقُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ يَتَخَفَّفُوْنَ وَلَا يَنْتَعِلُوْنَ، قَالَ: فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَخَفَّفُوْا وَانْتَعِلُوْا وَخَالِفُوْا أَهْلَ الْكِتَابِ.

قَالَ: فَقُلْنَا:يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ يَقُصُّوْنَ عَثَانِيْنَهُمْ وَيُوَفِّرُوْنَ سِبَالَهُمْ، قَالَ:فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قُصُّوْا سِبَالَكُمْ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يورد فيه جرحا ولا تعديلا، ونقل الحافظ ابن حجر عن العقيلي أنه قال:" أحاديثه مناكير "وما وجدت هذا في الضعفاء الكبير.

وقال الذهبي في "المغني في الضعفاء " :291 /1"صالح الحديث، فيه خفة، ولم يضعفه أحد، بل قال الأزدي: عنده مناكير ."وانظر ميزان الاعتدال 253 /2– 254.

وقال في كاشفه:" صدوق ."وذكره ابن حبان في الثقات 298. /8

وقال ابن محرز في "معرفة الرجال 96 /1 "برقم " :(388)وسمعت يحيى، وقيل له: سيار صاحب جعفر بن سليمان يتكلم فيه القواريري؟.

فقال: كان صدوقا، ثقة، ليس به بأس .ولم أكتب عنه شيئا."

وقال المزي في "تحفة الأشراف 107 /1 "بعد أن نسب الحديث إلى الترمذي مرفوعا، ومرسلا: "رواه محمد بن عبد الله الحضرمي، وأبو القاسم البغوي، وأبو يعلى الموصلي، عن قطن بن نسير، عن جعفر، عن ثابت، عن أنس ." ...

وهو في مسند الموصلي 130 /6برقم (3403)، وفي معجم شيوخ أبي يعلى برقم (284) بتحقيقنا فانظرهما لتمام النخريج، وانظر "جامع الأصول .165 /4 "

ونسبه الحافظ في "هداية الرواة (1 /74) "إلى الترمذي موصولا، ومرسلا.

وفي الباب عن عائشة عند أبي يعلى برقم (4560)وهناك خرجناه .(حاشية موارد الظمآن)

وَوَفِّرُوْا عَثَانِيْنَكُمْ وَخَالِفُوْا أَهْلَ الْكِتَابِ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۲۲۸۳) [1]

ترجمہ: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے کچھ عمر رسیدہ افراد کے پاس (جن کی ڈاڑھیاں سفید ہو چکی تھیں) تشریف لائے اور فرمایا کہ اے انصار کے گروہ! اپنی ڈاڑھیوں کو (مہندی وغیرہ کا خضاب لگا کر) سرخ یا زرد کرلو اور اہلِ کتاب (یعنی یہود ونصاریٰ) کی مخالفت کرو، ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اہلِ کتاب پاجامہ پہنتے ہیں، تہبند نہیں باندھتے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پاجامہ بھی پہن سکتے ہو اور تہبند بھی باندھ سکتے ہو، اس طرح تم اہلِ کتاب کی مخالفت کیا کرو، ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اہلِ کتاب (یعنی یہود ونصاریٰ چمڑے وغیرہ کے) موزے پہنتے ہیں، جوتے نہیں پہنتے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم موزے بھی پہنا کرو اور جوتے بھی پہنا کرو اور اس طرح اہلِ کتاب کی مخالفت کیا کرو، ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اہلِ کتاب ڈاڑھی کٹاتے اور مونچھیں بڑھاتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مونچھیں تراشا کرو، اور ڈاڑھیاں بڑھایا کرو، اور اس طرح اہلِ کتاب کی مخالفت کیا کرو (مسند احمد)

جلیل القدر تابعی حضرت ابنِ سیرین رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

جَلَسَ إِلَيْنَا رَجُلٌ، وَنَحْنُ غِلْمَانٌ، فَقَالَ: كَتَبَ إِلَيْنَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ زَمَنَ كَذَا وَكَذَا: أَنِ اتَّزِرُوْا، وَارْتَدُوْا، وَانْتَعِلُوْا، وَقَابِلُوا النِّعَالَ، وَعَلَيْكُمْ بِعَيْشِ مَعَدٍّ، وَذَرُوْا التَّنَعُّمَ، وَزِيَّ الْأَعَاجِمِ، وَقَابِلُوا النِّعَالَ يَعْنِي زِمَامَيْنِ (مصنف عبد الرزاق) [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

[2] رقم الحديث ۱۹۹۹۳، جامع معمر بن راشد، باب التنعم والسمن.

ترجمہ: ہمارے پاس ایک آدمی آ کر بیٹھا، اور ہم نوجوان تھے، اس آدمی نے فرمایا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فلاں فلاں زمانے میں ہماری طرف یہ لکھ کر بھیجا کہ تم تہبند باندھا کرو، اور (جسم کے اوپر والے حصہ میں) چادر بھی اوڑھا کرو (جس طرح احرام کی دو چادریں باندھی جاتی ہیں، اور عرب میں پہلے اسی طرح کا لباس پہننے کا رواج تھا) اور جوتے پہنا کرو، اور جوتوں کو قبال دار (آر پار دو پٹوں والے ہوادار کھلے جوتے) بناؤ، اور قبیلۂ معد کی طرح زندگی کی گزربسر بالکل سادہ رکھو، اور ناز ونعمت، عیش پرستی اور عجم کے طور طریقے چھوڑ دو، اور جوتے میں دو تسمے لگایا کرو (عبدالرزاق)

اس طرح کی روایت اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

---

[1] عن أبی عثمان النهدی عن عمر بن الخطاب أنه قال: اتزروا وارتدوا، وانتعلوا وألقوا الخفاف والسراويلات، وألقوا الركب وانزوا نزوا، وعليكم بالمعدية، وارموا الأغراض، وذروا التنعم وزی العجم، وإياكم والحرير، فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم: قد نهى عنه وقال "لا تلبسوا من الحرير إلا ما كان هكذا" وأشار رسول الله صلى الله عليه وسلم بإصبعيه (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ٣٠١)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

عن أبی عثمان النهدی، قال: كتب عمر بن الخطاب إلى عتبة بن فرقد: سلام عليك، أما بعد: فارتدوا واتزروا وألقوا السراويلات، وانتعلوا وألقوا الخفاف، وارموا الأغراض واقطعوا الركب، وانزوا على الخيل نزوا، وعليكم بالجرمية والمعدية، وإياكم والتنطع، وزی العجم، فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الحرير إلا ما كان هكذا، ثلاث أصابع، أو هكذا أربع أصابع (مسند أبی يعلى، رقم الحديث ٢١٣)

قال حسين سليم أسد الدارانی: إسناده صحيح (حاشية مسند ابی يعلىٰ)

عن قتادة، قال: سمعت أبا عثمان، يقول: أتانا كتاب عمر ونحن بأذربيجان مع عتبة بن فرقد: أما بعد، فاتزروا وارتدوا وانتعلوا وارموا بالخفاف واقطعوا السراويلات، وعليكم بلباس أبيكم إسماعيل، وإياكم والتنعم وزی العجم، وعليكم بالشمس فإنها حمام العرب، واخشوشنوا واخلولقوا وارموا الأغراض، وانزوا نزوا، والنبی صلى الله عليه وسلم نهانا عن الحرير إلا هكذا: أصبعيه والوسطى والسبابة قال: فما علمنا أنه يعنی إلا الأعلام (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ٥٤٥٤)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشيخين غير على بن خشرم فمن رجال مسلم (حاشية صحيح ابن حبان)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں جوتے اور موزے سب پہننا جائز ہے۔

حضرت عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

سَأَلَ رَجُلٌ عَائِشَةَ: هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْمَلُ فِيْ بَيْتِهٖ شَيْئًا؟ قَالَتْ: نَعَمْ، كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْصِفُ نَعْلَهُ، وَيَخِيْطُ ثَوْبَهُ، وَيَعْمَلُ فِيْ بَيْتِهٖ كَمَا يَعْمَلُ أَحَدُكُمْ فِيْ بَيْتِهٖ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ۲۵۳۴۱) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کوئی کام کرلیا کرتے تھے، تو انہوں نے فرمایا کہ جی ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے (ٹوٹے ہوئے) جوتے سی لیا کرتے تھے، اور اپنے کپڑے کو بھی سی لیا کرتے تھے، اور اپنے گھر میں اسی طرح کے کام کیا کرتے تھے، جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھر میں کام کرتا ہے (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ کبھی کبھار اپنے ٹوٹے ہوئے جوتوں کو خود سی لینا بھی سنت ہے، اور سنتوں پر عمل کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعقیدت کا حق ادا کیا جا سکتا ہے، نہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک اور پیاری سنتوں کو تو ترک کر دیا جائے، اور کوئی دوسرا خود ساختہ غیر شرعی کام کر کے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت ومحبت کی دلیل بنالیا جائے۔

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وله إسنادان :الأول عبد الرزاق، عن معمر، عن الزهري، عن عروة، قال :سأل رجل عائشة.
وهذا إسناد صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين.
وتابع معمراً يونسُ بنُ يزيد الأيلي كما في "أطراف المسند 9/147 "، وهذه الطريق ليست في نسخنا الخطية.
وأخرجه ابن سعد 1/366 من طريق الحجاج بن الفرافصة، وأبو الشيخ في "أخلاق النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "ص 21 من طريق ثور بن يزيد الأيلي، كلاهما عن الزهري، قال :سئلت عائشة .وهو منقطع، والحجاج بن الفرافصة فيه كلام، وفي طريق أبي الشيخ بقية، وهو ضعيف.
والثاني :عبد الرزاق، عن معمر، عن هشام بن عروة، عن أبيه.
وهذا إسناد بينا الاختلاف فيه على هشام بن عروة في الرواية رقم 24803(حاشية مسند احمد)

نقشہ نعلین شریفین سے تبرک حاصل کرنے کا حکم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال شدہ کرتہ مبارک، جبہ مبارک، عمامہ مبارک، ٹوپی مبارک یا دوسرے لباس کی طرح نعل مبارک کو اپنے پاس رکھنا اور اس سے برکت حاصل کرنا جائز ہے، جبکہ شرعی حدود میں ہو، کیونکہ نعل مبارک بھی دوسرے اعضاء کے لباس کی طرح کا ایک لباس و پہناوا ہے، جو جسم کے ایک مستقل عضو پر پہنا جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل مبارک کے نقشہ وتصویر سے تبرک حاصل کرے، تو اس کا حکم بعینہٖ ایسا ہی ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتہ مبارک یا عمامہ مبارک یا ٹوپی کی تصویر کے ساتھ تبرک حاصل کرے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتہ مبارکہ، عمامہ مبارک اور ٹوپی مبارک وغیرہ کی تصویر ونقشہ سے تبرک حاصل کرنے کا نہ تو اہتمام کیا جاتا، اور نہ ہی اس طرح کی تصاویر اور نقشوں کو شائع وغیرہ کرنے کی ضرورت سمجھی جاتی، اسی طرح نعل شریف کی تصویر کے ساتھ بھی برتاؤ کرنا چاہئے۔

مگر اس سلسلہ میں آج کل بڑا غلو سامنے آ رہا ہے۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل شریف کی طرف نسبت کر کے تصویر کو جگہ جگہ کاغذوں، کتابوں، کاپیوں، جھنڈوں وغیرہ میں شائع کیا جاتا ہے، اس کو برکت کے طور پر اپنے پاس رکھا جاتا ہے، اور اس کی تقبیل کی جاتی ہے، اور بھی نہ جانے کیا کیا حرکات کی جاتی ہیں۔

جبکہ صحابہ کرام وتابعین سے اس طرح کی چیزوں کا ثبوت نہیں ملتا، لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری مستعمل اشیاء کو ترک کر کے خاص نعل شریف کی تصویر کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ نامناسب اور غلو پر مشتمل طرزِ عمل ہے۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر کے جس طرح کے نعل کی تصویر شائع کی جاتی ہے، اس کا صحیح سند سے ثبوت بھی ضروری ہے، جس میں نقش ونگار بنے ہوئے ہوتے ہیں، اور معتبر

سند سے اس کا ثبوت نہیں مل سکا۔

اس کے علاوہ اگر اس تصویر کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جارہی ہے، تو اس کو جھنڈوں اور کاغذوں وکاپیوں پر شائع کرنا اور پھر استعمال کے بعد ان کاغذوں اور جھنڈوں کو بے ادبی والی بلکہ ناپاک جگہوں اور نالیوں وغیرہ میں پھینک دینا اور جوتوں سے روندنا، کہاں کی عقلمندی ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس طرح کے منقش کاغذ وغیرہ کے ردی ہونے کے بعد اس کے ادب واحترام کا اہتمام بہت مشکل ہے۔

اس کے بجائے بہتر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتوں کے استعمال سے متعلق جو ہدایات واحکامات بیان فرمائے، ان پر عمل کیا جائے۔

ہمارے خیال میں حضرت مولانا مفتی کفایتُ اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے نقشہ نعلین شریفین کے موضوع پر افراط وتفریط سے بالاتر ہوکر معتدل کلام فرمایا ہے، جس میں جانبین کی رعایت اور افراط وتفریط سے حفاظت ملحوظ ہے، حضرت مفتی صاحب موصوف رحمہ اللہ کی اس سلسلہ میں چند تصریحات ملاحظہ فرمایئے۔

کفایتُ المفتی میں نقشہ نعل شریف کے متعلق ایک سوال کے جواب میں مذکور ہے کہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آثارِ متبرکہ طیبہ سے برکت حاصل کرنا، تو علمائے متقدمین اور صحابہ اور تابعین سے ثابت ہے، لیکن آثار واشیائے متبرکہ سے مراد یہ ہے کہ ان چیزوں کے متعلق یہ بات ثابت ہو کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی استعمال کی ہوئی اشیاء (مثل جبہ مبارک یا قمیص مبارک یا نعل مبارک) یا حضور کے جسم اطہر کے اجزاء (مثل موئے مبارک) یا حضور کے جسمِ اطہر کے ساتھ مس کی ہوئی چیزیں ہیں (مثل اس خاص پتھر کے جس پر قدم مبارک رکھنے سے نشانِ قدم بن گیا ہو) لیکن ان میں سے کسی چیز کی تصویر بنا کر اس سے برکت حاصل کرنے کا معتمد اہلِ علم وارباب تحقیق سے ثبوت نہیں۔

اگر تصویر سے تبرک حاصل کرنا بھی صحیح ہو، تو پھر نعل مبارک کی کوئی تخصیص نہ ہوگی، بلکہ جبہ مبارک، قمیص شریف، موئے مبارک اور قدم شریف کی کاغذ (یا کپڑے وغیرہ) پر تصویر بنانے اوران سے تبرک وتوسل کرنے کا حکم اور نقشہ نعل مبارک سے تبرک وتوسل کا حکم ایک ہوگا، اور ایک ماہر بالشریعہ اور ماہرِ نفسیات اہلِ زمانہ اس کے نتائج سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔

جن بزرگوں نے نعل مبارک کے نقش کو سر پر رکھا، بوسہ دیا، اس سے توسل کیا، وہ ان کے وجدانی اور انتہائے محبت بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اضطراری افعال ہیں، ان کو تعمیم حکم اور تشریع للناس کے موقع پر استعمال کرنا صحیح نہیں۔

نیز اس امر کا بھی کوئی ثبوت نہیں کہ نعل مبارک کا یہ نقشہ فی الحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل مبارک کی صحیح تصویر ہے، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل مبارک کے درمیانی پٹے (شراک) کے وسط میں اور آگے کے تسموں (قبالین) پر ایسے ہی پھول اور نقش ونگار بنے تھے، جیسے اس نقشے میں بنے ہوئے ہیں، اور بلاثبوت صورت و ہیئت کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنا، بہت خوفناک امر ہے، اندیشہ ہے کہ "**من کذب علی متعمدًا** الخ" کے مفہوم کے عموم میں شامل نہ ہوجائے، کیونکہ اس ہیئت کے ساتھ اس کو مثال نعلِ مصطفیٰ قرار دینے کا ظاہر مطلب یہی ہے کہ اس کو مثال قرار دینے والا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی نعل مبارک استعمال کی تھی، جس کے پٹھوں اور اگلے تسموں پر اس قسم کے پھول بنے تھے، اور اس طرح کے نقش ونگار بھی تھے۔

پھر یہ سوال بھی پیدا ہوگا کہ یہ نقش ونگار ریشم سے بنائے گئے تھے، یا کلابتوں اور زری کے تھے یا محض ٹھپہ تھا، اور ان تمام امور میں سے کسی ایک کا بھی ثبوت مہیا نہ ہوگا، اور اختلاف ہوا سے مختلف حکم لگالئے جائیں گے، وغیرہ وغیرہ۔

بہرحال تصویر کو اصل کا منصب دینا، اور اس کے ساتھ اصل کا معاملہ کرنا، احکامِ شرعیہ سے ثابت نہیں، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعل مبارک جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک سے مس کر چکی ہو، کسی کو مل جائے، تو زہے سعادت اس کو بوسہ دینا، سر پر رکھنا سب صحیح، مگر نعل کی تصویر اور وہ بھی ایسی تصویر جس کی اصل سے مطابقت کی بھی کوئی دلیل نہیں، اصل نعل مبارک کے قائم مقام نہیں ہوسکتی

(کفایت المفتی، ج۲ص۸۹و۹۰، کتاب العلم، فصل سوم، مطبوعہ: دارالاشاعت کراچی، طباعت، 2011)

کفایتُ المفتی ہی میں ایک سوال کے جواب میں ہے کہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی استعمال کی ہوئی نعل شریف کسی کو مل جائے، تو زہے سعادت، اور فرطِ محبت سے اس کو بوسہ دینا، سر پر اٹھا لینا بھی موجبِ سعادت ہے، مگر یہ تو اصل نعل نہیں، اس کی تصویر ہے، اور یہ بھی متیقن نہیں کہ یہ تصویر اصل کے مطابق ہے، یا نہیں؟ اور تصویر کے ساتھ اصل شے کا معاملہ کرنا، شریعت میں معہود نہیں، ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک، پائے مبارک، موئے مبارک اور قمیص مبارک، جبہ مبارک کی تصویریں بھی بنائی جاسکتی ہیں، اور اگر ان میں بھی اصل کی مطابقت کے ثبوت سے قطع نظر کر لی جائے، تو پھر آج ہی بے شمار تصویریں بن جائیں گی، اور ایک فتنۂ عظیمہ کا دروازہ کھل جائے گا، جن بزرگوں نے اس تصویر کے ساتھ محبت کا معاملہ کیا، وہ ان کے والہانہ جذباتِ محبت کا نتیجہ تھا، مگر دستور العمل قرار دینے کے لیے حجت نہیں ہوسکتا (کفایت المفتی، ج۲ص۹۱، کتاب العلم، فصل سوم، مطبوعہ: دارالاشاعت کراچی، طباعت، 2011)

حکیمُ الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کی پہلے اس سلسلہ میں رائے مختلف تھی، پھر حضرت مفتی کفایتُ اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ سے اس سلسلہ میں مکاتبت کے بعد انہوں نے رجوع فرمالیا، جس کی تفصیل کفایتُ المفتی میں رسالہ ''اتمامُ المقال'' کے

عنوان سے مذکور ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے اس رجوع کے متعلق حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانوی مدظلہ کے رسالہ ''نیلُ الشفاء'' سے اس اعلانِ رجوع کا مطلب یہ ہے کہ رسالہ ''نیلُ الشفاء'' سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ نقشہ نعل شریف سے استبراک وتوسل کی مسلمانوں کو تلقین وترغیب اور نقشہ کی تشہیر و اشاعت کی تحریض مقصود ہے، اب حضرت مولانا دام فیضہم نے عوام کے تجاوز عن الحد اور غلو کو مدِ نظر رکھ کر استبراک وتوسل کی ترغیب اور تشہیر واشاعت کی تلقین سے رجوع فرما لیا ہے، رہا کسی عاشق صادق اور مجذوبِ محبت کا والہانہ طرزِ عمل، تو وہ بجائے خود مذموم نہیں، بلکہ مسکوت عنہ ہے، اسی طرح نفسِ مسئلہ میں تردد پیدا ہوجانے کا جو ذکر ہے، اس کا حاصل بھی بجائے جزمِ جواز سابق کے عدم جزمِ جواز ہے، نہ کہ جزم عدمِ جواز، پس عشاق پر طعن نہ کیا جائے (کفایت المفتی، ج۲ص ۹۸، کتاب العلم، فصل سوم، مطبوعہ: دارالاشاعت کراچی، طباعت، 2011)

معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرکے جو نعل شریف کی تصویر شائع کی جاتی ہے، اور اس کے ساتھ افراط وتفریط والا جو برتاؤ وسلوک کیا جاتا ہے، اس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔

اس سلسلہ میں اصل عمل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتوں سے متعلق جو ہدایات و تعلیمات بیان فرمائی ہیں، ان پر عمل کیا جائے، زیادہ محبت ہو، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتوں کی طرح کے جوتے استعمال کیے جائیں۔

اور اگر کسی موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا استعمال شدہ نعل مبارک یا اس کا کوئی ٹکڑا میسر آجائے، اور اس کی زیارت کرنا ممکن ہو، تو اس کی زیارت کرنا جائز ہے، اور برکت کے طور پر

اس کو جسم سے لگانا بھی جائز ہے۔

اور اگر کسی کو یہ میسر نہ ہو، تو اسے چاہئے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک اور پیاری سنتوں پر عمل کیا کرے، خاص طور پر جوتوں سے متعلق جو سنتیں ہیں، ان پر عمل کا اہتمام کیا کرے، اس طرح وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے صحیح تبرک حاصل کرنے والا شمار ہو جائے گا، اور محروم نہیں ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

لیکن خلافِ سنت اور اس سے بڑھ کر بدعات کا ارتکاب کرنے سے یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تعلق سے محروم ہو جائے گا۔

چنانچہ کئی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن حوضِ کوثر سے بعض لوگوں کو فرشتے ہٹائیں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے کہ یہ تو میری امت کے لوگ ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ارشاد ہوگا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا نئی بدعات پیدا کیں، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو اپنے سے دور ہو جانے کا حکم فرمائیں گے۔ [1]

وَاللّٰہُ سُبُحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعُلَمُ .

---

[1] عن أنس، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: " لیردن علی ناس من أصحابی الحوض، حتی عرفتھم اختلجوا دونی، فأقول: أصحابی، فیقول: لا تدری ما أحدثوا بعدک "(بخاری، رقم الحدیث ٦٥٨٢)

عن أبی وائل، قال: قال عبد اللہ: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: " أنا فرطکم علی الحوض، لیرفعن إلی رجال منکم، حتی إذا أھویت لأناولھم اختلجوا دونی، فأقول: أی رب أصحابی، یقول: لا تدری ما أحدثوا بعدک "(بخاری، رقم الحدیث ٧٠٤٩)

عن أم سلمة، زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، أنھا قالت: کنت أسمع الناس یذکرون الحوض، ولم أسمع ذلک من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فلما کان یوما من ذلک، والجاریة تمشطنی، فسمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: أیھا الناس فقلت للجاریة: استأخری عنی، قالت: إنما دعا الرجال ولم یدع النساء، فقلت: إنی من الناس، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: " إنی لکم فرط علی الحوض، فإیای لا یأتین أحدکم فیذب عنی کما یذب البعیر الضال، فأقول: فیم ھذا؟ فیقال: إنک لا تدری ما أحدثوا بعدک، فأقول: سحقا "(مسلم، رقم الحدیث ٢٢٩٥"٢٩")

(الرسالةُ الحادية عشر)

مبارک اعضاء واشیاء کا لمس وتقبیل

اب انبیاء وصلحاء کے مبارک اعضاء یا متبرک اشیاء وآثار کو لمس وتقبیل کر کے ان سے تبرک حاصل کرنے کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

دوسروں کے سر پر مبارک ہاتھ پھیرنا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضائے مبارکہ باعثِ برکت ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مبارک اعضاء کی برکت سے دوسروں کو مستفید کرنے کے لیے دوسروں کے سر، چہرہ اور ڈاڑھی وغیرہ پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں بھی یہی طریقہ رائج رہا، اور ہمارے علاقوں میں آج بھی بزرگوں اور بڑوں سے چھوٹوں کے سروں وغیرہ پر برکت کے طور پر ہاتھ پھیروایا جاتا ہے۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ذَهَبَتْ بِي خَالَتِيْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنَّ ابْنَ أُخْتِيْ وَجِعٌ فَمَسَحَ رَأْسِيْ وَدَعَا لِيْ بِالْبَرَكَةِ، ثُمَّ تَوَضَّأَ، فَشَرِبْتُ مِنْ وَّضُوْئِهِ، ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهِ، فَنَظَرْتُ إِلٰى خَاتَمِ النُّبُوَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ، مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ (صحيح البخاری)[1]

ترجمہ: مجھے میری خالہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ میری بہن کا لڑکا بیمار ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر

---

[1] رقم الحديث ١٩٠، كتاب الوضوء، باب بعد باب استعمال فضل وضوء الناس.

ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا فرمائی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو پی لیا، اس کے بعد میں آپ کی پشت کی طرف کھڑا ہو گیا، تو میں نے مہر نبوت کو دیکھ لیا، جو آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مثل حجلہ عروسی کی گھنڈی کے تھی (بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے سر پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا، تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ کی برکت حضرت سائب کے دماغ اور اس کے واسطہ سے دیگر اعضاء تک پہنچ جائے۔ [۱]

یہ حدیث اور اس طرح کی دوسری احادیث سے انبیاء وصلحاء کے آثار سے تیمن وتبرک کا بھی ثبوت ہوتا ہے۔ [۲]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ مَيْمُوْنَةَ وَهِيَ خَالَتُهُ فَاضْطَجَعْتُ فِيْ عَرْضِ وِسَادَةٍ وَاضْطَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلُهُ فِيْ طُوْلِهَا، فَنَامَ حَتّٰى انْتَصَفَ اللَّيْلُ ،أَوْ قَرِيْبًا مِّنْهُ،فَاسْتَيْقَظَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَّجْهِهٖ، ثُمَّ قَرَأَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ آلِ عِمْرَانَ، ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

---

[۱] حجلہ عروسی، دلہن کے پلنگ کے اوپر مزین کپڑوں وغیرہ سے گنبد نما چھپر کٹ بناتے تھے، ان کپڑوں کو باہم ٹانگنے کے لیے اس وقت مخصوص ہیئت کی گھنڈیاں ہوتی ہوں گی، ان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

[۲] فمسح رأسي، ليحصل له بركة يده الموصلة إلى الدماغ وغيره(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٢، ص٥٥٠، كتاب الصلاة، باب الأذان)

وفيه فوائد:

أولها :صحة إسماعه كبيرًا ما سمعه صغيرًا.

ثانيها :كون موضعه لم يبيض؛ لأنه دعا له بالبركة وأصلها دوام ما هو حاصل، وهو من البروك أى الثبوت، وقيل فى تفسير قوله تعالى :(تبارك) أى الذى دام ملكه وثبت، فلهذا ثبت جمال شبابه، والشيب أيضًا فضيلة ولهذا ابيضت لحيته ليحصل له الأمران.

ثالثها :تتبع آثار الصالحين(التوضيح لشرح الجامع الصحيح، لابن الملقن، ج٢٠، ص١٢٠، كتاب المناقب، باب خاتم النبوة)

وَسَلَّمَ إِلٰى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ، فَتَوَضَّأَ، فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي، فَصَنَعْتُ مِثْلَهُ، فَقُمْتُ إِلٰى جَنْبِهِ، فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رَأْسِي وَأَخَذَ بِأُذُنِي يَفْتِلُهَا، ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَوْتَرَ، ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى جَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ، فَقَامَ، فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجَ، فَصَلَّى الصُّبْحَ (صحيح البخاری) [1]

ترجمہ: میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رات گزاری، میں تکیہ کے چوڑائی میں لیٹا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گھر والے تکیہ کی لمبائی میں لیٹے، یہاں تک کہ آدھی رات یا اس کے مثل گزری ہوگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرے سے نیند کا اثر دور کرتے ہوئے بیدار ہوئے، پھر سورہ آلِ عمران کی دس آیتیں پڑھیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لٹکے ہوئے (پانی کے) مشکیزہ کے پاس گئے اور اچھی طرح وضو کیا، پھر نماز پڑھنے کو کھڑے ہوئے، میں نے بھی آپ کی طرح کیا اور آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا ،آپ نے اپنا دایاں ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرا کان مَلنے لگے، پھر مزید آپ نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر اس کے بعد دو رکعت اور پڑھیں، اور پھر وتر پڑھے، پھر لیٹ گئے، یہاں تک کہ آپ کے پاس مؤذن آیا آپ کھڑے ہوئے، پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں، پھر باہر نکلے، پھر فجر کی نماز پڑھائی (بخاری)

اس حدیث سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا مبارک ہاتھ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے سر پر رکھنا از راہِ شفقت کان مَلنا معلوم ہوا، جس کی ایک وجہ مبارک ہاتھ کی برکت کا دماغ

---

[1] رقم الحديث ۹۹۲، ابواب الوتر، باب ما جاء فی الوتر.

میں منتقل کرنا تھی، جیسا کہ اگلی روایت میں بھی آتا ہے۔ [1]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مَسَحَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، رَأْسِیْ وَدَعَا لِیْ بِالْحِکْمَۃِ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۸۴۰) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا، اور میرے لیے حکمت و دانائی کی دعا فرمائی (مسند احمد)

اس روایت میں بھی سر پر ہاتھ رکھنے کی وجہ مبارک ہاتھ کی برکت کا دماغ میں منتقل کرنا تھی۔

حضرت معاویہ بن قرہ اپنے والد حضرت قرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

مَسَحَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی رَأْسِیْ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۵۵۹۳) [3]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مَسَحَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدِہٖ عَلٰی رَأْسِیْ قَالَ: أَظُنُّہٗ قَالَ ثَلَاثًا، فَلَمَّا مَسَحَ قَالَ: اَللّٰھُمَّ اخْلُفْ جَعْفَرًا فِیْ وَلَدِہٖ (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۱۳۷۹، کتاب الجنائز)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے سر پر پھیرا، اور میرا گمان یہ ہے کہ تین مرتبہ پھیرا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا،

---

[1] وفی روایۃ الترمذی فی الشمائل :فوضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدہ الیمنی علی رأسی، ثم أخذ بأذنی الیمنی، قال ابن حجر :وضعہا أولا لیتمکن من مسک الأذن أو لأنہا لم تقع إلا علیہ، أو لینزل برکتہا بہ لیعی جمیع أفعالہ -علیہ السلام -فی ذلک المجلس وغیرہ(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج۳،ص ۹۰۴،کتاب الصلاۃ،باب صلاۃ اللیل)

[2] قال شعیب الارنؤوط:إسنادہ صحیح علی شرط البخاری (حاشیۃ مسند احمد)

[3] قال شعیب الارنؤوط:إسنادہ صحیح (حاشیۃ مسند احمد)

اسی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعاء فرمائی کہ ''اے اللہ! جعفر کے بیٹے کو اس کا خلیفہ بنا'' (حاکم)

بعض روایات میں یہ واقعہ کچھ مزید تفصیل کے ساتھ آیا ہے، اور اس میں بھی یہ صراحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جعفر کے سر پر تین مرتبہ ہاتھ پھیرا، اور ہر مرتبہ ہاتھ پھیرتے وقت مذکورہ دعاء فرمائی۔ [1]

تین مرتبہ ہاتھ پھیرنے کی وجہ یہ تھی کہ توجہات، انوارات، برکات خوب منتقل اور شاملِ حال ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی یا نیک، صالح شخص کا اپنے سے چھوٹے کے سر پر ہاتھ پھیرنا اور اس کے لیے دعائے خیر کرنا برکت کا باعث ہے۔

حضرت رافع بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنْتُ وَأَنَا غُلَامٌ أَرْمِيْ نَخْلًا لِلْأَنْصَارِ، فَأَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقِيْلَ: إِنَّ هَاهُنَا غُلَامًا يَرْمِيْ نَخْلَنَا، فَأُتِيَ بِيْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا غُلَامُ، لِمَ تَرْمِي النَّخْلَ؟ قَالَ: قُلْتُ: آكُلُ، قَالَ: فَلَا تَرْمِ النَّخْلَ، وَكُلْ مَا يَسْقُطُ فِيْ أَسَافِلِهَا، ثُمَّ مَسَحَ رَأْسِيْ، وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ أَشْبِعْ بَطْنَهٗ (مسند احمد، رقم الحديث ٢٠٣٤٣) [2]

---

[1] حدثنا روح، حدثنا ابن جريج، أخبرنى جعفر بن خالد ابن سارة، أن أباه أخبره، أن عبد الله بن جعفر، قال: لو رأيتنى وقثم وعبيد الله ابنى عباس، ونحن صبيان نلعب، إذ مر النبى صلى الله عليه وسلم على دابة، فقال: " ارفعوا هذا إلى "قال: فحملنى أمامه، وقال لقثم: ارفعوا هذا إلى فجعله ورائه، وكان عبيد الله أحب إلى عباس من قثم، فما استحى من عمه أن حمل قثم وتركه، قال: ثم مسح على رأسى ثلاثا، وقال كلما مسح: "اللهم اخلف جعفرا فى ولده "قال: قلت لعبد الله: ما فعل قثم؟ قال: استشهد، قال: قلت: الله أعلم بالخير ورسوله بالخير، قال: أجل (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١٧٦٠)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط: حديث محتمل للتحسين (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: میں اور ایک لڑکا انصار کے باغ میں درختوں پر پتھر مارتے تھے، باغ کا مالک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ یہاں ایک لڑکا ہے جو ہمارے درختوں پر پتھر مارتا ہے، پھر مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے لڑکے! تم درختوں پر پتھر کیوں مارتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ پھل (گرا کر) کھانے کے لیے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ درختوں پر پتھر نہ مارو، اور جو پھل (خود سے) نیچے گرجائے اسے کھالیا کرو، پھر میرے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ اے اللہ! اس کا پیٹ بھر دے (مسند احمد)

سر پر ہاتھ پھیر کر دعاء کرنے کی وجہ یہی تھی، تاکہ دماغ میں برکت کا اثر پہنچ جائے۔

حضرت یوسف بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمَّانِیُ رَسُوُلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ يُوُسُفَ وَمَسَحَ عَلٰى رَأْسِیُ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۶۴۰۴) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام یوسف رکھا اور آپ نے میرے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا (مسند احمد)

حضرت یوسف بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

أَجُلَسَنِیُ رَسُوُلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ فِیُ حَجُرِهٖ وَمَسَحَ عَلٰى رَأْسِیُ وَسَمَّانِیُ يُوُسُفَ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۶۴۰۷) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے (بچپن میں) اپنی گود میں بٹھایا، اور میرے سر پر ہاتھ پھیرا، اور میرا نام یوسف رکھا (مسند احمد)

مذکورہ احادیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا مبارک ہاتھ دوسروں کے سر پر پھیرنا اور رکھنا

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح، رجاله ثقات (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح، رجاله ثقات (حاشية مسند احمد)

ثابت ہوا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنتُ أَرْعٰى غَنَمًا لِعُقْبَةَ بْنِ أَبِىْ مُعَيْطٍ، فَمَرَّ بِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُوْ بَكْرٍ، فَقَالَ: يَا غُلَامُ، هَلْ مِنْ لَبَنٍ؟ قَالَ: قُلْتُ: نَعَمْ، وَلٰكِنِّىْ مُؤْتَمَنٌ، قَالَ: فَهَلْ مِنْ شَاةٍ لَمْ يَنْزُ عَلَيْهَا الْفَحْلُ؟ فَأَتَيْتُهُ بِشَاةٍ، فَمَسَحَ ضَرْعَهَا، فَنَزَلَ لَبَنٌ، فَحَلَبَهُ فِىْ إِنَاءٍ، فَشَرِبَ، وَسَقٰى أَبَا بَكْرٍ، ثُمَّ قَالَ لِلضَّرْعِ: اِقْلِصْ، فَقَلَصَ، قَالَ: ثُمَّ أَتَيْتُهُ بَعْدَ هٰذَا، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، عَلِّمْنِىْ مِنْ هٰذَا الْقَوْلِ، قَالَ: فَمَسَحَ رَأْسِىْ، وَقَالَ: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، فَإِنَّكَ غُلَيِّمٌ مُعَلَّمٌ (مسند احمد، رقم الحديث ۳۵۹۸) [1]

ترجمہ: میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ میرے پاس سے گزرے اور فرمایا کہ اے لڑکے! کیا تمہارے پاس دودھ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں! لیکن میں (ان بکریوں کا) امین ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا کوئی ایسی بکری تمہارے پاس ہے، جس سے نر جانور نے جفتی نہ کی ہو؟ تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسی بکری لے کر آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تھن پر ہاتھ پھیرا، تو اس میں (بطور معجزہ) دودھ اتر آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک برتن میں نکالا، خود بھی پیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی پلایا، پھر اس بکری کے تھن سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ سکڑ جاؤ، چنانچہ وہ تھن دوبارہ سکڑ گئے، تھوڑی دیر بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے بھی یہ بات سکھا دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن من أجل عاصم (حاشية مسند احمد)

علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور مجھے دعا دی کہ ”اللہ تم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے، تم سمجھدار بچے ہو“ (مسند احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اس بکری کے تھن میں وہ دودھ معجزہ کی وجہ سے اترا تھا، جس میں بکری کے مالک کے ساتھ خیانت نہ تھی، اور معجزہ کیونکہ نبی کے ساتھ خاص ہوتا ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سکھانے سے تو خاموشی اختیار فرمائی، مگر حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے سر پر ہاتھ پھیرا، اور ان کو دعاء دی۔

اس حدیث سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے سر پر بطور برکت ہاتھ پھیرنا اور دعائے خیر دینا ثابت ہوا۔

حضرت ابو ایاس سے روایت ہے کہ:

جَاءَ أَبِیْ إِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ غُلَامٌ صَغِیْرٌ، فَمَسَحَ رَأْسَہٗ وَاسْتَغْفَرَ لَہٗ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۶۲۵۰) [1]

ترجمہ: میرے والد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جبکہ وہ چھوٹے بچے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا، اور ان کے لیے مغفرت کی دعاء کی (مسند احمد)

حضرت حنظلہ بن حذیم رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں روایت ہے کہ:

قَالَ حَنْظَلَۃُ: فَدَنَا بِیْ إِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنَّ لِیْ بَنِیْنَ ذَوِیْ لِحًی، وَدُوْنَ ذٰلِکَ، وَإِنَّ ذَا أَصْغَرُھُمْ، فَادْعُ اللّٰہَ لَہٗ، فَمَسَحَ رَأْسَہٗ، وَقَالَ: بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکَ، أَوْبُوْرِکَ فِیْہِ (مسند الإمام أحمد، رقم الحدیث ۲۰۶۶۵) [2]

---

[1] قال شعیب الارنؤوط:
حدیث صحیح (حاشیۃ مسند احمد)

[2] قال شعیب الارنؤوط: إسنادہ صحیح (حاشیۃ مسند احمد)

ترجمہ: حنظلہ کہتے ہیں کہ میرے والد (حضرت حذیم) مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور عرض کیا کہ میرے کچھ بیٹے جوان اور کچھ اس سے کم ہیں، یہ ان میں سب سے چھوٹا ہے، آپ اس کے لیے اللہ سے دعا کر دیجیے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ اللہ تمہیں برکت دے، یا آپ کو برکت حاصل ہو (مسند احمد)

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ذَهَبَتْ بِیْ أُمِّیْ إِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَمَسَحَ عَلٰى رَأْسِیْ، وَدَعَا لِی بِالرِّزْقِ (الأدب المفرد للبخاری) [1]

ترجمہ: میری والدہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا، اور میرے رزق میں کشادگی کی دعا فرمائی (الادب المفرد)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَرْدَفَنِیَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِرَارًا، وَمَسَحَ بِرَأْسِیْ، وَاسْتَغْفَرَ لِیْ وَلِذُرِّيَّتِیْ عَدَدَ مَا بِيَدِیْ مِنَ الْأَصَابِعِ (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ٦٢٦٧، ج٧ص ٢٤) [2]

ترجمہ: مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مرتبہ اپنے ساتھ سواری پر پیچھے بٹھایا، اور میرے سر پر ہاتھ پھیرا، اور میرے لیے اور میری اولاد کے لیے میری انگلیوں کے

---

[1] ص ۲۲۱، رقم الحديث ۶۳۲، باب بعد باب دعاء الأخ بظهر الغيب.
قال الألبانی: صحيح (حاشية الادب المفرد)

[2] قال الهيثمی:
رواه الطبرانی، ورجاله رجال الصحيح غير علی بن يزيد بن أبی حكيمة، وهو ثقة (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۵۹۶۰، باب ما جاء فی سلمة بن الأكوع - رضی الله عنه)

عدد کے برابر مغفرت کی دعاء فرمائی (طبرانی)

ان احادیث سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرنے اور دعاء کرنے کا ثبوت ہوا۔

حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِىْ سُنَّةَ الْأَذَانِ؟ قَالَ: فَمَسَحَ مُقَدَّمَ رَأْسِىْ

(سنن أبى داود)[1]

ترجمہ: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے اذان کا طریقہ سکھا دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر کے اگلے حصہ پر ہاتھ پھیرا (اور پھر اذان سکھائی) (ابوداؤد)

بعض روایات میں پیشانی پر ہاتھ پھیرنے کا ذکر ہے۔[2]

سر یا پیشانی پر ہاتھ پھیرنے کی وجہ یہ تھی، تا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کی برکت دماغ کو پہنچ جائے، اور پھر ان کو اذان وغیرہ یاد رہے۔[3]

حضرت سلمہ بن وردان سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحديث ٥٠٠، كتاب الصلاة، باب كيف الأذان.

قال شعيب الارنؤوط:

حديث صحيح بطرقه (حاشية سنن ابى داود)

[2] قال أبو محذورة: خرجت فى عشرة فتيان مع النبى صلى الله عليه وسلم، وهو أبغض الناس إلينا، فأذنوا فقمنا نؤذن نستهزء بهم، فقال النبى صلى الله عليه وسلم: " ائتونى بهؤلاء الفتيان "فقال: " أذنوا "فأذنوا فكنت أحدهم، فقال النبى صلى الله عليه وسلم: " نعم، هذا الذى سمعت صوته، اذهب فأذن لأهل مكة "، فمسح على ناصيته(مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١٥٣٧٦)

قال شعيب الارنؤوط:

حديث صحيح بطرقه، وهذا إسناد ضعيف(حاشية مسند احمد)

[3] ولعله صلى الله تعالى عليه وعلى آله وسلم فعل ذلك لتحصل له بركة يده الشريفة فيحفظ ما يلقى إليه(المنهل العذب المورود شرح سنن الإمام أبى داود،لمحمود محمد خطاب السبكى، ج٤،ص ١٣٦، كتاب الصلاة،باب بدء الأذان)

رَأَيْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يُصَافِحُ النَّاسَ، فَسَأَلَنِيْ: مَنْ أَنْتَ؟ فَقُلْتُ: مَوْلًى لِبَنِيْ لَيْثٍ، فَمَسَحَ عَلٰى رَأْسِيْ ثَلَاثًا وَقَالَ: بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ [1]

(الأدب المفرد للبخاری، ص ۳۳۶، رقم الحدیث ۹۶۶، باب مصافحة الصبيان)

ترجمہ: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا، آپ لوگوں سے مصافحہ فرمارہے تھے، آپ نے مجھ سے سوال فرمایا کہ آپ کون ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ میں بنی لیث کا آزاد کردہ غلام ہوں، تو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے میرے سر پر تین مرتبہ ہاتھ پھیرا، اور فرمایا ''اللہ آپ کو برکت عطا کرے'' (ادب المفرد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ صحابی تھے، نبی نہیں تھے، جس سے معلوم ہوا کہ جس طرح نبی کا دوسروں کے سر وغیرہ پر ہاتھ پھیرنا جائز ہے، اسی طرح غیر نبی کا بھی۔

مذکورہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ بزرگوں اور نیک صالح لوگوں کا دوسرے کے سر اور پیشانی پر ہاتھ پھیرنا برکت کا باعث ہے۔

سر اور ڈاڑھی پر مبارک ہاتھ پھیرنا

بعض احادیث وروایات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسروں کے سر اور ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنا بھی ثابت ہے۔

حضرت ابوزید انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اُدْنُ مِنِّيْ، قَالَ: فَمَسَحَ بِيَدِهٖ عَلٰى رَأْسِهٖ، وَلِحْيَتِهٖ، قَالَ: ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ جَمِّلْهُ، وَأَدِمْ جَمَالَهُ، قَالَ: فَلَقَدْ بَلَغَ بِضْعًا، وَمِائَةَ سَنَةٍ وَمَا فِيْ رَأْسِهٖ وَلِحْيَتِهٖ بَيَاضٌ، إِلَّا نَبْذٌ

[1] قال الألبانی: حسن (حاشية الادب المفرد)

يَسِيرٌ، وَلَقَدُ كَانَ مُنبَسِطَ الْوَجُهِ، وَلَمْ يَنْقَبِضُ وَجُهُهُ حَتّٰى مَاتَ

(مسند احمد، رقم الحديث ٢٠٧٣٣)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ میرے قریب آؤ، پھر میرے سر اور داڑھی پر اپنا ہاتھ پھیرا، اور یہ دعاء کی کہ ''اے اللہ! اسے حسن و جمال عطا فرما اور اس کے حسن کو دوام عطا فرما''

راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابوزید انصاری کی عمر سو سال سے بھی اوپر ہوئی، لیکن ان کے سر اور ڈاڑھی کے چند بال ہی سفید تھے، اور آخر دم تک وہ ہمیشہ مسکراتے ہی رہے اور فوت ہونے تک ان کے چہرے پر انقباض کی کیفیت نہیں دیکھی گئی (مسند احمد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی بچہ نہ ہو، بلکہ جوان یا بڑا ہو، تو نیک صالح شخص کا اس کے سر اور ڈاڑھی وغیرہ پر ہاتھ پھیرنا بھی حدیث سے ثابت اور برکت کا باعث ہے۔

چہرے پر مبارک ہاتھ پھیرنا

بعض احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسروں کے چہرہ پر بھی ہاتھ پھیرنا ثابت ہے، اس طرح کی چند احادیث ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت حارث بن عمرو سہمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ أَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَهُوَ عَلٰى نَاقَتِهِ الْعَضْبَاءِ، وَكَانَ الْحَارِثُ رَجُلًا جَسِيْمًا، فَنَزَلَ إِلَيْهِ الْحَارِثُ، فَدَنَا مِنْهُ حَتّٰى حَاذٰى وَجْهَهُ بِرُكْبَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَهْوٰى نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ وَجْهَ الْحَارِثِ، فَمَا زَالَتْ نُضْرَةٌ عَلٰى وَجْهِ الْحَارِثِ حَتّٰى هَلَكَ، فَقَالَ لَهُ

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

الْحَارِثُ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ ادْعُ اللّٰهَ لِيْ، فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ٣٣٥٢، ج٣ص ٢٦٢)[1]

ترجمہ: وہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ''عضباء'' نامی اونٹنی پر تشریف فرما تھے، اور حضرت حارث بھاری جسم کے آدمی تھے، پھر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوئے، یہاں تک کہ ان کا چہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنے کے قریب ہوگیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جھک کر حضرت حارث کے چہرے پر ہاتھ پھیرا، اس کے بعد حضرت حارث کے چہرے پر ان کے فوت ہونے تک رونق برقرار رہی، حضرت حارث نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! میرے لیے دعا فرمادیجیے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعاء کی کہ اے اللہ! ہماری مغفرت فرمادیجیے (طبرانی)

حضرت تِلِب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ، أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ اسْتَغْفِرْ لِي، فَقَالَ: إِذَا أُذِنَ لَكَ، أَوْ حَتَّى يُؤْذَنَ لَكَ قَالَ: فَغَبَّرَ مَا شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ دَعَاهُ، فَمَسَحَ يَدَهُ عَلٰى وَجْهِهِ، وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلتِّلِبِ، وَارْحَمْهُ ثَلَاثًا (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ١٢٩٨، ج٢ص ٦٣)[2]

ترجمہ: وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری مغفرت کی دعاء فرمادیجیے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آپ

---

[1] قال الهيثمي: رواه الطبراني، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٦١٠٦، باب ما جاء في الحارث بن عمرو -رضي الله عنه)

[2] قال الهيثمي: رواه الطبراني، وملقام بن التلب روى عنه اثنان، وبقية رجاله وثقوا (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٦١٠٧، باب ما جاء في التلب -رضي الله عنه)

کے لیے اجازت ہوگی، تب دعاء کردوں گا، پھر جتنا اللہ نے چاہا، اتنا وقت ٹھہرے رہے، پھران کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء کی، اوران کے چہرے پر ہاتھ پھیرا، اور تین مرتبہ یہ دعاء کی کہ ''اے اللہ! تلِب کی مغفرت فرمادیجیے، اوراس پر رحم فرمائیے'' (طبرانی)

حضرت حصین بن اوس رضی اللہ عنہ کے چہرے پر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پھیرنے اوران کے لیے دعاء کرنے کی روایت مروی ہے۔ [1]

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنِّيْ رَجُلٌ لَا أَثْبُتُ عَلَى الْخَيْلِ، فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى وَجْهِيْ حَتّٰى وَجَدْتُ بَرْدَهَا، وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا (مسند احمد، رقم الحديث ۱۹۲۴۹) [2]

ترجمہ: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں گھوڑے پر (سوار ہوتے وقت) اچھے طریقہ سے نہیں بیٹھ پاتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے چہرے پر ہاتھ رکھا، یہاں تک کہ میں نے اس کی ٹھنڈک کو محسوس کیا، اور یہ دعاء کی کہ ''اے اللہ! ان کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنادیجیے'' (مسند احمد)

بعض روایات میں سینہ پر ہاتھ پھیرنے کا ذکر ہے۔ [3]

---

[1] حدثنی زياد بن حصين النهشلی، عن أبيه حصين بن أوس، أنه قدم المدينة بإبل، فقال: يا رسول الله مر أهل الوادی أن يعينونی ويحسنوا مخالطتی فأمرهم، فقاموا معه فأحسنوا مخالطته ثم دعاه فمسح يده على وجهه ودعا له(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۳۵۵۸، ج۴ص ۳۰)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين(حاشية مسند احمد)

[3] عن جرير قال: قال لی رسول الله صلى الله عليه وسلم: " ألا تريحنی من ذی الخصلة"، بيتا كان لخثعم فی الجاهلية يسمى الكعبة اليمانية قال: قلت: يا رسول الله، إنی رجل لا أثبت على الخيل, قال: فمسح صدری ثم قال: " اللهم اجعله هاديا مهديا ," حتى وجدت بردها(صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۷۲۰۱)
قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين(حاشية ابنِ حبان)

مذکورہ احادیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسروں کے چہرہ اور سینے پر برکت کی غرض سے ہاتھ پھیرنا معلوم ہوا۔

متاثرہ مقام پر مبارک ہاتھ پھیرنا

بعض احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسروں کے متاثرہ مقام پر ہاتھ پھیرنا ثابت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْفُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ فِي الْمَرَضِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ، فَلَمَّا ثَقُلَ كُنْتُ أَنْفِثُ عَلَيْهِ بِهِنَّ، وَأَمْسَحُ بِيَدِ نَفْسِهٖ لِبَرَكَتِهَا (صحيح البخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جس مرض میں وفات ہوئی، اس میں ''معوذات'' (یعنی سورہ فلق، سورہ ناس اور سورہ اخلاص) پڑھ کر اپنے اوپر دَم کرتے تھے، پھر جب آپ کو مرض کی وجہ سے یہ عمل مشکل ہوا، تو میں ''معوذات'' کو آپ پر پڑھ کر دَم کرتی تھی، اور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو اس میں برکت زیادہ ہونے کی وجہ سے آپ کے جسم پر پھیر دیا کرتی تھی (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ:

كُنْتُ أَرْقِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْعَيْنِ، فَأَضَعُ يَدِيْ عَلٰى صَدْرِهٖ، وَأَقُوْلُ: اِمْسَحِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ، بِيَدِكَ الشِّفَاءُ، لَا كَاشِفَ لَهٗ إِلَّا أَنْتَ (مسند احمد، رقم الحديث ٢٤٩٩٥) [2]

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر کا دم کیا کرتی تھی، میں اپنا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ پر رکھ کر یہ دعاء پڑھتی تھی کہ:

---

[1] رقم الحديث ٥٧٣٥، كتاب الطب، باب الرقى بالقرآن والمعوذات.

[2] قال شعيب الارنؤط: إسناده صحيح على شرط مسلمَ (حاشية مسند احمد)

اِمْسَحِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ. بِيَدِكَ الشِّفَاءُ. لَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا أَنْتَ.

’’تکلیف کو دور فرما دیجئے، اے لوگوں کے رب! آپ ہی کے ہاتھ میں شفاء ہے، اس کو آپ کے سوا کوئی دور نہیں کرسکتا (مسند احمد)

پہلی روایت میں دَم کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ زیادہ بابرکت ہونے کی وجہ سے جسم پر پھیرنے اور دوسری روایت میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنا ہاتھ سینہ پر رکھنے کی تصریح ہے، جس سے معلوم ہوا کہ مبارک کلمات پڑھتے ہوئے بابرکت ہاتھ کا جسم یا متاثرہ حصہ پر رکھنا یا پھیرنا برکت کا باعث ہے۔

حضرت محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

تَنَاوَلْتُ قِدْرًا لِأُمِّي، فَاحْتَرَقَتْ يَدِي، فَذَهَبَتْ بِي أُمِّي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَعَلَ يَمْسَحُ يَدِي، وَلَا أَدْرِي مَا يَقُولُ، أَنَا أَصْغَرُ مِنْ ذَاكَ، فَسَأَلْتُ أُمِّي، فَقَالَتْ: كَانَ يَقُولُ: أَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ، وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۸۲۷۶) [1]

ترجمہ: میں اپنی والدہ کے لیے (کھانے کی) ہانڈی اٹھا رہا تھا، تو میرا ہاتھ جل گیا، پھر میری والدہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ پھیرا، اور کچھ پڑھا، جس کو میں کم عمری کی وجہ سے سمجھ نہیں سکا، پھر میں نے اپنی والدہ سے معلوم کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا پڑھا تھا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ پڑھا تھا کہ:

أَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ، وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: مرفوعه صحيح، وهذا إسناد حسن من أجل سماك: وهو ابن حرب- وبقية رجاله ثقات (حاشية مسند احمد)

وقال الهيثمي: رواه أحمد، ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۸۴۵۷)

’’تکلیف کو دُور فرما دیجیے، لوگوں کے رب! اور شفاء عطا فرما دیجیے، تو ہی شفاء دینے والا ہے، تیری شفاء کے علاوہ کوئی شفاء نہیں‘‘ (مسند احمد)

اس طرح کی احادیث وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا مبارک کلام اور مسنون دعائیں پڑھ کر دَم کرنا اور متاثرہ مقام پر ہاتھ پھیرنا برکت وشفاء کا باعث ہے۔ [1]

حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: أُمَّ قَوْمَكَ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنِّيْ أَجِدُ فِيْ نَفْسِيْ شَيْئًا قَالَ: اُدْنُهْ فَجَلَّسَنِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ، ثُمَّ وَضَعَ كَفَّهُ فِيْ صَدْرِيْ بَيْنَ ثَدْيَيَّ، ثُمَّ قَالَ: تَحَوَّلْ فَوَضَعَهَا فِيْ ظَهْرِيْ بَيْنَ كَتِفَيَّ، ثُمَّ قَالَ: أُمَّ قَوْمَكَ، فَمَنْ أَمَّ قَوْمًا فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فِيْهِمُ الْكَبِيْرَ، وَإِنَّ فِيْهِمُ الْمَرِيْضَ، وَإِنَّ فِيْهِمُ الضَّعِيْفَ، وَإِنَّ فِيْهِمْ ذَا الْحَاجَةِ، وَإِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ وَحْدَهُ، فَلْيُصَلِّ كَيْفَ شَاءَ (صحيح مسلم) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ آپ اپنی قوم کی امامت کریں، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے اپنے نفس میں کچھ (خوف یا بڑائی

---

[1] وفى الحديث التبرك بالرجل الصالح وسائر أعضائه وخصوصا اليد اليمنى (فتح البارى شرح صحيح البخارى، للعسقلانى، ج١٠، ص١٩٨، قوله باب الرقى)

وفيه استعمال آثار الصالحين ولباس ملابسهم على جهة التبرك والتيمن بها (فتح البارى شرح صحيح البخارى، للعسقلانى، ج١٠، ص٣٣٠، قوله باب هل يجعل نقش الخاتم ثلاثة أسطر)

وقد جاء فى حديث أبى سعيد فى الرقية بفاتحة الكتاب فجعل يجمع بزاقه قال عياض وفائدة التفل التبرك بتلك الرطوبة والهواء والتفث للمباشر للرقية المقارن للذكر الحسن كما يتبرك بغسالة ما يكتب من الذكر والأسماء وقال النووى أيضا أكثر الروايات فى الرؤيا فلينفث وهو نفخ لطيف بلا ريق فيكون التفل والبصق محمولين عليه مجازا قلت لكن المطلوب فى الموضعين مختلف لأن المطلوب فى الرقية التبرك برطوبة الذكر كما تقدم (فتح البارى شرح صحيح البخارى، للعسقلانى، ج١٢، ص٣٧١، قوله باب بالتنوين الرؤيا من الله)

[2] رقم الحديث ٤٦٨ "١٨٦" كتاب الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة فى تمام.

وغیرہ کا شائبہ) محسوس ہوتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب آ جایئے، پھر آپ نے مجھے اپنے سامنے بٹھالیا، پھر اپنا ہاتھ مبارک میرے سینہ کے درمیان میں رکھا (تاکہ مبارک ہاتھ کی برکت سے وہ شائبہ دور ہو جائے) پھر فرمایا کہ رخ پھیر لیجیے، پھر اپنا ہاتھ مبارک میری پیٹھ پر کاندھوں کے درمیان رکھا، پھر فرمایا کہ اپنی قوم کی امامت کیجیے، اور جو کوئی کسی قوم کی امامت کرے، تو اسے چاہیے کہ خفیف (یعنی ہلکی) نماز پڑھائے، کیونکہ لوگوں میں بوڑھے بھی ہوتے ہیں، مریض بھی ہوتے ہیں، کمزور بھی ہوتے ہیں، اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں، اور جب تم میں سے کوئی اپنی نماز الگ پڑھے، تو وہ جس طرح سے چاہے (لمبی یا مختصر نماز) پڑھے (مسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کے طور پر حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے سینہ پر ہاتھ رکھا۔[1]

مبارک ہاتھوں کی تقبیل

مذکورہ احادیث میں تو بابرکت ہاتھ کے دوسرے کے جسم یا جسم کے کسی عضو پر رکھنے، مس کرنے اور پھیرنے کا ذکر تھا، اور بعض احادیث میں مبارک اعضاء کی تقبیل کرنے کا ذکر آیا ہے، خاص طور پر ہاتھ وغیرہ کی تقبیل کا، اور تقبیل بھی مبارک عضو کے لمس کی ایک شکل ہے، جس کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت مرشد عبدی سے روایت ہے کہ:

كُنْتُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ أَشَجُّ عَبْدُ الْقَيْسِ

---

[1] قال النووى: ويحتمل أنه أراد الخوف من حصول شىء من الكبر والإعجاب له مقدما على الناس، فأذهبه الله ببركة كفه عليه السلام (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۳، ص۸۷۴، كتاب الصلاة، باب ما على الإمام)

يَمْشِيْ حَتّٰى أَخَذَ بِيَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبَّلَهَا ،فَقَالَ لَـهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:فِيكَ خَصْلَتَانِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ:اَلتُّؤَدَةُ وَالْأَنَاةُ ،قَالَ مَرْثَدٌ: وَوَفَدْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَدَرْتُهُ فَقَبَّلْتُ يَدَهُ(معجم الصحابة لابن قانع) [1]

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا، تو اشج عبدالقیس چلتے ہوئے آئے، یہاں تک کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو پکڑا، پھر اس کی تقبیل کی (یعنی ہاتھ اپنے چہرہ اور منہ سے لگائے) ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ میں دو خصلتیں ہیں، جن کو اللہ عزوجل پسند فرماتا ہے، ایک تو تحمل اور دوسرے متانت وسنجیدگی۔

حضرت مرثد عبدی کہتے ہیں کہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وفد کے ساتھ آیا، پھر میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کی تقبیل کی (معجم الصحابه لابن قانع)

اور ہود عصری اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ:

بَيْـنَـمَـا رَسُـوْلُ الـلّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَدِّثُ أَصْحَابَهُ إِذْ قَالَ: يَطْلُعُ عَلَيْكُمْ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ رَكْبٌ مِنْ خَيْرِ أَهْلِ الْمَشْرِقِ،فَقَامَ عُمَرُ بْنُ الْـخَـطَّـابِ، فَتَـوَجَّـهَ فِيْ ذٰلِكَ الْوَجْهِ فَلَقِيَ ثَـلَاثَةَ عَشَرَ رَاكِبًا، فَرَحَّبَ وَقَرَّبَ، وَقَالَ:مَنِ الْقَوْمُ؟ قَالُوْا:قَوْمٌ مِّنْ عَبْدِ الْقَيْسِ،قَالَ:فَمَا أَقْدَمَكُمْ هٰذِهِ الْبِلَادَ؟ اَلتِّجَارَةَ؟ قَالُوْا:لَا،قَالَ:فَتَبِيْعُوْنَ سُيُوْفَكُمْ هٰذِهٖ؟ قَالُوْا:لَا،قَالَ:فَلَعَلَّكُمْ إِنَّمَا قَدِمْتُمْ فِيْ طَلَبِ هٰذَا الرَّجُلِ؟ قَالُوْا:أَجَلْ، فَـمَشٰـى مَـعَهُـمْ يُحَدِّثُهُمْ حَتّٰى نَظَرَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

---

[1] ج۳ص ۶۹، باب المیم،تحت ترجمة مرثد بن ظبیان العبدی،رقم الترجمة ۱۰۲۲ .

فَقَالَ لَهُمْ: هٰذَا صَاحِبُكُمُ الَّذِىْ تَطْلُبُوْنَ، فَرَمَى الْقَوْمُ بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ رِّحَالِهِمْ، فَمِنْهُمْ مَنْ سَعٰى سَعْيًا، وَمِنْهُمْ مَنْ هَرْوَلَ، وَمِنْهُمْ مَنْ مَشٰى حَتّٰى أَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخَذُوْا بِيَدِهٖ يُقَبِّلُوْنَهَا، وَقَعَدُوْا إِلَيْهِ، وَبَقِىَ الْأَشَجُّ، وَهُوَ أَصْغَرُ الْقَوْمِ، فَأَنَاخَ الْإِبِلَ وَعَقَلَهَا، وَجَمَعَ مَتَاعَ الْقَوْمِ، ثُمَّ أَقْبَلَ يَمْشِىْ عَلٰى تُؤَدَةٍ حَتّٰى أَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخَذَ بِيَدِهٖ فَقَبَّلَهَا، فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فِيْكَ خَصْلَتَانِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ، قَالَ: وَمَا هُمَا يَا نَبِىَّ اللّٰهِ؟ قَالَ: اَلْأَنَاةُ وَالتُّؤَدَةُ، قَالَ: أَجُبِلًا جُبِلْتُ عَلَيْهِ أَوْ تَخَلُّقًا مِنِّىْ؟ قَالَ: بَلْ جُبِلٌ، فَقَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ جَبَلَنِىْ عَلٰى مَا يُحِبُّ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ، وَأَقْبَلَ الْقَوْمُ قِبَلَ تَمَرَاتٍ لَهُمْ يَأْكُلُوْنَهَا، فَجَعَلَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَمِّىْ لَهُمْ هٰذَا كَذَا، وَهٰذَا كَذَا، قَالُوْا: أَجَلْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا نَحْنُ بِأَعْلَمَ بِأَسْمَائِهَا مِنْكَ، قَالَ: أَجَلْ، فَقَالُوْا لِرَجُلٍ مِنْهُمْ: أَطْعِمْنَا مِنْ بَقِيَّةِ الَّذِىْ بَقِىَ فِىْ نَوْطِكَ، فَقَامَ فَأَتَاهُ بِالْبَرْنِىِّ، فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هٰذَا الْبَرْنِىُّ، أَمَا إِنَّهٗ مِنْ خَيْرِ تَمَرَاتِكُمْ، إِنَّمَا هُوَ دَوَاءٌ، وَلَا دَاءَ فِيْهِ (مسند أبى يعلى، رقم الحديث ٦٨٥٠، ج ١٢ ص ٢٤٥، حديث جد هود عن النبى صلى الله عليه وسلم) [1]

ترجمہ: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابۂ کرام سے گفتگو فرما رہے تھے، اس دوران آپ نے فرمایا کہ تمہارے پاس اہلِ مشرق کے بہترین لوگوں میں سے ایک قافلہ آ رہا ہے (یہ سن کر) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کھڑے

---

[1] قال الهيثمى: رواه الطبرانى، وأبو يعلى، ورجالهما ثقات وفى بعضهم خلاف (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٦٠٦٠، باب ما جاء فى الأشج ورفقته -رضى الله عنهم)
وقال حسين سليم أسد الدارانى: إسناده حسن (حاشية مسند ابى يعلىٰ)

ہوئے، اوراس (یعنی مشرق کی) طرف روانہ ہوئے، تو آپ کی ملاقات تیرہ افراد پر مشتمل ایک قافلہ سے ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس تشریف لے گئے، اوران کوخوش آمدید کہا، اور پوچھا کہ آپ کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم (بنی) عبدالقیس کے قبیلہ سے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس شہر میں آپ لوگوں کے آنے کا مقصد کیا ہے؟ کہیں تجارت کرنا تو مقصد نہیں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، پھر آپ نے پوچھا کہ کیا آپ لوگ اپنی ان تلواروں کو فروخت کرنے آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شاید آپ لوگ اس شخص (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملاقات کی خاطر آئے ہیں، انہوں نے جواب میں کہا کہ جی ہاں! پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ چل پڑے، اوران کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے نبی صلی اللہ کے پاس پہنچ گئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے کہا کہ یہ ہیں وہ صاحب کہ جن کی خاطر آپ لوگ یہاں آئے ہیں۔

(یہ سن کر) ان لوگوں نے اپنا سامان (جلدی سے ایک طرف) ڈالا، اوران میں سے بعض تو بہت تیزی سے چلنے لگے، اور بعض دوڑنے لگے اور بعض چل کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو پکڑا، اوراس کی تقبیل کرنے لگے، اور پھر آپ کے پاس بیٹھ گئے، مگر اشج وہیں ٹھہرے رہے، اور وہ اپنے قبیلہ میں سب سے چھوٹے تھے، انہوں نے پہلے تو اپنے اونٹ کو بٹھایا، پھر اس کو باندھا، اور ساری قوم کا سامان ایک طرف جمع کیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے، اور آہستہ آہستہ چلنے لگے، یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ کا ہاتھ پکڑا اوراس کی تقبیل کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ میں دو ایسی خصلتیں ہیں کہ جن کو اللہ اوراس کا رسول پسند فرماتا ہے،

انہوں نے عرض کیا کہ وہ دو خصلتیں کیا ہیں اے اللہ کے نبی؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک تو تحمل اور دوسرے متانت وسنجیدگی، انہوں نے عرض کیا کہ کیا یہ عادتیں مجھ میں (قدرت کی طرف سے) ڈال دی گئی ہیں، یا میں نے ان کو خود اپنایا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ڈالی گئی ہیں، پھر انہوں نے کہا کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں کہ جس نے میرے اندر ایسی عادات کو ڈالا کہ جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند ہیں، وہ لوگ اپنی کھجوروں کی طرف کھانے کے لیے متوجہ ہوئے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ان کھجوروں کے نام (اور ان کے متعلق) بتانے لگے کہ یہ فلاں کھجور ہے اور یہ فلاں کھجور ہے، تو وہ کہنے لگے کہ جی ہاں! اے اللہ کے رسول! ہم ان کے ناموں (اور قسموں) سے آپ سے زیادہ واقف نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، پھر یہ لوگ اپنے ایک ساتھی سے کہنے لگے کہ اپنے توشے دان کی وہ کھجوریں ہمیں کھلایئے، جو اس میں باقی (رکھی گئی) ہیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، پھر آپ کے پاس برنی کھجور لائی گئی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ برنی (کھجور) ہے، جان لو کہ یہ تمہاری کھجوروں میں سے بہترین کھجور ہے، بے شک یہ ایک دواء ہے کہ جس میں کوئی بیماری نہیں ہے (ابویعلیٰ)

مذکورہ احادیث میں صراحت ہے کہ آنے والے اس وفد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کی تقبیل کی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّـهُ لَمَّا نَزَلَ عُذْرُهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخَذَ بِيَدِهٖ فَقَبَّلَهَا

(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۱۸۶، ج۱۹ ص۹۵)

ترجمہ: جب ان کا عذر قبول ہونے کا حکم نازل ہوا، تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس آئے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی تقبیل کی

(طبرانی)

اس روایت کی سند میں کچھ ضعف پایا جاتا ہے، لیکن اس کی تائید دیگر روایات سے ہوتی ہے۔ [1]

اس روایت میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کی تقبیل کا ذکر ہے۔

عبدالرحمٰن بن رزین سے روایت ہے کہ:

مَرَرْنَا بِالرَّبَذَةِ فَقِيلَ لَنَا: هَا هُنَا سَلَمَةُ بْنُ الْأَكْوَعِ، فَأَتَيْنَاهُ فَسَلَّمْنَا عَلَيْهِ، فَأَخْرَجَ يَدَيْهِ فَقَالَ: بَايَعْتُ بِهَاتَيْنِ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْرَجَ كَفًّا لَهُ ضَخْمَةً كَأَنَّهَا كَفُّ بَعِيرٍ، فَقُمْنَا إِلَيْهَا فَقَبَّلْنَاهَا

(الأدب المفرد، للبخاری، ص۳۳۸، رقم الحدیث ۹۷۳، باب تقبیل الید) [2]

ترجمہ: ہم ''ربذہ'' مقام سے گزرے، تو ہمیں بتایا گیا کہ یہاں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ موجود ہیں، تو ہم ان کے پاس آئے، اور ہم نے انہیں سلام کیا، پھر انہوں نے اپنے ہاتھ نکالے اور فرمایا کہ میں نے ان دونوں ہاتھوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے، انہوں نے اپنی ہتھیلی نکالی، تو وہ بڑی تھی، گویا کہ وہ اونٹ کی ہتھیلی ہے، پھر ہم نے کھڑے ہو کر حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی ہتھیلی کو بوسہ دیا (الادب المفرد)

---

[1] قال الهيثمي: رواه الطبراني، وفيه يحيى بن عبد الحميد الحماني، وهو ضعيف (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۲۷۹۷، باب قبلة اليد)

كعب بن مالك بن أبي كعب، واسمه عمرو السلمي المدني الشاعر، وهو أحد الثلاثة الذين تاب الله عليهم، وأنزل فيهم: (وعلى الثلاثة الذين خلفوا)وهو أحد السبعين الذين شهدوا العقبة .قوله: (حين بشر بالتوبة) ، أي: بشر بقبول توبته لأجل تخلفه عن غزوة تبوك، وكان المبشر هو سلمة بن الأكوع، رضي الله تعالى عنه، وقد مضى هذا(عمدة القاري للعيني، ج۱۵ ص۱۰، كتاب الوصايا، باب ما يعطى للبشير)

[2] قال الألباني: حسن (حاشية الادب المفرد)

اورطبرانی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ: بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِيْ هٰذِهٖ، فَقَبَّلْنَاهَا، فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۶۵۷) [1]

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ان ہاتھوں سے بیعت کی ہے، تو ہم نے آپ کے ہاتھ کی تقبیل کی، تو انہوں نے اس پر نکیر نہیں فرمائی (طبرانی)

یحییٰ بن حارث ذماری سے روایت ہے کہ:

لَقِيْتُ وَاثِلَةَ بْنَ الْأَسْقَعِ، فَقُلْتُ: بَايَعْتَ بِيَدِكَ هٰذِهٖ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: نَعَمْ، فَقُلْتُ: أَعْطِنِيْ يَدَكَ أُقَبِّلْهَا فَأَعْطَانِيْهَا فَقَبَّلْتُهَا (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۲۲۶، ج۲۲ص۹۴)

ترجمہ: میں نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی، پھر میں نے ان سے عرض کیا کہ کیا آپ نے اپنے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہے، انہوں نے فرمایا کہ بے شک، تو میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ اپنا ہاتھ مجھے عنایت فرمایئے، تاکہ میں اس کی تقبیل کروں، تو انہوں نے اپنا ہاتھ مجھے عنایت فرمایا، تو میں نے اس کی تقبیل کی (طبرانی)

مذکورہ روایت کی سند میں کچھ ضعف پایا جاتا ہے، مگر اس کی تائید دیگر روایات سے ہوتی ہے۔ [2]

---

[1] قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۲۷۹۹، باب قبلة اليد)

[2] قال الهيثمی: رواه الطبرانی، وفيه عبد الملک الفزاری ولم أعرفه، وبقية رجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۲۷۹۸، باب قبلة اليد)

مذکورہ روایات سے بھی صحابۂ کرام کے مبارک ہاتھوں کی تقبیل کرنا معلوم ہوا۔

حیان ابونصر سے روایت ہے کہ:

قَالَ لِیُ وَاثِلَةُ بْنُ الْأَسْقَعِ: قُدْنِیُ إِلٰی یَزِیُدَ بْنِ الْأَسْوَدِ، فَإِنَّهُ قَدْ بَلَغَنِیُ أَنَّ أَلَمًا بِهٖ، فَقُدْتُهُ، فَلَمَّا دَخَلَ عَلَیُهِ، قُلْتُ: إِنَّهُ ثَقِیُلٌ قَدْ وُجِّهَ وَذَهَبَ عَقْلُهُ، فَقَالَ: نَادُوُهُ، فَقُلْتُ: هٰذَا أَخُوكَ وَاثِلَةُ قَالَ: أَظُنُّ شَبَابَةَ قَالَ: فَلَمَّا سَمِعَ أَنَّ وَاثِلَةَ قَدْ جَاءَهُ قَالَ: فَرَأَیْتُهُ یَلْتَمِسُ بِیَدِهٖ، فَعَرَفْتُ مَا یُرِیُدُ، فَأَخَذْتُ كَفَّ وَاثِلَةَ فَجَعَلْتُهَا فِیُ یَدِهٖ، قَالَ: فَجَعَلَ یُقَلِّبُ كَفَّهُ وَیَضَعُهَا مَرَّةً عَلٰی فُؤَادِهٖ، وَمَرَّةً عَلٰی وَجْهِهٖ، وَعَلٰی فِیُهِ، وَإِنَّمَا أَرَادَ أَنْ یَّضَعَ یَدَهُ مَوْضِعَ یَدِ وَاثِلَةَ مِنْ رَّسُوُلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیُهِ وَسَلَّمَ (القبل والمعانقة والمصافحة، لابی سعید بن الأعرابی) [1]

ترجمہ: مجھ سے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم مجھے یزید بن اسود کے پاس لے کر چلو، کیونکہ مجھے معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہیں، تو میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کو یزید بن اسود کے پاس لے کر گیا، جب حضرت واثلہ، یزید بن اسود کے پاس پہنچے، تو میں نے کہا کہ یہ (یعنی یزید بن اسود) بیمار ہیں، اور ہوش میں نہیں ہیں، تو واثلہ نے کہا کہ انہیں آواز دے کر متوجہ کرو، میں نے آواز دی کہ یہ آپ کے بھائی واثلہ ہیں، تو یزید نے کہا اچھا میں خیال کر رہا تھا کہ کوئی نوجوان لڑکی آئی ہے (اس لیے میں نے اعراض رکھا) راوی کہتے ہیں کہ جب یزید بن اسود نے یہ سنا کہ حضرت واثلہ ان کے پاس آئے ہیں، تو وہ حضرت واثلہ کے ہاتھ کو تلاش کرنے لگے، میں نے ان کے ارادہ کو جان لیا، اور میں نے حضرت واثلہ کی ہتھیلی کو پکڑ کر یزید بن اسود کے ہاتھ میں دے دیا، تو یزید بن اسود

---

[1] ص ۶۵، رقم الحدیث ۳۷، باب قبلة الشیء یمس ید النبی صلی الله تعالی علیه وسلم.

اِن کی ہتھیلی کو الٹنے پلٹنے لگے، کبھی اپنے دل پر رکھتے، اور کبھی اپنے چہرہ پر رکھتے، اور کبھی اپنے منہ پر رکھتے، اوران کا مقصد یہ تھا کہ وہ حضرت واثلہ کے اس ہاتھ کو، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کو لگا ہے، اپنے جسم پر رکھیں (القبل والمعانقہ)

اس روایت میں صحابی رضی اللہ عنہ کے مبارک ہاتھ کو مس کرنے کا ذکر ہے، اور یہ پہلے ذکر کیا جاچکا کہ مس بھی تقبیل کے قریب عمل ہے، اور دونوں میں مابہ الاشتراک جسم کو مس کرنا ہی ہے۔

ابو مالک اشجعی سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِیْ أَوْفٰی: نَاوِلْنِیْ يَدَکَ الَّتِیْ بَايَعْتَ بِهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، فَنَاوَلَنِيْهَا فَقَبَّلْتُهَا (الرخصة فی تقبيل اليد، لابن المقرئ، ص ۸۹، رقم الحديث ۲۳)

ترجمہ: میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ اپنا وہ ہاتھ مجھے عنایت فرمائیے، جس کے ذریعہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے، انہوں نے مجھے اپنا وہ ہاتھ عنایت فرمایا، تو میں نے اس کی تقبیل کی (الرخصہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی آزاد کردہ باندی جمیلہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ ثَابِتٌ إِذَا جَاءَ إِلَى أَنَسٍ قَالَ: يَا جَمِيلَةُ، نَاوِلِيْنِی طِيْبًا أَمَسَّ بِهِ يَدِیْ، فَإِنَّ ابْنَ أَبِیْ ثَابِتٍ لَا يَرْضٰی حَتّٰی يُقَبِّلَ يَدِیْ، فَيَقُوْلُ: يَدٌ مَسَّتْ يَدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (حديث محمد بن عبد الله الأنصاری، لابی عبدالله الانصاری، ص ۶۰، رقم الحديث ۶۳، حديث عبد الله بن المثنى بن أنس)

ترجمہ: حضرت ثابت رضی اللہ عنہ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس آتے، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے کہ اے جمیلہ! مجھے خوشبو دے دیجیے، تاکہ میں اپنے ہاتھوں کو لگالوں، کیونکہ ابنِ ابی ثابت اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے، جب تک میرے ہاتھ کی تقبیل نہ کرلیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ وہ ہاتھ ہے، جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کو مَس کیا ہے (حدیث محمد بن عبداللہ انصاری)

مذکورہ روایات سے بھی مبارک ہاتھوں کی تقبیل کرنا معلوم ہوا، جس کے جواز کے لیے فقہائے کرام نے کچھ شرائط بیان فرمائی ہیں، جن کا ذکر آگے مسائل کے ذیل میں آتا ہے۔ [1]

دیگر مبارک اعضاء کی تقبیل

ہاتھوں کے علاوہ دیگر اعضاء کی تقبیل کا بھی متعدد احادیث وروایات میں ذکر آیا ہے، جس کی کچھ تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كَانَ فِيْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ

---

[1] قوله فنقبل :إذا أرد تقبيل يد غيره إن كان ذلك لزهده وصلحه أو علمه وشرفه وصيانته ونحو ذلك من الأمور الدينية، لم يكره بل يستحب .وإن كان لغناه ودنياه وثروته وشوكته ووجاهته عند أهل الدنيا ونحو ذلك فهو مكروه شديد الكراهية .وقال المتولى :لا يجوز، فأشار إلى أنه حرام(شرح الطيبى على مشكاة المصابيح، ج۱۰، ص۳۰۶۲، كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة)

قال النووى: تقبيل يد الغير إن كان لعلمه وصيانته وزهده وديانته، ونحو ذلك من الأمور الدينية لم يكره، بل يستحب، وإن كان لغناه أو جاهه فى دنياه كره وقيل حرام .اهـ.

وقيل: الحرام ما كان على وجه التملق والتعظيم، وأما المأذون فيه فعند التوديع والقدوم من السفر وطول العهد بالصاحب، وشدة الحب فى الله مع أمن النفس، وقيل: لا يقبل الفم، بل اليد والجبهة. وفى شرح مسلم للنووى: حتى الظهر مكروه للحديث الصحيح فى النهى عنه، ولا تعتبر كثرة من يفعله ممن ينسب إلى علم وصلاح .المعانقة وتقبيل الوجه لغير القادم من سفر ونحوه مكروهان . صرح به البغوى وغيره للحديث الصحيح فى النهى عنهما كراهة تنزيه(مرقاة المفاتيح، ج۷ص۲۹۶۵، كتاب الادب، باب المصافحة والمعانقة)

رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ: جُرَيْجٌ، كَانَ يَتَعَبَّدُ فِيْ صَوْمَعَةٍ، فَأَتَتْهُ أُمُّهُ ذَاتَ يَوْمٍ فَنَادَتْهُ، فَقَالَتْ: أَيْ جُرَيْجُ، أَيْ بُنَيَّ، أَشْرِفْ عَلَيَّ أُكَلِّمْكَ، أَنَا أُمُّكَ، أَشْرِفْ عَلَيَّ، قَالَ: أَيْ رَبِّ، صَلَاتِيْ وَأُمِّيْ، فَأَقْبَلَ عَلٰى صَلَاتِهٖ، ثُمَّ عَادَتْ فَنَادَتْهُ مِرَارًا، فَقَالَتْ: أَيْ جُرَيْجُ، أَيْ بُنَيَّ، أَشْرِفْ عَلَيَّ، فَقَالَ: أَيْ رَبِّ، صَلَاتِيْ وَأُمِّيْ، فَأَقْبَلَ عَلٰى صَلَاتِهٖ، فَقَالَتْ: اَللّٰهُمَّ لَا تُمِتْهُ حَتّٰى تُرِيَهُ الْمُومِسَةَ، وَكَانَتْ رَاعِيَةٌ تَرْعٰى غَنَمًا لِأَهْلِهَا، ثُمَّ تَأْوِيْ إِلٰى ظِلِّ صَوْمَعَتِهٖ فَأَصَابَتْ فَاحِشَةً، فَحَمَلَتْ فَأُخِذَتْ وَكَانَ مَنْ زَنٰى مِنْهُمْ قُتِلَ، قَالُوْا: مِمَّنْ؟ قَالَتْ: مِنْ جُرَيْجٍ صَاحِبِ الصَّوْمَعَةِ، فَجَاءُوْا بِالْفُؤُوْسِ وَالْمُرُوْرِ، فَقَالُوا: أَيْ جُرَيْجُ، أَيْ مُرَاءٍ: اَنْزِلْ، فَأَبٰى وَأَقْبَلَ عَلٰى صَلَاتِهٖ يُصَلِّيْ، فَأَخَذُوْا فِيْ هَدْمِ صَوْمَعَتِهٖ، فَلَمَّا رَآى ذٰلِكَ نَزَلَ، فَجَعَلُوْا فِيْ عُنُقِهٖ وَعُنُقِهَا حَبْلًا، فَجَعَلُوْا يَطُوْفُوْنَ بِهِمَا فِي النَّاسِ، فَوَضَعَ أُصْبُعَهُ عَلٰى بَطْنِهَا، فَقَالَ: أَيْ غُلَامُ، مَنْ أَبُوْكَ؟ قَالَ: أَبِيْ فُلَانٌ رَاعِي الضَّأْنِ، فَقَبَّلُوْهُ، وَقَالُوْا: إِنْ شِئْتَ بَنَيْنَا لَكَ صَوْمَعَتَكَ مِنْ ذَهَبٍ وَفِضَّةٍ، قَالَ: أَعِيْدُوْهَا كَمَا كَانَتْ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ۸۹۹۴)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک آدمی تھا، جس کا نام جریج تھا، وہ اپنے عبادت خانہ میں عبادت کیا کرتا تھا، ایک دن (وہ نماز پڑھ رہا تھا، اسی دوران) اس کے پاس اس کی ماں آئی، اور اس کو آواز دے کر کہا کہ اے جریج! اے میرے بیٹے! میری طرف توجہ کیجئے، میں آپ سے بات کرنا چاہتی ہوں، میں آپ کی ماں ہوں، میری طرف توجہ کیجئے۔

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشيخين، غير حماد -وهو ابن سلمة -فمن رجال مسلم (حاشية مسند احمد)

جریج نے اپنے دل میں کہا کہ اے میرے رب! ایک طرف تو نماز ہے اور ایک طرف میری ماں ہے، تو وہ نماز پڑھتا رہا، پھر دوبارہ اس کی ماں نے کئی مرتبہ پکارا، اور کہا کہ اے جریج! اے میرے بیٹے! میری طرف توجہ کیجئے، پھر جریج نے دل میں یہی کہا کہ اے میرے رب! ایک طرف میری نماز ہے اور ایک طرف میری ماں ہے، اور وہ نماز پڑھنے میں ہی مشغول رہا، تو اس کی ماں نے یہ بدعاء دی کہ اے اللہ اس کو اس وقت تک موت نہ آئے، جب تک اس کا کسی فاحشہ عورت سے پالا نہ پڑ جائے۔

دوسری طرف ایک بکریوں کی چرواہی، لوگوں کی بکریاں چرایا کرتی تھی، اور اس (یعنی جریج) کے عبادت خانے کے سائے میں ٹھہرا کرتی تھی، اس (بکری چرانے والی عورت) نے ایک مرتبہ بدکاری کی، جس سے اس کو حمل ہو گیا، اس عورت کو پکڑ لیا گیا، اور (ان کے یہاں یہ رواج تھا کہ) ان میں سے جو زنا کرتا تھا، اس کو قتل کر دیا جاتا تھا، لوگوں نے (اس عورت سے) معلوم کیا کہ یہ بچہ کس کا ہے؟ س فاحشہ عورت نے کہا کہ جریج کا ہے، جو عبادت خانے میں رہتا ہے، اس کے بعد وہ لوگ جریج پر کلہاڑیاں اور پھاوڑے لے کر چڑھ آئے، پھر انہوں نے کہا کہ اے جریج! اے ریا کار! نیچے اتر، اس پر جریج نے نیچے اترنے سے انکار کیا، اور اپنی نماز میں مشغول رہا، جس کے بعد انہوں نے اس کا عبادت خانہ ڈھانا شروع کر دیا، جب جریج نے یہ ماجرا دیکھا، تو وہ لوگوں کے پاس اتر کر آیا، لوگوں نے اس کی گردن میں اور اس عورت کی گردن میں رسی ڈال دی، اور لوگوں کے درمیان ان دونوں کو چکر کٹوانے لگے، پھر اس (یعنی جریج) نے اپنی انگلی کو اس عورت کے پیٹ پر رکھا، اور کہا کہ اے بچے! تیرا باپ کون ہے؟ تو اس نے کہا (یعنی پیٹ کے اندر حمل میں سے آواز آئی) کہ میرا باپ فلاں بکریوں کا چرواہا

ہے، یہ حقیقت سامنے آنے کے بعد لوگوں نے حضرت جریج کو چوما اور کہا کہ اگر تم چاہو تو ہم تمہارا عبادت خانہ سونے چاندی کا بنا دیتے ہیں، جریج نے جواب دیا کہ اسے پہلے کی طرح صرف مٹی کا بنا دو (مسند احمد)

بعض روایات میں جریج کی تقبیل کے ساتھ تمسح یعنی مَس کرنے، چھونے کا بھی ذکر ہے۔ [1]

اور بعض روایات میں سر کی تقبیل کا ذکر ہے۔ [2]

---

[1] عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال " :لم يتكلم في المهد إلا ثلاثة عيسى ابن مريم وصاحب جريج، وكان جريج رجلا عابدا، فاتخذ صومعة، فكان فيها، فأتته أمه وهو يصلي، فقالت :يا جريج فقال :يا رب أمي وصلاتي، فأقبل على صلاته، فانصرفت، فلما كان من الغد أتته وهو يصلي، فقالت :يا جريج فقال :يا رب أمي وصلاتي، فأقبل على صلاته، فانصرفت، فلما كان من الغد أتته وهو يصلي فقالت : يا جريج فقال :أي رب أمي وصلاتي، فأقبل على صلاته، فقالت :اللهم لا تمته حتى ينظر إلى وجوه المومسات، فتذاكر بنو إسرائيل جريجا وعبادته وكانت امرأة بغي يتمثل بحسنها، فقالت :إن شئتم لأفتننه لكم، قال :فتعرضت له، فلم يلتفت إليها، فأتت راعيا كان يأوي إلى صومعته، فأمكنته من نفسها، فوقع عليها فحملت، فلما ولدت قالت :هو من جريج، فأتوه فاستنزلوه وهدموا صومعته وجعلوا يضربونه فقال :ما شأنكم؟ قالوا :زنيت بهذه البغي، فولدت منك، فقال :أين الصبي؟ فجاء وا به، فقال: دعوني حتى أصلي، فصلى، فلما انصرف أتى الصبي فطعن في بطنه، وقال :يا غلام من أبوك؟ قال :فلان الراعي، قال :فأقبلوا على جريج يقبلونه ويتمسحون به (صحيح مسلم، رقم الحديث ۲۵۵۰ "۸")

[2] عن أبي هريرة، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :لم يتكلم في المهد إلا ثلاثة :عيسى ابن مريم، وصاحب جريج كان في بني إسرائيل رجل يقال له :جريج، فأنشأ صومعة، فجعل يعبد الله فيها فأتته أمه ذات يوم، فنادته، فلم يلتفت إليها، ثم أتته يوما ثانيا فنادته فلم يلتفت إليها، ثم أتته يوما ثالثا، فقال :صلاتي وأمي، فقالت :اللهم لا تمته أو ينظر في وجوه المومسات، قال :فتذاكر بنوإسرائيل يوما جريجا، فقالت بغي من بغايا بني إسرائيل :إن شئتم أن أفتنه فتنته، قالوا :قد شئنا، قال :فانطلقت فتعرضت لجريج، فلم يلتفت إليها، فأتت راعيا كان يأوي إلى صومعة جريج بغنمه فأمكنته نفسها فحملت فولدت غلاما، فقالت :هو من جريج، فوثب عليه قوم من بني إسرائيل فضربوه، وشتموه، وهدوا صومعته، فقال لهم :ما شأنكم؟ قالوا :زنيت بهذه البغي، فولدت غلاما، قال :وأين الغلام؟ قالوا :هو ذا.قال :فصلى ركعتين، ثم أتى الغلام فضربه بإصبعه، فقال له :يا غلام، من أبوك؟ قال :فلان الراعي، قال :فوثبوا يقبلون رأسه (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ٦٤٨٩)

قال شعيب الارنؤوط: اسناده صحيح (حاشية صحيح ابن حبان)

حضرت جریج ایک عابد، زاہد درویش آدمی تھے، نبی نہیں تھے۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ برکت کے حصول کے لیے نیک، صالح کے ہاتھ، سر اور جسم کی تقبیل اور مسح جائز ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اپنے والد ابو لیلیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ:

كَانَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ رَجُلًا صَالِحًا ضَاحِكًا مَلِيْحًا، فَبَيْنَمَا هُوَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ وَيُضْحِكُهُمْ فَطَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ خَاصِرَتِهٖ، فَقَالَ: أَوْجَعْتَنِيْ، قَالَ: اِقْتَصَّ، قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ عَلَيْكَ قَمِيْصًا، وَلَمْ يَكُنْ عَلَيَّ قَمِيْصٌ، قَالَ: فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَمِيْصَهٗ، فَاحْتَضَنَهٗ، ثُمَّ جَعَلَ يُقَبِّلُ كَشْحَهٗ، فَقَالَ: بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَدْتُ هٰذَا (مستدرک حاکم)[1]

ترجمہ: حضرت اسید بن حضیر خوب آدمی تھے، جو ہنسایا کرتے تھے، اور ظریف

---

[1] رقم الحديث ٥٢٦٢، كتاب معرفة الصحابة رضى الله عنهم،ذكر أسيد بن حضير الأنصارى رضى الله عنه،سنن ابى داؤد، رقم الحديث ٥٢٢٤.

قال الحاكم: هذا لفظ حديث جرير عن حصين، فإن حديث ورقاء مختصر صحيح الإسناد، ولم يخرجاه .

وقال الذهبى فى التلخيص: صحيح.

وقال شعيب الارنؤوط: رجاله ثقات، إلا أن عبد الرحمن بن أبى ليلى لم يدرك أسَيد بن حُضَير.

خالد: هو ابن عبد الله بن عبد الرحمن الطحّان، وحُصَين: هو ابن عبد الرحمن السُلَميُّ.

وأخرجه البيهقى فى "الكبرى 102 /7 "من طريق أبى داود، بهذا الإسناد.

وأخرجه الطبرانى فى "المعجم "الكبير - (556) "ومن طريقه الضياء فى "المختارة - (1471)" من طريق عمرو بن عون، به.

وأخرجه أيضاً الطبرانى (557)من طريق أبى جعفر الرازى، عن حصين، به.

وأخرجه الحاكم فى "المستدرك - 288 /3 "وعنه البيهقى فى "الكبرى - 49 /8 "من طريقين عن جرير –وهو ابن عبد الحميد الضبى–، عن حصين بن عبد الرحمن، عن عبد الرحمن بن أبى ليلى، عن أبيه .وقال: صحيح الإسناد ولم يخرجاه، ووافقه الذهبى(حاشية سنن ابى داؤد)

تھے، ایک دن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے، لوگوں سے باتیں کررہے تھے، اوران کو ہنسا رہے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کوکھ (یا پہلو) میں چٹکی بھری (یا انگلی وغیرہ چبھوئی) انہوں نے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب ہوکر) کہا کہ آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ بدلہ لے لیجیے، حضرت اُسید بن حضیر نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کی کوکھ پر قمیص ہے، اور میری کوکھ پر اس وقت قمیص نہیں تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اوپر اٹھائی، تو حضرت اسید بن حضیر نے اپنے جسم سے لپٹالیا، اور آپ کے کوکھ (یا پہلو) کا بوسہ لینا شروع کردیا، اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میرا تو صرف یہی ارادہ تھا (حاکم، ابوداؤد)

اس روایت میں کوکھ کا بوسہ لینے کا ذکر ہے، جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا۔

حضرت حبان بن واسع اپنی قوم کے بعض مشائخ سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَدَلَ صُفُوْفَ أَصْحَابِهٖ يَوْمَ بَدْرٍ، وَفِيْ يَدِهٖ قَدَحٌ يُعَدِّلُ بِهِ الْقَوْمَ، فَمَرَّ بِسَوَادِ بْنِ غَزِيَّةَ حَلِيْفِ بَنِيْ عَدِيِّ بْنِ النَّجَّارِ قَالَ:وَهُوَ مُسْتَنْتِلٌ مِنَ الصَّفِّ، فَطَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْقَدَحِ فِيْ بَطْنِهٖ، وَقَالَ:اِسْتَوِ يَا سَوَادُ،فَقَالَ:يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَوْجَعْتَنِيْ وَقَدْ بَعَثَكَ اللّٰهُ بِالْعَدْلِ، فَأَقِدْنِيْ، قَالَ:فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:اسْتَقِدْ،قَالَ:يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّكَ طَعَنْتَنِيْ وَلَيْسَ عَلَيَّ قَمِيْصٌ ،قَالَ:فَكَشَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَطْنِهٖ، وَقَالَ:اسْتَقِدْ،قَالَ:فَاعْتَنَقَهٗ، وَقَبَّلَ بَطْنَهٗ، وَقَالَ:مَا حَمَلَكَ عَلٰى هٰذَا يَا سَوَادُ ؟قَالَ:يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، حَضَرَنِيْ

مَا تَرٰی، وَلَمْ آمَنِ الْقَتْلَ، فَأَرَدْتُّ أَنْ يَّكُوْنَ آخِرَ الْعَهْدِ بِكَ أَنْ يَمَسَّ جِلْدِيْ جِلْدَكَ، فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ بِخَيْرٍ (معرفة الصحابة،لابی نعیم الأصبهانی، رقم الحديث ۳۵۵۰، تحت ترجمة سواد بن غزية الأنصاری شهد بدرا) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے دن اپنے صحابۂ کرام کی صفوں کو درست فرمایا، اس وقت آپ کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا، جس سے لوگوں کی صفوں کو درست فرمارہے تھے، اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواد بن غزیہ کے قریب سے گزرے، جو بنی عدی بن نجار کے حلیف تھے، اور وہ صف سے آگے کھڑے تھے، ان کے پیٹ پر نیزہ رکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے سواد! برابر ہوجاؤ، سواد نے کہا کہ اللہ کے رسول! آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے، اور اللہ نے آپ کو عدل وانصاف کے ساتھ بھیجا ہے، تو مجھے اس کا بدلہ دیجئے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدلہ لے لیجیے، سواد نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے مجھے اس حالت میں نیزہ چبھویا تھا کہ میرے پیٹ پر قمیص نہیں تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ سے کپڑا

---

[1] قال الالبانی:

قلت :وهذا إسناد حسن إن شاء الله تعالى لأن الأشياخ من قوم حبان من الأنصار، فإن كانوا من الصحابة فلا إشكال، وإن كانوا من التابعين فهم من كبارهم، لأن حبان تابعی من الخامسة عند الحافظ، وهم جمع لا يضر جهالتهم كما هو معروف عند أهل العلم . وروايتهم لهذه القصة تدل على أنها كانت مشهورة عندهم، متداولة بينهم .وقد ذكر لها الحافظ فی "الإصابة "شاهدا من مرسل جعفر بن محمد عن أبيه :أن النبی صلى الله عليه وسلم كان يتخطى بعرجون ، فأصاب به سواد بن غزية الأنصاری ..فذكر القصة .قلت :وأخرجها ابن سعد فی ترجمة سواد بن غزية (3/517 - 516) بسند صحيح عن الحسن مرسلا بلفظ " :رأى سواد بن عمرو " ..قال ابن سعد :هكذا قال إسماعيل .يعنی ابن علية .ومال الحافظ إلى تعدد القصة .والله أعلم(سلسلة الأحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۲۸۳۵)

ہٹا دیا، اور فرمایا کہ آپ بدلہ لے لیجیے، حضرت سواد نے آپ کے جسم سے چمٹ کر، آپ کے پیٹ کی تقبیل کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے سواد! آپ نے یہ کیوں کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! جس موقع پر ہم حاضر ہیں، وہ آپ کے سامنے ہے، موت سر پر منڈلا رہی ہے، تو میں نے یہ ارادہ کیا کہ میرا آخری عمل یہ ہو کہ میری جلد، آپ کی جلد کو چھوئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے خیر کی دعاء فرمائی (معرفۃ الصحابہ)

اس طرح کی روایات اور سندوں سے بھی مروی ہیں۔ [1]

مذکورہ روایات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوکھ، پیٹ وغیرہ مبارک جسم کو مَس کرنے کی تصریح

---

[1] حدثنا أحمد بن محمد بن يوسف، ثنا المنيعي، ثنا زهير بن محمد، وعلى بن شعيب، وأحمد بن منصور، قالوا :ثنا موسى بن داود، ثنا عمر بن سليط، عن الحسن، عن سوادة بن عمرو الأنصارى، "كان يصيب من الخلوق فتلقاه النبى صلى الله عليه وسلم مرتين أو ثلاثا، فنهاه، فلقيه ذات يوم ومعه جريدة فقال :إما عاتبه، وإما طعن بها فى بطنه فخدشه فقال :أقدنى يا رسول الله أو اقضنى، فحسر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بطنه، وقال " :ها اقتص "، فلما رأى بطن رسول الله صلى الله عليه وسلم ألقى الجريدة، وعلق يقبله قال الحسن :حجزه الإيمان ثم استبكى رواه أبو حاتم الرازى، عن إسحاق بن عمر بن سليط، عن أبيه، عن الحسن مثله(معرفة الصحابة لابى نعيم ، رقم الحديث ۳۵۵۷)

حدثنا سليمان بن أحمد، ثنا على بن عبد العزيز، ثنا عمرو بن حماد بن طلحة، حدثنا أسباط بن نصر، عن سماک بن حرب، عن عبد الله بن جبير الخزاعى، قال :طعن رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلا فى بطنه إما بقضيب، وإما بسواک قال :أوجعتنى فأقدنى، فأعطاه العود الذى كان معه، ثم قال " :استقد "فقبل بطنه، ثم قال :بل أعفو عنک، لعلک أن تشفع لى بها يوم القيامة(معرفة الصحابة لابى نعيم ، رقم الحديث ۴۰۵۲)

حدثنا أبو عمرو بن حمدان، ثنا الحسن بن سفيان، ثنا أحمد بن آدم، وغندر الجرجانى، ثنا يعقوب بن محمد الزهرى، ثنا سعيد بن أبى حمان الباهلى، ثنا شبل بن نعيم الباهلى، ثنا عبد الله بن أبى مسقية الباهلى، قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم، وهو واقف على بعيره ، كأن رجلا فى غرزه جمارة، فاحتضنتها، فقرعنى بالسوط ، فقلت: القصاص يا رسول الله، فناولنى السوط، فقبلت ساقه ورجله(معرفة الصحابة لابى نعيم ، رقم الحديث ۴۵۴۰)

ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل پر نکیر نہیں فرمائی۔

حضرت عمیر بن اسحاق سے روایت ہے کہ:

كُنتُ مَعَ أَبِى هُرَيْرَةَ فَقَالَ: لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ: أَرِنِى الْمَكَانَ الَّذِى رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُهُ مِنكَ، قَالَ: فَكَشَفَ عَنْ سُرَّتِهٖ، فَقَبَّلَهَا (صحيح ابن حبان) [1]

ترجمہ: میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، انہوں نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ مجھے اپنے جسم کا وہ حصہ دکھلایئے کہ جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقبیل کرتے ہوئے میں نے دیکھا تھا، تو حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے اپنی ناف (یعنی پیٹ) سے کپڑا اٹھایا، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس جگہ کی تقبیل کی (ابن حبان)

اس روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت حسن کے پیٹ کی تقبیل کرنے کا ذکر ہے۔

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ يَهُودِيٌّ لِصَاحِبِهٖ: اذْهَبْ بِنَا إِلٰى هٰذَا النَّبِيِّ، فَقَالَ صَاحِبُهُ: لَا تَقُلْ نَبِيٌّ، إِنَّهُ لَوْ سَمِعَكَ كَانَ لَهُ أَرْبَعَةُ أَعْيُنٍ، فَأَتَيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَاهُ عَنْ تِسْعِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ، فَقَالَ لَهُمْ: لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَلَا تَسْرِقُوْا، وَلَا تَزْنُوْا، وَلَا تَقْتُلُوْا النَّفْسَ الَّتِى حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَلَا تَمْشُوْا بِبَرِيءٍ إِلٰى ذِى سُلْطَانٍ لِيَقْتُلَهُ، وَلَا تَسْحَرُوْا، وَلَا تَأْكُلُوا الرِّبَا، وَلَا تَقْذِفُوْا مُحْصَنَةً، وَلَا تُوَلُّوْا الْفِرَارَ يَوْمَ الزَّحْفِ، وَعَلَيْكُمْ خَاصَّةً الْيَهُودَ أَنْ لَّا تَعْتَدُوْا فِى السَّبْتِ، قَالَ: فَقَبَّلُوْا يَدَيْهِ

---

[1] رقم الحديث ٥٥٩٣، كتاب الحظر والاباحة.
قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية صحيح ابن حبان)

وَرِجْلَيْهِ، فَقَالَا: نَشْهَدُ أَنَّكَ نَبِيٌّ، قَالَ: فَمَا يَمْنَعُكُمْ أَنْ تَتَّبِعُونِيْ؟ قَالُوْا: إِنَّ دَاوُدَ دَعَا رَبَّهُ أَنْ لَّا يَزَالَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ نَبِيٌّ، وَإِنَّا نَخَافُ إِنْ تَبِعْنَاكَ أَنْ تَقْتُلَنَا الْيَهُوْدُ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا کہ چلو میرے ساتھ اس نبی کے پاس چلو، اس کے ساتھی نے کہا کہ نبی نہ کہو، کیونکہ اگر انہوں نے سن لیا تو خوشی سے ان کی آنکھیں چار ہو جائیں گی، وہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے نو نشانیوں (شریعتِ موسوی کی آیاتِ تسعہ، جو ان کے دین کے بنیادی احکام تھے) کے متعلق پوچھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ یہ ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، ایسے شخص کو قتل نہ کرو جسے قتل کرنا حرام ہے، بے قصور شخص کو (تہمت وغیرہ لگا کر) حاکم کے پاس نہ لے جاؤ تا کہ وہ اسے قتل کرے، جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، پاکباز عورت پر زنا کی تہمت نہ لگاؤ، کافروں سے مقابلہ کرتے وقت پیٹھ نہ پھیرو اور ایک مخصوص حکم

---

[1] رقم الحديث ٢٧٣٣، ابواب الاستئذان والآداب، باب ما جاء فى قبلة اليد والرجل، المستدرک للحاکم، رقم الحديث ٢٠.

قال الترمذی: وفى الباب عن يزيد بن الأسود، وابن عمر، وكعب بن مالک: هذا حديث حسن صحيح(سنن الترمذی)

و قال الحاكم:

هذا حديث صحيح لا نعرف له علة بوجه من الوجوه، ولم يخرجاه، ولا ذكر الصفوان بن عسال حديثا واحدا سمعت أبا عبد الله محمد بن يعقوب الحافظ، ويسأله محمد بن عبيد الله، فقال: لم تركا حديث صفوان بن عسال أصلا؟ فقال: لفساد الطريق إليه ." قال الحاكم: " إنما أراد أبو عبد الله بهذا حديث عاصم، عن زر فإنهما تركا عاصم بن بهدلة، فأما عبد الله بن سلمة المرادى ويقال: الهمدانى وكنيته أبو العالية، فإنه من كبار أصحاب على وعبد الله .وقد روى عن سعد بن أبى وقاص، وجابر بن عبد الله، وغيرهما من الصحابة، وقد روى عنه أبو الزبير المكى وجماعة من التابعين.

و قال الذهبى فى التلخيص:

صحيح لا نعرف له علة.

خاص اے یہودیو! تمہارے لیے یہ تھا کہ ہفتے کے دن حد سے تجاوز (یعنی ظلم و زیادتی) نہ کرو (کیونکہ تمہارے لیے ہفتہ کا دن عبادت کے لیے مقرر کیا گیا تھا) راوی کہتے ہیں پھر انہوں (یعنی یہودیوں) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اور پاؤں چومے اور کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر کون سی چیز تمہیں میری اتباع سے روکتی ہے؟ ان یہودیوں نے کہا کہ (یہودیوں میں مشہور ہے کہ) حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا مانگی تھی کہ نبی ہمیشہ ان کی اولاد میں سے ہو، ہمیں ڈر ہے کہ اگر ہم آپ کی اتباع کریں گے، تو یہودی ہمیں قتل نہ کردیں (ترمذی)

سورہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نو نشانیوں کے عطاء کرنے کا ذکر آیا ہے، ان ہی نشانیوں کے بارے میں یہودی نے سوال کیا تھا، جس کا ذکر مستدرک حاکم کی روایت میں موجود ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جب یہودیوں نے صحیح جواب سنا، تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اور پاؤں کی تقبیل کی۔ [1]

حضرت زارع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ فِي وَفْدِ عَبْدِ الْقَيْسِ قَالَ: لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ فَجَعَلْنَا نَتَبَادَرُ مِنْ رَوَاحِلِنَا، فَنُقَبِّلُ يَدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَهُ، قَالَ: وَانْتَظَرَ

---

[1] عن عمرو بن مرة، قال: سمعت عبد الله بن سلمة، يحدث، عن صفوان بن عسال المرادى، قال: قال يهودى لصاحبه: اذهب بنا إلى هذا النبى صلى الله عليه وسلم نسأله عن هذه الآية (ولقد آتينا موسى تسع آيات بينات)فقال: لا تقولوا له نبى، فإنه لو سمعک لصارت له أربعة أعين، قال: فسألاه، فقال: لا تشركوا بالله شيئا، ولا تسرقوا، ولا تزنوا، ولا تقتلوا النفس التى حرم الله إلا بالحق، ولا تسحروا، ولا تأكلوا الربا، ولا تمشوا ببرىء إلى ذى سلطان ليقتله، ولا تقذفوا محصنة، وأنتم يا يهود عليكم خاصة ألا تعدوا فى السبت فقبلا يده ورجله، وقالا: نشهد أنک نبى، فقال: ما منعكما أن تسلما؟ قالا: إن داود عليه السلام دعا أن لا يزال من ذريته نبى، وإنا نخشى أن يقتلنا يهود " (مستدرک حاکم، رقم الحديث ٢٠)

الْـمُـنْذِرُ الْأَشَجُّ حَتّٰی أَتٰی عَيْبَتَهٗ فَلَبِسَ ثَوْبَيْهِ، ثُمَّ أَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَـلَيْـهِ وَسَـلَّمَ فَقَالَ لَـهٗ:إِنَّ فِيْکَ خَلَّتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ، اَلْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ

(سنن ابی داود) [۱]

ترجمہ: وہ عبدالقیس کے وفد میں شامل تھے، جب ہم مدینہ آئے تو ہم لوگ اپنی سواریوں سے جلدی جلدی اترنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دینے لگے، اور ''منذر اشج'' انتظار کرتے رہے اور اپنے سامان کی گٹھری کے پاس آئے اور اپنے کپڑے پہنے، اور وہ پھر رسول اللہ کے پاس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ آپ کے اندر دو عادتیں ہیں، جنہیں اللہ پسند فرماتا ہے، ایک تو تحمل اور دوسرے متانت وسنجیدگی (ابوداؤد)

اس طرح کی حدیث کو امام طبرانی نے بھی ''معجم کبیر'' میں روایت کیا ہے۔ [۲]

بعض دوسری روایات میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اور پاؤں وغیرہ کی تقبیل کا ذکر آیا ہے۔ [۳]

---

[۱] رقم الحديث ۵۲۲۵، کتاب الادب، ابواب النوم، باب فی قبلة الرجل.

قال شعيب الارنؤوط: حسن لغيره، وقصة الأشج صحيحة (حاشية سنن ابی داود)

[۲] حـدثـنـا أحـمـد بـن خـلـيـد الـحلبی، ثنا محمد بن عيسی الطباع، ثنا مطر بن عبد الـرحمن الأعنق، عن أم أبان بنت الوازع بن زارع، عن جدها الزارع، وكان فی وفد عبد القيس قال: لـمـا قـدمـنـا المدينة جعلنا نتحادر من رواحلنا، فنقبل يدی النبی صلی الله عليه وسلم ورجليه(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۵۳۱۳، ج۵ص۲۷۵)

[۳] عـن صالح بن حيان عن ابن بريدة، عن أبيه قال :جـاء أعرابی إلی النبی صلی الله عليه وسلم فقال :يا رسول الله قد أسلمت فأرنی شيئا أزدد به يقينا فقال :ما الذی تريد؟ قال :ادع تـلـک الشجرة أن تأتيک قال :اذهـب فـادعها فأتاها الأعرابی فقال :أجيبی رسول الله قال :فـمـالت علی جانب من جوانبها فقطعت عروقها ثم مالت علی الجانب الآخـر فـقـطعت عروقها حتی أتت النبی صلی الله عليه وسلم فقالت :السلام عليک يا رسول الله فقال الأعرابی :حسبـی حسبی فقال لها النبی صلی الله عليه وسلم :ارجعی فـرجعت فجلست علی عروقها وفروعها فقال الأعرابی :ائذن لی يا رسول الله أن أقبل رأسک ورجليک ففعل ثم قال :ائذن لی أن أسجد لک قال " :لا يسجد أحد لأحد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اور پاؤں کی تقبیل سے انکار ومنع نہیں فرمایا، جو فی الجملہ اس عمل کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ''صہیب'' سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ عَلِيًّا يُقَبِّلُ يَدَ الْعَبَّاسِ وَرِجْلَيْهِ(الأدب المفرد للبخاری) [1]

ترجمہ: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اور پاؤں کی تقبیل کرتے ہوئے دیکھا (ادب المفرد، الرخصۃ فی تقبیل الید)

بعض اہلِ علم حضرات نے اس روایت کو سند کے اعتبار سے ضعیف قرار دیا ہے۔

لیکن علامہ ذہبی نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے، مگر ساتھ ہی فرمایا کہ ''صہیب'' کو میں نہیں پہچانتا۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولو أمرت أحدا أن يسجد لأحد لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها لعظم حقه عليها(دلائل النبوة لأبی نعیم الأصبهانی، رقم الحديث ۲۹۱، الفصل التاسع عشر)

عن صالح بن حيان , عن ابن بريدة , عن أبيه قال: " جاء أعرابی إلى النبی صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: يا رسول الله , إنی قد أسلمت فأرنی شيئا أزدد به يقينا قال: ما تريد؟ قال: ادع تلک الشجرة فلتأتک قال: اذهب إليها فادعها قال: أجيبی رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم , فمالت فقطعت عروقها , ثم أقبلت تجر عروقها وفروعها حتى أتت النبی صلى الله تعالى عليه وسلم فقالت: السلام عليک يا رسول الله , فقال: حسبی , فمرها فلترجع , فرجعت فدلت عروقها فی ذلک المكان , ثم استوت كما كانت , فقال: ائذن لی أن أقبل رأسک ورجليک , فأذن له رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم , فقبل رأسه ورجليه قال: ائذن لی أن أسجد لک قال: لا يسجد أحد لأحد , ولو كنت آمرا أحدا أن يسجد لأحد لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها تعظيما لحقه(القبل والمعانقة والمصافحة لابی سعيد ابن الاعرابی، رقم الحديث ۴۳، ص ۷۳)

[1] رقم الحديث ۹۷۶، ص ۳۳۹، باب تقبيل الرجل،الرخصة فی تقبيل اليد لابن المقری، رقم الحديث ۱۵.

[2] سفيان بن حبيب :أخبرنا شعبة، عن عمرو بن مرة، عن أبی صالح ذكوان، عن صهيب مولى العباس، قال:رأيت عليا يقبل يد العباس ورجله، ويقول :يا عم، ارض عنی.

إسناده حسن، وصهيب لا أعرفه(سير أعلام النبلاء، ج۲،ص ۹۴،العباس عم رسول الله -صلى الله عليه وسلم)

مگر ''صہیب'' کے بارے میں ''مولیٰ عباس'' ہونے کی بعض روایات میں تصریح آئی ہے، نیز ان کو ابنِ حبان نے ثقہ قرار دیا ہے، اور علامہ ابنِ حجر نے ان کو صدوق فرمایا ہے۔ [1]

اس لیے ہمارے نزدیک مذکورہ روایت کا حسن ہونا راجح ہے، اور اس روایت میں پاؤں کی تقبیل کی وجہ سے اس کی تردید کرنا درست نہیں، کیونکہ پاؤں کی تقبیل کا ذکر مرفوع احادیث میں بھی آیا ہے، جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تخصیص ہونا بظاہر راجح معلوم نہیں ہوتا۔

اور اگرچہ بعض حضرات نے کسی بزرگ یا نیک صالح شخص کے پاؤں کی تقبیل کرنے کو علی الاطلاق حرام قرار دیا ہے۔

لیکن مذکورہ احادیث سے فی الجملہ اس کا جواز ثابت ہوتا ہے، جس کے جواز کی شرائط کا ذکر آگے متعلقہ مسائل کے ذیل میں آتا ہے۔ [2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ضَـمَّـنِـیُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِلٰی صَدْرِهٖ، وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ (صحیح البخاری) [3]

ترجمہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ سے چپکایا اور فرمایا، اے اللہ! ان کو حکمت عطا فرمائیے (بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے سینہ سے لگانا اس لیے تھا، تاکہ

---

[1] صهيب مولى العباس ويقال له صهبان بضم أوله صدوق من الثالثة بخ(تقريب التهذيب،لابن حجر،ص٢٧٨، تحت رقم الترجمة ٢٩٥٥)

"بخ -صهيب "مولى العباس وقيل اسمه صهيبان روى عن مولاه العباس بن عبد المطلب وعثمان وعلى رضى الله عنهم وعنه أبو صالح السمان وذكره ابن حبان فى الثقات(تهذيب التهذيب،لابن حجر العسقلانى،ج٤،ص ٤٣٩، رقم الترجمة ٧٧٠)

[2] والحديث يدل على جواز تقبيل اليد والرجل(تحفة الأحوذى،ج٧،ص٤٣٧، كتاب الاستئذان، باب ما جاء فى قبلة اليد والرجل)

[3] رقم الحديث ٣٧٥٦، كتاب اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم ، باب ذكر ابن عباس رضى الله عنهما.

آپ کے جسم کی برکت ان کو حاصل ہو۔ [1]

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَرْدَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَاوِيَةَ ، فَقَالَ يَا مُعَاوِيَةُ مَا يَلِيْنِيْ مِنْكَ ؟ قَالَ: بَطْنِيْ ، قَالَ: اَللّٰهُمَّ اِمْلَاهُ عِلْمًا وَّحِلْمًا (الشریعة للآجری) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھالیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے معاویہ! تمہارے جسم کا کون سا حصہ میرے جسم کے ساتھ مل رہا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میرا پیٹ (اور سینہ) آپ کے جسمِ مبارک کے ساتھ ملا ہوا ہے، یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعاء فرمائی کہ اے اللہ! اس کو علم اور حلم سے بھر دیجئے (آجری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کے ساتھ جو حصہ ملا ہوا تھا، اُس کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی، کیونکہ اس حصہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کے ساتھ ملنے سے ایک درجہ میں برکت پیدا ہوگئی تھی۔

---

[1] معنى الحديث :يقول ابن عباس رضى الله عنهما " :ضمنى رسول الله -صلى الله عليه وسلم " -إلى صدره أى طوقه بذراعيه، ووضع صدره على صدره تعبيرا عن محبته له، وشفقته عليه، وإيناسا لقلبه، وتبريكا له بملامسة جسده الشريف ليحصل على العلم النافع، الذى يتفوق به على غيره، ثم أتبع ذلك بالدعاء له "وقال :اللهم علمه الكتاب "أى علمه القرآن حفظا وفهما وتفسيرا وتأويلا وفقها وأحكاما فاستجاب الله دعاءه(منار القارى شرح مختصر صحيح البخارى،لحمزة محمد قاسم، ج ١ ،ص١٧٦ ،كتاب العلم،باب قول النبى -صلى الله عليه وسلم :- اللهم علمه الكتاب)

[2] رقم الحديث ١٩٢١ ، باب ذكر دعاء النبى صلى الله عليه وسلم لمعاوية رضى الله عنه، التاريخ الكبير للبخارى، رقم الحديث ٢٦٢۴ .

قال الذهبى:

عن جبير بن نفير :أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -كان يسير ومعه جماعة، فذكروا الشام، فقال رجل :كيف نستطيع الشام وفيه الروم؟قال :ومعاوية فى القوم - وبيده عصا -فضرب بها كتف معاوية، وقال :(يكفيكم الله بهذا، هذا مرسل، قوى .فهذه أحاديث مقاربة (سير اعلام النبلاء، ج٣، ص١٢٧ ، تحت ترجمة معاوية بن أبى سفيان صخر بن حرب الأموى)

بعض دیگر مبارک اشیاء کی تقبیل ولمس

اب تک جو احادیث وروایات ذکر کی گئیں، ان میں مبارک اعضاء، مثلاً ہاتھ، سر، پیٹ اور بالوں وغیرہ کی تقبیل کا ذکر ہے۔

اس کے علاوہ بعض احادیث وروایات میں مبارک اعضائے جسمانی کے علاوہ بعض دوسری مبارک اشیاء کی تقبیل کا بھی ذکر آیا ہے۔

جس کی کچھ تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت عابس بن ربیعہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّهُ جَاءَ إِلَى الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ فَقَبَّلَهُ، فَقَالَ: إِنِّيْ أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ، لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْلَا أَنِّيْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ (بخاری) [1]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجر اسود کے پاس آئے اور اس کو بوسہ دیا، پھر فرمایا کہ بے شک میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نہ تو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع، اور اگر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ حجر اسود کو بوسہ دینا نعوذ باللہ اس کی عبادت کرنے کے طور پر، اور اس کو بذاتِ خود نفع ونقصان کا مالک سمجھ کر نہیں ہوتا، جیسا کہ مشرک لوگ، پتھروں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں سنت کے طور پر ہوتا ہے، ورنہ گناہوں کو چوسنے کے اعتبار سے اس کی تقبیل کے نفع کا سبب ہونا مسلم ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۱۵۹۷، کتاب الحج، باب ما ذکر فی الحجر الأسود.

[2] اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول پر جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معارضہ کی روایت مروی ہے، اس کو سند کے اعتبار سے محدثین نے ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے۔

وأما قول عمر رضی اللہ عنہ لقد علمت أنک حجر وإنی لأعلم أنک حجر وأنت لا تضر ولا تنفع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس روایت کی وجہ سے حجرِ اسود کے علاوہ دوسری مبارک ومعظم چیزوں کی تقبیل کے ممنوع

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فأراد به بيان الحث على الاقتداء برسول الله صلى الله عليه وسلم فى تقبيله ونبه على أنه أولا الاقتداء به لما فعله وإنما قال وإنک لا تضر ولا تنفع لئلا يغتر بعض قربى العهد بالإسلام الذين كانوا ألفوا عبادة الأحجار وتعظيما ورجاء نفعها وخوف الضر بالتقصير فى تعظيمها وكان العهد قريبا بذلک فخاف عمر رضى الله عنه أن يراه بعضهم يقبله ويعتنى به فيشتبه عليه فبين أنه لا يضر ولا ينفع بذاته وإن كان امتثال ما شرع فيه ينفع بالجزاء والثواب فمعناه أنه لا قدرة له على نفع ولا ضر وأنه حجر مخلوق كباقى المخلوقات التى لا تضر ولا تنفع وأشاع عمر هذا فى الموسم ليشهد فى البلدان ويحفظه عنه أهل الموسم المختلفوا الأوطان والله أعلم (شرح النووى علىٰ مسلم، ج۹، ص۱۶، كتاب الحج ،باب استحباب تقبيل الحجر الأسود فى الطواف)

ومعنى "لا تضر ولا تنفع :"أى بذاتک وقدرتک، وإن كان امتثال ما شرع فيه ينفع فى الجزاء عليه والثواب(شَرْحُ صَحِيح مُسْلِمِ لِلقَاضِى عِيَاض المُسَمَّى إِكمَالُ المُعْلِمِ بفَوَائِدِ مُسْلِم، ج۴، ص۳۴۵، كتاب الحج ،باب استحباب تقبيل الحجر الأسود فى الطواف)

(إنى أعلم أنک حجر لا تضر ولا تنفع) أى بذاتک وإن كان امتثال ما شرع فيه ينفع فى الثواب لكن لا قدرة له عليه لأنه حجر كسائر الأحجار، وأشاع عمر هذا فى الموسم ليشتهر فى البلدان ويحفظه المتأخرون فى الأقطار(إرشاد السارى لشرح صحيح البخارى، ج۳،ص۱۶۲، كتاب الحج، باب ما ذكر فى الحجر الأسود)

فليراجع إسناد ابن أبى شيبة، فإن صح يحكم ببطلان حديث الحاكم لبعد أن يصدر هذا الجواب عن على، أعنى قوله " :بل يضر، وينفع "بعدما قال النبى -صلى الله عليه وسلم " :لا يضر، ولا ينفع " ;لأنه صورة معارضة، لا جرم أن الذهبى قال فى مختصره عن العبدى :إنه ساقط، وعمر -رضى الله عنه -إنما قال ذلک، أو النبى -صلى الله عليه وسلم -إزالة لوهم الجاهلية عن اعتقاد الحجارة التى هى أصنام اهـ.

فمعنى قوله -صلى الله عليه وسلم :أنه (لولا أمرنى ربى أن أقبلک لما قبلتک) إيماء إلى العبودية على الطريقة التعبدية، والتنزل والتواضع تحت الأحكام الربوبية(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۵،ص۱۷۹۶، كتاب المناسک،باب دخول مكة والطواف)

يؤتى يوم القيامة بالحجر الأسود وله لسان ذلق يشهد لمن استلمه بالتوحيد."

قال الحافظ :وقد روى الحاكم من حديث أبى سعيد أن عمر لما قال هذا قال له على بن أبى طالب : إنّه يضر وينفع، وذكر أنّ الله لما أخذ المواثيق على ولد آدم كتب ذلک فى رقّ وألقمه الحجر، قال :وقد سمعت رسول الله -صلى الله عليه وسلم -يقول :فذكره، وفى إسناده أبو هارون العبدى وهو ضعيف جدا.

موضوع.

أخرجه الحاكم (458 - 457 /1) والبيهقى فى "شعب الإيمان "(3749) من طريق عبد العزيز

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہونے کا حکم لگانا بظاہر راجح معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ متعدد اشیاء کی تقبیل کا ذکر احادیث وروایات سے ثابت ہے۔ [1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، يُسْنِدُ ظَهْرَهُ إِلٰى خَشَبَةٍ، فَلَمَّا كَثُرَ النَّاسُ قَالَ: اِبْنُوْا لِيْ مِنْبَرًا، أَرَادَ أَنْ يُّسْمِعَهُمْ، فَبَنَوْا لَهُ عَتَبَتَيْنِ، فَتَحَوَّلَ مِنَ الْخَشَبَةِ إِلَى الْمِنْبَرِ، قَالَ: فَأَخْبَرَنِيْ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ الْخَشَبَةَ تَحِنُّ حَنِيْنَ الْوَالِهِ،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بن عبد الصمد العَمّی عن أبی هارون الجدی عن أبی سعید قال :حججنا مع عمر بن الخطاب، فلما دخل الطواف استقبل الحجر فقال :إنی أعلم أنک حجر لا تضر ولا تنفع، ولولا أنی رأیت رسول الله -صلی الله علیه وسلم -قبلک ما قبلتک، ثم قبله، فقال له علی بن أبی طالب :بلی، یا أمیر المؤمنین إنّه یضر وینفع .قال :بم؟ قال :بکتاب الله عز وجل، قال :وأین ذلک من کتاب الله؟ قال :قال الله عز وجل (وإذ أخذ ربک من بنی آدم من ظهورهم ذریتهم وأشهدهم علی أنفسهم ألست بربکم قالوا بلی)خلق الله آدم، ومسح علی ظهره، فقررهم بأنّه الرب، وأنّهم العبید، وأخذ عهودهم ومواثقیهم، وکتب ذلک فی رقّ، وکان لهذا الحجر عینان ولسان .فقال له :افتح فاک، قال :ففتح فاه، فالقمه ذلک الرق، فقال :اشهد لمن وافاک بالموافاة یوم القیامة .وإنی أشهد لسمعت رسول الله -صلی الله علیه وسلم -یقول" :یؤتی یوم القیامة بالحجر الأسود، وله لسان ذلق، یشهد لمن یستلمه بالتوحید "فهو یا أمیر المؤمنین یضر وینفع .فقال عمر :أعوذ بالله أن أعش فی قوم لست فیهم یا أبا الحسن.

قال الحاکم :لیس هو من شرط الشیخین فإنّهما لم یحتجا بأبی هارون عمارة بن جوین العبدی."

وقال الذهبی :قلت :أبو هارون ساقط."

وقال البیهقی :أبو هارون العبدی غیر قوی."

قلت :کذبه حماد بن زید وابن معین وابن علیة وعثمان بن أبی شیبة والجوزجانی وصالح جزرة(أنِیسُ السَّاری ،لنبیل بن منصور الکویتی،ج۹،ص ۶۷۷۹،۶۷۸۰، تحت رقم الحدیث ۴۷۸۸،حرف الیاء)

[1] فقول عمر: لولا أنی رأیت رسول الله صلی الله علیه وعلی آله وسلم یقبلک، وکذا قول أبی بکر لو صحت روایته یدل علی عدم مشروعیة تقبیل ما لم یرد تقبیله عن صاحب الشرع، لا علی کراهته، فإنه لا یلزم من عدم التقبیل کراهته؛ لاحتمال أن یکون مباحا(غایة المقال فیما یتعلق بالنعال،ص ۲۰۴)

قَالَ: فَمَا زَالَتْ تَحِنُّ حَتّٰى نَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمِنْبَرِ، فَمَشٰى إِلَيْهَا فَاحْتَضَنَهَا، فَسَكَنَتْ (مسند احمد، رقم الحديث ١٣٣٦٣) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جمعہ کے دن خطبہ دیا کرتے تھے، تو اپنی پشت کا ایک لکڑی (کے ستون) کی طرف سہارا لیا کرتے تھے، پھر جب لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے لئے منبر تیار کردو، تاکہ سب تک آواز پہنچ جایا کرے، پس لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دو سیڑھیوں کا منبر تیار کردیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خطبہ کے لئے) اس لکڑی (کے ستون) سے منبر کی طرف منتقل ہوگئے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے خود اپنے کانوں سے (نبی صلی اللہ علیہ سلم کے فراق میں غم کے باعث) اس لکڑی (کے ستون) کے رونے کی ایسی آواز سنی، جیسے گمشدہ بچہ بلک بلک کر روتا ہے اور وہ (لکڑی کا ستون) مسلسل روتا ہی رہا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے اترے اور اس کی طرف چل کر گئے، پھر اسے سینے سے لگایا تب جا کر وہ خاموش ہوا (مسند احمد)

یزید بن عبدالملک سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ نَفَرًا مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَلَا لَهُمُ الْمَسْجِدُ قَامُوْا إِلٰى رُمَّانَةِ الْمِنْبَرِ الْقَرْعَاءَ فَمَسَحُوْهَا وَدَعَوْا (مصنف ابن أبی شيبة، رقم الحديث ١٥٨٨١، كتاب المناسك، باب فی قوله تعالى :سواء العاكف فيه والباد)

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کی ایک جماعت کو دیکھا کہ

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن (حاشية مسند احمد)

جب وہ مسجدِ نبوی میں داخل ہوتے، تو وہ منبر کی سیڑھیوں کے بالمقابل کھڑے ہوتے، پھر منبر کو چھوتے اور دعاء کرتے (ابنِ ابی شیبہ)

اس سے منبرِ رسول کو برکت کے طور پر چھونا معلوم ہوا۔

حضرت ثابت بنانی سے روایت ہے کہ:

أَنَّ أَنَسًا: دَفَعَ إِلٰى أَبِىْ الْعَالِيَةِ تُفَّاحَةً ،فَجَعَلَهَا فِىْ كَفِّهِ ،وَجَعَلَ يَمْسَحُهَا وَيُقَبِّلُهَا ،وَيَمْسَحُهَا بِوَجْهِهِ وَقَالَ:تُفَّاحَةٌ مَسَّتْ كَفًّا مَسَّ كَفَّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (القبل والمعانقة والمصافحة لابی سعید ابن الأعرابی ،رقم الحدیث ۳۵)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوالعالیہ رضی اللہ عنہ کو ایک سیب دیا، تو حضرت ابوالعالیہ نے اس کو اپنی ہتھیلی میں لے کر، اسے چھونا اور چومنا اور اپنے چہرہ پر پھیرنا شروع کیا، اور فرمایا کہ یہ وہ سیب ہے کہ جس نے ایسی ہتھیلی کو چھوا ہے کہ جس ہتھیلی نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہتھیلی کو چھوا ہے (القبل والمعانقہ)

مذکورہ روایت میں پھل کی تقبیل کا ذکر ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ حجرِ اسود کے علاوہ بھی متعدد مبارک اعضاء واشیاء کی تقبیل کرنا ثابت ہے۔

چند متعلقہ مسائل

اب اس سلسلہ میں چند متعلقہ مسائل ملاحظہ فرمائیے۔

مسئلہ نمبر 1...... نامحرم عورت کے ہاتھ یا جسم کے دوسرے اعضاء کو چھونا یا ان کی تقبیل کرنا جائز نہیں، اسی طرح محرم عورت کے پردہ والے حصہ کو چھونا بھی جائز نہیں۔ [1]

---

[1] تقبيل الأجنبية :اتفق الفقهاء على عدم جواز لمس وتقبيل المرأة الأجنبية ولو للخطبة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۳، ص ۱۳۰ ،مادة ''تقبيل'')

حضرت عروہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُصَافِحِ امْرَأَةً قَطُّ

(صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۵۵۹۰، كتاب الحظر والاباحة) [1]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی عورت سے مصافحہ نہیں کیا (ابنِ حبان)

اور ایک روایت میں ہے کہ:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ امْرَأَةٍ فِيْ بَيْعَةٍ قَطُّ (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ۲۵۲۰۴) [2]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ (عورت کو) بیعت کرتے وقت کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا (مسند احمد)

حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عَائِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: كَانَتِ الْمُؤْمِنَاتُ إِذَا هَاجَرْنَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُمْتَحَنَّ بِقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰى أَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ) إِلٰى آخِرِ الْآيَةِ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَمَنْ أَقَرَّ بِهٰذَا مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ، فَقَدْ أَقَرَّ بِالْمِحْنَةِ، وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَقْرَرْنَ بِذٰلِكَ مِنْ قَوْلِهِنَّ، قَالَ لَهُنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: انْطَلِقْنَ، فَقَدْ بَايَعْتُكُنَّ وَلَا وَاللّٰهِ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ،

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية صحيح ابن حبان)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

غَيْـرَ أَنَّـهُ يُبَـايِعُهُـنَّ بِـالْكَلَامِ قَالَتْ عَائِشَةُ: وَاللّٰهِ، مَا أَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّـى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى النِّسَاءِ قَطُّ إِلَّا بِمَا أَمَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَمَا مَسَّتْ كَفُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفَّ امْرَأَةٍ قَطُّ، وَكَانَ يَقُوْلُ لَهُنَّ إِذَا أَخَذَ عَلَيْهِنَّ: قَدْ بَايَعْتُكُنَّ كَـلَامًا (صحیح مسلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب مومن عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت کر کے آتیں تو اللہ کے اس قول کی بناء پر ان کا امتحان لیا جاتا ''يَـا أَيُّهَـا النَّبِيُّ إِذَا جَـاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ، آخر آیت تک'' (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: اے نبی جب آپ کے پاس عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مومن عورتوں میں سے جو ان باتوں کا اقرار کر لیتیں، تو ان کا امتحان ہو جاتا اور جب وہ ان باتوں کا اقرار کر لیتیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے کہ جاؤ! میں تمہیں بیعت کر چکا ہوں، اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے کسی عورت کے ہاتھ کو نہ چھوا، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے گفتگو کے ذریعہ بیعت لیتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے اللہ کے حکم کے علاوہ کسی بات پر بیعت نہیں لی اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی نے کسی عورت کی ہتھیلی کو کبھی چھوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ان سے بیعت لیتے تو ان سے فرما دیتے کہ میں نے تمہیں بات چیت کے ذریعہ بیعت کر لیا ہے (مسلم)

---

[1] رقم الحديث ١٨٦٦ ''٨٨'' كتاب الامارة، باب كيفية بيعة النساء.

اس طرح کی احادیث کے پیشِ نظر جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اجنبی عورت کے ہاتھ یا جسم کے کسی عضو کو چھونا جائز نہیں، سوائے سخت مجبوری، مثلاً علاج ومعالجہ وغیرہ کی ضرورت کے۔ [1]

---

[1] البتہ حنفیہ کے نزدیک جب فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، بوڑھی عورت سے بوقتِ ضرورت مصافحہ کرنا جائز ہے، اسی طرح متعدد فقہائے کرام کے نزدیک محرم مرد وعورت کا بھی ایک دوسرے سے مصافحہ کرنا جائز ہے۔

فیہ أن بیعة النساء بالکلام من غیر أخذ کف وفیه أن بیعة الرجال بأخذ الکف مع الکلام وفیه أن کلام الأجنبیة یباح سماعه عند الحاجة وأن صوتها لیس بعورة وأنه لایلمس بشرة الأجنبیة من غیر ضرورة کتطبب وفصد وحجامة وقلع ضرس وکحل عین ونحوها مما لا توجد امرأة تفعله جاز للرجل الأجنبی فعله للضرورة (شرح النووی علیٰ مسلم ج۱۳، ص۱۰، کتاب الإمارة، باب کیفیة بیعة النساء)

لا خلاف بین الفقهاء فی عدم جواز مس وجه الأجنبیة وکفیها وإن کان یأمن الشهوة، لقول النبی صلی الله علیه وسلم من مس کف امرأة لیس منها بسبیل وضع علی کفه جمرة یوم القیامة ولانعدام الضرورة إلی مس وجهها وکفیها؛ لأنه أبیح النظر إلی الوجه والکف -عند من یقول به- لدفع الحرج، ولا حرج فی ترک مسها، فبقی علی أصل القیاس.

هذا إذا کانت الأجنبیة شابة تشتهی.

أما إذا کانت عجوزا فلا بأس بمصافحتها ومس یدها، لانعدام خوف الفتنة.

بهذا صرح صاحب الهدایة من الحنفیة، والحنابلة فی قول إن أمن علی نفسه الفتنة.

وذهب المالکیة والشافعیة إلی تحریم مس الأجنبیة من غیر تفرقة بین الشابة والعجوز (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۹، ص۲۹۶، مادة "عجوز")

لمس الأجنبی أو الأجنبیة:

ذهب المالکیة والشافعیة والحنابلة إلی عدم جواز مس الرجل شیئا من جسد المرأة الأجنبیة الحیة، سواء أکانت شابة أم عجوزا، لما ورد أن رسول الله صلی الله علیه وسلم لم تمس یده ید امرأة قط. ولأن المس أبلغ من النظر فی اللذة وإثارة الشهوة .

ووافقهم الحنفیة فی حکم لمس الأجنبیة الشابة .وقالوا :لا بأس بمصافحة العجوز ومس یدها لانعدام خوف الفتنة (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۳۱، ص۵۵، مادة "عورة")

فأما مصافحة المحارم فقد ذهب الحنفیة والمالکیة والشافعیة فی المعتمد عندهم إلی جوازها، وهو ما ذهب إلیه الحنابلة فی الوالدین مع الأبناء روایة واحدة وفی غیرهم فی روایة بناء علی قولهم بجواز لمس المحارم فی غیر محل العورة بشرط الأمن من الفتنة وعدم خوف الشهوة، لما روی أن الرسول صلی الله علیه وسلم کان یقبل فاطمة رضی الله عنها إذا دخلت علیه، وتقبله إذا دخل علیها ، وکذلک صح عن أبی بکر رضی الله عنه أنه قبل ابنته عائشة رضی الله عنها، ولأن مس المحارم فی غیر عورة یغلب فیه الصلة والرحمة والشفقة، ویندر اقترانه بالشهوة .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر 2...... اَمرَد یعنی جس لڑکے کے ابھی تک ڈاڑھی برآمد نہ ہوئی ہو، اور وہ پرکشش چہرہ والا ہو، تو اس کو چھونے اور تقبیل کرنے کا حکم عورتوں کی طرح ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر 3...... چھوٹوں اور بچوں وغیرہ کو نیک لوگوں کے پاس لے جانا اور نیک لوگوں سے ان کے سر وغیرہ پر ہاتھ پھروانا اور برکت کی دعاء حاصل کرنا سنت ومستحب ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر 4...... متعدد احادیث وروایات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے ہاتھوں کی تقبیل کا ثبوت پائے جانے کی بناء پر کسی کے علم، زہد اور دین داری وغیرہ جیسے دینی امور کی وجہ سے اکرام وتبرک کے طور پر علماء وصلحاء کے ہاتھوں کی تقبیل کرنا ممنوع ومکروہ نہیں، بلکہ جائز اور بعض حضرات کے نزدیک مستحب ہے، بشرطیکہ شہوت سے امن ہو، لیکن دوسرے کی مالداری یا دنیاداری کی وجہ سے ہاتھوں کی تقبیل کی جائے، تو مکروہ یا حرام ہے، اور کسی کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وإذا كان لمس المحارم على النحو المذكور مباحا فإن المصافحة نوع من اللمس، فتكون مشروعة فى حق المحارم، ويشملها حكم الاستحباب الذى استفيد من الأحاديث المتقدمة.
وذهب الشافعية فى قول والحنابلة فى غير الوالدين مع الأبناء فى رواية إلى عدم جواز مصافحة المحارم بناء على القول بعدم جواز مسهم، ولكن المعتمد فى المذهبين كقول الجمهور المتقدم، وهو جواز لمس المحارم فى غير عورة إذا انتفت الشهوة ولو كان ذلك بغير حاجة ولا شفقة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۷ص۳۵۸، ۳۵۹، مادة " مصافحة ")

[1] الأمرد إذا لم يكن صبيح الوجه فحكمه حكم الرجال فى جواز تقبيله للوداع والشفقة دون الشهوة، أما إذا كان صبيح الوجه يشتهى فيأخذ حكم النساء وإن اتحد الجنس، فتحرم مصافحته وتقبيله ومعانقته بقصد التلذذ عند عامة الفقهاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۳، ص۱۳۰، مادة "تقبيل")

[2] لا بأس بالذهاب بالصبيان إلى الصالحين وأهل الفضل رغبة فى بركة دعائم والانتفاع بهم، ألا ترى أن هذا الصبى مسح النبى عليه السلام رأسه ودعا له وسقاه من وضوئه فبرىء حتى قام خلف ظهره عليه السلام ورأى بين كتفيه خاتم النبوة. وفيه أن شرب صاحب الوجع من وضوء الرجل الفاضل مما يذهب وجعه (شرح صحيح البخارى لابن بطال، ج۹، ص ۳۸۶، كتاب المرضىٰ، باب: من ذهب بالصبى المريض ليدعى له)
فيه: الذهاب بالصبيان إلى الصالحين وسؤالهم الدعاء لهم بالبركة، ومسح رء وسهم تفاؤلا لهم بذلك وتبركا بدعائهم (شرح صحيح البخارى لابن بطال، ج۱۰، ص ۱۱۲، كتاب التعبير، باب الدعاء للصبيان بالبركة ومسح رء وسهم)

عبادت کے طور پر ہاتھوں کی تقبیل کی جائے، تو یہ بدرجۂ اولیٰ حرام ہے۔ [1]

اور ظالم کے ہاتھ کی تقبیل کرنا گناہ ہے۔ [2]

اسی طرح والدین اور استاد اور منصِف حکمران کے ہاتھوں کی تقبیل کرنا بھی جائز ہے۔

---

[1] قوله فنقبل :إذا أرد تقبيل يد غيره إن كان ذلک لزهده وصلحه أو علمه وشرفه وصيانته ونحو ذلک من الأمور الدينية، لم يكره بل يستحب .وإن كان لغناه ودنياه وثروته وشوكته ووجاهته عند أهل الدنيا ونحو ذلک فهو مكروه شديد الكراهية .وقال المتولی :لا يجوز، فأشار إلى أنه حرام(شرح الطيبی علی مشكاة المصابيح، ج١٠، ص٣٠٦٢، كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة)

قال النووی: تقبيل يد الغير إن كان لعلمه وصيانته وزهده وديانته، ونحو ذلک من الأمور الدينية لم يكره، بل يستحب، وإن كان لغناه أو جاهه فی دنياه كره وقيل حرام .اهـ.

وقيل: الحرام ما كان علی وجه التملق والتعظيم، وأما المأذون فيه فعند التوديع والقدوم من السفر وطول العهد بالصاحب، وشدة الحب فی الله مع أمن النفس، وقيل: لا يقبل الفم، بل اليد والجبهة.

وفی شرح مسلم للنووی: حتی الظهر مكروه للحديث الصحيح فی النهی عنه، ولا تعتبر كثرة من يفعله ممن ينسب إلى علم وصلاح .المعانقة وتقبيل الوجه لغير القادم من سفر ونحوه مكروهان . صرح به البغوی وغيره للحديث الصحيح فی النهی عنهما كراهة تنزيه(مرقاة المفاتيح، ج٧ص٢٩٦٥، كتاب الادب، باب المصافحة والمعانقة)

فيباح تقبيل اليد والرأس تدينا وإكراما واحتراما، مع أمن الشهوة، وظاهره عدم إباحته لأمر الدنيا، وعليه يحمل النهی، قاله المصنف فی شرح المنظومة(كشاف القناع عن متن الإقناع، لمنصور بن يونس الحنبلی، ج٢، ص١٥٧، كتاب الجنائز)

(و) لا بأس ب (تقبيل رأس ويد أهل العلم والدين ونحوهم) ، لحديث عائشة قالت :قدم زيد بن حارثة المدينة، ورسول الله -صلی الله عليه وسلم -فاعتنقه وقبله حسنه الترمذی.

وفی حديث ابن عمر فی قصة قال فيها فدنونا من النبی -صلی الله عليه وسلم -فقبلنا يده رواه أبو داود .وعن صفوان بن عسال قال :قال يهودی لصاحبه :اذهب بنا إلى هذا النبی، فأتيا رسول الله -صلی الله عليه وسلم -فسألاه عن تسع آيات بينات . . .فذكر الحديث إلى قوله :فقبلوا يده ورجله، وقالوا :نشهد أنک نبی رواه الترمذی .فيباح تقبيل اليد والرأس تدينا وإكراما واحتراما مع أمن الشهوة، وظاهره عدم إباحته لأمر الدنيا، وعليه يحمل النهی، قاله الحجاوی فی "شرح المنظومة(مطالب أولی النهی فی شرح غاية المنتهی، لمصطفی بن سعد الحنبلی، ج١، ص٩٤٣، كتاب الجنائز، فصل السلام علی الميت، فرع مصافحة الرجل للرجل)

[2] صرح الفقهاء بعدم جواز تقبيل يد الظالم، وقالوا :إنه معصية إلا أن يكون عند خوف، قال صاحب الدر :لا رخصة فی تقبيل اليد لغير عالم وعادل، ويكره ما يفعله الجهال من تقبيل يد نفسه إذا لقی غيره، وكذلک تقبيل يد صاحبه عند اللقاء إذا لم يكن صاحبه عالما ولا عادلا، ولا قصد تعظيم إسلامه ولا إكرامه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٣، ص١٣١، مادة "تقبيل")

اور مذکورہ صورتوں میں سر اور پیشانی کی تقبیل بھی جائز ہے۔ [1]

اسی طرح اولاد اور چھوٹے بچوں کے سر اور پیشانی اور رخسار کی شفقت کے طور پر تقبیل کرنا بھی جائز ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر 5...... ایک مرد کا بیوی کے علاوہ کسی اور عورت کے منہ کی تقبیل کرنا جائز نہیں، اسی طرح ایک عورت کو دوسری عورت کے منہ کی تقبیل کرنا، اور شہوت کے طریقہ پر جسم کو مَس کرنا جائز نہیں، البتہ منہ کے علاوہ دوسرے اعضاء مثلاً سر، ہاتھ اور پیشانی وغیرہ کی تقبیل کرنا اگر اکرام واحترام یا شفقت کی بنیاد پر ہو، تو اس کی گنجائش ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ [3]

---

[1] تقبيل المبرة والإكرام، وتقبيل المودة والشفقة:
يجوز تقبيل يد العالم الورع والسلطان العادل، وتقبيل يد الوالدين، والأستاذ، وكل من يستحق التعظيم والإكرام، كما يجوز تقبيل الرأس والجبهة وبين العينين، ولكن كل ذلك إذا كان على وجه المبرة والإكرام، أو الشفقة عند اللقاء والوداع، وتدينا واحتراما مع أمن الشهوة.
وقد ثبت أن النبى صلى الله عليه وسلم عانق جعفرا حين قدم من الحبشة وقبل بين عينيه .
وروى عن ابن عمر رضى الله عنه أنه كان فى سرية من سرايا رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر قصة قال :فدنونا من النبى صلى الله عليه وسلم فقبلنا يده.
قال ابن بطال :أنكر مالك تقبيل اليد وأنكر ما روى فيه .قال الأبهرى :وإنما كرهه مالك إذا كان على وجه التعظيم والتكبر .وأما إذا كان على وجه القربة إلى الله لدينه أو لعلمه أو لشرفه فإن ذلك جائز (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٣،ص ١٣٢ ،مادة " تقبيل ")

[2] كذلك يجوز بل يسن تقبيل الولد للمودة على الرأس والجبهة والخد، لحديث أبى هريرة قال :قبل رسول الله صلى الله عليه وسلم حسين بن على، فقال الأقرع بن حابس :إن لى عشرة من الولد ما قبلت منهم أحدا، فقال :من لا يرحم لا يرحم.
وعن عائشة رضى الله عنها قالت :جاء أعرابى إلى النبى صلى الله عليه وسلم فقال :تقبلون الصبيان فما نقبلهم، فقال النبى صلى الله عليه وسلم :أوأملك لك أن نزع الله من قلبك الرحمة؟ .
وعن عائشة رضى الله عنها قالت :ما رأيت أحدا أشبه سمتا وهديا برسول الله صلى الله عليه وسلم من فاطمة ابنته، وكانت إذا دخلت عليه قام إليها يقبلها وأجلسها فى مجلسه، وكان النبى صلى الله عليه وسلم إذا دخل عليها قامت له فتقبله وتجلسه فى مجلسها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٣،ص ١٣٢ ،مادة " تقبيل ")

[3] لا يجوز للرجل تقبيل فم الرجل أو يده أو شىء منه، وكذا تقبيل المرأة للمرأة، والمعانقة ومماسة الأبدان، ونحوها، وذلك كله إذا كان على وجه الشهوة، وهذا بلا خلاف بين الفقهاء لما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه :نهى عن المكامعة وهى :المعانقة، وعن المعاكمة وهى : التقبيل.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر 6...... اگر اکرام وبرکت کے طور پر کسی نیک صالح شخص سے معانقہ کیا جائے، تو بھی بعض فقہائے کرام کے نزدیک جائز ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر 7...... کسی کے علم، زہد اور دین داری وغیرہ جیسے دینی امور کی وجہ سے پاؤں کی تقبیل کرنا بھی فی نفسہٖ مکروہ نہیں ہے، کیونکہ متعدد احادیث میں اس کا ثبوت پایا جاتا ہے، لیکن اگر اس کی مالداری یا دنیاداری کی وجہ سے ہو، تو مکروہ یا حرام ہے، اور کسی کی عبادت کے طور پر ہو، تو یہ بدرجۂ اولیٰ حرام ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ أما إذا كان ذلك على غير الفم، وعلى وجه البر والكرامة، أو لأجل الشفقة عند اللقاء والوداع، فلا بأس به(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٣، ص١٣٠ ،مادة " تقبيل ")

صرح الفقهاء بجواز تقبيل الرجل جبهة الرجل، ووجهه، ورأسه، إذا كان على وجه المبرة والإكرام، أو الشفقة عند اللقاء والوداع، واحتراما مع أمن الشهوة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٥، ص١٠٥ ،مادة " جبهة")

[1] وقال الحنابلة :تباح المعانقة وتقبيل اليد والرأس تدينا وإكراما واحتراما مع أمن الشهوة، قال ابن مفلح :ظاهر هذا عدم إباحته لأمر الدنيا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٨، ص١٨٥ ،مادة "معانقة")

المعانقة فى اللغة :الضم والالتزام واعتنقت الأمر :أخذته بجد .وذكر صاحب الفواكه الدوانى أن المعانقة هي جعل الرجل عنقه على عنق صاحبه.

وقد كرهها مالك كراهة تنزيه لأنها من فعل الأعاجم.

قال القرافى فى الذخيرة :كره مالك المعانقة، لأنه لم يرد عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم - أنه فعلها إلا مع جعفر بن أبى طالب لما رجع من الحبشة، ولم يصحبها العمل من الصحابة بعده.

وأما غير المالكية من الفقهاء ، كالحنابلة فقالوا بجوازها، ففى الآداب الشرعية لابن مفلح إباحة المعانقة .ومثلها تقبيل اليد والرأس تدينا وإكراما واحتراما مع أمن الشهوة لحديث أبى ذر أن النبى صلى الله عليه وسلم عانقه . قال إسحاق بن إبراهيم سألت أبا عبد الله عن الرجل يلقى الرجل، يعانقه؟ قال :نعم فعله أبو الدرداء .

ومعانقة الأجنبية والأمرد حرام، كما ذكر الشافعية ومعانقة الرجل زوجته مكروهة فى الصوم، وكذا معانقة ذوى العاهات من برص وجذام؛ أى :مكروهة .وأما المعانقة فيما سوى ذلك، كمعانقة الرجل للرجل فهى سنة حسنة خاصة عند القدوم من السفر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٥، ص١٩٧ ،مادة "سلام")

[2] (طلب من عالم أو زاهد أن) يدفع إليه قدمه و (يمكنه من قدمه ليقبله أجابه وقيل لا) يرخص فيه (الدرالمختار مع رد المحتار، ج٦ ص٣٨٣، كتاب الحظر والاباحة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر اس کے جائز ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس میں غلو نہ کیا جائے، اور نہ ہی کوئی پیر یا بزرگ دوسروں کو اپنی تقبیل کرنے پر آمادہ یا مجبور کرے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ولا بأس بتقبيل يد العالم، والسلطان العادل، وقيل: سنة، وتقبيل رأس العالم أجود. طلب من عالم، أو زاهد أن يمكنه من قدمه ليقبله، أجابه، وقيل: لا يرخص فيه (الدرر المباحة للنحلاوى، ص ٦٦، الباب الثالث فى النظر والمس، مطلب فى التقبيل، والمصافحة)

وإنما اختلفوا فى تقبيل اليد فأنكره مالك وأنكر ما روى فيه وأجازه آخرون واحتجوا بما روى عن عمر أنهم لما رجعوا من الغزو حيث فروا قالوا نحن الفرارون فقال بل أنتم العكارون أنا فئة المؤمنين قال فقبلنا يده قال وقبل أبو لبابة وكعب بن مالك وصاحباه يد النبى صلى الله عليه وسلم حين تاب الله عليهم ذكره الأبهرى وقبل أبو عبيدة يد عمر حين قدم وقبل زيد بن ثابت يد بن عباس حين أخذ بن عباس بركابه قال الأبهرى وإنما كرهها مالك إذا كانت على وجه التكبر والتعظم وأما إذا كانت على وجه القربة إلى الله لدينه أو لعلمه أو لشرفه فإن ذلك جائز قال بن بطال وذكر الترمذى من حديث صفوان بن عسال أن يهوديين أتيا النبى صلى الله عليه وسلم فسألاه عن تسع آيات الحديث وفى آخره فقبلا يده ورجله قال الترمذى حسن صحيح قلت حديث بن عمر أخرجه البخارى فى الأدب المفرد وأبو داود وحديث أبى لبابة أخرجه البيهقى فى الدلائل وبن المقرء وحديث كعب وصاحبيه أخرجه بن المقرء وحديث أبى عبيدة أخرجه سفيان فى جامعه وحديث بن عباس أخرجه الطبرى وبن المقرء وحديث صفوان أخرجه أيضا النسائى وبن ماجه وصححه الحاكم وقد جمع الحافظ أبو بكر بن المقرء جزء ا فى تقبيل اليد سمعناه أورد فيه أحاديث كثيرة وآثارا فمن جيدها حديث الزارع العبدى وكان فى وفد عبد القيس قال فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنقبل يد النبى صلى الله عليه وسلم ورجله أخرجه أبو داود ومن حديث مزيدة العصرى مثله ومن حديث أسامة بن شريك قال قمنا إلى النبى صلى الله عليه وسلم فقبلنا يده وسنده قوى ومن حديث جابر أن عمر قام إلى النبى صلى الله عليه وسلم فقبل يده ومن حديث بريدة فى قصة الأعرابى والشجرة فقال يا رسول الله ائذن لى أن أقبل رأسك ورجليك فأذن له وأخرج البخارى فى الأدب المفرد من رواية عبد الرحمن بن رزين قال أخرج لنا سلمة بن الأكوع كفا له ضخمة كأنها كف بعير فقمنا إليها فقبلناها وعن ثابت أنه قبل يد أنس وأخرج أيضا أن عليا قبل يد العباس ورجله وأخرجه بن المقرء وأخرج من طريق أبى مالك الأشجعى قال قلت لابن أبى أوفى ناولنى يدك التى بايعت بها رسول الله صلى الله عليه وسلم فناولنيها فقبلتها قال النووى تقبيل يد الرجل لزهده وصلاحه أو علمه أو شرفه أو صيانته أو نحو ذلك من الأمور الدينية لا يكره بل يستحب فإن كان لغناه أو شوكته أو جاهه عند أهل الدنيا فمكروه شديد الكراهة وقال أبو سعيد المتولى لا يجوز (فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج ١١، ص ٥٧، قوله باب الأخذ باليد)

[1] وفى هذا جواز تقبيل اليد والرجل للإنسان الكبير الشرف والعلم كذلك تقبيل اليد والرجل من الأب والأم وما أشبه ذلك لأن لهما حقا وهذا من التواضع وذكر المؤلف أيضا حديث ابن عمر رضى الله عنهما قال أتينا النبى صلى الله عليه وسلم فقبلنا يده وأقرهما النبى صلى الله عليه وسلم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض حضرات نے یہ شرط بھی ضروری قرار دی ہے کہ پاؤں کی تقبیل کرتے وقت دوسرے کے سامنے اس طرح نہ جھکا جائے، جو سجدہ یا رکوع کی حد تک پہنچ جائے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

علی ذلک وتقبیل الید کتقبیل الرأس لیس بینهما فرق لکن عجبا أن الناس الآن یستنکرون تقبیل الید أکثر من استنکارهم تقبیل الرأس وهو لا فرق بینهما لکن الذی ینتقد من بعض الناس أنه إذا سلم علیه أحد مد یده إلیه وکأنه یقول قبل یدی فهذا هو الذی یستنکر ویقال للإنسان عندئذ لا تفعل أما من یقبل یدک تکریما وتعظیما أو رأسک أو جبهتک فهذا لا بأس به إلا أن هذا لا یکون فی کل مرة یلقاک(شرح ریاض الصالحین،لمحمد بن صالح بن محمد العثیمین،ج۴ص ۴۵۱، ۴۵۲،کتاب السلام،باب سلام الرجل علی زوجته والمرأة من محارمه وعلی أجنبیة وأجنبیات)

(مسألة) : هل تقبیل أیدی السادة الأشراف سنة أو مباح أو مکروه ؟ وقال فی فتح العین :وافق النووی بکراهة الانحناء وتقبیل نحو ید أو رجل لا سیما لنحو غنی لحدیث " :من تواضع لغنی ذهب ثلثا دینه . "ویندب ذلک لنحو صلاح أو علم أو شرف ، لأن أبا عبیدة قبل ید عمر رضی الله عنهما اهـ ، ونحوه فی فتاوی ابن حجر .وقال فی المشرع المرویّ فی مناقب بنی علوی :یسن عند الشافعی تقبیل نحو ید الزاهد والشریف والعالم والکبیر فی السنّ والطفل الذی لا یشتهی ولو لغیر شفقة ورحمة ، ووجه صاحب قدم من سفر لما روی الترمذی أن یهودیین قبلا ید النبی ورجله ولم ینکر علیهما .وروی ابن حبان أن کعباً قبل یدیه ورکبتیه علیه الصلاة والسلام لما نزلت توبته .وفی حدیث وفد عبد القیس أنهم قبلوا یده ، والأعرابی الذی أمره أن یدعو الشجرة ، وغیر ذلک من الطرق وأن زید بن ثابت قبل ید ابن عباس وقال :هکذا أمرنا أن نفعل بأهل بیت نبینا .وقال الحافظ العراقی :وتقبیل الأماکن الشریفة علی قصد التبرک وأیدی الصالحین وأرجلهم حسن محمود باعتبار القصد والنیة اهـ .فعلم بذلک أن ما اندرج علیه السلف الصالح من المشایخ العلماء الجامعین بین علمی الظاهر والباطن والأولیاء والصلحاء قاطبة من تقبیلهم أیدی الأشراف بنی علوی ، خصوصاً من بین سائر الناس ولو لجاهل وطفل ومتزیّ بغیر سلفه هو الحق الواضح والطریق المستقیم لما فی کل واحد من ذریة سیدتنا فاطمة الزهراء رضی الله عنها جزء من بضعة النبی ، وإن کثرت الوسائط کما نص علیه العلماء (بغیة المسترشدین،لعبد الرحمن بن محمد بن حسین بن عمر باعلوی،ص۲۹۷،خاتمة الکتاب :فی فوائد شتی وفضائل القرآن العظیم،فوائد تتعلق بالحدیث والسیرة النبویة والصحابة رضوان الله علیهم أجمعین،فضائل أهل البیت النبوی نفع الله بهم)

[1] وکذا کان شیخنا الفقیه الإمام وغیره من أشیاخی لا ینکرون علی ذلک وقصدی بذلک التعظیم والتکرمة لأشیاخی ولما تقرر عندی من الأحادیث وعدم إنکار ذلک عن معظم من یقتدی به وفعلت ذلک مع بعض الکبراء فقال هو من باب المدحة فی الوجه فإن لم یخف علی المفعول له من تعاظم نفسه فلا بأس وإلا کره لما فیه من المفسدة وسئل العز بن عبد السلام عن القیام فقال لا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر یہ شبہ کیا جائے کہ دوسرے کے پاؤں کی تقبیل کرتے وقت تو عموماً اتنا انحناء اور جھکنا پایا جاتا ہے کہ جس میں رکوع یا سجدہ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، پھر احادیث وروایات میں اس کا کیسے ذکر پایا گیا؟

اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ دوسرے کے پاؤں کی تقبیل کرتے وقت اس طرح کی حالت کا پایا جانا ضروری نہیں، دوسرے پاؤں کی تقبیل کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسری چیز کو ہاتھ سے مَس کر کے اس ہاتھ کی تقبیل کرلی جائے، یا صرف ہاتھ سے مس کرنے پر اکتفا کیا جائے، یا جب دوسرا بلند نشست پر بیٹھا ہوا ہو، تو بغیر زیادہ جھکے پاؤں کی تقبیل ہوسکتی ہے۔

جیسا کہ حجرِ اسود کی تقبیل کے بارے میں فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے۔

اور احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے۔ [1]

اسی طرح بعض حضرات کے نزدیک رُکنِ یمانی کو دونوں ہاتھوں یا صرف دائیں ہاتھ سے چھونا سنت ہے، اس کو بوسہ دینا یا چھوکر ہاتھوں کو چومنا یا اُس کی طرف دُور سے اشارہ کرنا یا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بأس به لمسلم يرجى خيره أو يخاف شره ولا يفعل لكافر؛ لأنا مأمورون بإهانته وإظهار صغاره فإن خيف من شره ضرر عظيم جاز لأن التلفظ بكلمة الكفر جائز للإكراه فهذا أولى ولا يجوز تكريمه باللقب الحسن إلا لضرورة، أو حاجة ماسة وينبغي أن يهان الكفرة والفسقة زجرا عن كفرهم وفسقهم وغيرة لله عز وجل قال والانحناء البالغ حد الركوع لا يفعله أحد لأحد كالسجود ولا بأس بما نقص عن حد الركوع لمن يكرم من أهل الإسلام (الفتاوى الكبرى الفقهية،لابن حجر الهيتمي، ج۴،ص۲۴۷ ،بَابُ السِّيَرِ،سئل رحمه الله سبحانه وتعالى بما لفظه ما حكم المصافحة وتقبيل اليد والرجل والرأس والانحناء بالظهر والقيام ابسطوا الجواب)

[1] قوله (رأيت بن عمر يستلم الحجر بيده ثم قبل يده وقال ما تركته منذ رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعله) فيه استحباب تقبيل اليد بعد استلام الحجر الأسود إذا عجز عن تقبيل الحجر وهذا الحديث محمول على من عجز عن تقبيل الحجر وإلا فالقادر يقبل الحجر ولا يقتصر فى اليد على الاستلام بها وهذا الذى ذكرناه من استحباب تقبيل اليد بعد الاستلام للعاجز هو مذهبنا ومذهب الجمهور وقال القاسم بن محمد التابعى المشهور لا يستحب التقبيل وبه قال مالك فى أحد قوليه(شرح النووى علىٰ مسلم، ج۹ص۱۵ ، كتاب الحج، باب استحباب استلام الركنين اليمانيين)

اور کوئی عمل کرنا سنت نہیں۔

جبکہ بعض دیگر حضرات کے نزدیک رکنِ یمانی کو بوسہ دینا سنت ہے۔

غرضیکہ حجرِ اسود اور رکنِ یمانی وغیرہ میں ہاتھ سے چھونے اور ہاتھوں کی تقبیل کرنے کو بھی، تقبیل کہا جاتا ہے۔ [1]

---

[1] عن عبيد الله بن أبى زياد ، قال :رأيت مجاهدا ، وسعيد بن جبير ، وعطاء ؛ إذا استلموا الركن اليماني ، قبلوا أيديهم (مصنف ابن ابى شيبة، رقم الحديث ۱۴۷۷۶ ،باب من كان إذا استلم الركن اليماني ، قبل يده)

الركن اليماني، فيسن استلام الركن اليماني فى الطواف من غير تقبيل، لحديث ابن عمر رضى الله عنهما أنه صلى الله عليه وسلم كان لا يستلم إلا الحجر والركن اليماني.

وذهب محمد بن الحسن إلى أنه يسن تقبيله، وقال المالكية :إذا استلمه بيده وضعها على فيه من غير تقبيل، ومذهب الشافعية أنه يقبل ما استلمه به.

وإذا لم يتمكن من استلامه أشار إليه بيده عند الشافعية والحنابلة، قال الشافعية :لأنها بدل عنه لترتبها عليه عند العجز فى الحجر الأسود فكذا هنا، ومقتضى القياس أنه يقبل ما أشار به، قال الشربيني الخطيب :وهو كذلك .وذهب الحنفية والمالكية إلى أنه لا يشير عند الزحام، وعند المالكية أنه يكبر إذا حاذاه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۱۱۹ ، مادة"ركن")

و استلام الركن اليماني :استلامه يكون بوضع اليدين عليه، وهو الركن الواقع قبل ركن الحجر الأسود.عن ابن عمر رضى الله عنهما قال :ما تركت استلام هذين الركنين :اليماني والحجر، مذ رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يستلمهما، فى شدة ولا رخاء والسنية مذهب الجمهور، وقول محمد من الحنفية، لكنه عند المالكية سنة فى الشوط الأول مندوب فى غيره، وقال الشيخان :أبو حنيفة وأبو يوسف :هو مندوب.

وذهب الفقهاء إلى أنه لا يقبله ولا يسجد عليه.

وذهب الحنفية إلى أنه لا يقبل ما استلم به الركن اليماني ولا يشير إليه.

وعند الشافعية يقبل ما استلم به الركن اليماني ويشير إليه عند العجز عن الوصول إليه، وعند المالكية يضع يده على فمه من غير تقبيل.

أما غير هذين الركنين فلا يسن استلامه، لأن النبى صلى الله عليه وسلم كان يستلم هذين الركنين ولا يستلم غيرهما، عن عبد الله بن عمر رضى الله عنهما قال :لم أر النبى صلى الله عليه وسلم يستلم من البيت إلا الركنين اليمانيين. وقد أبدى العلماء لذلك التفاوت بين أركان البيت سببا وضحه الرملي فقال :والسبب فى اختلاف الأركان فى هذه الأحكام :أن الركن الذى فيه الحجر الأسود فيه فضيلتان :كون الحجر فيه، وكونه على قواعد سيدنا إبراهيم، واليماني فيه فضيلة واحدة :وهى كونه على قواعد أبينا إبراهيم، وأما الشاميان فليس لهما شيء من الفضيلتين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹، ص ۱۳۶ ،مادة " طواف ")

لیکن بعض حضرات نے بزرگوں کی قدم بوسی کی غرض سے ان کے سامنے جھکنے کو فی نفسہٖ جائز قرار دیا ہے، خواہ اس کے لیے کتنا ہی انحناء کیوں نہ پایا جائے، اور ہاتھوں سے تقبیل کر کے ان کو چومنے کی اجازت دی ہے، البتہ اسی کے ساتھ عوام کو فتنہ سے بچانے کی غرض سے قدم بوسی سے منع کرنے کی تلقین کی ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں ہے کہ:

جو انحناء (یعنی دوسرے کے سامنے جھکنا) مقصوداً ہو، وہ ناجائز ہے، اور جو بضرورت تقبیل (یعنی قدم بوسی وغیرہ کے لیے) لازم آجائے، وہ حکم میں تقبیل کے تابع ہے (ماخوذ از: جواہر الفقہ، جلد اول، صفحہ ۵۵۲، کتاب السنۃ والبدعۃ، رسالہ ''تعدیل الھادی فی تقبیل الایادی''، طبع جدید: نومبر 2010ء، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم، کراچی)

امداد الاحکام میں ہے:

اپنے مربّیوں یا علماء واساتذہ کے پیروں کو بوسہ دینا، جب کہ بطریقِ مبرت و اکرام ہو، جائز ہے، واللہ اعلم۔

مگر تقبیلِ رِجل میں صورتِ رکوع وسجود سے احتراز ضروری ہے، بہتر یہ ہے کہ بیٹھ کر مربّی کے پیروں سے اپنے ہاتھ مَس کر دے، فقط۔

حررہ الاحقر۔ ظفر احمد بامرِ سیّدی حکیم الامت دام مجدہم۔ 10 رجب 1346 ہجری

(امداد الاحکام، ج ۴، ص ۴۰۱، مسائلِ متفرقہ، مطبوعۃ: دار العلوم کراچی، طبع اول ۱۴۲۱ھ)

اور کفایتُ المفتی میں ہے کہ:

قدم بوسی فی حدِ ذاتہٖ جائز ہے، اور قدم کو بوسہ دینے کے لیے جھکنا بھی فی حدِ ذاتہٖ جائز ہے، یہ جھکنا بضرورتِ قدم بوسی ہوتا ہے، نہ بغرضِ تعظیم۔

اس کا حکم یہ ہے کہ جیسے کوئی زمین پر گرے ہوئے پیسے یا سوئی کو اٹھانے کے لیے جھکے، تو یہ اس کے لیے جائز ہے، کیونکہ جھکنا فی ذاتہٖ مقصود نہیں، بلکہ سوئی یا پیسے

اٹھانا مقصود ہے، ایسے ہی قدم چومنے کے لیے جھکنے میں، جھکنا فی حدِ ذاتہٖ مقصود نہیں، بلکہ قدم چومنا مقصود ہے، لہٰذا یہ جھکنا جائز ہے، فقہاء نے اس جھکنے کو منع کیا ہے، جہاں خود جھکنا ہی مقصود ہو، اور تعظیم کی نیت سے جھکا جائے، پس پیسہ اٹھانا، سوئی اٹھانا، قدم چومنا، جائز افعال ہیں، تو ان کے لیے جھکنا بھی جائز ہے۔

لیکن عوام کو قدم بوسی سے روکنا چاہیے کہ وہ اپنی ناواقفیت کی وجہ سے اس کو سجدہ کی حد تک پہنچادیں گے، یا بجائے قدم بوسی کو اصل مقصد قرار دینے کے وہ جھکنے اور قدموں پر سر رکھنے یا پیشانی ٹیکنے کو ہی اصل مقصد قرار دے لیں گے، اور حرام کے مرتکب ہوجائیں گے، یہی ممانعت ان لوگوں کے لیے اولیٰ اور احوط ہے (کفایت المفتی، ج۹ص۶۸، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل ہفتم: بناء علی القبور، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

ایک اور مقام پر ہے کہ:

قدم بوسی فی حدِ ذاتہٖ جائز ہے، تقبیلِ ید و قدم میں بحیثیتِ نفسِ تقبیل کے کوئی فرق نہیں، اور دست بوسی اور قدم بوسی کا جواز متعدد احادیث سے ثابت ہے، ادعائے تخصیص غیر موجہ ہے، مجوزین نے اسی حکمِ اصلی کی بناء پر جواز کا فتویٰ دیا، مانعین نے قدم بوسی کو سجدہ کا ذریعہ اور دواعی قرار دے کر سداً للباب ممانعت کا حکم لگادیا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ عوام ایسے معاملات میں اکثری طور پر حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، پس واقف اور خاص آدمی کے لیے قدم بوسی میں مضائقہ نہیں، اور عوام کو اجازت نہ دینا ہی احواط ہے، واللہ اعلم۔

قدم بوسی کے لیے جھکنا اور قدم موضوع علی الارض تک منہ لے جاکر چومنا جائز ہے، اور یہ انحناء یا خرور چونکہ خود مقصود نہیں، بلکہ قدم بوسی کا ذریعہ ہے، اس لیے انحناء ورکوع کی ممانعت اس طرف متوجہ نہیں، کیونکہ ممنوع وہ انحناء یا رکوع ہے، جو قصداً تعظیم کی نیت سے کیا جائے، ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شخص کے پاؤں

میں دوا لگانے کے لیے جھکے، تو یہ انحناء تو ضرور ہے، مگر اس کو کوئی بھی ناجائز کہنے کی جرأت نہیں کرے گا، کیونکہ بضرورت اور غیر مقصود ہے، درمختار کی عبارت ''ان یدفع الیه قدمه ویمکنه من قدمه لیقبله ''اور غایۃ الاوطار کی عبارت ''اپنا قدم اس کی طرف بڑھادے'' سے یہ سمجھنا کہ قدم چومنے کی اجازت بغیرِ انحناء واماله کے ہے، صحیح نہیں ہے، کیونکہ دفعِ قدم اور قدم بڑھادینے سے یہ مراد نہیں کہ اگر قدم بوسی کا ارادہ کرنے والا کھڑا ہو، تو جس بزرگ کا قدم چومنا ہے، وہ اپنا قدم اس کے منہ تک اٹھا کر چومنے کا موقع دے، دفعِ قدم اور قدم بڑھادینے سے چومنے والے کی طرف پاؤں پھیلا دینا مراد ہے، اور اس صورت میں لامحالہ چومنے والا کھڑے یا بیٹھے ہونے کی حالت میں قدم تک جھک کر ہی چومے گا

(کفایت المفتی، ج۹ص۱۱۵، کتاب الحظر والاباحۃ، پانچواں باب: اجتماعات ومعاشرہ، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

مولانا محمد زاہد صاحب زید مجدہٗ (نائب صدر: جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد، پاکستان) ''اشرف التوضیح'' میں فرماتے ہیں:

صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ تبرک اور تعظیم کے لیے بھی ہاتھ پاؤں چومنا فی نفسہٖ جائز تو ہے، اور روایتِ کثیرہ سے ثابت ہے، ہاں البتہ اگر ان میں کوئی مفسدہ لازم آ رہا ہو، تو منع کیا جائے گا، ایک قباحت بعض اوقات اس میں یہ ہوسکتی ہے کہ کوئی یہ چاہے کہ لوگ میرے ہاتھ پاؤں چومیں، تو ظاہر ہے کہ یہ حبِ جاہ اور کبر ہے، ایسا چاہنا بھی برا ہے، اور کسی کی ایسی فرمائش یا خواہش پوری کرنے کے لیے دست بوسی وغیرہ کرنا بھی بغیر مجبوری کے ناپسندیدہ ہوگا، یا یہ اندازہ ہے کہ میرے ایسا کرنے سے دوسرے کو تکلیف ہوگی، وہ بوجھ محسوس کرے گا، اس لیے کہ طبیعتیں ہر طرح کی ہوتی ہے، بعضوں کو اس طرح کے تکلفات یا تعظیمی مظاہر سے طبعی تنفر

ہوتا ہے، ایسی صورت میں اگلے کے مزاج کی رعایت رکھنی چاہیے......

یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ دست بوسی اور قدم بوسی کا ثبوت اس وقت ہے، جبکہ کبھی کبھار فرطِ محبت اور غلبۂ تعظیم میں ہوجائے، اس کو باقاعدہ معمول بنالینا کہ جب بھی کسی بزرگ یا عالم سے ملے، تو اس کا ہاتھ ضروری چوم لینا چاہیے، یہ مناسب نہیں۔

مذکورہ روایات میں جو ثبوت ہے، وہ یہ نہیں کہ ان کا معمول تھا، بلکہ جہاں کہیں ہوا ہے، احیاناً ہوا ہے، مفاسد بھی عموماً اس وقت پیدا ہوتے ہیں، جب اس کو معمول بنالیا جائے، جب معمول نہ بنایا جائے، تو مفاسد بھی نہیں ہوتے (اشرف التوضیح، ج۴ص۴۶۷، ۴۶۸، کتاب الآداب، باب المصافحۃ والمعانقۃ، طبع اول: رجب ۱۴۳۴ ہجری، مطبوعہ: مکتبۃ العارفی، فیصل آباد)

اور جب علماء وصلحاء کی قدم بوسی فی نفسہٖ جائز ہے، البتہ عوام کو سداً للفتنۃ منع کرنے کا حکم ہے، تو اس فعل کے مرتکب پر شرک کا حکم لگانا درست نہ ہوگا۔

مسئلہ نمبر 8...... مشائخ واولیاء وغیرہ کے سامنے زمین کی تقبیل کرنا جائز نہیں، اگرچہ تبرک اور سلام کرنے کے طور پر کیوں نہ ہو۔ [1]

مسئلہ نمبر 9...... مبارک اعضاء کے علاوہ مبارک ومعظم اشیاء کی تقبیل اگر برکت کے طور پر ہو، تو اس کا جائز ہونا راجح ہے، بشرطیکہ اس میں غلو نہ کیا جائے، اور کوئی خلافِ شریعت حرکت نہ کی جائے۔ [2]

---

[1] تقبيل الأرض بين يدى العلماء والعظماء :
تقبيل الأرض بين يدى العلماء والعظماء حرام، والفاعل والراضى به آثمان، لأنه يشبه عبادة الوثن، وهل يكفر؟ إن على وجه العبادة والتعظيم كفر، وإن على وجه التحية لا، وصار آثما مرتكبا للكبيرة، كما صرح به صاحب الدر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۳، ص ۱۳۱، مادة ”تقبيل“)

[2] فائدة أخرى استنبط بعضهم من مشروعية تقبيل الأركان جواز تقبيل كل من يستحق التعظيم من آدمى وغيره فأما تقبيل يد الآدمى فيأتى فى كتاب الأدب وأما غيره فنقل عن الإمام أحمد أنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر 10...... اکثر فقہائے کرام کے نزدیک قبر کی تقبیل کرنا ممنوع یا مکروہ ہے، کیونکہ یہ قبر کو سجدہ کرنے کے مشابہ ہے، البتہ شافعیہ کے نزدیک اگر تبرک کے طور پر کسی نیک صالح شخص کی قبر کی تقبیل کی جائے، تو اس میں کراہت نہیں، بلکہ گنجائش ہے، اور اگر عبادت کے طور پر ہو، تو حرام ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، عوام کو اس سے منع کرنا چاہیے، لیکن اگر کوئی اس عمل کو کرے، تو اس پر صرف اس وجہ سے شرک یا کفر کا فتویٰ لگانے سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

سئل عن تقبيل منبر النبى صلى الله عليه وسلم وتقبيل قبره فلم ير به بأسا واستبعد بعض أتباعه صحة ذلك ونقل عن بن أبى الصيف اليمانى أحد علماء مكة من الشافعية جواز تقبيل المصحف وأجزاء الحديث وقبور الصالحين وبالله التوفيق(فتح البارى شرح صحيح البخارى،لابن حجر العسقلانى،ج۳،ص ۴۷۵، كتاب الحج،قوله باب من لم يستلم إلا الركنين اليمانيين)

وأما تقبيل الأماكن الشريفة على قصد التبرك، وكذلك تقبيل أيدى الصالحين وأرجلهم فهو حسن محمود باعتبار القصد والنية، وقد سأل أبو هريرة الحسن، رضى الله تعالى عنه، أن يكشف له المكان الذى قبله، رسول الله صلى الله عليه وسلم، وهو سرته، فقبله تبركا بآثاره وذريته، صلى الله عليه وسلم، وقد كان ثابت البنانى لا يدع يد أنس، رضى الله تعالى عنه، حتى يقبلها، ويقول :يد مست يد رسول الله، صلى الله عليه وسلم، وقال أيضا :وأخبرنى الحافظ أبو سعيد ابن العلائى قال: رأيت فى كلام أحمد بن حنبل فى جزء قديم عليه خط ابن ناصر وغيره من الحفاظ، أن الإمام أحمد سئل عن تقبيل قبر النبى، صلى الله عليه وسلم، وتقبيل منبره، فقال :لا بأس بذلك، قال :فأريناه للشيخ تقى الدين بن تيمية فصار يتعجب من ذلك، ويقول :عجبت أحمد عندى جليل يقوله؟ هذا كلامه أو معنى كلامه؟ وقال :وأى عجب فى ذلك وقد روينا عن الإمام أحمد أنه غسل قميصا للشافعى وشرب الماء الذى غسله به، وإذا كان هذا تعظيمه لأهل العلم فكيف بمقادير الصحابة؟ وكيف بآثار الأنبياء ، عليهم الصلاة والسلام؟ ولقد أحسن مجنون ليلى حيث يقول:

(أمر على الديار ديار ليلى ...أقبل ذا الجدار وذا الجدار)

(وما حب الدار شغفن قلبى ...ولكن حب من سكن الديارا)

وقال المحب الطبرى :ويمكن أن يستنبط من تقبيل الحجر واستلام الأركان جواز تقبيل ما فى تقبيله تعظيم الله تعالى، فإنه إن لم يرد فيه خبر بالندب لم يرد بالكراهة .قال :وقد رأيت فى بعض تعاليق جدى محمد بن أبى بكر، عن الإمام أبى عبد الله محمد بن أبى الصيف :أن بعضهم كان إذا رأى المصاحف قبلها، وإذا رأى أجزاء الحديث قبلها، وإذا رأى قبور الصالحين قبلها، قال :ولا يبعد هذا، والله أعلم فى كل ما فيه تعظيم لله تعالى(عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج۹، ص ۲۴۱، كتاب الحج، باب ما ذكر فى الحجر الأسود)

جہاں تک قبر کو سجدہ کرنے کا تعلق ہے، تو اس کا حکم الگ ہے، جس کا دوسرے مقام پر ذکر کر دیا گیا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر 11......قرآن مجید کو اکرام کے طور پر چومنا حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، اور حنابلہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ [2]

---

[1] تقبيل القبر واستلامه:
اختلف الفقهاء فی حكم تقبيل القبر واستلامه.
فذهب الحنفية والمالكية إلى منع ذلک وعدوه من البدع.
وذهب الشافعية والحنابلة إلى الكراهة.
قال الشافعية :إن قصد بتقبيل الأضرحة التبرک لم يكره.
وقال البهوتی من الحنابلة :وذلک كله من البدع(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۲، ص۲۵۶، مادة "قبر")
استنبط بعضهم من تقبيل الحجر تقبيل المصحف والقبر النبوی والقبور الشريفة وقبور الصلحاء ، وممن قال بذلک ابن أبی الصيف اليمنی من الشافعية (حاشية البجيرمی على الخطيب، ج۲، ص ۴۴۰، كتاب الحج)
إن قصد بتقبيل أضرحتهم التبرک لم يكره كما أفتى به الوالد -رحمه الله تعالى (حاشية الشروانی علىٰ تحفة المحتاج فی شرح المنهاج، ج۴، ص ۱۴۵ ، كتاب الحج، باب دخول المحرم مكة)
يكره تقبيل القبر واستلامه وتقبيل الأعتاب عند الدخول لزيارة الأولياء نعم إن قصد بتقبيل أضرحتهم أی وأعتابهم التبرک لم يكره وهذا هو المعتمد (حاشية البجيرمی على شرح المنهج، ج ۱، ص ۴۹۵، كتاب الجنائز، فصل فی دفن الميت)

[2] تقبيل المصحف:
ذكر الحنفية :وهو المشهور عند الحنابلة -جواز تقبيل المصحف تكريما له، وهو المذهب عند الحنابلة، وروی عن أحمد استحبابه، لما روی عن عمر رضی الله عنه أنه :كان يأخذ المصحف كل غداة ويقبله، ويقول :عهد ربی ومنشور ربی عز وجل، وكان عثمان رضی الله عنه يقبل المصحف ويمسحه على وجهه .وقال النووی فی التبيان :روينا فی مسند الدارمی بإسناد صحيح عن ابن أبی مليكة أن عكرمة بن أبی جهل كان يضع المصحف على وجهه ويقول :كتاب ربی كتاب ربی .
ونقل صاحب الدر عن القنية :وقيل :إن تقبيل المصحف بدعة، ورده بما تقدم نقله عن عمر وعثمان.
وروی كذلک عن أحمد :التوقف فی تقبيل المصحف، وفی جعله على عينيه، وإن كان فيه رفعه وإكرامه، لأن ما طريقه التقرب إذا لم يكن للقياس فيه مدخل لا يستحب فعله، وإن كان فيه تعظيم إلا بتوقيف، ولهذا قال عمر عن الحجر :لولا أنی رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقبلک ما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر 12...... روٹی اور کھانے کی تقبیل کرنا جائز، بلکہ اکرام کے طور پر مستحسن ہے۔ ؎

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ .

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قبلتك ولم نعثر فى كتب المالكية على حكم لهذه المسألة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٣،ص ١٣٣،مادة " تقبيل ")

قال البجيرمى واستدل السبكى على جواز تقبيل المصحف بالقياس على تقبيل الحجر الأسود، ويد العالم والصالح والوالد إذ من المعلوم أنه أفضل منهم اهـ (حاشية الشروانى علىٰ تحفة المحتاج فى شرح المنهاج، ج١،ص ١٥٥،كتاب الجنائز)

قد تقرر أنه يسن تقبيل يد الصالح، بل ورجله فلو عجز عن ذلك فهل يأتى فيه ما يمكن من نظيره هنا حتى يستلم اليد أو الرجل عند العجز عن تقبيلها ثم يقبل ما استلم به وحتى يشير إليها عند العجز عن استلامها أيضا ثم يقبل ما أشار به فيه نظر اهـ .سم على حج .أقول الأقرب عدم سن ذلك والفرق أن أعمال الحج يغلب فيها الاتباع فى طلب ما ورد فعله عن الشارع، وإن كان مخالفا لغيره من العبادات ولا كذلك يد الصالح فإن تقبيلها شرع تعظيما له وتبركا بها فلا يتعداها إلى غيرها اهـ .قال بعضهم يؤخذ من هنا أى من سن تقبيل الحجر الأسود سن تقبيل المصحف والمنبر الشريف والقبر الشريف أيضا ومثله قبور بقية الأنبياء والصالحين وأجزاء الحديث أفتى بذلك ابن أبى الصيف من الشافعية اهـ .توشيح على الجامع الصحيح هكذا وجدته بهامش حاشية الزيادى (حاشية الجمل على شرح المنهج، ج٢، ص ٤٣٧، كتاب الحج، باب صفة النسك)

؎ تقبيل الخبز والطعام:

صرح الشافعية بجواز تقبيل الخبز، وقالوا: إنه بدعة مباحة أو حسنة، لأنه لا دليل على التحريم ولا الكراهة، لأن المكروه ما ورد عنه نهى، أو كان فيه خلاف قوى، ولم يرد فى ذلك نهى، فإن قصد بذلك إكرامه لأجل الأحاديث الواردة فى إكرامه فحسن، ودوسه مكروه كراهة شديدة، بل مجرد إلقائه فى الأرض من غير دوس مكروه .

وقال صاحب الدر من الحنفية مؤيدا قول الشافعية فى جواز تقبيل الخبز: (وقواعدنا لا تأباه)

أما الحنابلة فقالوا: لا يشرع تقبيل الخبز ولا الجمادات إلا ما استثناه الشرع(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٣ ص ١٣٣، ١٣٤، مادة " تقبيل")

فى الحاوى للإمام السيوطى من كتاب الصداق ضمن سؤال طويل ما نصه: الجواب أما كون تقبيل الخبز بدعة فصحيح ولكن البدعة لا تنحصر فى الحرام بل تنقسم إلى الأحكام الخمسة ولا شك أنه لا يمكن الحكم على هذا بالتحريم لأنه لا دليل على تحريمه ولا بالكراهة لأن المكروه ما ورد فيه نهى خاص ولم يرد فى ذلك نهى، والذى يظهر أن هذا من البدع المباحة فإن قصد بذلك إكرامه لأجل الأحاديث الواردة فى إكرامه فحسن ودوسه مكروه كراهة شديدة بل مجرد إلقائه فى الأرض من غير دوس مكروه لحديث ورد فى ذلك .اهـ .(العقود الدرية فى تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، ج٢ ص ٣٣٤، مسائل وفوائد شتى من الحظر والإباحة وغير ذلك،فائدة تقبيل الخبز)

(الرسالةُ الثانية عشر)

انبیاء وصلحاء کے آثار کا تتبع وقصد

انبیاء وصلحاء کے آثار اور متبرّک مقامات سے تبرک حاصل کرنے کی ایک صورت اس مقام پر نماز پڑھنا ہے، جس کی متعدد محدثین اور فقہاء وعلماء نے تصریح فرمائی ہے، اور اس پر متعدد نصوص سے استدلال کیا ہے۔

البتہ اس میں انہوں نے اعتدال ملحوظ رکھنے کی تاکید بھی فرمائی ہے، اور اسی وجہ سے اگر اس میں غلو یا حد سے تجاوز کیا جائے، یا مفاسد ومنکرات کا ارتکاب کیا جائے، تو پھر اس پر نکیر بھی فرمائی ہے، اور بعض حضرات نے اس سلسلہ میں منکرات اور سدّ باب کی وجہ سے کچھ سختی بھی فرمائی ہے۔

جبکہ بعض علماء اس سلسلہ میں کچھ تفصیل کے قائل ہیں۔

چونکہ ایک عرصہ سے اس مسئلہ میں اہلِ علم حضرات کے درمیان بھی طویل بحث ومباحثہ جاری ہے، اور دونوں طرف کا اصل موقف اور اس کے مستدلات سامنے نہ ہونے کی وجہ سے غلط فہمی یا تشدد پیدا ہو رہا ہے۔

اور پھر اس کے نتیجہ میں مناظرہ، مباحثہ بلکہ مجادلہ کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ بھی بعض اوقات شروع ہو جاتا ہے۔

اس لیے اس سلسلہ میں معتدل تحقیق اور اس کے نتیجہ میں افراط وتفریط کا خاتمہ ضروری ہے۔

ملفوظاتِ علامہ کشمیری میں ہے کہ:

> مآثرِ حرمین اور امکنۂ مقدسہ ومتبرکہ کے بارے میں بھی جو فیصلے مؤتمر عالمِ اسلامی میں ہوئے تھے، وہ ناقص تھے، اس لیے ضرورت ہے کہ ان پر منتخب علماء کی جماعت پھر سے تمام دلائل ومستدلات میں غور وفکر کرکے افراط وتفریط کا خاتمہ کرے (ملفوظاتِ محدث کشمیری، صفحہ ۲۳۰، مطبوعہ: ادارہ دعوتِ اسلام، جامعہ یوسفیہ بنوریہ، کراچی)

مذکورہ بالا حالات کے پیشِ نظر اس مسئلہ پر مختلف فقہاء وعلماء کے موقف اور ان کے مستدلات کو ملاحظہ کرنے اور افراط وتفریط کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

اسی مقصد کے لیے اس سلسلہ میں دونوں طرف کے موقف کو آگے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

مقامِ ابراہیم کے قریب نماز کا حکم

سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ .فِيْهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ آمِنًا (سورة آل عمران، رقم الآيات ٩٦، ٩٧)

ترجمہ: بے شک سب سے پہلا بیت جو رکھا گیا ہے، لوگوں کے لئے، یقیناً مکہ میں ہے، جو کہ مبارک ہے، اور ہدایت ہے عالم والوں کے لئے، اس میں نشانیاں ہیں واضح ، مقامِ ابراہیم بھی ہے، اور جو اس میں داخل ہوگیا، تو وہ امن والا ہے (سورہ آلِ عمران)

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا .وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى (سورة البقرة، رقم الآية ١٢٥)

ترجمہ: اور جب کردیا ہم نے بیتُ اللہ کو لوگوں کے لیے عبادت گاہ اور امن کی جگہ ،اور بناؤ تم مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ (سورہ بقرہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: لَوِ اتَّخَذْتَ مِنْ مَّقَامِ

إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى، فَنَزَلَتْ (وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى) (سنن الترمذی، رقم الحدیث ۲۹۶۰، ابواب تفسیر القرآن، باب: ومن سورة البقرة)[1]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر آپ مقامِ ابراہیم کو نماز گاہ قرار دے دیں (تو کیا ہی اچھا ہے) تو اس پر سورہ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی کہ "وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى" (ترمذی)

مقامِ ابراہیم، حضرت ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب اور ان کے آثار میں سے ہے، جس کے قریب ہر طواف کے بعد دو رکعت پڑھ کر تبرک حاصل کرنے کا حکم ہے، اور یہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اور ان پر قیاس کرتے ہوئے صالحین کے آثار و مقاماتِ متبرّکہ میں نماز پڑھ کر تبرک حاصل کرنے کی اہم دلیل ہے، جب تک کہ اس کو اپنے درجہ پر رکھا جائے، اور غلو ومبالغہ سے کام نہ لیا جائے۔[2]

مگر یہ بات ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ مقامِ ابراہیم کے قریب نماز کی اہمیت کو شریعت نے طواف کے بعد اور طواف کے ساتھ وابستہ رکھا ہے، جس میں شریعت کے ایک اہم اصول کی رعایت رکھی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے آثار میں غلو ومبالغہ سے کام نہ لیا جائے، اور اس کو اپنے درجہ سے نہ بڑھایا جائے۔

چنانچہ بیتُ اللہ کی اصل عبادت طواف اور اس کے بعد وہاں نماز کی فضیلت تھی دونوں کو اپنے اپنے درجہ پر رکھتے ہوئے یہ انتظام کیا گیا، اور یہ ترتیب رکھی گئی کہ پہلے طواف کی شکل میں اصل عبادت کی جائے، اور پھر مسجدِ حرام کی فضیلت کے ساتھ ساتھ مقامِ ابراہیم سے بھی تبرک حاصل کرلیا جائے، تاکہ اس میں اللہ کی عبادت کا پہلو قائم وغالب رہے، اور مخلوق کی عبادت یا بے جا تعظیم کا عنصر شامل یا کوئی شائبہ نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] قال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح وفى الباب عن ابن عمر.

[2] ولاهل الاعتبار هاهنا استنباط وهو ان فى كل مكان مكث فيه رجل من اهل الله تعالى حينا من الدهر ينزل هناك بركات من السماء وسكينة تجذب القلوب الى الله تعالى ويتضاعف هناك اجر الحسنات وكذا وزر السيئات (التفسير المظهری، ج ۱ ص ۱۲۸، سورة البقرة)

معراج میں ''طورِ سیناء'' اور ''بیتِ لحم'' میں نماز پڑھنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

أُتِيتُ بِدَابَّةٍ فَوْقَ الْحِمَارِ وَدُوْنَ الْبَغْلِ خَطْوُهَا عِنْدَ مُنْتَهٰى طَرَفِهَا فَرَكِبْتُ وَمَعِيْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسِرْتُ فَقَالَ انْزِلْ فَصَلِّ فَفَعَلْتُ فَقَالَ أَتَدْرِيْ أَيْنَ صَلَّيْتَ صَلَّيْتَ بِطَيْبَةَ وَإِلَيْهَا الْمُهَاجَرُ ثُمَّ قَالَ انْزِلْ فَصَلِّ فَصَلَّيْتُ فَقَالَ أَتَدْرِيْ أَيْنَ صَلَّيْتَ صَلَّيْتَ بِطُوْرِ سَيْنَاءَ حَيْثُ كَلَّمَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ قَالَ انْزِلْ فَصَلِّ فَنَزَلْتُ فَصَلَّيْتُ فَقَالَ أَتَدْرِيْ أَيْنَ صَلَّيْتَ صَلَّيْتَ بِبَيْتِ لَحْمٍ حَيْثُ وُلِدَ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ (سنن النسائی)[1]

ترجمہ: (معراج کی رات میں) میرے پاس ایک جانور (یعنی براق) لایا گیا جو کہ گدھے سے اونچا اور خچر سے چھوٹا تھا، اس کے قدم، حدِ نظر پر پڑتے تھے، تو میں اس پر سوار ہوگیا، اور میرے ساتھ جبریل علیہ السلام بھی تھے، پھر میں چلا تو حضرت جبریل نے فرمایا کہ یہاں اتر کر (نفل) نماز پڑھ لیجئے، میں نے اتر کر نماز پڑھی، پھر جبریلِ امین نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کس جگہ نماز پڑھی؟ آپ نے طیبہ (یعنی مدینہ طیبہ) میں نماز پڑھی ہے، جہاں آپ (بعد میں) ہجرت فرمائیں گے، پھر (ایک مقام پر پہنچ کر) جبریلِ امین نے کہا کہ (یہاں بھی) اتر کر نماز پڑھیے، میں نے اتر کر نماز پڑھی، پھر جبریلِ امین نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی، آپ نے طورِ سینا میں اس جگہ

---

[1] رقم الحدیث ۴۵۰، کتاب الصلاۃ، باب فرض الصلاۃ،، تاریخ مدینۃ دمشق لابن عساکر، ج۶۵ ص ۲۸۱ وص ۲۸۲، تحت ترجمۃ یزید بن عبد الرحمن بن أبی مالک ھانئ الھمدانی .

نماز پڑھی، جہاں اللہ عزوجل نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا، پھر (ایک مقام پر پہنچ کر) جبریلِ امین نے کہا کہ (یہاں بھی) اتر کر نماز پڑھیے، میں نے اتر کر نماز پڑھی، پھر جبریلِ امین نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی؟ آپ نے دراصل بیتِ لحم میں نماز پڑھی، جہاں عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی (نسائی)

یہ حدیث سند کے اعتبار سے حسن درجہ سے کم نہیں۔ [1]

---

[1] سنن نسائی کی حدیث کی سند درجِ ذیل ہے:

أخبرنا عمرو بن هشام قال حدثنا مخلد عن سعيد بن عبد العزيز قال حدثنا يزيد بن أبى مالك قال حدثنا أنس بن مالك.

اوراس روایت میں مذکور راویوں کے بارے میں محدثین کا کلام بالترتیب درجِ ذیل ہے:

(۱)...... عمرو بن هشام الحرانى أبو أمية ثقة من العاشرة مات سنة خمس وأربعين (تقريب التهذيب،ص ۴۲۸، تحت رقم الترجمة ۵۱۲۹)

(۲)...... مخلد بن يزيد القرشى أبويحيى ، ويُقَال :أبوخداش ويُقَال :أبو الجيش ، ويُقَال :أبو الحسن..........قال أبو بكر الأثرم عن أحمد بن حنبل :لا بأس به ، وكان يهم.وَقَال عثمان بن سَعِيد الدارمى عن يحيى بن مَعِين ، وأبو داود ، ويعقوب بن سفيان :ثقة . وَقَال أبو حاتم :صدوق.وَقَال أحمد بن على الابار :سألت على بن ميمون عنه ، فقال :كان قرشيا ، نعم الشيخ .وذكره ابنُ حِبَّان فى كتاب "الثقات(تهذيب الكمال ج ۲۷ ص ۳۴۳ الیٰ ۳۴۵ ملخصاً ، تحت رقم الترجمة ۵۸۴۳)

(۳)...... سَعِيد بن عبد العزيز بن أَبى يحيى التنوخى، أبو محمد ، ويُقَال :أبو عبد العزيز ، الدمشقى ، فقيه أهل الشام ومفتيهم بدمشق بعد الأَوزاعِيّ..........قال عَبد الله بن أحمد بن حنبل، عَن أبيه :ليس بالشام رجل أصح حديثًا من سَعِيد بن عبد العزيز ، هو والأَوزاعِيّ عندى سواء .وَقَال إسحاق بن منصورعن يحيى بن مَعِين ، وأبو حاتم، وأحمد بن عَبد الله العجلى : ثقة.وَقَال عَمْرو بن على :حديث الشاميين كلهم ضعيف إلا نفرا ، منهم :الأَوزاعِيّ ، وسَعِيد بن عبد العزيز ، وعبد الرحمن بن ثابت بن ثوبان ، وعبد الله بن العلاء بن زبر......وَقَال الحاكم أبو عبد الله : سَعِيد بن عبد العزيز لاهل الشام كمالك بن أنس لاهل المدينة فى التقدم والفضل والفقه والامانة.وَقَال النَّسَائى : ثقة ثبت.(تهذيب الكمال ،ج۱۰ ص ۵۳۹ الیٰ ۵۴۴ ملخصاً ، تحت رقم الترجمة ۲۳۲۰)

(۴)...... يزيد بن عبد الرحمن بن أَبى مالك ، واسمه هانئ ، الهمدانى الدمشقى الفقيه، قاضى دمشق ......وَقَال عبد الرحمن بن أَبى حاتم :سئل أبى عنه ، فقال :من فقهاء الشام وهو ثقة ، وسئل أبو زُرْعَة عنه فأثنى عليه خيرا .وَقَال المفضل بن غسان الغلابى :الوليد ويزيد ابنا أبى مالك أخوان ليس بحديثهما بأس.وَقَال الدَّارَقُطْنِيُّ ، وأبو بكر البرقانى :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

حَتّٰی بَلَغْنَا أَرْضًا ذَاتَ نَخلِ فَأَنْزَلَنِیْ، فَقَالَ: صَلِّ. فَصَلَّیْتُ، ثُمَّ رَکِبْنَا، فَقَالَ: أَتَدْرِیْ أَیْنَ صَلَّیْتَ؟قُلْتُ: اَللّٰهُ أَعْلَمُ قَالَ: صَلَّیْتَ بِیَثْرِبَ، صَلَّیْتَ بِطَیْبَةَ، فَانْطَلَقَتْ تَهْوٰی بِنَا یَقَعُ حَافِرُهَا حَیْثُ أَدْرَکَ طَرَفُهَا، ثُمَّ بَلَغْنَا أَرْضًا فَقَالَ: اَنْزِلْ، فَنَزَلْتُ، ثُمَّ قَالَ: صَلِّ، فَصَلَّیْتُ، ثُمَّ رَکِبْنَا، فَقَالَ: أَتَدْرِیْ أَیْنَ صَلَّیْتَ؟ قُلْتُ: اَللّٰهُ أَعْلَمُ قَالَ: صَلَّیْتَ بِمَدْیَنَ، صَلَّیْتَ عِنْدَ شَجَرَةِ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ، ثُمَّ انْطَلَقَتْ تَهْوٰی بِنَا یَقَعُ حَافِرُهَا حَیْثُ أَدْرَکَ طَرَفُهَا، ثُمَّ بَلَغْنَا أَرْضًا بَدَتْ لَنَا قُصُوْرٌ، فَقَالَ: اَنْزِلْ فَنَزَلْتُ فَقَالَ: صَلِّ فَصَلَّیْتُ، ثُمَّ رَکِبْنَا قَالَ: أَتَدْرِیْ أَیْنَ صَلَّیْتَ؟ قُلْتُ اَللّٰهُ أَعْلَمُ، قَالَ: صَلَّیْتَ بِبَیْتِ لَحْمٍ، حَیْثُ وُلِدَ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ ، اَلْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ ،الحدیث (دلائل النبوة للبیهقی) [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾ من الثقات .وذکره ابنُ حِبّان فی کتاب "الثقات "(تهذیب الکمال ج۳۲ ص ۱۸۹ الیٰ ۱۹۱ ملخصاً ، تحت رقم الترجمة ۷۰۲۲)

پس اس حدیث کی سند معتبر ہے، البتہ اس حدیث کو علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے منکر قرار دیا ہے۔

راجع :الفصول فی السیرة، لابنِ کثیر،ص ۲۶۹ ، فصل ۔ الأماکن التی حلها ،فی ذکر الأماکن التی حلها صلوات الله و سلامه علیه و هی الرحلات النبویة .

مگر حضرت شداد بن اوس کی حدیث اس کی مؤید ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے، اس لئے ہمیں اتنے مضمون کے منکر ہونے سے اتفاق نہیں، جو اوپر کی روایت میں ذکر کیا گیا۔ محمد رضوان۔

[1] ج۲ ص ۳۵۵، باب الإسراء برسول الله صلی الله علیه وآله وسلم من المسجد الحرام إلی المسجد الأقصی وما ظهر فی ذلک من الآیات،دار الکتب العلمیة -بیروت، مسند البزار رقم الحدیث ۳۴۸۴،المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث ۷۱۴۲، مسند الشامیین للطبرانی رقم الحدیث ۱۸۹۴ ،تهذیب الآثار للطبری مسند ابنِ عباس،رقم الحدیث ۷۳۴.

قال البیهقی بعد نقل الحدیث الکامل:

هذا إسناد صحیح وروی ذلک مفرقا فی أحادیث غیره ونحن نذکر من ذلک إن شاء الله تعالی ما حضرنا(حواله بالا) ﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

ترجمہ: یہاں تک کہ ہم بہت کھجوروں والی زمین میں پہنچے، جبریلِ امین نے مجھے سواری سے نیچے اتارا، اور فرمایا کہ نماز پڑھیے، تو میں نے نماز پڑھی، پھر ہم سوار ہوئے، تو جبریلِ امین نے فرمایا کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی؟ میں نے کہا کہ اللہ ہی زیادہ جانتا ہے، جبریلِ امین نے کہا کہ آپ نے یثرب میں نماز پڑھی، آپ نے طیبہ میں نماز پڑھی، پھر وہ سواری روانہ ہوئی، ہمیں اتنی تیزی سے لے جا رہی تھی کہ اس کی حدِ نظر پر اس کے قدم پڑتے تھے، پھر ہم ایک جگہ پہنچے، تو جبریلِ امین نے کہا کہ اتر جایئے، تو میں اتر گیا، پھر جبریلِ امین نے کہا کہ نماز پڑھیے، تو میں نے اتر کر نماز پڑھی، پھر ہم سوار ہوئے، تو جبریلِ امین نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی، میں نے کہا کہ اللہ اعلم، جبریلِ امین نے کہا کہ آپ نے مدین میں نماز پڑھی، آپ نے موسیٰ علیہ السلام کے درخت کے قریب نماز پڑھی (جہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل کیا تھا) پھر ہم چلے اور سواری ہمیں اتنی تیزی سے لے جا رہی تھی کہ اس کی حدِ نظر پر اس کے قدم پڑتے تھے، پھر ہم ایک زمین پر پہنچے، جہاں سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الهيثمي: رواه البزار والطبراني في الكبير، إلا أن الطبراني قال فيه " :قد أخذ صاحبك الفطرة، وإنه لمهدى .وقال في وصف جهنم كيف وجدتها؟ قال :مثل الحمة السخنة ."وفيه إسحاق بن إبراهيم بن العلاء ، وثقه يحيى بن معين، وضعفه النسائي(مجمع الزوائد ج ١ ص ٧٤، تحت رقم الحديث ٢٣٧ ،مكتبة القدسي، القاهرة)

وقال ابن كثير :هكذا رواه البيهقي من طريقين عن أبي إسماعيل الترمذي، به . ثم قال بعد تمامه: "هذا إسناد صحيح، وروى ذلك مفرقًا في أحاديث غيره، ونحن نذكر من ذلك إن شاء الله ما حضرنا ."ثم ساق أحاديث كثيرة في الإسراء كالشاهد لهذا الحديث .وقد روى هذا الحديث عن شداد بن أوس بطوله الإمام أبو محمد عبد الرحمن بن أبي حاتم في تفسيره، عن أبيه، عن إسحاق بن إبراهيم بن العلاء الزبيدي، به .ولا شك أن هذا الحديث -أعني الحديث المروي عن شداد بن أوس-مشتمل على أشياء منها ما هو صحيح كما ذكره البيهقي، ومنها ما هو منكر، كالصلاة في بيت لحم، وسؤال الصديق عن نعت بيت المقدس، وغير ذلك .والله أعلم(تفسير ابن كثير، ج٥ ص ٢٤ ،تحت رقم الآية ١ من سورة الاسراء)

ہمیں بلند عمارات نظر آئیں، تو جبریلِ امین نے کہا کہ اتریئے، تو میں اتر گیا، پھر انہوں نے فرمایا کہ نماز پڑھئے، تو میں نے نماز پڑھی، پھر ہم سوار ہوئے، جبریلِ امین نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ کہاں نماز پڑھی؟ میں نے کہا کہ اللہ اعلم، جبریلِ امین نے کہا کہ آپ نے بیتِ لحم میں نماز پڑھی، جہاں عیسیٰ مسیح ابنِ مریم علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی، آخر حدیث تک (بیہقی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے موقع پر مدینہ طیبہ اور اللہ کے نبی موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی والے مقام اور اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی جائے ولادت میں جبریل کے حکم سے نماز پڑھی، اور ان مقامات پر نماز پڑھنے کے بعد ان مقامات کے آثار کی نشاندہی کی گئی۔

چنانچہ مدینہ منورہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے قیام بنتا تھا، جس کی فضیلتیں بہت زیادہ ہیں، اور ان کا الگ سے ذکر کر دیا گیا ہے، مدینہ منورہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے تعلق رکھتا تھا۔

دوسرا مقام موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے آثار سے تعلق رکھتا تھا، اور تیسرا مقام عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے آثار سے تعلق رکھتا تھا، یہ سب ابنیائے کرام کے آثار تھے، جن پر قیاس کرتے ہوئے صلحائے کرام کے آثار سے بھی نماز پڑھ کر تبرک حاصل کرنے کا حکم نکالا جاسکتا ہے، جیسا کہ متعدد اہلِ علم حضرات کا قول ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کے آثار اور متبرک مقامات پر نماز پڑھنا برکت کا باعث ہے، بشرطیکہ اس میں غلو ومبالغہ سے کام نہ لیا جائے، اور اس مقام سے مخلوق کی بے جا تعظیم مقصود نہ ہو۔ [1]

یہ بھی ملحوظ رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل سفر معراج کی غرض سے تھا، جس کے ضمن میں

---

[1] صليت بطور سيناء وهذا أصل كبير فى تتبع آثار الصالحين والتبرك بها والعبادة فيها (حاشية السندى على سنن النسائى، ج ا، ص ۲۲۲، كتاب الصلاة)

مذکورہ متبرک مقامات سے گزر ہوا، تو ان مقامات کے متبرک ہونے کے باعث بلاتکلف وہاں نماز پڑھائی گئی، ورنہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان متبرک مقامات پر مستقل سفر کرکے تشریف لے جاتے، توامت مشکل میں پڑ جاتی، اورلوگوں کی طرف سے غلو پیدا ہوجاتا، جبکہ متبرک مقامات وآثار میں غلو ومبالغہ جائز نہیں، جیسا کہ آگے تفصیلاً آتا ہے۔

مسجدِ نبوی میں ستون کے قریب نماز پڑھنے کا واقعہ

صحیح بخاری میں حضرت یزید بن ابی عبید سے روایت ہے کہ:

كُنْتُ آتِي مَعَ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ فَيُصَلِّي عِنْدَ الْأُسْطُوَانَةِ الَّتِي عِنْدَ الْمُصْحَفِ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا مُسْلِمٍ، أَرَاكَ تَتَحَرَّى الصَّلَاةَ عِنْدَ هٰذِهِ الْأُسْطُوَانَةِ، قَالَ: فَإِنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرَّى الصَّلَاةَ عِنْدَهَا (صحيح البخاری) [1]

ترجمہ: میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے ساتھ (مسجد نبوی) میں آیا کرتا تھا، اوروہ اس ستون کے پاس نماز پڑھا کرتے تھے، جو قرآن رکھنے کی جگہ کے قریب تھا (یعنی مسجدِ نبوی میں اس جگہ کے قریب یہ ستون تھا، جہاں قرآن مجید صندوق وغیرہ میں رکھے جاتے تھے) میں نے عرض کیا کہ اے ابومسلم! میں آپ کو اس ستون کے قریب نماز پڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے دیکھتا ہوں (اس کی کیا وجہ ہے؟) حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ستون کے قریب نماز پڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے دیکھا ہے (بخاری)

اورصحیح مسلم کی روایت میں درجِ ذیل الفاظ ہیں:

عَنْ سَلَمَةَ وَهُوَ ابْنُ الْأَكْوَعِ أَنَّهُ كَانَ يَتَحَرّٰى مَوْضِعَ مَكَانِ الْمُصْحَفِ يُسَبِّحُ فِيهِ، وَذَكَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

---

[1] رقم الحديث ۵۰۲، كتاب الصلاة، باب الصلاة الى الأسطوانة.

كَانَ يَتَحَرّٰى ذٰلِكَ الْمَكَانَ، وَكَانَ بَيْنَ الْمِنبَرِ وَالْقِبْلَةِ قَدْرُ مَمَرِّ الشَّاةِ (صحيح مسلم) [1]

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ قرآن رکھے جانے کی جگہ میں نماز پڑھنے کی کوشش کیا کرتے تھے، جہاں نوافل پڑھا کرتے تھے، اور یہ بات ذکر کیا کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ میں نماز پڑھنے کی کوشش کیا کرتے تھے، اور یہ مقام منبر اور قبلہ کے درمیان ایک بکری کے گزرنے کے بقدر فاصلہ پر تھا (مسلم)

اگرچہ متعدد حضرات نے ستون کے سامنے نماز پڑھنے کی کوشش کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ستون کو سترہ بنانا مقصود ہوتا تھا، لیکن بعض حضرات نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے عمل سے انبیاء اور صلحاء کے آثار سے تبرک حاصل کرنے پر یہ کہتے ہوئے استدلال کیا ہے کہ ان کا مقصد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھنے والی متبرک جگہ سے تبرک حاصل کرنا تھا۔ واللہ اعلم۔ [2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کے گھر میں نماز پڑھنے کا واقعہ

حضرت محمود بن ربیع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ وَهُوَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مِّنَ الْأَنْصَارِ أَنَّهُ أَتٰى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَدْ أَنْكَرْتُ بَصَرِيْ، وَأَنَا أُصَلِّيْ لِقَوْمِيْ فَإِذَا كَانَتِ الْأَمْطَارُ سَالَ الْوَادِي الَّذِيْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ، لَمْ أَسْتَطِعْ أَنْ آتِيَ مَسْجِدَهُمْ فَأُصَلِّيَ بِهِمْ، وَوَدِدْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ،

---

[1] رقم الحديث ٥٠٩ ”٢٦٣“ كتاب الصلاة، باب دنو المصلى من السترة.

[2] قوله: (دون المصحف) أى عند مصحف عثمان (قريبا منها) أى من تلك الأسطوانة (يتحرى هذا المقام) أى يقصده للصلاة فيه فعلم من هذا أن الإكثار من الصلاة فى موضع لا بأس به سيما إذا كان للتبرک بآثار الصالحين وإنما النهى عنه للتخصيص والله أعلم (حاشية السندى علىٰ سنن ابنِ ماجه، ج ١ ص ٤٣٧، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فى توطين المكان فى المسجد يصلى فيه)

أَنَّکَ تَـأْتِيْنِىْ فَتُصَلِّىَ فِىْ بَيْتِىْ، فَأَتَّخِذَهٗ مُصَلًّى، قَالَ: فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَأَفْعَلُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ (صحيح البخاری) [1]

ترجمہ: حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ، جوکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان انصاری صحابۂ کرام میں سے تھے، جوکہ بدر میں شریک ہوئے تھے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری آنکھوں کی بینائی متاثر ہوگئی ہے، اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں، مگر جب بارش ہوتی ہے، تو لوگوں کے اور میرے درمیان کی وادی میں بارش کا پانی بہاؤ پر ہوتا ہے، اور میں ان کے پاس مسجد میں آکر ان کو نماز پڑھانے کی استطاعت نہیں رکھ پاتا، اور اے اللہ کے رسول! میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے پاس آئیں، اور میرے گھر میں نماز پڑھیں، پھر اس جگہ کو میں (اپنی) نماز کا مصلّٰی بنالوں، تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان شاء اللہ ایسا عنقریب کروں گا (بخاری)

اور حضرت عتبان مالک انصاری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ:

اِسْتَـأْذَنَ الـنَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَذِنْتُ لَهٗ فَقَالَ: أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّىَ مِنْ بَيْتِکَ؟ فَـأَشَـرْتُ لَـهٗ إِلَـى الْـمَكَانِ الَّذِىْ أُحِبُّ، فَقَامَ وَصَفَفْنَا خَلْفَهٗ، ثُمَّ سَلَّمَ وَسَلَّمْنَا (صحيح البخاری) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت عتبان مالک رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر تشریف لاکر) گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب فرمائی، تو میں نے ان کو اجازت دے دی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ اپنے گھر میں کس جگہ

---

[1] رقم الحديث ۴۲۵، كتاب الصلاة، باب المساجد فى البيوت، صحيح مسلم، رقم الحديث ۲۶۳ "۳۳"

[2] رقم الحديث ٦٨٦، كتاب الصلاة، باب إذا زار الإمام قوما فأمهم.

کو پسند کرتے ہیں کہ میں اس جگہ نماز پڑھوں، تو میں نے اس جگہ کی طرف اشارہ کیا، جس جگہ میں نماز پڑھنے کو پسند کرتا تھا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے، اور ہم نے آپ کے پیچھے صف بندی کی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (دو رکعات پڑھ کر) سلام پھیرا، اور ہم نے بھی سلام پھیرا (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ أَرْسَلَ إِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنْ تَعَالَ فَخُطَّ لِيْ مَسْجِدًا فِيْ دَارِيْ أُصَلِّيْ فِيْهِ، وَذٰلِکَ بَعْدَمَا عَمِيَ، فَجَاءَ فَفَعَلَ (سنن ابن ماجه) [1]

ترجمہ: انصار کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے یہاں بلایا کہ وہ میرے گھر میں تشریف لاکر، میری نماز پڑھنے والی جگہ میں خط کھینچ دیں، تاکہ میں اس میں نماز پڑھوں، اور یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب وہ شخص نابینا ہوگئے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے، اور آپ نے یہ عمل فرمایا (یعنی وہاں آ کر نماز پڑھی، جس کے بعد ان صحابی نے اس جگہ کو اپنی نماز پڑھنے کے لیے مختص کرلیا) (ابن ماجہ)

مذکورہ واقعہ سے محدثین واہلِ علم حضرات نے آثارِ انبیاء وصالحین کے ذریعہ تبرک حاصل کرنے پر استدلال کیا ہے، بشرطیکہ اس میں غلو ومبالغہ سے کام نہ لیا جائے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا نبی ﷺ کی آثار کی تحری وتتبع کرنا

کئی روایات میں ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کا اہتمام کے ساتھ تتبع

---

[1] رقم الحديث ٧٥٥، ابواب المساجد والجماعات، باب المساجد فى الدور.
قال شعيب الارنؤوط: إسناده حسن (حاشية سنن ابنِ ماجه)

کرنا مذکور ہے، اوراس سلسلہ میں ابنِ عمر رضی اللہ عنہ دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں معروف ومشہور ہیں۔

ذیل میں اس طرح کی چندروایات ملاحظہ فرمائیں۔

موسیٰ بن عقبہ سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَتَحَرّٰى أَمَاكِنَ مِنَ الطَّرِيْقِ فَيُصَلِّيْ فِيْهَا، وَيُحَدِّثُ أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْهَا وَأَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ تِلْكَ الْأَمْكِنَةِ، وَحَدَّثَنِيْ نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ تِلْكَ الْأَمْكِنَةِ (صحيح البخاری) [1]

ترجمہ: میں نے سالم بن عبداللہ کو دیکھا کہ وہ راستہ میں کچھ مقامات کی تلاش کرتے تھے، اور وہیں نماز پڑھا کرتے تھے، اور بیان کرتے تھے کہ ان کے والد (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ) وہیں نماز پڑھتے تھے، اور انہوں نے ان مقامات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا، موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ مجھ سے نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ وہ ان مقامات میں نماز پڑھا کرتے تھے (بخاری)

عبداللہ بن عبداللہ بن جابر بن عتیک سے روایت ہے کہ:

جَاءَ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فِيْ بَنِيْ مُعَاوِيَةَ وَهِيَ قَرْيَةٌ مِنْ قُرَى الْأَنْصَارِ، فَقَالَ: هَلْ تَدْرُوْنَ أَيْنَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيه وَسَلَّمَ مِنْ مَسْجِدِكُمْ هٰذَا؟ فَقُلْتُ لَهٗ: نَعَمْ، وَأَشَرْتُ لَهٗ إِلٰى نَاحِيَةٍ مِّنْهُ، فَقَالَ: هَلْ تَدْرِيْ مَا الثَّلَاثُ الَّتِيْ دَعَا بِهِنَّ فِيْهِ؟ قَالَ : فَقُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَأَخْبِرْنِيْ بِهِنَّ، قَالَ: فَقُلْتُ: دَعَا بِأَنْ لَّا يُظْهِرَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ

---

[1] رقم الحديث ۴۸۳، کتاب الصلاۃ، باب: المساجد التی علی طرق المدینة، والمواضع التی صلی فیها النبی صلی اللہ علیه وسلم.

غَيْرِهِمْ، وَلَا يُهْلِكَهُمْ بِالسِّنِينَ، فَأُعْطِيَهُمَا، وَدَعَا بِأَنْ لَا يَجْعَلَ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ فَمُنِعَهَا، قَالَ: صَدَقْتَ، قَالَ: فَلَنْ يَزَالَ الْهَرْجُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (موطأ الإمام مالک، رقم الحديث ۳۵، کتاب القرآن، باب ما جاء فی الدعاء)

ترجمہ: ہمارے پاس عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، بنی معاویہ میں تشریف لائے، جو کہ انصار کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے، پھر انہوں نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ تمہاری مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہاں نماز پڑھی ہے؟ تو میں نے عرض کیا کہ جی ہاں! اور میں نے مسجد کے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا، پھر حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ وہ کون سی تین دعائیں ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں مانگی ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں! حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس کے بارے میں بتلاؤ، میں نے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پر پہلی دعاء یہ فرمائی کہ مسلمانوں پر کوئی دشمن ان کی غیر قوم کا یعنی کافروں میں سے مسلط نہ کرنا، اور دوسری دعاء یہ فرمائی کہ مسلمانوں کو قحط سے ہلاک نہ کرنا، تو یہ دونوں دعائیں قبول ہوگئیں، تیسری دعا یہ فرمائی کہ مسلمانوں کی آپس میں خون ریزی اور جنگ نہ ہو، تو یہ دعا قبول نہ ہوئی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا، پھر فرمایا کہ اب قیامت تک فساد آپس میں چلتا جائے گا (موطا)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے وہ جگہ اور دعائیں اس لیے دریافت کیں، تاکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اس جگہ نماز پڑھ کر اور وہ دعائیں کر کے برکت حاصل کریں، اور مستفید ہوں۔

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

لَوْ رَأَيْتَ ابْنَ عُمَرَ يَتْبَعُ آثَارَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقُلْتَ:

هٰذَا مَجْنُوْنٌ (المستدرک علی الصحیحین للحاکم) [1]

ترجمہ: اگر آپ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کا تتبع کرتے ہوئے دیکھ لیتے، تو آپ یقیناً یہ کہتے کہ یہ مجنون ہیں (حاکم)

مطلب یہ ہے کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آثار کو تلاش اور ان سے برکت حاصل کرنے کا اتنا والہانہ اہتمام کرتے تھے کہ دیکھنے والے کو ان کے اس طرزِ عمل سے مجنون ہونے کا شبہ ہو سکتا تھا، وہ اپنی اس کیفیت اور جذبہ میں مغلوب تھے۔

نافع رحمہ اللہ سے ہی روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَتْبَعُ آثَارَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُصَلِّيْ فِيْهَا حَتّٰى إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ تَحْتَ شَجَرَةٍ فَكَانَ اِبْنُ عُمَرَ يَصُبُّ الْمَاءَ تَحْتَهَا حَتّٰى لَا تَيْبَسَ (السنن الکبری، للبیهقی) [2]

ترجمہ: ابنِ عمر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کے تتبع کا اہتمام کیا کرتے تھے، اور ان میں نماز پڑھا کرتے تھے، یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر کسی درخت کے نیچے نزول کیا ہو، تو ابنِ عمر رضی اللہ عنہ اس کے نیچے پانی ڈالا کرتے تھے تاکہ وہ خشک نہ ہو (بیہقی)

یعنی ابنِ عمر رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اتنے سرشار تھے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی درخت کے نیچے سفر میں جاتے وقت کچھ دیر کے لیے نزول کیا، تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ وہاں جا کر نماز پڑھتے تھے، اور اس درخت کو سوکھنے سے محفوظ رکھنے اور باقی رکھنے کے لیے اس کو پانی بھی لگاتے تھے۔

ابنِ سعد (المتوفی: 230ہجری) اپنی سند سے عبداللہ بن ابی ملیکہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

---

[1] رقم الحدیث ٦٣٧٦، کتاب معرفة الصحابة رضی الله عنهم، ذکر عبد الله بن عمر بن الخطاب رضی الله عنهما.

[2] رقم الحدیث ١٠٢٦٩، کتاب الحج، جماع ابواب الهدی، باب النزول بالبطحاء التی بذی الحلیفة والصلاة بها.

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا كَانَ أَحَدٌ يَتبَعُ آثَارَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَنَازِلِهِ كَمَا كَانَ يَتْبَعُهُ اِبْنُ عُمَرَ(الطبقات الكبرى لابنِ سعد) [1]

ترجمہ: عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کوئی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزول والی جگہوں کے آثار کا تتبع نہیں کیا کرتا تھا، جس طرح سے ابنِ عمر رضی اللہ عنہ ان کا تتبع کیا کرتے تھے (الطبقات الکبریٰ)

امّاں عائشہ رضی اللہ عنہا کا مطلب یہ تھا کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کا تتبع اور تلاش کرنے میں دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے علیحدہ اور امتیازی شان رکھتے تھے۔

عاصم کی سند سے روایت ہے کہ:

كَانَ اِبْنُ عُمَرَ إِذَا رَآهُ أَحَدٌ ظَنَّ أَنَّ بِهِ شَيْئًا مِنْ تَتَبُّعِهِ آثَارَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مُصنف ابن أبى شيبة) [2]

ترجمہ: ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کو جب کوئی دیکھتا تھا، تو یہ گمان کرتا تھا کہ ان کے ساتھ کوئی (جنون وغیرہ کا) اثر ہے، بوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کے (غیر معمولی) تتبع (وجستجو) کے (ابنِ ابی شیبہ)

نافع سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، أَنَّهُ كَانَ فِيْ طَرِيْقِ مَكَّةَ يَقُوْلُ بِرَأْسِ رَاحِلَتِهِ يُثْنِيْهَا وَيَقُوْلُ : لَعَلَّ خُفًّا يَقَعُ عَلٰى خُفٍّ ، يَعْنِيْ خُفَّ رَاحِلَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مُصنف ابن أبى شيبة) [3]

ترجمہ: ابنِ عمر رضی اللہ عنہ مکہ کے راستہ میں اپنی اونٹنی کے لگام کے سرے کو پکڑ

---

[1] ج۴،ص۱۰۸ ،الطبقة الثانية من المهاجرين والأنصار ممن لم يشهد بدرا،رقم الترجمة ۴۰۲، تحت ترجمة عبد الله بن عمر.

[2] رقم الحديث ۳۵۷۷۸، كتاب الزهد، زهد الصحابة رضى الله عنهم ، كلام ابن عمر رضى الله عنه.

[3] رقم الحديث ۳۵۷۹۳، كتاب الزهد، زهد الصحابة رضى الله عنهم ، كلام ابن عمر رضى الله عنه.

کر پھیرتے رہتے، فرماتے تھے کہ شاید میری اونٹنی کا پاؤں نبی صلی اللہ علیہ کی اونٹنی کے پاؤں کی جگہ پڑ جائے (ابنِ ابی شیبہ)

اس روایت کو ابو نعیم نے بھی روایت کیا ہے۔[1]

مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آثار کی تلاش وجستجو رہتی تھی، اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کی تلاش وتتبع اور جستجو میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں امتیازی شان اور اس سلسلہ میں طبعی غلبہ رکھتے تھے، اور ان کی یہ کیفیت اور شان دوسرے لوگوں سے امتیازی ہونے کی وجہ سے معروف ومشہور تھی۔

عمر رضی اللہ عنہ کا آثارِ انبیاء کی اتباع سے منع فرمانا

جہاں ایک طرف حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کے تتبع میں امتیازی شان رکھتے تھے، وہاں دوسری طرف ان کے والد ماجد حضرت عمر رضی اللہ عنہ، لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کی اتباع اور اس میں اہتمام سے منع فرماتے تھے، جس کا متعدد روایات میں ذکر ملتا ہے۔

اس طرح کی چند روایات مختصر فوائد وتشریح کے ساتھ ملاحظہ فرمایئے:

حضرت معرور بن سوید سے روایت ہے کہ:

خَرَجْنَا مَعَ عُمَرَ فِیْ حَجَّةٍ حَجَّهَا فَقَرَأَ بِنَا فِی الْفَجْرِ (أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِأَصْحَابِ الْفِيْلِ) وَ(لِإِيْلَافِ قُرَيْشٍ) فَلَمَّا قَضٰى حَجَّهٗ وَرَجَعَ وَالنَّاسُ يَبْتَدِرُوْنَ ، فَقَالَ: مَا هٰذَا ؟ فَقَالُوْا : مَسْجِدٌ صَلّٰى فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ: هٰكَذَا هَلَکَ أَهْلُ الْكِتَابِ

---

[1] حدثنا عبدالله بن محمد ثنا محمد بن شبل ثنا أبو بكر بن أبى شيبة ثنا وكيع عن أبى مودود عن نافع عن ابن عمر رضى الله تعالى عنه أنه كان فى طريق مكة يأخذ برأس راحلته يثنيها ويقول لعل خفا يقع على خف يعنى خف راحلة النبى صلى الله عليه و سلم (حلية الأولياء ، لأبى نعيم الأصبهانى. ج ١ ،ص ٣١٠،تحت ترجمة عبدالله بن عمر بن الخطاب)

اِتَّخَذُوا آثَارَ أَنْبِيَائِهِمُ بِيَعًا مَنُ عَرَضَتُ لَهُ مِنكُمُ فِيهِ الصَّلَاةَ فَلْيُصَلِّ وَمَنُ لَّمُ تَعُرِضُ لَهُ مِنكُمُ فِيهِ الصَّلَاةَ فَلا يُصَلِّ (مُصنف ابن أبی شیبة) [1]

ترجمہ: ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کے لیے نکلے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی، جس میں ’’الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل (یعنی سورہ فیل) اور لایلاف قریش (یعنی سورہ قریش) کی تلاوت فرمائی، جب آپ نے حج پورا کرلیا، اور واپس لوٹے، تو (راستہ میں دیکھا کہ) لوگ ایک مقام کی طرف جلدی کررہے ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ یہ لوگ کیا کررہے ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اس مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم سے پہلے اہلِ کتاب اسی لیے ہلاک کردیئے گئے کہ انہوں نے انبیاء کے آثار کو گرجا اور عبادت گاہ بنالیا، تم میں سے جس کو ایسی جگہ نماز پیش آجائے، تو وہ نماز پڑھ لے، اور جس کو تم میں سے نماز پیش نہ آئے، وہ نماز نہ پڑھے (ابنِ ابی شیبہ)

فائدہ: اس روایت میں پہلے تو اہلِ کتاب کے ہلاک ہونے کی وجہ ان الفاظ میں مذکور ہے کہ:

’’اِتَّخَذُوا آثَارَ أَنْبِيَائِهِمُ بِيَعًا‘‘

’’اتخاذ‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے وہاں باقاعدہ مساجد وعبادت گاہ بنادیں۔ [2]

پھر اس کے بعد ہلاکت کی وجہ سے بچنے کا یہ طریقہ مذکور ہے کہ:

’’مَنُ عَرَضَتُ لَهُ مِنكُمُ فِيهِ الصَّلَاةَ فَلْيُصَلِّ وَمَنُ لَّمُ تَعُرِضُ ، الخ‘‘

’’عرضت‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ جس کو نماز کا وقت وہاں ظاہر ہوجائے، یا وہاں نماز کا وقت داخل ہوجائے، تو نماز پڑھ لے، ورنہ نماز پڑھے بغیر گزر جائے، جیسا کہ دوسری

---

[1] رقم الحدیث ۷۶۳۲، کتاب الصلاۃ، باب فی الصلاۃ عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وإتیانہ.

[2] اتخذ یتخذ، اتخاذا، فھو متخذ، والمفعول متخذ. اتخذ أمرا: اصطنعہ(معجم اللغة العربیة المعاصرة ، ج ۱ ص ۶۹، مادة ’’أ خ ذ‘‘ رقم المادة ۸۰)

روایات میں آیا ہے۔ [1]

محمد بن وضاح قرطبی (المتوفی 286ہجری) اپنی سند کے ساتھ حضرت معرور بن سوید سے روایت کرتے ہیں:

خَرَجْنَا حُجَّاجًا مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَعَرَضَ لَنَا فِيْ بَعْضِ الطَّرِيْقِ مَسْجِدٌ، فَابْتَدَرَهُ النَّاسُ يُصَلُّوْنَ فِيْهِ، فَقَالَ عُمَرُ: مَا شَأْنُهُمْ؟ فَقَالُوْا: هٰذَا مَسْجِدٌ صَلّٰى فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ عُمَرُ: أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِاتِّبَاعِهِمْ مِثْلَ هٰذَا، حَتّٰى أَحْدَثُوْهَا بِيَعًا، فَمَنْ عَرَضَتْ لَهُ فِيْهِ صَلَاةٌ فَلْيُصَلِّ، وَمَنْ لَّمْ تَعْرِضْ لَهُ فِيْهِ صَلَاةٌ فَلْيَمْضِ (البدع والنهي عنها) [2]

ترجمہ: ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کے لیے نکلے، تو ہمارے راستہ میں ایک مسجد آئی، لوگ اس میں نماز پڑھنے کے لیے سبقت (یعنی جلدی) کرنے لگے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معلوم فرمایا کہ لوگ نماز پڑھنے کے لیے سبقت کیوں کررہے ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اس مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے لوگو! تم سے پہلے لوگ اسی جیسی چیزوں کا اتباع کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے، یہاں تک کہ انہوں نے (انبیاء کے آثار میں) گرجے ایجاد کر دیئے، (پس) جس کو ایسی جگہ نماز پیش آجائے، تو وہ نماز پڑھ لے، اور جس کو یہاں نماز پیش نہ آئے، وہاں سے گزر جائے (البدع)

---

[1] ع ر ض: (عرض) له كذا أى ظهر .و (عرضته) له أظهرته له وأبرزته إليه(مختار الصحاح للرازى، صفحه ٢٠٥، باب العين، مادة " ع ر ض ")

[عرض] عرض له أمر كذا يعرض، أى ظهر .وعرضت عليه أمر كذا .وعرضت له الشئ، أى أظهرته له وأبرزته إليه(الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية للجوهرى، ج٣ص ١٠٨٢، فصل العين)

[2] رقم الحديث ١٠١ ،باب تغير البدع،ما جاء فى اتباع الآثار.

فائدہ: اس روایت میں پہلے تو اہلِ کتاب کے ہلاک ہونے کی وجہ ان الفاظ میں مذکور ہے کہ:

" بِاتِّبَاعِهِمْ مِثْلَ هٰذَا، حَتّٰى أَحْدَثُوْهَا بِيَعًا"

پھر اس کے بعد ہلاکت کی وجہ سے بچنے کا اس سے پہلی روایت کے مطابق یہ طریقہ مذکور ہے کہ:

"فَمَنْ عَرَضَتْ لَهٗ فِيْهِ صَلَاةٌ فَلْيُصَلِّ، وَمَنْ لَّمْ تَعْرِض، الخ "

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھنے والی جگہ کی اتباع اور پیچھا کرتے ہوئے دیکھا، اس طرزِ عمل کو پہلے لوگوں کی ہلاکت کا سبب بتلایا کہ انہوں نے انبیاء کے آثار میں باقاعدہ مساجد قائم کرلی تھیں، پھر اس ہلاکت سے بچنے کا طریقہ بتلا دیا، جو اس سے پہلی روایت میں بھی گزرا۔ [1]

امام عبدالرزاق اپنی سند کے ساتھ معروف بن سوید سے روایت کرتے ہیں:

كُنْتُ مَعَ عُمَرَ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ، فَصَلّٰى بِنَا الْفَجْرَ، فَقَرَأَ: أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ، وَلِإِيْلَافِ قُرَيْشٍ، ثُمَّ رَاٰى أَقْوَامًا يَنْزِلُوْنَ فَيُصَلُّوْنَ فِيْ مَسْجِدٍ، فَسَأَلَ عَنْهُمْ فَقَالُوْا: مَسْجِدٌ صَلّٰى فِيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ اتَّخَذُوْا آثَارَ أَنْبِيَائِهِمْ بِيَعًا، مَنْ مَّرَّ بِشَيْءٍ مِّنَ الْمَسَاجِدِ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ وَإِلَّا فَلْيَمْضِ (مصنف عبد الرزاق) [2]

ترجمہ: میں مکہ اور مدینہ کے درمیان عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، انہوں نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی، جس میں انہوں نے ''الم تر کیف فعل ربک '' اور ''لا یلاف قریش '' پڑھی، پھر چند لوگوں کو دیکھا کہ وہ راستہ میں اتر کر ایک مسجد میں نماز پڑھ رہے ہیں، ان سے عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا، تو جواب میں انہوں نے

---

[1] (أحدث) الرجل وقع منه ما ينقض طهارته والشىء ابتدعه وأوجده وفى التنزيل العزيز (لعل الله يحدث بعد ذلك أمرا) والسيف ونحوه جلاه (المعجم الوسيط، ج ١ ص ١٥٩، باب الحاء)

[2] رقم الحديث ٢٧٣٤، كتاب الصلاة، باب ما يقرأ فى الصبح فى السفر.

کہا کہ یہ ایسی مسجد ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے، تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بس تم سے پہلے لوگ، اس لیے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کے آثار کو گرجا (وعبادت گاہ) بنالیا، جو شخص ان مساجد میں سے کسی مسجد کے پاس سے گزرے، پھر نماز حاضر ہوجائے، تو اسے چاہئے کہ نماز پڑھ لے، ورنہ گزر جائے (عبدالرزاق)

فائدہ: اس روایت میں پہلے تو اہلِ کتاب کے ہلاک ہونے کی وجہ ان الفاظ میں مذکور ہے کہ:

”إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمُ اتَّخَذُوا آثَارَ أَنْبِيَائِهِمْ بِيَعًا“

جس کا مطلب پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

پھر اس کے بعد ہلاکت کی وجہ سے بچنے کا یہ طریقہ مذکور ہے کہ:

”مَنْ مَرَّ بِشَيْءٍ مِّنَ الْمَسَاجِدِ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ وِإِلَّا فَلْيَمْضِ“

جس کا مطلب واضح ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے آثار والی مساجد سے گزرتے ہوئے اگر نماز کا وقت داخل ہوجائے، تو نماز پڑھ لے، ورنہ نماز پڑھے بغیر گزر جائے، اور اس میں تکلف واہتمام سے کام نہ لے۔ [1]

امام طحاوی رحمہ اللہ، معرور بن سوید اسدی کی سند سے روایت کرتے ہیں:

وَافَيْتُ الْمَوْسِمَ مَعَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَلَمَّا انْصَرَفَ إِلَى الْمَدِينَةِ، وَانْصَرَفْتُ مَعَهُ، فَصَلّٰى لَنَا صَلَاةَ الْغَدَاةِ، فَقَرَأَ فِيهَا: (أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ) وَ (لِإِيلَافِ

---

[1] (ح ض ر) : حضرت مجلس القاضى حضورا من باب قعد شهدته وحضر الغائب حضورا قدم من غيبته وحضرت الصلاة فهى حاضرة والأصل حضر وقت الصلاة(المصباح المنير فى غريب الشرح الكبير للحموى، ج ١ ص ١٤٠، كتاب الحاء، باب الحاء مع الضاد، مادة ”ح ض ر“)

قوله فإذا حضرت الصلاة أى دخل وقتها(فتح البارى لابنِ حجر، ج١٣ ص٢٣٧، كتاب التمنى،قوله باب ما جاء فى إجازة خبر الواحد)

(وإذا حضرت الصلاة) أى :وقتها (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح،ج٢،ص٥٧٥، كتاب الصلاة،باب تأخير الأذان)

قُرَيْشٍ)ثُمَّ رَاٰى أُنَاسًا يَذْهَبُوْنَ مَذْهَبًا، فَقَالَ: أَيْنَ يَذْهَبُونَ هٰؤُلَاءِ؟ قَالُوْا: يَأْتُوْنَ مَسْجِدًا هَا هُنَا صَلّٰى فِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّمَا أُهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِأَشْبَاهِ هٰذِهٖ يَتَّبِعُوْنَ آثَارَ أَنْبِيَائِهِمْ، فَاتَّخَذُوْهَا كَنَائِسَ وَبِيَعًا، وَمَنْ أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فِيْ شَيْءٍ مِّنْ هٰذِهِ الْمَسَاجِدِ الَّتِيْ صَلّٰى فِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ، فَلْيُصَلِّ فِيْهَا، وَلَا يَتَعَمَّدَنَّهَا (شرح مشکل الآثار للطحاوی) [1]

ترجمہ: میرا امیرالمومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کے سفر میں ساتھ ہوا، جب عمر رضی اللہ عنہ مدینہ کی طرف لوٹے، اور میں بھی ان کے ساتھ لوٹا، تو انہوں نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی، جس میں ''**ألم تر كيف فعل ربك بأصحاب الفيل**'' اور'' **لإيلاف قريش** '' کی قرائت کی، پھر انہوں نے لوگوں کو ایک جگہ جاتے ہوئے دیکھا، تو عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ یہ لوگ کہاں جارہے ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہاں ایک مسجد میں جارہے ہیں، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی، عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ بس تم سے پہلے لوگ اسی طرح کی چیزوں کی وجہ سے ہلاک ہوگئے تھے، انہوں نے اپنے نبیوں کے آثار کا پیچھا کیا تھا، پھر انہوں نے ان کو کنیسہ اور گرجا بنالیا تھا، اور جس کو ان مساجد میں سے کسی مسجد میں نماز پالے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی، تو اسے چاہیے کہ وہ اس میں نماز پڑھ لے، اور اس کا تعمد (اور قصد وارادہ) نہ کرے (شرح مشکل الآثار)

فائدہ: اس روایت میں پہلے تو اہلِ کتاب کے ہلاک ہونے کی وجہ ان الفاظ میں مذکور ہے کہ:

---

[1] تحت رقم الحديث ۵۰۱۴، باب بيان مشكل ما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى إمامته فى الليلة التى أسرى به فيها إلى بيت المقدس، هل كانت لكل الأنبياء صلوات الله عليهم، أو لبعضهم دون بعض؟

”یَتَّبِعُوْنَ آثَارَ أَنْبِیَائِهِمْ، فَاتَّخَذُوْهَا کَنَائِسَ وَبِیَعًا“

جس کا مطلب پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

پھر اس کے بعد ہلاکت کی وجہ سے بچنے کا یہ طریقہ مذکور ہے کہ:

”وَمَنْ أَدْرَکَتْهُ الصَّلَاةُ فِیْ شَیْءٍ مِّنْ هٰذِهِ الْمَسَاجِدِ الَّتِیْ صَلّٰی فِیْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ، فَلْیُصَلِّ فِیْهَا، وَلَا یَتَعَمَّدَنَّهَا“

نماز کے پالینے کا مطلب یہ ہے کہ وہاں نماز کا وقت ہو جائے۔ [1]

اور عمد نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بالقصد وہاں نماز کا اہتمام نہ کرے۔ [2]

محمد بن وضاح قرطبی (المتوفی 286ہجری) اپنی ایک اور سند کے ساتھ حضرت مروان بن سوید اسدی سے روایت کرتے ہیں:

خَرَجْتُ مَعَ أَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ مِنْ مَکَّةَ إِلَی الْمَدِیْنَةِ، فَلَمَّا أَصْبَحْنَا صَلّٰی بِنَا الْغَدَاةَ، ثُمَّ رَأَی النَّاسَ یَذْهَبُوْنَ مَذْهَبًا فَقَالَ: أَیْنَ یَذْهَبُ هٰؤُلَاءِ؟ قِیْلَ: یَا أَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ مَسْجِدٌ صَلّٰی فِیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هُمْ یَأْتُوْنَ یُصَلُّوْنَ فِیْهِ، فَقَالَ: إِنَّمَا هَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِمِثْلِ هٰذَا، یَتَّبِعُوْنَ آثَارَ أَنْبِیَائِهِمْ فَیَتَّخِذُوْنَهَا کَنَائِسَ وَبِیَعًا، مَنْ أَدْرَکَتْهُ الصَّلَاةُ فِیْ هٰذِهِ الْمَسَاجِدِ فَلْیُصَلِّ، وَمَنْ لَّا فَلْیَمْضِ، وَلَا یَعْتَمِدْهَا (البدع والنهی عنها) [3]

ترجمہ: میں امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ سے

---

[1] کان یحب الصلاة حیث أدرکته أی حیث دخل وقتها سواء کان فی مرابض الغنم أو غیرها(فتح الباری لابن حجر، ج ۱ ص ۵۲۶، ،باب الصلاة فی مرابض الغنم)

[2] (العمد) یقال فعله عمدا وعن عمد ویقال فعله عمدا علی عین وعمد عین بجد ویقین والقتل العمد (فی الشرع) أن یتعمد القاتل القتل بسلاح وما یجری مجراه والقتل شبه العمد أن یتعمد قتله بآلة لا تقتل غالبا(المعجم الوسیط، ج۲،ص ۶۲۶ ،باب العین)

[3] رقم الحدیث ۱۰۰ ، باب تغیر البدع،ما جاء فی اتباع الآثار.

مدینہ کی طرف نکلا، پھر جب صبح ہوئی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی، پھر چند لوگوں کو دیکھا کہ وہ ایک راستہ کی طرف جارہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یہ لوگ کہاں جارہے ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین یہ مسجد ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے، اس لیے لوگ اس کی طرف جارہے ہیں، اور اس میں نماز پڑھ رہے ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بس تم سے پہلے لوگ، اس لیے ہلاک ہوگئے تھے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کے آثار کو کنیسہ اور عبادت گاہ بنالیا تھا، جو شخص مساجد میں سے کسی مسجد کے پاس سے گزرے، پھر نماز کا وقت ہوجائے، تو اسے چاہئے کہ وہ نماز پڑھ لے، اور اس کے لیے عمد وقصد (اور اہتمام) نہ کرے (البدع)

فائدہ: اس روایت میں پہلے تو اہلِ کتاب کے ہلاک ہونے کی وجہ ان الفاظ میں مذکور ہے کہ:

"یَتَّبِعُوْنَ آثَارَ أَنْبِیَائِهِمْ فَیَتَّخِذُوْنَهَا کَنَائِسَ وَبِیَعًا"

جس کا مطلب پہلے ذکر کیا جاچکا ہے۔

پھر اس کے بعد ہلاکت کی وجہ سے بچنے کا یہ طریقہ مذکور ہے کہ:

"مَنْ أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فِيْ هٰذِهِ الْمَسَاجِدِ فَلْیُصَلِّ، وَمَنْ لَّا فَلْیَمْضِ، وَلَا یَعْتَمِدُهَا"

اس روایت کے آخر میں "یعتمدها" کے الفاظ ہیں، جو "اعتماد" سے ماخوذ ہے، اور اس کے لغت میں معنیٰ "توکل اور بھروسہ کرنے" کے آتے ہیں۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ شریعت کے ضروری احکام کو نظر انداز کر کے اس قسم کے امور پر بھروسہ کر کے بیٹھ جانا درست نہیں۔ [1]

---

[1] اعتمدَ/ اعتمدَ على يعتمد، اعتمادًا، فهو مُعتمِد، والمفعول مُعتمَد.

اعتمد القرارَ: أمضاه، وافق عليه وأمر بتنفيذه "اعتمد الرَّئيسُ القانونَ– اعتمد الميزانيّةَ."

اعتمد على نفسه: اتّكل عليها "إذا أردت النّجاحَ فاعتمد على نفسک ولا تعتمد على أحد "

شَخصٌ يُعتمد عليه: موثوق به. اعتمد على الكتاب والسُّنَّة: ركن إليهما وتمسَّک بهما(معجم اللغة العربية المعاصرة، ج۲ص ۱۵۴۹، مادة "ع م د"، رقم المادة ۳۴۵۲)

اکثر روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ کو نقل کرنے والے راوی کا نام ''معرور بن سوید'' مذکور ہے، البتہ ایک روایت میں ''مروان بن سوید'' مذکور ہے، صحیح نام بظاہر پہلا ہی معلوم ہوتا ہے۔

''معرور بن سوید'' کو محدثین نے ثقہ تابعین میں شمار کیا ہے، یہ کوفہ کے جلیل القدر تابعین میں سے ہیں، جنہوں نے حضرت عمر اور حضرت ابنِ مسعود اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم سے احادیث کی سماعت کی ہے، حضرت اعمش جو اِن سے روایت کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ میں نے ''معرور بن سوید'' کو ایک سو بیس سال کی عمر میں دیکھا، اس وقت بھی ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال سیاہ تھے۔ [1]

مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار میں نماز پڑھنے کا اہتمام کرنے سے منع فرماتے تھے، اور اس کی وجہ یہ بیان کیا کرتے تھے کہ تم سے پہلے اہلِ کتاب ان ہی جیسی حرکات کی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کے آثار کو عبادت گاہ اور مساجد بنالیا تھا۔

ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں سے ہیں، اور انہوں نے مزاجِ نبوت وشریعت کو زیادہ بہتر طریقہ پر سمجھا ہے، اسی لیے آپ کو خلفائے راشدین کی فہرست میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا، انہوں نے آثارِ انبیاء کے تتبع واہتمام سے منع فرمانے

---

[1] معرور بن سويد كوفي سمع عمر وأبا ذر روى عنه واصل بن حيان والاعمش واسمعيل بن رجاء والمغيرة بن عبد الله اليشكرى قال زكريا بن عدى عن يحيى بن عيسى عن الأعمش قال رأيت المعرور بن سويد ابن عشرين ومائة سنة أسود الرأس واللحية(التاريخ الكبير للبخارى، ج٨،ص ٣٩،باب معرور، رقم الترجمة ٢٠٧٣)

معرور بن سويد الاسدى كوفى روى عن عمرو ابى ذر وابن مسعود روى عنه الاعمش وواصل بن حيان واسماعيل بن رجاء ومغيرة بن عبد الرحمن اليشكرى.

قال الاعمش :رأيته وهو ابن عشرين ومائة سنة اسود الرأس واللحية سمعت أبى يقول ذلك.

نا عبد الرحمن قال ذكره أبى عن إسحاق بن منصور عن يحيى بن معين انه قال :المعرور ابن سويد ثقة.سئل أبى عنه فقال :ثقة(الجرح والتعديل،لابن أبى حاتم،ج٨،ص ٤١٦،باب تسمية من روى عنه العلم ممن يسمى معرور، رقم الترجمة ١٨٩٥)

کی اہم علت اور وجہ بھی بیان فرمادی۔

علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی متعدد روایات میں لوگوں کے اس جگہ نماز پڑھنے کا ذکر فجر کی نماز کے بعد آیا ہے، اگر یہ وقت سورج طلوع ہونے سے پہلے کا ہو، تو اس وقت میں عام نوافل کا پڑھنا مکروہ ہے، اور ظاہر ہے کہ مذکورہ نماز عام نوافل ہی تھیں، اور اس مکروہ وقت کو نظر انداز کر کے اس وقت میں نوافل کا پڑھنا بھی انبیاء کے آثار میں ''غلوٗ'' کرنے میں داخل ہے، لہٰذا یہ وجہ بھی ''غلوٗ'' کے مفہوم میں داخل ہوسکتی ہے۔ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر اہلِ کتاب کے غلو وتشدد کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اور اہلِ کتاب کے دین میں غلو اور تشدد اختیار کرنے کی مذمت اور اس کے مقابلہ میں اعتدال اور یُسر اختیار کرنے کا ذکر قرآن وسنت میں کئی مقامات پر آیا ہے۔

اور اسی کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو اختیار کرنے اور بدعات سے اجتناب کی بھی تاکید آئی ہے۔

سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ (سورة النساء، رقم الآية ١٧١)

ترجمہ: اے اہلِ کتاب! تم غلو نہ کرو اپنے دین میں (سورہ نساء)

---

[1] اتفق الفقهاء على كراهة التنفل المطلق (وهو ما لا سبب له) بعد صلاة الصبح، لما رواه الشيخان أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: لا صلاة بعد صلاة العصر حتى تغرب الشمس، ولا صلاة بعد صلاة الصبح حتى تطلع الشمس.

وذهب الشافعية إلى جواز أداء كل صلاة لها سبب، كالكسوف والاستسقاء والطواف، وسواء أكانت فائتة فرضا أم نفلا، لأنه صلى الله عليه وسلم صلى بعد العصر ركعتين وقال: هما اللتان بعد الظهر .

وذهب الحنابلة إلى جواز الإتيان بسنة الفجر بعد صلاة الصبح، إذا نسيها ولم يتذكرها إلا بعد صلاة الصبح؛ لما روى عن قيس بن فهد قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فأقيمت الصلاة، فصليت معه الصبح، فوجدنى أصلى، فقال: مهلا يا قيس أصلاتان معا؟ قلت: يا رسول الله إنى لم أكن ركعت ركعتى الفجر .قال: فلا إذن ظن النبى صلى الله عليه وسلم أن الرجل يصلى الصبح بعد أن صلاه معه، فأنكر عليه، فلما علم أنه يصلى سنة الفجر لم ينكر عليه .ولأنه صلى الله عليه وسلم قضى سنة الظهر بعد العصر، وسنة الفجر فى معناها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٧ص ١٨٣، مادة " اوقات الصلاة)

اور سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ (سورة المائدة، رقم الآية ۱۲۱)

ترجمہ: آپ یہ فرما دیجئے کہ اے اہلِ کتاب! تم غلو نہ کرو اپنے دین میں ناحق (سورہ مائدہ)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَإِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّيْنِ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالْغُلُوِّ فِي الدِّيْنِ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۸۵۱) [1]

ترجمہ: اور (اے مومنو!) تم دین میں غلو پیدا کرنے سے بچو، پس تم سے پہلے لوگ دین میں غلو کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے تھے (مسند احمد)

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تُشَدِّدُوْا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ قَبْلَكُمْ بِتَشْدِيْدِهِمْ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ، وَسَتَجِدُوْنَ بَقَايَاهُمْ فِي الصَّوَامِعِ وَالدِّيَارَاتِ (التاريخ الكبير للبخاری) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے اوپر تشدُّد اور سختی نہ کرو، بس تم سے پہلے لوگ اپنے آپ پر تشدُّد اور سختی کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو چکے ہیں، اور تم اُن کے باقیات (تارک الدنیا درویش، راہب حضرات) کو اُن کی خانقاہوں اور

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

[2] ج۴ص۹۷ باب سهل، رقم الترجمة ۲۰۹۰، المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۵۵۵۱؛ المعجم الاوسط، رقم الحديث ۳۰۷۸؛ شعب الايمان للبيهقی، رقم الحديث ۳۶۰۱.

قال الالبانی: أخرجه البخاری فی "التاريخ: وقال لنا عبد الله بن صالح: حدثنی أبو شُريح: سمع سهل بن أبی أمامة بن سهل بن حُنَيفٍ عن أبيه عن جده عن النبی -صلى الله عليه وسلم- قال ... فذكره ومن هذا الوجه: أخرجه ابن قانع فی ترجمة سهل من "المعجم"، والطبرانی فی "المعجم الكبير "و"الأوسط، والبيهقی فی "شعب الإيمان. قلت: وهذا إسناد جيد بما بعده، رجاله ثقات رجال مسلم؛ غير عبد الله بن صالح، فهو من شيوخ البخاری كما ترى (سلسلة الأحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۳۱۲۴)

کنیساؤں میں دیکھتے ہو (التاریخ الکبیر للبخاری؛ طبرانی؛ بیہقی)

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : عَلَيْكُمْ هَدْيًا قَاصِدًا، فَإِنَّهٗ مَنْ يُشَادَّ هٰذَا الدِّيْنَ يَغْلِبْهُ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ٢٣٠٥٣) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے اوپر سیدھے (اور غیر مشقت والے) راستے اور میانہ روی (واعتدال) کو اختیار کرو، کیونکہ جو شخص دین کے معاملے میں سختی (وغلو) کرتا ہے، اس پر دین غلبہ حاصل کر لیتا ہے (اور وہ خود دین سے مغلوب ہو جاتا ہے) (مسند احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : إِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ، وَلَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهٗ، فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا، وَأَبْشِرُوْا، وَاسْتَعِيْنُوْا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِّنَ الدُّلْجَةِ (صحيح البخاری) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین یُسر (والا اور سہل وآسان) ہے، اور جو شخص بھی دین میں سختی کرتا ہے، تو دین اس پر غالب آ جاتا ہے، لہٰذا تم میانہ روی (یعنی اعتدال کو) اختیار کرو اور قریب رہو اور (اپنے آپ اور دوسروں کو) خوشخبری سناؤ، اور صبح اور دوپہر کے بعد اور کچھ رات میں عبادت کرنے سے مدد حاصل کرو (بخاری)

ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَمَنِ اقْتَدٰى بِيْ فَهُوَ مِنِّيْ، وَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ، إِنَّ لِكُلِّ عَمَلٍ شِرَّةً ثُمَّ فَتْرَةً، فَمَنْ كَانَتْ فَتْرَتُهٗ إِلٰى بِدْعَةٍ فَقَدْ ضَلَّ، وَمَنْ

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

[2] رقم الحديث ٣٩، كتاب الايمان، باب: الدين يسر.

كَانَتْ فَتْرَتُهُ إِلٰى سُنَّةٍ فَقَدِ اهْتَدٰى (مسند احمد، رقم الحديث ۲۳۴۷۴) [1]

ترجمہ: پس جو شخص میری اقتداء و پیروی کرے، تو وہ مجھ سے ہے، اور جو میری سنت سے اعراض کرے، تو وہ مجھ سے نہیں ہے، بے شک ہر عمل کے اندر (شروع میں) رغبت (یعنی جوش وخروش اور تیزی) ہوتی ہے، پھر (بالآخر) سکون ہوتا ہے، پس جس کا سکون بدعت کی طرف ہوا، تو وہ گمراہ ہوگیا، اور جس کا سکون میری سنت کی طرف ہوا، تو وہ کامیاب ہوگیا (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِكُلِّ عَمَلٍ شِرَّةٌ، وَلِكُلِّ شِرَّةٍ فَتْرَةٌ، فَمَنْ كَانَتْ فَتْرَتُهُ إِلٰى سُنَّتِيْ، فَقَدْ أَفْلَحَ، وَمَنْ كَانَتْ إِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ فَقَدْ هَلَكَ (مسند احمد، رقم الحديث ۶۹۵۸) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر عمل کے اندر (شروع میں) رغبت (یعنی حرص وتازگی) ہوتی ہے، اور ہر رغبت میں (بالآخر) سکون ہوتا ہے، پس جس کا سکون میری سنت کی طرف ہوا، تو وہ کامیاب ہوگیا، اور جس کا سکون میری سنت کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف ہوا، تو وہ ہلاک ہوگیا (مسند احمد)

مذکورہ احادیث سے دین میں غلو کی برائی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کی فضیلت اور سنت کے خلاف کا نقصان معلوم ہوا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْمُ، فَيَخْطُبُ، فَيَحْمَدُ اللّٰهَ، وَيُثْنِيْ عَلَيْهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، وَيَقُوْلُ: مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، إِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

هَدْيُ مُحَمَّدٍ، وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ (مسند احمد، رقم الحديث ١٤٩٨٤، مسلم، رقم الحديث ٨٦٧ "٤٣") [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے، پھر اللہ کی شایانِ شان حمد وثناء بیان کیا کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ جس کو اللہ ہدایت دے، اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، اور جس کو اللہ گمراہ کرے، اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں، بلاشبہ سب سے اچھا کلام کتاب اللہ (یعنی قرآن مجید) ہے، اور سب سے بہترین طریقہ (وسیرت) محمد کا طریقہ (وسیرت) ہے، اور تمام کاموں میں شریر ترین کام نوایجاد کام ہیں، اور ہر نوایجاد کام بدعت ہے (مسند احمد، مسلم)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفَجْرَ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا، فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً، ذَرَفَتْ لَهَا الْأَعْيُنُ، وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ، قُلْنَا أَوْ قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، كَأَنَّ هٰذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ، فَأَوْصِنَا. قَالَ أُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا، فَإِنَّهُ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ يَرٰى بَعْدِيْ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (مسند احمد) [2]

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر انتہائی مؤثر وعظ فرمایا، جس سے آنکھیں نمدار ہو گئیں، اور دل ڈر گئے،

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

[2] رقم الحديث ١٧١٤٤، مؤسسة الرسالة، بيروت.
قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية مسند احمد)

ہم نے یا صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! گویا کہ یہ تو رخصت ہونے والے کا وعظ ہے، لہٰذا آپ ہمیں وصیت فرمائیے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور (امیر کی بات) سننے اور فرمانبرداری کرنے کی نصیحت کرتا ہوں، اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، پس بلاشبہ جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا تو وہ بہت اختلافات دیکھے گا، پس تم پر (ایسے وقت) میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے، جو ہدایت یافتہ ہیں، اس سنت کو تم مضبوطی سے پکڑے رکھنا اور اس کو اپنی ڈاڑھوں کے نیچے خوب دبا لینا، اور تم (دین میں) نئی نئی باتوں کے (پیدا کرنے) سے بچنا کیونکہ (دین میں) جو بھی نئی چیز نکالی جائے، وہ بدعت ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے (مسند احمد)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ دین میں احداث اور نئی بات پیدا کرنے سے بچنا چاہئے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام، بالخصوص خلفائے راشدین کے طریقہ کو اپنانا چاہئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلْمَدِیْنَۃُ حَرَمٌ مَا بَیْنَ عَیْرٍ إِلٰی ثَوْرٍ، فَمَنْ أَحْدَثَ فِیْھَا حَدَثًا، أَوْ آوَی مُحْدِثًا، فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلَائِکَۃِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِیْنَ، لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ مِنْہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ صَرْفًا، وَلَا عَدْلًا (صحیح مسلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ منورہ قابلِ احترام ہے، جبلِ عیر سے جبلِ ثور تک (ذوالحلیفہ کے پاس جبلِ عیر اور جبلِ اُحد کے پیچھے جبلِ ثور واقع ہے) پس جس شخص نے اس حصہ میں بدعت پیدا کی، یا کسی بدعتی کو پناہ دی، تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو، قیامت کے دن اس کی

---

[1] رقم الحدیث ١٣٧٠ "٤٦٧"، باب فضل المدینۃ، ودعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیھا بالبرکۃ، وبیان تحریمھا، وتحریم صیدھا وشجرھا، وبیان حدود حرمھا.

طرف سے نہ کوئی فرض عبادت قبول ہوگی، اور نہ ہی کوئی نفل عبادت قبول ہوگی (مسلم)

اس حدیث سے حرمین شریفین میں متبرک مقامات وآثار کے ساتھ بدعت وغلو کا ارتکاب کرنے کی بھی برائی معلوم ہوئی۔

خلاصہ یہ کہ قرآن وسنت میں سنت کی اہمیت اور غلو وبدعت کی مذمت کا کثرت واہمیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، پس سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے اور بدعات سے بچنے کا اہتمام متبرک مقامات وآثار سے تبرک حاصل کرنے سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

اس لیے متبرک مقامات وآثار میں غلو یا شرعی حدود سے تجاوز کرنا جائز نہیں، اعتدال پر رہنا ضروری ہے۔

محدثین وفقہائے کرام نے قرآن وسنت کی مندرجہ بالا تعلیمات اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ واقعات وروایات کی توضیح وتشریح کی ہے، اور ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کا تتبع اور اس میں غلو کرنے پر کلام کیا ہے۔

آگے مختلف اہلِ علم حضرات کی عبارات کی روشنی میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

امام طحاوی کا حوالہ

امام طحاوی (المتوفیٰ 321 ہجری) اپنی کتاب ''شرح مشکل الآثار'' میں فرماتے ہیں:

ففی هذه الآثار :أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأتی مسجد قباء ، وفيها ما قد دل على أن ذلک كان منه عادة من عاداته؛ لأن فی هذه الآثار :أنه كان يأتيه، وليس فيها أنه أتاه، فيكون ذلک على الإتيان مرة واحدة .فقال قائل :فقد رويتم عن المعرور بن سويد ما قد تقدمت روايتكم إياه فی هذا الكتاب أنهم كانوا مع عمر بطريق مكة، فرأى أناسا يذهبون مذهبا، فقال :أين يذهب هؤلاء ؟ قالوا :يأتون مسجدا صلى فيه النبی صلى الله عليه

وسلم، وأنه قال :إنما هلك من كان قبلكم بأشباه ذلك , يتبعون آثار أنبيائهم، فاتخذوها كنائس وبيعا، من أدركته الصلاة في شيء من هذه المساجد التي صلى فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم، فليصل فيها، وإلا فلا يتعمد لها (شرح مشكل الآثار، ج ۱۴، ص ۲۹۶، باب بيان مشكل ما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في إتيانه مسجد قباء وفي صلاته فيه)

ترجمہ: پس ان آ ثار میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ قباء میں تشریف لایا کرتے تھے، اوران آ ثار میں اس بات پر بھی دلالت پائی جاتی ہے کہ مسجدِ قباء میں آنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات میں سے ایک عادت تھی، کیونکہ ان آ ثار میں یہ ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ قباء میں آیا کرتے تھے''، اوران آ ثار میں یہ بات نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ قباء میں تشریف لائے، جس کا مطلب یہ ہوتا کہ ایک مرتبہ آئے۔

پس اگرکوئی کہنے والا یہ کہے کہ تم پہلے معرور بن سوید سے اسی کتاب میں یہ روایت بیان کر چکے ہو کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ کے راستے میں تھے، تو انہوں نے کچھ لوگوں کو ایک جگہ جاتے ہوئے دیکھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ لوگوں نے جواب میں کہا کہ اس مسجد میں جا رہے ہیں، جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بس تم سے پہلے لوگ اس طرح کی حرکات کی وجہ سے ہلاک ہو گئے تھے، وہ اپنے نبیوں کے آ ثار کا اتباع (اور پیچھا) کیا کرتے تھے، پھر ان کو کنیسہ اور گرجا (یعنی مساجد وعبادت گاہ) بنالیا کرتے تھے، پس جو کوئی ان مساجد میں سے کسی مسجد میں نماز پالے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی، تو اسے چاہیئے کہ وہ وہاں نماز پڑھ لے، ورنہ اس کے لیے عمد وقصد (اور

اہتمام) نہ کرے (شرح مشکل الآثار)

پھر آگے چل کر امام طحاوی رحمہ اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تنبیہ فرمانے کی وجہ کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حديث المعرور، عن عمر إنما هو لقصدهم كان إلى مواضع لم يصل رسول الله صلى الله عليه وسلم فيها لفضل فيها على ما سواها، وإنما أدركته الصلاة فصلى فى الموضع الذى صلى فيه منها ,لا لفضل فى ذلك الموضع على غيره، فكره عمر أن يجعلوا له فضلا على غيره، فيرجعون بذلك إلى مثل ما كان عليه من قبلهم من اتباع آثار أنبيائهم حتى اتخذوها كنائس وبيعا، وكان مسجد قباء له فضيلة تؤتى من أجلها (شرح مشكل الآثار، ج١٤، ص٤٠٠، باب بيان مشكل ما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى إتيانه مسجد قباء وفى صلاته فيه)

ترجمہ: معرور کی حدیث، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ ان مواضع کا قصد کرنے کے متعلق ہے، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری جگہوں کے مقابلہ میں فضیلت ہونے کی وجہ سے نماز نہیں پڑھی، بلکہ ان مواضع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز نے پالیا (یعنی نماز کا وقت آ گیا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ میں نماز پڑھ لی، اس جگہ کے دوسری جگہ پر فضیلت کی وجہ سے وہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز نہیں پڑھی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کو مکروہ سمجھا کہ لوگ اس کو دوسری جگہ پر فضیلت دیں (اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح ان مقامات پر نماز نے پالیا تھا، اسی طرح دوسرے لوگوں کو نماز کے پالینے کی صورت میں نماز پر اکتفاء نہ کرنے اور اس کا اہتمام کرنے کی وجہ

سے) پھر وہ اس جیسی حرکات میں مبتلا نہ ہو جائیں، جو ان سے پہلے نبیوں کے آثار کی اتباع میں کی گئی تھیں کہ لوگوں نے ان جگہوں کو کنیسہ اور گرجا (یعنی مساجد اور باقاعدہ عبادت گاہ) بنالیا تھا، اور مسجدِ قباء کی تو مستقل فضیلت ہے، جس کی وجہ سے وہاں جایا جائے گا (شرح مشکل الآثار)

معلوم ہوا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ اس جگہ میں نماز کے عمد وقصد کو باعثِ فضیلت نہیں سمجھتے، جس جگہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا قصد وعمد نہ کیا ہو، بلکہ اتفاقاً نماز پڑھی ہو۔

جمال الدین یوسف بن موسیٰ حنفی (المتوفیٰ 803 ہجری) نے مشکل الآثار کی مختصر میں، امام طحاوی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت کا یہی خلاصہ بیان کیا ہے۔ [1]

امام طحاوی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی جو تشریح اور مطلب بیان فرمایا ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے اس حیثیت سے عین مطابق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مقامات پر جا کر نماز پڑھنے کا قصد واہتمام نہیں فرمایا، بلکہ سفر وغیرہ میں ہونے کی وجہ سے نماز کا وقت اتفاق سے وہاں داخل ہو گیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نماز پڑھ لی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں کو یہی بات فرمائی کہ یہاں سے گزرتے ہوئے اگر کسی دوسرے کو بھی اتفاق سے نماز کا وقت پالے، تو نماز پڑھ لے، ورنہ گزر جائے، جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر وہاں نماز کا وقت نہ پاتے، تو آپ بھی گزر جاتے۔

اسی طرح وہاں نماز پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں داخل ہوگا، اور اس

---

[1] وفيـه مـا يخالف رواية المعرور بن سويد أنه كان مع عمر رضى الله عنه بطريق مكة فرأى ناسا يـذهبـون مـذهبا فسأل عنهم قالوا يأتون مسجدا صلى فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال إنما هـلـک مـن كـان قبـلكم بأشباه هذا يتبعون آثار نبيهم فاتخذوها كنائس وبيعا من أدركته الصلاة فى شىء من المساجد التى صلى فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم فليصل فيها وإلا فلا يتعمدها. إلا أن يـقال محمل كلام عمر على موضع صلى فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم لأن الصلاة أدركته فيه لا لفضيلة فيه والناس قصدوه لتعظيمه وتفضيله على غيره من المواضع فيؤول إلى اتباع من كان قبـلهـم من الأمم فيما فعلوه فلذلک نهاهم بخلاف مسجد قباء فإن له فضيلة كما سيجىء (المعتصر من المختصر من مشكل الآثار، ج ١، ص ٢٦، كتاب الصلاة، باب فى مسجد قباء)

کے بجائے تکلف کرنا اہلِ کتاب کے ہلاکت والے طرزِ عمل کی طرف لے جانے کا سبب ہوگا۔

امام مالک رحمہ اللہ اور بعض دیگر حضرات نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق اتفاقی وغیر اتفاقی آثار میں فرق کیا ہے، اور اتفاقی آثار میں نماز پڑھنے کے قصد وعمد کو مکروہ قرار دیا ہے، البتہ بعض حضرات نے قصد وعمد کی حد تک گنجائش دی، لیکن زیادہ اہتمام وغلو سے انہوں نے منع فرمایا، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

امام نووی کا حوالہ

امام نووی صحیح ''مسلم'' کی شرح میں حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(فخط لی مسجدا) أی أعلم لی علی موضع لأتخذه مسجدا أی موضعا أجعل صلاتی فیه متبركا بآثارک والله أعلم .

وفی هذا الحدیث أنواع من العلم تقدم كثیر منها ففیه التبرک بآثار الصالحین وفیه زیارة العلماء والفضلاء والكبراء أتباعهم وتبریكهم إیاهم (شرح النووی علی مسلم) [1]

ترجمہ: (حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ پس آپ میرے لیے مسجد کا خط کھینچ دیجیے) یعنی میرے لیے ایک جگہ پر نشانی قائم کر دیجیے، جس کو میں مسجد بنالوں، یعنی اپنی نماز کی جگہ مقرر کرلوں، جس میں آپ کے آثار سے تبرک حاصل کروں، واللہ اعلم۔

اور اس حدیث میں چند علمی باتیں ہیں، جن میں سے بہت سی گزر چکی ہیں، اور اس حدیث میں صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کی دلیل بھی ہے، اور اس

[1] ج ۱، ص ۲۴۴، کتاب الایمان، باب الدلیل علی أن من مات علی التوحید دخل الجنة قطعا.

حدیث میں علماء اور فضلاء اور اکابر کی زیارت اور ان سے برکت حاصل کرنے کی دلیل بھی ہے (شرح النووی)

حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کا واقعہ اصل سند کے ساتھ پیچھے گزر چکا ہے، جس سے انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اور صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنے پر استدلال کیا گیا ہے، بشرطیکہ غلو ومبالغہ نہ کیا جائے۔

اور امام نووی رحمہ اللہ ''المجموع شرح المهذب'' میں فرماتے ہیں:

يستحب أن يزور المشاهد التي بالمدينة وهي نحو ثلاثين موضعا يعرفها أهل المدينة فيقصد ما قدر عليه منها وكذلك يأتي الآبار التي كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضأ منها أو يغتسل وهي سبع آبار فيتوضأ منها ويشرب (المجموع شرح المهذب، ج۸، ص ۲۷۶، كتاب الحج، باب صفة الحج)

ترجمہ: مدینہ کے مشاہد (یعنی متبرک مقامات) کی زیارت مستحب ہے، جو کہ تقریباً تیس مقامات ہیں، جن کو اہلِ مدینہ پہچانتے ہیں، پس ان میں سے جن پر قدرت ہو، ان کا قصد کیا جائے، اور اسی طریقہ سے ان چشموں (یا کنووں) پر بھی آئے، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو یا غسل فرمایا ہے، اور وہ سات ہیں، پس ان سے وضو کرے اور پانی پیئے (المجموع)

علامہ ابنِ بطال کا حوالہ

علامہ ابنِ بطال ''بخاری کی شرح'' میں حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے واقعہ والی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

قال المهلب: وفيه التبرك بمصلى الصالحين ومساجد الفاضلين. وفيه: أنه من دعي من الصالحين إلى شيء يتبرك به

منه، فله أن يجيب إذا أمن الفتنة من العجب (شرح صحيح البخارى لابن بطال، ج ۲، ص ۷۷، كتاب الصلاة، باب المساجد فى البيوت)

ترجمہ: مہلب نے فرمایا کہ (حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کے) اس واقعہ میں صالحین کی نماز گاہ اور فاضلین کی مساجد سے تبرک حاصل کرنے کی دلیل پائی جاتی ہے، اوراس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نیک لوگوں میں سے جس کو تبرک حاصل کرنے کے لیے بلایا جائے، تو اسے قبول کر کے ارادت مندوں کو تبرک دینے کی خاطر وعمل کر لینا جائز ہے (جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قبول کیا) جبکہ عُجب کے فتنہ سے حفاظت ہو (ابنِ بطال)

اورعلامہ ابنِ بطال ایک مقام پر فرماتے ہیں:

قال المؤلف :إنما كان يصلى ابن عمر فى المواضع التى صلى فيها النبى على وجه التبرك بتلك الأمكنة، والرغبة فى فضلها، ولم يزل الناس يتبركون بمواضع الصالحين وأهل الفضل؛ ألا ترى أن عتبان بن مالك سأل نبى الله أن يصلى فى بيته ليتخذ المكان مصلى، فصلى فيه النبى (صلى الله عليه وسلم) . وقد جاء عن عمر بن الخطاب خلاف فعل ابنه عبد الله، روى شعبة، عن سليمان التيمى، عن المعرور بن سويد، قال :(كان عمر بن الخطاب فى سفر فصلى الغداة، ثم أتى على مكان، فجعل الناس يأتونه، ويقولون :صلى فيه النبى، عليه السلام، فقال عمر :إنما هلك أهل الكتاب أنهم اتبعوا آثار أنبيائهم، فاتخذوها كنائس، وبيعا، فمن عرضت له الصلاة، فليصل وإلا فليمض)

إنما خشى عمر أن يلتزم الناس الصلاة فى تلك المواضع حتى يشكل ذلك على من يأتى بعدهم، ويرى ذلك واجبا، وكذلك

ینبغی للعالم إذا رأی الناس یلتزمون النوافل والرغائب التزاما شدیدا، أن یترخص فیها فی بعض المرات ویترکها لیعلم بفعله ذلک أنها غیر واجبة.

کمافعل ابن عباس وغیرہ فی ترک الأضحیة.

وقد روی أشهب عن مالک أنه سئل عن الصلاة فی المواضع التی صلی فیها الرسول (صلی الله علیه وسلم) ، فقال :ما یعجبنی ذلک إلا مسجد قباء .قال المؤلف :وإنما قال ذلک مالک؛ لأن النبی (صلی الله علیه وسلم) کان یأتی قباء راکبا وراجلا ولم یکن یفعل ذلک فی تلک الأمکنة، والله أعلم (شرح صحیح البخاری لابن بطال) [1]

ترجمہ: مولف (یعنی ابنِ بطال) کہتے ہیں کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ ان مقامات میں نماز پڑھا کرتے تھے، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے، حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ یہ عمل ان مقامات سے تبرک حاصل کرنے اوراس کی فضیلت میں رغبت کی وجہ سے کیا کرتے تھے، اور ہمیشہ لوگ، صالحین اوراہلِ فضل کے مقامات سے تبرک حاصل کرتے رہے ہیں، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ عتبان بن مالک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ وہ ان کے گھر میں نماز پڑھیں، تاکہ وہ اس جگہ کو مصلیٰ بنالیں، تو ان کے گھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، البتہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ کے فعل کے خلاف وارد ہے، چنانچہ شعبہ نے سلیمان تیمی سے اورانہوں نے معرور بن سوید سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی

---

[1] ج۲، ص۱۲۶ او ۱۲۷، کتاب الصلاة ،باب المساجد التی علی طرق المدینة والمواضع التی صلی فیها الرسول.

اللہ عنہ ایک سفر میں تھے، آپ نے فجر کی نماز پڑھی، پھر ایک مقام پر تشریف لائے، تو لوگ ایک جگہ جا رہے تھے، اور یہ کہہ رہے تھے کہ اس جگہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بس اہلِ کتاب اس لیے ہلاک ہوگئے تھے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کے آثار کا اتباع اور پیچھا کیا تھا، پھر انہوں نے ان آثار کو کنیسہ اور گرجا (یعنی مساجد وعبادت گاہ) بنالیا تھا، جس کو نماز کا وقت ہوجائے، تو اسے چاہئے کہ وہ نماز پڑھ لے، ورنہ (نماز پڑھے بغیر) گزر جائے۔

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خوف ہوا کہ لوگ ان مقامات میں نماز پڑھنے کا التزام نہ کرلیں، اور پھر ان کے بعد والوں کے لیے یہ مسئلہ سمجھنا مشکل ہوجائے، اور وہ اس کو واجب سمجھ لیں، اور اسی طریقہ سے عالم کے لیے یہ بات مناسب ہے کہ جب وہ لوگوں کو نفل اور مستحب اعمال کا شدید التزام کرتے ہوئے دیکھے، تو وہ بعض اوقات اس میں رخصت اختیار کرے، اور اس کو ترک کردے، تاکہ اس کے اس فعل سے یہ بات معلوم ہوجائے کہ وہ واجب عمل نہیں ہے۔

جیسا کہ حضرت ابنِ عباس وغیرہ نے قربانی ترک کرنے کے سلسلہ میں فعل اختیار کیا۔

اور اشہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ ان سے، ان مقامات میں نماز کے متعلق سوال کیا گیا، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے؟ تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے، سوائے مسجدِ قباء کے (اور مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ کی فضیلت تو قولی وفعلی احادیث سے مستقل ہی ثابت ہے، جس پر کلام نہیں)

مولف (یعنی ابنِ بطال) کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں کبھی سوار ہوکر، اور کبھی پیدل (دونوں طرح سے) تشریف لایا کرتے تھے، لیکن اُن دوسرے مقامات (یعنی مسجدِ نبوی ومسجدِ

قباء کے علاوہ مدینہ منورہ کی دوسری جگہوں) میں ایسا نہیں کرتے تھے، واللہ اعلم

(شرح صحیح بخاری)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ متعدد حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے آثار والے مقامات سے تبرک حاصل کرنے کے لیے وہاں نماز پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مفسدَہ سے بچانے کے لیے یعنی ’’سداً للباب‘‘ منع فرمایا۔

جبکہ امام مالک رحمہ اللہ، اشہب کی روایت کے مطابق اتفاقی آثار میں (جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص قصد وعمد یا آپ کے ارشاد سے خاص فضیلت ثابت نہ ہو) نماز پڑھنے کو پسند نہیں فرماتے، اور اس کی وجہ وہی ہے، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے پہلے گزری، اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی اس کی توضیح فرمائی۔

حالانکہ مقامِ ابراہیم کو مصلیٰ بنانے کی تجویز خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیش کی تھی، جس پر اللہ کی طرف سے حکم نازل ہوا تھا، جس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آثار النبی سے تبرک حاصل کرنے کے خلاف نہ تھے، البتہ اس میں غلو کے مخالف تھے، جس کے بارے میں تفصیل وتوجیہ پہلے گزر چکی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی کا حوالہ

علامہ عینی رحمہ اللہ بخاری کی شرح ’’عمدۃُ القاری‘‘ میں فرماتے ہیں:

الشرب من قدحه صلى الله عليه وسلم وآنيته من باب التبرك بآثاره...... كماكان ابن عمر رضى الله عنهما، يصلى فى المواضع التى كان صلى الله عليه وسلم يصلى فيها، ويدور ناقته حيث أدارها تبركا بالاقتداء به وحرصا على اقتفاء آثاره (عمدة القارى للعينى) [1]

[1] ج ٢١ ص ٢٠٥، ٢٠٦، كتاب الاطعمة ،باب الشرب من قدح النبى صلى الله عليه وسلم وآنيته.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالہ اور برتن سے پینا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کے باب سے تعلق رکھتا ہے...... جیسا کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ اُن مقامات میں نماز پڑھا کرتے تھے، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے، اور اپنی اونٹنی کو اس جگہ چلاتے تھے، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی چلائی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء سے برکت حاصل کرنے کے لیے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کی اتباع پر حریص ہونے کی وجہ سے (عمدۃ القاری)

علامہ عینی رحمہ اللہ بخاری کی شرح ''عمدۃ القاری'' میں حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے واقعہ والی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

وفيه التبرك بمصلى الصالحين ومساجد الفاضلين .وفيه أن من دعا من الصلحاء إلى شيء يتبرك به منه فله أن يجيب إليه إذا أمن العجب .وفيه الوفاء بالعهد .وفيه صلاة النافلة في جماعة بالنهار . وفيه إكرام العلماء إذا دعوا إلى شيء بالطعام وشبهه (عمدة القارى للعينى، ج۴ص ۱۷۰، كتاب الصلاة، باب المساجد فى البيوت)

ترجمہ: اور اس (حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے) واقعہ میں صالحین کی نماز گاہ اور فاضلین کی مساجد سے تبرک حاصل کرنے کی دلیل پائی جاتی ہے، اور اس واقعہ میں یہ بھی دلیل پائی جاتی ہے کہ نیک لوگوں میں سے جس کو کسی چیز سے تبرک حاصل کرنے کے لیے بلایا جائے، تو اسے قبول کر لینا جائز ہے، جبکہ عُجب سے امن ہو، اور اس واقعہ میں عہد کو پورا کرنے کی دلیل بھی پائی جاتی ہے، اور اس واقعہ میں دن کے وقت نوافل کی جماعت کی دلیل بھی پائی جاتی ہے، اور اس واقعہ میں علماء کو جب کسی چیز کی طرف بلایا جائے، تو ان کے کھانے وغیرہ سے اکرام کرنے کی دلیل بھی پائی جاتی ہے (عمدۃ القاری)

علامہ عینی، بخاری کی شرح ہی میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

فإن قلت :قد جاء عن عمر بن الخطاب خلاف فعل ابنه، روى المعرور بن سويد :كان عمر في سفر فصلى الغداة، ثم أتى على مكان فجعل الناس يأتونه، ويقولون :صلى فيه النبي، فقال عمر : إنما هلك أهل الكتاب أنهم اتبعوا آثار أنبيائهم واتخذوها كنائس وبيعا، فمن عرضت له الصلاة فليصل وإلا فليمض.

قلت :إن عمر إنما خشي أن يلتزم الناس الصلاة في تلك المواضع حتى يشكل على من يأتي بعدهم فيرى ذلك واجبا، وعبدالله بن عمر كان مأمونا من ذلك، وكان يتبرك بتلك الأماكن، وتشدده في الإتباع مشهور، وغيره ليس في هذا المقام(عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج۴،ص ۲۶۹، كتاب الصلاة،باب المساجد التى على طرق المدينة والمواضع التى صلى فيها النبى)

ترجمہ: اگر آپ کہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ان کے بیٹے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے فعل کے برخلاف روایت وارِد ہوئی ہے، چنانچہ معرور بن سوید سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سفر میں تھے، آپ نے فجر کی نماز پڑھی، پھر ایک جگہ تشریف لائے، جہاں لوگ آ رہے تھے، اور یہ کہہ رہے تھے کہ اس جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بس اہلِ کتاب اسی لیے ہلاک ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کے آثار کی اتباع کی، جن کو انہوں نے کنیسہ اور گرجا (یعنی باقاعدہ عبادت گاہ) بنادیا، پس جس کو ایسی جگہ نماز پیش آئے (یعنی نماز کا وقت ہوجائے) تو وہ پڑھ لے، ورنہ گزر جائے۔

میں اس کے متعلق کہتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بس یہ خوف ہوا کہ لوگ ان

مقامات میں نماز کا التزام نہ کرلیں، پھران کے بعد والوں کے لیے یہ مسئلہ سمجھنا مشکل ہوجائے، اور وہ اس کو واجب سمجھ لیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس (فتنہ) سے مامون تھے، اور وہ ان مقامات سے تبرک حاصل کیا کرتے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ان کا اہتمام مشہور ہے، اور ان کے علاوہ کوئی دوسرا اس مقام پر نہیں ہے (عمدۃ القاری)

علامہ عینی رحمہ اللہ بخاری کی شرح ''عمدۃ القاری'' میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

أما ما روى عن عمر، رضى الله تعالى عنه، أنه كره ذلك فلأنه خشى أن يلتزم الناس الصلاة فى تلك المواضع، فيشكل ذلك على من يأتى بعدهم، ويرى ذلك واجبا .وكذا ينبغى للعالم إذا رأى الناس يلتزمون النوافل التزاما شديدا أن يترخص فيها فى بعض المرات ويتركها ليعلم بفعله، ذلك أنها غير واجبة، كما فعل ابن عباس فى ترك الأضحية.

الوجه الثالث :فيما نقل عن الفقهاء فى ذلك، روى أشهب عن مالك أنه سئل عن الصلاة فى المواضع التى صلى فيها الشارع؟ فقال :ما يعجبنى ذلك إلا فى مسجد قبا لأنه، كان يأتيه راكبا وماشيا ولم يفعل ذلك فى تلك الأمكنة (عمدة القارى شرح صحيح البخارى) [1]

ترجمہ: جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس کو مکروہ سمجھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو یہ خوف ہوا کہ لوگ ان مواضع میں نماز کا التزام نہ کرلیں، پس ان کے بعد والے لوگ مشکل میں نہ پڑ جائیں، اور وہ اس کو واجب

---

[1] ج۴، ص ۲۷۵، کتاب الصلاۃ، باب المساجد التى على طرق المدينة والمواضع التى صلى فيها النبى.

عمل سمجھ لیں، اور عالم کے لیے یہی طریقہ مناسب ہے کہ جب وہ لوگوں کو نوافل کا شدید التزام کرتے ہوئے دیکھے، تو وہ ان میں بعض اوقات رخصت اختیار کرے، اور ان کو ترک کردے، تاکہ اس کے فعل سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ واجب نہیں ہیں، جیسا کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے قربانی ترک کرنے میں یہ عمل کیا۔

تیسری وجہ جو اس سلسلہ میں فقہاء سے منقول ہے، وہ یہ ہے کہ اشہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ ان سے، ان مقامات میں نماز پڑھنے کے متعلق سوال کیا گیا، جن میں شارع علیہ السلام نے نماز پڑھی ہے؟ تو امام مالک نے فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں، سوائے مسجدِ قباء کے، کیونکہ مسجدِ قباء میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو کر اور پیدل آیا کرتے تھے، لیکن یہ فعل دوسرے مقامات میں نہیں کیا (عمدۃ القاری)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ انبیاء وصلحاء کے آثار والے مقامات میں نماز پڑھنے کو متعدد حضرات نے جائز قرار دیا ہے، اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کو بھی مستدل بنایا ہے، لیکن ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے اس میں غلو ومبالغہ کرنے اور اس پر لوگوں کے التزام کر لینے کو مکروہ قرار دیا، اور فرمایا کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ اس طرح کے مفاسد سے مامون تھے، لیکن دیگر عام لوگوں کو یہ مقام حاصل نہیں کہ وہ ان مفاسد سے محفوظ رہ سکیں، اس لیے دوسروں کے لیے مفاسد سے بچنے بچانے کا انتظام ضروری ہے۔

البتہ امام مالک رحمہ اللہ نے اشہب کی روایت کے مطابق اتفاقی آثار والے مقامات میں نماز کا اہتمام وقصد کرنے کو ناپسند قرار دے دیا، اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان مقامات پر نماز کی فضیلت کی وجہ سے اہتمام ثابت نہیں۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

علامہ ابنِ حجر کا حوالہ

علامہ ابن حجر صحیح بخاری کی شرح ''فتح الباری'' میں حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے واقعہ والی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وفیہ التبرک بالمواضع التی صلی فیھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم أو وطئھا ویستفاد منہ أن من دعی من الصالحین لیتبرک بہ أنہ یجیب إذا أمن الفتنة(فتح الباری شرح صحیح البخاری) [1]

ترجمہ: اور اس (حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کے) واقعہ میں ان مقامات سے تبرک حاصل کرنے کی دلیل پائی جاتی ہے، جن مقامات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہو، یا ان مقامات میں تشریف فرما ہوئے ہوں، اور اس واقعہ سے یہ بات بھی مستفاد ہوتی ہے کہ نیک لوگوں میں سے جس کو تبرک حاصل کرنے کے لیے بلایا جائے، تو اسے قبول کر لینا جائز ہے، جبکہ فتنہ سے حفاظت ہو (فتح الباری)

علامہ ابنِ حجر بخاری کی شرح ہی میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

ومحصل ذلک أن بن عمر کان یتبرک بتلک الأماکن وتشددہ فی الاتباع مشھور ولا یعارض ذلک ما ثبت عن أبیہ أنہ رأی الناس فی سفر یتبادرون إلی مکان فسأل عن ذلک فقالوا قد صلی فیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال من عرضت لہ الصلاة فلیصل وإلا فلیمض فإنما ھلک أھل الکتاب لأنھم تتبعوا آثار أنبیائھم فاتخذوھا کنائس وبیعا لأن ذلک من عمر محمول علی أنہ کرہ زیارتھم لمثل ذلک بغیر صلاة أو خشی أن یشکل ذلک علی من لا یعرف حقیقة الأمر فیظنہ واجبا وکلا الأمرین مأمون

[1] ج ا، ص ۵۲۲، کتاب الصلاۃ ،قولہ باب المساجد فی البیوت.

من بن عمر وقد تقدم حديث عتبان وسؤاله النبي صلى الله عليه وسلم أن يصلي في بيته ليتخذه مصلى وإجابة النبي صلى الله عليه وسلم إلى ذلك فهو حجة في التبرك بآثار الصالحين (فتح الباری شرح صحیح البخاری) [1]

ترجمہ: اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ، ان مقامات سے تبرک حاصل کیا کرتے تھے، اور ان کا (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر اثر کی) اتباع میں تشدد مشہور ہے، اور اس کا معارضہ اس روایت سے نہیں کیا جائے گا، جو ان کے والد عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے لوگوں کو سفر میں، ایک جگہ کی طرف سبقت کرتے ہوئے دیکھا، تو اس کے بارے میں سوال کیا، لوگوں نے جواب دیا کہ اس جگہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کو نماز کا وقت وہاں آ جائے، وہ نماز پڑھ لے، ورنہ گزر جائے، پس اہلِ کتاب اسی لیے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کے آثار کا اتباع (اور پیچھا) کیا، پھر انہوں نے ان آثار کو کنیسہ اور گرجا (یعنی مساجد و عبادت گاہ) بنالیا۔

کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد اس پر محمول ہے کہ انہوں نے اس جیسی جگہ کی زیارت کرنے کو نماز کے بغیر مکروہ سمجھا، یا انہیں یہ خوف ہوا کہ جو مسئلہ کی حقیقت کو نہیں جانتا، اس کے لیے مشکل ہو جائے گا، وہ اس کو واجب خیال کر لے گا، اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ ان دونوں چیزوں سے محفوظ تھے، اور حضرت عتبان کی حدیث اور ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں نماز پڑھی، تاکہ وہ اس کو مصلی بنالیں، نبی صلی اللہ

---

[1] ج ۱، ص ۵۶۹، کتاب الصلاۃ، باب المساجد التی علی طرق المدینۃ والمواضع التی صلی فیھا النبی.

علیہ وسلم نے اس بات کو قبول کیا، تو یہ صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کے مسئلہ میں حجت (اور دلیل) ہے (فتح الباری)

علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابنِ عمر اور حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہما کے واقعات سے استدلال کرتے ہوئے، انبیاء کے آثار سے نماز پڑھ کر تبرک حاصل کرنے کے جائز ہونے پر استدلال کیا ہے، لیکن ساتھ ہی انہوں نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے اس سلسلہ میں تشدد کے مشہور ہونے کا بھی ذکر فرمایا ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ کا مطلب ومحمل بھی بیان فرمایا ہے۔

جبکہ امام مالک اور امام طحاوی وغیرہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا محمل دوسرا بیان فرمایا ہے، جو کہ گزرا، اور آگے بھی آتا ہے۔

علامہ ابنِ ملقن کا حوالہ

علامہ ابنِ ملقن شافعی، بخاری کی شرح ''التوضیح لشرح الجامع الصحیح'' میں فرماتے ہیں کہ:

وإنما خشي عمر أن يلتزم الناس الصلاة في تلك المواضع حتى يشكل ذلك على من يأتي بعدهم ويرى ذلك واجبًا.

وروى أشهب عن مالك أنه سئل عن الصلاة في المواضع التي صلى فيها الشارع، فقال :ما يعجبني ذلك إلا في مسجد قباء أي :لأنه -صلى الله عليه وسلم -كان يأتيه راكبا وماشيا، ولم يكن يفعل في تلك الأمكنة ذلك (التوضيح لشرح الجامع الصحيح) [1]

ترجمہ: اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خوف ہوا کہ لوگ ان مقامات میں نماز پڑھنے کا التزام کرلیں گے، اور پھر ان کے بعد والوں کے لیے یہ مسئلہ سمجھنا مشکل ہوجائے گا، اور وہ اس کو واجب سمجھ لیں گے۔

اور اشہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ ان سے، ان مقامات میں نماز پڑھنے کے متعلق سوال کیا گیا، جن میں شارع علیہ السلام نے (عبادت بنائے بغیر اور وہاں کا اہتمام کیے بغیر اتفاقاً) نماز پڑھی ہے؟ تو امام مالک نے فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں، سوائے مسجدِ قباء کے، کیونکہ مسجدِ قباء میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو کر اور پیدل آیا کرتے تھے، لیکن یہ فعل دوسرے مقامات میں نہیں کیا (التوضیح)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی ایک تاویل تو وہی ہے، جو اوپر گزری، اور دوسری تاویل وہ ہے، جو اشہب سے مروی امام مالک کے قول میں گزری کہ وہ اتفاقیہ آثار میں بالقصد نماز کو پسند نہیں فرماتے۔

محمد بن وضاح قرطبی کا حوالہ

محمد بن وضاح قرطبی مالکی (المتوفی 286ہجری) اپنی سند کے ساتھ اہلِ طرسوس کے مفتی عیسیٰ بن یونس سے روایت کرتے ہیں:

أمر عمر بن الخطاب بقطع الشجرة التى بويع تحتها النبى صلى الله عليه وسلم , فقطعها لأن الناس كانوا يذهبون فيصلون تحتها , فخاف عليهم الفتنة .

قال عيسى بن يونس: وهو عندنا من حديث ابن عون , عن نافع أن الناس كانوا يأتون الشجرة , فقطعها عمر .

قال ابن وضاح: وكان مالک بن أنس وغيره من علماء المدينة يكرهون إتيان تلک المساجد وتلک الآثار للنبى صلى الله عليه وسلم ما عدا قبا واحدا قال ابن وضاح: وسمعتهم يذكرون أن سفيان الثورى دخل مسجد بيت المقدس فصلى فيه ولم يتبع

ل ج٦، ص٢٤، کتاب الصلاة، باب المساجد التى على طرق المدينة والمواضع التى صلى فيها النبى.

تلک الآثار ولا الصلاۃ فیھا , وکذلک فعل غیرہ أیضا ممن یقتدی بہ .وقدم وکیع أیضا مسجد بیت المقدس فلم یعد فعل سفیان :قال ابن وضاح: فعلیکم بالاتباع لأئمۃ الھدی المعروفین؛ فقد قال بعض من مضی: کم من أمر ھو الیوم معروف عند کثیر من الناس کان منکرا عند من مضی (البدع والنھی عنھا،رقم الحدیث ۱۰۲، باب تغیر البدعۃ، ما جاء فی اتباع الآثار)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو کاٹنے کا حکم فرمادیا تھا، جس کے نیچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت فرمائی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اس لیے کٹوادیا کہ لوگ جا کر اس کے نیچے نماز پڑھا کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لوگوں پر فتنہ کا خوف ہوا۔

عیسیٰ بن یونس طرسوسی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ہمارے پاس ابنِ عون کی سند سے حضرت نافع سے پہنچا ہے کہ لوگ درخت کے پاس آتے تھے، جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کٹوادیا۔

ابنِ وضاح فرماتے ہیں کہ مالک بن انس اور مدینہ کے بعض دوسرے علماء (مدینہ منورہ میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مساجد (یعنی اتفاقاً نماز پڑھنے والی جگہوں میں، جن میں نماز وغیرہ کی کوئی فضیلت ثابت نہیں) اور ان آثار میں آنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں، سوائے مسجدِ قباء کے، ابنِ وضاح کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو یہ ذکر کرتے ہوئے سنا کہ حضرت سفیان ثوری، بیت المقدس کی مسجد میں داخل ہوئے، پھر اس میں نماز پڑھی، اور ان آثار کو نہ تو تلاش کیا، اور نہ ان میں نماز پڑھی، اور اسی طرح سے حضرت سفیان ثوری کے علاوہ بعض دیگر اہلِ مقتداء حضرات نے بھی عمل کیا، نیز حضرت وکیع، بیت المقدس کی مسجد میں آئے، تو انہوں نے بھی حضرت سفیان کے طرزِ عمل سے تجاوز نہیں کیا، ابنِ وضاح فرماتے

ہیں کہ تم پر مشہور ائمہ ہُدیٰ کی اتباع لازم ہے، جس کے بارے میں بعض اقوال گزر چکے ہیں، کتنے کام آج کے دن اکثر لوگوں کے نزدیک اچھے شمار ہوتے ہیں، مگر وہ گزشتہ حضرات کے نزدیک اچھے شمار نہیں ہوتے تھے (البدع)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ درخت کو کٹوانے کی تفصیل آگے الگ فصل میں آتی ہے۔

عیسیٰ بن یونس طرسوسی کا شمار امام ابوداؤد کے مشائخ میں ہوتا ہے، جو ''طرسوس'' میں مفتی کے منصب پر فائز رہے۔ [1]

ابنِ وضاح کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ ان کا رجحان اس طرف ہے کہ اتفاقی آثار کا اہتمام وقصد کرنے سے عوام میں فتنہ کا ڈر ہوتا ہے، اس لیے اس سلسلہ میں احتیاط مناسب ہے۔

علامہ ابنِ رجب حنبلی کا حوالہ

علامہ ابنِ رجب حنبلی (المتوفی 795ہجری) بخاری کی شرح ''فتح الباری'' میں فرماتے ہیں:

وفی هذا :استحباب اتخاذ آثار النبی -صلی الله علیه وسلم - ومواضع صلواته مصلی یصلی فیه.

وقد ذکر ابن سعد، عن الواقدی، أن بیت عتبان الذی صلی فیه النبی صلی الله علیه وسلم یصلی فیه الناس بالمدینة إلی یومه ذاک.

ویشهد لهذا المعنی -أیضا :-قول عمر -صلی الله علیه وسلم -

---

[1] وعیسی بن یونس الطرسوسی (د) عن حجاج الأعور .من مشیخة أبی داود(میزان الاعتدال فی نقد الرجال،للذهبی،ج۳،ص۳۲۸،حرف العین، رقم الترجمة ۶۶۳۰)

عیسی ابن یونس الطرسوسی صدوق من الحادیة عشرة د(تقریب التهذیب،ص ۴۴۱، تحت رقم الترجمة ۵۳۴۲)

"د -عیسی "بن یونس الطرسوسی روی عن حجاج بن محمد وابن الأشجعی وموسی وعلی بن عاصم وروی عنه أبو داود فی الجنائز وفی السنة وعنه ذلک من کتاب قال مسلمة بن قاسم یکنی أباه موسی وکان یفتی أهل طرسوس لا بأس به(تهذیب التهذیب،ج۸،ص ۲۴۰،تابع لحرف العین،من اسمه عیسی، رقم الترجمة ۴۴۱)

للنبى -صلى الله عليه وسلم :-ألا نتخذ من مقام إبراهيم مصلى؟ فنزلت :(واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى)

وقد نقل أحمد بن القاسم وسندى الخواتيمى، عن الإمام أحمدأنه سئل عن إتيان هذه المساجد؟ فقال :أما على حديث ابن أم مكتوم :أنه سأل النبى -صلى الله عليه وسلم -أن يصلى فى بيته فيتخذه مصلى، وعلى ما كان يفعل ابن عمر يتبع مواضع النبى -صلى الله عليه وسلم -وأثره، فلا بأس أن يأتى الرجل المشاهد، إلا أن الناس قد أفرطوا فى هذا، وأكثروا فيه.

وفى رواية ابن القاسم :أن أحمد ذكر قبر الحسين، وما يفعل الناس عنده -يعنى :من الأمور المكروهة المحدثة.

وهذا فيه إشارة إلى أن الإفراط فى تتبع مثل هذه الآثار يخشى منه الفتنة، كما كره اتخاذ قبور الأنبياء مساجد، وقد زاد الأمر فى ذلك عند الناس حتى وقفوا عنده، واعتقدوا أنه كاف لهم، واطرحوا ما لا ينجيهم غيره، وهو طاعة الله ورسوله.

وقد رأى الحسن قوما يزدحمون على حمل نعش بعض الموتى الصالحين، فقال :فى عمله فتنافسوا.

يشير إلى أن المقصود الأعظم متابعته فى عمله، لا مجرد الازدحام على حمل نعشه.

وكذلك من يبالغ فى تزيين المصحف وتحسينه، وهو مصر على مخالفة أوامره وارتكاب مناهيه.

وقد روى عن عمر -رضى الله عنه -ما يدل على كراهة ذلك -أيضا .فروى عن المعرور بن سويد، قال :خرجنا مع عمر فى حجة

حجها، فلما انصرف رأى الناس مسجدا فبادروه، فقال :ما هذا؟ قالوا :مسجد صلى فيه النبى -صلى الله عليه وسلم -.فقال: هكذا هلك أهل الكتاب قبلكم، اتخذوا آثار أنبيائهم بيعا، من عرضت له فيه صلاة فليصل، ومن لم تعرض له صلاة فليمض.

وقال نافع :كان الناس يأتون الشجرة التى بايع رسول الله -صلى الله عليه وسلم -تحتها بيعة الرضوان، فيصلون عندها، فبلغ ذلك عمر فأوعدهم فيها، وأمر بها فقطعت.

وقال ابن عبد البر :كره مالك وغيره من أهل العلم طلب موضع الشجرة التى بويع تحتها بيعة الرضوان؛ وذلك -والله أعلم - مخالفة لما سلكه اليهود والنصارى فى مثل ذلك.

ذكره فى الاستذكار فى الكلام على حديث :اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد.

وقال :ذكر مالك بإثر هذا الحديث حديث عتبان بن مالك؛ ليبين لك أن معنى هذا الحديث مخالف للذى قبله.

قال :والتبرك والتأسى بأفعال رسول الله -صلى الله عليه وسلم -إيمان به وتصديق، وحب فى الله وفى رسوله (فتح البارى شرح صحيح البخارى لابنِ رجب، ج۳،ص ۱۸۰، كتاب الصلاة،باب المساجد فى البيوت)

ترجمہ: اور اس (حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کے واقعہ) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز والی جگہ کو مصلیٰ بنانے کا استحباب ثابت ہوتا ہے، جس میں نماز پڑھی جائے گی۔

اور ابنِ سعد نے واقدی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کا مدینہ

منورہ میں وہ گھر، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی، اس میں آج تک لوگ نماز پڑھتے ہیں۔

اوراس بات کی شہادت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ کیا ہم مقامِ ابراہیم کو مصلیٰ نہ بنالیں؟ جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ "واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى"۔

اوراحمد بن قاسم اور سندی خواتیمی نے امام احمد سے روایت کیا ہے کہ ان سے اِن مساجد میں آنے کے متعلق سوال کیا گیا؟ تو امام احمد نے فرمایا کہ جہاں تک ابنِ امّ مکتوم (بلکہ حضرت عتبان بن مالک، ناقل) کی اس حدیث کی بنیاد پر کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گھر میں نماز پڑھنے کا سوال کیا، جس کو وہ مصلی بنائیں۔ [1]

---

[1] ملحوظ رہے کہ متبرک مقامات سے برکت حاصل کرنے کا واقعہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کا ہے، جن کی آخری دور میں بینائی متاثر ہونے کی وجہ سے ان کی درخواست پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں تشریف لاکر مخصوص جگہ نماز پڑھی تھی، اورانہوں نے اس جگہ کو آئندہ کے لیے اپنی نماز پڑھنے کے لیے مختص کرلیا تھا۔

جبکہ حضرت ابنِ امِ مکتوم رضی اللہ عنہ کا واقعہ دوسرا ہے، جنہوں نے مسجد تک ساتھ آنے والا نہ ہونے کی وجہ سے اپنے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت طلب کی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں جا کر مخصوص جگہ نماز نہیں پڑھی تھی۔

چونکہ صحابۂ کرام میں ابنِ امِ مکتوم رضی اللہ عنہ کا نابینا ہونا زیادہ مشہور ہے، اس لیے متعدد حضرات کو مندرجہ بالا واقعہ بیان کرتے وقت یہ غلط فہمی واقع ہوگئی کہ انہوں نے حضرت عتبان بن مالک کی جگہ حضرت ابنِ امِ مکتوم کا نام لکھ دیا، جیسا کہ اوپر کی عبارت میں ہے، اور آگے بھی بعض عبارات میں اسی طرح ہے۔

قوله: (رجلا أعمى) (مح): هو ابن أم مكتوم جاء مستفسرا فى رواية أبى داود وغيره من أصحاب السنن .وفيه دلالة لمن قال: الجماعة واجبة .وأجاب الجمهور عنه بأنه قد أجمع المسلمون على حضور الجماعة يسقط بالعذر، ودليله من السنة حديث عتبان بن مالك(شرح المشكاة للطيبى، ج۴ص ۱۱۲۸، كتاب الصلاة، باب الجماعة وفضلها)

وحاصله: أن فى الأعذار مراتب، فلعل عذر ابن أم مكتوم كان دون عذر عتبان، فرخص لواحد دون الآخر(فيض البارى علىٰ صحيح البخارى، ج۲ص ۲۶۱، كتاب الاذان، باب الرخصة فى المطر والعلة أن يصلى فى رحله)

قال: وقد أوهم فيه – فيما نرى –، والدلالة على ذلك: ما أبنا مالك، عن ابن شهاب – ثم ذكر حديث عتبان المتقدم، على ما رواه الجماعة عن الزهرى. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے اس طرزِ عمل کی بنیاد پر کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مواضع اور آثار کا تتبع (اوران کو تلاش) کیا کرتے تھے، نماز پڑھنے کا تعلق ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ مشاہد (وآثار) میں آدمی آئے، لیکن لوگوں نے اس میں افراط اور تکثیر اختیار کرلی ہے۔

اور ابنِ قاسم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ امام احمد نے (مذکورہ تکثیر وافراط کی توضیح کرتے ہوئے) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قبر اور اس کے پاس لوگوں کے طرزِ عمل کا ذکر کیا، یعنی جو وہاں لوگوں نے مکروہ اور محدث چیزیں پیدا کرلی ہیں۔

اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان جیسے آثار کے تتبع (اور جستجو) میں افراط (یعنی حد سے آگے بڑھنے) سے فتنہ کا خوف ہوتا ہے، اور لوگ یہ عقیدہ بنالیتے ہیں کہ ان کے لیے یہ کافی ہے، اور جن چیزوں کے بغیر ان کو نجات نہیں مل سکتی، یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو نظر انداز کردیتے ہیں۔

اور حضرت حسن نے کچھ لوگوں کو بعض فوت شدہ صالحین کی لاش کے اٹھانے میں ازدحام (اور ہجوم) کو دیکھا، تو فرمایا کہ اس (اس ازدحام اور ہجوم کے بجائے، اس) میت کے عمل میں آگے بڑھنا چاہئے تھا۔

جس سے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ مقصودِ اعظم اس (نیک صالح میت کی لاش کی بجائے اس) کے عمل میں اتباع کرنا ہے، نہ کہ صرف اس کی لاش کو اٹھانے پر ازدحام اور ہجوم پیدا کرنا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال البيهقي: اللفظ الذى رواه ابن عيينة فى هذا الإسناد إنما هو فى قصة ابن أم مكتوم الأعمى.
قلت: وقد اشتبهت القصتان على غير واحد، وقد سبق عن الإمام أحمد أنه ذكر أن ابن أم مكتوم سأل النبى – صلى الله عليه وسلم – أن يصلى فى بيته ليتخذه مصلى، وإنما هو عتبان بن مالك.
وقد اشتبه على بعض الرواة محمود بن الربيع الراوى له عن عتبان، فسماه محمود بن لبيد، وهو – أيضا – وهم، وقد وقع فيه بعض الرواة للحديث عن مالك(فتح البارى لابنِ رجب، ج٣ص ١٨١، ١٨٢، كتاب الصلاة، باب المساجد فى البيوت)

اور اسی طریقہ سے قرآن مجید کی تزیین اور تحسین میں مبالغہ کرنے والے کا بھی حکم ہے کہ وہ قرآن کے اوامر کی مخالفت اور اس کے مناہی کے ارتکاب پر مصر ہے (جو کہ حد سے تجاوز ہے، اصل مقصد قرآن کی اطاعت تھا، نہ کہ قرآن کی زیب و زینت) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی کراہت مروی ہے۔

چنانچہ معرور بن سوید سے روایت ہے کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کرنے کے لیے نکلے، جب واپس لوٹے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ایک مسجد کی طرف سبقت کرتے ہوئے دیکھا، تو فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے جواب میں کہا کہ مسجد ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسی طرح تم سے پہلے اہلِ کتاب ہلاک ہو گئے، جنہوں نے اپنے نبیوں کے آثار کو عبادت گاہ بنالیا تھا، جس کو اس جگہ میں نماز کا وقت پیش آجائے، تو اسے چاہئے کہ نماز پڑھ لے، اور جسے نماز کا وقت پیش نہ آئے، تو اسے چاہئے کہ گزر جائے۔

اور حضرت نافع سے روایت ہے کہ لوگ اس درخت کے پاس آتے تھے، جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعتِ رضوان کی تھی، اور وہاں نماز پڑھا کرتے تھے، یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس پر تنبیہ فرمائی، اور اس درخت کو کاٹنے کا حکم فرمادیا۔ [1]

اور ابنِ عبدالبر نے فرمایا کہ امام مالک اور بعض دوسرے اہلِ علم حضرات نے اس درخت کی جگہ کی طلب (اور جستجو) کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے، جس کے نیچے بیعتِ رضوان کی گئی تھی، اور یہ "واللہ اعلم" اس وجہ سے ہے، تاکہ اس جیسے کاموں میں یہود و نصاریٰ نے جو طرزِ عمل اختیار کیا، اس کی مخالفت کی جائے۔

---

[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس درخت کو کٹوانے کے واقعہ کی تفصیل آگے مستقل فصل کے ضمن میں آتی ہے۔ محمد رضوان۔

ابنِ عبدالبر نے ''الاستذکار'' میں یہ بات حدیث ''**اشتد غضب الله علی قوم اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد**'' پرکلام کرنے کے موقع پر ذکر فرمائی ہے۔

اور فرمایا کہ اس حدیث کے بعد امام مالک نے عتبان بن مالک کی حدیث کو ذکر کیا ہے، تاکہ آپ کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس حدیث کا مطلب اس کے برخلاف ہے، جو اس سے پہلے ذکر کی گئی۔

اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال سے برکت اور طفیل حاصل کرنا، درحقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا، اور آپ کی تصدیق کرنا ہے، اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنا ہے (فتح الباری)

معلوم ہوا کہ فی نفسہٖ آثارِ انبیاء سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے، لیکن امام احمد نے ایک روایت میں اس میں افراط وتکثیر دیکھتے ہوئے، اس کو ناپسند کیا ہے کہ ایک تو عام لوگوں نے اس میں غلو ومبالغہ اور بدعات ومنکرات کا ارتکاب شروع کردیا، دوسرے اس کو فرائض وواجبات اور دین کے ضروری احکام سے زیادہ اہمیت دی، اور اس قسم کے امور کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کا پیچھا کرنے سے منع فرمایا تھا۔

نیز علامہ ابنِ عبدالبر مالکی نے بھی امام مالک وغیرہ سے لوگوں کے طرزِ عمل اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تنبیہ کے باعث اس کی کراہت نقل کی ہے۔

علامہ ابنِ رجب حنبلی (المتوفیٰ 795 ہجری) بخاری کی شرح ''فتح الباری'' میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

قد ذكرنا فيما سبق في (باب :اتخاذ المساجد في البيوت) حكم أتباع آثار النبي -صلى الله عليه وسلم -، والصلاة في مواضع صلاته، وأن ابن عمر كان يفعل ذلک، وكذلک ابنه سالم.

وقد رخص أحمد في ذلک على ما فعله ابن عمر، وكره ما أحدثه

الناس بعد ذلک من الغلو والإفراط، والأشياء المحدثة التى لا أصل لها فى الشريعة.

وقد كان ابن عمر مشهورا بتتبع آثار النبى -صلى الله عليه وسلم -، ومن ذلک صلاته فى المواضع التى كان يصلى فيها.

وهى على نوعين:

أحدهما :ما كان النبى -صلى الله عليه وسلم -يقصده للصلاة فيه، كمسجد قباء ، ويأتى ذكره فى موضعه من (الكتاب) - إن شاء الله تعالى.

والثانى :ما صلى فيه النبى -صلى الله عليه وسلم -اتفاقا لإدراک الصلاة له عنده، فهذا هو الذى اختص ابن عمر بأتباعه.

وقد روى ابن سعد :أنا معن بن عيسى :ثنا عبد الله بن المؤمل، عن عبد الله بن أبى مليكة، عن عائشة، قالت :ما كان أحد يتبع آثار النبى صلى الله عليه وسلم فى منازله، كما كان ابن عمر يتبعه.

وروى أبو نعيم من رواية خارجة بن مصعب، عن موسى بن عقبة، عن نافع، قال :لو نظرت إلى ابن عمر إذا اتبع أثر النبى -صلى الله عليه وسلم -لقلت :هذا مجنون.

ومن طريق عاصم الأحول، عمن حدثه، قال :كان ابن عمر إذا رآه أحد ظن أن به شيئا من تتبعه آثار النبى -صلى الله عليه وسلم .-

ومن طريق أبى مودود، عن نافع، عن ابن عمر، أنه كان فى طريق مكة يقود برأس راحلته يثنيها، ويقول :لعل خفا يقع على خف يعنى :خف راحلة النبى -صلى الله عليه وسلم (فتح البارى شرح

صحیح البخاری لابنِ رجب، ج۳، ص ۴۲۹، کتاب الصلاۃ، باب المساجد التی علی طرق المدینۃ والمواضع التی صلی فیھا النبی -صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ: اور ہم ماسبق میں ''باب اتخاذ المساجد فی البیوت'' کے ضمن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کی اتباع اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھنے والی جگہوں میں، نماز پڑھنے کا حکم بیان کر چکے ہیں، اور یہ بھی کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ اس فعل کو اختیار فرماتے تھے، اور اسی طریقہ سے ان کے بیٹے سالم بھی اختیار فرماتے تھے۔

اور امام احمد نے اس سلسلہ میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے فعل کی بنیاد پر رخصت دی ہے، لیکن اس کے بعد لوگوں نے جو غلو اور افراط اور نئی نئی چیزیں، جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں پائی جاتی، یہ پیدا کرلیں، تو انہوں نے ان کو مکروہ قرار دیا۔

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کا تتبع (وجستجو) کرنے میں مشہور تھے، اسی سلسلہ میں ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے والی جگہوں میں، نماز پڑھنا بھی ہے۔

لیکن اس کی دو قسمیں ہیں:

ایک یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ میں نماز کا قصد کیا ہو، جیسا کہ مسجدِ قباء (اس کی اتباع وقصد تو بلاشبہ جائز ہے) جس کا ذکر اسی کتاب میں ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام پر آئے گا۔

اور دوسری قسم یہ ہے کہ جس جگہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاق سے اس لیے نماز پڑھ لی ہو کہ اس جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کا وقت پیش آ گیا، حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے اس جیسی جگہوں کی اتباع کو خصوصیت کے ساتھ اختیار فرمایا (یہ طرزِ عمل دوسرے صحابۂ کرام سے مروی نہیں)

اور ابنِ سعد نے معن بن عیسیٰ سے، اور انہوں نے عبداللہ بن مؤمل سے، اور انہوں نے عبداللہ بن ابی ملیکہ سے، اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ کوئی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات کے آثار کا اس طرح تتبع نہیں کیا کرتا تھا، جس طرح حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے۔

اور ابونعیم نے خارجہ بن مصعب کی روایت سے، موسیٰ بن عقبہ سے، انہوں نے نافع سے روایت کیا ہے کہ اگر آپ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کا تتبع کرتے ہوئے دیکھ لیتے، تو یقیناً ان کو مجنون کہتے۔

اور عاصم احول کے طریق سے، اس شخص سے جنہوں نے انہیں حدیث بیان کی، مروی ہے کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کو جب کوئی دیکھتا تھا، تو یہ گمان کرتا تھا کہ ان کے ساتھ کوئی (جنون وغیرہ کا) اثر ہے، بوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کے (غیر معمولی) تتبع (وجستجو) کے۔

اور ابومودود کے طریق سے نافع سے روایت ہے کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ جب مکہ کے راستہ میں ہوتے تھے، تو اپنی اونٹنی کی لگام کے سِرے کو پکڑ کر ہنکاتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ شاید میری اونٹنی کا پاؤں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے پاؤں والی جگہ پڑ جائے (فتح الباری)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتفاقی اور غیر ارادی آثار کی اتباع اور اس کا اہتمام ثابت ہے، لیکن یہ طرزِ عمل خاص ان سے ہی مروی ہے، دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی نہیں۔

لیکن جن مقامات کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل سے خاص اہتمام وقصد ثابت ہے، تو ان کی اتباع کرنا دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ نے بھی مذکورہ دونوں قسم کے آثار میں قصد وتتبع میں فرق کیا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

البتہ علامہ ابنِ رجب حنبلی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر صلحاء کے آثار سے تبرک کے قائل نہیں، چنانچہ وہ اپنے ایک رسالہ میں فرماتے ہیں کہ:

وكذلك التبرك بالآثار فإنما كان يفعله الصحابة رضى الله عنهم مع النبى صلى الله عليه وسلم ولم يكونوا يفعلونه مع بعضهم ببعض ولا يفعله التابعون مع الصحابة، مع علو قدرهم.

فدل على أن هذا لا يفعل إلا مع النبى صلى الله عليه وسلم مثل التبرك بوضوئه وفضلاته وشعره وشرب فضل شرابه وطعامه

(الحكم الجديرة بالإذاعة من قول النبى صلى الله عليه وسلم بعثت بالسيف بين يدى الساعة، ص ۴۶، قوله صلى الله عليه وسلم " :وجعل رزقى تحت ظل رمحى)

ترجمہ: اوراسی طریقے سے آثار کے ساتھ تبرک حاصل کرنا تو صحابہ رضی اللہ عنہم، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو یہ کیا کرتے تھے، لیکن آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نہیں کیا کرتے تھے، اور نہ ہی تابعین، صحابہ کے ساتھ کیا کرتے تھے، باوجودیکہ صحابہ کا درجہ بلند تھا، جس نے اس بات پر دلالت کی کہ آثار کے ساتھ تبرک کا عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی کیا جائے گا، مثلاً وضو کے پانی سے تبرک اور فضلات سے تبرک، اور بالوں سے تبرک، اور کھانے پینے کے باقی ماندہ حصہ سے تبرک (الحکم الجدیرۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ صلحاء ونیک لوگوں کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کے جائز ومشروع ہونے کا علامہ ابنِ رجب حنبلی انکار کرتے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار پر غیر نبی کے آثار کو قیاس کرنے سے اختلاف کرتے ہیں۔

جبکہ امام نووی، علامہ ابنِ حجر اور بیشتر علماء اس کے جائز ومشروع ہونے کے قائل ہیں، اور فی نفسہ یہی موقف دلائل کے لحاظ سے راجح ہے، متعدد دلائل سے غیر انبیاء کے آثار سے تبرک حاصل کرنا بھی ثابت ہے، اگرچہ اس کا درجہ انبیائے کرام کے آثار سے کمتر ہے، جس کی تفصیل پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔ [1]

علامہ بدرالدین دمامینی کا حوالہ

علامہ بدرالدین دمامینی (المتوفی: 827ہجری) فرماتے ہیں:

قال ابن المنير :ومن رحمة هذه الأمة بعلمائها حتى جعل اتفاقهم رحمة، واختلافهم رحمة :أن مثل هذه القضية اختلف فيها عمر وابنه -رضى الله عنهما -، فحفظ اختلافهما على الناس أمرين عظيمين فى الدين .

أحدهما :اقتفاء آثاره -عليه السلام -تعظيما وتبركا.

والثانى :السلامة فى الاتباع من الابتداع.

ألا ترى عمر -رضى الله عنه -كيف نبه على أن هذه المساجد التى صلى فيها النبى -صلى الله عليه وسلم -ليست من المشاعر، ولا لاحقة بالمساجد الثلاثة فى التعظيم؟ فالحمد لله

---

[1] اتفق العلماء على مشروعية التبرك بالنبى صلى الله عليه وسلم وبآثاره، وأورد علماء السيرة والشمائل والحديث أخبارا كثيرة تمثل تبرك الصحابة رضى الله عنهم بصور متعددة بالنبى صلى الله عليه وسلم وآثاره .

قال ابن رجب: والتبرك بالآثار إنما كان يفعله الصحابة رضى الله عنهم مع النبى صلى الله عليه وسلم ولم يكونوا يفعلونه مع بعضهم بعضا ولا يفعله التابعون مع الصحابة مع علو قدرهم فدل على أن هذا لا يفعل إلا مع الرسول صلى الله عليه وسلم مثل التبرك بالوضوء وغيره.

وقال ابن حجر والنووى: يقاس عليه غيره فى ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ ص ۵۹،۶۰، مادة "نبى")

على أن علت هذه الأمة فى الاتباع وما غلت، ولكن اقتدت(مصابيح الجامع، ج۲، ص ۱۸۵، كتاب الصلاة، باب المساجد التى على طرق المدينة والمواضع التى صلى فيها النبى)

ترجمہ: ابنِ منیر نے فرمایا کہ اس امت کے علماء رحمت ہیں، اللہ نے ان کے اتفاق کو بھی رحمت بنادیا ہے، اور ان کے اختلاف کو بھی رحمت بنادیا ہے، اس جیسے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کے) واقعہ میں حضرت عمر اور ان کے بیٹے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا اختلاف ہوگیا، پس ان کا اختلاف لوگوں پر دین کے دو عظیم مسائل کے لیے محفوظ ہوگیا۔

ایک تو تعظیم اور تبرک کے طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کی اتباع کرنا۔

اور دوسرے اتباع میں ابتداع (یعنی بدعت ایجاد کرنے) سے حفاظت (وسلامتی) کا ہونا۔

کیا آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں دیکھا کہ انہوں نے ان مساجد پر کس طرح تنبیہ فرمائی، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، لیکن وہ (مقامات مستقل) مشاعر میں سے نہیں ہیں، اور نہ ہی تعظیم میں مساجدِ ثلاثہ کے ساتھ لاحق ہیں، پس اللہ کا شکر ہے اس بات پر کہ یہ امت اتباع میں غلو سے محفوظ رہی، اور اقتداء کے درجہ پر رہی (مصابیح الجامع)

مطلب واضح ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل سے تو نفسِ انبیاء کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ہوا، اور ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے، اس میں بدعت وغلو اختیار کرنے سے حفاظت کا انتظام ہوا۔

تاکہ ہر عمل اپنے درجہ پر رہے، اور اس میں کوئی منکر یا حد سے تجاوز لازم نہ آئے۔

علامہ مغربی کا حوالہ

علامہ حسین بن محمد مغربی (المتوفیٰ: 1119ہجری) فرماتے ہیں:

وقد كان ابن عمر -رضى الله عنهما -يتحرى الصلاة والنزول والمرور حيث حل -صلى الله عليه وسلم -ونزل.

وما جاء عن عمر أنه رأى الناس فى الرجوع من الحج ابتدروا مسجدًا فقال :ما هذا؟ فقالوا :مسجد صلى فيه رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فقال :هكذا هكذا (ب) أهل الكتاب قبلكم اتخذوا آثار الأنبياء تبعًا، من عرضت له منكم الصلاة فليصل فيه، ومن لم تعرض له فليمض.

وروى مثل هذا عن مالك ولكنه محمول على سد الذرائع خشية أن يتخذ ذلك العامة تشريعًا (البدرُ التمام شرح بلوغ المرام، ج۵،ص۴۴۷، كتاب الحج، باب الفوَات والإحصَار، الفصل الخامس فى زيارة مَنْ فى المدينة)

ترجمہ: اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اس جگہ نماز پڑھنے اور نزول کرنے اور گزرنے کا اہتمام کیا کرتے تھے، جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حلول ونزول اور مرور کیا۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو یہ مروی ہے کہ انہوں نے حج سے لوٹتے وقت لوگوں کو ایک مسجد کی طرف سبقت کرتے ہوئے دیکھا، پھر فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ مسجد ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کہ اسی طریقہ سے تم سے پہلے اہلِ کتاب نے اپنے نبیوں کے آثار کو عبادت گاہ بنالیا تھا، تم میں سے جس کو نماز کا وقت

آجائے، تو وہ اس میں نماز پڑھ لے، اور اگر وقت نہ آئے تو گزر جائے۔

اور اسی کے مثل امام مالک رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے، لیکن یہ ''سدِ ذرائع'' پر محمول ہے، اس چیز کے خوف کی وجہ سے کہ عامۃُ الناس اس کو شریعت (کا حصہ) نہ بنا لیں (البدرالتمام)

مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر اور ان کے بیٹے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں کے طرزِ عمل سے اس مسئلہ کے اصل درجہ کی نشاندہی ہوتی ہے، امام مالک رحمہ اللہ نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اتباع ہی میں ''سداً للباب'' اس کو ناپسند کیا ہے۔

ممکن ہے کہ امام مالک سے اشہب اور بعض دوسرے مالکیہ مراد ہوں، کیونکہ ہمیں خود براہِ راست امام مالک سے تاحال اس کی تصریح دستیاب نہیں ہوئی۔

شیخ محمد خضر بن سید شنقیطی کا حوالہ

شیخ محمد خضر بن سید شنقیطی (المتوفی:1354ہجری) بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں:

فقد عرف من صنيع ابن عمر استحباب تتبع آثار النبى صلى الله عليه وسلم، والتبرک بها، وقد قال البغویّ من الشافعية :إن المساجد التى ثبت أن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم صلى فيها، لو نذر أحد الصلاة فيها، تعين كما تتعين المساجد الثلاثة.

وقال أشهب من المالكية :لا يعجبنى ذلک إلا فى قباء، لأنه عليه الصلاة والسلام كان يأتيه راكبًا وماشيًا، ولم يفعل ذلک فى تلک الأمكنة.

وما فعله ابن عمر، مع ما عُلِم من تشدده فى الاتّباع، لا يعارض ما ثبت عن أبيه، من أنه رأى الناس فى سفر يتبادرون إلى مكان،

فسأل عن ذلک، فقالوا :قد صلّی فیه النبی صلی الله تعالی علیه وسلم، فقال :من عرضت له الصلاة فلیصل، وإلا فلیمضِ، فإنَّما أهلک أهل الکتاب أنهم کانوا یتتبعون آثار أنبیائهم، فاتخذوها کنائس وبِیَعًا، لأن ذلک من عمر محمول علی أنه کره زیارتهم لمثل ذلک بغیر صلاة، أو خشی أن یشکل ذلک علی من لا یعرف حقیقة الأمر فیظنه واجبًا، وکلا الأمرین مأمون من ابن عمر.

وقد تقدم حدیث عتبان، وسؤاله النبیَّ صلی الله تعالی علیه وسلم أن یصلی له فی بیته لیتخذه مسجدًا، وأجابةُ النبی صلی الله تعالی علیه وسلم إلی ذلک، فهو حجة قویة فی التبرک بآثار الصالحین، ولم تزل المسلمون من لدن عصر الصحابة إلی الآن،یتبرکون بآثار الصالحین، لم یخالف فی ذلک إلا الخوارج دمرهم الله.

وقد قال العلماء :إن فی فعل ابن عمر، ونهی أبیه رضی الله تعالی عنهما، فائدة جلیلة فی الدین، ففی فعل ابن عمر اقتفاء آثاره علیه الصلاة والسلام، والتبرک، والتعظیم له .وفی نهی عمر الاحتیاط فی السلامة من الابتداع لمن یُخشی منه ذلک (کوثر المعانی الدراری فی کشف خبایا صحیح البخاری، ج۷،ص۳۵۸، ۳۵۹،کتاب الصلاۃ، باب تشبیک الأصابع فی المسجد وغیرہ،الحدیث الخامس والثمانون)

ترجمہ: پس حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کے تتبع اور ان سے تبرک حاصل کرنے کا مستحب ہونا معلوم ہوا، اور شافعیہ میں سے امام بغوی نے فرمایا کہ جن مساجد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز پڑھنا ثابت ہے، اگر کوئی ان میں نماز پڑھنے کی نذر مانے، تو وہ متعین ہوجاتی ہے،

جیسا کہ مساجدِ ثلاثہ میں متعین ہوجاتی ہے (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بغوی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتفاقاً نماز پڑھنے والے مقامات کو بھی مقرب سمجھتے ہیں، لہٰذا ان کے نزدیک ان مقامات کا تتبع کرنے میں بھی حرج نہ ہوگا)

اور مالکیہ میں سے حضرت اشہب نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پسند نہیں، سوائے مسجدِ قبا کے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ قباء میں پیدل اور سوار ہوکر آیا کرتے تھے، اور دوسرے مقامات میں ایسا نہیں کرتے تھے۔

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل جبکہ اتباع میں ان کا تشدد بھی معلوم ومعروف ہے، ان کے والد سے ثابت اس روایت کے معارض نہیں کہ انہوں نے لوگوں کو سفر میں ایک جگہ کی طرف سبقت کرتے ہوئے دیکھا، پھر اس کے بارے میں سوال کیا؟ تو لوگوں نے جواب میں کہا کہ اس میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ جسے نماز کا وقت آجائے، تو وہ پڑھ لے، ورنہ گزر جائے، بس اہلِ کتاب اسی لیے ہلاک ہوئے کہ وہ اپنے نبیوں کے آثار کی اتباع (اور پیچھا) کیا کرتے تھے، پھر انہوں نے ان آثار کو کنیسہ اور گرجا (یعنی مساجد وعبادت گاہ) بنالیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حکم اس پر محمول ہے کہ انہوں نے اس جیسی جگہ کی نماز کے بغیر زیارت کو ناپسند کیا، یا انہیں یہ ڈر ہوا کہ جو مسئلہ کی حقیقت کو نہیں جانتا، اس کے لیے اشکال کا باعث ہوگا، وہ اس کو واجب سمجھ لے گا، اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ ان دونوں باتوں سے محفوظ تھے۔

اور حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کی حدیث اور ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گھر میں نماز پڑھنے کا سوال کرنا تاکہ وہ اسے مسجد بنالیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو قبول فرمانا اس کا پہلے ذکر گزر چکا ہے، پس یہ قوی دلیل ہے صالحین کے آثار

سے تبرک حاصل کرنے کی، اور مسلمان، صحابۂ کرام کے زمانہ سے لے کر تا حال صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرتے رہے ہیں، جس کی مخالفت خوارج کے علاوہ کسی نے نہیں کی، اللہ ان کو نیست ونابود فرمائے۔

اور علماء نے فرمایا کہ حضرت ابنِ عمر کے فعل اور ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ممانعت میں دین کا ایک عظیم فائدہ ہے، پس حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے فعل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کی اتباع اور ان کی تعظیم اور تبرک کا ثبوت پایا جاتا ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منع فرمانے میں بدعت سے سلامتی میں احتیاط کا حکم پایا جاتا ہے، اس شخص کے لیے جس کی طرف سے اس کا خوف ہو (کوثر المعانی)

مطلب یہ ہے کہ انبیائے کرام اور صالحینِ عظام کے آثار سے فی نفسہٖ تبرک حاصل کرنے کے جائز ہونے میں قابلِ ذکر اختلاف نہیں۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس سے منع فرمانے کی وجہ، بدعت ومنکر سے سلامتی اور احتیاط ہے، اس شخص کے حق میں جس کی طرف سے اس طرح کا خوف ہو۔

البتہ اس کے بعد بعض حضرات نے تو شرائط کے ساتھ اجازت دے دی، اور دوسرے حضرات نے مفسدہ کی وجہ سے ''سداً للباب'' منع فرمادیا کہ خواص کے ایک جائز عمل سے اگر عوام کے فتنہ وفساد میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو، تو خواص کو منع کرنا یا اس عمل کے اظہار واعلان سے منع کرنا بھی بعض حضرات کے نزدیک ایک فقہی قاعدہ ہے، جس کا کچھ ذکر آگے ''محمد بن مفلح مقدسی حنبلی'' کے حوالہ سے آتا ہے۔ [1]

---

[1] ردالمحتار میں ہے:

حاصل معنى كلام هذين الشيخين بيان وجه الكراهة فى المداومة وهو أنه إن رأى ذلك حتما يكره من حيث تغيير المشروع وإلا يكره من حيث إيهام الجاهل (ردالمحتار، ج ۱ ص ۵۴۴، كتاب الصلاة، فصل فى القراءة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ابنِ عبدالبر قرطبی مالکی کا حوالہ

ابنِ عبدالبر قرطبی مالکی (المتوفیٰ:463ہجری) ''الاستذکار'' میں فرماتے ہیں:

وفی ذلک أمر بأن لا یعبد إلا الله وحده وإذا صنع من ذلک فی قبره فسائر آثاره أحری بذلک.

وقد کره مالک وغیره من أهل العلم طلب موضع الشجرة التی بویع تحتها بیعة الرضوان وذلک والله أعلم مخالفة لما سلکه الیهود والنصاری فی مثل ذلک (الاستذکار، ج۲، ص ۳۶۰، کتاب الصلاة، جامع الصلاة)

ترجمہ: اوراس حدیث (**اللهم لا تجعل قبری وثنا یعبد .اشتد غضب الله علی قوم اتخذوا قبور أنبیائهم مساجد**) میں اس بات کا حکم ہے کہ اللہ وحدہٗ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کی جائے، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

براہینِ قاطعہ میں ہے:

مستحب کو واجب جاننا بدعت ہے، اور جس دوامِ فعلِ خواص سے عوام کو یہ امر پیدا ہو، وہ امر خواص کو اعلان ودوام سے کرنا مکروہ ہوتا ہے، کیونکہ سبب مذموم کا مذموم ہے (براہینِ قاطعہ صفحہ ۲۴۹، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

ایک اور مقام پر ہے:

''پس ظاہر ہوگیا کہ فعل خواص کا جو عوام کی خرابی کا باعث ہو وہ مکروہ ہوتا ہے'' (براہینِ قاطعہ صفحہ ۲۵۰)

امدادُ الفتاویٰ میں ہے کہ:

فعلِ غیرضروری خواص کا سبب ہوجائے مفسدۂ عوام کا، اس سے منع کیا جانا قاعدۂ فقہیہ ہے؛ بخلاف مجلسِ وعظ کے کہ وہ فی نفسہٖ ضروری ہے، وہاں مفاسد کا انسداد کریں گے؛ خود اس کو ترک نہ کریں گے۔ فافترقا (امدادالفتاویٰ، ج۵ص ۳۱۶، کتاب البدعات، مطبوعہ: دارالعلوم کراچی، سنِ اشاعت: ۱۴۰۹ھ)

امدادُ الفتاویٰ میں ہی ہے:

خواص کے کسی فعلِ مباح سے اکثر عوام کے عقائد میں فساد آنے کا اندیشہ غالب ہو تو خواص بھی مامور بترکِ مباح ہوں گے (امدادالفتاویٰ، ج۵ص ۲۷۶)

پر ان میں سے کوئی کام کرنا منع ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے آثار اس ممانعت کے زیادہ لائق ہیں۔

اور امام مالک اور دیگر اہلِ علم نے اس درخت کی جگہ کے طلب کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے، جس کے نیچے بیعتِ رضوان کی گئی تھی، جس کی واللہ اعلم وجہ یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ نے اس جیسی جگہوں کے متعلق جو طرزِ عمل اختیار کیا تھا، اس کی مخالفت کی جائے (الاستذکار)

پھر کچھ آگے چل کر حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں:

وفی حديث مالک هذا ما يعارض ذلک الحديث وقد مضى فی هـذا الـمعنى ما فيه شفاء والحمد لله...... وفيه التبرک بالمواضع التی صلى فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم ووطئها وقام عليها وأدخل مالک هذا الحديث بإثر الذی قبله والله أعلم ليبين لک أن معنى هذا الحديث مخالف للذی قبله.

والتبـرک والتـأسی بأفعال رسول الله صلى الله عليه وسلم إيمان وتـصديق وحب فی الله ورسوله (الاستذكار، ج۲، ص ۳۶۱، كتاب الصلاة، جامع الصلاة)

ترجمہ: اور اس امام مالک کی نقل کردہ (حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ والی) حدیث میں اس حدیث کا معارضہ پایا جاتا ہے (جو پیچھے گزری) اور اس کا مطلب جس میں شفاء کا سامان ہے الحمد للہ گزر چکا ہے۔......

اور اس (حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ والی) حدیث میں ان مواضع سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت پایا جاتا ہے، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہو، اور وہاں تشریف فرما ہوئے ہوں، اور وہاں کھڑے ہوئے ہوں،

اور امام مالک نے اس حدیث کو اس سے پہلی حدیث کے بعد واللہ اعلم اس لیے داخل کیا ہے، تاکہ آپ کو اس حدیث کا مطلب اس سے پہلی حدیث کے مخالف معلوم ہو جائے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کے ساتھ تبرک اور برکت حاصل کرنا دراصل ایمان لانا اور تصدیق کرنا اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت کرنا ہے (الاستذکار)

ابنِ عبدالبر کا یہ کلام علامہ ابنِ رجب حنبلی کی ''فتح الباری'' کے حوالہ سے بھی پہلے گزر چکا ہے۔

قاضی ابوبکر ابنِ عربی مالکی کا حوالہ

قاضی ابوبکر ابنِ عربی مالکی (المتوفیٰ: 543ہجری) ''مؤطا امام مالک'' کی شرح میں فرماتے ہیں:

قال علماؤنا :إنـما منع من أن يصلى إلى قبره، فسائر آثاره أحرى بذلك .وقد كره مالك وغيره من أهل العلم طلب موضع الشجرة التى بويع تحتها رسول الله -صلى الله عليه وسلم -بيعة الرضوان، وأن ذلك -والله أعلم -مخافة لئلا يتخذ موضع عبادة كـمـا فعلت اليهود والنصارى فى مثل هذا (المسالِك فی شرح مُوَطَّأ مالک، ج۳،ص ۲۲۰، کتاب الصلاۃ ،جامع الصلاۃ)

ترجمہ: ہمارے علماء نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی طرف نماز پڑھنے سے منع کیا جائے گا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آثار اسی لائق ہیں، اور امام مالک اور دیگر اہلِ علم نے اس درخت کی جگہ کے تلاش کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے، جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعتِ رضوان کی تھی، اور واللہ اعلم اس کی وجہ یہ خوف ہے تاکہ اس کو عبادت کی جگہ نہ بنا لیا جائے، جس طرح یہود

ونصاریٰ نے اس قسم کی جگہوں میں کیا تھا(المسالک)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ متعدد مالکی اصحابِ علم کے نزدیک اتفاقی یا غیر ضروری آ ثار کا اتباع اوران کا تتبع مکروہ ہے، اوراس کی وجہ، خودان مقامات میں فی الجملہ برکت کا نہ ہونا نہیں، بلکہ اس کوعبادت کی جگہ بنالینے کا خوف ہے،جس خوف کی نشاندہی خودحضرت عمررضی اللہ عنہ فرما چکے ہیں۔

محمد بن مفلح مقدسی حنبلی کا حوالہ

محمد بن مفلح مقدسی حنبلی (المتوفی:762ہجری) فرماتے ہیں:

ونقل ابن القاسم وسندى أن أحمد سئل عن الرجل يأتى المشاهد ويذهب إليها ترى ذلك قال أما على حديث ابن مكتوم أنه سأل النبى صلى الله عليه وسلم أن يصلى فى بيته حتى يتخذ ذلك مصلى وعلى نحو ما كان يفعل ابن عمر يتبع مواضع النبى صلى الله عليه وسلم وأثره فليس بذلك بأس إلا أن الناس أفرطوا فى هذا جدا وأكثروا .

قال ابن القاسم فذكر قبر الحسين وما يفعل الناس عنده،وحكى شيخنا وجها: يجب السفر المنذور إلى المشاهد, ومراده والله أعلم اختيار صاحب الرعاية .

وقال شيخنا أيضا: ما شرع جنسه والبدعة اتخاذه عادة كأنه واجب كصلاة وقرائة "ودعاء "وذكر جماعة وفرادى وقصد بعض المشاهد ونحوه يفرق بين الكثير الظاهر منه والقليل الخفى والمعتاد وغيره (الفروع وتصحيح الفروع،ج٥،ص١٥٥،١٥٦، كتاب الصوم،باب الإعتكاف ،فصل من نذر الإعتكاف أو الصلاة فى أحد المساجد الثلاثة)

ترجمہ: اور ابنِ قاسم اور سندی نے نقل کیا ہے کہ امام احمد سے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا، جو مشاہد میں آمد ورفت کرتا ہے کہ آپ اس بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں، تو امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابنِ امِ مکتوم (بلکہ حضرت عتبان بن مالک، ناقل) کی اس حدیث کی بناء پر کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گھر میں نماز پڑھنے کا سوال کیا، تاکہ وہ اس کو مصلیٰ بنالیں۔

اور اس طرح حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کی وجہ سے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مواضع اور آپ کے آثار کا تتبع (وجستجو) کیا کرتے تھے، پس اس حد تک تو کوئی حرج نہیں، لیکن لوگوں نے اس میں بہت زیادہ افراط کرلیا، اور تکثیر اختیار کرلی۔

ابن القاسم کہتے ہیں کہ امام احمد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قبر اور اس کے قریب لوگوں کے طرزِ عمل کو مثال میں ذکر کیا، اور ہمارے شیخ نے ایک اور وجہ ذکر کی ہے کہ مشاہد کی طرف جس سفر کی نذر مانی جائے، اس کو پورا کرنا واجب ہے، اور ان کی مراد واللہ اعلم صاحب الرعایۃ کا اختیار کردہ قول ہے۔

اور ہمارے شیخ نے یہ بھی فرمایا کہ جس کی جنس مشروع ہو، اس کو عادت بنانا بدعت ہے، گویا کہ وہ واجب ہے، جیسے کہ نماز اور قرائت اور دعاء، اور جماعت کے ساتھ اور تنہا ذکر، اور بعض مشاہد کا قصد وغیرہ، ان میں کثیر کے درمیان جو ظاہر ہو اور قلیل کے درمیان جو مخفی ہو، اور معتاد اور غیر معتاد کے درمیان میں فرق کیا جائے گا (یعنی ان سب کا الگ الگ حکم ہوگا) (الفروع)

اس سے معلوم ہوا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عتبان بن مالک اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے واقعات کی بنیاد پر مشاہد میں حاضر ہونے اور وہاں نماز پڑھنے کو فی نفسہٖ جائز قرار دیا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ لوگوں کی طرف سے اس میں غلو، تکثیر اور منکرات شامل

کر لیے گئے ہیں، اس لیے ان صورتوں میں حسبِ منکر کراہت وممانعت ہوگی۔

اسی وجہ سے بعض حنابلہ نے انبیاء کے آثار وغیرہ میں کبھی کبھی آنے کو جائز اور عادت بنا لینے کو ناجائز قرار دیا، جبکہ بعض نے خواص کے کبھی کبھی مخفی طریقہ پر آنے کو جائز قرار دیا، کیونکہ اس صورت میں عوام کے لیے راستہ نہیں کھلتا، جو مفاسد کا ارتکاب کرتے ہیں، اور ظاہری طریقہ پر یا کثرت کے ساتھ آمد ورفت سے راستہ کھلتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان سب اقوال کی بنیاد مفاسد کا سدّ باب اور خاتمہ ہے، جس نے جس صورت میں مفسدہ کا خاتمہ اپنے اجتہاد میں سمجھا، اس نے اس صورت کو ہی جائز قرار دیا، اور مقصود سب کا ایک ہی ہے، اور اس سلسلہ میں فقہی قاعدہ کا پہلے ذکر گزر چکا ہے۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی کا حوالہ

محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان تمیمی نجدی (المتوفی 1206ہجری) فرماتے ہیں:

الصلاة فی آثار الأنبیاء إذا مر بها (ولم یکثر منه) لیس من الغلو المذموم (بعض فوائد صلح الحدیبیة،السابعة والأربعون،مطبوع ضمن مؤلفات الشیخ محمد بن عبد الوهاب، الجزء الثانی عشر)

ترجمہ: آثارِ انبیاء والے مقامات سے گزرتے ہوئے ان مقامات پر نماز پڑھنا، جبکہ کثرت کے ساتھ نہ ہو، مذموم غلو میں داخل نہیں (بعض فوائد صلح حدیبیہ)

محمد بن عبدالوہاب نجدی نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور امام احمد رحمہ اللہ کی اتباع میں آثارِ انبیاء میں نماز پڑھنے کو جائز اور مذموم غلو سے خارج قرار دیا، مگر دو شرطوں کے ساتھ، ایک تو یہ کہ وہاں سے گزر رہا ہو، اور دوسرے یہ کہ کثرت سے اس عمل کو اختیار نہ کرے، بلکہ اتفاقاً ایسا کرے، اور اس کی وجہ وہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وہاں سے گزرتے ہوئے نماز پڑھی تھی، اور اس کو عادت نہیں بنایا تھا، بلکہ اتفاق سے یہ عمل کیا تھا۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا حوالہ

آج کل بعض اہلِ علم حضرات کی طرف سے متبرک مقامات اور انبیاء کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کے مسئلہ میں علامہ ابنِ تیمیہ اور ان کی اتباع میں اہلِ نجد کو اس کا منکر سمجھا جاتا ہے، اور اس کے نتیجہ میں اس مسئلہ کے اندر بحث ومباحثہ کو طول دیا جاتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں علامہ ابنِ تیمیہ کے اصل موقف کو بھی ملاحظہ کرلیا جائے، علامہ ابنِ تیمیہ نے اس مسئلہ پر تفصیلی کلام کیا ہے، اور ان کی تفصیلی عبارات ملاحظہ کیے بغیر، ان کے اصل موقف کو سمجھنا مشکل ہے۔

اس لیے اس سلسلہ میں ان کی تفصیلی عبارات مع ترجمہ کے نقل کی جاتی ہیں۔

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

لم يكن جمهورهم يقصدون الصلاة فى مكان لم يقصد الرسول الصلاة فيه بل نزل فيه أو صلى فيه اتفاقا بل كان أئمتهم كعمر بن الخطاب وغيره ينهى عن قصد الصلاة فى مكان صلى فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم اتفاقا لا قصدا وإنما نقل عن ابن عمر خاصة أنه كان يتحرى أن يسير حيث سار رسول الله صلى الله عليه وسلم وينزل حيث نزل ويصلى حيث صلى وإن كان النبى صلى الله عليه وسلم لم يقصد تلك البقعة لذلك الفعل بل حصل اتفاقا وكان ابن عمر رضى الله عنهما رجلا صالحا شديد الاتباع فرأى هذا من الاتباع . وأما أبوه وسائر الصحابة من الخلفاء الراشدين عثمان وعلى وسائر العشرة وغيرهم مثل ابن مسعود ومعاذ بن جبل وأبى بن كعب فلم يكونوا يفعلون ما فعل

ابن عمر وقول الجمهور أصح.

وذلك أن المتابعة أن يفعل مثل ما فعل على الوجه الذى فعل لأجل أنه فعل .

فإذا قصد الصلاة والعبادة فى مكان معين كان قصد الصلاة والعبادة فى ذلك المكان متابعة له وأما إذا لم يقصد تلك البقعة فإن قصدها يكون مخالفة لا متابعة له.

مثال الأول لما قصد الوقوف والذكر والدعاء بعرفة ومزدلفة وبين الجمرتين كان قصد تلك البقاع متابعة له وكذلك لما طاف وصلى خلف المقام ركعتين كان فعل ذلك متابعة له وكذلك لما صعد على الصفا والمروة للذكر والدعاء كان قصد ذلك متابعة له وقد كان سلمة بن الأكوع يتحرى الصلاة عند الأسطوانة قال لأنى رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يتحرى الصلاة عندها فلما رآه يقصد تلك البقعة لأجل الصلاة كان ذلك القصد للصلاة متابعة وكذلك (لما أراد عتبان بن مالك أن يبنى مسجدا لما عمى فأرسل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم قال له إنى أحب أن تأتينى تصلى فى منزلى فاتخذه مصلى وفى رواية فقال تعال فخط لى مسجدا فأتى النبى صلى الله عليه وسلم ومن شاء من أصحابه وفى رواية فغدا على رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبو بكر الصديق حين ارتفع النهار فاستأذن رسول الله صلى الله عليه وسلم فأذنت له فلم يجلس حتى دخل البيت فقال أين تحب أن أصلى من بيتك؟ فأشرت له إلى ناحية

من البيت فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فقمنا ورائه فصلى ركعتين ثم سلم) . الحديث .

فإنه قصد أن يبنى مسجدا وأحب أن يكون أول من يصلى فيه النبى صلى الله عليه وسلم وأن يبنيه فى الموضع الذى صلى فيه فالمقصود كان بناء المسجد وأراد أن يصلى النبى صلى الله عليه وسلم فى المكان الذى يبنيه فكانت الصلاة مقصودة لأجل المسجد لم يكن بناء المسجد مقصودا لأجل كونه صلى فيه اتفاقا وهذا المكان مكان قصد النبى صلى الله عليه وسلم الصلاة فيه ليكون مسجدا فصار قصد الصلاة فيه متابعة له بخلاف ما اتفق أنه صلى فيه بغير قصد(مجموع الفتاوى،لابن تيمية) [1]

ترجمہ: جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایسی جگہ میں نماز کا قصد نہیں فرماتے تھے، جس جگہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا قصد نہ کیا ہو، اور اس جگہ میں اتفاق سے نزول کیا ہو، یا اتفاق سے نماز پڑھی ہو، بلکہ بڑے اور پیش رَو صحابۂ کرام جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب وغیرہ، ایسی جگہ نماز کے قصد سے منع فرماتے تھے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقاً نماز پڑھی ہو، اس جگہ کا قصد کر کے نماز نہ پڑھی ہو، البتہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے خصوصیت کے ساتھ یہ بات منقول ہے کہ وہ اس چیز کا اہتمام کرتے تھے کہ اس مقام سے چلیں، جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے تھے، اور اس جگہ نزول کریں، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول کیا تھا، اور وہاں نماز پڑھیں، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی، اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاص جگہ کے لیے

---

[1] ج۱۷،ص۴۶۶ الیٰ ۴۶۸،تفسير سورة الإخلاص، الصحابة ايضاً سددوا على الناس ابواب الشرك.

اس فعل (یعنی نزول کرنے یا نماز پڑھنے) کا قصد نہ کیا ہو، بلکہ اتفاق سے یہ چیز حاصل ہوگئی ہو، اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نیک صالح شخص تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع شدت سے کیا کرتے تھے، تو انہوں نے اس عمل کو اتباع میں داخل سمجھا، لیکن ان کے والد ماجد اور تمام صحابہ یعنی خلفائے راشدین حضرت عثمان اور حضرت علی اور تمام عشرۂ مبشرہ وغیرہ، مثلاً ابنِ مسعود اور معاذ بن جبل اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم ، وہ فعل اختیار نہیں کرتے تھے، جو ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے اختیار فرمایا، اور جمہور صحابۂ کرام کا قول اصح (یعنی زیادہ صحیح) ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ متابعت یا اتباع کی حقیقت یہ ہے کہ ''فعل اس طرح کرے، جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے، اس طریقہ سے کرے، جس طریقہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے، اس وجہ سے کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے''

پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی متعین جگہ میں نماز اور عبادت کا قصد کیا، تو اس جگہ میں نماز اور عبادت کا قصد کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اور اتباع کہلائے گا، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ میں نماز وعبادت کا قصد نہیں کیا، تو اس میں نماز وعبادت کا قصد کرنا مخالفت کہلائے گا، نبی کی متابعت نہیں کہلائے گا۔

پہلے کی مثال یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ اور مزدلفہ میں اور جمرتین کے درمیان وقوف اور ذکر اور دعاء کا قصد کیا، تو ان مقامات کا قصد کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کہلائے گا، اور اسی طریقہ سے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف فرمایا، اور مقامِ ابراہیم کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں، تو یہ عمل کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کہلائے گا، اور اسی طریقہ سے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم صفا پر اور

مروہ پر ذکر اور دعاء کے لیے تشریف لے گئے، تو اس کا قصد کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کہلائے گا، اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ (مسجدِ نبوی میں) ستون کے سامنے نماز پڑھنے کی کوشش کیا کرتے تھے، جس کے متعلق انہوں نے یہ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے سامنے نماز پڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے دیکھا ہے، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے لیے اس جگہ کا قصد کرتے ہوئے دیکھا، تو اس جگہ کا نماز کے لیے قصد کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کہلائے گا، اور اسی طریقہ سے جب حضرت عتبان بن مالک نے مسجد بنانے کا ارادہ کیا، جب وہ نابینا ہو گئے تھے، تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ تشریف لا کر میرے گھر میں نماز پڑھیں، جس کو میں مصلیٰ بنالوں، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ آ کر میرے لیے مسجد کا خط کھینچ دیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ میں سے جنہوں نے چاہا، وہ تشریف لائے، اور ایک روایت میں ہے کہ اگلے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی، جب دن چڑھ گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت طلب کی، اور میں نے ان کو اجازت دی، تو گھر میں داخل ہونے کے بعد بیٹھنے سے پہلے ہی فرمایا کہ آپ اپنے گھر میں کس جگہ چاہتے ہیں کہ میں نماز پڑھوں؟ تو میں نے گھر کے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے، اور ہم بھی آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے، پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر سلام پھیرا، حدیث کے آخر تک۔

پس حضرت عتبان نے مسجد بنانے کا ارادہ کیا، اور یہ چاہا کہ اس میں سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھیں، اور وہ اس جگہ کو نماز کے لیے مختص کریں، جس میں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھیں، پس مقصود مسجد کا بنانا ہوا، اور یہ ارادہ کرنا ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ میں نماز پڑھیں، جس کو وہ مسجد بنائیں، پس مسجد بنانے کے لیے نماز مقصود ہوگئی، مسجد بنانا اس لیے مقصود نہیں ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اتفاقاً نماز پڑھی تھی، بلکہ یہ وہ جگہ ہے، جس جگہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے کا اس لیے قصد کیا تھا، تاکہ وہ (یعنی نماز پڑھنے کی جگہ) مسجد ہو جائے، پس اس میں نماز کا قصد کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کہلائے گا، برخلاف اس جگہ کے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر قصد کے نماز پڑھی ہو (مجموع الفتاویٰ)

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کا موقف، جس کو وہ اختیار کرتے اور راجح سمجھتے ہیں، ان کی مذکورہ عبارت سے واضح ہوگیا کہ ایسے مقامات پر جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقاً نماز پڑھی ہو، خاص اس جگہ کو نماز پڑھنے کے لیے اپنا مقصد نہ بنایا ہو، وہاں نماز پڑھنے کا قصد نہیں کیا جائے گا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا قصد نہیں کیا، البتہ قصد کیے بغیر اتفاقاً نماز پڑھے، تو حرج نہ ہوگا، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس طرح کیا تھا، اور اس کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے ہوتی ہے، یہی موقف امام طحاوی، علامہ ابنِ رجب اور بعض مالکیہ کا بھی ہے جیسا کہ گزرا۔

بے شک کسی کو علامہ ابنِ تیمیہ کے مذکورہ موقف سے اتفاق نہ ہو، اور وہ اس کے جواب میں یہ کہے کہ ہمارا اس جگہ نماز پڑھنا اس بناء پر نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں نماز کا قصد کیا تھا، بلکہ اس بناء پر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بس وہاں نماز پڑھی تھی، یا قیام ونزول وغیرہ کیا تھا، جس کی وجہ سے وہاں برکت ہوگئی تھی، اور اصل مقصد یہاں صرف اللہ کی عبادت کر کے برکت کا حصول ہے، نہ کہ وہاں نماز پڑھنے یا نزول وغیرہ کرنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قصد وارادہ کی اتباع کرنا، اور انبیاء کے آثار میں برکت کا ہونا مسلّم ہے۔

لیکن بہرحال علامہ ابنِ تیمیہ کا اس سلسلہ میں اپنا موقف بھی ایک شرعی واجتہادی دلیل پر مبنی ہے، اور وہ اس عمل کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے پہلو سے دیکھتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ اگر اس کے نزدیک مسئلہ ہٰذا میں قابلِ اتباع وقابلِ تقلید نہیں، تو اسے علامہ ابنِ تیمیہ کو قابلِ ملامت بھی نہیں سمجھنا چاہئے، کیونکہ مسئلہ مجتہد فیہا ہے، جس میں اس طرح کا اختلاف قابلِ مذمت وقابلِ ملامت نہیں ہوتا۔

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''اقتضاء الصراط المستقیم ''میں انبیاء وصالحین کے آثار ومقامات سے متعلق زیادہ تفصیل بیان فرمائی ہے، اس سلسلہ میں ان کی تفصیلی عبارت اور اس کا ترجمہ ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

فرماتے ہیں:

فصل :فأما مقامات الأنبياء والصالحين وهى الأمكنة التى قاموا فيها أو أقاموا أو عبدوا الله سبحانه فيها لكنهم لا يتخذوها مساجد . فالذى بلغنى فى ذلك قولان عن العلماء المشهورين.

أحدهما النهى عن ذلك وكراهته وأنه لا يستحب قصد بقعة للعبادة إلا أن يكون قصدها للعبادة مما جاء به الشرع مثل أن يكون النبى صلى الله عليه و سلم قصدها للعبادة كما قصد الصلاة فى مقام إبراهيم وكما كان يتحرى الصلاة عند الأسطوانة وكما يقصد المساجد للصلاة ويقصد الصف الأول ونحو ذلك.

والقول الثانى أنه لا بأس باليسير من ذلك كما نقل عن ابن عمر أنه كان يتحرى قصد المواضع التى سلكها النبى صلى الله عليه و سلم وإن كان النبى قد سلكها اتفاقا لا قصدا .

قال سندى الخواتيمى سألنا أبا عبد الله عن الرجل يأتى هذه

المشاهد يذهب إليها ترى ذلك قال أما على حديث ابن أم مكتوم أنه سأل النبى صلى الله عليه و سلم أن يصلى فى بيته حتى يتخذ ذلك مصلى وعلى ما كان يفعله ابن عمر يتتبع مواضع النبى صلى الله عليه و سلم وأثره فليس بذلك بأس أن يأتى الرجل المشاهد إلا أن الناس قد أفرطوا فى هذا جدا وأكثروا فيه . وكذلك نقل عنه أحمد بن القاسم أنه سئل عن الرجل يأتى هذه المشاهد التى بالمدينة وغيرها يذهب إليها فقال أما على حديث ابن أم مكتوم وأنه سأل النبى صلى الله عليه و سلم أن يأتيه فيصلى فى بيته حتى يتخذه مسجدا أو على ما كان يفعل ابن عمر كان يتتبع مواضع سير النبى صلى الله عليه و سلم حتى إنه رؤى يصب فى موضع الماء فسئل عن ذلك فقال كان النبى صلى الله عليه و سلم يصب ههنا ماء قال أما على هذا فلا بأس قال ورخص فيه ثم قال ولكن قد أفرط الناس جدا وأكثروا فى هذا المعنى فذكر قبر الحسين وما يفعل الناس عنده رواهما الخلال فى كتاب الأدب.

فقد فصل أبو عبد الله فى المشاهد وهى الأمكنة التى فيها آثار الأنبياء والصالحين من غير أن تكون مساجد لهم كمواضع بالمدينة بين القليل الذى لا يتخذونه عيدا والكثير الذى يتخذونه عيدا كما تقدم.

وهذا التفصيل جمع فيه بين الآثار وأقوال الصحابة فإنه قد روى البخارى فى صحيحه عن موسى بن عقبة قال رأيت سالم بن عبد الله يتحرى أماكن من الطريق ويصلى فيها ويحدث أن أباه كان

يصلى فيها وأنه رأى النبى صلى الله عليه و سلم يصلى فى تلك الأمكنة قال موسى وحدثنى نافع أن ابن عمر كان يصلى فى تلك الأمكنة .

فهذا ما رخص فيه أحمد رضى الله عنه .

وأما ما كرهه فروى سعيد بن منصور فى سننه حدثنا أبو معاوية حدثنا الأعمش عن معرور بن سويد عن عمر رضى الله عنه قال خرجنا معه فى حجة حجها فقرأ بنا فى الفجر ب ألم تر كيف فعل ربك بأصحاب الفيل و لئيلاف قريش فى الثانية فلما رجع من حجته رأى الناس ابتدروا المسجد فقال ما هذا قالوا مسجد صلى فيه رسول الله صلى الله عليه و سلم فقال هكذا هلك أهل الكتاب قبلكم أتخذوا آثار أنبيائهم بيعا من عرضت له منكم الصلاة فيه فليصل ومن لم تعرض له الصلاة فليمض .

فقد كره عمر رضى الله عنه اتخاذ مصلى النبى صلى الله عليه و سلم عيدا وبين أن أهل الكتاب إنما هلكوا بمثل هذا.

وفى رواية عنه أنه رأى الناس يذهبون مذاهب فقال أين يذهب هؤلاء فقيل يا أمير المؤمنين مسجد صلى فيه النبى صلى الله عليه و سلم فهم يصلون فيه فقال إنما هلك من كان قبلكم بمثل هذا كانوا يتتبعون آثار أنبيائهم ويتخذونها كنائس وبيعا فمن أدركته الصلاة منكم فى هذه المساجد فليصل ومن لا فليمض ولا يتعمدها.

وروى محمد بن وضاح وغيره أن عمر بن الخطاب أمر بقطع

الشجرة التى بويع تحتها النبى صلى الله عليه و سلم بيعة الرضوان لأن الناس كانوا يذهبون تحتها فخاف عمر الفتنة عليهم.

وقد اختلف العلماء رضى الله عنهم فى إتيان تلك المشاهد .

فقال محمد بن وضاح كان مالك وغيره من علماء المدينة يكرهون إتيان تلك المساجد وتلك الآثار التى بالمدينة ما عدا قبا واحدا ودخل سفيان الثورى بيت المقدس وصلى فيه ولم يتتبع تلك الآثار ولا الصلاة فيها.

فهؤلاء كرهوها مطلقا لحديث عمر رضى الله عنه هذا لأن ذلك يشبه الصلاة عند المقابر إذ هو ذريعة إلى اتخاذها أعيادا وإلى التشبه بأهل الكتاب ولأن ما فعله ابن عمر لم يوافقه عليه أحد من الصحابة فلم ينقل عن الخلفاء الراشدين ولا عن غيرهم من المهاجرين والأنصار أن أحدا منهم كان يتحرى قصد الأمكنة التى نزلها النبى صلى الله عليه و سلم.

والصواب مع جمهور الصحابة لأن متابعة النبى صلى الله عليه و سلم تكون بطاعة أمره وتكون فى فعله بأن يفعل مثل ما فعل على الوجه الذى فعله فإذا قصد النبى صلى الله عليه و سلم العبادة فى مكان كان قصد العبادة فيه متابعة له كقصد المشاعر والمساجد .

وأما إذا نزل فى مكان بحكم الاتفاق لكونه صادف وقت النزول أو غير ذلك مما يعلم أنه لم يتحر ذلك المكان فإنا إذا تحرينا ذلك المكان لم نكن متبعين له فإن الأعمال بالنيات.

واستحبّ آخرون من العلماء المتأخرين إتيانها وذكر طائفة المصنفين من أصحابنا وغيرهم فى المناسک استحباب زيارة هذه المشاهد وعدوا منها مواضع وسموها .

وأما أحمد فرخص منها فيما جاء به الأثر من ذلک إلا إذا اتخذت عيدا مثل أن تنتاب لذلک ويجتمع عندها فى وقت معلوم كما يرخص فى صلاة النساء فى المساجد جماعات وإن كانت بيوتهن خيرا لهن إلا إذا تبرجن وجمع بذلک بين الآثار واحتج بحديث ابن أم مكتوم.

ومثله ما أخرجاه فى الصحيحين عن عتبان بن مالک قال كنت أصلى لقومى بنى سالم فأتيت النبى صلى الله عليه و سلم فقلت إنى أنكرت بصرى وإن السيول تحول بينى وبين مسجد قومى فلوددت أنک جئت فصليت فى بيتى مكانا حتى أتخذه مسجدا فقال أفعل إن شاء الله فغدا على رسول الله صلى الله عليه و سلم وأبو بكر معه بعد ما اشتد النهار فاستأذن النبى صلى الله عليه وسلم فأذنت له فلم يجلس حتى قال أين تحب أن أصلى من بيتک فأشرت له إلى المكان الذى أحب أن يصلى فيه فقام رسول الله صلى الله عليه و سلم فكبر وصففنا وراء ہ فصلى ركعتين ثم سلم وسلمنا حين سلم.

ففى هذا الحديث دلالة على أن من قصد أن يبنى مسجده فى موضع صلاة رسول الله صلى الله عليه و سلم فلا بأس به وكذلک قصد الصلاة فى موضع صلاته.

ولكن هذا كان أصل قصده بناء مسجد فأحب أن يكون موضعا يصلى له فيه النبى صلى الله عليه و سلم ليكون النبى صلى الله عليه و سلم هو الذى يرسم المسجد بخلاف مكان صلى فيه النبى صلى الله عليه و سلم اتفاقا فاتخذ مسجدا لا لحاجة إلى المسجد لكن لأجل صلاته فيه.

فأما الأمكنة التى كان النبى صلى الله عليه و سلم يقصد الصلاة والدعاء عندها فقصد الصلاة أو الدعاء فيها سنة اقتداء برسول الله صلى الله عليه و سلم واتباعا له كما إذا تحرى الصلاة أو الدعاء فى وقت من الأوقات فإن قصد الصلاة أو الدعاء فى ذلك الوقت سنة كسائر عباداته وسائر الأفعال التى فعلها على وجه التقرب

ومثل هذا ما أخرجاه فى الصحيحين عن يزيد بن أبى عبيد قال كان سلمة بن الأكوع يتحرى الصلاة عند الأسطوانة التى عند المصحف فقلت له يا أبا مسلم أراك تتحرى الصلاة عند هذه الأسطوانة قال رأيت النبى صلى الله عليه و سلم يتحرى الصلاة عندها.

وفى رواية لمسلم عن سلمة بن الأكوع أنه كان يتحرى الصلاة فى موضع المصحف يسبح فيه وذكر أن النبى صلى الله عليه و سلم كان يتحرى ذلك المكان وكان بين المنبر والقبلة قدر ممر الشاة

وقد ظن بعض المصنفين أن هذا مما اختلف فيه وجعله والقسم

الأول سـواء ،وليس بجيد فإنه هنا قد أخبر أن النبى صلى الله عليه و سلم كان يتحرى البقعة فكيف لا يكون هذا القصد مستحبا.

نـعـم إيطان بقعة فى المسجد لا يصلى إلا فيها منهى عنه كما جاء ت به السنة والإيطان ليس هو التحرى من غير إيطان.

فيـجب الفرق بين اتباع النبى صلى الله عليه و سلم والاستنان به فيما فعله وبين ابتداع بدعة لم يسنها لأجل تعلقها به.

وقـد تـنازع العلماء فيما إذا فعل رسول الله صلى الله عليه و سلم فـعـلا مـن المباحات لسبب وفعلناه نحن تشبها به مع انتفاء ذلك السبب فمنهم من يستحب ذلك ومنهم من لا يستحبه.

وعـلـى هذا يخرج فعل ابن عمر رضى الله عنهما فإن النبى صلى الـلـه عليه و سلم كان يصلى فى تلك البقاع التى فى طريقه لأنها كانت منزله لم يتحر الصلاة فيها لمعنى فى البقعة

فنظير هذا أن يصلى المسافر فى منزله وهذا سنة

فـأمـا قـصد الصلاة فى تلك البقاع التى صلى فيها اتفاقا فهذا لم ينقل عن غير ابن عمر من الصحابة بل كان أبو بكر وعمر وعثمان وعـلـى وسـائر السابقين الأولين من المهاجرين والأنصار يذهبون مـن الـمـديـنة إلـى مـكة حجاجا وعمارا أو مسافرين ولم ينقل عن أحـد مـنهـم أنه تحرى الصلاة فى مصليات النبى صلى الله عليه و سلم.

ومـعـلـوم أن هـذا لـو كان عندهم مستحبا لكانوا إليه أسبق فإنهم أعـلـم بسـنتـه وأتبـع لها من غيرهم وقد قال صلى الله عليه و سلم

عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدى تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات الأمور فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة.

وتحرى هذا ليس من سنة الخلفاء الراشدين بل هو مما ابتدع وقول الصحابى وفعله إذا خالفه نظيره ليس بحجة فكيف إذا انفرد به عن جماهير الصحابة.

وأيضا فإن تحرى الصلاة فيها ذريعة إلى اتخاذها مساجد والتشبه بأهل الكتاب مما نهينا عن التشبه بهم فيه وذلك ذريعة إلى الشرك بالله والشارع قد حسم هذه المادة بالنهى عن الصلاة عند طلوع الشمس وعند غروبها وبالنهى عن اتخاذ القبور مساجد فإذا كان قد نهى عن الصلاة المشروعة فى هذا المكان وهذا الزمان سدا للذريعة فكيف يستحب قصد الصلاة والدعاء فى مكان اتفق قيامهم فيه أو صلاتهم فيه من غير أن يكونوا قد قصدوه للصلاة فيه والدعاء فيه ولو ساغ هذا لاستحب قصد جبل حراء والصلاة فيه وقصد جبل ثور والصلاة فيه وقصد الأماكن التى يقال إن الأنبياء قاموا فيها كالمقامين اللذين بجبل قاسيون بدمشق اللذين يقال إنهما مقام إبراهيم وعيسى والمقام الذى يقال إنه مغارة دم قابيل وأمثال ذلك من البقاع التى بالحجاز والشام وغيرهما.

ثم ذلك يفضى إلى ما أفضت إليه مفاسد القبور فإنه يقال إن هذا مقام نبى أو قبر نبى أو ولى بخبر لا يعرف قائله أو بمنام لا تعرف حقيقته ثم يترتب على ذلك اتخاذه مسجدا فيصير وثنا يعبد من

دون اللہ تعالی شرک مبنی علی إفک (اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفة أصحاب الجحیم، لابن تیمیة) [1]

ترجمہ: فصل: جہاں تک انبیاء وصالحین کے مقامات کا تعلق ہے، جس سے مراد وہ جگہیں ہیں، جن میں انہوں نے قیام کیا، یا اقامت اختیار کی، یا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عبادت کی، لیکن ان مقامات کو انہوں نے مساجد (یعنی عبادت گاہ) نہیں بنایا، پس اس سلسلہ میں مجھے مشہور علماء کے دوقول پہنچے ہیں۔

ایک اُن میں سے یہ ہے کہ اس سے منع کیا جائے گا، اور مکروہ قرار دیا جائے گا، اور کسی جگہ عبادت کرنے کا قصد مستحب نہیں ہوگا، مگر یہ کہ اس کا قصد ایسی عبادت کے لیے ہو، جس کے متعلق شریعت وارِد ہوئی ہے، مثلاً یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کا عبادت کے لیے قصد کیا ہو، جیسا کہ مقامِ ابراہیم میں نماز کا قصد کیا، اور جیسا کہ (مسجدِ نبوی میں) ستون کے قریب نماز کا اہتمام فرماتے تھے، اور جیسا کہ نماز کے لیے مساجد کا قصد کرتے تھے، اور صفِ اوّل کا قصد کرتے تھے، اور اس کے مثل (بعض دوسرے مواقع، بعض مالکیہ کا یہی قول ہے، امام طحاوی نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے، اور اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے اخذ کیا ہے، جیسا کہ گزرا)

اور دوسرا قول یہ ہے اگر یہ عمل ''یسیر'' انداز میں (یعنی کبھی کبھار اتفاق سے یا زیادہ تکلف واہتمام کے بغیر) کیا جائے، جیسا کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ اُن مقامات کے قصد کا اہتمام کرتے تھے، جن پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم چلے ہوں، اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اتفاقاً ان پر چلے ہوں، ان کا قصد کر کے نہ چلے ہوں۔

---

[1] ج۲ص ۲۷۱ الیٰ ۲۷۹، فصل فی مقامات الأنبیاء وحکم قصدها، أقوال العلماء وبیان القول الصحیح وأدلتہٗ.

سندی خواتیمی نے فرمایا کہ ہم نے ابوعبداللہ (امام احمد بن حنبل) سے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا، جوان مشاہد وآثار کی طرف آمدورفت کرے، آپ کی اس بارے میں کیارائے ہے؟

انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ابنِ ام مکتوم (بلکہ حضرت عتبان بن مالک، ناقل) کی حدیث کی بناء پر، جس میں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گھر میں نماز پڑھنے کا سوال کیا تھا، تاکہ وہ اس جگہ کو نماز کے لیے مختص کرلیں، اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل کی بناء پر کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مواضع اوراثر کو تلاش کیا کرتے تھے، تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی ان مشاہد وآثار میں آئے (ان کی زیارت کرے یا وہاں نماز پڑھے، بشرطیکہ کسی بدعت ومنکر کا ارتکاب نہ کرے)

لیکن لوگوں نے اس میں بہت غلواور تکثیر کردی ہے (یعنی ایک جائز عمل کواس کے درجہ سے بڑھادیا ہے، اوراس کا بہت زیادہ اہتمام وکثرت کرنے لگے ہیں، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کا اہتمام وکثرت ثابت نہیں)

اوراسی طرح ابوعبداللہ (یعنی امام احمد) سے احمد بن قاسم نے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا، جومدینہ وغیرہ کے مشاہد وآثار میں آمدورفت کرتا ہے؟ تو امام احمد نے جواب میں فرمایا کہ ابنِ امّ مکتوم (بلکہ حضرت عتبان بن مالک، ناقل) کی اُس حدیث کی بناء پر، جس میں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گھر میں آکر نماز پڑھنے، اوراس جگہ کو مصلیٰ بنانے کا سوال کیا تھا، یا حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے اس طرزِ عمل کی بناء پر کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کے مواضع کو تلاش کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ یہ بھی دیکھا گیا کہ وہ کسی جگہ میں پانی ڈال رہے تھے، جب حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے

میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ میں پانی ڈالا تھا۔

تو امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ اس بناء پر تو کوئی حرج نہیں، امام احمد نے اس سلسلہ میں گنجائش دی، لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ لوگوں نے اس سلسلہ میں بہت زیادہ غلو اور تکثیر کا اہتمام شروع کر دیا ہے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قبر اور اس کے پاس لوگ جو طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں، امام احمد نے اس کا بھی ذکر کیا (امام احمد کی) ان دونوں روایتوں کو خلاّل نے کتاب الادب میں روایت کیا ہے۔

پس ابو عبداللہ (یعنی امام احمد) نے مشاہد یعنی اُن جگہوں کے بارے میں، جن میں انبیاء اور صالحین کے آثار پائے جاتے ہیں، بغیر اس کے کہ وہاں ان کی مساجد و عبادت گاہیں ہوں، جیسا کہ مدینہ میں مختلف جگہیں ہیں، کم اور زیادہ کے درمیان تفصیل بیان فرمادی ہے، کم سے مراد یہ ہے کہ اس کو عید اور میلہ گاہ نہ بنائیں، اور زیادہ سے مراد یہ ہے کہ اس کو عید اور میلہ گاہ بنالیں۔

اور (امام احمد کی بیان کردہ) اس تفصیل میں تمام آثار اور صحابہ کے اقوال جمع ہو جاتے ہیں، کیونکہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں، موسیٰ بن عقبۃ سے روایت کیا ہے کہ میں نے سالم بن عبداللہ کو راستہ کی جگہوں کو تلاش کرتے ہوئے، اور ان میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اور وہ یہ بیان کرتے تھے کہ ان کے والد (یعنی حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ) ان مقامات میں نماز پڑھا کرتے تھے، اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مقامات میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا، موسیٰ کہتے ہیں کہ مجھے نافع نے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ، ان مقامات میں نماز پڑھا کرتے تھے۔

پس اس کی تو امام احمد رحمہ اللہ نے گنجائش دی ہے۔

اور جس غلو والے طرزِ عمل کو مکروہ قرار دیا، تو وہ سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ ہم سے ابومعاویہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے اعمش نے بیان کیا، معرور بن سوید کی سند سے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہم حج کرنے کے لیے نکلے، انہوں نے ہمیں فجر کی نماز (کی پہلی رکعت) میں ''الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل'' اور دوسری رکعت میں ''لایلاف قریش'' کی قرائت کر کے نماز پڑھائی، پھر جب اپنے حج سے لوٹے، تو لوگوں کو دیکھا کہ وہ ایک مسجد کی طرف اہتمام سے متوجہ ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے جواب میں کہا کہ یہ مسجد ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسی طرح تم سے پہلے اہلِ کتاب ہلاک ہو گئے تھے، جنہوں نے اپنے انبیاء کے آثار کو، عبادت گاہ بنالیا تھا، پس جس کو تم میں سے اس جگہ نماز کا وقت آ جائے، تو اسے چاہئے کہ وہ پڑھ لے، اور جسے نماز کا وقت نہ آئے، تو وہ (بغیر نماز پڑھے) گزر کر چلا جائے (اس میں زیادہ تکلف وغلو سے کام نہ لے)

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز والی جگہ کے عید بنانے کو مکروہ قرار دیا، اور واضح فرمادیا کہ اہلِ کتاب اس طرح کے طرزِ عمل کی وجہ سے ہلاک ہو گئے تھے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں مروی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو مخصوص جگہ میں جاتے ہوئے دیکھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معلوم کیا کہ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ جواب میں کہا گیا کہ اے امیر المومنین! جس جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، یہ لوگ اس میں نماز پڑھنے کے لیے جا رہے ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اس طرح کے (غلو کے)

طرزِ عمل کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئے تھے، وہ اپنے نبیوں کے آثار کی اتباع (اور ان کا پیچھا) کیا کرتے تھے، اوران کو عبادت گاہ اور کنیسہ بنالیا کرتے تھے، پس جو تم میں سے ان مقامات میں نماز (کا وقت) پالے، تو اسے چاہئے کہ نماز پڑھ لے، اور جو نہ پائے وہ (بغیر نماز پڑھے ویسے ہی) گزر جائے، اوراس کا قصد نہ کرے۔

اور محمد بن وضاح وغیرہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو کاٹنے کا حکم فرمادیا تھا، جس کے نیچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعتِ رضوان لی گئی تھی، کیونکہ لوگ اس کے نیچے جایا کرتے تھے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لوگوں پر فتنہ کا خوف ہوا۔

اور علمائے کرام رحمہم اللہ کا ان مشاہد اور مقامات میں آنے کے متعلق اختلاف ہے۔

پس محمد بن وضاح نے فرمایا کہ امام مالک اور دوسرے مدینہ کے علماء ان مساجد اور آثار میں (بالقصد جانے کو) جو مدینہ منورہ میں واقع ہیں، مکروہ قرار دیتے ہیں، سوائے مسجدِ قبا کے، اور حضرت سفیان ثوری بیت المقدس میں تشریف لے گئے، جس میں انہوں نے نماز پڑھی، لیکن نہ تو آثار کو تلاش کیا اور نہ ان آثار میں نماز پڑھی۔

پس ان حضرات نے (اس طرح کے آثار ومقامات میں بالقصد جانے کو) مطلقاً مکروہ قرار دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی وجہ سے، کیونکہ یہ (طرزِ عمل) قبروں کے قریب نماز پڑھنے کے مشابہ ہے، اور یہ ان مقامات کو عید اور میلہ گاہ بنانے اور اہلِ کتاب کی تشبہ کا ذریعہ ہے، اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل سے دیگر صحابۂ کرام نے موافقت نہیں فرمائی، چنانچہ خلفائے راشدین اور دیگر مہاجرین اور انصار صحابۂ کرام سے یہ منقول نہیں ہے کہ ان میں

سے کوئی، ان مقامات کا قصد کرتا ہو، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (اتفاقاً یا آتے جاتے وقت) نزول کیا۔

اور (ہمارے نزدیک اجتہادی) صواب جمہور صحابہ کے ساتھ ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کی اطاعت کے ساتھ ہوتی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل میں اس طرح ہوتی ہے کہ ''فعل اس طرح کرے، جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے، اس طریقہ سے کرے، جس طریقہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے''۔

پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی متعین جگہ میں عبادت کا قصد کیا، تو اس جگہ میں عبادت کا قصد کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اور اتباع کہلائے گا، جیسا کہ مشاعرِ مقدسہ (یعنی صفا، مروہ، منیٰ، مزدلفہ اور عرفات) اور مساجد کا (نماز و اعتکاف وغیرہ کے لیے) قصد کرنا، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جگہ اتفاق سے نزول کیا، مثلاً اس وجہ سے کہ نزول کے وقت نماز کا وقت ہوگیا تھا، یا اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے، جس سے یہ معلوم ہوجائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کا قصد واہتمام نہیں کیا، تو اگر ہم اس مکان کا قصد واہتمام کریں گے، تو ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والے نہیں کہلائیں گے، کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے (اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد وارادہ یا نیت سے ان مقامات میں آنا ثابت نہیں ہوا)

لیکن بعض دوسرے علمائے متاخرین نے ان مقامات وآثار میں آنے کو مستحب قرار دیا ہے، اور ہمارے اور دیگر اصحاب میں سے مناسک پر تصنیف کرنے والی ایک جماعت نے، ان مشاہد وآثار کی زیارت کو مستحب قرار دیا ہے، اور ان آثار و مقامات کو شمار کیا ہے، اور ان کے نام ذکر کیے ہیں۔

اور امام احمد رحمہ اللہ نے ان مقامات کے بارے میں گنجائش دی، جن کے بارے میں اثر وارد ہوا، لیکن جب اس کو عید اور میلہ گاہ بنالیا جائے، مثلاً اس میں پے در پے آیا جائے، اور کسی متعین وقت میں وہاں اجتماع کیا جائے، جیسا کہ عورتوں کی مساجد میں عورتوں کی باجماعت نماز کے بارے میں گنجائش دی جاتی ہے، اگرچہ ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہوتے ہیں، لیکن جب وہ بے پردگی کا مظاہرہ کریں (تو پھر گنجائش نہیں، اسی طرح یہاں بھی پے در پے آنے اور متعین اوقات میں اجتماع وغیرہ کی صورت میں گنجائش نہیں) پس امام احمد نے مختلف آثار میں جمع وتطبیق دے دی، اور ابنِ ام مکتوم کی حدیث سے دلیل پکڑی، اور اسی کے مثل صحیحین کی وہ حدیث بھی ہے، جو عتبان بن مالک سے مروی ہے کہ میں بنی سالم میں اپنی قوم کو نماز پڑھایا کرتا تھا، پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کرتا تھا، ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ میری آنکھوں کی بینائی چلی گئی ہے، اور میرے درمیان اور میری قوم کی مسجد کے درمیان (پانی اور کیچڑ وغیرہ کے) نالے حائل ہو جاتے ہیں، تو میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے گھر میں تشریف لا کر کسی جگہ نماز پڑھیں، جسے میں مسجد (یعنی مصلیٰ) بنالوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان شاء اللہ میں یہ عمل کروں گا، اگلے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن چڑھنے کے بعد تشریف لے گئے، اور آپ کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کی، میں نے ان کو اجازت دے دی، تو بیٹھنے سے پہلے ہی فرمایا کہ آپ اپنے گھر میں کس جگہ چاہتے ہیں کہ میں وہاں نماز پڑھوں؟ میں نے اس جگہ کی طرف اشارہ کیا، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کو میں چاہتا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، پھر آپ نے (نماز شروع کرنے کے لیے) تکبیر کہی، اور ہم نے آپ کے پیچھے

صف باندھی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعات پڑھائیں، پھر سلام پھیرا، اور ہم نے بھی آپ کے سلام کے وقت سلام پھیرا (یعنی ہم نے بھی آپ کی اقتداء میں یہ دو رکعات نفل پڑھیں)

پس اس حدیث میں اس بات کی دلیل پائی جاتی ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز والی جگہ میں مسجد بنانا (اور عبادت کرنا) چاہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور اسی طریقہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز والی جگہ میں، نماز کا قصد کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

لیکن اس واقعہ میں ان صحابی کا اصل مقصد مسجد (ومصلیٰ) بنانا تھا، تو انہوں نے یہ پسند کیا کہ اس جگہ مسجد (یعنی مصلیٰ) بنائیں، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھیں، تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی مسجد (یعنی مصلے) کو مختص (اور متعین) فرمادیں، برخلاف اس جگہ کے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقاً نماز پڑھی ہو، پھر اسے مسجد (یعنی عبادت گاہ) بنایا جائے، جبکہ اس جگہ کو مسجد (یعنی عبادت گاہ) بنانے کی ضرورت بھی نہ ہو، بلکہ صرف اس وجہ سے مسجد بنایا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ میں نماز پڑھی تھی (اس کا حکم اس سے مختلف ہونا چاہئے)

جہاں تک ان مقامات کا تعلق ہے، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بالقصد نماز پڑھی ہو، اور اس کے قریب بالقصد دعاء کی ہو، تو ان مقامات میں نماز یا دعاء کا قصد کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور آپ کی اتباع میں سنت ہوگا، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مخصوص وقت میں نماز یا دعاء کا قصد واہتمام کیا، تو اس وقت میں نماز یا دعاء کا قصد کرنا سنت ہوگا، جیسا کہ تمام عبادات اور ان تمام افعال کا معاملہ ہے، جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تقرب کے طور پر انجام دیا۔

اور اسی کے مثل صحیحین کی وہ حدیث بھی ہے، جو یزید بن ابی عبید سے مروی ہے کہ

سلمہ بن اکوع اس ستون کے قریب نماز پڑھنے کی کوشش کیا کرتے تھے، جو قرآن مجید کے رکھے جانے کی جگہ کے قریب تھا، میں نے ان سے عرض کیا کہ اے ابو مسلم! میں آپ کو اس ستون کے قریب نماز پڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے دیکھتا ہوں، تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے قریب نماز پڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

اور مسلم کی روایت میں سلمہ بن اکوع سے مروی ہے کہ وہ قرآن رکھے جانے کی جگہ میں نماز پڑھنے کی کوشش کیا کرتے تھے، جس میں نوافل پڑھا کرتے تھے، اور یہ بات ذکر کیا کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ میں نماز پڑھنے کی کوشش کیا کرتے تھے، اور یہ جگہ منبر اور قبلہ کے درمیان ایک بکری کے گزرنے کے بقدر فاصلہ پر تھی۔

اور بعض مصنفین نے یہ گمان کیا کہ یہ اختلافی مسئلہ ہے، اور اس کو اور پہلی قسم کو (جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کا قصد واہتمام نہ کیا ہو) انہوں نے برابر حکم دے دیا، جو کہ عمدہ طریقہ نہیں، کیونکہ یہاں حضرت سلمہ بن اکوع نے یہ خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ میں نماز کا اہتمام کیا کرتے تھے، پس اس کا قصد کرنا کیونکر مستحب نہیں ہوگا۔

البتہ مسجد کے اندر کسی جگہ کو اس طرح مختص کر لینا کہ اس کے علاوہ کسی اور جگہ نماز نہ پڑھے، یہ ممنوع ہے، جیسا کہ اس کے متعلق سنت میں ذکر آیا ہے، اور مختص کیے بغیر اس جگہ نماز کا اہتمام کرنا، اس میں داخل نہیں۔

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپ کے فعل کے سنت ہونے میں اور کسی عمل کے بدعت ہونے میں، جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت قرار نہیں دیا، اس (قصد واہتمام ہونے نہ ہونے کے) تعلق کی وجہ سے فرق کرنا ضروری ہے۔

اورعلماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سبب سے مباح کے طور پر انجام دیا، اور ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت کی بناء پر، اس سبب کے نہ ہونے کے وقت میں اس فعل کو کریں، تو اس کا کیا حکم ہے؟ بعض نے اس کو مستحب قرار دیا، اور بعض نے مستحب قرار نہیں دیا۔

اوراسی پر حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے طرزِ عمل کی تخریج کی جاتی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم راستے کے ان مقامات میں اس لیے نماز پڑھتے تھے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزول کی جگہ تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کے اندر کسی فضیلت کی بناء پر نماز پڑھنے کا اہتمام نہیں کیا، پس اس کی نظیر یہ ہے کہ مسافر اپنے گھر میں نماز پڑھ لے، اور یہ سنت ہے۔

لیکن ان مقامات میں نماز کا قصد کرنا، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقاً نماز پڑھی ہو، تو ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر صحابۂ کرام سے منقول نہیں، بلکہ حضرت ابوبکر، اور عمر، اور عثمان اور علی رضی اللہ عنہم، اور تمام سابقین، اولین، مہاجرین اور انصار، مدینہ سے مکہ کی طرف حج اور عمرہ کی غرض سے یا (کسی اور مقصد سے) سفر کرتے ہوئے تشریف لے جاتے تھے، لیکن ان میں سے کسی سے یہ منقول نہیں کہ اس نے (اس راستہ میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے والے مقامات میں نماز پڑھی ہو۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ اگر یہ طرزِ عمل صحابۂ کرام کے نزدیک مستحب ہوتا، تو وہ اس میں زیادہ سبقت کرتے، کیونکہ وہ سنت کو زیادہ جانتے تھے، اور دوسروں کے مقابلہ میں سنت کے زیادہ متبع تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر میری سنت، اور میرے بعد خلفائے راشدین مہدیین کی سنت لازم ہے، جس کو تم مضبوط پکڑلو، اور ان کو ڈاڑھ کی نوکوں سے دبالو، اور اپنے آپ کو دین میں نئے

کام ایجاد کرنے سے بچاؤ، کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اور اس (اتفاقی نزول یا اتفاقی نماز پڑھنے والی جگہ) کا قصد واہتمام کرنا خلفائے راشدین کی سنت نہیں ہے، بلکہ وہ بعد کے حضرات کا اختیار کردہ طریقہ ہے، اور صحابی کے قول وفعل میں جب اس کے مثل (یعنی کسی دوسرے صحابی سے) مخالفت پائی جائے، تو وہ فعل حجت نہیں ہوتا، پس اس وقت کیسے حجت ہوگا، جب کسی صحابی کا فعل جمہور صحابہ سے منفرد ہو۔

نیز ان مقامات میں نماز وقصد کا اہتمام کرنا، ان کو مساجد بنا لینے کا، اور اہلِ کتاب کی تشبہ کا ذریعہ ہے، جن کی تشبہ اختیار کرنے سے ہمیں منع کیا گیا ہے، اور پھر وہ اللہ کے ساتھ شرک کا ذریعہ ہے، اور شارع (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس مادے کو جڑ سے، اس طرح ختم فرمادیا کہ سورج کے طلوع وغروب کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمادیا، اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمادیا، پس جب اس جگہ میں اور اس زمانہ میں مشروع نماز سے ''سداً للذریعة'' منع فرمادیا، تو اس جگہ میں نماز اور دعاء کا قصد کرنا کیسے مستحب ہوگا، جس میں ان کا قیام یا نماز اتفاق سے واقع ہوگیا تھا، بغیر اس کے کہ انہوں نے اس مقام میں نماز اور دعاء کا قصد و اہتمام کیا ہو، اور اگر اس کی گنجائش ہوگی، تو پھر جبلِ حراء کا قصد کرنا اور اس میں نماز پڑھنا، اور جبلِ ثور کا قصد کرنا، اور اس میں نماز پڑھنا، اور ان مقامات کا قصد کرنا، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انبیاء نے ان میں قیام کیا تھا، جیسا کہ وہ دو مقامات جو دمشق میں قاسیون کے پہاڑ پر ہیں، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ کی قیام گاہ ہیں، اور جیسا کہ وہ مقام جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ قابیل کے (اپنے بھائی کا ظلماً) خون بہانے کی جگہ ہے، اور اس کے مثل وہ مقامات جو حجاز اور شام وغیرہ میں ہیں (ان سب مقامات میں

نماز وعبادت کا اہتمام مستحب ہونا چاہئے)

پھر یہ طرزِ عمل قبروں پر کیے جانے والے مفاسد کی طرف پہنچنے کا ذریعہ ہوگا، کیونکہ یہ کہا جائے گا کہ یہ فلاں نبی کی قیام گاہ ہے، یا فلاں نبی یا ولی کی قبر ہے، جس کی خبر دینے والے کا پتہ بھی نہیں ہوگا (کہ جھوٹا ہے یا سچا) یا خواب کے ذریعہ سے اس کا حکم لگایا جائے گا (کہ یہ فلاں نبی یا ولی کی قیام گاہ یا قبر ہے) جس کی حقیقت (و تعبیر وغیرہ) کو بھی نہیں پہچانا جاسکے گا، پھر اس پر اس جگہ کو عبادت گاہ بنانے کا مفسدہ مرتب ہوگا، پھر اس کو بت بنادیا جائے گا، اور اس کی پوجا پاٹ شروع ہوجائے گی، اللہ کے سوا شرک کے طور پر، جو کہ جھوٹ پر مبنی ہوگا (اقتضاء الصراط المستقیم)

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے مندرجہ بالا تفصیلی عبارت میں انبیاء وصالحین کے آثار کی زیارت اور نماز پڑھنے کے سلسلہ میں علماء کے مشہور اقوال بھی ذکر کردیے، اور اپنے نزدیک راجح قول کو بھی ذکر کردیا۔

البتہ علامہ ابنِ تیمیہ نے مقامات کے علاوہ دیگر ان اشیاء کا حکم بیان نہیں کیا، جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقاً یا کسی ضرورت کی وجہ سے استعمال فرمایا کہ ان کی زیارت کا قصد کرنے کا کیا حکم ہے؟ لیکن انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قصد کرنے نہ کرنے، اور اس کی فضیلت وترغیب کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونے نہ ہونے کی جو علت بیان فرمائی، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ دیگر اشیاء کا بھی یہی حکم ہو، اور ان کا حکم بھی اسی علت کے درمیان دائر ہو، اور جن اشیاء کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقاً یا کسی ضرورت کی وجہ سے استعمال فرمایا، ان کی طرف بالقصد توجہ کرنا، خاص کر اس مقصد کے لیے سفر کرنا، علامہ ابنِ تیمیہ کے نزدیک مستحب نہیں ہوگا، یہی وجہ ہے کہ علامہ ابنِ تیمیہ، مسجدِ حرام، مسجد نبوی، اور مسجدِ اقصیٰ کے علاوہ کسی بھی مسجد یا مقام اور قبر وغیرہ کی طرف شدِّ رحال کرنے یعنی اس مقصد کے لیے مستقل رختِ

سفر باندھنے سے منع کرتے ہیں، اوراس کی علامہ ابنِ تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں بھی تصریح کی ہے، جس کی تفصیل دوسرے مقام پر ذکر کردی گئی ہے۔ [1]

---

[1] وأما قصد مسجد غيره هناک تحريا لفضله فبدعة غير مشروعة، وأصل هذا أن المساجد التى تشد الرحال إليها هى المساجد الثلاثة (اقتضاء الصراط المستقيم، لابن تيمية، ج۲ ص ۳۳۹،فصل فى مقامات الأنبياء وحكم قصدها)

أما السفر إلى بيت المقدس للصلاة فيه والاعتكاف أو القراء ة أو الذكر أو الدعاء :فمشروع مستحب باتفاق علماء المسلمين .وقد ثبت فى الصحيحين عن النبى صلى الله عليه وسلم من حديث أبى هريرة وأبى سعيد أنه قال :(لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد :المسجد الحرام والمسجد الأقصى ومسجدى هذا) . والمسجد الحرام ومسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم أفضل منه .وفى الصحيحين عنه أنه قال :(صلاة فى مسجدى هذا خير من ألف صلاة فيما سواه إلا المسجد الحرام) . وأما السفر :إلى مجرد زيارة "قبر الخليل "أو غيره من مقابر الأنبياء والصالحين ومشاهدهم وآثارهم فلم يستحبه أحد من أئمة المسلمين لا الأربعة ولا غيرهم ....فمنع من السفر إلى مسجد غير المساجد الثلاثة فغير المساجد أولى بالمنع ؛ لأن العبادة فى المساجد أفضل منها فى غير المساجد وغير البيوت بلا ريب ولأنه قد ثبت فى الصحيح عنه صلى الله عليه وسلم أنه قال :(أحب البقاع إلى الله المساجد) مع أن قوله (لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد) يتناول المنع من السفر إلى كل بقعة مقصودة ؛ بخلاف السفر للتجارة وطلب العلم ونحو ذلک :فإن السفر لطلب تلک الحاجة حيث كانت وكذلک السفر لزيارة الأخ فى الله فإنه هو المقصود حيث كان (مجموع الفتاوىٰ، لابن تيمية، ج۲۷، ص ۲۰و ۲۱، فصل :وأما السفر إلى عسقلان)

(لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد :المسجد الحرام والمسجد الأقصى ومسجدى هذا) . فإذا كان السفر لزيارة الطور -الذى كلم الله عليه موسى وسماه "الوادى المقدس "و "البقعة المباركة - "لا يشرع ؛ فكيف بالسفر لزيارة غيره من الأطوار فإن "الطور "هو الجبل والأطوار الجبال .

وأما القبر المشهور فى سفحه بالكرک الذى يقال إنه "قبر نوح "فهو باطل محال لم يقل أحد ممن له علم ومعرفة (مجموع الفتاوىٰ، لابن تيمية، ج۲۷، ص ۶۱، فصل :بطلان الاعتقاد بان الابدال الاربعين)

وأما المشاهد التى على القبور سواء جعلت مساجد أو لم تجعل أو المقامات التى تضاف إلى بعض الأنبياء أو الصالحين أو المغارات والكهوف أو غير ذلک :مثل "الطور "الذى كلم الله عليه موسى ومثل "غار حراء "الذى كان النبى صلى الله عليه وسلم يتحنث فيه قبل نزول الوحى عليه و "الغار "الذى ذكره الله فى قوله :(ثانى اثنين إذ هما فى الغار) والغار الذى بجبل قاسيون بدمشق الذى يقال له "مغارة الدم "والمقامان اللذان بجانبيه الشرقى والغربى :يقال لأحدهما :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی طرح علامہ ابنِ تیمیہ نے غیر انبیاء کے آثار کا بھی حکم بیان نہیں فرمایا، لیکن علامہ ابنِ رجب حنبلی نے غیر انبیاء کے آثار سے تبرک کی نفی کی ہے، نیز علامہ ابنِ تیمیہ نے مذکورہ مسئلہ میں جو علت بیان کی ہے، اس کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ ان کے نزدیک غیر انبیاء یعنی صلحاء کے آثار سے تبرک مستحب نہ ہو، کیونکہ جب شارع علیہ السلام کے اتفاقی وغیر مقصودی آثار کا ان کے نزدیک قصد مستحب نہیں ہوگا، تو جن صلحاء کا درجہ شارع سے کم تر ہے، ان کے آثار کو یہ درجہ ان کے نزدیک کیسے حاصل ہوگا۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

"مقام إبراهيم "ويقال للآخر " :مقام عيسى "وما أشبه هذه البقاع والمشاهد فى شرق الأرض وغربها :فهذه لا يشرع السفر إليها لزيارتها ولو نذر ناذر السفر إليها لم يجب عليه الوفاء بنذره باتفاق أئمة المسلمين ؛ بل قد ثبت فى الصحيحين عن النبى صلى الله عليه وسلم من حديث أبى هريرة وأبى سعيد -وهو يروى عن غيرهما -أنه قال "(لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد : المسجد الحرام والمسجد الأقصى ومسجدى هذا) . وقد كان أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم لما فتحوا هذه البلاد بلاد الشام والعراق ومصر وخراسان والمغرب وغيرها لا يقصدون هذه البقاع ولا يزورونها ولا يقصدون الصلاة والدعاء فيها .بل كانوا مستمسكين بشريعة نبيهم : يعمرون المساجد التى قال الله فيها :(ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه) وقال :(إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر وأقام الصلاة وآتى الزكاة ولم يخش إلا الله) وقال تعالى :(قل أمر ربى بالقسط وأقيموا وجوهكم عند كل مسجد) وقال تعالى :(وأن المساجد لله فلا تدعوا مع الله أحدا) . وأمثال هذه النصوص .وفى الصحيحين عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال " :(صلاة الرجل فى المسجد تفضل على صلاته فى بيته وسوقه بخمس وعشرين درجة وذلك أن الرجل إذا توضأ فأحسن الوضوء ثم أتى المسجد لا ينهزه إلا الصلاة فيه :كانت خطوتاه إحداهما ترفع درجة والأخرى تحط خطيئة .فإذا جلس ينتظر الصلاة كان فى صلاة ما دام ينتظر الصلاة فإذا قضى الصلاة فإن الملائكة تصلى على أحدهم ما دام فى مصلاه : تقول :اللهم اغفر له اللهم ارحمه) . وقد تنازع المتأخرون فيمن سافر لزيارة قبر نبى أو نحو ذلك من المشاهد .والمحققون منهم قالوا :إن هذا سفر معصية ولا يقصر الصلاة فيه كما لا يقصر فى سفر المعصية كما ذكر ذلك ابن عقيل وغيره وكذلك ذكر أبو عبد الله بن بطة :أن هذا من البدع المحدثة فى الإسلام .بل نفس قصد هذه البقاع للصلاة فيها والدعاء ليس له أصل فى شريعة المسلمين ولم ينقل عن السابقين الأولين -رضى الله عنهم وأرضاهم -أنهم كانوا يتحرون هذه البقاع للدعاء والصلاة ؛ بل لا يقصدون إلا مساجد الله بل المساجد المبنية على غير الوجه الشرعى لا يقصدونها أيضا كمسجد الضرار (مجموع الفتاوىٰ، لابن تيمية، ج۲۷، ص ۱۳۸ الى ۱۴۰، فصل :ليس هناک بقعة تقصد بعبادة)

البتہ شریعت کی طرف سے جن آثارِ صلحاء سے متعلق جو احکام متعین کردیے گئے، وہ بذاتِ خود مشروع ہو گئے، خواہ ان کی حکمت آثارِ صلحاء ہونا ہی ہو، اس لیے وہ مذکورہ بحث سے خارج ہو کر غیر متنازع رہیں گے۔

پھر جن مقامات پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص عمل (مثلاً نماز) کا قصد نہ کیا ہو یا ان کو کسی خاص فضیلت کی وجہ سے استعمال نہ فرمایا ہو، بلکہ اتفاقاً یا کسی ضرورت سے استعمال فرمایا ہو، ان مقامات یا اس چیز کے قصد اور اس کی زیارت کو بذاتِ خود سنت ومستحب سمجھنا، تو یقیناً مکروہ وبدعت ہوگا۔

لیکن اگر کوئی اس کا قصد اس بناء پر نہ کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا قصد کیا تھا، بلکہ صرف اس بناء پر قصد کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہرحال اس مقام پر نزول کیا تھا یا نماز پڑھی تھی، یا اس چیز کو استعمال فرمایا تھا، قطع نظر اس سے کہ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ کس مقصد سے تشریف لائے تھے یا اس کو کس مقصد وضرورت کے لیے استعمال فرمایا تھا، بلکہ یہ سمجھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم اور تلبّس کی بناء پر یہ مقام اور یہ چیز فی الجملہ باعثِ برکت ہے، اور اس کی زیارت کرنا اور اس مقام پر نماز پڑھنا، حصولِ برکت کا ایک ذریعہ ہے، ساتھ یہ عقیدہ بھی رکھے کہ مسنون مآثر اور فرائض وواجبات کا درجہ اس سے اہم ہے، اور وہ اس میں غلو اور کسی مفسدہ کا ارتکاب بھی نہ کرے، تو بہت سے اہلِ علم کے نزدیک اس کے جائز یا مستحب ہونے میں بھی شبہ نہیں، اگرچہ مستحب لغیرہٖ کیوں نہ ہو، صالحین کے آثار میں بھی بہت سے اہلِ علم حضرات کا یہی موقف ہے، اور ہمارے نزدیک یہی موقف راجح ہے۔

لیکن علامہ ابنِ تیمیہ کا موقف بھی شریعت کے خلاف نہیں، اور اجتہادی طور پر اس کو راجح قرار دینے کی بھی گنجائش ہے، اسی موقف کے بعض سابق علماء مثلاً امام طحاوی وغیرہ بھی قائل ہیں، اور ان کا استناد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد، نیز ان کا مستدل مفاسد کا سدّ باب بھی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا حوالہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغۃ‘‘ میں فرماتے ہیں:

قوله صلى الله عليه وسلم " :لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد المسجد الحرام والمسجد الأقصى، ومسجدى هذا "

أقول :كان أهل الجاهلية يقصدون مواضع معظمة بزعمهم يزورونها، ويتبركون بها، وفيه من التحريف والفساد ما لا يخفى فسد النبى صلى الله عليه وسلم الفساد لئلا يلتحق غير الشعائر بالشعائر، ولئلا يصير ذريعة لعبادة غير الله، والحق عندى أن القبر ومحل عبادة ولى من أولياء الله والطور كل ذلك سواء فى النهى

(حجة الله البالغة، ج ۱، ص ۳۲۵، من أبواب الاعتصام بالكتاب والسنة "المساجد")

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ شدّ رحال نہ کیا جائے، مگر تین مساجد کی طرف، ایک مسجدِ حرام، دوسرے مسجدِ اقصیٰ اور تیسرے مسجدِ نبوی۔

میں کہتا ہوں کہ جاہلیت کے لوگ معظم مقامات کا اپنے مخصوص عقیدے کی بنا پر زیارت کا قصد کیا کرتے تھے، اوران مقامات سے برکت حاصل کرنے کا عقیدہ رکھتے تھے، جس میں ظاہر ہے کہ تحریف اور فساد کا خوف تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فساد کا سدّ باب کیا، تاکہ غیر شعائر کو، شعائر کا درجہ نہ دے دیا جائے، اور یہ غیر اللہ کی عبادت کا ذریعہ نہ بن جائے، اور میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ قبر اور اولیاء اللہ میں سے کسی ولی کی عبادت گاہ اور کوہِ طور، یہ سب مقامات ممنوع ہونے میں برابر ہیں (حجۃ اللہ البالغہ)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ مؤطا امام مالک کی فارسی شرح ’’مصفّٰی‘‘ میں فرماتے ہیں:

تحقیق دریں جا آنست کہ در جاہلیت سفرمی کردند بمواضع متبرکہ بزعمِ خویش، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سد باب تحریف فرمود، وسفر برائے مواضع متبرکہ غیر مساجد بقصدِ خصوصیت تبرک بآں موضع منع فرمود، تا امرِ جاہلیت رواج نگیرد

(المصفّٰی، ج ا ص ۹۰، باب لاتشدّ الرحال الاالٰی ثلاثۃ مساجداً، مطبوعہ: مطبع فاروقی، دہلی)

ترجمہ: اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں متبرک مقامات کا اپنے مخصوص عقیدے کی بنا پر سفر کیا جاتا تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریف کا سدّ باب فرمایا، اور مساجد کے علاوہ مقاماتِ متبرکہ کے لیے، اس جگہ کے تبرک کی خصوصیت کے ارادہ سے سفر کرنے سے منع فرمایا، تاکہ جاہلیت کے مسئلہ کو رواج حاصل نہ ہو (مصفّٰی)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ مساجدِ ثلاثہ کے علاوہ دیگر مساجد اور متبرک مقامات کی طرف باقاعدہ سفر کر کے جانے کو ممنوع و مکروہ قرار دیتے ہیں، جس کی وجہ ان کے نزدیک دین میں تحریف اور فتنوں کا سد باب ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی کا حوالہ

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (معراج کی رات میں) بعض برکت کی جگہوں پر نماز پڑھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بابرکت جگہوں پر نماز پڑھنا موجب برکت ہے، بشرطیکہ اس مقام سے کسی مخلوق کی تعظیم مقصود نہ ہو۔ خوب سمجھ لو! نازک بات ہے

(نشر الطیب، ص ۱۲۶، واقعہ معراج سے متعلق بعض فوائد، قسم اول فوائدِ حکمیہ، فائدہ نمبر ۹)

اس سے معلوم ہوا کہ متبرک مقامات اور آ ثارِ انبیاء میں نماز پڑھنا برکت کا باعث ہے، لیکن اس میں مخلوق کی تعظیم پیشِ نظر نہیں ہونی چاہئے، اور اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے، کیونکہ یہ

نازک بات ہے، بہت سے عوام اس سلسلہ میں بہت غلو کرتے ہیں، جیسا کہ ہمارے یہاں ہندوستان و پاکستان میں اس طرح کے آثارِ صالحین میں طرح طرح کی شرک و بدعات پر مشتمل حرکات جاری ہیں، اور یہ بات ظاہر ہے کہ کسی چیز کی برکت حاصل کرنے کے مقابلہ میں شرک و بدعت سے بچنا بچانا، نہایت اہم اور مقدم ہے۔

جبکہ عامۃ الناس جو فرائض، واجبات کا اہتمام نہیں کرتے، وہ مذکورہ مقامات پر حاضری دینے، وہاں نذریں مانگنے اور چڑھاوے چڑھانے اور میلہ ٹھیلہ لگانے کا بہت التزام و اہتمام کرنے لگے ہیں، جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نورِ بصیرت نے بھانپ لیا تھا، اور اس پر تنبیہ فرمائی تھی۔

علامہ ظفر احمد عثمانی کا حوالہ

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے حضرت عمر اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی روایات اور اس سلسلہ میں علامہ ابنِ تیمیہ اور اہلِ نجد کے موقف کو اپنے ایک رسالہ "**النفع البرزۃ فی تحقیق قطع الشجرۃ**" میں مفصلاً واضح کیا ہے، اور اس سلسلہ میں افراط وتفریط کی نشاندہی فرمائی ہے، یہ رسالہ "امداد الاحکام" کی موجودہ چوتھی جلد کا حصہ بن کر شائع ہوا ہے۔

یہ رسائل اہلِ علم حضرات کے لیے قابلِ ملاحظہ، مفید اور علمی وفقہی نکات پر مشتمل ہے، یہاں اس کے ضروری اور متعلقہ اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں۔

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> حضرت عبداللہ بن عمر، آثارِ رسول اللہ کے بہت جویان تھے، مگر حدیث پڑھنے والے یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صغارِ صحابہ میں یعنی کم سِن اور تھوڑی عمر والے تھے، ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کا علم بلاواسطہ کم ہوتا تھا، وہ بہت سے آثار کو اجلِ صحابۂ کرام سے دریافت کر کے معلوم

کرتے تھے۔

چنانچہ دخولِ بیتُ اللہ اور اس میں نماز پڑھنے کی کیفیت ابنِ عمر نے حضرت بلال سے معلوم کی (بخاری، جلد ا، صفحہ ۲۱۶) [1]

اسی طرح قباء میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، اور وہاں کی مسجد میں آپ نے نماز پڑھی، اور انصار حالتِ نماز میں آپ کو سلام کرتے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ سے ان کو جواب دیتے تھے، یہ کیفیت بھی ان کو حضرت بلال سے معلوم ہوئی تھی (ابوداؤد، جلد ۲، صفحہ ۹۷) [2]

(امدادالاحکام، ج ۴، ص ۵۴۵، کتاب المتفرقات، رسالہ "النفع البرزة فی تحقیق قطع الشجرة" مطبوعہ: دارالعلوم کراچی، طبعِ اول ۱۴۲۱ھ)

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب مذکورہ رسالہ ہی میں فرماتے ہیں کہ:

مضمون نگار کے نزدیک جب ایک مبارک درخت کا کاٹنا تنگ خیالی اور اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا تنگ خیالی ثابت کرتا ہے، تو یقیناً ان

---

[1] نافع، عن عبد الله رضی الله عنه :أن رسول الله صلی الله علیه وسلم أقبل یوم الفتح من أعلی مکة علی راحلته مردفا أسامة بن زید، ومعه بلال، ومعه عثمان بن طلحة من الحجبة، حتی أناخ فی المسجد، فأمره أن یأتی بمفتاح البیت ففتح، ودخل رسول الله صلی الله علیه وسلم ومعه أسامة، وبلال، وعثمان، فمکث فیها نهارا طویلا، ثم خرج، فاستبق الناس، وکان عبد الله بن عمر أول من دخل، فوجد بلالا وراء الباب قائما، فسأله "أین صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم؟ فأشار له إلی المکان الذی صلی فیه قال عبد الله :فنسیت أن أسأله کم صلی من سجدة(صحیح البخاری،رقم الحدیث ۲۹۸۸)

[2] عبد الله بن عمر یقول :خرج رسولُ الله -صلی الله علیه وسلم -إلی قُباء یُصلّی فیه، قال :فجاءته الأنصارُ فسلَّموا علیه وهو یُصلی، قال :فقلتُ لبلال: کیف رأیتَ رسولَ الله -صلی الله علیه وسلم -یردُّ علیهم حین کانوا یُسلّمون علیه وهو یُصلّی؟ قال :یقول هکذا، وبسطَ جعفرُ بن عون کفَّه، وجعلَ بطنَه أسفَلَ، وظهرَه إلی فوق(سنن أبی داود، رقم الحدیث ۹۲۷)

قال شعیب الارنؤوط:حدیث صحیح، وهذا إسناد حسن من أجل هشام بن سعد(حاشیة سنن ابی داؤد)

مصاحفِ قرآنیہ کو نیست ونابود کرنا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لکھے گئے تھے، یا ان صحابہ کے مصاحف کو دھلوا کر چاک کر دینا، جو ترتیبِ نزولِ وحی پر انہوں نے لکھے تھے، مضمون نگار کے نزدیک بہت بڑی تنگ خیالی ہوگی، مگر تاریخ واحادیث شاہد ہیں کہ حضرت عثمان نے قرآن کو بترتیبِ موجود مرتب کر کے بقیہ مصاحف کو نیست ونابود کر دیا، تاکہ بعد میں امت کے اندر فتنہ رونما نہ ہو، بس مضمون نگار کو سمجھ لینا چاہیے کہ حضراتِ صحابہ کی نظر میں آثارِ قدیمہ سے زیادہ، احکام واعتقادات کی حفاظت ضروری تھی، وہ اس کی حفاظت کے لیے آثارِ قدیمہ کی زیادہ پروانہ کرتے تھے۔

رہا واقعۂ رمل وقصہ مقامِ ابراہیم، تو اس سے مضمون نگار کا مدعیٰ کچھ حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ اس کا کسی نے دعویٰ نہیں کیا کہ ضروری آثار کا باقی رکھنا بھی جائز نہیں، یا ان کی زیارت ممنوع ہے، اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق فرقۂ نجدیہ یا پاسدارانِ نجدیہ کا یہ گمان ہے کہ وہ تمام آثارِ نبویہ کو مٹایا کرتے تھے، بلکہ ان کا دعویٰ (ملاحظہ ہو، اقتضاء الصراط المستقیم، لابن تیمیہ، ص ۱۸۵، ۱۸۶، جس میں بہت تفصیل کے ساتھ اس بحث کو بیان کیا گیا ہے) صرف اس قدر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ضروری آثار کو باقی رکھتے تھے، اور غیر ضروری کو مٹا دیا کرتے تھے، جبکہ ان کے ساتھ ضروری آثار جیسا معاملہ کیا جاتا، اور ضروری آثار وہ ہیں، جن کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمداً توجہ فرمائی ہو، یا ان کے متعلق امر فرمایا ہو، یا نص میں اس کی عظمت کی طرف اشارہ ہو، چنانچہ مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محراب اور منبر کی جگہ محفوظ رکھی گئی، وہ ستون محفوظ رکھا گیا، جس کی آڑ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالقصد نماز پڑھتے تھے، اسی طرح مقامِ ابراہیم کو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصلیٰ بنانا چاہا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر

اس کا احترام ظاہر فرمایا تھا، ادھر نصِ قرآنی ’’فيه آيات بينات مقام ابراهيم‘‘ نازل ہو چکا تھا(امداد الاحکام) [1]

پھر آگے چل کر علامہ ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بہر حال ضروری آثار کے ابقاء میں ان افعال وامکنہ کی حفاظت میں کسی کو کلام نہیں، جن کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بالقصد توجہ فرمائی، یا ان کی عظمت و حرمت کی طرف اشارہ فرمایا، یا ان کے متعلق حکم فرمایا ہو۔

گفتگو ان غیر ضروری آثار میں ہے، جن کی طرف حضور نے بالقصد توجہ نہیں فرمائی، نہ ان کی عظمت وحرمت کی طرف اشارہ فرمایا، نہ ان کے بارے میں کوئی حکم فرمایا، مثلاً سفر میں اتفاقاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جگہ قیام فرمایا، یا نماز کا وقت ہو جانے کی وجہ سے نماز پڑھی ہو، یا سائے کی غرض سے کسی درخت کے نیچے بیٹھے ہوں، ایسے اتفاقی آثار کے متعلق حضرت عمر کی تاکید تھی کہ ان کو ان آثار کی طرح نہ بنایا جائے، جن کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص توجہ وارادہ ثابت ہے، اوران مقامات کا نماز وغیرہ کے لیے خصوصیت سے قصد نہ کیا جائے، ملاحظہ ہو: اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ، ص ۱۸۵ (امداد الاحکام) [2]

اور علامہ ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ اپنے مذکورہ رسالہ میں علامہ ابنِ تیمیہ کی ’’اقتضاء الصراط المستقیم‘‘ کی عبارت کا ایک حصہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اس سے صاف معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے اس فعل میں، تمام جمہور صحابہ سے منفرد تھے، حضراتِ صحابہ کا عموماً ہرگز یہ طریقہ نہ تھا کہ وہ حضور صلی

---

[1] ج ۴، ص ۵۵۳، ۵۵۴، کتاب المتفرقات، رسالہ ’’النفع البرزة فی تحقیق قطع الشجرة‘‘ مطبوعۃ: دار العلوم کراچی، طبعِ اول ۱۴۲۱ھ۔

[2] ج ۴، ص ۵۵۵، کتاب المتفرقات، رسالہ ’’النفع البرزة فی تحقیق قطع الشجرة‘‘ مطبوعۃ: دار العلوم کراچی، طبعِ اول ۱۴۲۱ھ۔

اللہ علیہ وسلم کے (غیر ضروری اور غیر مقصودی، **کما سیجیئ**) آثار کا اہتمام کے ساتھ تتبع وقصد کریں۔

پھر علامہ ابنِ تیمیہ فیصلہ فرماتے ہیں کہ صواب جمہور صحابہ ہی کے ساتھ ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع دو طرح ہے، ایک یہ کہ آپ کے امر کا اتباع کیا جائے (یعنی اللہ یا اس کے رسول نے کسی چیز کا امر فرمایا ہو، کمافی ''**واتخذوا من مقام ابراھیم مصلیٰ**'') دوسرے یہ کہ آپ کے فعل کا اتباع اسی طرح کیا جائے، جس طرح حضور نے وہ فعل کیا ہے، اگر حضور نے کسی خاص جگہ کی عبادت کے لیے قصد کیا ہو، وہاں کا قصد کرنا، ہمارے لیے بھی عبادت ہے، اور جس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کے لیے قصد نہ کیا ہو، بلکہ اتفاقاً وہاں نماز پڑھی ہو، یا قیام فرمایا ہو، تو اس کا اہتمام کرنا، اس میں قصد کر کے جانا، یا نماز پڑھنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہیں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اہتمام یا قصد نہ کیا تھا۔

باقی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے غلبۂ محبت میں جو کچھ کیا ہے، صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ اگر غلبۂ محبت میں کوئی ایسا کرے، اور حدود سے تجاوز نہ کرے، تو اس کا یہ فعل جائز ہے۔

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مسلک معلوم ہوگیا، اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ آثارِ نبویہ کے بارے میں حضرت عمر کا مسلک اپنے صاحبزادے سے الگ تھلگ تھا۔

تو اب مضمون نگار یہ بتلائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ''شجرۂ رضوان'' کا قاطع بتانا، بہتان کدھر سے ہے؟ بلکہ یہ منصِف اس کہنے پر مجبور ہوگا کہ اس واقعہ کی نسبت حضرت عمر کے مسلک کے موافق اور ان کے طریقۂ اجتہاد کے عین مطابق ہے......۔

گفتگو اِن آثارِ انبیاء میں ہے، جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یا کسی نبی کا اتفاقاً وہاں گزر ہو گیا ہو، یا انہوں نے اتفاقاً وہاں قیام کیا ہو، یا اتفاقاً نماز پڑھی ہو کہ ان کا اہتمام وقصد وتحری کرنا کیسا ہے، اور مقامِ ابراہیم اس بحث سے خارج ہے، کیونکہ بنائے کعبہ میں، حضرت ابراہیم کا کھڑے ہو کر بیتُ اللہ کی تعمیر کرنا، اتفاقاً نہ تھا (نیز اس کی عظمت کی طرف نص میں حکم بھی موجود ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے) (امدادالاحکام) [1]

پھر اس کے بعد علامہ ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں:

پس مقامِ ابراہیم کی قریب قریب وہی شان ہے، جو اسود کی ہے، اور جو ایسے آثارِ انبیاء میں سے ہوں، جن کا خود انبیاء نے اہتمام وقصد کیا، ان کی عظمت واہتمام کی حق تعالیٰ نے تاکید کی ہو، جیسا کہ "فیہ آیات بینات" سے مقامِ ابراہیم اشارتاً معلوم ہو رہا ہے، ان کے اہتمام وتعظیم اور قصد سے کوئی منع نہیں کرتا، نہ وہابی، نہ نجدی، نہ حنفیہ متبعِ سنت (امدادالاحکام) [2]

پھر اس کے بعد علامہ ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ اپنے مذکورہ رسالہ میں ہی فرماتے ہیں:

بہر حال مقامِ ابراہیم اور رَمل کے واقعہ کو ذکر کر کے مضمون نگار نے خلطِ بحث کیا ہے۔

دوسرے جو لوگ ایسے آثار ومشاہد کی، جن پر اتفاقاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہو گیا ہو، زیارت وغیرہ سے منع کرتے ہیں، وہ کب کہتے ہیں کہ ان کی عظمت دل سے بھی نکال دی جائے، یا معاذ اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں ان کی

---

[1] ج۴، ص۵۵۶، ۵۵۷، کتاب المتفرقات، رسالہ "النفع البرزة فی تحقیق قطع الشجرة"، مطبوعۃ: دارالعلوم کراچی، طبعِ اول ۱۴۲۱ھ۔

[2] ج۴، ص۵۵۸، کتاب المتفرقات، رسالہ "النفع البرزة فی تحقیق قطع الشجرة"، مطبوعۃ: دارالعلوم کراچی، طبعِ اول ۱۴۲۱ھ۔

عظمت نہ تھی، وہ تو صرف یہ کہتے ہیں کہ اُن آثار سے محبت ضرور کی جائے، مگر زیارت کا قصد واہتمام نہ کیا جائے کہ اس میں حد سے تجاوز اور دین میں غلو ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے تعدّی ہے، اور اگر محض زیارت ہی کی حد تک بات رہتی، تو مضائقہ نہ تھا، جیسا کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے، لیکن اب تو لوگ حد سے بڑھنے لگے، اور ان آثار کو عبادت گاہ بنانے لگے، اور ایسی حالت میں حضرت عمر نے اپنی دور بین نگاہ سے دیکھ کر، اُن آثار کے قصد واہتمام سے منع فرمایا تھا(امدادالاحکام)[1]

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے رسالہ کی مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے آثار کے متعلق وہ علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کے موقف کو راجح سمجھتے ہیں، یہی موقف امام طحاوی رحمہ اللہ کے حوالہ سے پہلے ذکر کیا جاچکا ہے، نیز بعض مالکیہ اور علامہ ابنِ رجب حنبلی وغیرہ کے حوالہ سے بھی گزر چکا ہے، علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے ضروری آثار کی اپنے مضمون میں تشریح بھی فرمادی ہے کہ ضروری آثار وہ ہیں، جن کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمداً توجہ فرمائی ہو، یا ان کے متعلق امر فرمایا ہو، یا نصوص میں ان کی عظمت وفضیلت کی طرف اشارہ ہو۔

جس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اپنے موقف میں تنہا نہیں ہیں، اور مشائخِ دیوبند میں سے علامہ ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ بھی اس موقف کی تائید فرماتے اور اس پر دلائل قائم فرماتے ہیں۔

جس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ مذکورہ موقف بھی شرعی وفقہی اعتبار سے کوئی کمزور موقف نہیں ہے، اور فقہی واجتہادی دلائل کی رُو سے اس موقف کو راجح قرار دینے کی بھی گنجائش ہے، وہ الگ بات ہے کہ کوئی دوسرے موقف کو راجح سمجھتا ہو، لیکن اس کی وجہ سے علامہ ابنِ تیمیہ کا

---

[1] ج۴،ص۵۵۸،۵۵۹، کتاب المتفرقات، رسالہ "النفع البرزۃ فی تحقیق قطع الشجرۃ" مطبوعہ: دارالعلوم کراچی، طبعِ اول ۱۴۲۱ھ۔

موقف فی نفسہٖ باطل ہونا لازم نہیں آتا، اور نہ ہی اس موقف پر طعن وتشنیع کرنا روا ہے۔

عبیداللہ بن محمد مبارک پوری کا حوالہ

ابوالحسن عبید اللہ بن محمد مبارک پوری (المتوفٰی 1414ہجری) نے ''مشکاۃ المصابیح'' کی شرح ''مرعاۃ المفاتیح'' میں امام مالک رحمہ اللہ کے قول کو ذکر کر کے فرمایا کہ امام مالک نے اپنے مذہب کی بنیاد سدِ ذرائع پر رکھی ہے، انہوں نے دیکھا کہ اس میں تساہل اگرچہ جائز ہے، لیکن زمانہ گزرنے کے بعد مفسدہ کی طرف پہنچنے کا ذریعہ ہے، پس احتیاط سدِ باب کرنے میں اور تساہل نہ برتنے میں ہے، کیونکہ سرحد کے قریب چرنے والے کے سرحد میں واقع ہونے کا ڈر ہوتا ہے، پس ہم بھی ان چیزوں میں تساہل اختیار کرنے سے اجتناب کریں گے، جو بدعت کے ارتکاب اور عقیدہ وعمل کے فساد کا باعث ہو۔ [1]

معلوم ہوا کہ شیخ موصوف فی نفسہٖ انبیاء کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کے جواز کے قائل ہیں، لیکن سداً للباب عوام کو اس سے منع کرتے ہیں، جس طرح بعض مالکیہ نے بھی اس کو پسند نہیں فرمایا، اور امام احمد نے بھی منکرات کا ذکر فرمایا۔

---

[1] وثبت عنه رضی الله عنه أنه رأى الناس فی سفر يتبادرون إلى مكان فسأل عن ذلک فقالوا : قد صلى فيه النبی – صلى الله عليه وسلم – ، فقال عمر : من عرضت له الصلاة فليصل وإلا فليمض ، فإنما هلک أهل الكتاب لأنهم تتبعوا آثار أنبيائهم فاتخذوها كنائس وبيعا.

وكره الإمام مالک تتبع الأماكن التی صلى فيها النبی -صلى الله عليه وسلم -فی طريقه من المدينة إلى مكة سنة حجة الوداع والصلاة فيها تبركًا بأثره الشريف إلا فی مسجد قباء ، لأنه -صلى الله عليه وسلم -كان يأتيه راكبًا وماشيًا، وبنى مالک مذهبه على سد الذرائع فرأى أن التساهل فی هذا وإن كان جائزًا يجر إلى مفسدة بعد تقادم العهد، فالاحتياط سد هذا الباب وعدم التساهل فيه فإن الراعی حول الحمى يوشک أن يقع فيه .وحاصل الكلام أن لا نفعل ولا نقول ولا نعتقد إلا ما دلت عليه السنة الثابتة، ونحترز من التساهل فی ذلک مما يجر إلى ارتكاب البدع وفساد العقيدة والعمل(مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۹،ص ۱۳۰ ،باب دخول مكة والطواف،الفصل الثالث)

علامہ شبیر احمد عثمانی کا حوالہ

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے بھی اس مسئلہ پر کچھ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ اور ان کی اس سلسلہ میں 1344 ہجری میں بعض اہلِ نجد سے گفتگو بھی ہوئی تھی، جب موصوف اس مسئلہ کے سلسلہ میں جمعیت علمائے ہند کی طرف سے بحیثیتِ مندوب، مکہ میں منعقد مؤتمر عالمِ اسلامی میں تشریف لے گئے تھے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ، صحیح مسلم کی شرح ''فتح الملھم'' میں فرماتے ہیں کہ:

قال النووی :''فیہ التبرک بالصالحین وآثارھم ،والصلاۃ فی المواضع التی صلوا بھا، وطلب التبریک منھم '' اھـ.

وتتبع ابن عمر آثار النبی صلی اللہ علیہ وسلم، وصلاتہ فی مواضع صلاتہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود فی باب المساجد بین مکۃ والمدینۃ من صحیح البخاری، وقد تقدم منا فی بعض احادیث الاسراء انہ امر جبریل نبینا صلی اللہ علیہ وسلم بان ینزل ویصلی فی یثرب، والیھا المھاجرۃ، وطور سیناء حیث کلم اللہ موسیٰ تکلیما،ومدین مسکن شعیب، ومورد موسیٰ، وبیت اللحم مولد المسیح، علی نبینا وعلیھم الصلاۃ والسلام، فھذہ النصوص کلھا تدل علیٰ مشروعیۃ التبرک بآثار الصالحین ومواضع صلواتھم اذا خلا من غلو الغالین وتعمق المتعمقین.

وقد تکلمنا مع السلطان عبدالعزیز بن الفیصل من آل سعود ومع اکابر علماء النجود واشھرھم عبداللہ بن بلیھد فی ھذہ المسألۃ (ای فی سنۃ اربع واربعین وثلاث مائۃ بعد الالف حین نزلنا مکۃ، وکنا من مندوبی جمعیۃ العلماء الھندیۃ فی مؤتمر العالم

الاسلامی) وعرضنا عليهم هذه الآثار التی تدل علی نفی قولهم بکون التبرک بالامکنة والمواضع بدعة او غير مشروع، فلم ياتوا بجواب شاف سوی المعارضة بقصة قطع الشجرة التی رواها ابن سعد فی الطبقات من طريق نافع، عن عمر، وهو مع کونه مقطعا ـ لان نافعا لم يدرک عمر، کما فی التهذيب ـ ليس من المرفوع، بل هو اجتهاد من عمر رضی الله عنه، وفعله لمصلحة رآها مرجحة فی ذلک الوقت، فليس هو من بيان المسئلة فی شیئ، بل هو من قبيل سد ذرائع الشرک وحسم مادته. والله اعلم(فتح الملهم بشرح صحيح الامام مسلم) [1]

ترجمہ: امام نووی نے فرمایا کہ ”اس جملہ سے صالحین اوران کے آثار سے برکت حاصل کرنے کا ثبوت واستحباب نکلتا ہے، اور جن مواضع میں انہوں نے نماز پڑھی ہے، وہاں نماز پڑھنا اوران سے برکت طلب کرنا بھی ثابت ہوا“

پھر یہ کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کی تلاش میں رہتے تھے، اور جہاں جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے، ان میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا نماز پڑھنا، بخاری کے ”**باب المساجد بين مكة ومدينة**“ سے بھی ثابت ہے، اور ہم بعض احادیثِ اسراء کے ذیل میں یہ بھی ذکر کرآئے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے معراج کے سفر میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سواری سے اتر کر مدینہ منورہ اور طورِ سیناء اور مدین مسکنِ شعیب اور بیت اللحم، جائے ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں نماز پڑھنے کی تلقین کی، ان تمام نصوص سے آثار الصالحین اوران کے مواضعِ صلاۃ سے تبرک

---

[1] ج۴، ص۳۱۴، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب الرخصة فی التخلف عن الجماعة بعذر، مطبوعة: داراحياء التراث العربی، بيروت، لبنان، الطبعة الاولیٰ 1426ھ، 2006ء.

حاصل کرنے کی مشروعیت نکلتی ہے، بشرطیکہ غلو کرنے والوں کے غلو اور تعمق وتکلف سے خالی ہو۔

اور ہم نے سلطان عبدالعزیز بن فیصل، آلِ سعود اور اکابر علمائے نجد سے کہ ان میں سے زیادہ مشہور عبداللہ بن بلیہد ہیں (1344ھ میں مؤتمر عالم اسلامی کے موقع پر، جبکہ ہم جمعیت علمائے ہند کے مندوب تھے) اس مسئلہ میں گفتگو کی، اور ان کے سامنے یہ آثار پیش کیے، جن سے ان کے اس زعم کی نفی ہوتی تھی کہ امکنہ ومواضع سے تبرک حاصل کرنا بدعت یا غیر مشروع ہے، تو وہ کوئی شافی جواب نہ دے سکے، اور بطور، معارضہ کے صرف قطعِ شجرہ والا واقعہ پیش کر سکے، جو کہ طبقات ابنِ سعد میں ہے، جبکہ وہ منقطع بھی ہے، کیونکہ حضرت نافع نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا، جیسا کہ تہذیب میں ہے۔ [1]

پھر یہ کہ وہ مرفوع حدیث کے درجہ کی چیز بھی نہ تھی، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا، جس کو انہوں نے ایک مصلحت کی وجہ سے اس وقت راجح سمجھا تھا، اور وہ کوئی بیانِ مسئلہ کے طور پر نہیں تھا، بلکہ وہ شرک کے ذرائع بند کرنے اور اس کے مادہ کو ختم کرنے کے قبیل سے تھا، واللہ اعلم (فتح الملہم)

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کا اسی سلسلہ میں ایک مکالمہ ملفوظاتِ کشمیری میں بھی منقول ہے، جو یہ ہے:

میں نے سلطان (عبدالعزیز بن فیصل آلِ سعود) کی مجلس میں مآثر پر تقریر کی، ان کے علماء نے کہا تھا کہ تبرک بالصالحین کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ ان کے اجزاء سے جیسے حضور علیہ السلام کے موئے مبارک وغیرہ، تو اس کو تو ہم مانتے ہیں کہ زمانۂ صحابہ سے بھی ثابت ہے، لیکن امکنہ وبقاع سے نہیں مانتے، کیونکہ بے ثبوت

[1] اس روایت کی سند پر کلام آگے مستقل فصل میں آتا ہے۔ محمد رضوان۔

ہے، میں نے اس پر کہا کہ نہیں تبرک بالامکنہ بھی ثابت ہے۔

بخاری میں حضرت عتبان بن مالک صحابی کی حدیث ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا ''جب بارش اور سیل آتا ہے، تو میں جماعت میں حاضر ہونے سے معذور ہوتا ہوں، آپ میرے گھر میں کسی جگہ دو رکعت نماز پڑھ دیں، تا کہ میں اسی کو مصلیٰ بنالوں'' فرمایا اچھا اور دوسرے وقت تشریف لے گئے، اور ایک جگہ نماز ادا فرمائی۔

تو اس حدیث سے تبرک بالامکنہ بھی اور تبرک طلب کرنا بھی دونوں ثابت ہوتے ہیں، دوسرے حافظ نے بھی فتح الباری میں مسندِ بزار وغیرہ سے حدیث نکالی ہے کہ لیلۃ الاسراء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یثرب سے گزرے، تو حضرت جبریل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھہرایا اور پھر مدین پر بھی ٹھہرایا کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کا مسکن ہے، پھر طور پہاڑ پر کہ موسیٰ علیہ السلام کے کلام کی جگہ ہے، پھر بیتِ لحم پر ٹھہرایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مولد ہے، تو کیا حضور علیہ السلام کا غارِ حرا (قدیم عبادت گاہ) مدین سے بھی کم ہے کہ اس پر پہرا بٹھلا دیا ہے، اور بیتِ خدیجہ، طور سے بھی کم ہے کہ اس کا اثر مٹا دیا گیا، حالانکہ وہاں برسوں وحی نازل ہوئی، اور طبرانی نے اجماع نقل کیا ہے کہ حرم میں بیت اللہ کے بعد اس سے مقدس تر مقام نہیں ہے۔ [1]

---

[1] احادیث میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ''افضلُ النساء'' ہونے کا ذکر ملتا ہے، لیکن بندہ کو امام طبرانی کے حوالہ سے بیان کردہ مذکورہ اجماع دستیاب نہیں ہوسکا، اور محمد علی بن محمد بن علان شافعی (المتوفی: 1057 ہجری) نے ریاض الصالحین کی شرح ''دلیل الفالحین'' میں فیروز آبادی کے حوالہ سے غارِ ثور اور غارِ حراء کی باہم افضلیت میں اختلاف نقل کیا ہے۔

(قال :نظرت إلى أقدام المشركين) الذين خرجوا يقصون أثر النبیّ لما هاجر ويلتمسون محله الذى هو فيه (ونحن فى الغار) هو ثقب فى الجبل عظيم كالكهف، وهو الغار المذكور فى قوله تعالى (إذ هما فى الغار) قال قتادة :هو غار فى جبل بمكة يقال له ثور .واختلف فى التفاضل بينه وبين غار حراء ، فقال الفيروزآبادى فى كتاب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور کیا حضور علیہ السلام کا مولِد، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مولد سے بھی کم مرتبہ ہے، اس کا نشان بھی مٹا دیا گیا، وغیرہ۔

میں نے کہا کہ مقابر کے بارے میں خیر ہم زیادہ کچھ نہیں کہتے، اگرچہ سجدۂ قربت کو بت پرست کے سجدہ کی طرح نہیں کہیں گے کہ وہ عبادت کے طور پر ہے، اور یہ تعظیم کے، اگرچہ ہمارے نزدیک حرام یہ تعظیمی بھی ہے، مگر مآثر میں ہم کو زیادہ اختلاف ہے۔......

پھر دوسرے موقعوں پر ان کے بڑے علماء خصوصاً عبداللہ بن بلیہد سے گفتگوئیں ہوئیں، کیونکہ مؤتمر 15۔16 یوم تک رہی، اور ہم ایک ماہ تک ٹھہرے رہے۔

میں نے مآثر، تکفیرِ اہلِ قبلہ اور تقلید وغیرہ پر تقریریں کیں، عبداللہ موصوف نے مآثر کے جواب میں ہماری دلیلوں پر کچھ نہیں کہا، بلکہ صرف معارضہ کیا کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ نے بیعۃُ الرضوان والے شجرہ کو کٹوا دیا تھا۔

میں نے اس پر کہا کہ وہ صحاحِ ستہ یا کسی حدیث کی کتاب میں نہیں ہے، صرف طبقات ابنِ سعد (ج۲ص۱۰۰) میں ہے۔ [1]

اسی سے سب نے لیا ہے، اور وہ بھی اس طرح ہے کہ نافع اور حضرت عمر کے درمیان انقطاع ہے، پھر میں نے کہا کہ ہم صحیح بھی مان لیں، تو کم از کم جو ہمارا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الصلاة والبشر :إن غار ثور أفضل،لأن الله تعالى ذكره فى القرآن وحمى فيه سيد ولد عدنان .وقال بعض المتأخرين :غار حراء أفضل لأنه اختاره للتعبد وفيه بدء الوحى(دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، ج٢،ص ٢٨٣،باب فى اليقين)

[1] أخبرنا عبد الوهاب بن عطاء، أخبرنا عبد الله بن عون عن نافع قال: كان الناس يأتون الشجرة التى يقال لها شجرة الرضوان فيصلون عندها؛ قال: فبلغ ذلك عمر بن الخطاب فأوعدهم فيها وأمر بها فقطعت(الطبقات الكبرىٰ لابنِ سعد، ج٢ص١٠٠، غزوة رسول الله، صلى الله عليه وسلم، الحديبية)

مسلک بھی ہے، وہ بھی تو حدیث سے ثابت ہے، لہٰذا اس کو بدعت تو نہ کہنا چاہیے، یوں تو آپ کے مصالح جو بھی متقاضی ہوں، لیکن مصلحت کا بھی یہ حال ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ فعل اس وقت کیا، تو اس پر کوئی نکیر نہیں ہوئی، لہٰذا وہ مبنی بر مصلحت درست طریقہ پر تھا، اور اب تم نے جو کچھ کیا، اس کی وجہ سے تمام مسلمان برگشتہ ہیں، پس مصلحت کے بھی خلاف کیا ہے (ملفوظات محدث کشمیری، صفحہ ۱۸۴ تا ۱۸۶، ملخصاً، مطبوعہ: ادارہ دعوتِ اسلام، جامعیہ یوسفیہ بنوریہ، کراچی)

ممکن ہے علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے سامنے عبداللہ بن بلیہد اہلِ نجد کا موقف صحیح پیش نہ کر سکے ہوں، لیکن اس سلسلہ میں ان کے سرخیل علامہ ابنِ تیمیہ اور خود امام احمد بن حنبل کا اصل موقف تفصیل کے ساتھ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، جس میں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مآثر و آثار پر تفصیلی گفتگو کی ہے، جس کی مزید توضیح وتشریح علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے حوالہ سے بھی ذکر کی جا چکی ہے، اور معراج کی رات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف مقامات پر نماز پڑھنے اور حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی تفصیل بھی پہلے ذکر کی جا چکی ہے، جبکہ حضرت عمر اور ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے قطعِ شجرہ والے واقعہ اور اس کی سند کی تفصیل آگے آتی ہے۔ [1]

---

[1] شیخ عبداللہ بن بلیہد جن کا علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے مضمون میں ذکر فرمایا، ان کا پورا نام ''عبداللہ بن سلیمان بن سعود بن سالم بن محمد بن بلیہد الخالدی'' ہے۔ ان کی ولادت 1284 ہجری میں سعودی عرب کے شہر ''قصیم'' میں ہوئی۔ اور ان کی وفات 1359 ہجری میں ہوئی۔

یہ شاہ عبدالعزیز مرحوم کے دورِ حکومت میں 1344 ہجری سے 1345 ہجری تک مکہ مکرمہ میں قاضی کے عہدہ پر مامور رہے، اور 1344 ہجری میں ہی ان سے جمعیت علمائے ہند کی ملاقات ہوئی۔

ان کی ''کتاب جامع المسالک فی أحکام المناسک فی الفقه علی المذاهب الاربعة'' کے نام سے ایک مشہور تالیف ہے (ملاحظہ ہو: ترجمۃ المؤلف، ''کتاب جامع المسالک فی أحکام المناسک فی الفقه علی المذاهب الاربعة''، ص ۷ الی ۹، مطبوعۃ: مکتبۃ الامام الشافعی، الریاض، الطبعۃ الثانیۃ 1409 ہجری)

جبکہ علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے ''النفع البرزة فی تحقیق قطع الشجرة'' کے عنوان سے اس موضوع پر تفصیلی مضمون 1345 ہجری میں تحریر فرمایا، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ محمد رضوان۔

اس رسالہ کا خلاصہ

مذکورہ رسالہ میں جو تفصیل بیان کی گئی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے ضروری اور مشروع اعمال پر مشتمل آ ثار ومقامات میں تو اختلاف نہیں کہ ان میں مشروع اعمال کو اپنے درجہ کے مطابق اختیار کرنا جائز ہے، اور ضروری آ ثار سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول یا فعل سے ان کی عظمت وفضیلت بیان فرمائی ہو، یا ان کی طرف عمداً توجہ فرمائی ہو۔

اور جو آ ثار ومقامات اس نوعیت کے نہ ہوں، ان کے متعلق فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ کا فرمانا ہے کہ جس مقام کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کے لیے قصد نہ کیا ہو، بلکہ اتفاقاً وہاں نماز پڑھی ہو، یا قیام فرمایا ہو، اور اپنے قول سے بھی اس کی کوئی خاص ترغیب نہ دی ہو، اور فضیلت بیان نہ فرمائی ہو، اسی طرح جس چیز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاق سے استعمال فرمایا ہو، اور اس کی کوئی فضیلت وترغیب نہ دی ہو، تو اس مقام و چیز کا اہتمام کرنا، اس میں قصد کر کے جانا، یا نماز پڑھنا، مستحب نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام کا اہتمام یا قصد نہ کیا تھا، اور اس کا قصد واہتمام کرنے پر متعدد مفاسد اور غلو پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

اور بعض حضرات فی نفسہٖ اس طرح کے آ ثار ومقامات سے تبرک حاصل کرنے کے جواز کے قائل ہیں، لیکن سداً للباب عوام کو اس سے منع کرتے ہیں۔

جبکہ بعض حضرات، عوام کو فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے اس میں مختلف قیود وشرائط لگاتے ہیں، مثلاً یہ کہ ان آ ثار واشیاء میں آمد ورفت اور ان کی زیارت کی عادت نہ بنائی جائے، اور زیادہ اہتمام نہ کیا جائے، بلکہ اتفاقاً اور کبھی کبھی آمد ورفت یا زیارت کر لی جائے، یا صرف خواص تک اس کی اجازت کو محدود رکھا جائے، یا خواص کے کبھی کبھی مخفی طریقہ پر آنے اور زیارت

کرنے کو جائز قرار دیا جائے، کیونکہ اس صورت میں ان عوام کے لیے راستہ نہیں کھلتا، جو مفاسد کا ارتکاب کرتے ہیں، البتہ ظاہری طریقہ پر یا کثرت کے ساتھ آمدورفت یا زیارت کرنے سے راستہ کھلتا ہے۔

اور متعدد حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ اگر کوئی اس طرح کے غیر ضروری آثار واشیاء کا قصد اس بناء پر نہ کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا قصد کیا تھا، بلکہ صرف اس بناء پر کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہرحال یہاں نزول کیا تھا یا نماز پڑھی تھی، یا اس چیز کو استعمال فرمایا تھا، قطع نظر اس سے کہ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہاں کس مقصد سے تشریف لائے تھے، یا استعمال فرمایا تھا، البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم یا تلبّس وتلمّس کی بناء پر یہ مقام یا یہ چیز فی الجملہ باعثِ برکت ہے، اگرچہ نہ یہاں آنا اور اس کی زیارت کرنا سنت ہے اور نہ بذاتِ خود نماز پڑھنا سنت ہے، لیکن بہرحال اس کی زیارت کرنا اور اس مقام پر نماز پڑھنا، حصولِ برکت کا ایک ذریعہ ہے، تو اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ مستحب ہے۔

ہمارے نزدیک بھی راجح یہی ہے کہ اتفاقی آثار کا قصد وزیارت کرنا یا ان میں نماز پڑھنا فی نفسہٖ جائز ہے، لیکن وہاں جانے اور زیارت کرنے کا قصد کرنا یا وہاں نماز پڑھنا اور عبادت کرنا صرف برکت کی غرض سے ہوگا، نہ کہ اس وجہ سے کہ یہاں آنے یا نماز کا قصد کرنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہے، اور انبیاء کے علاوہ صلحاء کے آثار کا بھی یہی حکم ہوگا، وہ الگ بات ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی برکات صلحاء سے زیادہ اعلیٰ واشرف ہیں، نیز غیر نبی کا درجہ حضرت شارع علیہ السلام والا نہیں، اس لیے غیر نبی کے قصد وعمد سے بھی وہ اثر مسنون ومشروع حیثیت نہیں رکھے گا، الا یہ کہ نص سے اس کا حکم متعین ہو۔

البتہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس سلسلہ میں اعتدال اور شرعی حدود کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اور غلو ومبالغہ کرنا درست نہیں، اور متبرک آثار پر میلے اور عرس کا سماں قائم کرنا بھی درست نہیں، جیسا کہ زیارتِ قبور کی تحقیق میں تفصیلاً گزرا۔

بعض لوگ متبرک مقامات وآ ثار کے سلسلہ میں غلو کرتے ہیں، وہ متبرک مقامات وآ ثار کے ساتھ یا تو غیر شرعی حرکات وبدعات کا ارتکاب کرتے ہیں، یا پھر متبرک مقامات وآ ثار سے برکت حاصل کرنے کے سلسلہ میں بہت اہتمام اور تشدد کرتے ہیں، اور اس کو فرض یا واجب کی طرح کا عمل سمجھتے ہیں، اور اس کے مقابلہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مقرر کیے گئے اہم احکامات مثلاً نماز، روزہ وغیرہ کو نظر انداز کردیتے ہیں۔

اس طرح کی بے اعتدالیوں سے بچنا ضروری ہے، کیونکہ مجوزین کے نزدیک اس طرح کے متبرک مقامات وآ ثار سے زیارت کرکے یا وہاں نماز پڑھ کر تبرک حاصل کرنا جائز یا مستحب درجہ کا عمل ہے، جس کو فرض یا واجب کا درجہ دینا درست نہیں، کیونکہ افراط وتفریط ہر چیز میں مذموم ہے، اور غیر ضروری عمل میں اگر منکر پیدا ہوجائے، تو اس سے منع کرنا بھی مجوزین کے نزدیک قابلِ مذمت نہیں۔

گزشتہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مذکورہ مسئلہ چونکہ مجتہَد فیہا ہے، اور اس میں مختلف اہلِ علم حضرات کے درمیان جو اختلافِ رائے ہے، وہ شرعی وفقہی دلائل پر مبنی ہے، اور مذکورہ اقوال میں سے کوئی قول بھی بلادلیل نہیں ہے، اس لئے مذکورہ اقوال میں سے جس کو جو قول راجح محسوس ہو، اس کے لئے اس قول کا اختیار کرنا اور اس کو راجح سمجھنا جائز ہے، لیکن اس سلسلہ میں دوسرے قول یا اس کو راجح سمجھنے والے پر نکیر اور تشدد اختیار کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

جہاں تک غلو ومنکرات کی وجہ سے متبرک آ ثار میں تغیر کرنے یا ان کو محو کرنے کا تعلق ہے، تو اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ

(الرسالةُ الثالثة عشر)

غلو کی وجہ سے متبرک آثار میں تغیر کا حکم

انبیاء وصلحاء کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کے متعلق پیچھے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاچکا ہے، جس سے ضروری اور غیر ضروری آثار میں فرق بھی معلوم ہو چکا۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر انبیاء کے غیر ضروری آثار کے ساتھ کچھ لوگ غلو اور حد سے تجاوز کریں، اور منکرات وبدعات کا ارتکاب کریں، تو کیا اس کی وجہ سے ان آثار کو متغیر و محو کرنے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

آگے اس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے درجات

اگر حقیقی درجہ میں متبرک آثار کے ساتھ کچھ لوگ غلو اور حدودِ شریعت سے تجاوز کریں، اور بدعات وغیرہ کا ارتکاب کریں، تو ایسی صورت میں صحیح احادیث کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصولوں کے مطابق بشرطِ قدرت ہاتھ، زبان، یا دل سے نہی عن المنکر کیے جانے میں تو شبہ نہیں، اور جن آثار کا متبرک ہونا ثابت ہی نہ ہو، بلکہ وہ ویسے ہی مخترع و بے سند ہوں، وہ اس بحث سے خارج ہیں۔

لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے درجات حسبِ قدرت مختلف ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

مَنْ رَّأٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَإِنْ لَّمْ

يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ (صحیح مسلم) [1]

ترجمہ: تم میں سے جو شخص منکَر (گناہ وبُرائی) کو دیکھے، تو اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے اُسے بدل دے، اور اگر اس کی طاقت وقدرت نہ ہو تو اپنی زبان سے بدل دے، اور اگر اس کی بھی طاقت وقدرت نہ ہو، تو اپنے دل سے بدل دے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے (مسلم)

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ان الفاظ میں مروی ہے کہ:

مَنْ رَّأٰى مُنْكَرًا فَغَيَّرَهُ بِيَدِهِ فَقَدْ بَرِءَ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُّغَيِّرَهُ بِيَدِهِ، فَغَيَّرَهُ بِلِسَانِهِ فَقَدْ بَرِءَ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُّغَيِّرَهُ بِلِسَانِهِ، فَغَيَّرَهُ بِقَلْبِهِ فَقَدْ بَرِءَ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ (سنن النسائی) [2]

ترجمہ: جو شخص کسی منکر (وگناہ) کو دیکھے، پھر اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے، تو وہ بریُ الذمہ ہوگیا، اور جو شخص اپنے ہاتھ سے اس کو بدلنے کی طاقت نہ رکھے پھر وہ اپنی زبان سے بدل دے (یعنی زبان سے نہی عن المنکر کردے) تو وہ بھی بریُ الذمہ ہوگیا، اور جو شخص اپنی زبان سے اس کو بدلنے کی طاقت نہ رکھے پھر وہ اپنے دل سے اس کو بدل دے (یعنی دل سے اس منکر وگناہ کو برا اور غلط سمجھے) تو وہ بھی بریُ الذمہ ہوگیا اور یہ ایمان کا کمزور تر درجہ ہے (نسائی)

اس طرح کی احادیث کی روشنی میں فقہائے کرام نے فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کچھ درجات ہیں، جن میں پہلا درجہ ہاتھ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کا ہے، اور دوسرا درجہ زبان سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کا ہے، اور تیسرا درجہ دل

[1] رقم الحدیث ۴۹ "۷۸"، کتاب الایمان، باب بیان کون النھی عن المنکر من الإیمان.
[2] رقم الحدیث ۵۰۰۹، کتاب الایمان وشرائعہ، باب تفاضل اھل الایمان.

سے اس چیز کو برا سمجھنے پر اکتفاء کرنے کا ہے۔

ہاتھ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا حکمرانوں کی ذمہ داری ہے، اور جس کی حکومت جس درجہ کی ہو، اسی درجہ کا اس پر ہاتھ کے ذریعہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا ضروری ہے، چنانچہ حکومت کو اپنی رعایا پر (کسی محکمہ واتھارٹی کے درجہ بدرجہ سربراہوں کو اپنے ماتحتوں پر) اور شوہر کو اپنی بیوی پر اور والد کو اپنی اولاد پر اکثر وبیشتر اس طرح کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

اور اگر اس کی قدرت واستطاعت نہ ہو، جیسا کہ علماء اور عامی لوگوں کا معاملہ ہے، تو ان کو زبان سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہئے، اور اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو، تو دل سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہئے، یعنی دل سے اس برے کام کو برا سمجھنا چاہئے، اور یہ ہر حال میں فرض رہتا ہے۔ [1]

---

[1] وذهب جمهور الفقهاء إلى أن الحسبة فرض على الكفاية ، وقد تكون فرض، عين في الحالات الآتية، وفي حق طائفة مخصوصة كما يلي:

الأولى :الأئمة والولاة ومن ينتدبهم أو يستنيبهم ولي الأمر عنه، لأن هؤلاء متمكنون بالولاية ووجوب الطاعة .قال الله تعالى :(الذين إن مكناهم في الأرض أقاموا الصلاة وآتوا الزكاة وأمروا بالمعروف ونهوا عن المنكر) فإن من أنواع القيام بذلک ما يدعو إلى الاستيلاء ، وإقامة الحدود والعقوبات مما لا يفعله إلا الولاة والحكام، فلا عذر لمن قصر منهم عند الله تعالى، لأنه إذا أهمل الولاة والحكام القيام بذلک فجدير ألا يقدر عليه من هو دونهم من رعيتهم، فيوشک أن تضيع حرمات الدين ويستباح حمى الشرع والمسلمين .

الثانية :من يكون في موضع لا يعلم بالمعروف والمنكر إلا هو، أو لا يتمكن من إزالته غيره كالزوج والأب، وكذلک كل من علم أنه يقبل منه ويؤتمر بأمره، أو عرف من نفسه صلاحية النظر والاستقلال بالجدال، أو عرف ذلک منه، فإنه يتعين عليه الأمر والنهي .

الثالثة :أن الحسبة قد تجب على غير المنصوب لها بحسب عقد آخر، وعلى المنصوب لها تجب ابتداء ، كما إذا رأى المودع سارقا يسرق.

الحالة الرابعة :الإنكار بالقلب فرض عين على كل مكلف ولا يسقط أصلا، إذ هو كراهة المعصية وهو واجب على كل مكلف .وقال الإمام أحمد :إن ترک الإنكار بالقلب كفر لحديث وهو أضعف الإيمان الذي يدل على وجوب إنكار المنكر بحسب الإمكان والقدرة عليه، فالإنكار بالقلب لا بد منه فمن لم ينكر قلبه المنكر دل على ذهاب الإيمان من قلبه .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض صورتوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مستحب ہوتا ہے، مثلاً کسی مستحب چیز پر عمل کی ترغیب دینا یہ مستحب درجہ کا عمل ہے۔ [1]

اور بعض صورتوں میں ہاتھ یا زبان سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر حرام یا مکروہ ہوجاتا ہے، مثلاً جب اس کی وجہ سے کوئی بڑا مفسدہ مثلاً اجتماعی بدامنی یا فتنہ وفساد لازم آتا ہو۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقد استدل الجمهور على أنها فرض كفاية لقوله تعالى :(ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر وأولئك هم المفلحون)

ووجه الاستدلال أن الخطاب موجه إلى الكل مع إسناد الدعوة إلى البعض بما يحقق معنى فرضيتها على الكفاية، وأنها واجبة على الكل، لكن بحيث إن أقامها البعض سقطت عن الباقين، ولو أخل بها الكل أثموا جميعا.

ولأنها من عظائم الأمور وعزائمها التي لا يتولاها إلا العلماء العالمون بأحكام الشريعة، ومراتب الاحتساب، فإن من لا يعلمها يوشك أن يأمر بمنكر وينهى عن معروف، ويغلظ في مقام اللين، ويلين في مقام الغلظة، وينكر على من لا يزيده الإنكار إلا التمادي والإصرار(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص ٢٢٩، و٢٣٠،مادة "حسبة")

[1] ويكون الاحتساب مندوبا في حالتين:

الأولى :إذا ترك المندوب أو فعل المكروه فإن الاحتساب فيهما مستحب أو مندوب إليه واستثنى من هذه الحالة وجوب الأمر بصلاة العيد وإن كانت سنة، لأنها من الشعار الظاهر فيلزم المحتسب الأمر بها وإن لم تكن واجبة .

وحملوا كون الأمر في المستحب مستحبا على غير المحتسب، وقالوا :إن الإمام إذا أمر بنحو صلاة الاستسقاء أو صومه صار واجبا، ولو أمر به بعض الآحاد لم يصر واجبا.

والثانية :إذا سقط وجوب الاحتساب، كما إذا خاف على نفسه ويئس من السلامة وأدى الإنكار إلى تلفها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص ٢٣٠،مادة "حسبة")

[2] شروط الإنكار

من شروط الإنكار :أن يغلب على ظنه أنه لا يفضي إلى مفسدة وأن يأمن على نفسه وماله خوف التلف(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٩، ص ١٢٥، مادة "منكر")

ويكون الاحتساب حراما في حالتين:

الأولى :في حق الجاهل بالمعروف والمنكر الذي لا يميز موضوع أحدهما من الآخر فهذا يحرم في حقه، لأنه قد يأمر بالمنكر وينهى عن المعروف.

والثانية :أن يؤدي إنكار المنكر إلى منكر أعظم منه مثل أن ينهى عن شرب الخمر فيؤدي نهيه عن ذلك إلى قتل النفس فهذا يحرم في حقه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

انبیاء کے آثار میں تغیر نہ کرنا

اس کے بعد عرض ہے کہ انبیائے کرام کے جن مخصوص مآثر وآثار کے ساتھ شریعت کا کوئی منصوص حکم وابستہ ہے، جیسا کہ مقامِ ابراہیم، جمرات، صفاومروہ اور قبرِ نبوی وغیرہ، ان کو تو محو کرنا اور ختم کرنا جائز نہیں، جو لوگ ایسے ضروری آثار کے ساتھ بدعات ومنکرات کا ارتکاب

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ويكون الاحتساب مكروها إذا أدى إلى الوقوع فى المكروه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص ٢٣٠،مادة "حسبة")

ويكون حكم الاحتساب التوقف إذا تساوت المصلحة والمفسدة، لأن تحقيق المصلحة ودرء المفسدة أمر مطلوب فى الأمر والنهى، فإذا اجتمعت المصالح والمفاسد، فإن أمكن تحصيل المصالح ودرء المفاسد فعل ذلك امتثالا لأمر الله تعالى لقوله :(فاتقوا الله ما استطعتم) وإن تعذر الدرء درئت المفسدة ولو فاتت المصلحة قال تعالى :(يسألونك عن الخمر والميسر قل فيهما إثم كبير ومنافع للناس وإثمهما أكبر من نفعهما) حرم الخمر والميسر لأن مفسدتهما أكبر من نفعهما وإذا اجتمعت المفاسد المحضة، فإن أمكن درؤها درئت، وإن تعذر درء الجميع درء الأفسد فالأفسد، والأرذل فالأرذل، وإن تساوت فقد يتوقف، وقد يتخير، وقد يختلف التساوى والتفاوت .

ويقول ابن تيمية :وجماع ذلك داخل فى القاعدة العامة فيما إذا تعارضت المصالح والمفاسد، والحسنات والسيئات، أو تزاحمت، فإنه يجب ترجيح الراجح منها فيما إذا ازدحمت المصالح والمفاسد، فإن الأمر والنهى وإن كان متضمنا لتحصيل مصلحة ودفع مفسدة، فينظر فى المعارض له، فإن كان الذى يفوت من المصالح أو يحصل من المفاسد أكثر لم يكن مأمورا به، بل يكون محرما إذا كانت مفسدته أكثر من مصلحته، لكن اعتبار مقادير المصالح والمفاسد هو بميزان الشريعة فمتى قدر لإنسان على اتباع النصوص لم يعدل عنها، وإلا اجتهد رأيه لمعرفة الأشباه والنظائر، وعلى هذا إذا كان الشخص أو الطائفة جامعين بين معروف ومنكر بحيث لا يفرقون بينهما، بل إما أن يفعلوهما جميعا، أو يتركوهما جميعا لم يجز أن يؤمروا بمعروف ولا أن ينهوا عن منكر، بل ينظر، فإن كان المعروف أكثر أمر به، وإن استلزم ما هو دونه من المنكر ولم ينه عن منكر يستلزم تفويت معروف أعظم منه، بل يكون النهى حينئذ من باب الصد عن سبيل الله والسعى فى زوال طاعته وطاعة رسوله وزوال فعل الحسنات، وإن كان المنكر أغلب نهى عنه وإن استلزم فوات ما هو دونه من المعروف، ويكون الأمر بذلك المعروف المستلزم للمنكر الزائد عليه أمرا بمنكر وسعيا فى معصية الله ورسوله .وإن تكافأ المعروف والمنكر المتلازمان لم يؤمر بهما ولم ينه عنهما .فتارة يصلح الأمر، وتارة يصلح النهى، وتارة لا يصلح لا أمر ولا نهى .وإذا اشتبه الأمر استبان المؤمن حتى يتبين له الحق، فلا يقدم على الطاعة إلا بعلم ونية، وإذا تركها كان عاصيا، فترك الأمر الواجب معصية، وفعل ما نهى عنه من الأمر معصية وهذا باب واسع(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص ٢٣٠،و ٢٣١،مادة "حسبة")

کریں، تو ایسی صورت میں ان منکرات وبدعات اور غلو کی دل، زبان یا ہاتھ کے ذریعہ بقدرِ استطاعت ممانعت اور روک تھام کی جائے گی، لیکن ان مآثر وآثار کو محو وختم نہیں کیا جائے گا۔

اور اگر وہ مآثر وآثار اس نوعیت کے نہ ہوں، لیکن وہ انبیائے کرام کے آثار سے صحیح سند کے ساتھ تعلق رکھتے ہو، تو بھی عام حالات میں ان مآثر وآثار میں تغیر کرنا اور ان کو محو کرنا شریعت کی نظر میں پسندیدہ نہیں۔

چنانچہ حضرت عاصم سے روایت ہے کہ:

رَأَیْتُ عِنْدَ أَنَسٍ قَدَحَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْهِ ضَبَّةٌ مِّنْ فِضَّةٍ

(مسند احمد، رقم الحدیث ۱۲۴۱۰) [1]

ترجمہ: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پیالہ دیکھا جس میں (جوڑ کی غرض سے) چاندی کا ٹکڑا لگا ہوا تھا (مسند احمد)

اس طرح کی روایت حضرت حمید کی سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] قال شعیب الارنؤط: حدیث صحیح، وهذا إسناد رجاله ثقات رجال الشیخین غیر شریک –وهو ابن عبد الله النخعي– وهو وإن کان سيىء الحفظ، قد توبع .عاصم: هو ابن سلیمان الأحول .وسیأتی الحدیث مکرراً برقم (12577)و . (13722)

وأخرجه مطولاً البخاری (5638)، والبیهقی 1/30من طریق أبی عوانة الوضاح، عن عاصم بن سلیمان الأحول، به.وأخرجه بنحوه البخاری (3109)، والبزار فی "مسنده "کما فی "الفتح" 6/214، والبیهقی 1/29و 30-29من طریق أبی حمزة السکری، عن عاصم بن سلیمان، عن ابن سیرین، عن أنس: أن قدح النبی صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ انکسر، فاتخذ مکان الشعبُ سلسلة من فضة، قال عاصم: رأیت القدح وشربت فیه .والشّعب: الصدُع.

وانظر ما بعده، وما سیأتی برقم . (12948)

والضبة: هی قطعة عریضة من أی معدن یصلح بها ما کُسر(حاشیة مسند احمد)

[2] حدثنا أسود بن عامر، قال: حدثنا شریک، عن حمید قال: " رأیت عند أنس بن مالک قدحا کان للنبی صلی الله علیه وسلم فیه ضبة فضة "(مسند احمد، رقم الحدیث ۱۲۴۱۱)

قال شعیب الارنؤوط:حدیث صحیح، وهذا إسناد رجاله ثقات رجال الشیخین غیر شریک وهو متابع .وانظر ما قبله .وأخرجه ابن سعد فی "الطبقات 1/485 "عن الفضل بن دکین، عن شریک النخعی، بهذا الإسناد .وسیأتی الحدیث مکررا برقم (12576)و . (13721)(حاشیة مسند احمد)

اور بعض روایات میں اس کی کچھ تفصیل بھی آئی ہے۔

حضرت حجاج بن حسان سے روایت ہے کہ:

كُنَّا عِنْدَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، فَدَعَا بِإِنَاءٍ وَفِيهِ ثَلَاثُ ضِبَابِ حَدِيدٍ، وَحَلْقَةٌ مِنْ حَدِيدٍ، فَأُخْرِجَ مِنْ غِلَافٍ أَسْوَدَ، وَهُوَ دُونَ الرُّبُعِ وَفَوْقَ نِصْفِ الرُّبُعِ، فَأَمَرَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ فَجُعِلَ لَنَا فِيهِ مَاءٌ، فَأُتِينَا بِهِ فَشَرِبْنَا وَصَبَبْنَا عَلَى رُءُوسِنَا وَوُجُوهِنَا، وَصَلَّيْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث ۱۲۹۴۸) [1]

ترجمہ: ہم لوگ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، تو انہوں نے ایک برتن (لکڑی کا بنا ہوا) منگوایا، جو لوہے کی تین پتریوں کے ساتھ منڈھا ہوا، اور اس کا دستہ بھی لوہے کا ہی بنا ہوا تھا، جس کو کالے غلاف کے ایک ٹکڑے سے نکالا گیا، جو چوتھائی (ہاتھ وغیرہ) سے کم اور نصف سے کچھ زیادہ تھا، پھر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس برتن میں ہمارے لئے پانی ڈالا گیا، پھر ہمیں دیا گیا، تو ہم نے اسے نوش کیا، اور اپنے سر اور چہروں پر ڈالا، اور ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا (مسند احمد)

معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مآثر وآثار سے برکت حاصل کی جاتی تھی، اور اس پر کوئی نکیر نہیں کی جاتی تھی۔

حضرت عاصم احول سے روایت ہے کہ:

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده قوي، حجاج بن حسان صدوق لا بأس به.
ورواية حجاج هذه لم نقع عليها عند غير المصنف.
وقد أخرج الترمذي في "الشمائل "(196) من طريق عيسى بن طهمان، عن ثابت، قال :أخرج إلينا أنس بن مالک قدح خشب غليظاً مضبَّباً بحديد، فقال :يا ثابت، هذا قدح رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .وفيه حسين بن الأسود البغدادي شيخ الترمذي، فيه ضعف.
وانظر في قدح النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ما سلف برقم (12410)(حاشية مسند احمد)

رَأَيْتُ قَدَحَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَ قَدْ انْصَدَعَ فَسَلْسَلَهُ بِفِضَّةٍ، قَالَ: وَهُوَ قَدَحٌ جَيِّدٌ عَرِيضٌ مِنْ نُضَارٍ، قَالَ: قَالَ أَنَسٌ: لَقَدْ سَقَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هٰذَا الْقَدَحِ أَكْثَرَ مِنْ كَذَا وَكَذَا قَالَ: وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ: إِنَّهُ كَانَ فِيهِ حَلْقَةٌ مِنْ حَدِيدٍ، فَأَرَادَ أَنَسٌ أَنْ يَجْعَلَ مَكَانَهَا حَلْقَةً مِنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ، فَقَالَ لَهُ أَبُو طَلْحَةَ: لَا تُغَيِّرَنَّ شَيْئًا صَنَعَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَرَكَهُ (صحیح البخاری) [1]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس دیکھا جو پھٹ گیا تھا اور اس میں چاندی کی پٹیاں جڑی ہوئی تھیں اور یہ پیالہ بہت اچھا اور چوڑا نضار (ایک قسم کی لکڑی) کا بنا ہوا تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی اتنی بار (یعنی بہت زیادہ مرتبہ) پلایا ہے اور ابن سیرین کا بیان ہے کہ اس میں لوہے کا ایک حلقہ جڑا ہوا تھا، انس رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ اس کی جگہ سونے یا چاندی کا حلقہ اس میں جڑ دیں تو ان سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس چیز کو نہ بدلو جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا ہے، اس لئے انہوں نے (اپنا ارادہ) ترک کر دیا (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار میں تغیر کرنا مناسب نہیں۔

حضرت محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ:

كَانُوا يَكْرَهُونَ أَنْ يُغَيِّرُوا آثَارَ الْأَنْبِيَاءِ (مُصنف ابن أبی شیبة) [2]

---

[1] رقم الحدیث ۵۶۳۸، کتاب الاشربة، باب الشرب من قدح النبی صلی الله علیه وسلم وآنیته.

[2] رقم الحدیث ۷۶۳۳، کتاب الصلاة، باب فی الصلاة عند قبر النبی صلی الله علیه وسلم وإتیانه.

ترجمہ: صحابۂ کرام اس چیز کو ناپسند فرمایا کرتے تھے کہ انبیاء کی نشانیوں میں ترمیم و تغیر کیا جائے (ابنِ ابی شیبہ)

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، مآثرِ انبیاء میں تغیر کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔

انبیائے کرام کے آثار ومآثر میں جس طرح ان کی مستعمل اشیائے مبارکہ، مثلاً ملبوساتِ مبارکہ وغیرہ داخل ہیں، اسی طرح وہ مقامات وامکنہ بھی داخل ہیں، جہاں انہوں نے سکونت اختیار کی، اور عبادت کی، لہٰذا بظاہر راجح یہ ہے کہ عام حالات میں ان میں تغیر یا ان کے آثار وعلامات کو ختم کرنا مناسب نہیں، اِلَّا یہ کہ اس کی وجہ سے کوئی مفسدہ لازم آرہا ہو، تو پھر اس میں مناسب تغیر کرنے کی اجازت ہوگی، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

بیعتِ رضوان والے شجرہ کے وجود وغیوب کی تفصیل

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک درخت کے نیچے بیعتِ رضوان کی تھی، جس کا قرآن وسنت میں ذکر آیا ہے، جس کی وجہ سے اس درخت یا اس جگہ کو بابرکت سمجھا جانے لگا تھا، پھر بعض روایات کے مطابق یہ درخت لوگوں کی نظروں سے مخفی کردیا گیا تھا، اور بعض روایات کے مطابق یہ درخت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت تک موجود تھا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے غلو اور فتنہ کی وجہ سے اس درخت کو کٹوا دیا تھا، بعض حضرات اس کو بیعتِ رضوان والا درخت اور بعض دوسرا درخت قرار دیتے ہیں، اس سلسلہ میں تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

اس بیعت کو ''بیعتِ رضوان'' اس لیے کہتے ہیں، کیونکہ اس کے نیچے بیعت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی کا پروانہ دیا۔

چنانچہ سورہ فتح میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (سورة الفتح، رقم الآية ۱۸)

ترجمہ: یقیناً راضی ہوگیا اللہ مومنوں سے، جبکہ وہ بیعت کر رہے تھے آپ سے درخت کے نیچے (سورہ فتح)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے درخت کے نیچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعتِ رضوان کی تھی، اور بیعتِ رضوان کی بڑی فضیلت ہے۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ مِمَّنْ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت (رضوان) کی، ان میں سے کوئی شخص جہنم میں داخل نہیں ہوگا (ترمذی)

اس کے بعد عرض ہے کہ بعض صحابۂ کرام سے اس درخت کے بھول جانے یا اس کے یاد نہ رہنے اور بعض سے اس کے یاد رکھنے کی روایات مروی ہیں۔

اس طرح کی روایات ذیل میں ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت طارق بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ:

اِنْطَلَقْتُ حَاجًّا، فَمَرَرْتُ بِقَوْمٍ يُصَلُّوْنَ، قُلْتُ: مَا هٰذَا الْمَسْجِدُ؟ قَالُوْا: هٰذِهِ الشَّجَرَةُ، حَيْثُ بَايَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْعَةَ الرِّضْوَانِ، فَأَتَيْتُ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيِّبِ فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ سَعِيْدٌ، حَدَّثَنِي أَبِي أَنَّهُ كَانَ فِيْمَنْ بَايَعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ، قَالَ: فَلَمَّا خَرَجْنَا مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ نَسِيْنَاهَا، فَلَمْ

---

[1] رقم الحديث ۳۸٦۰، ابواب المناقب، باب فی فضل من بايع تحت الشجرة.
قال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح.

نَقْدِرُ عَلَيْهَا، فَقَالَ سَعِيدٌ: إِنَّ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَعْلَمُوهَا وَعَلِمْتُمُوهَا أَنْتُمْ فَأَنْتُمْ أَعْلَمُ (صحيح البخاری) [1]

ترجمہ: میں حج کی غرض سے مکہ سے جا رہا تھا راستہ میں دیکھا کہ کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں، میں نے پوچھا کہ یہاں کون سی مسجد ہے؟ جواب دیا یہ کہ وہ درخت ہے جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے بیعت لی تھی، یہ سن کر میں سعید بن مسیّب کے پاس آیا اور ان سے یہ بات بیان کی انہوں نے کہا کہ میرے والد مسیّب بن حزن ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درخت کے نیچے بیعت کی تھی، انہوں نے فرمایا کہ جب ہم دوسرے سال (مکہ مکرمہ، عمرہ کرنے کے لیے جاتے ہوئے اس جگہ) آئے، تو اس جگہ کو بھول گئے، اور ہم اس درخت اور جگہ کو معلوم کرنے کی قدرت نہ پا سکے، حضرت سعید بن مسیّب نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام تو اس درخت کو پہچان نہ سکے تم نے کیسے پہچان لیا؟ تم ان سے زیادہ علم والے ہو؟ (بخاری)

حضرت سعید بن مسیّب بن حزن، جلیل القدر تابعی ہیں، اور صحابی رسول حضرت مسیّب رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔

حضرت سعید بن مسیّب کا مطلب یہ تھا کہ جب بیعتِ رضوان کیے جانے والے درخت کی بیعت کیے جانے کے اگلے سال بھی پہچان نہ ہو سکی تھی، تو اب اتنے عرصہ بعد اس درخت کی پہچان کیسے ہو گئی، حضرت سعید بن مسیّب نے اس درخت کی تعیین نہ ہونے کی وجہ سے اس جگہ نماز پڑھنے پر تعجب کا اظہار فرمایا۔

حضرت سعید بن مسیّب بن حزن سے ہی روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحديث ۴۱۶۳، كتاب المغازی، باب غزوة الحديبية.

كَانَ أَبِيْ مِمَّنْ بَايَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ بَيْعَةَ الرِّضْوَانِ، فَقَالَ: اِنْطَلَقْنَا فِيْ قَابِلٍ حَاجِّيْنَ، فَعُمِّيَ عَلَيْنَا مَكَانُهَا، فَإِنْ كَانَتْ بَيَّنَتْ لَكُمْ فَأَنْتُمْ أَعْلَمُ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۳۶۷۵)[1]

ترجمہ: میرے والد (مسیّب بن حزن رضی اللہ عنہ) ان صحابۂ کرام میں سے تھے، جنہوں نے نبی صلی اللہ علی وسلم سے درخت کے نیچے بیعتِ رضوان کی تھی، انہوں نے فرمایا کہ ہم اگلے سال حج کرنے کے لیے گئے، تو ہمارے اوپر وہ (درخت والی) جگہ مخفی ہوگئی، پس اگر تمہارے سامنے وہ جگہ واضح ہوجائے، تو تم زیادہ جانتے ہو (مسند احمد)

حضرت مسیّب بن حزن رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

أَنَّهُ كَانَ ذٰلِكَ الْعَامَ مَعَهُمْ، فَنَسُوْهَا مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ۲۳۶۷۶)[2]

ترجمہ: وہ اس (بیعتِ رضوان) کے سال صحابۂ کرام کے ساتھ تھے، پھر اس درخت کی جگہ کو اگلے سال بھول گئے (مسند احمد)

حضرت مسیّب بن حزن سے ایک روایت میں درجِ ذیل الفاظ مروی ہیں کہ:

لَقَدْ رَأَيْتُ الشَّجَرَةَ، ثُمَّ أَتَيْتُهَا بَعْدُ فَلَمْ أَعْرِفْهَا (صحيح البخاری)[3]

ترجمہ: میں نے اس درخت کو دیکھا تھا، پھر میں اس کے بعد وہاں آیا، تو میں اس درخت کو پہچان نہیں سکا (بخاری، مسلم)

حضرت نافع سے روایت ہے کہ:

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد قوی (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد قوی كسابقه (حاشية مسند احمد)

[3] رقم الحديث ۴۱۶۲، كتاب المغازی، باب غزوة الحديبية، مسلم، رقم الحديث ۱۸۵۹ "۷۹"

قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: رَجَعْنَا مِنَ العَامِ الْمُقْبِلِ فَمَا اجْتَمَعَ مِنَّا اثْنَانِ عَلَى الشَّجَرَةِ الَّتِي بَايَعْنَا تَحْتَهَا، كَانَتْ رَحْمَةً مِّنَ اللّٰهِ (صحیح البخاری)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (بیعتِ رضوان کے بعد) آئندہ سال جب ہم (حج کے لیے) لوٹ کر آئے، تو ہم میں سے دو کا بھی اتفاق نہ ہوسکا (کہ وہ یقیناً فلاں درخت ہے) جس کے نیچے ہم نے بیعت کی تھی، یہ (درخت کی تعیین مشتبہ ہوجانا) اللہ کی رحمت تھی (بخاری)

مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ بیعتِ رضوان والے درخت کو بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھول گئے تھے، یا ان پر یہ درخت مشتبہ ہوگیا تھا، جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت ورحمت تھی۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ: أَنْتُمْ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ وَكُنَّا أَلْفًا وَأَرْبَعَ مِائَةٍ، وَلَوْ كُنْتُ أُبْصِرُ الْيَوْمَ لَأَرَيْتُكُمْ مَكَانَ الشَّجَرَةِ (صحیح البخاری)[2]

ترجمہ: حدیبیہ کے دن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اہلِ زمین میں سب سے بہترین لوگ ہو، اور ہم اس وقت چودہ سو افراد تھے، اور اگر میں آج بینا ہوتا، تو تمہیں (بیعتِ رضوان کیے جانے والے) درخت کی جگہ کو دکھا دیتا (بخاری)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو بیعتِ رضوان والے درخت کا علم

---

[1] رقم الحدیث ۲۹۵۸، کتاب الجهاد والسیر، باب البیعة فی الحرب أن لا یفروا، وقال بعضهم: علی الموت.

[2] رقم الحدیث ۴۱۵۴، کتاب المغازی، باب غزوة الحدیبیة.

التعیین علم تھا، لیکن بینائی جاتے رہنے سے وہ بھی نشاندہی نہیں کر سکتے تھے (غرضیکہ جو بینا تھے، ان سے او جھل ومشتبہ ہوگیا، جس پر مشتبہ نہیں تھا، وہ بینائی جاتے رہنے سے نشاندہی کرنے سے عاجز تھے) بہر حال بعض روایات سے معلوم ہوا کہ جس درخت کے نیچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعتِ رضوان کی تھی، اس درخت کو صحابۂ کرام بھول گئے تھے، کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی نظروں سے مخفی فرمادیا تھا۔

محدثین واہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ اس درخت کو عام لوگوں سے مخفی رکھنے میں یہ حکمت تھی، تاکہ لوگ اس درخت کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا نہ ہوجائیں، مثلاً اس درخت کی عبادت نہ کرنے لگیں، اور اس میں غلو ومبالغہ آرائی سے کام نہ لیں۔

اس سلسلہ میں چند اہلِ علم حضرات کی عبارات وحوالہ جات ملاحظہ فرمائیں۔

امام نووی (المتوفیٰ: 676ہجری) صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں:

(إنها خفي عليهم مكانها في العام المقبل) قال العلماء سبب خفائها أن لا يفتتن الناس بها لما جرى تحتها من الخير ونزول الرضوان والسكينة وغير ذلك فلو بقيت ظاهرة معلومة لخيف تعظيم الأعراب والجهال إياها وعبادتهم لها فكان خفاؤها رحمة من الله تعالى (شرح النووی علیٰ مسلم، ج۱۳ ص۵، کتاب الامارۃ، باب خیار الأئمة وشرارهم)

ترجمہ: اگلے سال ان پر اس درخت کی جگہ مخفی ہوگئی تھی، علماء نے فرمایا کہ اس درخت کے مخفی ہونے کا سبب یہ تھا، تاکہ لوگ اس درخت سے فتنہ میں مبتلا نہ ہوجائیں کہ اس کے نیچے خیر جاری ہوئی ہے، اور اللہ کی رضا اور سکینہ وغیرہ نازل ہوئی ہے، پس اگر اس درخت کو ظاہری اور معلوم طریقہ پر باقی رکھا جاتا، تو دیہاتیوں اور جاہلوں کی طرف سے اس کی تعظیم اور اس کی عبادت کا خوف تھا، پس

اس درخت کا مخفی ہو جانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت تھا (شرح النووی)

علامہ شمس الدین کرمانی (المتوفیٰ :786ہجری) نے بھی صحیح بخاری کی شرح میں اسی مذکورہ حکمت کا ذکر فرمایا ہے۔ [1]

نیز علامہ بدرالدین عینی (المتوفی:855ہجری) نے بھی صحیح بخاری کی شرح میں اسی حکمت کا ذکر فرمایا ہے۔ [2]

اور علامہ قسطلانی نے شرح بخاری کی شرح ''ارشاد الساری'' میں بھی اسی حکمت کا ذکر کیا ہے۔ [3]

اور علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے بھی اسی حکمت کا ذکر کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

وبيان الحكمة فى ذلک وهو أن لا يحصل بها افتتان لما وقع تحتها من الخير فلو بقيت لما أمن تعظيم بعض الجهال لها حتى ربما أفضى بهم إلى اعتقاد أن لها قوة نفع أو ضر كما نراه الآن مشاهدا فيما هو دونها وإلى ذلک أشار بن عمر بقوله كانت

---

[1] قالوا سبب خفائها أن لا يفتن الناس بها لما جرى تحتها من الخير ونزول الرضوان فلو بقيت ظاهرة معلومة لخفيف تعظيم الجهال إياها وعبادتهم لها فإخفاؤها رحمة من الله تعالى(الكواكب الدرارى فى شرح صحيح البخارى، ج١٦ ص ١٧، كتاب المغازى، باب غزوة الحديبية)

[2] قوله: (كانت رحمة) ، أى: كانت هذه الشجرة موضع رحمة الله ومحل رضوانه، قال تعالى(لقد رضى الله عن المؤمنين إذ يبايعونک تحت الشجرة)وقال النووى: سبب خفائها أن لا يفتتن الناس بها لما جرى تحتها من الخير، ونزول الرضوان والسكينة وغير ذلک، فلو بقيت ظاهرة معلومة لخيف تعظيم الأعراب والجهال إياها وعبادتهم إياها، وكان خفاؤها رحمة من الله تعالى(عمدة القارى للعينى، ج١٤ ص٢٢٣، كتاب الوصايا، باب البيعة فى الحرب أن لا يفروا)

[3] (فما اجتمع منا اثنان على الشجرة النبى بايعنا تحتها) أى ما وافق منا رجلان على هذه الشجرة أنها هى التى وقعت المبايعة تحتها بل خفى مكانها أو اشتبهت عليهم لئلا يحصل بها افتتان لما وقع تحتها من الخير فلو بقيت لما أمن من تعظيم الجهال لها حتى ربما يفضى بهم إلى اعتقاد أنها تضر وتنفع فكان فى إخفائها رحمة، وإلى ذلک أشار ابن عمر بقوله: (كانت رحمة من الله)(ارشاد السارى لشرح صحيح البخارى للقسطلانى، ج٥ص١٢٠، كتاب الوصايا، باب البيعة فى الحرب أن لا يفروا)

رحمة من الله أى كان خفاؤها عليهم بعد ذلك رحمة من الله تعالى ويحتمل أن يكون معنى قوله رحمة من الله أى كانت الشجرة موضع رحمة الله ومحل رضوانه لنزول الرضا عن المؤمنين عندها (فتح الباری لابنِ حجر) [1]

ترجمہ: اوراس (درخت کے بعض حضرات کو معلوم نہ ہونے) میں حکمت کا بیان یہ ہے، تاکہ اس کی وجہ سے فتنہ پیدا نہ ہوجائے کہ اس درخت کے نیچے خیر واقع ہوئی تھی، پس اگر اس کو باقی رکھا جاتا، تو بعض جاہلوں کی تعظیم سے حفاظت نہ ہوتی، یہاں تک کہ بعض اوقات ان کا اعتقاد یہاں تک پہنچ جاتا کہ درخت کو نفع یا نقصان کی قدرت حاصل ہے، جیسا کہ ہم آج اس سے کم تر مشاہد کو دیکھتے ہیں، اوراسی کی طرف حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول ''كانت رحمة من الله'' سے اشارہ کیا ہے، یعنی اس کے بعد درخت کا ان پر مخفی ہوجانا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت تھا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے معنیٰ یہ ہوں کہ درخت اللہ کی رحمت اوراس کی رضا نازل ہونے کی جگہ تھا، کیونکہ اس کے قریب مومنوں پر اللہ کی رحمت اور اللہ کی رضا نازل ہوئی تھی (فتح الباری)

ایک اور مقام پر علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقد قدمت الحكمة فى إخفائها عنهم فى باب البيعة على الحرب من كتاب الجهاد عند الكلام على حديث بن عمر فى معنى ذلك لكن إنكار سعيد بن المسيب على من زعم أنه عرفها معتمدا على قول أبيه إنهم لم يعرفوها فى العام المقبل لا يدل على رفع معرفتها أصلا فقد وقع عند المصنف من حديث جابر الذى قبل هذا لو

---

[1] ج٦ص١١٨، كتاب الجهاد والسير، قوله باب البيعة فى الحرب على أن لا يفروا.

كنت أبصر اليوم لأريتكم مكان الشجرة .فهذا يدل على أنه كان يضبط مكانها بعينه وإذا كان فى آخر عمره بعد الزمان الطويل يضبط موضعها ففيه دلالة على أنه كان يعرفها بعينها لأن الظاهر أنها حين مقالته تلك كانت هلكت إما بجفاف أو بغيره واستمر هو يعرف موضعها بعينه ثم وجدت عند بن سعد بإسناد صحيح عن نافع أن عمر بلغه أن قوما يأتون الشجرة فيصلون عندها فتوعدهم ثم أمر بقطعها فقطعت (فتح البارى لابنِ حجر) [1]

ترجمہ: اور اس درخت کے مخفی ہونے کی حکمت کتاب الجہاد کے ''باب البيعة على الحرب'' میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث پر کلام اور اس کے معنیٰ کے موقع پر گزر چکی ہے، لیکن حضرت سعید بن مسیّب کا اس پر نکیر کرنا، جو اس کے پہچاننے کا گمان کرتا ہو، یہ اپنے والد کے اس قول پر اعتماد کرتے ہوئے تھا کہ وہ اگلے سال اس درخت کو پہچان نہیں سکے تھے، جس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کی پہچان بالکل اٹھ گئی تھی، کیونکہ ''مصنف'' میں اس سے پہلے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث آئی ہے کہ اگر میں آج بینا ہوتا، تو تمہیں درخت کی جگہ دکھا دیتا، جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ درخت کی جگہ کو متعین طریقہ پر محفوظ رکھتے تھے۔

اور جب وہ طویل زمانہ گزرنے کے بعد آخری عمر میں بھی اس کی جگہ کو محفوظ رکھتے تھے، تو اس میں اس بات کی دلالت ہے کہ وہ بعینہٖ درخت کو بھی پہچانتے تھے، اور اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت انہوں نے یہ بات فرمائی، تو وہ درخت نابود ہوگیا، تھا، یا تو خشک ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے، لیکن وہ اس

---

[1] ج۷ص۴۴۸، كتاب المغازى،قوله باب غزوة الحديبية،قوله ونحن نعد الفتح بيعة الرضوان،الحديث العاشر والحادى عشر.

درخت کی جگہ کی متعین طریقہ پر پہچان برقرار رکھتے تھے، پھر مجھے ابنِ سعد میں صحیح سند کے ساتھ حضرت نافع کی یہ روایت ملی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی کہ کچھ لوگ درخت کے پاس آ کر نماز پڑھتے ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا، پھر اس درخت کو کاٹنے کا حکم فرمایا، تو اس درخت کو کاٹ دیا گیا (فتح الباری)

مطلب یہ ہے کہ بعض حضرات سے اس درخت کا مخفی ہوجانا مروی ہے، اور بعض سے اس درخت کا مٹ جانا، اور بعض سے اس کا باقی رہنا مروی ہے۔

علامہ ابن ملقن (المتوفٰی:804ہجری) اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

وقول جابر: (لو كنت أبصر اليوم لأريتكم مكان الشجرة)وقول سعيد فيما يأتي: (فلما خرجنا من العام المقبل نسيناها فلم نقدر عليها)، فقد يكون جابر أعلم الموضع وحرص على حفظه ولم يعلمه سعيد، ولا يرد قول من نسى قول من حفظ (التوضيح لشرح الجامع الصحيح، ج ۲۱ ص ۳۰۴، ۳۰۵، كتاب المغازى، باب غزوة الحديبية)

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ اگر آج میں بینا ہوتا، تو تمہیں درخت کی جگہ دکھلا دیتا، اور حضرت سعید کا یہ فرمانا، جیسا کہ منقول ہے کہ جب ہم اگلے سال نکلے، تو ہم اس درخت کو بھول گئے، اور ہم اس پر قادر نہ ہوئے، تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ درخت کی جگہ کو زیادہ جانتے تھے، اور اس کے محفوظ رکھنے کی حرص رکھتے تھے، اور حضرت سعید اس کو نہیں جانتے تھے، اور اس کو بھولنے والے کا قول اس کو یاد رکھنے والے سے نہیں ٹکراتا (التوضیح)

مطلب یہ ہے کہ بعض حضرات اس درخت یا اس کی جگہ کو بھول گئے، اور بعض نہیں بھولے، دونوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں، اور دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ، اپنے رسالہ ''النفع البرزۃ فی تحقیق قطع الشجرۃ''میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے متعلق فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر کے الفاظ تو بہت صاف ہیں کہ وہ تو اتنا ہی فرماتے ہیں کہ ہم میں سے دو آدمی بھی اس درخت پر اتفاق نہ کر سکے، جس سے صراحتاً یہی معلوم ہورہا ہے کہ وہ صرف اپنا تعیین نہ کرسکنا بتلا رہے ہیں، نہ کہ درخت نظروں سے غائب اور آنکھوں سے اوجھل ہو گیا تھا (امدادالاحکام) [1]

اسی رسالہ میں علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

ان حضرات کے اقوال سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ درخت نگاہوں سے غائب اور آنکھوں سے اوجھل ہو گیا تھا، بلکہ وہ صرف اپنا نہ پہچاننا اور جگہ کا یاد نہ رہنا اور اس درخت کا دوسرے درختوں سے مشتبہ ہونا بتلاتے ہیں، اس سے یہ سمجھنا کہ کرامت کے طور پر درخت دنیا سے اٹھالیا گیا، یا آنکھوں سے غائب اور اوجھل کردیا گیا، محض مضمون نگار کا خیالِ آفرینی ہے (امدادالاحکام) [2]

مزید فرماتے ہیں:

روایتِ صحیح بخاری سے درخت کا نظروں سے اوجھل ہوجانا اور غائب ہوجانا اور نہ پہچان سکنا اور جگہ میں اشتباہ ہوجانا ثابت ہے، اور قولِ سعید بن المسیب کو استغراقِ عربی پر محمول کیا جائے، تو بہت سے بہت مدینہ کے اکثر صحابہ کا بھول جانا اور نہ پہچاننا ثابت ہوجائے گا، اس سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ عام طور پر تمام صحابہ خصوصاً مکہ اور حدیبیہ اور حرم کے رہنے والے صحابہ بھی اس درخت کو بھول

---

[1] ج۴، ص۵۴۲، کتاب المتفرقات، رسالہ ''النفع البرزۃ فی تحقیق قطع الشجرۃ''، مطبوعۃ: دارالعلوم کراچی، طبعِ اول ۱۴۲۱ھ۔

[2] ج۴، ص۵۴۴، کتاب المتفرقات، رسالہ ''النفع البرزۃ فی تحقیق قطع الشجرۃ''، مطبوعۃ: دارالعلوم کراچی، طبعِ اول ۱۴۲۱ھ۔

گئے تھے، اور پہچان نہ سکتے تھے، یا وہ درخت ہی دنیا سے غائب ہوگیا تھا (امداد الاحکام) [1]

اور علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں:

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو مکانِ شجرہ کا علی سبیل التعین علم تھا، اور جب وہ درخت غیبی طور پر دنیا سے اٹھایا نہیں گیا، تو یقیناً جب تک وہ اپنی جگہ پر قائم رہا، اس وقت تک وہ درخت کو پہچانتے تھے، جس سے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ اس درخت کو اور اس کی جگہ کو نہ بھولے تھے (امداد الاحکام) [2]

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب کے رسالہ کے مذکورہ اقتباسات سے معلوم ہوا کہ ان کی تحقیق کے مطابق، بیعتِ رضوان والا درخت ختم نہیں ہوا تھا، البتہ بعض حضرات پر مشتبہ ہوگیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قطعِ شجرۃ کے واقعہ کی تفصیل

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس درخت کے نیچے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بیعتِ رضوان کی تھی، وہ درخت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک موجود تھا، جس کے پاس لوگ آیا کرتے تھے، اور وہاں آ کر نماز پڑھا کرتے تھے، اور غلو سے کام لیتے تھے، لوگوں کا یہ طرزِ عمل دیکھتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو کٹوا دیا تھا۔

چنانچہ ابنِ ابی شیبہ، معاذ بن معاذ سے، اور وہ عبداللہ بن عون سے، اور وہ حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

قَالَ بَلَغَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ، أَنَّ نَاسًا يَأْتُوْنَ الشَّجَرَةَ الَّتِىْ بُوِيعَ

---

[1] ج ۴، ص ۵۴۷، کتاب المتفرقات، رسالہ "النفع البرزة فی تحقیق قطع الشجرة" مطبوعہ: دار العلوم کراچی، طبعِ اول ۱۴۲۱ھ۔

[2] ج ۴، ص ۵۴۳، ملخصاً، کتاب المتفرقات، رسالہ "النفع البرزة فی تحقیق قطع الشجرة" مطبوعہ: دار العلوم کراچی، طبعِ اول ۱۴۲۱ھ۔

تَحْتَهَا، قَالَ فَأَمَرَ بِهَا فَقُطِعَتْ (مُصنف ابن أبی شیبة) [1]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر پہنچی کہ لوگ اس درخت کے پاس آتے ہیں، جس کے نیچے (صلح حدیبیہ کے موقع پر) بیعت ہوئی تھی (یعنی لوگوں کا گمان یہ تھا کہ یہ وہ درخت ہے، ورنہ اصلاً تو خود بیعت کرنے والوں سے بھی وہ اوجھل ومشتبہ ہوگیا، دوسروں کا کیا ذکر) تو آپ کے حکم پر اس کو کاٹ دیا گیا (ابنِ ابی شیبہ)

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ وہاں آ کر لوگ نماز پڑھا کرتے تھے۔

چنانچہ ابنِ سعد نے عبدالوہاب بن عطاء، اورانہوں نے عبداللہ بن عون سے، اورانہوں نے نافع سے روایت کیا ہے کہ:

كَانَ النَّاسُ يَأْتُوْنَ الشَّجَرَةَ الَّتِيْ يُقَالُ لَهَا شَجَرَةُ الرِّضْوَانِ فَيُصَلُّوْنَ عِنْدَهَا، قَالَ: فَبَلَغَ ذٰلِكَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَأَوْعَدَهُمْ فِيْهَا وَأَمَرَ بِهَا فَقُطِعَتْ (الطبقات الکبری،لا بن سعد) [2]

ترجمہ: لوگ اس درخت کے پاس آتے تھے، جس کو ''شجرۂ رضوان'' کہا جاتا تھا، پھر اس کے پاس نماز پڑھا کرتے تھے، جس کی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی، تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس پر ڈانٹا، اوراس درخت کو کاٹنے کا حکم فرمایا، پس اس درخت کو کاٹ دیا گیا (الطبقات الکبریٰ)

علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں مذکورہ روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ [3]

---

[1] رقم الحدیث ۷۶۲۷، کتاب الصلاة، باب فی الصلاة عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وإتیانہ.

[2] ج ۲،ص ۷۶،غزوة رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، الحدیبیة.

[3] قال ابن حجر: وجدت عند ابن سعد بإسناد صحیح عن نافع أن عمر بلغه أن قوما یأتون الشجرة فیصلون عندها فتوعدهم ثم أمر بقطعها فقطعت(فتح الباری شرح صحیح البخاری،للعسقلانی، ج۷،ص ۴۴۸، کتاب المغازی،باب غزوة الحدیبیة،الحدیث العاشر والحادی عشر)

لیکن بعض دیگر حضرات نے فرمایا کہ نافع نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا، اس لیے اس روایت کی سند منقطع ہے۔

اور اس روایت کی سند کا منقطع ہونا راجح ہے، اور منقطع حدیث کا درجہ بعض حضرات کے نزدیک ضعیف ہوا کرتا ہے۔

جبکہ بعض حضرات کے نزدیک منقطع حدیث حجت ہوتی ہے۔ [1]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے نافع کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت کو منقطع ہونے کی وجہ سے غیر صحیح قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] فاکہی نے ''اخبارِ مکہ'' میں یہ روایت عبداللہ بن عون کی سند سے براہِ راست حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اس روایت میں نافع کا واسطہ درمیان میں نہیں ہے۔

حدثنا حسين بن حسن المروزی قال: ثنا إسماعيل بن إبراهيم قال: ثنا ابن عون قال: " بلغ عمر رضی الله عنه أن الشجرة التی بويع عندها تؤتی، فأوعد فی ذلک وأمر بها فقطعت "(اخبارِ مكة للفاكهی، رقم الحديث ٢٨٧٦)

[2] **وروى عبد العزيز بن أبی رواد، عن نافع، أن مؤذنا لعمر أذن بليل، فأمره عمر أن يعيد الأذان، " وهذا لا يصح، لأنه عن نافع، عن عمر منقطع(سنن الترمذی، تحت رقم الحديث ٢٠٣، باب ما جاء فی الأذان بالليل)**

عرب کے مشہور عالم شیخ ناصر الدین البانی صاحب نے بھی نافع کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت کو منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

قلت :وهذا إسناد رجاله كلهم ثقات رجال الشيخين؛ لكن علته الانقطاع بين نافع وعمر، كما سبق بيانه فی الرواية السابقة(ضعيف أبی داود، تحت رقم الحديث ٧٢، باب اعتزال النساء فی المساجد عن الرجال)

بلکہ ناصر الدین البانی صاحب نے ''**تحذير الساجد من اتخاذ القبور مساجد**'' میں اس روایت کی تضعیف کی ہے، اور راجح اس کو قرار دیا ہے کہ وہ درخت صحابۂ کرام پر مخفی ہو گیا تھا، لیکن اس کے مخفی ہونے کی علت بھی یہی تھی، تاکہ جہلاء اس کی عقیدت و تعظیم میں غلو سے کام نہ لیں۔

عن نافع قال : بلغ عمر بن الخطاب أن ناسا يأتون الشجرة التی بويع تحتها فأمر بها فقطعت .

قلت : رواه ابن أبی شيبة أيضا (2 / 73 / 2) ورجاله ثقات كلهم لكنه منقطع بين نافع وعمر فلعل الواسطة بينهما عبد الله بن عمر رضی الله عنهما .

ثم استدركت فقلت: يبعد ذلک كله ما أخرجه البخاری فيه "صحيحه الجهاد "من طريق أخرى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ اپنے رسالہ ''النفع البرزة فی تحقیق قطع الشجرة'' میں فرماتے ہیں:

مضمون نگار نے اس پر زور دیا ہے کہ یہ اثر بقاعدہ محدثین منقطع ہے، کیونکہ نافع نے حضرت عمر کو نہیں پایا، اور منقطع قابلِ اعتماد و استناد نہیں ہوتا، اس کے بعد سردارانِ نجدیہ کی دیانت پر حملہ کیا ہے کہ یہ لوگ اپنے عقیدۂ مخترعہ کو ثابت کرنے کے لیے رطب ویابس کی تمیز بھی نہیں کرتے، لیکن مضمون نگار کو اس کی خبر نہیں کہ سردارانِ نجدیہ سے پہلے خود اس کے مسلّم علماء عینی اور حافظ (ابنِ حجر) جیسے محدثین جو نجدی یا وہابی نہیں، بلکہ حنفی اور شافعی مقلد ہیں، اس اثر کو نقل کر کے اس کی اسناد کو صحیح کہہ چکے ہیں، تو کیا ان کو بھی رطب ویابس کی تمیز نہ تھی، پس اس کو پہلے اپنے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن نافع قال: قال ابن عمر رضی الله عنهما: رجعنا من العام المقبل: فما اجتمع اثنان علی الشجرة التی بایعنا تحتها کانت رحمة من الله یعنی خفائها علیهم .فهو نص علی أن الشجرة لم تبق معروفة المکان یمکن قطعها من عمر فدل ذلک علی ضعف روایة القطع الدال علیه الانقطاع الظاهر فیها نفسها ومما یزیدها ضعفا ما روی البخاری فی "المغازی "من "صحیحه "عن سعید بن المسیب عن أبیه (قال) : " لقد رأیت الشجرة ثم أتیتها بعد فلم أعرفها "

ومن طریق طارق بن عبد الرحمن قال: انطلقت حاجا فمررت بقوم یصلون قلت: ما هذا المسجد قالوا: هذه الشجرة حیث بایع رسول الله صلی الله علیه وسلم بیعة الرضوان فأتیت سعید بن المسیب فضحک فقال: حدثنی أبی أنه کان فیمن بایع رسو الله صلی الله علیه وسلم تحت الشجرة فلما خرجنا من العام المقبل نسیناها فلم نقدر علیها .وفی روایة: فعمیت علینا فقال سعید: إن أصحاب محمد صلی الله علیه وسلم لم یعلموها وعلمتموها أنتم فأنتم أعلم.

أقول ولئن کنا خسرنا هذه الروایة المنقطعة کشاهد فیما نحن فیه من البحث بعد التأکد من ضعفها فقد کسبنا ما هو أقوی منها مما یصلح دلیلا لما نحن فیه وهو حدیث المسیب هذا وحدیث ابن عمر: فقد قال الحافظ فی شرحه إیاه:

والحکمة فی ذلک أن لا یحصل بها افتتان لما وقع تحتها من الخیر فلو بقیت لما أمن تعظیم بعض الجهال لها حتی ربما أفضی بهم الأمر إلی اعتقاد أن لها قوة نفع أو ضر کما نراه الان مشاهدا فیما هو دونها وإلی ذلک أشار ابن عمر بقوله: " کانت رحمة من الله "أی کان خفاؤها علیهم بعد ذلک رحمة من الله تعالی (تحذیر الساجد من اتخاذ القبور مساجد للالبانی، ص۹۳، الفصل الرابع شبهاتها وجوابها، الجواب عن الشبهة السادسة)

گھر کی خبر لینا چاہئے، پھر پاسدارانِ نجدیہ کو الزام دینا زیبا ہوگا۔

حملہ برخودمی کنی اے سادۂ مرد ہمچوں آں شیر کہ برخود حملہ کرد

نیز ان کو اپنے مذہب کے اصول کو بھی پڑھنا چاہیے، جس سے معلوم ہوگا کہ حنفیہ کے یہاں قرونِ ثلاثہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا منقطع بھی حجت ہے، اور اس کو صرف ہم نہیں کہتے، ملاحظہ ہو: نورالانوار ص ۱۸۴، ۱۸۵، ''**التقسيم الثاني في الانقطاع :وهو نوعان ظاهر وباطن ،اما الظاهر فمرسل من الاخبار ان كان من الصحابي فمقبول بالاجمال ، ومن القرن الثاني و الثالث مقبول عند الحنفية** ''

اور اہلِ نجد اپنے کو حنبلی کہتے ہیں، اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی حنفیہ کی طرح منقطع حجت ہے، ملاحظہ ہو''اعلام الموقعین لابن القیم ج۱ص ۸۱''۔

اور پاسدارانِ نجدیہ کے نزدیک منقطع ضعیف ہے، تو مطلقاً ضعیف نہیں، بلکہ وہ منقطع ضعیف ہے، جس کا ارسال کرنے والا ثقہ وغیر ثقہ ہر ایک سے ارسال کرتا ہو، اور اگر ارسال کرنے والا صرف ثقہ ہی سے ارسال کرتا ہو، یا وہ امام متفق علیہ ہو، تو اس کا ارسال وانقطاع محدثین کے یہاں مقبول ہے، یہی وجہ ہے کہ ''بلاغات مالک'' ان کے نزدیک صحیح ہیں، اور بخاری کی تعلیقاتِ مجزومہ بھی بحکمِ موصول صحیح ہیں، اور اصولِ حدیث میں پاسدارانِ نجدیہ محدثین ہی کے متبع ہیں، اب دیکھنا چاہیے کہ نافع کا ارسال کس قسم میں داخل ہے؟ تو ظاہر ہے کہ نافع متفق امام وثقہ ہیں، جب کوئی وجہ نہیں کہ مالک کا بلاغ حجت ہو، اور نافع کا بلاغ وارسال حجت نہ ہو، حالانکہ امام مالک نے جس سند کو اصح الاسانید کہا ہے، وہ نافع کے واسطہ سے ہے، اور دوسرے نافع کا صحیح الروایۃ ہونا اور ان کی روایت میں خطا نہ ہونا بھی ایک مسلم امر ہے'' ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب، ج۱۰ص ۴۱۴''

وقال الخليلی نافع من ائمة التابعين بالمدينة، امام فی العلم، متفق عليه، صحيح الرواية ، ولايعرف له الخطاء فی جميع ما رواه . اهـ، ملخصاً.

اس تصریح کے بعد نافع کے ارسال وانقطاع کے مقبول ہونے میں کیا کلام ہے، حیرت ہے کہ احمد بن حنبل اور بخاری اور مالک وغیرہ کسی بات کو جزم کے ساتھ بلاغاً یا تعلیقاً بلاسند بیان کریں، تو ان کا نام جزم وحجت ہو اور نافع جیسے امام التابعین متفق علیہ، ثقہ، صحیح الروایۃ کا جزم حجت نہ ہو، اس کو کوئی محدث تسلیم نہ کرے گا، علاوہ ازیں جن پاسدارانِ نجدیہ نے مقابر وقبب کے قابلِ انہدام ہونے کی تائید میں نافع کا یہ اثر پیش کیا ہے، ان کا مدعیٰ صرف اسی پر موقوف نہیں، بلکہ اس کو تو محض تائید کے درجہ میں وہ پیش کرتے ہیں، اور منقطع سے تائید کرنا اتفاقاً سب کے نزدیک درست ہے، اوران کا اصل مدعا احادیثِ مرفوعہ صحیحہ سے ثابت ہے، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف قبروں کے پختہ کرنے اور ان پر عمارت بنانے اور چراغاں کرنے سے منع فرمایا ہے، پس اگر مضمون نگار کو ہمت ہے، تو ان احادیث کا جواب دے کر اپنی مبتدع جماعت کی دستگیری کرے، محض اثرِ نافع کی تردید میں اتنا زور کیوں دکھلایا جاتا ہے، جس سے پاسدارانِ نجدیہ اتنا کہہ سکتے ہیں، اور پھر سبکدوش ہوسکتے ہیں کہ اس کو تو ہم نے محض تائید میں بیان کیا ہے، اور ہمارا اصل اعتماد احادیثِ مرفوعہ صحیحہ پر ہے (امداد الاحکام)[1]

بہرحال مذکورہ روایت کو تسلیم کرنے کے بعد اہلِ علم حضرات کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو اس لیے کٹوایا تھا کہ اس کے ساتھ لوگ غلو اور مبالغہ آمیز حرکات کا ارتکاب کیا کرتے تھے، یا پھر اس لیے کٹوایا تھا کہ جس درخت کے نیچے

---

[1] ج۴،ص۵۴۹تا۵۵۱، کتاب المتفرقات، رسالہ "النفع البرزة فی تحقيق قطع الشجرة" مطبوعہ: دارالعلوم کراچی، طبعِ اول ۱۴۲۱ھ۔

لوگ نماز پڑھا کرتے تھے، وہ بعینہٖ وہ درخت نہیں تھا، جس کے نیچے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بیعتِ رضوان کی تھی، کیونکہ بعض روایات کے مطابق صحابۂ کرام خود اس جگہ کو بھول گئے تھے، اور اس درخت کو وہاں نہیں پا سکے تھے۔

اس بارے میں اہلِ علم حضرات کے دونوں اقوال ہیں، بعض حضرات نے پہلے قول کو ترجیح دی، اور بعض حضرات نے دوسرے قول کو ترجیح دی۔

شمس الدین سفارینی حنبلی (المتوفی:1188ہجری) فرماتے ہیں:

ولم تزل تلك الشجرة إلى مدة خلافة أمير المؤمنين سيدنا عمر بن الخطاب -رضي الله عنه -، فبلغه أن أناسًا يذهبون إليها، ويصلُّون تحتها، ويتبرَّكون بها، فأمر -رضي الله عنه -بها، فقطعت، والحكمة في قطعِها، وإخفاءِ مكانها :خشية أن يحصل بها افتتان؛ لما وقع تحتها من الخير، وكانت تسمى :شجرةَ البيعة، وشجرةَ الرّضوان، فلو بقيت، لما أمن من تعظيم الجُهَّال لها، حتى ربما أفضى بهم الجهلُ إلى أنه بها قوةَ نفع وضرّ، كما هو شأن أبناء الزمان من فرط التعظيم والافتتان بما هو دونها من الشجر والبقاع، ونحوها لمجرد رؤية منام، أو كذبة كذّاب أنه رأى هناك شيخًا أو رجلًا صالحًا ممن يعتقدونه، حتى لقد بنيت المشاهد والصوامع لزعم زاعم :أنه رأى الخضر، أو إلياس، أو غيرهما بمكان كذا، والله أعلم (كشف اللثام شرح عمدة الأحكام، ج٦، ص٤٠٤، كتاب الأيمان والنذور، الحديث السابع)

ترجمہ: اور یہ درخت امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت تک باقی رہا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ لوگ اس کی طرف جاتے

ہیں، اور اس کے نیچے نماز پڑھتے ہیں، اور اس سے تبرک حاصل کرتے ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے کٹوانے کا حکم فرمایا، پھر اس درخت کو کاٹ دیا گیا، اور اس درخت کے کاٹنے اور اس کی جگہ کے مخفی رکھنے میں یہ حکمت تھی کہ لوگوں کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا ڈر تھا، کیونکہ اس کے نیچے خیر واقع ہوئی تھی، اور اس کا نام ''شجرۂ بیعہ'' اور ''شجرۂ رضوان'' رکھا جاتا تھا، پس اگر وہ باقی رہتا، تو جہلا اس کی تعظیم کرنے سے محفوظ نہ رہتے، یہاں تک کہ بعض اوقات ان کا جہل اس طرف پہنچا دیتا کہ درخت کو نفع اور نقصان وغیرہ کی قدرت ہے، جیسا کہ اس دور کے ان لوگوں کی حالت ہے، جو تعظیم میں مبالغہ کرتے ہیں، اور اس درخت سے کم درجہ کی چیزوں سے بھی فتنہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں، کوئی کسی درخت کی وجہ سے، اور کوئی کسی جگہ کی وجہ سے، اور کوئی کسی اور چیز سے، صرف خواب میں دیکھنے کی وجہ سے یا جھوٹے آدمی کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے کہ اس نے وہاں شیخ کو یا فلاں نیک صالح آدمی کو دیکھا، جس کی وہ عقیدت رکھتا ہے، یہاں تک کہ گمان کرنے والے کے اس گمان کی وجہ سے کہ اس نے خضر کو یا الیاس کو یا اس کے علاوہ کسی اور ہستی کو فلاں جگہ میں دیکھا ہے، اس جگہ عمارات اور مزارات وغیرہ بنا دیئے جاتے ہیں، واللہ اعلم (کشف اللثام)

اور علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ثم إن الصحابة رضى الله تعالى عنهم يقولون فى تلك الشجرة: إنا لما قدمنا من قابل لم يتفق اثنان منا فى تعيين تلك الشجرة، وفى الرواية أن عمر أمر بقطعها فاختار الشاه عبد العزيز أن أمر القطع كان لأجل أن لا يتبرك الناس بشجرة غير محققة، واختار الحافظ أنه كان لئلا يبالغ الناس فى تعظيمها، ويتجاوزوا عن حده.

قلت :والصواب ما ذكره الشاه عبد العزيز، فإنه إذا فقدت تلك الشجرة، ولم تتعين، فأين التبرك بها؟ وحينئذ لا يقوم حديث القطع حجة لمحق التبركات بآثار الصالحين، بل هو من باب دفع المغلطة، لأن القطع لم يكن لمخافة التعدى، بل لئلا يغلط الناس، فيتبركوا بشجرة غير متحققة (فيض البارى على صحيح البخارى، ج۵،ص۱۵۷، كتاب المغازى،باب غزوة الحديبية)

ترجمہ: پھر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس درخت کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ جب ہم اگلے سال آئے، تو ہم میں سے دو افراد بھی اس درخت کی تعیین پر متفق نہ ہوسکے، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو کاٹنے کا حکم فرما دیا تھا، پس حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ درخت کو کاٹنے کا حکم اس لیے تھا، تا کہ لوگ کسی دوسرے درخت سے برکت نہ حاصل کرنے لگیں، اور حافظ ابنِ حجر نے اس کو اختیار کیا ہے، تا کہ لوگ اس کی تعظیم میں مبالغہ نہ کریں، اور حد سے تجاوز نہ کریں۔

میں کہتا ہوں کہ (میرے نزدیک اجتہادی) صواب وہ ہے جس کا شاہ عبدالعزیز نے ذکر فرمایا، کیونکہ جب وہ درخت مفقود ہوگیا، اور متعین نہیں ہوسکا، تو اس سے تبرک کہاں رہ گیا؟ اور اس صورت میں درخت کو کاٹنے کی حدیث صالحین کے آثار سے تبرکات کو مٹانے کی دلیل نہیں بنے گی، بلکہ یہ حدیث مغالطہ کو دور کرنے کے قبیل سے تعلق رکھے گی، اس لیے کہ درخت کو کاٹنا تعدی اور حد سے تجاوز کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ اس لیے تھا، تا کہ لوگ غلطی نہ کر بیٹھیں، پھر وہ غیر متحقق درخت سے برکت حاصل کرنے لگیں (فیض الباری)

اور مولانا بدر عالم میرٹھی صاحب نے ''فیض الباری'' کے حاشیہ میں حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کی

اس سلسلہ میں عبارت ذکر کر کے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس درخت کو کٹوانے کی روایت اس حکمت کی تائید کرتی ہے، جس کو حافظ ابنِ حجر نے ذکر کیا ہے، لیکن جب اس درخت سے عام لوگ ناواقف تھے، تو حضرت شیخ علامہ کشمیری نے شاہ عبدالعزیز کی بیان کردہ حکمت کو ترجیح دی۔ [1]

اور یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی کہ صحیح روایات سے یہ ثابت ہے کہ صحابۂ کرام اس درخت کو بھول گئے تھے، اور محدثین نے اس بھولنے کی حکمت یہی بیان کی ہے، تاکہ اس درخت کی تعظیم میں غلو ومبالغہ سے کام نہ لیا جائے، پھر خواہ اس کا انتظام منجانب اللہ اس طرح کیا گیا ہو کہ اس درخت کو بھلا دیا گیا ہو، یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے کٹوانے سے کیا گیا ہو، مقصود ایک ہی ہے، اور ان دونوں میں سے ہر وجہ سے درخت یا کسی جگہ یا کسی دوسرے اثر کی تعظیم میں غلو ومبالغہ سے بچنا ثابت ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں علامہ ظفر احمد عثانی رحمہ اللہ کا تفصیلی علمی کلام پہلے گزر چکا ہے، جس کے چند اقتباسات موقع کی مناسبت سے ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

> مضمون نگار کے نزدیک جب ایک مبارک درخت کا کاٹنا تنگ خیالی اور اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا تنگ خیالی ثابت کرتا ہے، تو یقیناً ان مصاحفِ قرآنیہ کو نیست ونابود کرنا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں

---

[1] وقد تکلم علیه الحافظ فی "کتاب الجهاد -من باب البیعة فی الحرب "قال :وبیان الحکمة فی ذلک .وهو أن لا یحصل بها افتتان، لما وقع تحتها من الخبر، فلو بقیت لما أمن تعظیم بعض الجهال لها، حتی ربما أفضی بهم إلی اعتقاد أن لها قوة نفع أو ضرر، اهـ :ص - 73ج 6؛ ثم قال الحافظ علی :ص - 315ج :7ثم وجدت عند ابن سعد بإسناد صحیح عن نافع أن عمر بلغه أن قوما یأتون الشجرة، فیصلون عندها، فتوعدهم، ثم أمر بقطعها، فقطعت، اهـ .وإنما ذکرها الحافظ فی سیاق أن بعضا منهم کان یعرف تلک الشجرة، کما وقع عند البخاری من حدیث جابر، لو کنت أبصر الیوم لأریتکم مکان الشجرة، فدل علی أن بعضا منهم کان یعرفها، قلت :وإن کانت هذه الروایة تؤید الحکمة التی ذکرها الحافظ، لکنها لما کانت مجهولة عند عامتهم، رجح الشیخ ما ذکره الشاه عبد العزیز من الحکمة، والله تعالی أعلم بالصواب(حاشیة فیض الباری علی صحیح البخاری، ج۵،ص۱۵۷، کتاب المغازی،باب غزوة الحدیبیة)

لکھے گئے تھے، یا ان صحابہ کے مصاحف کو دھلوا کر چاک کر دینا، جو ترتیبِ نزولِ وحی پر انہوں نے لکھے تھے، مضمون نگار کے نزدیک بہت بڑی تنگ خیالی ہوگی، مگر تاریخ واحادیث شاہد ہیں کہ حضرت عثمان نے قرآن کو بترتیبِ موجود پر مرتب کر کے بقیہ مصاحف کو نیست ونابود کر دیا، تاکہ بعد میں امت کے اندر فتنہ رونما نہ ہو، بس مضمون نگار کو سمجھ لینا چاہیے کہ حضراتِ صحابہ کی نظر میں آثارِ قدیمہ سے زیادہ، احکام واعتقادات کی حفاظت ضروری تھی، وہ اس کی حفاظت کے لیے آثارِ قدیمہ کی زیادہ پرواہ نہ کرتے تھے۔

رہا واقعۂ رمل وقصہ مقامِ ابراہیم، تو اس سے مضمون نگار کا مدعیٰ کچھ حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ اس کا کسی نے دعویٰ نہیں کیا کہ ضروری آثار کا باقی رکھنا بھی جائز نہیں، یا ان کی زیارت ممنوع ہے، اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق فرقۂ نجدیہ یا پاسدارانِ نجدیہ کا یہ گمان ہے کہ وہ تمام آثارِ نبویہ کو مٹایا کرتے تھے، بلکہ ان کا دعویٰ (ملاحظہ ہو، اقتضاء الصراط المستقیم، لابن تیمیہ، ص ۱۸۵، ۱۸۶، جس میں بہت تفصیل کے ساتھ اس بحث کو بیان کیا گیا ہے) صرف اس قدر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ضروری آثار کو باقی رکھتے تھے، اور غیر ضروری کو مٹا دیا کرتے تھے، جبکہ ان کے ساتھ ضروری آثار جیسا معاملہ کیا جاتا، اور ضروری آثار وہ ہیں، جن کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمداً توجہ فرمائی ہو، یا ان کے متعلق امر فرمایا ہو، یا نص میں اس کی عظمت کی طرف اشارہ ہو، چنانچہ مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محراب اور منبر کی جگہ محفوظ رکھی گئی، وہ ستون محفوظ رکھا گیا، جس کی آڑ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالقصد نماز پڑھتے تھے، اسی طرح مقامِ ابراہیم کو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصلیٰ بنانا چاہا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر اس کا احترام ظاہر فرمایا تھا، ادھر نصِ قرآنی ''فیہ آیات بینات مقام ابراھیم''

نازل ہو چکا تھا(امدادالاحکام) [1]

بہر حال ضروری آثار کے ابقاء میں ان افعال وامکنہ کی حفاظت میں کسی کو کلام نہیں، جن کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بالقصد توجہ فرمائی، یا ان کی عظمت و حرمت کی طرف اشارہ فرمایا، یا ان کے متعلق حکم فرمایا ہو۔

گفتگو ان غیر ضروری آثار میں ہے، جن کی طرف حضور نے بالقصد توجہ نہیں فرمائی، نہ ان کی عظمت وحرمت کی طرف اشارہ فرمایا، نہ ان کے بارے میں کوئی حکم فرمایا، مثلاً سفر میں اتفاقاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جگہ قیام فرمایا، یا نماز کا وقت ہو جانے کی وجہ سے نماز پڑھی ہو، یا سائے کی غرض سے کسی درخت کے نیچے بیٹھے ہوں، ایسے اتفاقی آثار کے متعلق حضرت عمر کی تاکید تھی کہ ان کو ان آثار کی طرح نہ بنایا جائے، جن کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص توجہ وارادہ ثابت ہے، اوران مقامات کا نماز وغیرہ کے لیے خصوصیت سے قصد نہ کیا جائے، ملاحظہ ہو: اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ، ص ۱۸۵ (امدادالاحکام) [2]

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مسلک معلوم ہوگیا، اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ آثارِ نبویہ کے بارے میں حضرت عمر کا مسلک اپنے صاحبزادے سے الگ تھلگ تھا۔

تو اب مضمون نگار یہ بتلائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ''شجرۂ رضوان'' کا قاطع بتانا، بہتان کدھر سے ہے؟ بلکہ یہ منصِف اس کہنے پر مجبور ہوگا کہ اس واقعہ کی نسبت حضرت عمر کے مسلک کے موافق اوران کے طریقۂ اجتہاد کے عین مطابق ہے......۔

---

[1] ج۴،ص۵۵۳،۵۵۴، کتاب المتفرقات، رسالہ ''النفع البرزة فی تحقیق قطع الشجرة'' مطبوعۃ: دارالعلوم کراچی، طبعِ اول ۱۴۲۱ھ۔

[2] ج۴،ص۵۵۵، کتاب المتفرقات، رسالہ ''النفع البرزة فی تحقیق قطع الشجرة'' مطبوعۃ: دارالعلوم کراچی، طبعِ اول ۱۴۲۱ھ۔

گفتگو اِن آثارِ انبیاء میں ہے، جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یا کسی نبی کا اتفاقاً وہاں گزر ہو گیا ہو، یا انہوں نے اتفاقاً وہاں قیام کیا ہو، یا اتفاقاً نماز پڑھی ہو کہ ان کا اہتمام وقصد وتحری کرنا کیسا ہے، اور مقامِ ابراہیم اس بحث سے خارج ہے، کیونکہ بنائے کعبہ میں، حضرت ابراہیم کا کھڑے ہو کر بیتُ اللہ کی تعمیر کرنا، اتفاقاً نہ تھا (امدادالاحکام) [1]

جو لوگ ایسے آثار ومشاہد کی، جن پر اتفاقاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہو گیا ہو، زیارت وغیرہ سے منع کرتے ہیں، وہ کب کہتے ہیں کہ ان کی عظمت دل سے بھی نکال دی جائے، یا معاذ اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں ان کی عظمت نہ تھی، وہ تو صرف یہ کہتے ہیں کہ اُن آثار سے محبت ضرور کی جائے، مگر زیارت کا قصد واہتمام نہ کیا جائے کہ اس میں حد سے تجاوز اور دین میں غلو ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے تعدّی ہے، اور اگر محض زیارت ہی کی حد تک بات رہتی، تو مضائقہ نہ تھا، جیسا کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے، لیکن اب تو لوگ حد سے بڑھنے لگے، اور ان آثار کو عبادت گاہ بنانے لگے، اور ایسی حالت میں حضرت عمر نے اپنی دور بین نگاہ سے دیکھ کر، اُن آثار کے قصد واہتمام سے منع فرمایا تھا (امدادالاحکام) [2]

جب بخاری کی روایات سے اس درخت کا عام طور پر اختفاء واستتار یا غیبی طور پر اس کا غائب کر دیا جانا، ہرگز ثابت نہیں، بلکہ صحابہ وتابعین ہی کے زمانہ میں مسجد کا اس جگہ بن جانا، اور تابعین کا وہاں نماز پڑھنا بخاری سے ثابت ہے، تو اب ان

---

[1] ج۴، ص۵۵۶، ۵۵۷، کتاب المتفر قات، رسالہ "النفع البرزة فی تحقیق قطع الشجرة"، مطبوعۃ: دارالعلوم کراچی، طبعِ اول ۱۴۲۱ھ۔

[2] ج۴، ص۵۵۸، ۵۵۹، کتاب المتفر قات، رسالہ "النفع البرزة فی تحقیق قطع الشجرة"، مطبوعہ: دارالعلوم کراچی، طبعِ اول ۱۴۲۱ھ۔

روایات کو اثرِ نافع سے، جس میں حضرت عمر کا اس درخت کو کٹوانا مذکور ہے، کچھ بھی تعارض نہیں، بلکہ اس اثر میں اور بخاری کی روایات میں تطبیق اس طرح ظاہر ہے کہ اس درخت کو بعض صحابہ بھول گئے تھے، اور ان پر اس کی جگہ مشتبہ ہوگئی تھی، اور بعض جانتے اور پہچانتے تھے، اور جو صحابہ جانتے تھے، وہ یا اُن کے متبعین اس درخت کے نیچے نماز پڑھتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خبر سن کر، بخوفِ فتنہ اس درخت کو کٹوا دیا، تا کہ عوام کے اعتقادات متزلزل نہ ہو جائیں۔

بتلایئے! اب اس اثر میں اور بخاری کی روایات میں کیا تعارض ہے، پس یہ اشکال بھی ''ھباء منثورا'' ہوا، اور نافع کا یہ اثر روایتاً ودرایتاً ہر طرح بے غبار ہو گیا۔ **ولله الحمد۔**

اور اگر ہم تنزل کر کے تھوڑی دیر کو یہ مان بھی لیں کہ حضرت ابنِ عمر ومسیّب کی روایات سے عام طور پر اس درخت کا مخفی اور غائب کر دیا جانا، یا غیبی طور پر اٹھا لیا جانا مفہوم ہوتا ہے، تب بھی اثرِ نافع کو اِن روایات سے تعارض نہیں، کیونکہ اثرِ نافع کے الفاظ یہ ہیں، جو خود مضمون نگار نے ابنِ سعد سے نقل کیے ہیں۔

''فان الناس یاتون الشجرۃ التی یقال لھا شجرۃ الرضوان، فیصلون عندھا، فبلغ ذلک عمر ابن الخطاب فاوعدھم فیھا و امر بھا فقطعت''

اس میں نافع نے یہ کہاں دعویٰ کیا ہے کہ لوگ حقیقی ''شجرۃ الرضوان'' کے نیچے نماز پڑھنے جایا کرتے تھے، بلکہ وہ تو صرف یہ فرماتے ہیں کہ ایک درخت جس کو ''شجرۃ الرضوان'' کہا جاتا تھا، کے نیچے لوگ نماز پڑھتے تھے۔

اس میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ وہ واقعی وہی شجرہ ہو، جس کے نیچے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے بیعت لی تھی، یا اور کوئی درخت ہو، جس کو لوگوں نے ’’شجرۃ الرضوان‘‘ سمجھ کر اس لقب سے مشہور کردیا۔

پس مضمون نگار کے نزدیک اگر حقیقی شجرہ مخفی یا مفقود یا مرفوع من الدنیا ہو چکا ہے، اس کو اثرِ نافع کو رَد کرنے اور صحیح سند کو ضعیف کرکے اپنی لیاقت ظاہر کرنے کی ضرورت نہ تھی، وہ بخاری کی روایات اور اس اثر میں یوں مطابقت دے سکتا تھا کہ بعد میں لوگوں نے اپنے قیاس وظنِ غالب سے کسی اور درخت کو شجرۂ رضوان سمجھ کر متبرک قرار دے لیا ہوگا، حضرت عمر نے اس کو کٹوا دیا۔

اگر مضمون نگار یوں تقریر کرتا، اور اثرِ نافع کے ماننے والوں کو ملاحدہ وجہّال نہ بتاتا، تو ہم کو اس سے الجھنے کی ضرورت نہ تھی، بلکہ اس کو بھی اس فضول بحث میں پھنسنے کی نوبت نہ آتی، جس میں وہ کسی طرح کامیاب نہیں ہوسکتا، ہذا، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر، عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون، خانقاہ امدادیہ

۵، رجب المرجب، ۱۳۴۵ ہجری

(امداد الاحکام، ج۴، ص۵۶۶ و ۵۶۷، کتاب المتفرقات، رسالہ ’’النفع البرزۃ فی تحقیق قطع الشجرۃ‘‘ مطبوعۃ: دار العلوم کراچی، طبعِ اول ۱۴۲۱ھ)

یہ بھی ملحوظ رہے کہ 1344 ہجری میں جمعیتِ علمائے ہند کے مندوبین کا سعودی عرب کے بعض اہلِ علم اور شاہی خاندان کے افراد سے، اس سلسلہ میں مذاکرہ ہوا تھا، اور علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کی مذکورہ تحریر اس واقعہ کے اگلے سال یعنی 1345 ہجری کی ہے۔

پہلے تفصیل کے ساتھ یہ بھی ذکر کیا جاچکا ہے کہ قبروں پر عرس وغیرہ کے عنوان سے میلہ کا سماں بنانا، جائز نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قبر مبارک پر بھی اس کام سے منع فرمایا، لہٰذا دیگر متبرک آثار کی زیارت کے لیے بھی میلہ کا سماں بنانا جائز نہیں ہوگا۔

جیسا کہ ہمارے علاقوں میں رواج ہے، اور اس کی تردید اہلِ علم حضرات کی تصریحات کی روشنی میں پہلے ذکر کی جاچکی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فتنہ کی وجہ سے حطیم کو بیتُ اللہ میں داخل نہ کرنا

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ اپنی ڈائری میں 25 ذوالقعدۃ 1344 ہجری کی ''مؤتمر عالمِ اسلامی، مکہ مکرمہ'' ہونے والی اپنی تقریر کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

ہم جانتے ہیں کہ ابنِ سعود نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ''شجرۃُ الرضوان'' کو کٹوا ڈالا تھا، لیکن یہ صرف مصلحت تھی، قطعِ ذرائع شرک اور حسم مادہ شرک کے لیے، اگرچہ یہ مصلحت اب بھی موجود ہے، لیکن دوسری طرف آج مسلمانوں کے ائتلافِ قلوب کی مصلحت ہے، اور ان کو ان بلادِ مقدسہ کی طرف اور اس حکومت کی طرف سے جو یہاں حکومت کرے، نفور ہونے سے بچانا ہے، اور تشتت وتفرق کو کم کرنا ہے، دونوں مصالح کا موازنہ آپ خود کرسکتے ہیں۔

بہرحال کلام اب اصل مسئلہ میں نہیں، بلکہ مصالح کے توازن میں ہے، اس میں پوری احتیاط کرنی چاہیے، آپ بدعات ومنکرات سے لوگوں کو روکیں، نصیحت کریں، تادیب کریں، لیکن اصل چیز کو محو نہ کریں (انوارِ عثمانی، ص۹۵، ۹۶، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: محرم الحرام 1435 ہجری، بمطابق اکتوبر 2013 عیسوی)

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کی یہ عبارت پہلے گزر چکی ہے کہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ فعل اس وقت کیا، تو اس پر کوئی نکیر نہیں ہوئی، لہٰذا وہ مبنی بر مصلحت درست طریقہ پر تھا، اور اب تم نے جو کچھ کیا، اس کی وجہ سے تمام مسلمان برگشتہ ہیں، پس مصلحت کے بھی خلاف کیا ہے (ملفوظات محدث کشمیری، صفحہ ۱۸۴ تا ۱۸۶، ملخصاً، مطبوعہ: ادارہ دعوتِ اسلام، جامعیہ یوسفیہ بنوریہ، کراچی)

مطلب یہ ہے کہ متبرک مقامات وآثار کو کسی ضرورت ومصلحت سے مثلاً لوگوں کو شرک وبدعات سے بچانے کی خاطر محو کرنا، اگرچہ فی نفسہٖ جائز ہو، لیکن اس صورت میں عوام اور مسلمانوں کے برگشتہ اور متنفر ہونے اور تشتت وتفرق کے فتنہ سے حفاظت ضروری ہے، اور جب کسی چیز کو محو کرنے سے اس قسم کا فتنہ لازم آئے، تو اس سے اجتناب کرنے میں ہی عافیت ہے۔

اسلام میں فتنہ سے حفاظت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (سورة البقرة، رقم الآية ۱۹۱)

ترجمہ: اور فتنہ قتل سے زیادہ شدید ہے (سورہ بقرہ)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (سورة البقرة، رقم الآية ۲۱۷)

ترجمہ: اور فتنہ قتل سے زیادہ بڑا (جرم) ہے (سورہ بقرہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الجَدْرِ أَمِنَ البَيْتِ هُوَ؟ قَالَ: نَعَمْ قُلْتُ: فَمَا لَهُمْ لَمْ يُدْخِلُوْهُ فِي البَيْتِ؟ قَالَ: إِنَّ قَوْمَكِ قَصَّرَتْ بِهِمُ النَّفَقَةُ قُلْتُ: فَمَا شَأْنُ بَابِهٖ مُرْتَفِعًا؟ قَالَ: فَعَلَ ذٰلِكَ قَوْمُكِ، لِيُدْخِلُوْا مَنْ شَائُوْا وَيَمْنَعُوْا مَنْ شَائُوْا، وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيْثٌ عَهْدُهُمْ بِالْجَاهِلِيَّةِ، فَأَخَافُ أَنْ تُنْكِرَ قُلُوْبُهُمْ، أَنْ أُدْخِلَ الجَدْرَ فِي البَيْتِ، وَأَنْ أُلْصِقَ بَابَهُ بِالْأَرْضِ (صحيح البخاری) [1]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حطیم کے متعلق سوال کیا کہ کیا وہ بھی بیتُ

[1] رقم الحديث ۱۵۸۴، كتاب الحج، باب فضل مكة وبنيانها.

اللہ میں داخل ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں! میں نے عرض کیا کہ پھر کیوں اس کو بیتُ اللہ میں داخل نہیں کیا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری قوم کے پاس خرچ کم ہوگیا تھا، میں نے عرض کیا کہ پھر اس کا دروازہ کیوں اونچا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری قوم نے اس لئے ایسا کیا کہ جس کو چاہیں اندر آنے دیں، اور جس کو چاہیں روک دیں، اگر تمہاری قوم کا زمانہ جاہلیت سے قریب نہ ہوتا، اور مجھے اندیشہ نہ ہوتا کہ ان کے دل اس کو ناپسند سمجھیں گے، تو میں حطیم کو بیتُ اللہ میں داخل کر دیتا، اور اس کے دروازے کو زمین سے ملا دیتا (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ ناواقف لوگوں کے فتنہ اور بڑے ضَرر سے بچنے کے لیے چھوٹے ضَرر کو برداشت کرنا چاہیے۔ [1]

اور پہلے گزر چکا ہے کہ بعض صورتوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مستحب ہوتا ہے، مثلاً کسی مستحب چیز پر عمل کی ترغیب دینا یہ مستحب درجہ کا عمل ہے۔ [2]

اور بعض صورتوں میں ہاتھ یا زبان سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر حرام یا مکروہ ہوجاتا

---

[1] وفیه دلیل علی ارتکاب أیسر الضررین دفعا لأکبرهما، لأن قصور البیت أیسر من افتتان طائفة من المسلمین ورجوعهم عن دینهم (ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری للقسطلانی، ج۳ص۱۴۵، کتاب الحج، باب فضل مکة وبنیانها)

فیه دلیل لتقدیم أهم المصالح عند تعذر جمیعها کما سبق إیضاحه فی أول الحدیث(شرح النووی علیٰ مسلم، ج۹ ص۹۰، کتاب الحج، باب نقض الکعبة وبنائها)

[2] ویکون الاحتساب مندوبا فی حالتین:

الأولی :إذا ترک المندوب أو فعل المکروه فإن الاحتساب فیهما مستحب أو مندوب إلیه واستثنی من هذه الحالة وجوب الأمر بصلاة العید وإن کانت سنة، لأنها من الشعار الظاهر فیلزم المحتسب الأمر بها وإن لم تکن واجبة .

وحملوا کون الأمر فی المستحب مستحبا علی غیر المحتسب، وقالوا :إن الإمام إذا أمر بنحو صلاة الاستسقاء أو صومه صار واجبا، ولو أمر به بعض الآحاد لم یصر واجبا.

والثانیة :إذا سقط وجوب الاحتساب، کما إذا خاف علی نفسه ویئس من السلامة وأدی الإنکار إلی تلفها (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۷، ص۲۳۰،مادة "حسبة")

ہے، مثلاً جب اس کی وجہ سے کوئی بڑا مفسدہ مثلاً اجتماعی بدامنی یا فتنہ وفساد لازم آتا ہو۔ [1]

[1] شروط الإنكار
من شروط الإنكار :أن يغلب على ظنه أنه لا يفضى إلى مفسدة وأن يأمن على نفسه وماله خوف التلف(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٩، ص ١٢٥، مادة "منكر")
ويكون الاحتساب حراما فى حالتين:
الأولى :فى حق الجاهل بالمعروف والمنكر الذى لا يميز موضوع أحدهما من الآخر فهذا يحرم فى حقه، لأنه قد يأمر بالمنكر وينهى عن المعروف.
والثانية :أن يؤدى إنكار المنكر إلى منكر أعظم منه مثل أن ينهى عن شرب الخمر فيؤدى نهيه عن ذلك إلى قتل النفس فهذا يحرم فى حقه.
ويكون الاحتساب مكروها إذا أدى إلى الوقوع فى المكروه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص ٢٣٠،مادة "حسبة")
ويكون حكم الاحتساب التوقف إذا تساوت المصلحة والمفسدة، لأن تحقيق المصلحة ودرء المفسدة أمر مطلوب فى الأمر والنهى، فإذا اجتمعت المصالح والمفاسد، فإن أمكن تحصيل المصالح ودرء المفاسد فعل ذلك امتثالا لأمر الله تعالى لقوله :(فاتقوا الله ما استطعتم) وإن تعذر الدرء درئت المفسدة ولو فاتت المصلحة قال تعالى :(يسألونك عن الخمر والميسر قل فيهما إثم كبير ومنافع للناس وإثمهما أكبر من نفعهما) حرم الخمر والميسر لأن مفسدتهما أكبر من نفعهما وإذا اجتمعت المفاسد المحضة، فإن أمكن درؤها درئت، وإن تعذر درء الجميع درء الأفسد فالأفسد، والأرذل فالأرذل، وإن تساوت فقد يتوقف، وقد يتخير، وقد يختلف التساوى والتفاوت .
ويقول ابن تيمية :وجماع ذلك داخل فى القاعدة العامة فيما إذا تعارضت المصالح والمفاسد، والحسنات والسيئات، أو تزاحمت، فإنه يجب ترجيح الراجح منها فيما إذا ازدحمت المصالح والمفاسد، فإن الأمر والنهى وإن كان متضمنا لتحصيل مصلحة ودفع مفسدة، فينظر فى المعارض له، فإن كان الذى يفوت من المصالح أو يحصل من المفاسد أكثر لم يكن مأمورا به، بل يكون محرما إذا كانت مفسدته أكثر من مصلحته، لكن اعتبار مقادير المصالح والمفاسد هو بميزان الشريعة فمتى قدر لإنسان على اتباع النصوص لم يعدل عنها، وإلا اجتهد رأيه لمعرفة الأشباه والنظائر، وعلى هذا إذا كان الشخص أو الطائفة جامعين بين معروف ومنكر بحيث لا يفرقون بينهما، بل إما أن يفعلوهما جميعا، أو يتركوهما جميعا لم يجز أن يؤمروا بمعروف ولا أن ينهوا عن منكر، بل ينظر، فإن كان المعروف أكثر أمر به، وإن استلزم ما هو دونه من المنكر ولم ينه عن منكر يستلزم تفويت معروف أعظم منه، بل يكون النهى حينئذ من باب الصد عن سبيل الله والسعى فى زوال طاعته وطاعة رسوله وزوال فعل الحسنات، وإن كان المنكر أغلب نهى عنه وإن استلزم فوات ما هو دونه من المعروف، ويكون الأمر بذلك المعروف المستلزم للمنكر الزائد عليه أمرا بمنكر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس اگر متبرک مآثر وآثار کو محو کرنے اور مٹانے کی وجہ سے فتنہ لازم آتا ہو، تو اس سے پرہیز کرتے ہوئے، لوگوں کو منکرات سے منع کرنے پر اکتفا کرنا چاہئے۔

اس رسالہ کا خلاصہ

مذکورہ رسالہ میں جو تفصیل بیان کی گئی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ متبرک مآثر وآثار کے ساتھ غلو اور منکرات کے ارتکاب کی صورت میں ضروری اور مشروع اعمال پر مشتمل مآثر وآثار میں تو اختلاف نہیں کہ ان منکرات کے ازالہ کا اہتمام کیا جائے گا۔

اور ضروری مآثر وآثار سے مراد وہ آثار ہیں، جن کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمداً توجہ فرمائی ہو، یا ان کے متعلق امر فرمایا ہو، یا نصوص میں ان کی عظمت وفضیلت کی طرف اشارہ ہو۔

اور غیر ضروی وغیر مشروع اعمال والے مآثر وآثار کے متعلق فقہائے کرام کا اختلاف ہے، بعض ان کے ابقاء کے ساتھ ان پر ہونے والے مفاسد کے سدّ باب سے منع کرتے ہیں، اور بعض مفاسد ومنکرات کی صورت میں ان کے خاطر خواہ ابقاء یا ان کے اظہار کو خلافِ مصلحت سمجھتے ہیں، اور وہ اس سلسلہ میں دوسرے نصوص کے ساتھ ساتھ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول وفعل سے استدلال کرتے ہیں۔

اور جن مآثر وآثار میں بذاتِ خود کوئی اعمال مشروع نہیں، اور وہ صالحین کے آثار ہیں، ظاہر ہے کہ ان کو بدرجہ اولیٰ غیر ضروری آثار کا درجہ حاصل ہوگا۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وسعيا فی معصية الله ورسوله .وإن تكافأ المعروف والمنكر المتلازمان لم يؤمر بهما ولم ينه عنهما .فتارة يصلح الأمر، وتارة يصلح النهي، وتارة لا يصلح لا أمر ولا نهی .وإذا اشتبه الأمر استبان المؤمن حتى يتبين له الحق، فلا يقدم على الطاعة إلا بعلم ونية، وإذا تركها كان عاصيا، فترک الأمر الواجب معصية، وفعل ما نهى عنه من الأمر معصية وهذا باب واسع(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص ٢٣٠، و ٢٣١، مادة "حسبة")

لہٰذا دونوں پہلوؤں کے اعتبار سے مسئلہ مجتہد فیہا ہوا، جس کی رُو سے غیر ضروری آثار کو مفاسد سے اجتناب کے باعث، فی نفسہٖ عوام کی نظروں سے مخفی رکھنے یا باقی نہ رکھنے کی بھی گنجائش پائی جاتی ہے، لیکن اسی کے ساتھ عوام کی طرف سے فتنہ وفساد برپا ہونے کے پہلو کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے، جس کی اصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حطیم کو بیتُ اللہ کے اندر شامل نہ کرنے کی حدیث میں پائی جاتی ہے۔

ایسی صورت میں باوجود مذکورہ موقف کو راجح سمجھنے کے غیر ضروری آثار کو باقی رکھتے ہوئے عوام الناس کو اس سلسلہ میں غلو ومبالغہ سے بچنے کی تلقین وتبلیغ کا اہتمام کرتے رہنا بھی شریعت کی اصل تعلیمات کے مطابق ہے، جس کا علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے۔

اور غالباً اسی مصلحت اور عوام کے فتنہ وفساد سے حفاظت کی خاطر سعودی عرب کی حکومت نے متعدد مشہور مآثر مثلاً غارِ حراء، غارِ ثور وغیرہ سے تعرض نہیں کیا (جیسا کہ انہوں نے دیگر بہت سے مآثر سے کیا، جن کا یہ درجہ نہ تھا) جس میں جمعیت علمائے ہند کی مساعی اور کوششوں کا بھی دخل ہے۔

جس کے پیشِ نظر امت ایک بڑے فتنہ سے محفوظ رہی، اور علمائے امت کا فقہی اختلاف رحمت ہونے کی صورت میں ظاہر ہوا۔

بہرحال مقامات متبرکہ اور انبیاء وصلحاء کے آثار میں غلو وبدعات کا ارتکاب ہونے کے نتیجہ میں اعتدال کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

اگر انبیاء وصلحاء کے آثار میں غلو وبدعات کا ارتکاب ہو، تو اس صورت میں ایک طبقہ کا تو خیال یہ ہے کہ ان آثار ومقامات میں تغیر کر دیا جائے گا، اوران آثار کو ختم کر دیا جائے گا، جبکہ ایک طبقہ اس کا سخت مخالف ہے۔

ہمیں اس سلسلہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصولوں پر غور کرنے سے راجح یہ معلوم

ہوتا ہے کہ اگر وہ ایسی چیز ہو کہ جو شعائرُ اللہ سے تعلق رکھتی ہو، یا اس کے ساتھ شریعت کا کوئی مخصوص ومنصوص حکم وابستہ ہو، جیسا کہ حجرِ اسود، صفاومروہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرمبارک وغیرہ، تو اس میں ایسا تغیر کرنا جائز نہیں، جس سے شریعت کے اس منصوص حکم کی ادائیگی متعذر ہو جائے، بلکہ ایسی صورت میں اس منکَر کی اصلاح کی جائے گی۔

اور اگر وہ چیز شعائرُ اللہ سے تعلق نہ رکھتی ہو، اور نہ ہی اس کے ساتھ شریعت کا کوئی مخصوص منصوص حکم وابستہ ہو، جیسا کہ کوئی درخت یا عمارت وغیرہ، یا کوئی غیر شرعی زیادتی کی گئی ہو، مثلاً کسی نیک صالح کی قبر پر غیر شرعی عمارت وغیرہ بنادی گئی ہو، اور اس میں مناسب تغیر کرنے سے کوئی فتنہ لازم نہ آتا ہو، تو اس میں مناسب تغیر کرنے کی اجازت ہوگی، ورنہ دفعِ فتنہ کی خاطر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصولوں کے مطابق بقدرِ استطاعت دل، زبان یا ہاتھ سے اس منکر کی اصلاح کرنے پر اکتفاء کیا جائے گا۔

اور اگر متبرک مقام کوئی جگہ ہو، جیسا کہ کسی بزرگ وصالح کی قبر کی جگہ، یا کسی نبی کی جائے ولادت وغیرہ، تو اس جگہ کے آثار کو باقی رکھنے نہ رکھنے کا مسئلہ مجتہَد فیہ ہے، بعض حضرات کے نزدیک اس کو باقی رکھا جائے گا، اور اس میں غیر شرعی حرکات کا ارتکاب کرنے والوں کے منکرات کی بشرطِ قدرت اصلاح کا اہتمام کیا جائے گا، اور بعض کے نزدیک ان آثار کو باقی نہیں رکھا جائے گا، لیکن عوام کی طرف سے لازم آنے والے فتنوں سے حفاظت بہرحال ضروری ہوگی، البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی جگہ اس سے مستثنیٰ ہوگی، اور اس کو محو کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ فقط

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ .

محمد رضوان خان

21/ ربیع الآخر/ 1439ھ 09/ جنوری/ 2018ء بروز منگل

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

(رائے گرامی)

مولانا مفتی محمد امجد حسین صاحب زید مجدہٗ

(ادارہ غفران، راولپنڈی)

متبرک مقامات وآثار کے فضائل واحکام اور شدِّ رحال کی تحقیق پر مشتمل زیرِ نظر کتاب استاد حضرت مفتی محمد رضوان صاحب کی تازہ کاوش ہے، جو متعلقہ موضوع کے جملہ قابلِ ذکر ابواب اور قابلِ تحقیق پہلوؤں کو محیط ہے، ہر باب پر مستقل رسالہ میں تحقیق کی گئی ہے، کتاب انہی جملہ رسائل کا مجموعہ ہے، آپ کی دیگر بہت سی کتب کی طرح یہ کتاب بھی اپنے موضوع پر اچھوتا شاہکار ہے، اپنی عبقریت کو یہ کتاب ان شاء اللہ خاص وعام سے منوائے گی۔ ع

مشک آں است کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

کافی دنوں سے اس پر کام ہو رہا تھا، موضوع اتنا آسان نہیں تھا، افراط وتفریط کی زِگ زیگ (Zig Zag) اور بھول بھلیوں سے گزر کر صراطِ مستقیم کی طرف جادہ پیمائی کرنی تھی، اگر ایک طرف افراط اور اندھی عقیدت کی دلدلیں تھیں، جس کے ڈانڈے بار ہا شرک کی حدوں کو چھونے لگتے ہیں، تو دوسری طرف تفریط، ضرورت سے زیادہ خشکی، منفی ذہنیت، سرسری علمیت کی سنگلاخ زمین تھی، جس میں سے فرہاد کا تیشہ لے کر جوئے شِیر گزارنی تھی، کتاب کی تدوین ایسے ہی مراحل سے گزر کر ہوئی ہے، یہ نقش اگر تمام ہوا ہے، تو خونِ جگر ضرور اس میں شامل ہے۔ ع

نقش نا تمام ہیں سب خونِ جگر کے بغیر

میرا خیال ہے یہ موضوع مثبت ومنفی دونوں پہلوؤں سے صرف مسلمانوں کا ہی نہیں، پوری انسانیت کا سدا بہار اور ہمیشہ سے زندہ موضوع ہے، برکت اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے وابستہ روحانیت اور زمان ومکان، اشخاص واشیاء میں اس کے تجلیات ومظاہر، انسان اور

کائنات کی پوری تاریخ کا احاطہ کرنے والے حقائق ہیں، یہی چیزیں حد سے بڑھیں، تو دنیا میں شرک کا دور دورہ ہوا، اور مشرک قوموں میں، معاشروں اور سوسائیٹیوں کے مذہب، روایات، کلچر وتمدن کی ہزاروں سال پر مشتمل وہ تاریخ وجود میں آئی، جس کے پرت قرآن نے کھولے ہیں، اور مذہبی صحائف نے اس کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ غالب نے کہا تھا:

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزاءِ ایماں ہوگئیں

اور انہی چیزوں کا جب منفی رُخ میں بالکل رَد وانکار ہوا، تو دہریت والحاد، اور ماضی قریب میں اس دہریت کی منظّم ترین شکلوں، نظریۂ ارتقاء، مارکزم، کمیونزم کا دنیا میں پرچار ہوا، اور مشرق ومغرب میں بزورِ قوت انسانیت سے ان باطل نظاموں کا کلمہ پڑھایا گیا۔

کتاب میں یہ تحقیق بہت ہی قابلِ قدر ہے کہ تفریط سے متہم کئی نظریات، جن کو گمراہی سمجھا گیا، وہ خود اسی طرح اجتہادی اختلاف کی ایک شق یا ایک جانب نکلتی ہیں، جن میں فقہی فروعی اختلاف کی طرح کوئی جانب باطل، مذموم اور یقینی خطا نہیں ہوتی، بلکہ معاملہ محتمل بین الصواب والخطاء تک رہتا ہے، اور ہر فریق اپنے دلائل، وجہ نظر اور استدلال کا مکلّف اور عنداللہ ماجور ہوتا ہے۔

اس پسِ منظر میں میرا خیال ہے کہ یہ کتاب میرے لیے بہت ہی قابلِ قدر ہونی چاہئے کہ یہ مجھے روحانیت کے سفر میں جادۂ اعتدال پر رہنے میں کام دے گی، ممد ومعاون بن سکے گی۔

تبارک اسم ربک ذی الجلال والاکرام

فقط

محمد امجد حسین

16 جمادی الاولیٰ 1439 ہجری ۔ 03 فروری 2018 عیسوی۔ بروز ہفتہ

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

کتب خانہ ادارہ غفران کی مفید مطبوعات

(1)......ماہِ محرم الحرام کے فضائل واحکام
(2)......ماہِ صفر اور توہم پرستی
(3)......ماہِ ربیع الاول کے فضائل واحکام
(4)......ماہِ ربیع الاٰخر
(5)......ماہِ جمادی الاولیٰ وجمادی الاخریٰ
(6)......ماہِ رجب کے فضائل واحکام
(7)......شعبان وشبِ برأت کے فضائل واحکام
(8)...... ماہِ رمضان کے فضائل واحکام
(9)......شوال اور عید الفطر کے فضائل واحکام
(10)......ماہِ ذی قعدہ اور حج کے فضائل واحکام
(11)...... ذی الحجہ اور قربانی کے فضائل واحکام
(12)......زکاۃ کے فضائل واحکام
(13)......وساوس اور حقائق
(14)......کُرسی پر نماز کا شرعی حکم
(15)......تکوین وتشریع مع سوانحِ تنویر
(16)......بالوں ناخنوں اور مہندی وخضاب کے احکام
(17)......شادی کو سادی بنائیے
(18)......زلزلہ اور اس سے حفاظت
(19)......پانی کا بحران اور اُس کا حل
(20)......کھانے پینے کے آداب
(21)......اجتماعی ذکر کی مجلسوں کا شرعی حکم
(22)......انتخاب اور ووٹ کے احکام وآداب
(23)......مرد وعورت کی نماز میں فرق کا ثبوت
(24)...... حالاتِ عشرت ومکتوباتِ مسیح الامت
(25)......تذکرہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ
(26)......(آفات وبلیات وغیرہ سے حفاظت کا) وظیفہ
(27)......صدقہ کے فضائل اور بکرے کا صدقہ
(28)......نیند اور خواب کے احکام وآداب
(29)......مشورہ واستخارہ کے فضائل واحکام
(30)......رسول اللہ ﷺ کا خواتین کو اہم خطاب
(31)......نماز کے بعد دُعا اور ذکر کے فضائل واحکام
(32)......موزوں اور جرابوں پر مسح کے احکام
(33)......ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے کا حکم
(34)......مختصر ارکانِ اسلام اور طریقۂ نماز
(35)......رنگین تجویدی قرآنی قاعدہ
(36)......جُمعہ مبارکہ کے فضائل واحکام
(37)...... حُسنِ معاشرت اور آدابِ زندگی
(38)......صدقۂ جاریہ وایصالِ ثواب کے فضائل واحکام
(39)......مسائل واحکام
(40)......مختصر مسنون دعائیں
(41)......مختصر ارکانِ اسلام اور طریقۂ نماز
(42)......حُسنِ اخلاق

کتب خانہ ادارہ غفران کی مفید مطبوعات

(43)...... پیارے بچو

(44)...... ڈاڑھی کا شرعی حکم

(45)......ٹوپی کی شرعی حیثیت

(46)......نماز میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ

(47)......صفائی وپاکیزگی کی فضیلت واہمیت

(48)......درود وسلام کے فضائل واحکام

(49)......مسنون درود وسلام (جیبی سائز)

(50)......جانوروں کے حقوق وآداب

(51)......نومولود کے احکام واسلامی نام

(52)......مناسکِ حج کے فضائل واحکام

(53)......نقشہ اوقاتِ نماز، سحر وافطار (برائے راولپنڈی واسلام آباد)

(54)......مجالس حضرت عشرت (نواب قیصر صاحب)

(55)......خواتین کی مخصوص پاکی وناپاکی کے احکام

(56)......قنوتِ نازلہ، اِستسقاء اور نمازِ گرہن کے احکام

(57)......وتر کی نماز کے فضائل واحکام

(58)......نمازِ تراویح کے فضائل واحکام

(59)......نفل، سنت اور واجب اعتکاف کے فضائل واحکام

(60)......نفل وسنت نمازوں کے فضائل واحکام

(61)......اصلاحِ اخلاق اور حفاظتِ زبان

(62)......سیاست وحکومت

(63)......حجامہ یاسینگی کے فوائد واحکام

(64)......ایک انوکھا سفرِ حج

(65)......شراب اور نشہ کے نتائج واحکام

(66)......نظر لگنے کی حقیقت اور اس کا علاجِ نبوی

(67)......عشر وخراج اور جزیہ کے احکام

(68)......عمرہ کے فضائل واحکام

(69)......حج کا طریقہ

(70)......علمی وتحقیقی رسائل (جلد اول)

(71)......مریض ومعذور کی نماز وطہارت کے احکام

(72)......علمی وتحقیقی رسائل (جلد دوم)

(73)......قرائت، شعر، سماع اور موسیقی کا حکم

(74)......علمی وتحقیقی رسائل (جلد سوم)

(75)......تاریخِ تصوف ومشائخِ تصوف

(76)......علمی وتحقیقی رسائل (جلد چہارم)

(77)......مولانا عبیدُ اللہ سندھی کے افکار اور تنظیم فکرِ ولیُ اللّٰہی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ پر مزید تبصرے اور ماہنامہ الشریعہ کے تبصرہ پر استدراک

(78)......علمی وتحقیقی رسائل (جلد پنجم)

(79)......علمی وتحقیقی رسائل (جلد ششم)

(80)...... اچھے بچو

(81)...... رِشتہ داروں سے متعلق فضائل واحکام

(82)......اسلامی ناموں کی فہرست

(83)...... ماہنامہ ”التبلیغ“ کے علمی وتحقیقی رسائل

(84)......مولانا عبیدُ اللہ سندھی کے افکار اور تنظیم فکرِ ولیُ اللّٰہی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ